پاکستان کی سیاسی تاریخ 2

پاکستان کیسے بنا؟

زاہد چودھری

تکمیل و ترتیب: حسن جعفر زیدی

ادارہ مطالعۂ تاریخ

پاکستان کی سیاسی تاریخ
جلد 2

پاکستان کیسے بنا؟

زاہد چودھری

تکمیل و ترتیب:
حسن جعفر زیدی

ادارہ مطالعہ تاریخ

فہرست

تعارف جلد۔ 2

جلد دوم کا آغاز 16راگست 1946ء کو مسلم لیگ کے ڈائریکٹ ایکشن ڈے سے ہوتا ہے۔ مسلم لیگ نے متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے وزارتی مشن منصوبہ کی مجوزہ گروپنگ سکیم کو منظور کر لیا تھا مگر پھر کانگرس نے اس سکیم کی اعلانیہ مخالفت کر کے مشن منصوبہ کو سبوتاژ کر دیا۔ برطانوی حکومت اپنے اعلان کردہ منصوبے کی دھجیاں بکھرتے ہوئے دیکھتی رہی اور کانگرس کی منشا کے مطابق اس منصوبے سے انحراف کی راہ پر چلتی رہی کیونکہ برطانیہ کے سامراجی مفادات برصغیر کی بڑی جماعت یعنی کانگرس کی خوشنودی کے ساتھ وابستہ ہو چکے تھے۔ عبوری حکومت کی تشکیل کے فارمولے پر بھی برطانوی حکومت نے کانگرس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور لیگ کو حکومت سے باہر رکھنے کا سامان پیدا کر دیا گیا تھا۔ ان حالات میں مسلم لیگ نے وزارتی مشن منصوبہ رد کر دیا تھا اور 16راگست کو ڈائریکٹ ایکشن ڈے منانے کا اعلان کر دیا تھا۔

زیر نظر جلد کے جزو اول میں ڈائریکٹ ایکشن ڈے سے دیول کی برطرفی تک کے تمام واقعات اور ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس عرصہ کے دوران وزارتی مشن منصوبہ کی گروپنگ سکیم کے تحت ہندوستان کو متحد رکھنے کے بارے میں مسلم لیگ پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ کوشاں رہی اور جناح کے نزدیک یہ سکیم ایک کٹے پھٹے ناقابل عمل پاکستان کے مقابلے میں زیادہ ترجیح کی حامل رہی۔ تاہم ہندو۔ مسلم تضاد کی شدت، کانگرس کی تنگ نظری اور برطانوی حکومت کی منافقانہ روش کی بدولت یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ چنانچہ 46ء کے اواخر میں اپنے لندن کے قیام کے دوران جناح نے عالمی رائے عامہ پر یہ واضح کر دیا کہ تقسیم کے بغیر برصغیر کا امن برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ انہوں نے مطالبہ پاکستان پر کھل کر زور دینا شروع کر دیا تھا۔ تاہم یہ وہ کٹا پھٹا پاکستان نہیں تھا جس کے بارے میں کانگرسی رہنماؤں اور برطانوی حکمرانوں کے مابین ساز باز ہوئی تھی بلکہ یہ وہ پاکستان تھا جس میں پنجاب اور بنگال کو تقسیم سے دوچار نہیں کیا گیا تھا۔

ڈائریکٹ ایکشن ڈے کے موقع پر کلکتہ میں ہولناک فسادات ہوئے اور ہزاروں افراد ہلاک وزخمی ہوئے جن کی اکثریت مسلمان تھی۔آتش زنی اورلوٹ مار کی وجہ سے لاکھوں افراد بے گھر ہوئے۔مرنے اور زخمی ہونے والوں میں اکثریت مشرقی بنگال کے ساحلی علاقوں کے مسلمانوں کی تھی جومحنت مزدوری کرنے کلکتہ آئے ہوئے تھے اس لئے ان فسادات کی بازگشت وہاں سنی گئی اور نوا کھلی میں فسادات پھوٹ پڑے جن میں مسلمان کسانوں نے نسبتاً خوشحال ہندو زمینداروں کا قتل عام کیا اور ان کے گھروں کو لوٹا اور برباد کیا۔اس کے ردعمل میں بہار میں فسادات پھوٹ پڑے جس میں ہندوؤں نے مسلمان بستیوں کو اُجاڑ کر رکھ دیا اوران کا قتل عام کیا۔تھوڑا عرصہ گزرا کہ گڑھ مکتیشر میں ایک میلہ میں معمولی بات پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں جھگڑا ہوا اور فسادات کی آگ پھیل گئی۔ کلکتہ کے فسادات سے جو سلسلہ شروع ہوا تھااس کے بعد ہندوستان کے متحد رہنے کے امکانات تقریباً ختم ہو گئے تھے۔

وسیع فسادات سے خائف ہوکر انگریز انتظامیہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ کانگرس اور لیگ کوحکومت میں فوری طور پر شامل کئے بغیر فسادات پر قابو پانا اور پرامن انتقال اقتدار کوعمل میں لانا بہت مشکل ہو گا۔ چنانچہ پہلے کانگرس کواور بعد میں لیگ کوعبوری حکومت میں شامل کر لیا گیا۔عبوری حکومت کی تشکیل، وزارتوں کی تقسیم اور بعد میں جس طرح اس حکومت نے کام کیا اس سے اندازہ ہوگیا کہ کانگرس اور لیگ ایک حکومت میں اکٹھے کام نہیں کر سکتے۔دونوں کی کوشش ہوتی تھی کہ ایک دوسرے کو فیل کیا جائے۔کانگرسی رہنما اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ انگریزوں کے جانے کے بعد جس قسم کی مضبوط مرکزی حکومت بنانا چاہتے ہیں لیگ اس کے راستے میں ہمیشہ رکاوٹ بنی رہے گی۔لہٰذا لیگ کو ایک کٹا پھٹا، کرم خوردہ، ناقابل عمل پاکستان دے کر الگ کر دینا ہی بہتر ہوگا۔بعد میں اس کمزور پاکستان کو فتح کر کے اپنی مضبوط مرکزی حکومت کے زیرنگیں لانا زیادہ آسان راستہ ہوگا۔

اُدھر وائسرائے ویول اور لیگ کی کوشش تھی کہ وزارتی مشن منصوبہ کی اصل منشا کے مطابق گروپنگ سکیم پر ہر حال میں عمل ہونا چاہیے۔ یہ بات ویول اور کانگرس کے مابین شدید وجہ تنازعہ بن گئی اور کانگرس نے برطانوی حکومت سے ویول کی برطرفی کا مطالبہ کر دیا۔ دسمبر 1946ء میں جب ویول اور جناح نے لندن کا دورہ کیا تا کہ وزارتی مشن منصوبہ کو بچانے کی آخری کوشش کر لی جائے،تو وہاں قیام کے دوران ہی ویول کو برطرف کر دیا گیا اوراس کی جگہ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کا اعلان کر دیا

گیا جس کے لئے کانگرس نے اپنی ترجیح ظاہر کی تھی۔ کانگرس کا ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کیلئے مطالبہ اور برطانوی وزیراعظم ایٹلی کا اسے منظوری دینا اس لئے نہیں ہوا تھا کہ مبینہ طور پر نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کی بیوی ایڈوینا کے مابین کوئی معاشقہ چل رہا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ برطانوی سامراج اپنے مفادات فطری طور پر اس جماعت کو راضی کر کے محفوظ کر سکتا تھا جو برصغیر کی بڑی جماعت تھی، بڑی آبادی پر رسوخ رکھتی تھی اور بڑا علاقہ اس کے زیر اثر تھا۔ بعد میں حقائق نے ثابت کیا کہ بڑی دیر تک برطانوی کمپنیاں ہندوستان میں کام کرتی رہیں اور ان کے مفادات محفوظ رہے اور ہندوستان دولت مشترکہ کا سب سے اہم ملک بنا رہا۔

جزو دوم ماؤنٹ بیٹن کے دور پر محیط ہے جس میں انتقال اقتدار عمل میں آیا۔ ویول کی برطرفی اور ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کانگرس کی خوشنودی کی خاطر ہوئی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے 23 مارچ 1947ء کو ہندوستان کے آخری وائسرائے کے طور پر عہدہ سنبھالا تو چند ہی روز میں اسے یہاں کی دگرگوں صورتحال نے یہ احساس دلا دیا کہ انتقال اقتدار کی مجوزہ تاریخ جون 1948ء بہت لمبی ہے، ہمیں یہاں سے بہت جلد بھاگ جانا چاہیے۔ سر پر پاؤں رکھ کر اور دم دبا کر...... ہندو بورژوا پہلے ہی سے اس کے جانشین کے طور پر جگہ لینے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ برطانوی سامراج کے لیے بطور جانشین ہندو بورژوا ایک نعمت سے کم نہیں تھا کیونکہ وہ اس کے ذریعے بآسانی ہندوستان کو جدید نوآبادتی دور میں دھکیل سکتا تھا۔ برطانوی سامراج اور ہندو بورژوا کے مشترکہ مفادات کی راہ میں مسلمان حائل ہو گئے تھے۔ وہ کچھ لیے دیئے بغیر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ ماؤنٹ بیٹن مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ اور ان کے قائداعظم جناح پر بار بار غصہ کھاتا اور جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتا تھا۔ وہ لندن جو خطوط اور رپورٹیں بھیجتا ان میں جناح کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا تھا، پاکستان کو ''پاگل پاکستان'' قرار دیتا تھا۔

مئی 1947ء میں کانگرس نے جلد از جلد ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کرنے کے لئے تقسیم ہند اور مکمل آزادی کے بجائے ڈومینین کی حیثیت سے اقتدار کی منتقلی پر آمادگی ظاہر کر دی تو اس منصوبہ کی ساری تفصیلات ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کے ساتھ بیٹھ کر طے کیں۔ جناح کو اس منصوبہ سازی سے الگ تھلگ رکھا گیا کہ جس میں بنگال اور پنجاب کو تقسیم کیا گیا تھا اور ایک ایسا پاکستان تشکیل دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا جسے جناح ہمیشہ کٹا پھٹا' کرم خوردہ اور ناقابل عمل ملک قرار دیا کرتے تھے۔

باؤنڈری کمیشن اور ریڈکلف کے کردار کے بارے میں بہت سی باتیں کی جاتی ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ تقسیم کی حد بندی کے بارے میں اصل فیصلہ ماؤنٹ بیٹن اور اسکے معاون لارڈ اسمے نے نہرو کے مشورے کے ساتھ پہلے ہی سے کر رکھا تھا، ریڈکلف سے محض اس پر مہر لگوائی گئی تھی۔ریڈکلف اور اس کے کمیشن کے ارکان کو حد بندی سے متعلق دستاویزات اور دیگر سہولتیں بھی فراہم نہیں کی گئی تھیں۔سب کچھ بہت عجلت میں کیا جارہا تھا۔ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان بھی آزادی کے تین دن بعد 17 راگست کو کیا گیا تھا اور آخر وقت تک لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ پاکستان کے علاقہ میں ہیں یا ہندوستان کے۔

سرکاری دستاویزات یہ بتاتی ہیں کہ تقسیم کے وقت سکھوں کے ہاتھوں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام اور وہاں سے ان کے جبری انخلاء کے منصوبہ سے انگریز انتظامیہ پہلے سے واقف تھی۔انتقال اقتدار اور تقسیم پر عملدرآمد جس قدر عجلت میں کیا گیا اس کا لازمی نتیجہ شدید خونریزی کی صورت میں سامنے آیا۔

انتقال اقتدار کی رسومات کے دوران کانگرس کے رہنماؤں نے ہندو توہم پرستی اور دقیانوسیت کا جس طرح مظاہرہ کیا اس سے ان کے سیکولرازم کی قلعی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔اس کے برعکس قائداعظم جناح کی حلف برداری کی تقریب، انتقال اقتدار اور قیام حکومت کی تمام کاروائی سادہ اور غیر مذہبی طریقے سے انجام پائی۔

اس جلد کے آخر میں تین ضمیمے شامل کئے گئے ہیں۔ضمیمہ الف میں جماعت اسلامی کے بانی امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا ایک نایاب مضمون من وعن دیا گیا ہے جو یکم مئی 1946ء کو مولانا نے متحدہ ہند کے وفاق کی وکالت اور قیام پاکستان کی صریح مخالفت میں لکھا تھا۔یہ مضمون دائیں بازو کے عقیدہ پرستوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہونا چاہیے جو پاکستان کا مطلب کیا لاالہٰ الا اللہ کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے مگر یہ نہیں بتاتے کہ اگر واقعی ایسا ہی تھا تو تمام مذہبی جماعتیں قیام پاکستان کی مخالف کیوں تھیں۔

ضمیمہ ب قائداعظم کی تقریر کا مکمل متن ہے جو آپ نے 11 راگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں کی تھی اور اس میں پاکستان کے آئین کے بنیادی خدوخال واضح کر دیئے گئے تھے۔اس تقریر کو آئین پاکستان کا دیباچہ ہونا چاہیے تھا اور اس کی موجودگی میں کسی اور

قرارداد مقاصد کی منظوری کی ضرورت نہیں تھی ۔ یہ تقریر دائیں بازو اور مذہبی سیاسی جماعتوں کے اس دعویٰ کی نفی کرتی ہے کہ پاکستان کا ریاستی نظام مذہب کی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے۔

ضمیمہ ج میں تقسیم سے چند برس پیشتر کے عرصے میں مختلف سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے تناسب کے جدول شامل کئے گئے ہیں۔ ان سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی مسلمان ملازمتوں میں ہندوؤں سے بے حد پیچھے تھے اور یہ فرق قیام پاکستان کے بغیر کبھی دور نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے معاشی تفاوت کی فقط ایک مثال ہے۔ علاوہ ازیں کاروبار اور صنعت میں مسلمانوں کی محرومی دیدنی تھی۔ سیاست میں یہ حالت تھی کہ مسلم اکثریت کے صوبے پنجاب میں ان کی جماعت مسلم لیگ کو اسمبلی کی اکثریتی جماعت ہونے کے باوجود اقتدار سے محروم کر کے رکھا گیا تھا۔ ضمیمہ ج محض ایک سرسری جائزہ ہے جسے مزید مفصل بھی بنایا جاسکتا ہے۔ جدول کے ماخذ اُن کے ساتھ ہی دے دیئے گئے ہیں۔ یہ جدول بائیں بازو کے ان عقیدہ پرستوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہونے چاہئیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کا تضاد مصنوعی تھا اور متحدہ ہند میں مسلمانوں کی ترقی اور خوشحالی کے بڑے امکانات موجود تھے۔

دوسری جلد کا بڑا ماخذ بھی ٹرانسفر آف پاور 47-1942ء کے نام سے برطانوی حکومت کا شائع کردہ خفیہ سرکاری ریکارڈ ہے۔ بقیہ ماخذ بھی کم وبیش وہی ہیں جو جلد اول میں مددگار رہے ہیں۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن کے عہد کے ماخذوں میں اس کا پریس اتاشی ایلن کیمبل جانسن ایک اہم اضافہ ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی تفصیلات کے لیے مشرقی کمان کا سربراہ لیفٹیننٹ جنرل فرانسس ٹکر، برطانوی راج کے اواخر دور کے مورخ لیونارڈ موسلے، ای۔ ڈبلیو۔ آر۔ لمبی، لیری کولنز اور ڈومینیق پیرئی نئے اضافے ہیں۔

حسن جعفر زیدی

hjzaidi@gmail.com

جزو اوّل

فرقہ وارانہ فسادات اور متحدہ ہند
کے امکان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ

باب: 1

فرقہ وارانہ فسادات اور کانگرس حکومت کی تشکیل

ڈائریکٹ ایکشن ڈے اور کلکتہ کے ہولناک فسادات

اور پھر 16 راگست 1946ء کا دن آیا جو ہندوستان کی تاریخ میں فیصلہ کن ثابت ہوا۔ مسلم لیگ نے پورے ہندوستان میں ڈائریکٹ ایکشن ڈے منایا۔ جگہ جگہ جلسے ہوئے۔ کسی جگہ بدامنی نہ ہوئی۔ البتہ کلکتے میں ہندو مسلم فساد کا ایک ایسا ہولناک سلسلہ شروع ہوا جو تین دن تک جاری رہا۔ پہلے مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ انہوں نے بے گناہ ہندوؤں کا خوب قتل عام کیا۔ اس کے بعد ہندوؤں نے زبردست جوابی کاروائی کی جو 18 راگست کی رات تک جاری رہی۔ جب 19 راگست کی صبح کو فوج نے صورت حال پر قابو پایا تو کلکتے کی سڑکیں اور گلیاں بے گناہ ہندو اور مسلم عوام کی لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ پورے شہر میں گلی سڑی لاشوں کی ناقابل برداشت بو پھیلی ہوئی تھی اور بے شمار گدھ ٹوٹے پڑے تھے۔ تقریباً ایک لاکھ افراد مکانات جلنے سے خانماں برباد ہو گئے تھے جن کی عارضی پناہ کی خاطر مسلمانوں اور ہندوؤں کے علیحدہ علیحدہ کیمپ کھولے گئے تھے۔ بعض مقامی اخبارات کے تخمینے کے مطابق تقریباً پچاس ہزار افراد ہلاک و زخمی ہوئے تھے۔ ایک سرکاری تخمینہ جسے وی۔ پی مینن اور اس کے حوالے سے بیشتر مؤرخین نے لکھا ہے پانچ ہزار مرے تھے اور پندرہ ہزار زخمی ہوئے تھے۔ ایک مقامی اخبار سٹیٹس مین کے مطابق بھی ہلاک و زخمی ہونے والوں کی کل تعداد بیس ہزار تھی۔ تاہم 18 رنومبر کو برطانوی پارلیمنٹ میں وزارت ہند کی جانب سے ایک تحریری جواب میں بتایا گیا کہ 16 سے 19 راگست تک مرنے والوں کی تعداد چار ہزار اور زخمیوں کی تعداد دس ہزار رہی

تھی۔ کلکتہ کے بعد بنگال کے بعض دوسرے شہروں میں بھی فسادات ہوئے جو عام حالات میں شاید قابل ذکر ہوتے لیکن کلکتہ آگ اور خون کے جس دریا سے گزرا تھا اس کے سامنے ان کی اہمیت معمولی رہ گئی تھی۔ 16 / اگست تو پر امن رہا تھا لیکن پھر کلکتہ کے فسادات کی بازگشت چٹا گانگ اور ڈھاکہ میں بھی سنائی دی۔ چٹا گانگ میں 24 / اگست کو فوج نے جا کر حالات قابو میں کئے۔ وہاں 45 افراد مارے جا چکے تھے۔ ڈھاکہ میں دو سو مارے گئے۔ سلہٹ میں 16 / اگست کو معمولی فساد ہوا جہاں ابتدا میں مسلم لیگ اور جمعیت العلماء ہند کے کارکنوں کے مابین جھڑپ ہوئی اور پھر ہندوؤں کی دکانیں لوٹی گئیں۔ تاہم گورنر آسام کے بقول وہاں کے مسلمان ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بروقت حالات پر قابو پالیا۔

کلکتہ کا لرزہ خیز ہندو مسلم فساد کیوں اور کیسے ہوا؟ کون اس کا ذمہ دار تھا؟ اس کا آج تک فیصلہ نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ اس فساد میں فریقین کے جو بے گناہ لوگ مارے گئے وہ زیادہ تر جھگیوں اور فٹ پاتھ پر رہنے والے غریب لوگ تھے۔ حکومت ہندوستان نے اس فساد کی وجوہ معلوم کرنے کے لئے فیڈرل کورٹ کے ایک جج کی زیر صدارت جو تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا تھا اسے تقریباً ایک سال بعد توڑ دیا گیا تھا۔ جب کہ ابھی اس نے اپنی رپورٹ مرتب نہیں کی تھی۔ البتہ گورنر بنگال نے وائسرائے اور وزیر ہند کو ہنگاموں کے دوران روزمرہ واقعات سے آگاہی کے لئے صبح و شام جو خفیہ رپورٹیں ارسال کیں اور پھر 22 / اگست کو تمام واقعات پر مشتمل ایک مفصل خفیہ رپورٹ ارسال کی۔ اس کے مطابق فسادات کا آغاز 16 / اگست کو صبح سات بجے ہو گیا تھا۔ اس روز مسلم لیگ کی صوبائی حکومت نے اسمبلی اور گورنر کی منظوری سے عام تعطیل کا اعلان کیا تھا باوجودیکہ اسمبلی میں کانگرس کے ارکان نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ تاہم لازمی سروسز یعنی پانی، روشنی، بجلی، گیس، ڈاک و تار، ہسپتال، کلینک اور میٹرنٹی سنٹرز کو تعطیل سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ اس اعلان کے مطابق جو کہ کلکتہ کے ایک مسلم روزنامہ ''سٹار آف انڈیا'' میں 9 / اگست سے 13 / اگست تک باقاعدہ شائع ہوتا رہا تھا کلکتہ کے محلوں اور گردونواح کی آبادیوں سے چھوٹے چھوٹے جلوسوں نے یادگار آکٹرلونی (کلکتہ میدان) میں آکر جمع ہونا تھا جہاں بعد از نماز جمعہ ایک جلسہ عام کا انعقاد کیا گیا تھا۔ چنانچہ شہر کا تمام کاروبار صبح ہی سے معطل تھا۔ آخری لمحے پر کمیونسٹوں کے زیر اثر ٹرام

وے ورکرز اور بس مالکان نے بھی گاڑیاں اور بسیں نہ چلانے کا فیصلہ کیا تھا۔ یورپیوں نے اول تو اپنی دکانیں کھولی ہی نہیں تھیں اور اگر ان کی بعض دکانیں کھلی بھی تھیں تو مسلمان مظاہرین کی درخواست پر بلا مزاحمت بند کر دی گئی تھیں۔ لیکن ہندو اکثریت کے علاقے میں ہندوؤں نے اپنی دکانیں کھول رکھی تھیں۔ مسلمان مظاہرین نے، جو لاٹھیوں اور سلاخوں سے مسلح تھے، مشتعل ہو کر زبردستی دکانیں بند کرانے کی کوشش کی تو چھتوں پر سے اینٹیں برسائی گئیں جن سے ظاہر ہوا کہ ''ہندو بھی گڑبڑ کے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔'' اور پھر معاملہ اینٹوں اور لاٹھیوں تک نہ رہا بلکہ گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔ ہجوم کو تتر بتر کرنے کے لئے پولیس نے اشک آور گیس کے علاوہ گولی بھی چلائی۔ تاہم دکانیں جلائی اور لوٹی جاتی رہیں۔ تمام دن یہ ہنگامہ آرائی، جس میں چھرا گھونپنے کی وارداتیں بھی شامل تھیں، جاری رہیں۔ لیکن سب سے سنگین فسادات اس وقت شروع ہوئے جب کلکتہ میدان میں مسلم لیگ کا جلسہ ختم ہوا۔ جلسے میں خواجہ ناظم الدین کی تقریر اعتدال پسندانہ تھی جب کہ حسین شہید سہروردی کی تقریر کے بعض حصے اشتعال انگیز تھے۔ میدان سے مجمع ٹولیوں کی صورت میں بٹ کر واپس جا رہا تھا کہ فریقین کے مابین ٹکراؤ ہوا اور وسیع پیمانے پر قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ رات نو بجے کرفیو نافذ کر دیا گیا جو صبح چار بجے تک جاری رہا۔ 17 اگست فسادات کا بدترین دن تھا۔ صبح سات بجے سے ہنگامہ آرائی نے زور پکڑا اور دوپہر تک سینکڑوں افراد مارے جا چکے تھے۔ سہ پہر کے وقت بدترین علاقے فوج کے حوالے کر دیئے گئے۔ انگریز فوجیوں پر مشتمل تین بٹالینیں استعمال کی گئی تھیں۔ انہوں نے تین گھنٹے میں 818 راؤنڈ چلائے اور شام تک اس علاقے میں حالات قابو میں آ گئے۔ گلیاں اور بازار لاشوں سے اٹے پڑے تھے اور لٹی ہوئی دکانوں کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ فسادی ٹولے ایک دوسرے کے خلاف اور فوج کی گشت سے بچ نکلنے کے لئے گوریلا حربے اختیار کر رہے تھے۔ 18 اگست کو اس علاقے میں خونریز آنکھ مچولی کا سلسلہ جاری رہا جب کہ نواحی علاقوں میں بھی شدید ترین فسادات رونما ہوئے جو زیادہ تر صنعتی علاقے اور محنت کشوں کی بستیوں پر مشتمل تھے۔ یہاں گورکھا اور جاٹ بٹالینیں تعینات کی گئی تھیں۔ 19 اگست کی صبح تک آہستہ آہستہ تمام علاقوں میں فوج نے حالات پر قابو پا لیا تھا۔[1]
گورنر کے مراسلوں اور متذکرہ رپورٹ میں صوبے کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ سہروردی کی مستعدی

اور پولیس اور فوج کے ساتھ مل کر حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کا جا بجا تذکرہ کیا گیا ہے۔ البتہ گورنر نے اس بات کو قابل اعتراض قرار دیا کہ پہلے روز پولیس کے کنٹرول روم میں سہروردی بذات خود اپنے حمایتیوں کے ہمراہ موجود رہا جس وجہ سے پولیس کے افسر آزادانہ فیصلے نہ کر سکے۔ تاہم گورنر نے وائسرائے کو اس حقیقت سے بھی مطلع کیا تھا کہ ''جانی نقصان ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کا زیادہ ہوا تھا۔''[2] 19 راگست کو آزاد نے ویول کے ساتھ ملاقات میں بتایا کہ ''اگرچہ جمعہ کے روز ہندوؤں کا جانی نقصان زیادہ ہوا تھا لیکن اس کے بعد سے مسلمانوں کو زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔''[3] 21 راگست کو ویول نے پیتھک لارنس کے نام اپنے مراسلے میں لکھا تھا کہ ''بنگال کانگرس کا خیال ہے کہ ساری گڑبڑ مسلم لیگ وزارت نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کرائی ہے، لیکن مجھے ابھی تک اس کی کوئی تسلی بخش شہادت حاصل نہیں ہوسکی ہے۔''[4] کلکتہ کے اخبار سٹیٹس مین کا ایڈیٹر آئین سٹیفنز لکھتا ہے کہ ''مسلم لیگ کی وزارت اس قسم کا فساد کرانے کی خواہش نہیں کرسکتی تھی کیونکہ اس میں مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگرچہ پورے بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن کلکتہ میں وہ چھوٹی سی اقلیت میں تھے۔ شہر میں ان کی آبادی کا تناسب 25 فیصد سے زیادہ نہیں تھا۔''[5] یہاں روزگار کے سلسلے میں آئے ہوئے سکھوں کا بھی خاصا عنصر موجود تھا۔ خشونت سنگھ کے مطابق کلکتہ میں ان کی تعداد دس سے بیس ہزار کے درمیان تھی۔ شہر میں ٹیکسیوں اور بسوں کے ڈرائیور زیادہ تر سکھ تھے ان فسادات میں انہوں نے ہندوؤں کا ساتھ دیا، یا نہیں، اور دیا تو کس حد تک؟ اس بارے میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ گورنر بنگال کی متذکرہ رپورٹ، جس میں تین روز کے ایک ایک پل میں کیا گزری، تفصیل سے بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں سکھوں کا قطعی ذکر موجود نہیں ہے۔ ویول نے بھی ان کی شمولیت کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ البتہ ایسٹرن کمان کے کمانڈنگ انچیف لیفٹیننٹ جنرل فرانسس ٹکر نے 18 راگست یعنی تیسرے روز کے حالات بیان کرتے ہوئے صرف ایک جگہ اتنا لکھا ہے کہ ''سکھوں اور ہندوؤں سے بھری ہوئی ٹیکسیاں اور بسیں بھاگ دوڑ رہی تھیں جو کہ تلواروں، لوہے کی سلاخوں اور آتشیں اسلحہ سے لیس تھے۔''[6] آئین سٹیفنز بھی لکھتا ہے کہ دوسرے روز سہ پہر کے وقت سکھ بھی ملوث ہو گئے جو کہ 16 راگست کو بالکل الگ تھلگ رہے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس نے خود دیکھا کہ ان

کے غول کے غول ٹیکسیوں، لاریوں اور بسوں میں سوار مضافات سے شمال میں گنجان آباد علاقے کی جانب اس جھگڑے میں ہندوؤں کا ساتھ دینے کے لئے جارہے تھے۔"[7] لیکن 30 ستمبر کو وزیر اعلیٰ سہروردی نے ان افواہوں کی تردید میں طویل بیان جاری کیا کہ سکھوں کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف کوئی کاروائی کی گئی تھی۔ اس نے کہا کہ "ان پانچ خطرناک ایام کے دوران سکھ اپنی ٹیکسیاں اور بسیں اپنے اہل وعیال اور مال واسباب کو محفوظ مقامات پر پہنچانے کے لئے، لئے پھرتے تھے کہ یہ افواہ گرم ہوگئی کہ وہ مسلمانوں کے محلوں پر حملے کرتے پھر رہے ہیں۔ حالانکہ ایک بھی مسلمان محلہ ایسا نہیں کہ جہاں سکھوں کی جانب سے آج تک کبھی حملہ کیا گیا ہو لیکن افواہیں اب بھی گردش کر رہی ہیں۔" اس نے ان افواہوں کو بھی قطعی بے بنیاد قرار دیا کہ سکھ مختلف جگہوں پر جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کے منصوبے تیار کرتے ہیں۔"[8] خشونت سنگھ اس بیان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ سکھوں نے اپنی گاڑیوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کو پناہ مہیا کی اور محفوظ مقامات پر پہنچایا۔[9] تاہم اکا دکا یا معمولی تعداد میں سکھوں کی شمولیت کے امکان کو سہروردی اور خشونت سنگھ مسترد نہیں کرتے۔ چنانچہ دراصل یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سیدھا مقابلہ تھا۔

ہندو بورژوا کا خیال تھا کہ اس نے مسلم لیگ کا سر کچل دیا ہے جسے وہ دوبارہ نہ اٹھا سکے گی۔ گھنشام داس برلا نے 22 اگست کو سٹیفورڈ کرپس کے نام اپنے خط میں لکھا "......اس فساد کے بعد مجھے توقع نہیں کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہوگی۔ ایک طرح سے یہ ملا جلا گناہ تھا۔ مسلمانوں کو یہ احساس ہوگیا ہے کہ اس قسم کی چیز سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ آئندہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھاتے وقت خبردار رہیں گے۔"[10] اس خط میں اس نے لیگ وزارت کو برطرف کرنے کا بھی مطالبہ کیا۔ برلا نے ایک اور خط میں جو پارلیمانی نائب وزیر ہند آرتھر ہینڈرسن کو 22 اگست کو لکھا، بنگال کی لیگی وزارت کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس میں یاد دہانی کرائی گئی کہ جب وزارتی مشن ہندوستان میں تھا تو اس امکان کا جائزہ لیا گیا تھا کہ اگر لیگ کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تو خانہ جنگی کے کس درجہ امکانات ہوں گے۔ اس ضمن میں اس نے اپنی اور سٹیفورڈ کرپس کی ایک گفتگو کا بھی حوالہ دیا جس میں یہ نتیجہ نکالا گیا تھا کہ سنگین قسم کے فسادات بنگال میں اور خاص طور پر کلکتہ میں ہوں گے۔ اس پر کرپس نے کہا تھا کہ اگر لیگ

وزارت امن عامہ برقرار رکھنے میں ناکام رہی تو اسے برطرف کر کے دفعہ 93 (یعنی گورنر راج) لاگو کر دی جائے گی چنانچہ برلا نے یاد دلایا کہ ''اس وقت بنگال کے بارے میں جو بات محض خدشہ تھی اب حقیقت بن گئی ہے۔'' اس لئے مذکورہ پروگرام پر عملدرآمد کیا جائے اور لیگی وزارت کو برطرف کر دیا جائے۔ مخلوط حکومت کے بارے میں اس نے لکھا کہ لیگ اور کانگرس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ کانگرس اور دوسرے مسلمانوں کی مخلوط حکومت بن سکتی ہے۔ اس کی رائے تھی کہ ''اگر لیگی وزارت توڑ دی جائے تو بہت سے لیگی ارکان لیگ چھوڑ کر کانگرس کی مخلوط حکومت میں آ جائیں گے۔''[11] 22 اگست کو ہوریس الیگزینڈر نے جو کہ مسیحیوں کی ''مجلس احباب'' سے تعلق رکھتا تھا اور گاندھی اور کرپس و پیتھک لارنس کے مابین رابطے کا کام کرتا تھا، پیتھک لارنس کو خط لکھا کہ بنگال میں مخلوط حکومت قائم کی جائے۔ اس نے انہی دنوں بنگال اسمبلی میں کانگرس پارٹی کے سربراہ سرت چندر بوس اور دوسرے کانگرسی رہنماؤں کی گورنر کے ساتھ ملاقاتوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ اب گورنر اور ان رہنماؤں کے مابین افہام وتفہیم کی بہتر فضا پائی جاتی ہے اس لئے مخلوط حکومت وضع کرنے کے لئے ''اس وقت بہترین موقع ہے۔''[12] چنانچہ اس سے قطع نظر کہ فسادات میں کس کے کیا عزائم تھے اور کس کا کیا کردار رہا تھا، اب کانگرس بنگال کی لیگ وزارت کا بہرصورت خاتمہ چاہتی تھی، برلا کو امید تھی کہ وہ اعتدال پسند لیگیوں کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ پیتھک لارنس اور ویول، برلا کے اس منصوبے کے ساتھ تو متفق نہ ہوئے، البتہ وہ صوبے میں لیگ اور کانگرس کی مخلوط حکومت کے قیام کے قائل ہو گئے تھے لیکن ویول کی رائے تھی کہ صوبے میں اس کی کامیابی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک مرکز میں لیگ اور کانگرس کی مخلوط حکومت قائم نہیں ہو جاتی۔ لیکن کلکتہ کے فسادات نے تصفیہ کے امکانات کو مزید دور دھکیل دیا تھا۔

ابوالکلام آزاد جو اگرچہ کلکتہ کے فسادات کا فوری مجرم سہروردی وزارت کو ٹھہراتا تھا، پس منظر میں کانگرس کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''حالات نے جو رخ اختیار کیا اس کی بنا پر کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان پر امن تصفیے کا امکان تقریباً ختم ہو گیا۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہ عظیم ترین المیہ تھا اور مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے ہی مسلم لیگ کو سیاسی اور فرقہ وارانہ سوال کو از سر نو چھیڑنے کا موقع فراہم کیا جس کا یہ بے رحمانہ نتیجہ نکلا۔

جناح نے (ہماری) اس غلطی کا پورا فائدہ اٹھایا اور لیگ نے وزارتی مشن منصوبے کی منظوری کا جو فیصلہ کر رکھا تھا اسے واپس لے لیا۔'' جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا کہ آزاد، لیگ کی ناراضگی کی تمام تر ذمہ داری نہرو پر ڈالتا تھا اس لئے اس نے مزید لکھا کہ ''جواہر لال میرے بہت اچھے دوستوں میں سے ہے...... لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات وہ جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ بعض اوقات وہ اپنی تصوراتی سوچوں سے اس قدر مغلوب ہو جاتا ہے کہ صورت حال کی حقیقتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتا۔ مجرد نظریے کے ساتھ اس کی رغبت آئین ساز اسمبلی کے بارے میں اس کے بیان کی ذمہ دار بنی تھی اور اس کے اسی تصوراتی رجحان نے 1937ء میں بھی اس سے ایسی ہی غلطی سرزد کرائی تھی......'' اور پھر وہ اس تفصیل میں چلا جاتا ہے کہ کس طرح 1937ء کی غلطی ہی کافی سنگین تھی لیکن 1946ء کی غلطی اس سے بھی زیادہ مہنگی پڑی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جواہر لال کو کبھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ مسلم لیگ ڈائریکٹ ایکشن پر اتر آئے گی۔ جناح کبھی بھی عوامی تحریک کے حق میں نہیں رہا تھا۔ میں خود بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ آخر جناح میں یہ تبدیلی کیوں رونما ہوئی۔ غالباً اسے امید تھی کہ جب مسلم لیگ وزارتی مشن کے منصوبے کو مسترد کر دے گی تو حکومت برطانیہ سارے مسئلے کو از سرنو زیر بحث لائے گی اور وہ اپنے مطالبات پر مزید زور دے کر کچھ اور فائدہ حاصل کر سکے گا۔ لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا۔ حکومت برطانیہ نے جناح کی خواہش کی تکمیل کی خاطر بات چیت کا از سرنو سلسلہ شروع نہ کیا۔''[13]

گویا آزاد کے نزدیک ہندو بورژوا کے کوئی عزائم نہ تھے اور نہ ہی مسلمانوں کو کوئی مسئلہ درپیش تھا۔ یہ محض نہرو کی جذباتیت اور تصور پرستی تھی کہ اس سے غلطی سرزد ہوگئی اور جناح نے جو کہ فائدہ اٹھانے کے لئے تاک میں بیٹھا تھا، سارا کام خراب کر دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اگر ایک طرف جی۔ ڈی۔ برلا بنگال کی لیگی وزارت گرانے کی فکر میں تھا اور اس مقصد کے لئے کرپس کے ساتھ طے شدہ پروگرام پر عملدرآمد چاہتا تھا اور دوسری طرف سہروردی نے فسادات میں جانبداری سے کام لیا تھا تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ دونوں فرقوں کے مابین تضاد اپنی شدت تک پہنچ چکا تھا۔ ہندوستان کی ایسٹرن کمانڈ کے جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف لیفٹیننٹ جنرل فرانسس ٹکر نے لکھا ہے کہ ''اگست کے پہلے دو ہفتوں میں کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں نے

کلکتہ کے پبلک جلسوں میں ایک دوسرے کے خلاف بہت اشتعال انگیز تقریریں کی تھیں۔ جب بنگال کی حکومت نے 15راگست کو یہ اعلان کیا کہ مسلم لیگ کا ڈائریکٹ ایکشن ڈے منانے کے لئے 16راگست کو عام تعطیل ہوگی تو صوبائی اسمبلی میں بہت تلخ بحث ہوئی۔ اس بحث سے یہ پتہ چلتا تھا کہ ہندوؤں نے اس حکم پر کتنا برا منایا ہے۔ ان کی خفگی کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک کلکتہ میں ہڑتالیں کرانے کی اجارہ داری کانگرس کے پاس رہی تھی...... انہیں سیاسی استحصال کے اس پسندیدہ میدان میں کسی دوسرے حریف اور بالخصوص مسلم لیگ جیسے طاقتور حریف کے آن موجود ہونے کے امکان پر بہت غصہ آیا تھا۔''[14] تاہم جس کسی نے بھی کلکتے میں قتل و غارت کی ابتدا کرائی تھی اسے غالباً یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کے نتیجے میں ہندوستان کی تقدیر کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تاریخی تضاد پہلے ہی نہایت مشکل اور پیچیدہ صورت اختیار کر چکا تھا لیکن اس المیے کے بعد یہ بالکل لاینحل ہو گیا۔ فرقہ وارانہ تضاد نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی۔ فریقین کے مابین خون کی ایسی خلیج حائل ہوگئی جسے عبور کرنا ممکن نہیں تھا۔ کانگرس کا ''ایک قومی نظریہ'' کلکتہ کے خون میں غرق ہو گیا۔ ہندوستان کی تقسیم بظاہر ناگزیر ہوگئی۔

کانگرس کا مطالبہ کہ لیگ کو باہر رکھ کر، کانگرس کو حکومت بنانے دی جائے

جب 17راگست کو کلکتہ میں بے گناہوں کا قتل عام انتہائی وحشت و بربریت کے ساتھ جاری تھا تو اس وقت کانگرس کا صدر پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کابینہ کے ارکان کی فہرست لے کر وائسرائے ویول سے ملاقات کر رہا تھا۔ نہرو کا تاثر تھا کہ ''جناح نے جتنا سوچا تھا اب وہ اس سے کہیں آگے نکل گیا ہے اور اس مخمصے میں ہے کہ اس سے کس طرح نکلے۔'' یہ تاثر جی۔ ڈی برلا کے متذکرہ تاثر سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ ہندو بورژوا کا خیال تھا کہ کلکتہ کے فسادات سے جناح کے ہوش ٹھکانے آ گئے ہیں۔ لیگ کے لئے مزید خفت کا سامان پیدا کرنے کے لئے نہرو نے ویول سے مطالبہ کیا کہ عبوری حکومت میں لیگ کے لئے رکھی گئی پانچ نشستوں پر بھی کانگرس کو اختیار دیا جائے کہ وہ ان پر ''غیر جانب دار'' مسلمانوں کا تقرر کرے۔ کیونکہ لیگ اس عبوری حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر چکی تھی۔ ویول نے اصرار کیا کہ آپ کانگرس کی چھ اور اقلیتوں کی دو اور ایک سکھ نشست کو پر کریں اور لیگ کی پانچ نشستوں کو خالی چھوڑ دیں۔ اس

طرح حکومت کے وجود میں آنے کے بعد لیگ کو شامل کرنے کی کوشش بدستور جاری رکھی جائے کیونکہ اگر ان نشستوں کو غیر لیگی مسلمانوں سے پر کر دیا گیا تو لیگ کے ساتھ مفاہمت کا امکان مزید کم ہو جائے گا۔ نہرو نے کہا کہ اس طرح حکومت کے غیر مستحکم اور کمزور ہونے کا ثبوت مہیا ہو گا اس لئے مسلم لیگ کی نشستوں کو غیر لیگی مسلمانوں سے ضرور پر کیا جائے۔ نہرو نے مزید ایک مطالبہ یہ بھی کر دیا کہ حکومت کا سائز بڑھا کر چودہ رکنی کے بجائے پندرہ رکنی کر دیا جائے اور اضافی نشست پر ایک اینگلو انڈین کا تقرر کیا جائے۔"[15]

اگلے روز یعنی 18 راگست کو نہرو اور ویول کی ایک اور ملاقات ہوئی۔ ویول نے کہا کہ ہمیں جناح کو حکومت میں لانے کی ایک اور کوشش کرنی چاہیے اور ممکن ہے کلکتہ کے واقعات کے پیش نظر وہ مان ہی جائے کیونکہ خود نہرو کا کہنا ہے کہ "جناح اس صورت حال سے باہر نکلنے کی راہ ڈھونڈ رہا ہے۔" اس پر نہرو نے کہا کہ گزشتہ 48 گھنٹے کے واقعات نے جناح کے ساتھ رسائی کو اور بھی زیادہ مشکل بنا دیا ہے اور پھر یہ کہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ کوئی تصفیہ نہیں ہو سکے گا۔ کانگرس اپنے اس موقف سے پیچھے نہیں ہٹے گی کہ ایک غیر لیگی مسلمان کو حکومت میں شامل کیا جائے۔ اس لئے محض وقت ضائع ہوگا تاہم ویول اصرار کرتا رہا کہ جناح سے رابطہ استوار کرنا چاہیے۔ اس نے یہاں تک کہا کہ فوج میں پھوٹ پڑنے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ چنانچہ نہرو نے کہا کہ اچھا اس بارے میں ارکان مجلس عاملہ سے مشورہ کر کے آپ کو مطلع کر دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی نہرو نے لیگ کی پانچ نشستوں کے لئے غیر لیگی مسلمانوں کے نام بھی پیش کر دیئے جن میں آزاد کے علاوہ آصف علی، مولا بخش (سندھ)، علی ظہیر (صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس)، ظہیر الدین (صدر آل انڈیا مومن کانفرنس) شامل تھے۔ ویول نے کہا کہ ان لوگوں کو حکومت میں شامل کرنا لیگ کے لئے انتہائی اشتعال کا باعث ثابت ہوگا۔"[16]

19 راگست کو ویول نے پیتھک لارنس کو اس ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ "میں نہرو کو صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ حکومت برطانیہ ایک سے زیادہ غیر لیگی مسلمان کی تقرری پر آمادہ نہیں ہوگی۔"[17] اسی روز وائسرائے کے معاون برائے سیاسی امور وی۔ پی مینن نے وائسرائے کے لئے نوٹ لکھا کہ اگر ہم نے غیر لیگی مسلمانوں کو حکومت میں شامل نہ کیا "تو مسلم لیگ تو ہماری مخالف ہے ہی، کانگرس اور سکھ اور باقی دوسرے بھی ہمارے مخالف ہو

جائیں گے۔'' مزید یہ کہ اب جب کہ کانگرس کو حکومت بنانے کی دعوت دی جا چکی ہے تو افراد کے انتخاب کا اسے اختیار حاصل ہے۔''[18] اور اسی روز ویول کو نہرو کا جواب بھی موصول ہو گیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ کانگرس کی طرف سے جناح کا تعاون حاصل کرنے کے لئے پہلے ہی کوشش کی جا چکی ہے لیکن وہ تعاون پر آمادہ نہیں ہوا۔ لہٰذا مزید کوشش لاحاصل ہے۔ ہم نے لیگ کے بغیر آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور نمائندہ افراد کا انتخاب کر کے ہم ان سے رابطے بھی استوار کر چکے ہیں۔ ''لیکن اب آپ کی نئی تجویز نے سارے معاملے کی نوعیت کو بدل کر رکھ دیا ہے اور آپ نے ہماری اس ذمہ داری کو ختم کر دیا ہے جو آپ کے کہنے پر ہم نے اپنے سر لے لی تھی۔ اب ہمیں واپس پہلے والے مرحلے پر جانے کے لئے کہا جا رہا ہے جو ہمارے خیال میں مہینوں کی بے سود کوششوں کے بعد اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا'' اور مزید یہ کہ ''حالیہ واقعات بالخصوص کلکتہ کے فسادات کے پیش نظر آپ کا یہ اقدام خود ہمیں آپ کے ساتھ مربوط کرنے کے بجائے غلط فہمی کا باعث بنے گا اور یہ برعکس نتائج پیدا کر سکتا ہے۔'' گویا یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر عبوری حکومت کے معاملے کو جناح کے ساتھ دوبارہ اٹھایا گیا تو کانگرس عبوری حکومت کو رد کر دے گی۔ خط کے آخر میں کہا گیا کہ ''......ہم آپ کی نئی تجویز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم ایک خاص مقصد اور ضروری کام سے دہلی آئے تھے۔ اگر یہ مقصد اب نہیں رہا تو ہمیں یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''[19]

کانگرسی ارکان مجلس عاملہ کی طرف سے نہرو کے اس رعونت آمیز جواب کے موصول ہونے کے ساتھ ہی اس روز (19 راگست) ویول کو لندن سے پیتھک لارنس کا ایک خط بھی موصول ہوا جس میں اس نے جناح اور کانگرس کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''وہ (جناح) ہمیں پاکستان کے بنجر نعرے کے سوا اور کوئی پالیسی ہی تجویز نہیں کرتا کہ جس پر تصفیہ ہو سکے۔ کانگرس بہرصورت اس وقت ہمارے ساتھ دوستانہ ہے۔''[20] گویا سارا مسئلہ پاکستان کے ''بنجر نعرے'' نے پیدا کر رکھا تھا، کانگرس اور برطانوی سامراج کے مابین دوستی قائم ہو چکی تھی۔

اسی روز (19 راگست) جناح کا ایک بیان ڈان میں شائع ہوا جس میں نہرو کی 16 راگست کی پریس کانفرنس کا جواب دیا گیا تھا جس میں نہرو نے گزشتہ روز اپنی جناح کے ساتھ ملاقات کی ناکامی کا تمام تر سبب ''لیگ کی جانب سے عدم تعاون'' کو قرار دیا تھا اور کہا تھا

کہ ''تعاون کے لئے ہمارے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔'' چنانچہ جناح نے جواب میں کہا کہ ''لیگ کے عدم تعاون'' کے بجائے دراصل نہرو کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ ''کانگرس کے دروازے کھلے ہیں، مسلم لیگ آ کر قطعی اطاعت قبول کرے۔'' جناح نے یہ بھی کہا کہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی فاشسٹ کانگرس دوسری اقلیتوں کے پٹھوؤں کے ساتھ اقتدار پر قابض ہو کر برطانوی سنگینوں کی مدد سے مسلمانوں پر حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔''

اسی روز ویول نے نہرو کے نام خط لکھا جس میں اس نے یہ تو نہ بتایا کہ لندن سے کیا ہدایت آئی ہے، البتہ جناح کے متذکرہ بیان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''ان حالات میں مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ جناح سے ملاقات کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''[21] یہ خط ملتے ہی اسی روز نہرو نے بڑے فاتحانہ انداز سے ویول کو پندرہ رکنی کونسل کے ناموں کی فہرست ارسال کر دی جس میں پانچ مسلم لیگی نشستوں پر غیر لیگی مسلمانوں کے علاوہ ایک اینگلو انڈین بھی شامل کیا گیا تھا۔ آزاد نے اس کونسل میں شمولیت سے معذوری ظاہر کر دی تھی اس لئے پانچ مسلم نشستوں میں سے صرف چار کے لئے نام تجویز کئے گئے تھے جب کہ ایک نام بعد میں تجویز کرنے کا حق محفوظ رکھا گیا تھا۔ آزاد اب بھی چاہتا تھا کہ جناح کے ساتھ اگر براہ راست نہیں تو بالواسطہ طور پر رابطہ ضرور استوار کرنا چاہیے۔ اپنے اس خیال کا اظہار اس نے 19/اگست کو ویول کے ساتھ ملاقات میں کیا۔ ویول نے کہا کہ جناح کا موڈ ابھی اس کے لئے سازگار نہیں ہے اور یہ کہ اس وقت جناح کو زیادہ یقین دہانیاں بھی نہیں کرائی جا سکتیں۔ تاہم موقعہ ملتے ہی اس سے رابطہ استوار کیا جائے گا۔''[22]

اس طرح جناح کے ساتھ فوری رابطہ نہ کرنے کے معاملہ پر ویول نے نہرو اور دوسرے ہندو کانگرسی ارکان مجلس عاملہ کی رائے کے ساتھ اتفاق کر لیا لیکن باقی معاملوں پر ابھی اختلاف باقی تھا جن میں ایک تو غیر لیگی مسلمانوں کی شمولیت کا معاملہ تھا اور دوسرے ایک اینگلو انڈین کا اضافہ کر کے کونسل کا سائز بلا وجہ بڑھا کر 15 رکنی کرنے کا معاملہ تھا۔ دونوں باتیں لیگ کے لئے انتہائی اشتعال کا باعث تھیں۔ پہلی اس لئے کہ انتخابات میں مسلم لیگ کو اس قدر بھاری کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ اسے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کا درجہ حاصل ہو گیا تھا۔ دوسری اس لئے کہ ہر کونسل میں غیر مسلم ارکان کی تعداد میں اضافہ کر کے لیگ کو بالکل کارنر کرنے

اور اس 14 رکنی فارمولے سے انحراف کرنے کا مظاہرہ ہوتا تھا جس کو وزارتی مشن نے پیش کیا تھا اور جسے لیگ قبول کر چکی ہوئی تھی۔

22 راگست کو نہرو نے ویول کے ساتھ ملاقات کی تا کہ فہرست کو حتمی شکل دی جا سکے۔ ویول کا موقف تھا کہ ہماری توجہ بہرصورت مسلم لیگ کو مخلوط حکومت میں لانے پر مرکوز رہنی چاہیے۔ لیکن نہرو بدستور متذکرہ دونوں معاملات پر اڑا ہوا تھا۔ اپنی حتمی فہرست میں کانگرس نے جن چار غیر لیگی مسلمانوں کے نام تجویز کئے تھے ان میں آصف علی، سرشفاعت احمد خاں، سید علی ظہیر اور فضل الحق (بنگال) شامل تھے۔ ویول کو فضل الحق پر سخت اعتراض ہوا۔ ایک تو خود فضل الحق کی اپنی انتہائی بے اصول شخصیت ہونے کی وجہ سے اور دوسرے اس لئے کہ جناح کو اس سے سخت چڑ تھی۔ چنانچہ کافی بحث و مباحثہ کے بعد نہرو فضل الحق کا نام واپس لینے پر اور ویول بقیہ تین ناموں کی منظوری دینے پر متفق ہو گیا۔ لیکن کونسل کا سائز بڑھانے پر اختلاف رائے بدستور موجود رہا۔ نہرو کے چلے جانے کے بعد ویول نے نہرو کو خط بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ ''اس وقت سب سے زیادہ اہمیت اس امر کو حاصل ہے کہ ہم مسلم لیگ کو ایگزیکٹو کونسل میں شامل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں اور میری رائے میں اس کے لئے کونسل کو 14 ارکان تک محدود رکھنا ضروری ہوگا۔''[23] اس کے جواب میں نہرو نے لکھا کہ ''میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مخلوط حکومت سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ ہم مسلم لیگ کے مطالبوں اور اس کے اختیار کردہ ہتھکنڈوں کے سامنے جھک جائیں۔'' اور مزید یہ کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے نزدیک مجوزہ عبوری حکومت کا کیا تصور ہے۔ کیا یہ بھی ایک قسم کی نگران حکومت ہوگی جو اسی انتظار اور امید میں رہے گی کہ کب مسلم لیگ اس میں شامل ہونے پر راضی ہوتی ہے؟''[24] کلکتہ کے فسادات کے بعد کانگرس کے صدر کے لہجے میں یہ رعونت قابل ذکر تھی۔

23 راگست کو نہرو اور ویول کے مابین ملاقات میں اس شرط پر ایگزیکٹو کونسل کو 14 ارکان تک محدود رکھنے پر اتفاق ہوا کہ نہرو کے مجوزہ اینگلو انڈین کو کسی محکمے میں پارلیمانی انڈر سیکرٹری مقرر کر دیا جائے گا۔ اس ملاقات میں ویول نے نہرو پر یہ بھی واضح کر دیا کہ ''میں مسلم لیگ کو بزور قوت توڑنے کی کسی کوشش میں پارٹی بننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر ہندوستان کو متحد نہیں رکھا جا سکتا اور پرامن انتقال اقتدار بھی ممکن نہیں ہوگا۔'' نہرو اس پر خاموش رہا۔''[25]

لیگ کے بغیر عبوری حکومت کے لئے کانگرس کے ارکان کا اعلان

برطانوی حکومت سے منظوری لینے کے بعد 24 راگست کو کانگرس کے مجوزہ بارہ ارکان پر مشتمل عبوری حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔ اس میں ہندوؤں کی 6 نشستوں پر نہرو، پٹیل، راجندر پرشاد، راج گوپال اچاریہ، سرت چندر بوس اور جگ جیون رام (اچھوت) مقرر کئے گئے تھے۔ مسلمانوں کی پانچ میں سے تین نشستیں پر کی گئی تھیں جن پر آصف علی، سرشفاعت احمد خاں اور سید علی ظہیر مقرر کئے گئے۔ بقیہ دو نشستوں پر کانگرس نے بعد میں نامزدگی کا حق محفوظ رکھا تھا۔ سکھ نشست پر سردار بلدیو سنگھ اور اقلیتوں کی دو نشستوں پر جو لوگ لئے گئے تھے ان میں سوائے سردار بلدیو سنگھ کے بیشتر کو اپنے فرقے میں نمائندہ حیثیت حاصل نہیں تھی، ان کی کوالیفیکیشن صرف یہ تھی کہ وہ کانگرس کے رہنماؤں کے حاشیہ نشین تھے۔ ان کے نام ویول کے سامنے رکھے گئے تو بیشتر نام اس نے پہلی مرتبہ سنے تھے۔ علی ظہیر الہ آباد کا ایک متمول شیعہ وکیل تھا اور نہرو کے ساتھ اس کی ذاتی دوستی تھی۔ مسلمانوں کے نزدیک اس کی کوئی نمائندہ حیثیت نہیں تھی۔ شفاعت احمد 1941ء سے 1945ء تک جنوبی افریقہ میں انڈین ہائی کمشنر کے عہدے پر فائز رہا تھا۔ اس جیسے پٹھوؤں پر مسلمانوں کو اس قدر غصہ تھا کہ ابھی عبوری حکومت کی حلف برداری نہ ہونے پائی تھی کہ شملہ میں اس پر قاتلانہ حملہ ہوا، تیز دھار آلے کے سات وار کئے گئے اور وہ 2 رستمبر کو بقیہ ارکان کے ہمراہ حلف نہ اٹھا سکا۔ جہاں تک غیر مسلم اقلیتوں کا تعلق تھا تو سی۔ ایچ بھابھا کے متعلق آزاد لکھتا ہے کہ ''چونکہ پارسی فرقہ زیادہ تر بمبئی میں آباد تھا اس لئے پارسی نمائندے کے انتخاب کا معاملہ ہم نے سردار پٹیل پر چھوڑ دیا کہ وہ بہتر مشورہ دے سکتا تھا اور چند روز بعد اس نے سی۔ ایچ۔ بھابھا کا نام تجویز کر دیا۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ بھابھا، سردار پٹیل کے بیٹے کا دوست ہے اور کسی لحاظ سے بھی نہ تو لیڈر قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی پارسی فرقے کے نمائندے کے طور پر اس کی کوئی حیثیت ہے۔''[26] اور ڈاکٹر جان متھائی ایک ماہر معاشیات کی حیثیت سے ٹاٹا سنز لمیٹڈ میں ملازم تھا۔ یہ کانگرس کی طرف سے ہندوستان کی پہلی عبوری حکومت تشکیل دی گئی تھی اور اس سے پتہ چل گیا تھا کہ کانگرس کس انداز سے ہندوستان کی حکومت کا کاروبار چلانا چاہتی ہے اور اقلیتوں کے بارے میں اس کا رویہ کیا ہوگا۔ تادم تحریر

اس جماعت کا یہی انداز برقرار ہے۔

24 اگست کو عبوری حکومت کا اعلان کرنے کے بعد وائسرائے ویول نے اپنی نشری تقریر میں کہا کہ ہندوستان کے فرقوں اور تمام جماعتوں کے مفاد میں وقت کی سب سے اہم ضرورت دونوں بڑی پارٹیوں پر مشتمل مخلوط حکومت کا قیام ہے۔ اس نے مسلم لیگ سے درخواست کی کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے اور چودہ رکنی حکومت میں اپنی پانچ نشستوں کے لئے نام تجویز کر دے۔ ان کو فوری طور پر شامل کر کے حکومت کی تشکیل نو کر دی جائے گی۔ لیگ کو یقین دہانی کراتے ہوئے اس نے کہا کہ لیگ کو یہ خوف نہیں ہونا چاہیے کہ کسی اہم معاملہ پر اسے اکثریت کی طرف سے ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔ اس نکتہ نے آئین ساز اسمبلی کے بارے میں بھی یقین دہانی کرائی کہ صوبوں اور گروپوں کی آئین سازی کے متعلق 16 مئی کی دستاویز میں بیان کردہ طریقہ کار کی بہ کمال و تمام پابندی کی جائے گی اور وزارتی مشن کی 16 مئی کی دستاویز کے پیرا۔15 میں آئین ساز اسمبلی کے لئے تجویز کردہ بنیادی اصولوں میں دونوں بڑے فرقوں کی اکثریت کی رضامندی کے بغیر کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور یہ کہ کانگرس اس بات سے اتفاق کرتی ہے کہ کسی مسئلے کی تعبیر کے معاملے پر فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے وزارتی مشن منصوبہ پر عمل درآمد کے سلسلے میں بھی مسلم لیگ سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے اور منصوبے میں شریک ہونے کی درخوست کی۔[27]

لیگ اب بھی مشن منصوبہ کے حق میں تھی بشرطیکہ کانگرس گروپنگ کا یقین دلا دیتی

نشری تقریر کے بعد 25 اگست کو ویول حالات کا موقعہ پر جائزہ لینے کے لئے کلکتہ چلا گیا۔ اس نے وہاں جو کچھ دیکھا اور سنا اس کی بنا پر اسے یقین ہو گیا کہ اگر سیاسی اقتدار صرف کانگرس کے سپرد کر دیا گیا تو پورے برصغیر میں خانہ جنگی آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ اس نے صوبائی وزیر اعلیٰ سہروردی کے ساتھ ملاقات میں کہا کہ جناح کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرو کہ وہ کانگرس کے کوٹے میں نیشنلسٹ مسلمان کی تقرری کے خلاف ضد نہ کرے۔ نیز سہروردی کو چاہیے کہ وہ صوبے میں بھی کانگرس کے ساتھ مخلوط حکومت وضع کرنے کی کوشش کرے۔ سہروردی نے اسے یقین دلایا کہ وہ کوشش کرے گا۔

26 اگست کو ویول نے صوبائی مسلم لیگ کے لیڈر خواجہ ناظم الدین کے ساتھ بھی

ملاقات کی جس میں اس نے کانگرس اور مسلم لیگ کے اشتراک عمل کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ ناظم الدین نے کہا کہ اگر کانگرس کی جانب سے ایک غیر مبہم بیان جاری ہو جائے جس میں کہا جائے کہ صوبوں کو سوائے 16 رمئی کی دستاویز میں وضع کردہ طریقۂ کار کے گروپوں سے نکلنے کا اختیار نہیں ہوگا، تو لیگ اپنی بمبئی کی قرارداد پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔ یا پھر یہ کہ وائسرائے خود یا حکومت برطانیہ واضح طور پر اپنی اس منشا کا اعلان کرے کہ کانگرس کو گروپنگ کے بارے میں مشن کی جانب سے کی گئی تعبیر سے مختلف تعبیر کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس نے یہ عندیہ بھی دیا کہ عبوری حکومت میں اگر مسلمانوں کا کوٹہ صرف مسلم لیگ کو پر کرنے کو کہا جائے جیسا کہ کانگرس ہندوؤں کا کوٹہ پہلے ہی پر کر چکی ہے، تو نیشنلسٹ مسلمانوں کا سوال خود ہی ختم ہو جائے گا اور مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہو جائے گی۔[28]
خواجہ ناظم الدین کا یہ مؤقف بالکل غیر مبہم تھا۔ اس کے بیان کے مطابق مسلم لیگ کلکتہ کے قتل عام کے بعد بھی متحدہ ہندوستان کے وفاق کے قیام پر آمادہ تھی بشرطیکہ کانگرس صوبوں کی گروپ بندی کی شرط منظور کر لیتی۔ چنانچہ وی۔ پی مینن لکھتا ہے کہ کلکتہ سے واپسی پر وائسرائے کے رویئے اور پالیسی میں ایک واضح تبدیلی نمایاں ہوئی اور اس نے محسوس کیا کہ نہرو اور گاندھی سے فوری ملاقات کرنی چاہیے۔"[29]

اس دوران 26 راگست کو جناح نے بمبئی سے ایک بیان جاری کیا جو 27 راگست کی صبح کے اخبارات میں شائع ہوا اس میں انہوں نے ویول کی نشری تقریر پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ "اگر وائسرائے کی اپیل واقعی خلوص پر مبنی ہے اور وہ اس بارے میں پوری طرح سنجیدہ ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے قول اور فعل کو ٹھوس تجاویز کی شکل دے۔"[30] ویول نے اس بیان سے بھی اندازہ کیا کہ "جناح کی جانب سے تصفیے پر مائل ہونے کی علامت ظاہر ہوتی ہے۔"[31] چنانچہ ویول نے 27 راگست کو کلکتہ سے دہلی پہنچتے ہی پیتھک لارنس کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ "میں آج شام کو نہرو اور گاندھی کے ساتھ ملاقات کر رہا ہوں جس میں یہ کوشش کروں گا کہ ان سے قطعی یقین دہانی حاصل کروں کہ کانگرس آئین ساز اسمبلی میں واقعتاً طے شدہ طریقۂ کار کے مطابق عمل کرے گی اور میں انہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جب تک وہ مجھے یہ یقین دہانی نہیں کرائیں گے، میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کروں گا۔"[32]

نہرو اور گاندھی کا غیر مصالحانہ رویہ اور ویول کے ساتھ جھڑپ

ابھی لندن سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا کہ ویول نے نہرو اور گاندھی کے ساتھ 27 اگست کی شام کو ملاقات کی۔ ویول نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ سارے مسئلے کی جڑ اس شبے میں ہے جو آئین ساز اسمبلی میں گروپنگ کے بارے میں کانگرس کی تعبیر نے پیدا کیا ہے۔ میں اس بارے میں پوری طرح واضح ہوں کہ کانگرس 16 مئی کی دستاویز کی پابندی کو اب پوری طرح منظور کر چکی ہے اور میرے نزدیک اس سے مراد گروپ بندی کے نظام کی منظوری ہے۔ چند رات پیشتر میں نے جو نشری تقریر کی تھی اس کا مسودہ نہرو کو بھی دکھا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد میں قائل ہو گیا تھا کہ اس کی بھی یہی منشا ہے چنانچہ میں نے نشری تقریر میں جو کچھ کہا اس تاثر کے ساتھ کہا۔ ویول نے ان دونوں صاحبان سے مزید کہا کہ ہندوستان میں پرامن انتقال اقتدار کا امکان صرف اسی صورت میں ہے کہ کانگرس ایک غیر مبہم اعلان جاری کرے جس میں کہا جائے کہ مشن کی منشا کے مطابق صوبوں کو اپنے گروپوں میں رہنا چاہیے تا آنکہ نئے آئین کے تحت پہلے عام انتخابات منعقد ہو جائیں۔ ویول نے یہ بھی واضح کر دیا کہ میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس اس وقت تک بلانے کی ذمہ داری نہیں لیتا جب تک کہ یہ معاملہ طے نہ ہو جائے۔ اس کے بعد ویول نے نہرو اور گاندھی کو اس بیان کا مسودہ تھما دیا جو وہ چاہتا تھا کہ کانگرس کی جانب سے جاری کیا جائے۔ اس کا متن یہ تھا۔

''فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی خاطر کانگرس 16 مئی کے اعلان کی منشا کو منظور کرنے کے لئے تیار ہے جس کے مطابق صوبے اپنے سیکشنوں یا گروپوں کے بننے کی صورت میں گروپوں سے علیحدگی کا اختیار اس وقت تک استعمال نہیں کر سکیں گے جب تک کہ 16 مئی کے اعلان کی دستاویز کے پیرا 19(viii) کے مطابق نیا آئین عمل میں نہ آ چکا ہو اور اس کے تحت عام انتخابات منعقد ہو چکے ہوں اور پھر صوبے کی نئی قانون ساز اسمبلی بھی اس سلسلے میں فیصلہ دے چکی ہو۔''

گاندھی نے کہا کہ اس پر عبوری حکومت کو غور کرنا چاہیے۔ ویول نے کہا کہ یہ معاملہ تو کانگرس کا ہے کہ جس نے مشن کی تعبیر کو چیلنج کیا ہے۔ اس پر گاندھی نے مشن منصوبے کی تعبیر کے بارے میں قانونی قسم کے لمبے چوڑے دلائل دیئے۔ ویول نے کہا کہ میں سیدھا سادا آدمی

ہوں اور وکیل نہیں ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ مشن کی منشا کیا ہے اور یہ کہ لازمی گروپنگ ہی منصوبے کی اصل روح ہے۔ اس کے بعد حجت بازی جاری رہی اور کوئی بات آگے نہ بڑھی۔ ایک موقع پر نوبت تلخ کلامی تک پہنچ گئی جب نہرو نے یہ کہا کہ گویا مسلم لیگ کی جانب سے ہمیں ڈرایا دھمکایا جارہا ہے۔ گاندھی نے کہا کہ اگر خون بہانا ضروری ہوا تو عدم تشدد کے باوجود بہایا جائے گا۔ اس پر ویول نے برہم ہو کر کہا کہ مجھے آپ کے یہ الفاظ سن کر بہت دکھ ہوا ہے۔ تاہم جاتے ہوئے وہ ویول کا دیا ہوا فارمولا ہمراہ لے گئے۔[33] اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ویول اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ 'بڈھا حجت بازی اور خباثت کے موڈ میں تھا اور نہرو لیگ کے خلاف نفرت سے بھرا ہوا تھا۔'[34] کہا جاتا ہے کہ بعدازاں ویول جب کبھی اس ملاقات کو یاد کرتا تو ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ گاندھی میز پر ہاتھ مار مار کر کہتا تھا کہ ''اگر ہندوستان خون میں نہانا چاہتا ہے تو اس کو نہانا چاہیے۔''[35]

اس تلخ گفتگو کی مزید تفصیل لیونارڈ موسلے نے یوں بیان کی ہے کہ وائسرائے نے پوچھا کہ اگر آپ کی تعبیر وزارتی مشن کی منشا کے خلاف بھی ہو تب بھی کیا آپ اس کی صحت اور قبولیت پر مصر ہوں گے؟ گاندھی نے کہا بے شک، مشن اپنا کام ختم کر چکا ہے۔ منصوبے کی تعبیر کے متعلق مشن کی منشا اب کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ تعبیر ہمارا کام ہے۔ وائسرائے نے کہا جب مسلم لیگ اور کانگرس نے منصوبے کو منظور کر لیا ہے تو منصوبے کی حیثیت باہمی معاہدے کی ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس کی تعبیر پر مسلم لیگ اور کانگرس دونوں کا اتفاق ضروری ہے۔ گاندھی اور نہرو نے اسے بھی تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اپنی بات پر مصر رہے کہ منصوبے کی تعبیر ہمارا کام ہے اور ہماری تعبیر کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔ ویول نے کہا کہ یہ محض وکیلانہ موشگافی ہے۔ مجھ سے سیدھی سادی زبان میں گفتگو کریں۔ میں سیدھا سادا سپاہی ہوں۔ آپ مجھے قانونی حجت بازی میں الجھانا چاہتے ہیں۔ جب نہرو نے اس کا یہ جواب دیا کہ ''اس بات کا کیا علاج کہ ہم وکیل بھی ہیں۔'' تو ویول بھی برہم ہوا اور اس نے کہا کہ آپ ایماندار انسانوں کی طرح اور ہندوستان کے مستقبل اور بہبود کا خیال رکھتے ہوئے صاف اور سیدھی بات تو کر سکتے ہیں۔ وزارتی مشن اپنے عندیے کو روز روشن کی طرح عیاں کر چکا ہے۔ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے عدالتی مقدمہ بازی اور قانونی موشگافی قطعاً ضروری نہیں ہے۔ ایک سیدھے سادے آدمی کی

طرح مجھے حالات صاف نظر آتے ہیں۔ اگر کانگرس مجھے وہ ضمانت دے سکے جو میں چاہتا ہوں تو میں جناح اور مسلم لیگ کو اس بات پر آمادہ کر سکتا ہوں کہ وہ عبوری حکومت کے بائیکاٹ کے متعلق اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ ہمیں اس بات کی ضرورت ہے اور اگر آپ کو خانہ جنگی کے اس خطرے کا احساس ہو جو موجود ہے تو آپ محسوس کریں گے کہ آپ کو بھی اس بات کی ضرورت ہے۔ ان حالات میں میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں صرف کانگرس کو حکومت بنانے کی اجازت دوں تو یہ امر دانشمندی کے خلاف ہوگا۔ بلکہ خطرناک ہوگا۔ حالات بدل گئے ہیں۔ کلکتے کے فساد کے بعد ہندوستان خانہ جنگی کے دروازے تک جا پہنچا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اس خطرے کو روکوں۔ یہ خطرہ اس طرح نہیں رک سکتا کہ میں کانگرس کو ایسی حکومت قائم کرنے دوں جس میں مسلم لیگ شامل نہ ہو۔ اس کا نتیجہ مسلم لیگ کے ڈائریکٹ ایکشن اور بنگال کے فساد کا اعادہ ہوگا۔[36]

نئی دہلی کے وائسریگل لاج میں 27 راگست 1946ء کی یہ تلخ کلامی ہندوستان کی تقسیم کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بیشتر ہندو مؤرخین اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہ اتنا سرسری کرتے ہیں کہ جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ ابوالکلام آزاد بھی اپنی کتاب میں اس واقعہ کے بارے میں بالکل خاموش ہے۔ حالانکہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس کے بورژوا ''اعتدال پسند'' ہندو لیڈر اپنے اس احساس کے نشے میں بدمست ہو گئے تھے کہ برطانیہ کی لیبر حکومت انہیں نظر انداز نہیں کر سکتی۔ گاندھی اب کھلم کھلا ہندوستان کی فوری آزادی کو ہندو مسلم اتحاد پر ترجیح دیتا تھا خواہ اس کا نتیجہ ملک گیر خانہ جنگی ہی کیوں نہ ہو۔

وزارتی مشن کے جانے کے بعد کی صورت حال میں پیارے لال لکھتا ہے کہ ''اندرونی امن برقرار رکھنے کی خاطر برطانوی فوج کے استعمال کے خلاف گاندھی جی کا رویہ اور ان کا یہ اصرار کہ برطانیہ کے نکل جانے پر مسلم لیگ کے ساتھ تنہا معاملات سے نمٹا جائے خواہ اس کا مطلب خانہ جنگی ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کے برعکس انگریزوں کے ساتھ کیا گیا سیاسی تصفیہ کتنا ہی موافق کیوں نہ ہو اور مزید ان کا یہ رویہ کہ انتشار اور بدامنی کو برطانوی اسلحہ کے ذریعے نافذ کردہ امن پر ترجیح دی جائے، نہ صرف یہ کہ تبدیل نہیں ہوا بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتا چلا گیا''[37] اور اس کا مظاہرہ اس نے واردھا میں ہونے والی کانگرسی مجلس عاملہ کے

اجلاس کے موقع پر بھی کیا'' جب اپنے نظریۂ عدم تشدد کے باوجود اس نے اس بات کے ساتھ اتفاق کیا کہ اگر کانگرس حکومت کے خلاف مسلمانوں نے مزاحمت کی تو قوت کا استعمال کیا جائے گا۔'' اس کی اطلاع ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو سمتھ نے ویول کو دی تھی۔''[38] اور اب ویول کے سامنے گاندھی نے میز بجا بجا کر خون بہانے کی دھمکیاں دی تھیں۔ جب کہ دوسری جانب مسلم لیگ کے رہنما کلکتہ کی خونریزی کے بعد بھی متحدہ ہندوستان میں رہتے ہوئے تصفیے اور مفاہمت کی راہ نکالنے پر مائل نظر آتے تھے۔ ان کے اسی رویے سے حوصلہ پا کر ویول نے ایک بار پھر کانگرسی رہنماؤں کو تصفیے پر مائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ کوشش تلخی پر منتج ہو کر ناکام اس لئے ہوئی کہ لیگ کے اس رویئے کے بارے میں کانگرسی رہنماؤں کا زاویۂ نظر ویول سے بالکل الٹ تھا۔ کانگرسی رہنما اس سے یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ بہت جلد لیگ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور جناح کو بے بس کیا جا سکے گا۔ ان کا خیال تھا کہ ایک مرتبہ سیاسی اقتدار پر قبضہ ہو جائے تو انگریزوں کی روانگی کے بعد جناح کو نظر انداز کر کے مسلمانوں کا معاملہ نمٹایا جا سکتا ہے۔

لیگ کے اعتدال پسند جاگیردار، سرمایہ دار رہنما، کانگرس کے ساتھ سودا بازی کرنا چاہتے تھے

مسلم لیگ میں شامل بعض جاگیردار قبل ازیں کانگرس سے سودابازی کرنے پر آمادگی کا عندیہ دے چکے تھے۔ یکم اپریل 1944ء کو سر محمد یامین خاں کے مکان پر لیاقت علی خاں اور بھولا بھائی ڈیسائی کے درمیان تقسیم اقتدار کا جو سمجھوتہ ہوا تھا اس کے بارے میں جناح سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا''[39] اور اب جو مسلم لیگ نے ڈائریکٹ ایکشن کی راہ اختیار کی اور کلکتہ کے واقعات پیش آئے تو مسلم لیگ کے جاگیردار اور اعتدال پسند رہنما گھبرا گئے کہ حالات یہ کون سا رخ اختیار کرنے لگے ہیں، ہم تو اقتدار میں آنے کی سوچ رہے تھے۔

17 راگست 1946ء کو یو۔پی کے گورنر نے یو۔پی کی ایک سرکردہ مسلم لیگی رہنما بیگم اعزاز رسول کے ساتھ اپنی بات چیت کے بارے میں وائسرائے کو خط لکھا۔ بیگم اعزاز رسول ریاست مالیرکوٹلہ کے حاکم کے خاندان سے تھی اور یو۔پی کے ایک تعلقہ دار سے بیاہی گئی تھی اور 1937ء سے مسلم لیگ کے سربرآوردہ رہنماؤں میں شمار کی جاتی تھی۔ گورنر یو۔پی اس کے

ساتھ ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''اس نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ وہ اور اس کی قسم کے دوسرے لوگ قرارداد بمبئی (مسلم لیگ کونسل 29 رجولائی) سے خاصے دہشت زدہ ہو گئے ہیں۔ اس نے نپے تلے انداز میں اس کا الزام جناح کو دیا ہے اور اسے مستقبل میں ہونے والے واقعات پر سخت تشویش ہے۔ اس کے شوہر نے جو ایک نواب ہے، پہلے تو اپنے خطاب سے دستبرداری کا اعلان کیا اور پھر اس دستبرداری سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیا''۔ باقی مسلم لیگی جاگیرداروں کا ذکر کرتے ہوئے گورنر نے لکھا کہ ''مجھے اس پر کچھ حیرت بھی ہوئی ہے کہ خطاب یافتہ مسلم لیگی اپنے خطابات سے دستبرداری میں پس وپیش سے کام لے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اکادکا خط موصول ہو رہے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اگر آنجناب کو اعتراض نہ ہو تو یہ امتیازی نشان ابھی میرے پاس ہی پڑے رہنے دیں کہ جونہی نہرو اور جناح مرکز میں مخلوط حکومت بنانے پر متفق ہو گئے جس کا اگرچہ ابھی بہت کم امکان ہے، تو مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ اپنے امتیازی نشان واپس مانگیں گے!...... یہاں مسلم لیگ کی قیادت زیادہ تر تعلقہ داروں اور زمینداروں کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر وہ تحریک میں آئے بھی تو بہت محتاط ہو کر اور بے دلی کے ساتھ آئیں گے۔ تاہم مشکل یہ ہے کہ ان کی قیادت مؤثر نہیں ہے۔ مسلم آبادی زیادہ تر شہروں میں آباد ہے جب کہ جاگیردار طبقہ جو کہ مراعات یافتہ طبقہ ہونے کی وجہ سے تشدد کے بہرصورت خلاف ہے، اپنی جڑیں اور اثر ورسوخ دیہاتوں میں رکھتا ہے۔''[40] گورنر پنجاب کی رپورٹ بھی یہ تھی کہ یہاں کے ''وفادار'' خاندانوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان جن کو پہلی بار برطانیہ سے کھلی بغاوت کا حصہ بننا پڑا ہے، مایوسی کا شکار ہیں۔ خطابات سے دستبرداری کی رفتار بھی مسلم لیگ کی توقع سے بہت کم رہی ہے۔''[41] چنانچہ اگر کوئی خدشہ تھا تو شہری درمیانے طبقے کے مسلمانوں سے تھا، جہاں تک جاگیرداروں کا تعلق تھا تو وہ نہ تو ڈائریکٹ ایکشن کے حق میں تھے، نہ خطابات چھوڑنا چاہتے تھے بلکہ جلد از جلد کانگرس کے ساتھ کوئی سودا بازی کرنا چاہتے تھے۔

17 راگست کو وائسرائے کے نائب ذاتی معاون آئی۔ ڈی۔ سکاٹ نے قاضی عیسیٰ اور اصفہانی (مرزا ابوالحسن) کے ساتھ الگ الگ ملاقاتیں کیں۔ یہ دونوں آل انڈیا مسلم لیگ مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ اگلے روز سکاٹ نے ایک نوٹ کی صورت میں ان ملاقاتوں کی تفصیل سے وائسرائے کو آگاہ کرتے ہوئے لکھا ''عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کے بارے میں

ان دونوں کے خیالات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اصفہانی کا دعویٰ ہے اور میں اسے درست قرار دیتا ہوں کہ اس کی فرم کا مسلم لیگ پر اب تک اس سلسلے میں گہرا دباؤ رہا ہے کہ معقول لائحہ عمل اختیار کرے۔ وہ مسلمانوں میں ایک بہت بڑے صنعتی ادارے کا نمائندہ ہے اور کسی لحاظ سے بھی متعصب نہیں ہے البتہ پکا مسلم لیگی ہے۔ میرا مدعا یہ جاننا تھا کہ کن شرائط پر جناح عبوری حکومت میں آنے پر آمادہ ہوسکتا ہے۔ قاضی عیسیٰ اور اصفہانی دونوں نے کہا کہ اگر اس کی لاج رکھنے کے لئے کچھ کیا جاسکتا ہو تو پھر وہ ایگزیکٹو کونسل کی اس ہیئت کو قبول کرلے گا جسے مسلم لیگ نے 25/جون کو منظور کیا تھا...... راہ میں دو رکاوٹیں حائل ہیں۔ ایک تو نیشنلسٹ مسلمان کی شمولیت کا مسئلہ ہے اور دوسری 16/مئی کے مشن منصوبہ کو رد کرنے کے فیصلے کی تنسیخ کا معاملہ ہے۔ اصفہانی نے کہا کہ کیا جناح کو یہ یقین دہانی کرائی جاسکتی ہے کہ نہرو نیشنلسٹ مسلمان کو شامل نہیں کرے گا۔ میں نے جواب دیا کہ وائسرائے کے لئے ایسا کرنا مشکل ہوگا۔ لیکن یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ نہ لیگ اور نہ کانگرس اس بات کو مسئلہ بنائے بلکہ دراصل یہ کہ کانگرس نیشنلسٹ مسلم کی نامزدگی کو مسئلہ نہ بنائے۔ اس بات کے لئے فریقین کو تحمل سے کام لینا ہوگا۔ اصفہانی اور قاضی عیسیٰ دونوں نے کہا کہ جناح اس کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ دراصل قاضی عیسیٰ تو یہاں تک آمادہ تھا کہ وہ کل ہی بمبئی جا کر جناح کو دہلی لے آئے گا بشرطیکہ وائسرائے ثالثی کی حامی بھرے اور جناح کو آ کر ملنے کی دعوت دے۔" آگے چل کر ان کے مابین اس معاملے پر بات ہوئی کہ لاج رکھنے کے لئے کیا اقدام ہو سکتے ہیں۔ تاہم صرف اس قدر ہی طے ہو سکا کہ فی الوقت جناح آئین ساز اسمبلی کے معاملے کو بالائے طاق رکھ دیں اور اس بنیاد پر عبوری حکومت میں شمولیت کا اعلان کر دیں کہ مسلمانوں کے مفادات بالخصوص معاشی مفادات کے تحفظ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ اصفہانی نے اتفاق کرلیا لیکن کہا کہ اس سے کچھ بات تو بن جائے گی لیکن منہ رکھنے کے لئے کوئی واضح قسم کی بات بھی ہونی چاہیے۔ اس بات چیت کی بنیاد پر سکاٹ نے سفارش کی کہ چونکہ یہ دونوں حضرات جناح کو قریب سے جانتے ہیں اس لئے جناح سے رجوع کرنا سودمند ہوگا۔"[42] لیکن رجوع نہ کیا جاسکا کیوں کہ ویول نے جناح سے رجوع پر نہرو کو قائل کرنے کی پہلے کوشش کی تھی مگر نہرو اور کانگرس مجلس عاملہ نے اس تجویز کو سختی سے رد کر دیا تھا اور لندن سے پیتھک لارنس نے بھی جناح کے مقابلے میں کانگرس کو ترجیح

دینے پر زور دیا تھا اور خود جناح کا 19/اگست کا سخت گیر بیان دیکھنے کے بعد ویول اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ جناح سے رابطہ بے سود رہے گا۔

مذکورہ ملاقاتوں سے مسلم لیگی زعما کے ان رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے کہ وہ ڈائریکٹ ایکشن اور کلکتہ جیسے واقعات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اور جلد از جلد کانگرس کے ساتھ اقتدار میں شرکت کے خواہاں تھے۔ ان رجحانات سے کانگرسی رہنما بخوبی واقف تھے اور اس امید میں تھے کہ اگر جناح کی سخت گیری کی وجہ سے ان لوگوں کو زیادہ دیر تک اقتدار سے محروم رہنا پڑا تو یہ آہستہ آہستہ لیگ کی صفوں کو چھوڑ کر کانگرس کی صفوں میں آ جائیں گے۔ لیگ کی قیادت پر حاوی جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ کس حد تک کانگرس کی امیدوں پر پورا اترتا، یہ تو دیکھنے کی بات تھی، لیکن یہ ضرور واضح تھا کہ پاکستان ان کی منزل نہیں تھا۔ وہ متحدہ ہندوستان میں رہتے ہوئے کچھ تحفظات حاصل کر کے تصفیہ کرنے کے خواہاں تھے تاہم مسلم رائے عامہ کے شدید دباؤ کے پیش نظر گروپنگ سکیم وہ کم سے کم بنیاد تھی جس پر مسلمان عوام الناس کے سامنے اپنی لاج رکھی جا سکتی تھی۔ 28/اگست کو گورنر یو۔پی نے وائسرائے کو تار بھیجا کہ "ہماری قانون ساز اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے قائد چوہدری خلیق الزمان نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر وائسرائے گروپنگ کے بارے میں مؤقف پر سختی کے ساتھ قائم رہے تو جناح عبوری حکومت میں شامل ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ اس میں نیشنلسٹ مسلمان کے وجود کو بھی برداشت کر لیا جائے گا۔"[43]

چنانچہ یہ حقیقت تھی کہ 29/جولائی کو مسلم لیگ کونسل کی جانب سے 16/مئی کے وزارتی مشن منصوبہ کی منظوری کی تنسیخ اور دوبارہ سے پاکستان کو واحد حل کے طور پر اپنا مطالبہ بنانے کے باوجود مسلم لیگی زعما اب بھی متحدہ ہندوستان میں رہتے ہوئے مسئلے کا حل چاہتے تھے بشرطیکہ وائسرائے یا حکومت برطانیہ یا کانگرس مشن منصوبہ کے مطابق گروپ وضع کرنے کی یقین دہانی کرا دیتے۔ خواجہ ناظم الدین، بیگم اعزاز رسول، قاضی عیسیٰ، اصفہانی، چوہدری خلیق الزمان چند مثالیں تھیں جو مسلم لیگ کے جاگیرداروں، تعلقہ داروں اور سرمایہ داروں کے رجحانات کی عکاسی کرتی تھیں۔ کانگرس ان رجحانات سے بخوبی واقف تھی اور اسے پوری امید تھی کہ ایک مرتبہ اسے مرکز میں اقتدار حاصل ہو جائے تو پھر وہ جوڑ توڑ کر کے مسلم لیگ کے اعتدال پسند عناصر کو توڑنے کی کوشش کرے گی کیونکہ یہ عناصر جناح کے "انتہا پسندانہ لائحہ عمل" اور

بذریعہ کانگرس اقتدار تک شارٹ کٹ کے مابین مؤخر الذکر کا ہی انتخاب کریں گے۔

پنجاب میں کانگرس نے سر خضر حیات خان ٹوانہ کی یونینسٹ پارٹی کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنائی ہوئی تھی۔ سرحد اور آسام میں کانگرسی حکومتیں قائم تھیں۔ بلوچستان کے قاضی عیسیٰ کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ سندھ میں صوبائی اسمبلی کے آزاد مسلمان ارکان کا ایک گروہ جی۔ایم۔سید کی زیر قیادت کانگرس اور دوسرے ہندو ارکان سے جوڑ توڑ کر رہا تھا بلکہ یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ اس نے کولیشن کے ذریعے اپنی تعداد اتنیس یعنی مسلم لیگ کی صوبائی پارلیمانی پارٹی کی تعداد سے ایک زیادہ کر لی تھی۔ لیکن گورنر سر فرانسس موڈی نے اس گروہ کو نظر انداز کر کے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر سر غلام حسین ہدایت اللہ کو وزارت سازی کی دعوت دے دی تھی۔ سر فرانسس کی اس مسلم لیگ نوازی کی وجہ بظاہر یہ کہی جاتی ہے کہ وہ سر اولف کیرو کی طرح انڈین سول سروس کے ان برطانوی حکام میں سے تھا جنہیں ہر لحہ یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ برصغیر کے شمال مغربی علاقے کو سوویت یونین ہڑپ کر جائے گا۔[44] لہٰذا وہ سندھ کا اقتدار جی۔ایم۔سید جیسے عناصر کے سپرد نہیں کرنا چاہتا جب کہ برطانوی حکومت کو شبہ تھا کہ سید نے ماسکو سے کسی نہ کسی طرح کے روابط قائم کر رکھے ہیں۔

بنگال میں بھی ایسے موقع پرست مسلم لیگی لیڈروں کی کمی نہیں تھی جو جناح سے بالا بالا کانگرس سے سودے بازی کرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے۔ حسین شہید سہروردی اور فضل الحق کے گرگٹی سیاسی کردار سے کون واقف نہیں تھا۔ ابوالحسن اصفہانی کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور ابوالکلام آزاد کے بیان کے مطابق خواجہ ناظم الدین اور نواب اسماعیل خاں نے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان تنازعہ میں کبھی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور جناح ان سے ناخوش تھے۔"[45]

ہندو اکثریتی صوبوں میں یو۔پی سب سے بڑا صوبہ تھا اور وہاں کے تعلقہ داروں اور زمینداروں کے رجحان کا اندازہ بیگم اعزاز رسول اور خلیق الزمان کے متذکرہ طرز فکر و عمل سے ہوتا تھا۔

چوہدری محمد علی کا بیان یہ ہے کہ کانگرسی لیڈروں کی وائسرائے ویول سے برہمی کی بنیاد یہ تھی کہ وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے کہ ویول انہیں مسلم لیگ کے بغیر عبوری حکومت بنانے کی اجازت کیوں نہیں دیتا، ان کا خیال تھا کہ "ایک مرتبہ جب کانگرس برسر اقتدار آ جائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے اس سے الگ نہیں کر سکے گی۔ مسلح افواج میں ہندوؤں اور سکھوں کی بھاری

اکثریت ہے اور سول انتظامیہ پر ہندوؤں کا تقریباً مکمل غلبہ ہے۔ برطانیہ کی گرفت ڈھیلی ہو رہی ہے اور وہ زیادہ دیر تک ہندوستان میں نہیں رہ سکتے۔ انہیں اپنی افرادی قوت اپنے ملک کی جنگ سے تباہ شدہ معیشت کی تعمیر نو کے لئے درکار ہے اور ویسے بھی وہ برطانوی افواج کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی چپقلش کو روکنے کے کارِناسپاس میں استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر دھمکیوں اور ان کی نیک نیتی پر مسلسل حملوں سے برطانیہ کو یہاں سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا جا سکے تو کانگرس آشفتہ سر مسلمانوں سے نمٹ لے گی۔ بلاشبہ جناح ترغیب وتحریص سے بالاتر ہے لیکن ایسے مسلمان لیڈروں کی کوئی کمی نہیں جنہیں ایسی حالت میں اپنے ساتھ بآسانی ملایا جا سکے گا جب انہیں یہ نظر آئے گا کہ اقتدار اور سرپرستی کے سارے ذرائع صرف کانگرس کے پاس ہیں۔ اگر مسلمانوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے سے کام نہ چل سکا تو پھر انہیں کچل کر رکھ دیا جائے گا خوہ اس کا مطلب خانہ جنگی ہی کیوں نہ ہو۔ اس خانہ جنگی کے نتیجے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہندو نہ صرف تعداد میں زیادہ ہیں بلکہ معاشی طاقت، افواج، انتظامیہ، اور تنظیمی قوت میں بھی انہیں فوقیت حاصل ہے۔ مزید برآں نشرو اشاعت اور مواصلات کے ذرائع بھی پوری طرح ان کی دسترس میں ہیں۔''[46]

گاندھی کی شکایت پر ایٹلی نے ویول کو برطرف کرنے کا ارادہ کرلیا

دہلی کے وائسریگل لاج میں ویول کی گاندھی اور نہرو کے ساتھ تاریخی ملاقات ختم ہوئی تو گاندھی نے گھر پہنچتے ہی حکومت برطانیہ کو ایک تار دیا کہ ''وائسرائے ویول بنگال کے المیے کی بنا پر اپنے اعصاب کھو بیٹھا ہے۔ اس کی اعانت کے لئے کسی قابل قانون دان کو بھیجا جائے بصورت دیگر بنگال کے المیے کا اعادہ یقینی ہو گا۔''[47] 28/اگست کو گاندھی نے ویول کو ایک تلخ خط لکھا ''کل شام کی ملاقات میں تم نے بار بار اپنے ''صاف سیدھے آدمی اور سپاہی'' ہونے کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ تم قانون سے ناواقف ہو۔ ہم سب صاف سیدھے آدمی ہیں اگرچہ ہم سب سپاہی نہیں ہیں اور ممکن ہے، ہم میں سے بعض کو قانون سے بھی واقفیت ہو...... گزشتہ شام تم نے دھمکی آمیز زبان استعمال کی تھی۔ شاہ (برطانیہ) کے نمائندے کی حیثیت سے تمہارا صرف فوجی ہونا ہی کافی نہیں ہے، نہ ہی تم قانون کو نظرانداز کر سکتے ہو جب کہ یہ قانون بھی تمہارا

ہی بنایا ہوا ہے۔ ضرورت پڑنے پر تمہیں ایک قابل ماہر قانون کی اعانت حاصل ہونی چاہیے جس پر تمہیں پورا اعتماد ہو۔ تم نے دھمکی دی ہے کہ تم آئین ساز اسمبلی کا اجلاس اس وقت تک نہیں بلاؤ گے جب تک کانگرس اس فارمولے پر عمل پیرا نہ ہوگی جو تم نے مجھے اور پنڈت نہرو کو دیا ہے۔ اگر واقعی یہ ہی ہونا تھا تو پھر تمہیں 12 راگست کا اعلان نہیں کرنا چاہیے تھا اور اگر یہ اعلان کر ہی دیا تھا تو پھر اسے منسوخ کر کے کوئی اور وزارت بنا لیتے جس پر تمہیں اعتماد ہوتا۔ اگر برطانوی فوج کو یہاں امن عامہ کی خاطر موجود رکھا گیا تو تمہاری عبوری حکومت ایک ڈھونگ بن کر رہ جائے گی۔ کانگرس برطانوی افواج کی مدد سے ہندوستان میں متحارب عناصر کے اوپر اپنی منشا لاگو نہیں کر سکتی۔ حال میں بنگال میں سفاکی کا جو مظاہرہ دیکھنے میں آیا ہے، کانگرس کے نزدیک یہ ایک غلط راستہ ہے جسے کانگرس نہ تو اختیار کرے گی اور نہ اس کے سامنے جھکے گی۔ اسے تسلیم کرنا بذات خود اس قسم کے المیوں کے اعادے کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہوگا۔''[48]

آخر میں اس نے لکھا تھا کہ اس خط کو بذریعہ تار برطانوی کابینہ کو ارسال کر دیا جائے چنانچہ ویول نے اس کی نقل بذریعہ تار لندن بھیج دی۔

پیارے لال لکھتا ہے کہ وزیر اعظم ایٹلی گاندھی کی اس وارننگ سے سخت پریشان ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ''اگر گاندھی کی رائے میں صورت حال ایسی ہے کہ وائسرائے کو اپنے سے زیادہ قابل آدمی کی اعانت کی ضرورت ہے اور اگر گاندھی کا خیال ہے کہ بصورت دیگر کلکتہ کے المیہ کا اعادہ ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی ہو جائے گا تو یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔'' ایٹلی نے مزید یہ بھی کہا کہ گاندھی کی تجویز پر یہ ''قابل ترین اور قانونی آدمی'' خود پنڈت نہرو بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر ایٹلی سے پوچھا گیا کہ کیا اس کی مراد یہ ہے کہ نہرو عبوری حکومت کے نائب صدر کی حیثیت سے جو بھی مشورہ وائسرائے کو دے گا وہ لارڈ ویول کو ماننا پڑے گا تو اس پر ایٹلی نے کوئی حامی نہ بھری۔ تاہم اس نے یہ ضرور تسلیم کیا کہ ایک نئے وائسرائے کی تقرری کے لئے خاصا جواز مہیا ہو گیا ہے۔ اس کے لئے لارڈ ویول کی جگہ کسی بہتر آدمی کا ملنا ایک مسئلہ تھا۔''[49]

وزیر اعظم ایٹلی کے اس قدر پریشان ہونے کی وجہ یہ تھی کہ گاندھی کی خفگی کے باعث وہ سامراجی منصوبہ خطرے میں پڑ گیا تھا جو حکومت برطانیہ نے اپنے عالمی مفادات کے تحفظ و فروغ

کے لئے کانگرس کی ''اعتدال پسند'' قیادت سے سودابازی کے لئے بنایا ہوا تھا اور جس کی خاطر وہ ہندوستان کو بہر قیمت پر امن اور متحد رکھنا چاہتے تھے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ برصغیر میں کمیونسٹوں کے اثر ورسوخ میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ ہندوستان کے مشہور اخبار نویس فرینک کے بیان کے مطابق 1946ء میں ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی نے بی۔ ٹی۔ رندیو کی مسلم بغاوت اور گوریلا جنگ کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا۔ حیدر آباد کے ضلع تلنگانہ، آندھرا، بنگال اور ٹراونکور کوچن میں صنعتی تخریب کاری اور دہشت گردی کی ابتدا ہوگئی تھی۔ ٹراونکور میں کمیونسٹوں نے دو ساحلی دیہات وایا پور اور پنا پور پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔''[50] آئین سٹیفنز لکھتا ہے کہ 1946ء میں کوئلے کی کانوں میں تخریب کاری کے باعث پانی بھر گیا تھا اور ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ صرف بنگال میں ہڑتال کے باعث 72 کارخانے بند ہو گئے تھے۔''[51] حالیہ ڈاک وتار کی ملک گیر ہڑتال میں کمیونسٹ ملوث تھے۔ حد تو یہ تھی کہ پولیس کے اندر تک کمیونسٹ گھس آئے تھے۔ ان حالات میں وزیر اعظم ایٹلی ''اعتدال پسند'' گاندھی اور نہرو کی خفگی کیسے برداشت کر سکتا تھا؟ چنانچہ اسی دن سے ویول کا بطور وائسرائے بستر گول ہونا شروع ہو گیا۔

برطانوی حکومت کی طرف سے ویول کو تنبیہہ کہ وہ کانگرس کی خوشنودی کی خاطر گروپنگ پر زور نہ دے

گاندھی کے رعونت آمیز خط کو لندن بھیجنے کے بعد ویول نے پیتھک لارنس کے نام مراسلہ میں لکھا کہ ''میری اس تجویز پر کہ کانگرس گروپنگ کے بارے میں غیر مبہم یقین دہانی کرائے، کانگرس نے جس شدید ردعمل کا اظہار کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی گزشتہ یقین دہانیوں کے بارے میں جناح کا شک وشبہ میں مبتلا ہونا کس قدر صحیح تھا۔ میرے نزدیک اس خط سے اس امر کی معقول شہادت مل جاتی ہے کہ کانگرس ہمیشہ سے یہ چاہتی تھی کہ عبوری حکومت میں آ کر اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم لیگ کے حصے بخرے کر دے اور آئین ساز اسمبلی میں گروپنگ سکیم کو تباہ و برباد کر دے جو کہ مسلمانوں کے لئے ایک مؤثر تحفظ مہیا کرتی ہے...... اگر کانگرس کے عزائم وہی ہیں جو گاندھی کے خط سے ظاہر ہوتے ہیں تو پھر ان کے

اقتدار میں آنے کا صاف نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کے کئی علاقوں میں خانہ جنگی کی سی حالت پیدا ہو جائے گی جب کہ مجھے اور آپ کو پارلیمینٹ کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا۔'' ویول نے یہ بھی لکھا کہ ''میں نے کانگرس کو جو اعلان کرنے کے لئے متذکرہ ملاقات (27/اگست) میں کہا ہے اگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے عبوری حکومت میں شمولیت سے انکار کر دیا ہے۔ ان حالات میں میں ایک نگران حکومت رکھ کر گزارہ کرلوں گا اور اب آپ نہرو، جناح اور مجھے لندن بلا کر مشورہ کرنے کے متعلق سوچیں۔''[52] ویول کے کانگرس کے بارے میں اس قدر سخت رویے پر برطانوی حکومت کو سخت تشویش لاحق ہوئی اور ویول کو تنبیہ کرنے کے لئے پیتھک لارنس نے 28/اگست ہی کو ویول کے خط کا فوری جواب ارسال کیا کہ ''میں نے صورت حال پر وزیر اعظم کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا ہے۔ ہمیں پوری طرح احساس ہے کہ اگر کانگرس نے لیگ کے ساتھ مفاہمت نہ کی تو سنگین اور وسیع فرقہ وارانہ فسادات پھیل جانے کا خدشہ ہے اور ہم اس سے بھی متفق ہیں کہ ان دونوں کی مفاہمت کی کوششیں جاری رہنی چاہئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم آپ کو یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ ہم سے مشورہ کئے بغیر آپ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں کہ جس کے نتیجے میں کانگرس کے ساتھ بگاڑ کا امکان پیدا ہو جائے کیونکہ اس بگاڑ کے بھی بڑے سنگین نتائج ہوں گے۔ اگر گاندھی اور نہرو کے ساتھ ملاقات سے پہلے ہم آپ کے خط (27/اگست صبح) کا جواب دینے کا وقت نکال لیتے تو ہم آپ کو بتا دیتے کہ یہ نہ کہہ دینا کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس اس وقت تک طلب نہیں کیا جائے گا جب تک گروپنگ کا معاملہ طے نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے بجائے صرف اتنا کہہ دینا کہ اسے مزید ملتوی کرنا پڑ جائے گا۔'' مراسلے میں مزید کہا گیا کہ ''ہم آپ کے اس خیال کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے کہ...... گاندھی کے خط سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کانگرس ہمیشہ سے یہ چاہتی تھی کہ عبوری حکومت میں آکر اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم لیگ کے حصے بخرے کر دے اور آئین ساز اسمبلی میں گروپنگ سکیم کو تباہ و برباد کر دے...... اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جب تک عبوری حکومت تشکیل نہ پا جائے اور اسے کام کرتے ہوئے کچھ وقت نہ گزر جائے آپ گروپنگ کے مسئلہ پر زیادہ زور نہ دیں۔'' ویول نے اسے ایک ''بوکھلاہٹ زدہ'' خط قرار دیا۔''[53] اسی روز (28/اگست) کو ویول کے نام لکھے گئے اپنے ایک اور خط میں پیتھک لارنس نے کہا کہ

''......میں امید کرتا ہوں کہ آپ جو کچھ بھی کریں اس کے نتیجے میں عبوری حکومت کی بنیاد نہیں گرنی چاہیے اور نہ ہی یہ نتیجہ نکلنا چاہیے کہ ہم بیک وقت ہندوستان کی دونوں بڑی پارٹیوں کے ساتھ ٹکراؤ میں آ جائیں۔'' پیتھک لارنس نے کانگرس کی مزید دل جوئی کے لئے اس خط میں ویول کو تجویز کیا کہ نہرو کو رات 9 بجے کی خبروں کے بعد ریڈیو پر تقریر نشر کرنے کا موقع مہیا کیا جائے۔''[54] اس کے لئے اگاتھا ہیریسن نے اس سے سفارش کی تھی جو کہ مسیحی ''مجلس احباب'' کی رکن تھی اور وزارتی مشن کے ہندوستان میں قیام کے دوران گاندھی اور پیتھک لارنس کے مابین خفیہ رابطے کا کام کرتی تھی۔

برطانوی حکومت اور کانگرس کے مابین خفیہ رابطہ

ان دنوں بھی کانگرسی رہنماؤں اور برطانوی کابینہ کے وزیروں بالخصوص کرپس اور پیتھک لارنس کے مابین ایک خفیہ رابطہ سدھیر گھوش (ٹاٹا گروپ) کے ذریعے قائم تھا جو خصوصی ہوائی سفر کی مراعات لے کر ہندوستان سے لندن گیا ہوا تھا۔ 26/اگست کو ویول نے برلا ہاؤس دہلی اور لندن کے مابین ٹیلی فون پر ہونے والی بات چیت کا ریکارڈ حاصل کیا۔ برلا ہاؤس سے پٹیل اور لندن سے سدھیر گھوش بول رہا تھا۔ پٹیل نے کہا ''کرپس نے وعدہ کیا تھا کہ اگر کلکتہ میں گڑبڑ ہوئی تو وہاں دفعہ 93 (گورنرراج) نافذ کر دی جائے گی۔ وہ کیا کر رہا ہے؟'' جواب میں سدھیر نے کہا ''کرپس لندن میں نہیں ہے۔ میں نے سارا معاملہ پیتھک لارنس کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ وہ میرے ساتھ پوری طرح اتفاق بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کا خیال ہے کہ اگر اس وقت کوئی انتہائی اقدام اٹھالیا گیا تو اس سے بڑے سنگین مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔'' اس پر پٹیل نے اسے وہاں مزید دو ہفتے رکنے کے لئے کہا اور بتایا کہ انگریزوں کا اخبار سٹیٹس مین اگرچہ لیگ وزارت (بنگال) کے خلاف بہت کچھ لکھ رہا ہے لیکن اس پر کوئی اقدام نہیں کیا جا رہا ہے۔ سدھیر نے جواب میں کہا کہ میں آج ایک بار پھر پیتھک لارنس سے ملوں گا اور اسے ساری صورت حال سمجھاؤں گا۔''[55]

ویول نے یہ ساری گفتگو من وعن تحریر کر کے 28/اگست کو وزیراعظم ایٹلی کو ارسال کر دی اور ساتھ اپنے خط میں لکھا کہ ''میں ہندوستان کے معاملات کا پوری طرح ذمہ دار نہیں رہ سکتا

اگر آپ کی کابینہ کے بعض ارکان ایک آزاد ایجنٹ کے ذریعے میری پیٹھ پیچھے کانگرس کے ساتھ رابطہ استوار رکھیں گے۔"[56] لیکن ایٹلی خود بھی سدھیر گھوش کے ساتھ ملاقات کر چکا تھا جس کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے خود ایٹلی نے 14 راگست کو گاندھی کو لکھا تھا کہ "مجھے اس کے ساتھ گفتگو کا بڑا لطف آیا۔ مجھے پورا وثوق ہے کہ دونوں ملکوں کے مابین مکمل تصفیہ طے پا جائے گا۔"[57] چنانچہ ایٹلی نے ویول کے متذکرہ شکایت آمیز خط کے، جیسا کہ سرکاری ریکارڈ سے ظاہر ہے، کئی جواب بنانے کی کوشش کی لیکن ان میں سے کوئی جواب بھی نہ بھیجا گیا۔"[58] کانگرس اور لیبر حکومت کے مابین متذکرہ رابطوں سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ کلکتہ فسادات کے پس پشت کیا عزائم کارفرما تھے؟ اور یہ بھی کہ گاندھی اور نہرو نے ویول کے ساتھ اس قدر رعونت آمیز رویہ کیوں اختیار کیا تھا؟

کانگرس کا مطالبہ کہ لیگ کے بغیر آئین ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کیا جائے

28 راگست کو نہرو نے ویول کو ایک خط کے ذریعے کانگرس مجلس عاملہ کے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ کانگرس کی جانب سے وہ اعلان جاری نہیں کیا جائے گا جو ویول نے 27 راگست کی ملاقات میں گاندھی اور نہرو کو دیا تھا اور کہا تھا کہ اسے جاری کر دیا جائے۔ اس خط میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ گروپنگ کے بارے میں کانگرس کا شروع سے ایک ہی مؤقف رہا ہے اور وہ یہ کہ اس کا فیصلہ قانونی تعبیر کی روشنی میں کیا جائے گا اور اس سلسلے میں فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جائے گا۔ اس نے یہ بھی یاد دلایا کہ آپ نے اپنی 24 راگست کی نشری تقریر میں فیڈرل کورٹ سے رجوع کا ذکر کیا تھا لیکن اب جو اعلان آپ نے ہمیں جاری کرنے کے لئے دیا ہے اس میں فیڈرل کورٹ کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے۔ یہ یکا یک بالکل نئی بات کی گئی ہے جس پر ہم سخت حیران اور پریشان ہوئے ہیں اور آخر میں کہا گیا کہ "آپ کے مجوزہ راستے کو اختیار نہ کرنے کی صورت میں آپ نے آئین ساز اسمبلی طلب نہ کرنے کا جو ذکر کیا ہے، ایک غیر معمولی بات معلوم ہوتی ہے۔ جس سے میرے رفقائے کار میں سخت ناراضگی کے جذبات پیدا ہوئے ہیں۔ اگر آپ کا یہی نظریہ ہے اور آپ نے اسی پر عمل کرنا ہے

تو گزشتہ مہینوں میں جو ڈھانچہ استوار ہوا ہے وہ زمین بوس ہو جائے گا۔ ہماری یہ واضح رائے ہے کہ اب یہ قانونی اور اخلاقی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ آئین ساز اسمبلی کو جلد از جلد روبہ عمل لایا جائے...... ہمیں اتفاق ہے کہ اس میں تمام متعلقین کی شرکت درکار ہوگی اور ہم دوسروں کا تعاون حاصل کرنے کی پوری کوشش بھی کریں گے لیکن اگر انہوں نے شرکت سے انکار کر دیا تو آئین ساز اسمبلی کی کاروائی ان کے بغیر بھی عمل میں لائی جانی چاہیے۔"[59]

ویول نے 29 اگست کو اس کے جواب میں نہرو کو لکھا کہ ''میری رائے میں مسئلہ قانونی نہیں بلکہ عملی ہے۔ اگر کانگرس کے نقطہ نظر کے مطابق گروپوں کا معاملہ فیڈرل کورٹ کے سپرد کر بھی دیا گیا تو بھی آئین سازی کا کام معطل ہو جائے گا۔ جب کہ ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک گروپنگ کے مسئلہ پر پختہ متفقہ رائے نہیں بن جاتی اس وقت تک آئین ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کرنا غیر دانشمندانہ ہوگا۔"[60]

اسی روز نہرو نے ویول کو اس کا جواب دیا جس میں کہا گیا تھا کہ ''اگر اس مرحلے پر کوئی تبدیلی کی گئی تو اس سے سکھوں کی حیثیت بری طرح متاثر ہوگی یہ ہمارے لئے بہت نامناسب ہوگا کہ ہم نے انہیں اس معاملے میں جو یقین دہانیاں کروا رکھی ہیں، ہم ان سے پھر جائیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ وہ حالات کی موجودہ کیفیت سے پہلے ہی مطمئن نہیں ہیں، اگر اس وقت کوئی تبدیلی کر دی گئی جوان کے لئے نقصان دہ ہوئی تو نہ صرف ان میں بلکہ ہم میں بھی ناراضگی کے جذبات پیدا ہوں گے۔'' مزید زور دیا گیا کہ ''آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کو غیر معینہ عرصے کے لئے ملتوی کرنا نہ صرف اصولی طور پر غلط ہے بلکہ اس کے مضر سیاسی اثرات رونما ہوں گے جو مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنے میں بھی جس کے ہم خواہاں ہیں، مضر ثابت ہو سکتے ہیں۔"[61]

ویول نے 29 اگست کو نہرو کے خطوط کے متن پیتھک لارنس کے پاس لندن بھجوا دیئے اور ہمراہ اپنے خط میں پیتھک لارنس کو لکھا کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ اگر حکومت برطانیہ گروپنگ کے معاملے میں سختی سے قائم رہے یعنی یہ کہ مشن کی منشا کو منوایا جائے تو ہم اب بھی مسلم لیگ کو حکومت میں لے سکتے ہیں۔ لازمی گروپنگ اس سکیم کا سب سے اہم جزو تھا اور اس کی پابندی کے لئے ہمیں زور دینا چاہیے۔[62]

برلا بنام کرپس ...... کانگرس کو اقتدار دے دیا جائے، تو وہ لیگ سے نمٹ لے گی

اس دوران 29/اگست ہی کو جی۔ڈی۔ برلا نے کرپس کے نام ایک خط بھیجا جس میں وائسرائے ویول کے رویے کے خلاف بہت سی شکایات کی گئی تھیں۔ برلا نے لکھا کہ "دونوں پارٹیوں کے مابین تصفیے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ یہ معاملہ کانگرس پر چھوڑ دیا جائے جو ایک خودمختار حکومت کی حیثیت سے اس صورت حال سے نمٹے لیکن جب تک جناح کو یہ احساس رہے گا کہ وائسرائے کے ذریعے وہ اپنی ویٹو استعمال کرسکتا ہے، وہ ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے گا۔ لیگ کے پیروکاروں میں اس احساس کی علامات پائی جاتی ہیں کہ جناح انہیں تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔ جناح خود یہ احساس کرنے لگا ہے کہ اس کی بنجر پالیسی سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اگر ہر مرتبہ وائسرائے ثالث کا کردار ادا کرتا رہا تو وہ سب کا کام مشکل کئے رکھے گا۔" آگے چل کر اس نے ویول کو 27/اگست کی گاندھی اور نہرو سے ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے ویول کی جانب سے آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلانے کا ارادہ ترک کرنے کی بات پر لکھا کہ "کسی کو یقین نہیں آسکتا کہ حکومت برطانیہ کی نمائندگی کرنے والا وائسرائے اس قسم کی بات کرسکتا ہے۔" اور مزید یہ لکھا کہ "تاہم یہ بات واضح ہے کہ جب تک وائسرائے نئی حکومت پر بھروسا نہیں کرے گا اور اس کی اعانت نہیں کرے گا اور ان کی عقل و فہم، استعداد اور جذبۂ مصالحت پر اعتماد نہیں کرے گا، وہ آنے والے حالات کو پیچیدہ کرتا چلا جائے گا۔ جناح کے ساتھ تصفیے کا معاملہ طول پکڑ جائے گا۔ فسادات کی حوصلہ افزائی ہوگی...... مجھے یقین ہے کہ اگر وائسرائے صرف کانگرس کو ساری صورتحال سے نمٹنے کا اختیار دے دے تو چند ماہ کے اندر اندر لیگ کے ساتھ ایک معقول تصفیہ ہوسکتا ہے...... وائسرائے کو یا تو اپنی حکومت پر اعتماد کرنا چاہیے اور اسے موقع اور اعانت بہم پہنچانی چاہیے یا اسے برخاست کر دینا چاہیے...... یہ گومگو کی پالیسی ہندوستان کے لئے بے حد خطرناک ثابت ہوگی...... اس قسم کے نازک حالات میں یہ بے حد ضروری ہوگا کہ تاج برطانیہ کے سب سے بڑے نمائندے کی بہتر طور پر مشاورت ہونی چاہیے اور اسے اپنی ٹیم کو اعتماد اور تعاون مہیا کرنا چاہیے نہ کہ ان کے لئے نئی پیچیدگیاں پیدا کرنی

چاہئیں۔ میرا خیال ہے کہ اسے اب تک صحیح مشورہ نہیں دیا جاتا رہا"[63] کرپس نے اس خط کی نقل پیتھک لارنس کو بھی بھجوادی۔ برلا کے اس خط کا وہی مطلب تھا جس کا اعادہ گاندھی اور دوسرے کانگرسی رہنما کرتے چلے آرہے تھے کہ ایک مرتبہ کانگرس کو کلی اقتدار مل جائے اور وائسرائے درمیان سے ہٹ جائے تو پھر وہ مسلم لیگ سے نمٹ لے گی، یعنی لیگ کے جن عناصر کو لالچ اور طمع دلا کر توڑا جا سکے گا انہیں توڑ لیا جائے گا اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ لیگ میں ایسے عناصر کی کمی نہیں تھی، اور یہ کہ باقیوں کو ڈرا دھمکا کر خاموش کرا دیا جائے گا، جناح بے بس ہو کر گھٹنے ٹیک دے گا اور چند ماہ کے اندر اندر معقول تصفیہ' ہو جائے گا اور اگر بقول گاندھی خانہ جنگی تک جانا پڑا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ نمٹنے کے لئے تیار تھے۔

گروپنگ کے خلاف برطانوی سامراج کی ہندو بورژوا سے مفاہمت، ویول کو مزید تنبیہ

دیوالیہ شدہ برطانوی سامراج اپنے عالمی مفادات کی خاطر ہندو بورژوا کی ناراضگی کبھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ چنانچہ 30/اگست کو پیتھک لارنس نے ویول کے 29/اگست کے مراسلے کے جواب میں لکھا کہ "میں نے صورت حال پر وزیر اعظم کے ساتھ مزید تبادلۂ خیال کیا ہے۔ ہماری پختہ رائے ہے کہ آپ جب بھی نہرو سے ملیں اور اس سے یا کسی دوسرے کانگرسی رہنما کے ساتھ مزید کوئی بات چیت کریں تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس وقت کی انتہائی اہم ضرورت یہ ہے کہ عبوری حکومت بہرصورت اختیارات سنبھال لے۔ حکومت کی تشکیل کا برملا اعلان کرنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اسے عملی شکل نہ دی گئی تو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ باہر کی دنیا میں بھی ہماری سخت مخالفت کی جائے گی اور اسے بدعہدی پر محمول کیا جائے گا۔" اور ویول نے گروپنگ کے بارے میں حکومت برطانیہ کا اپنے اعلان پر سختی سے قائم رہنے اور اس صورت میں لیگ کے حکومت میں آنے کے امکان کا جو ذکر کیا تھا اس کا حوالہ دیتے ہوئے پیتھک لارنس نے لکھا کہ 'ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا آپ کی یہ پختہ رائے ہے کہ اس معاملے میں کانگرس کو بھی رضامند کیا جا سکتا ہے یا آپ کا یہ مطلب ہے کہ مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنا بے انتہا ضروری ہے خواہ اس کی خاطر کانگرس کا تعاون بھی ہاتھ سے گنوا دیا جائے۔"

اور آخر میں اسے مزید تنبیہ کی گئی کہ ''یہ نوبت آنے سے پہلے کہ کانگرس اپنا دست تعاون کھینچ لینے پر آجائے، کابینہ صورت حال کا جائزہ لے گی اس لئے آپ پر یہ واضح رہے کہ نہرو یا کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات میں یہ پہلو پیش نظر رہے کہ کوئی نوبت آنے سے پہلے ہمیں صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مناسب وقت ملنا چاہیے۔''[64] پیتھک لارنس کے اس مراسلے سے صاف ظاہر تھا کہ حکومت برطانیہ نے ویول کو کانگرس کے ساتھ اس قسم کی گفتگو سے سختی سے منع کر دیا تھا جیسی کہ 27/اگست کو نہرو اور گاندھی کے ساتھ ہوئی تھی۔ ویول پر عدم اعتمادی کا بھی اظہار کیا گیا تھا اور اس کے اختیارات پر بھی قدغن لگائی گئی تھی۔

ویول نے اس مراسلے'' کو بھی ''بوکھلاہٹ زدہ'' قرار دیا اور 31/اگست کو اس کے جواب میں ایک تلخ مراسلہ ارسال کیا۔ اس میں یہ یقین دلانے کے بعد کہ نئی عبوری حکومت حسب پروگرام 2/ستمبر کو اختیارات سنبھال لے گی، لکھا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس کا اقتدار میں آنا کلکتہ کی طرح کے مزید فسادات کو جنم دے گا۔ بحیثیت مجموعی میرا خیال ہے کہ فوری طور پر کسی وسیع گڑبڑ کا تو امکان نہیں ہے لیکن یہ مجھے معلوم نہیں کہ ایک یک جماعتی حکومت کسی سنگین گڑبڑ سے دوچار ہوئے بغیر ایک محدود وقت سے زیادہ عرصہ کے لئے کس طرح ہندوستان کو کنٹرول کر سکے گی۔'' گروپنگ کے بارے میں اپنا موقف دہراتے ہوئے اس نے لکھا کہ ''یہ نہ صرف آئین ساز اسمبلی کے لئے بلکہ مسلم لیگ کی مرکزی حکومت میں شمولیت کے لئے بھی سارے مسئلے کی جڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قانونی حجت کی باریکیوں کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کے عملی پہلو ہیں اور ایک لاکھ بے گھر ہونے والوں سے پتہ چلتا ہے کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس اس وقت تک آسانی کے ساتھ نہیں بلایا جا سکتا جب تک کوئی متفقہ بنیاد طے نہیں ہو جاتی۔'' اس کے بعد ویول نے اس مسئلے پر اپنا موقف واضح کرتے ہوئے پچھتاوے کے احساس کے ساتھ لکھا کہ ''مجھے آغاز ہی اس افسوس کے اظہار کے ساتھ کرنا چاہیے کہ میں نے صحیح صورت حال کا اندازہ کرنے میں دیر کر دی ہے۔ مجھے چاہیے تھا کہ آمدہ خطرات سے حکومت برطانیہ کو پہلے آگاہ کر دیتا اور پھر اس کے مطابق سرعت کے ساتھ اقدام کرتا۔'' وزارتی مشن کو یاد دلاتے ہوئے اس نے لکھا کہ ''میں کانگرس کی طرف سے 16/مئی کی دستاویز کی منظوری کے اعلان کو بطور منظوری تسلیم کرنے کے حق میں نہیں تھا اور صرف ان یقین دہانیوں کی بناء پر بادل نخواستہ

اسے ماننے پر متفق ہو گیا تھا کہ اس دستاویز میں ایسے تحفظات مہیا کئے گئے ہیں کہ کانگرس مسلم لیگ کی رضامندی کے بغیر گروپنگ کے اصول کو تباہ نہ کر سکے گی اور مجھے یہ بھی یقین تھا کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے اس اہم شق میں کوئی ردوبدل نہیں کیا جائے گا۔ کہ جس نے مسلم لیگ کو مشن منصوبہ منظور کرنے پر راغب کیا تھا۔'' ویول نے یہ بھی یاد دلایا کہ میں نے 17رجولائی کو اپنے خط میں آپ سے کہا تھا کہ پارلیمینٹ میں اس سلسلے میں وضاحت کر دینی چاہیے لیکن آپ کے بیانات نے ان شکوک کو تقویت پہنچائی کہ ''حکومت برطانیہ اس اہم شق کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہے۔'' ویول نے نہرو کے بیان اور پھر لیگ کی کونسل کی طرف سے مشن منصوبہ کی منظوری کی منسوخی کے فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ مجھے احساس ہوتا ہے کہ مجھے فوری اقدام کرنا چاہیے تھا اور گروپنگ کے مسئلہ پر واضح فیصلہ کروانا چاہیے تھا۔ میرا عذر صرف یہی ہے کہ میں سمجھتا رہا کہ ساری کانگرس نہرو کے بیانات کی توثیق نہیں کرے گی اور یہ کہ میں عبوری حکومت بنانے میں الجھا رہا۔'' پھر اس نے واردھا میں کانگرس مجلس عاملہ کی قرارداد کا مفہوم بھی یہ لیا کہ قانونی موشگافیوں کے باوجود 16رمئی کے مشن منصوبے میں دی گئی لازمی گروپنگ پر عملدرآمد ہو گا لیکن اس نے لکھا کہ ''کلکتہ سے واپسی پر گاندھی اور نہرو کے ساتھ ہونے والی ملاقات سے پتہ چل گیا کہ کانگرس کا گروپنگ کو قبول کرنے کا کوئی حقیقی ارادہ نہیں ہے اس طرح جیسے کہ مشن کی منشا ہے۔'' چنانچہ اس نے ایک بار پھر زور دیا کہ ''آئین ساز اسمبلی طلب کرنے سے پیشتر گروپنگ کے نکتے پر تصفیہ ہو جانا چاہیے اگر ہم نے یہ نہ کیا تو مشن کا طویل المیعاد منصوبہ کے سلسلے میں کیا ہوا تمام کام کالعدم ہو جائے گا۔ محراب کا کلیدی پتھر ہی غائب ہو گا۔'' آخر میں اس نے لکھا کہ ''ایسی علامات موجود ہیں کہ لیگ تصفیے کا بحیثیت مجموعی خیر مقدم کرے گی۔''[65]

ویول نے کانگرس کی غلط تعبیر سمیت مشن منصوبہ منظور کر لینے پر وزارتی مشن پر جو تنقید کی تھی، وزارت ہند کے بعض دوسرے اعلیٰ حکام کی طرف سے بھی اسی قسم کی تنقید کی گئی تھی۔ وزیر ہند کے معاون ایف۔ ایف ٹرنبل نے 30راگست کو تحریر کردہ اپنے ایک نوٹ میں لکھا کہ ساری مشکل ہی یہاں سے پیدا ہوئی کہ ہم نے آزاد کے 25رجون کے خط کو وزارتی مشن منصوبہ کی منظوری کے طور پر تسلیم کر لیا۔ اس نے کانگرس مجلس عاملہ کی 24رمئی کی قرارداد سے لے کر واردھا کی قرارداد تک کانگرسی رہنماؤں کے خطوط، بیانات، ملاقاتوں کا احاطہ کیا اور کہا

کہ شروع سے آج تک کانگرس نے جو تعبیر کی تھی وہ اسی پر قائم ہے، غلطی ہماری ہے کہ ہم نے اس تعبیر کو قبولیت بخش دی۔ ''کانگرس چاہتی تھی کہ کسی طرح مسلم لیگ کو آئین ساز اسمبلی سے باہر نکال دے اور فی الوقت وہ اس میں کامیاب رہی ہے۔'' اس نوٹ پر نائب وزیر ہند ڈی۔ٹی۔ مونٹیتھ نے لکھا کہ ''مشن نے اسی طرح دھوکہ کھایا ہے جس طرح ڈاکٹر امبید کر نے 1932ء میں پونا پیکٹ (معاہدہ پونا) میں کھایا تھا اور اسی سنگدل اور ریاکار سرغنے کے ہاتھوں کہ جو دونوں موقعوں پر پس منظر میں پرتشدد اقدام اٹھانے کی دھمکی کے بلیک میلنگ عنصر کے ساتھ گھات لگائے بیٹھا رہا تھا۔'' تاہم ٹرنبل اور مونٹیتھ دونوں کی رائے تھی کہ اب کانگرس کو حکومت بنانے کی جو تجویز دی گئی ہے اسی کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ پیتھک لارنس نے متذکرہ دونوں نوٹس پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا کہ کانگرس کی رائے قانونی اور وائسرائے کی رائے تدبر پر مبنی ہے۔ تاہم اس نے کانگرس کے فیڈرل کورٹ کے نکتے کی تائید کی۔[66] اس سے پتہ چلتا ہے کہ گاندھی اور دوسرے کانگرسی رہنماؤں کی صریح دھوکہ دہی اور عیاری کو تسلیم کرنے کے باوجود حکومت برطانیہ کانگرس کو راضی بہ رضا رکھنے پر تیار تھی اور بلاشرکت غیرے ہندوستان کا اقتدار اس کے حوالے کرنے پر آمادہ تھی۔

فقط کانگرس کے ارکان پر مشتمل عبوری حکومت کا قیام اور ہندو مسلم تضاد میں شدت

2ر ستمبر کو وائسرائے ویول نے جواہر لال نہرو کی زیر سرکردگی ایگزیکٹو کونسل کے کانگرسی ارکان کو ان کے عہدوں کا حلف اٹھوایا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس دن ''یوم سیاہ'' منایا اور اپنے مکانوں اور دکانوں پر سیاہ جھنڈے لہرائے۔ بمبئی میں یکم ستمبر سے ہندو مسلم فساد کا آغاز ہوا جو ستمبر کے وسط تک جاری رہا۔ اس دوران 26 ہلاک اور 801 زخمی ہوئے[67] احمد آباد سے بھی فسادات کی خبریں ملی تھیں۔ کانگرس کے بلاشرکت غیرے اقتدار میں آنے سے ہندو مسلم تضاد کی شدت میں اضافہ ہوا تھا اور ان معدودے چند مسلمانوں کے خلاف نفرت بڑھی جو مسلمانوں سے غداری کر کے کانگرس کے پٹھو بنے ہوئے تھے۔ 24ر اگست کو جب اس کونسل کے ارکان کے ناموں کا اعلان ہوا، اسی روز ان میں شامل ایک غدار'' مسلمان شفاعت احمد خاں پر شدید

قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ علاوہ ازیں یو۔پی کی کانگرسی وزارت میں شامل ایک اور ''غدار'' مسلمان وزیر رفیع احمد قدوائی کے بھائی شفیع احمد قدوائی کو مسوری کے مقام پر قتل کر دیا گیا تھا۔

31 راگست کو گورنر پنجاب جینکنز نے وائسرائے کو صوبے کی صورتحال کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ ارسال کی جس میں لکھا کہ ''یہاں مسلمان شدید غم و غصے کی حالت میں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جناح کے ساتھ چال چلی گئی ہے اور ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے......اور اس کے پیچھے انگریزوں اور کانگرس کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔'' ہندوؤں کے متعلق اس نے لکھا کہ ''وہ بے حد مسرور ہیں۔ وہ بدطینت فاتح ہیں اور مسلمانوں کو طعن و تشنیع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ وہ احمقانہ حد تک سمجھتے ہیں کہ یہاں پنجاب میں وہ انگریزوں کی مدد سے مسلمانوں کو کچلنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ باتیں عام کانگرسی حلقوں میں ہو رہی ہیں۔ کانگرس اور سکھوں کے معاہدے کا خیر مقدم ہو رہا ہے کہ یہ ہندوؤں کے تحفظ کی ضمانت ثابت ہوگا۔ خاص طور پر مرکزی پنجاب میں۔'' سکھوں کے بارے میں اس نے لکھا کہ ''اگرچہ باقاعدہ طور پر سکھ کانگرس کے ساتھ وابستہ ہو چکے ہیں لیکن بہت بااثر سکھ اب بھی مسلمانوں کے ساتھ قطع تعلق کے حق میں نہیں ہیں۔'' تاہم اس نے کہا کہ ''امکان یہی ہے کہ سنگین گڑبڑ کے دوران سکھ ہندوؤں کا ساتھ دیں گے۔ سکھ پریس اور سکھ مقررین کا لب و لہجہ انگریز مخالف اور مسلم مخالف ہے۔ سکھ مقررین پنجاب میں سب سے زیادہ پرتشدد ہیں۔'' ان حالات میں اس نے لکھا کہ ''یہاں ایک وسیع فرقہ وارانہ انقلاب کے لئے مواد جمع ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کے مؤقف میں جاندار دلیل یہ ہے......کہ مسلم فرقے کو کچلنے کے لئے تیاری مکمل ہو چکی ہے...... اور ان کی یہ دلیل اس قدر قرین حقیقت ہے کہ اسے خلوص یا ایمان کے ذریعے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مسلمان غیر منظم ہیں لیکن وہ کانگرس ہائی کمان کی فرمانبرداری قبول کرنے سے پہلے ہی لڑائی شروع کر دیں گے۔'' اس نے کانگرسی سوشلسٹوں کے خطرے کا بھی ذکر کیا جو کانگرسی ہائی کمان کے زیر اثر تھے۔ کمیونسٹوں کے خطرے کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ وہ مزدوروں اور کسانوں میں بے چینی کی پشت پناہی کر رہے ہیں اور اگر کوئی گڑبڑ پھیلی تو وہ اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہاں کی مخلوط حکومت عدم استحکام کا شکار ہے۔ یونینسٹ مسلمان وزراء اپنا اثر کھو چکے ہیں اور اپنے کانگرسی رفقائے کار کے بارے میں بھی بدگمان ہیں۔ کانگرسی وزراء

اپنی ہائی کمان اور ہندو رائے عامہ کے زبردست دباؤ میں ہیں۔ اس نے انتظامیہ کی صورتحال کے بارے میں بتایا کہ مسلمان ملازمین کی اکثریت جن میں ستر فیصد پولیس والے بھی شامل ہیں، مسلم لیگ کے حامی ہیں۔ اگر ہنگامی صورت پیدا ہوئی تو ہندوستانی فوج میں شامل مسلمان سپاہیوں کا حکومت سے تعاون بھی مشکوک ہے۔ اس نے انکشاف کیا کہ حال میں انبالہ کے فضائی اڈے پر رائل انڈین ائرفورس کے مسلمان ائرمینوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قراردادیں منظور کی ہیں۔ صوبے میں موجود برطانوی سول اور پولیس افسروں کے متعلق اس کی رپورٹ بڑی تشویشناک تھی۔ ''وہ یہاں کی کثیر مسلم آبادی کو منظم طور پر کچلنے کے لئے حکومت برطانیہ کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ وہ حکومت برطانیہ سے ویسے ہی بددل ہورہے ہیں۔ ان کو اپنے مستقبل کے بارے میں فکر ہے جس کی حکومت برطانیہ نے کوئی یقین دہانی نہیں کرائی ہے۔'' ''ایک عام برطانوی افسر کا حکومت برطانیہ پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔ لیکن اسے شبہ ہے کہ حکومت برطانیہ کانگرس کے ساتھ فرقہ وارانہ اتحاد کرے گی اور اس سے کار غلیظ لیا جائے گا۔''[68]
صوبہ پنجاب کی اس تشویشناک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت برطانیہ نے کانگرس کی حوصلہ افزائی کر کے فرقہ وارانہ تضاد کو شدید تر کر دیا تھا اور فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے لئے میدان تیار کر دیا تھا جب کہ ریاستی ڈھانچہ انتہائی نزع کے عالم میں تھا۔ تاہم یہاں کی مسلم لیگی قیادت کسی کھلی بغاوت کے لئے آمادہ نہیں تھی۔ وہ اب بھی تصفیہ پر مائل تھی اور خطابات سے دستبردار ہونے میں بھی پس وپیش سے کام لے رہی تھی۔ چیف سیکرٹری سندھ کی رپورٹ کے مطابق 30 راگست کو کراچی میں 32 افراد کی گرفتاری عمل میں آئی جن کے پاس سے لاٹھیاں اور کلہاڑیاں برآمد ہوئی تھیں۔

29 راگست کو یو۔ پی کے گورنر نے وائسرائے کو رپورٹ بھیجی جس میں الہ آباد کے ہندو مسلم فساد میں چند افراد کے مارے جانے کا ذکر تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ حالات نے جو رخ اختیار کیا تھا اس پر وہاں کے مسلم لیگی رہنما مایوس تھے۔ وہ کسی قسم کی جدوجہد کے حق میں نہیں تھے۔ ''ان میں سے بیشتر صاحب حیثیت ہیں اور افراتفری اور گڑبڑ میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ حالات قابو سے باہر نکل گئے تو تحریک ان کے ہاتھ سے بھی نکل جائے گی۔''[69]
دراصل یو۔ پی کے شہری نچلے درمیانے طبقے کے مسلمانوں میں بے چینی کی علامات پائی جاتی تھیں جن میں کمیونسٹ بھی سرگرم عمل تھے۔ 31 راگست کو گورنر یو۔ پی نے ایک اور مراسلے میں

وائسرائے کو لکھا کہ مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔ مسلم لیگ ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کرنے کے بعد اب کسی بھی تصفیے کے لئے اپنی لاج رکھنے کا کچھ سامان چاہتی تھی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے گورنر یو۔ پی نے لکھا کہ ''اگر ان کی لاج رکھنے کا کوئی سامان کر دیا جائے خواہ وہ فی نفسہٖ کتنا ہی بے وقعت کیوں نہ ہو، تو کام بن جائے گا۔''[70]

لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت کی شرائط

چنانچہ یکم ستمبر کو جب نہرو ویول کے ساتھ عبوری حکومت کے ارکان کو سونپے جانے والے محکموں کی فہرست کو آخری شکل دینے کے لئے ملاقات کر رہا تھا تو مسلم لیگ کا سیکرٹری جنرل لیاقت علی خاں وائسرائے کے نائب ذاتی معاون آئی۔ ڈی۔ سکاٹ کے ساتھ ملاقات میں عبوری حکومت اور آئین ساز اسمبلی میں مسلم لیگ کی شمولیت کی شرائط سے آگاہ کر رہا تھا۔ لیاقت علی خاں نے طویل المیعاد منصوبے کے بارے میں کہا کہ ''(ا) ایک غیر مبہم بیان جاری کیا جائے کہ کانگرس گروپ (سیکشن) اسمبلیوں کے قیام کو منظور کرتی ہے۔ نیز یہ کہ صوبوں کے آئین وضع کرنے کے لئے گروپ (سیکشن) کا بحیثیت مجموعی اجلاس منعقد ہوگا نہ کہ صوبہ خود اپنا آئین وضع کرے گا۔ (ب) نئے آئین کے تحت ہونے والے پہلے انتخاب سے پیشتر کسی صوبے کو گروپ سے علیحدہ ہونے کا اختیار نہیں ہوگا۔ (ج) یونین (مرکزی) اسمبلی کو گروپوں یا صوبوں کے آئین میں ردو بدل کا اختیار نہ ہوگا......'' قلیل المیعاد منصوبے یعنی عبوری حکومت کے بارے میں اس نے کہا کہ (ا) نیشنلسٹ مسلمانوں کے مسئلے کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ مسلم لیگ پانچ ارکان کی نامزدگی کرے اور کانگرس ان کو موجودہ پانچ ارکان (جن میں سے کانگرس نے ابھی صرف تین مقرر کئے تھے) کی جگہ تسلیم کرے۔ اگر کانگرس نے اپنی نشستوں میں سے کسی ہندو کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی نیشنلسٹ مسلم کے تقرر کی کوشش کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کانگرس مسلم لیگ کی شمولیت چاہتی ہی نہیں ہے۔ (ب) وائسرائے نے اپنی نشری تقریر میں کہا ہے کہ وہ اس بات کا دھیان رکھے گا کہ ایگزیکٹو کونسل میں کسی بھی بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ پر ہر فرقے کی کثرت رائے کے بغیر فیصلہ نہیں ہوگا۔ یہ واضح کیا جائے کہ اس پر کس طرح عملدرآمد ہوگا؟۔ وائسرائے کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ طے کرے کہ بڑا فرقہ وارانہ مسئلہ کیا ہے؟

اور وہ مسلم لیگ کے ساتھ وعدہ کرے کہ وہ ایسے کسی بھی مسئلے پر مسلمانوں کی مخالفت کی صورت میں محض کثرت رائے سے کوئی فیصلہ صادر نہیں کرے گا۔ یہ تھے وہ تحفظات جن کا لیگ کی طرف سے پہلے بھی اعادہ ہو چکا تھا اور اب لیاقت علی خان نے مزید اعادہ کر کے کہا کہ ان کو یقینی بنانے کی صورت میں لیگ اپنا رویہ تبدیل کرنے پر تیار ہو جائے گی"[71] یعنی یہ کہ لیگ 29/جولائی کی اپنی کونسل کی قراردادوں ڈائریکٹ ایکشن اور مطالبہ پاکستان کو ترک کر کے وزارتی مشن منصوبہ کی مجوزہ گروپنگ سکیم پر عمل درآمد کے لئے تیار ہو جائے گی۔

اعتدال پسند مسلم لیگی رہنما اب بھی پوری طرح آمادہ تھے کہ اگر متحدہ ہند کے تحت صوبوں کی گروپ بندی پر مشن منصوبہ کے مطابق بہ کمال وتمام عمل درآمد ہو تو وہ تصفیہ کر لیں گے۔ کانگرسی رہنما سمجھتے تھے کہ وہ مزید گھٹنے ٹیکنے پر بھی آمادہ ہو جائیں گے۔ اس دوران جی۔ڈی برلا نے بھی لیاقت علی خان کے ساتھ رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔"[72] لیکن اپنی لاج رکھنے کے لئے کچھ تحفظات حاصل کئے بغیر یہ اعتدال پسند لیگی رہنما کوئی مفاہمت نہ کر سکتے تھے۔ لیکن کانگرس مسلمانوں کو کسی قسم کے سیاسی تحفظات دینے پر آمادہ نہ ہوئی۔

مسلمانوں کی جان و مال و آبرو کے تحفظ کے لئے برطانوی فوج کی مداخلت پر بھی گاندھی کو سخت اعتراض ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس نے کلکتہ اور دیگر جگہوں پر فسادات میں فوج کے مداخلت کرنے اور امن عامہ بحال کرنے پر کیا تھا۔ 2/ستمبر کو ہندوستان میں کانگرس کی پہلی حکومت کے قیام کے موقع پر گاندھی نے اپنی پرارتھنا سبھا میں بھاشن دیتے ہوئے کہا کہ "میں ہندو مسلم فسادات میں فوج کے استعمال کا سخت مخالف ہوں۔ جب تک وہ برطانوی افواج کے تحفظ پر انحصار کرتے رہیں گے حقیقی آزادی حاصل نہیں ہو سکے گی۔"[73] گویا وہ چاہتا تھا کہ ہندو مسلم فسادات باقاعدہ خانہ جنگی کی شکل اختیار کریں اور ہندو بورژوا اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لا کر مسلمانوں کو اطاعت گزاری پر مجبور کر دے۔ کانگرس کے اسی قسم کے رویے کے بارے میں آئین سٹیفنز لکھتا ہے کہ "اگر کانگرسی زعما ویول کی طرح کلکتہ کے عظیم قتل عام سے متاثر ہو کر اپنے انداز فکر میں تبدیلی لے آتے یا حکومت برطانیہ وائسرائے کے موقف کو مسترد نہ کرتی تو شاید ہندوستان کی تاریخ کا رخ مختلف ہوتا۔ شاید خانہ جنگی بند ہو جاتی اور برصغیر کے حصے بخرے نہ ہوتے اور اگر تقسیم ہوتی بھی تو اس کے ساتھ اتنا خون خرابہ نہ ہوتا۔"[74]

باب: 2

بااقتدار کانگرس کی رعونت
اور بے اختیار مسلم لیگ کی مصالحت

کانگرس کو خدشہ تھا کہ گروپ "ب" اور "ج" مل کر بعد میں آزاد پاکستان بنالیں گے

وائسرائے ویول نے مرکز میں نوتشکیل کانگرس کی حکومت کے ارکان کے ساتھ ذاتی اور سرکاری ہر دو سطح پر دوستانہ ہم آہنگی پیدا کی اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ ہندوستان سے برطانیہ کی دستبرداری اور انتقال اقتدار کے مراحل طے کرنے کے لئے پرامن اور سازگار فضا قائم ہو سکے۔ لیکن وہ بدستور یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر عبوری حکومت پر کانگرس ہی مسلط رہی اور اس نے مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر دستور سازی کا کام بھی شروع کر دیا تو پورے برصغیر میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اس نے 3 ستمبر کو پنڈت نہرو اور اس کی بہن وجے لکشمی پنڈت کو رات کے کھانے پر بلایا اور دوستانہ ماحول میں بات چیت کی۔ 5 ستمبر کو پٹیل، 7 ستمبر کو راجندر پرشاد اور 10 ستمبر کو کانگرس مجلس عاملہ کی ایک اہم رکن مسز سروجنی نائیڈو کو الگ الگ رات کے کھانے پر بلایا اور سیاسی صورت حال پر تبادلۂ خیال کیا۔

پٹیل کے ساتھ گفتگو پر مبنی اپنے نوٹ میں ویول لکھتا ہے کہ "میں نے اس سے کہا کہ یہ بات لیگ کی نسبت کہیں زیادہ کانگرس کے اپنے مفاد میں ہے کہ لیگ کو آئین ساز اسمبلی اور مرکزی حکومت میں شامل کیا جائے۔ متحدہ ہندوستان اور پرامن انتقال اقتدار کی خاطر یہ بات

کانگرس کے لئے بے انتہا اہم ہے۔ آپ کو خود اپنے مفاد کی خاطر چاہیے کہ ہر قیمت پر انہیں شامل کرنے کے لئے کوشش کریں اور یہ بات آپ ہی کے فائدے میں جائے گی اگر آپ آگے بڑھ کر لیگ کو اپنے بارے میں یقین دلانے کی کوشش کریں۔ میں نے کہا کہ ہندوستان کو متحد رکھنے اور ہندوستان کی خوشحالی اور معیار زندگی بلند کرنے کے لئے یہ واحد امید ہے۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تو مجھے پورا یقین ہے کہ مسلمان اپنے اوپر غلبہ کی ہر کوشش کے خلاف مذہبی جنون کے ساتھ مزاحمت کریں گے اور ہندوستان کو متحد رکھنے کے مقصد کو ناممکن بنا دیں گے۔ فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ شمال مغربی سرحد پر آباد قبائل قابو سے باہر ہو جائیں گے اور روس کی مداخلت کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ انگریز ہندوستان میں کانگرس کو مسلمانوں کو کچلنے میں مدد دینے کے لئے یہاں موجود بیٹھے نہیں رہیں گے۔...... میں نے کہا کہ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ ہے کہ مسلم لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں گروپنگ کے بارے میں یقین دلا دیا جائے۔ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ اگر اس پر مشن کی منشا کے مطابق عمل کیا جائے تو اس سے کانگرس کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ میری رائے میں آپ کو اس بات کا خوف نہیں ہونا چاہیے کہ کہیں پاکستان نہ بن جائے کیونکہ اگر گروپوں کے اندر بحث وتمحیص معقول طریقے سے کی گئی اور ہندوستان کے معاملات کو عقل سلیم کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کی گئی تو حالات کی منطق حاوی رہے گی اور مسلمانوں کو محسوس ہو جائے گا کہ پاکستان حقیقتاً عملی حل نہیں ہے۔'' ویول لکھتا ہے کہ ''جو کچھ میں نے کہا اس سے ولبھ بھائی پٹیل نے اختلاف نہیں کیا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے اتفاق کر رہا ہے۔'' لیکن اس نے جناح کی ''ناقابل مفاہمت شخصیت'' کو ایک رکاوٹ قرار دیا اور کہا کہ اگر مسلم لیگ میں کوئی شخص ہو کہ جس سے بات چیت کی جا سکے تو معاملات سلجھائے جا سکتے ہیں۔ ویول نے جواب میں کہا کہ ''جناح واقعی ٹیڑھے مزاج کا آدمی ہے لیکن یہ معاملہ کانگرس اور ہندوستان دونوں کے لئے کس قدر اہم ہے کہ جیسے بھی ہو بات چیت سے کوئی سمجھوتہ طے ہونا چاہیے۔'' ویول نے مزید کہا کہ ''جناح پر اعتدال پسند مسلمانوں کی جانب سے بہت زیادہ دباؤ موجود ہے۔'' اس کے بعد دونوں کے درمیان گروپنگ کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوا۔ پٹیل اس بات پر راضی تھا کہ آئین ساز اسمبلی مجوزہ تین حصے بنا کر اجلاس منعقد کر سکتی ہے لیکن ہر حصہ کو باقاعدہ گروپ کی صورت دینے کا فیصلہ اس

حصے کے ارکان کثرت رائے سے نہیں کر سکیں گے بلکہ اس کے لئے اس حصے کے تمام صوبوں کا متفق ہونا ضروری ہو گا۔ ویول نے کہا کہ یہ تو مشن کی منشا کے برعکس ہے اور اس سے تو سارا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ ویول نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ حصہ ب اور حصہ ج کے اندر مسلمانوں کو معمولی اکثریت حاصل ہے اور وہ کوئی غیر معقول قسم کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے۔ کوئی اشتعال انگیز اقدام نہیں ہو گا جس سے مراد یہ تھی کہ پاکستان کی جانب قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس پر پٹیل نے کہا کہ مجھے شمال مغربی ہندوستان کے ایک باقاعدہ گروپ (گروپ ب) کی صورت میں ڈھل جانے سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ پٹھان، پنجابی مسلمان سے نفرت کرتے ہیں اور سندھ اور پنجاب کی آپس میں نہیں بنتی اور پھر سکھ بھی اس میں شامل ہیں۔ چنانچہ ویول نے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یہ عوامل پاکستان کی تشکیل جیسے انتہائی اقدام کی راہ میں بھی ایک رکاوٹ ثابت ہوں گے۔ پٹیل نے اتفاق کیا لیکن مزید یہ کہا کہ حصہ ج میں صورتحال مختلف ہے کیونکہ وہاں آسام بالکل مغلوب ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ وہاں کے بارے میں پٹیل نے یہ حل تجویز کیا کہ بنگال کے مسلم علاقوں کو الگ کر کے علیحدہ صوبہ وضع کر دیا جائے۔ ویول نے کہا کہ چالیس سال پیشتر اسی اقدام پر انتہائی شدید ردعمل ہوا تھا۔ پٹیل نے کہا کہ اب حالات مختلف ہیں۔ ویول نے کہا کہ حصہ ج کے ارکان اس پہلو کو بھی زیر بحث لا سکتے ہیں۔ [1]

پٹیل اور ویول کی اس گفتگو سے ایک بار پھر یہ ظاہر ہوا کہ کانگرس کو گروپ بندی سے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں گروپ ب اور ج خود مختار پاکستان نہ بن جائیں۔ حالانکہ منصوبہ کے مطابق وضع ہونے والے آئین میں تبدیلی دس سال بعد عمل میں آ سکتی تھی اور جب 6/جون کو مسلم لیگ کونسل نے مشن منصوبہ منظور کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کو اپنا آخری نصب العین قرار دیا تھا تو اس سے بھی یہی مراد تھی کہ کم از کم دس سال بعد اس کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ اس دوران اگر ہندو بورژوا فراخدلی کا مظاہرہ کر کے متحدہ ہند کی خوبی کو ثابت کر دیتا تو مسلمان تقسیم کے بجائے متحدہ ہند کو ترجیح دیتے۔ لیکن کانگرس نے گروپنگ ہی کو ناکام بنانے کے عیاں اور نہاں حربے کچھ اس طرح استعمال کئے کہ شروع میں ہی ثابت ہو گیا کہ کانگرس لیگ کے ساتھ مفاہمت نہیں بلکہ اس کا خاتمہ چاہتی ہے اور مسلم اقلیت کو کوئی رعایت دینے پر تیار نہیں ہے۔ جب کہ ویول کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلم لیگ جو کہ انتخابات میں مسلمانوں کی نمائندہ

تنظیم کی حیثیت سے ابھری تھی اسے نظر انداز کیا گیا تو ہندوستان خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا اور روس کی جانب سے مداخلت کا خطرہ پیدا ہو جائے گا، جب کہ انگریز ہندوستان کو روس کے خلاف متحد رکھ کر یہاں سے جانا چاہتے تھے۔

کانگرس کی نئی چال...... ''سیکشنوں کا اجلاس ہو سکتا ہے۔مگر ووٹ ارکان نہیں صوبہ دے گا''

مسلم لیگ کی عبوری حکومت اور آئین ساز اسمبلی دونوں میں شرکت اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک طویل المیعاد منصوبے میں گروپوں کی تشکیل کو یقینی امر کے طور پر طے نہ کر دیا جاتا۔ وزارتی مشن منصوبہ پر مشن کے ارکان کی تعبیر اور منشا اس بارے میں واضح تھی لیکن کانگرس کی تعبیر اس کی مخالفت میں جاتی تھی۔ یاد رہے کہ تعبیر پر یہ اختلاف گاندھی نے مشن منصوبہ کا اعلان ہوتے ہی پیدا کر دیا تھا اور پھر یہ اختلاف کبھی دور نہ ہوا تھا۔ لیکن مسلم لیگ اور حکومت برطانیہ اس کی یکساں تعبیر کرتے تھے اور ان کے مابین کسی شق پر بھی اختلاف نہیں رہا تھا ماسوائے اس کے کہ حکومت برطانیہ اپنی تعبیر کو منوانے کی اخلاقی جرأت نہ رکھتی تھی اور کانگرس کی تعبیر کے سامنے سرنگوں ہو چکی تھی۔

تعبیر پر جھگڑا کیا تھا؟ دوسری جلد کے لئے بطور حوالہ اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ وزارتی مشن نے 16 رمئی کو جو اعلان جاری کیا تھا اس کے پیرا۔19 میں آئین سازی کا طریقۂ کار بیان کر دیا گیا تھا جس کے مطابق آئین ساز اسمبلی نے اپنے ابتدائی اجلاس کے بعد تین سیکشنوں (حصوں) میں تقسیم ہو جانا تھا۔ سیکشن الف میں ہندو اکثریتی صوبوں سے تعلق رکھنے والے ارکان اور سیکشن ب میں شمال مغربی مسلم اکثریت کے صوبوں (سرحد، پنجاب، سندھ، بلوچستان) اور سیکشن ج میں شمال مشرقی مسلم اکثریت کے صوبوں (آسام و بنگال) کے ارکان شامل تھے۔ ہر سیکشن نے اپنے اجلاس میں سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا اس میں شامل صوبوں نے ایک گروپ وضع کرنا ہے یا نہیں اور یہ کہ اگر کرنا ہے تو پھر اس کے پاس کون سے محکمے ہوں گے، اس کا آئین کیا ہوگا؟ دوسرے ہر سیکشن نے اس میں شامل صوبوں کا آئین وضع کرنا تھا۔ تینوں سیکشنوں نے اپنی اپنی جگہ گروپ اور صوبوں کا آئین وضع کرنے کے بعد

پھر اکٹھے ہو کر متحدہ اسمبلی میں جمع ہو کر مرکز کا آئین تشکیل کرنا تھا۔ اس طرح اس تین سطحی نظام کا مرحلہ وار آئین وجود میں آنا تھا جس کی تین سطحیں صوبہ، گروپ اور مرکز تھے۔ یہ ایک صاف اور سیدھی سکیم تھی جس پر اگر خلوص نیت کے ساتھ عمل کیا جاتا تو کوئی مشکل پیش نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن کانگرس نے پہلے تو پیرا۔15 جس میں آئین کے عمومی اصول بیان کئے گئے تھے، کی ایک شق کہ ''صوبوں کو اپنے گروپ بنانے کا اختیار حاصل ہوگا۔'' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے پیرا۔19 کے مطابق آئین سازی کے متذکرہ طریقۂ کار کے منافی قرار دے دیا اور مؤقف اختیار کیا کہ گروپ بنانا لازمی نہیں بلکہ اختیاری ہے اس لئے اسمبلی کے پہلے متحدہ اجلاس ہی میں صوبوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے مجوزہ گروپ سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ نیز اسے اسمبلی کے تین حصوں میں تقسیم ہونے پر بھی اعتراض تھا اور اس کی رائے تھی کہ اس کا فیصلہ اسمبلی کے اندر جا کر کثرت رائے سے ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ اس معاملے پر فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جا سکتا تھا۔

کانگرس مجلس عاملہ نے 24 رمئی کو ایک قرار داد کے ذریعے اپنی اس تعبیر کا اعلان کیا جس کے رد میں مشن نے 25 رمئی کو ایک اور اعلان جاری کیا اور پیرا۔15 اور پیرا۔19 کی تعبیر کرتے ہوئے ''صوبوں کی گروپنگ کو اس سکیم کا لازمی جزؤ قرار دیا جس میں ترمیم صرف دونوں پارٹیوں کے اتفاق رائے سے ہو سکتی تھی۔ لیکن کانگرس نے اس تعبیر کو تسلیم نہ کیا۔ کانگرس نے اپنی تعبیر اس حقیقت کے پیش نظر پیش کی تھی کہ صوبہ سرحد اور صوبہ آسام میں کانگرس کو اکثریت حاصل تھی اور ان صوبوں کے نمائندے اپنی کثرت رائے کی بنیاد پر اپنے صوبے کی جانب سے علی الترتیب گروپ ب اور گروپ ج سے علیحدگی اختیار کرنے کا اعلان اسمبلی کے پہلے اجلاس ہی میں کر دیں گے اور سیکشن ب اور ج کے اجلاسوں میں شریک ہی نہیں ہوں گے۔ اس طرح پوری گروپنگ سکیم دھڑام سے نیچے آ رہے گی۔ لیکن یہی کام وہ سیکشن کے اجلاس میں شریک ہو کر بھی کر سکتے تھے بشرطیکہ سیکشن میں ووٹنگ میں بحیثیت مجموعی تمام ارکان کی کثرت رائے کی بجائے ہر صوبے کو اپنے ارکان کی کثرت کی بنیاد پر بحیثیت مجموعی صرف ایک ووٹ دینے کا اختیار دے دیا جاتا۔

چنانچہ اگست کے اواخر میں کانگرس نے یہ عندیہ دے دیا کہ اسے سیکشنوں کے علیحدہ علیحدہ اجلاس کے انعقاد پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اس میں شامل ہر صوبے کا ایک ووٹ ہوگا

جسے اس صوبے کے ارکان اپنی اکثریت کی بنیاد پر استعمال کریں گے۔ مقصد یہ تھا کہ سیکشن ج میں آسام اور بنگال کا ایک ایک ووٹ ہوگا جسے وہ ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں اور تعطل کا شکار ہو کر سیکشن ٹوٹ جائے اور گروپ ج وضع نہ ہو سکے۔ سیکشن ب میں سندھ، پنجاب اور سرحد کا ایک ایک ووٹ ہوگا اور کل سیکشن میں تین ووٹ ہوں گے کیونکہ بلوچستان کو ابھی صوبے کا درجہ حاصل نہیں تھا اور وہاں سے فقط ایک رکن نمائندگی کرتا تھا۔ ان تین میں سے صوبہ سرحد میں کانگرس کی کثرت کی وجہ سے یہ ایک ووٹ تو کانگرس کا پکا تھا۔ سندھ میں لیگ اور لیگ مخالف مسلم دھڑوں کے کانگرس کے ساتھ بنائے گئے متحدہ محاذ کے مابین پلہ تقریباً برابر کا تھا اور کانگرس کو امید تھی کہ وہ دو چار ارکان کو توڑ کر سندھ کا ووٹ بھی اپنے حق میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ یوں تین میں سے دو ووٹ کے ذریعے وہ سیکشن ب کے اجلاس میں گروپ ب کی تشکیل میں رکاوٹ ڈال سکے گی۔ گویا لب لباب یہ تھا کہ گروپ بندی کو کسی قیمت پر عمل میں نہ آنے دیا جائے۔ جب کہ مسلم لیگ کا مؤقف یہ تھا کہ ہر سیکشن کے اجلاس میں ہر معاملے پر عام جمہوری اصول کے تحت کثرت رائے سے فیصلہ کیا جائے۔ لیکن کانگرس کی جمہوریت یہ تھی کہ وہ 36 ارکان پر مشتمل سیکشن ب میں صوبہ سرحد کے 3 ارکان کہ جن میں فقط 2 کانگرس کے تھے، وہ ان 2 کی مدد سے پورے گروپ ب کی تشکیل کو سبوتاژ کرنا چاہتی تھی اور اسی طرح آسام کے 10 میں سے 7 ارکان کی مدد سے وہ 70 ارکان پر مشتمل سیکشن ج کا خاتمہ کرنا چاہتی تھی۔ اس بنا پر نہرو نے آسام کے وزیر اعلیٰ بردولائی کو ایک خفیہ خط میں لکھا تھا کہ گروپنگ کے خلاف تو آسام اسمبلی کا فیصلہ بالکل درست ہے لیکن آئین ساز اسمبلی اگر حصوں میں بٹ کر اجلاس منعقد کرے تو اس حصے کے اجلاس کا بائیکاٹ مناسب نہ ہوگا۔

کانگرس کی جانب سے آئین ساز اسمبلی کا حصوں میں بٹ کر اجلاس منعقد کرنے کا عندیہ پا کر وزیر ہند پیتھک لارنس نے کانگرس اور لیگ کے مابین مفاہمت کے لئے ایک فارمولا تجویز کیا اور مشورے کے لئے اس کا متن 30 راگست کو ویول کو ارسال کیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ (i) ایک حصے (سیکشن) کے ارکان کثرت رائے سے فیصلہ کریں گے کہ آیا گروپ وضع کیا جائے اور اگر کیا جائے تو اس کے شعبہ جات اور اختیارات کیا ہوں گے۔ مزید یہ کہ گروپ کے آئین کی دفعات کیا ہوں گی۔ (ii) صوبوں کا آئین جس حد تک گروپ کے آئین

کی پابندی سے متعلقہ امور کے بارے میں ہوگا وہ سیکشن کے ارکان کی کثرت رائے سے طے ہو گا لیکن بذاتہی صوبائی امور سے متعلقہ آئین صوبوں کے نمائندہ ارکان بذات خود اپنی اکثریت سے تیار کریں گے۔ [2]

4 رستمبر کو ویول نے اس کے جواب میں پیتھک لارنس کو لکھا کہ صوبائی آئین کلی طور پر سیکشن کے اجلاس میں سیکشن کے تمام ارکان کی کثرت رائے سے طے پائے گا۔ مشن کی منشا بھی یہی تھی اور لیگ کے نزدیک بھی یہ ایک اہم نقطہ ہے۔ مزید یہ کہ 16 رمئی کو جناح کے ساتھ ملاقات میں ہم نے اس سلسلے میں زبانی یقین دہانی بھی کرائی تھی جو ہمارے ریکارڈ پر موجود ہے۔ چنانچہ ویول نے لکھا کہ اے۔ وی۔ الیگزینڈر کی طرح میں بھی اس سلسلے میں اپنے وعدوں اور منشا سے پھر جانے کے خلاف ہوں نہ ہی یہ مناسب ہے کہ صوبہ سرحد جیسے اہم صوبے کا آئین صرف تین افراد وضع کریں جب کہ ان میں سے ایک آزاد ہے جو وہاں سے بارہ سو میل کے فاصلے پر رہتا ہے۔ یاد رہے کہ صوبہ سرحد کے لئے آئین ساز اسمبلی میں 3 نشستیں مخصوص تھیں۔ ان میں سے ایک مسلم لیگ اور دو کانگرس کو حاصل ہوئی تھیں جن میں ایک پر آزاد رکن کو منتخب کرایا گیا تھا۔ ویول نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی اس منشا پر سختی سے قائم رہنا چاہیے کہ صوبوں کا آئین سیکشن کے اجلاس میں طے پائے گا۔ [3]

اس کے جواب میں پیتھک لارنس نے 6 رستمبر کو ویول کو لکھا کہ کانگرس کو اگر یہ رعایت نہ دی گئی کہ صوبائی آئین صوبے کے ارکان بنائیں گے تو وہ مفاہمت کے فارمولے کو منظور نہیں کرے گی اور یہ فارمولا وہی حیثیت رکھے گا جو آپ نے نہرو اور گاندھی کو (27 راگست) پیش کیا تھا۔ پیتھک لارنس نے یاد دلایا کہ کانگرس کو گروپنگ سکیم پر ایک بڑا اعتراض یہ بھی ہے کہ اس کے مطابق صوبہ سرحد کا آئین پنجاب اور سندھ کے ارکان طے کریں گے اور آسام کا آئین بنگال کے ارکان طے کریں گے اس نے کانگرس کے اس شبے کا بھی اظہار کیا کہ سیکشن آئین ساز اسمبلی میں مسلم لیگ اپنے ارکان کی اکثریت کی بدولت صوبائی آئین وضع کرتے وقت اس میں ایسی شقیں رکھ دے گی کہ کوئی صوبہ نئے آئین کے عمل میں آنے کے بعد گروپ سے علیحدگی کا اختیار ہی استعمال نہ کر سکے۔ اس پر پیتھک لارنس نے اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا کہ ''ہوسکتا ہے ہمیں یہ بات دُور از کار معلوم ہوتی ہو لیکن آسام کے معاملے میں یہ بالکل بے بنیاد

بھی نہیں ہے۔'' آگے چل کر اس نے لکھا کہ میرے خیال میں یہ ترمیم جناح کے نقطۂ نگاہ سے بھی کوئی خاص نقصان دہ نہیں ہے جب کہ یہ کانگرس کے لئے ایک ایسی رعایت ہے کہ جس کی مدد سے وہ اپنے حامیوں کو گروپنگ سے متعلق اپنے اختیار کردہ موقف میں تبدیلی لانے کا جواز پیش کر سکتے ہیں۔ پیتھک لارنس نے ویول کے صوبہ سرحد کے آئین سے متعلق اعتراض کے جواب میں کہا کہ وہاں کے لوگوں کو ایک آزاد اور دوسرحدی نمائندوں کی جانب سے وضع کردہ آئین پر اعتراض نہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ پنجاب اور سندھ کی اکثریت ان کا آئین تیار کرے۔[4] اس طرح پیتھک لارنس نے وزارتی مشن منصوبہ سے صریح طور پر انحراف کرتے ہوئے کانگرس کے موقف کی تائید کی۔

7 ستمبر کو وائسرائے کے معاون جارج ایبل نے اس خط پر اپنا یہ تاثر لکھ کر وائسرائے کو پیش کیا کہ ''وزیر ہند کے خیال میں کانگرس کو رعایت، ہر حال میں ملنی چاہیے ورنہ وہ لیگ کو کوئی رعایت بھی نہ دے گی، ممکن ہے ٹھیک ہو، لیکن ہم تو لیگ کو صرف یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اسے وہ ضرور ملے گا جس کا 16 مئی کی دستاویز میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کے عوض میں کانگرس کو (1) پرامن ہندوستان اور (2) متحدہ ہندوستان مل جائے گا...... یہ معمولی بات تو نہیں ہے۔'' پیتھک لارنس کے متذکرہ خط پر ویول نے اپنا تاثر لکھتے ہوئے اسے ''بددیانتی اور بزدلی'' پر محمول کیا۔[5]

ویول نے مشن منصوبے کی تعبیر پر مشن کو ثابت قدم رکھنے کی خاطر اپنے 3 ستمبر کے ایک مراسلے میں بھی پیتھک لارنس کو لکھا تھا کہ ''حقیقت یہ ہے کہ 16 مئی کی دستاویز نے گروپوں کے انتہائی نازک معاملے کے بارے میں توقع سے زیادہ تعبیروں کی راہ کھول دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مشن کے تمام ارکان مجھ سے اتفاق کریں گے کہ مشن کے تمام تر منصوبے کا بنیادی اصول یہ تھا کہ اگر ہندوؤں کو متحدہ ہندوستان دیا جائے تو پھر مسلمانوں کو گروپ ضرور ملنے چاہئیں...... اگر کانگرس یہ سمجھتی ہے کہ وہ قانونی عیاری سے کام لے کر متحدہ ہندوستان بھی حاصل کر لے گی اور گروپوں کو بھی تباہ کر دے گی تو وہ بہت احمق ہے۔ یہ بات میں ان کو بتا چکا ہوں اور مسلمان تصفیہ کے طلب گار ہیں۔''[6] لیکن پیتھک لارنس اور لیبر حکومت کا تمام تر جھکاؤ کانگرس کو راضی بہ رضا رکھنے پر تھا۔ 6 ستمبر کو پیتھک لارنس نے نئی ایگزیکٹو کونسل کے کانگرسی ارکان کو زیادہ سے زیادہ

اختیارات دینے کے بارے میں ویول کو تاکید کرتے ہوئے لکھا کہ ''اگر ہم نے یہ پالیسی نہ بھی اختیار کی ہوتی کہ جو ہم نے کر رکھی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو مکمل آزادی دے دی جائے اور سیلف گورنمنٹ میں بھی وسعت کی اجازت دے دی جائے، تو بھی ہندوستان میں ہماری موجودہ حالت اور وسائل اب ہمیں یہ اجازت نہیں دیتے کہ آپ (ایگزیکٹو) کونسل کی اکثریت کے خلاف، سوائے کسی انتہائی مجبوری کے، اپنے اختیار کو استعمال کریں۔''[7]

7 ستمبر کو نہرو نے اپنی پہلی نشری تقریر کی۔ اس نے آئین ساز اسمبلی میں سیکشنوں اور گروپوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم نے سیکشنوں کی صورت میں اجلاس منعقد کرنا منظور کر لیا ہے جو گروپوں کی تشکیل کے مسئلہ کا جائزہ لیں گے۔'' اس نے مسلم لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں ''بلا کسی شرط'' شرکت کی دعوت دی اور کہا کہ ''جب وہ ہمارے ساتھ مل کر مشترکہ مسائل کا سامنا کریں گے تو ان کی موجودہ مشکلات دور ہو جائیں گی۔''[8]

8 ستمبر کو جناح نے لندن کے اخبار ڈیلی میل کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے نہرو کی نشری تقریر پر ردعمل ظاہر کیا اور کہا کہ ''اس میں مبہم الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور کوئی ٹھوس تجاویز پیش نہیں کی گئیں۔ خالی خولی باتوں سے کام نہیں بنتا۔ مجھے چھرا گھونپا گیا ہے، اب رحمدلانہ الفاظ سے خون نہیں تھمے گا۔'' اس انٹرویو میں جناح نے مزید کہا کہ ''اگر حکومت برطانیہ نے نئے سرے سے اور برابری کی بنیاد پر مذاکرات کے لئے لندن آنے کی دعوت دی تو میں قبول کر لوں گا۔''[9]

8 ستمبر کو نہرو نے ویول کے نام ایک نوٹ لکھا جس میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کے لئے تاریخ مقرر کرنے پر زور دیا اور لکھا کہ ''ہم آئین ساز اسمبلی کے لئے سب کو دعوت دیں گے اور اس میں ان کی شرکت کے لئے سہولت مہیا کریں گے لیکن اب یہ واضح ہے کہ اسمبلی غیر معینہ عرصے تک محض اس لئے انتظار نہیں کر سکتی کہ اس کے بعض ارکان شرکت پر آمادہ نہیں ہیں۔ وہ ایک فاش غلطی ہوگی اور اس سے آئین ساز اسمبلی کا تصور ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔''[10] اس کے جواب میں 13 ستمبر کو ویول نے لکھا کہ ''میں اس بارے میں پوری طرح واضح ہوں کہ مسلم لیگ کی شمولیت کے بغیر آئین ساز اسمبلی کچھ حاصل نہ کر سکے گی۔'' تاہم اس نے امید ظاہر کی کہ جناح کی دہلی آمد پر ''ہم دونوں کوشش کریں گے کہ جناح

کے ساتھ طویل المیعاد منصوبے اور عبوری حکومت کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔"[11]

اس دوران سہروردی بمبئی میں جناح کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد 8 ستمبر کو دہلی آ کر ویول سے ملا۔ سہروردی نے اسے عندیہ دیا کہ "اگر جناح نے یہ محسوس کیا کہ کانگرس کی جانب سے تعاون کے جذبے کا مظاہرہ کیا گیا ہے تو وہ اپنے موجودہ مطالبات سے کم تر پر بھی تصفیے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔"[12] چنانچہ 9 ستمبر کو ویول نے پیتھک لارنس کے 6 ستمبر کے مراسلے کے جواب میں لکھا کہ "......میں کانگرس کو وہ فارمولا دینا چاہتا ہوں جو مسلم لیگ پر یہ واضح کر دے کہ اسے وہ کچھ مل جائے گا جس کا مشن نے اپنی 16 مئی کی دستاویز میں دینے کا منشا ظاہر کیا ہوا ہے۔ دیانت داری سے ہم صوبائی آئین وضع کرنے کے بارے میں کانگرس کو وہ رعایت نہیں دے سکتے جو لیگ کو دی گئی، قطعی یقین دہانی کے برعکس ہے۔" اس کے بعد اس نے پیتھک لارنس کو لیگ کی جانب سے تصفیہ کی خواہش کے اظہار کی علامات سے آگاہ کیا جو کلکتہ کے فسادات کے بعد ظاہر ہوئی تھیں اور جن کے بارے میں پیتھک لارنس نے دریافت کیا تھا۔ ویول نے ان علامات کی تفصیل بتاتے ہوئے جناح کی جانب سے ویول کی 24 اگست کی نشری تقریر پر تبصرہ کا ذکر کیا جس میں انہوں نے "ٹھوس تجاویز" کی بات کی تھی، پھر لیاقت علی خاں اور اپنے نائب معاون آئی۔ ڈی۔ سکاٹ کی ملاقات اور کلکتہ میں خود اپنی خواجہ ناظم الدین کے ساتھ ملاقات کا ذکر کیا جس میں ان لیگی رہنماؤں کی جانب سے سمجھوتے کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا اور گورنر یو۔ پی کے مراسلوں کا ذکر کیا جن میں لیگی رہنماؤں کی "لاج رکھنے کا سامان" مہیا کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس نے مزید یہ بھی انکشاف کیا کہ "دہلی کے باشعور مسلمانوں کی رائے تھی کہ میری نشری تقریر کے جواب میں جناح مذاکرات پر آمادہ ہو جائیں گے بشرطیکہ انہیں موقع دیا جائے۔" اس مراسلے کے آخر میں ویول نے ایک بار پھر پیتھک لارنس کو اپنی اس پختہ رائے سے آگاہ کیا کہ "16 مئی کی دستاویز کی کوئی وقعت نہیں ہے اگر ہم میں اس پر ثابت قدم رہنے کی دیانت اور جرأت موجود نہیں ہے۔ میں مرکز اور صوبوں میں کانگرس کے تعاون سے ہاتھ دھو بیٹھنے کو گوارا کر لوں گا لیکن ایک پارٹی کی جانب سے آئین سازی اور وہ بھی مشن کی منشا کے برخلاف، کبھی گوارا نہیں کروں گا۔"[13]

13 ستمبر کو ویول نے نہرو کے ساتھ ملاقات کی اور گروپنگ پر تبادلۂ خیال کیا۔ ملاقات

بے نتیجہ رہی۔ اس کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے ویول نے اس روز پیتھک لارنس کو لکھا کہ ''اب نہرو کے سامنے کوئی فارمولا رکھنا بے سود ثابت ہوگا۔ میں نے آج اس سے یہ تاثر لیا ہے کہ کانگرس کو اس وقت لیگ کا تعاون حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' اس مراسلے میں ویول نے تجویز کیا کہ جناح کو ملاقات کی دعوت دی جائے اور اسے یہ یقین دہانی کرائی جائے کہ آئین ساز اسمبلی کے سیکشن اپنے اجلاس منعقد کریں گے۔ ''اور پھر اس سے پوچھا جائے کہ اب آپ بتائیے کہ مزید کیا چاہیے۔ اس پر وہ یہ یقین دہانی طلب کرے گا کہ سیکشن اپنا طریقۂ کار کثرت رائے سے خود وضع کرے گا۔ تب پھر میں اس معاملہ کو کانگرس کے ساتھ اٹھاؤں گا۔'' ویول نے یہ بھی لکھا کہ ''مجھے سہروردی سے یہ عندیہ ملا ہے کہ اگر جناح کو دعوت دی گئی تو وہ قبول کر لے گا۔''[14]

10 ستمبر کو ویول نے پیتھک لارنس کو ایک اور مراسلہ بھیجا جس میں جناح کے 8 ستمبر کے ڈیلی میل کے نمائندے کے ساتھ انٹرویو میں نئے سرے سے مذاکرات پر آمادگی ظاہر کرنے اور سہروردی کی طرف سے دیئے گئے متذکرہ عندیئے کا حوالہ دیا اور جناح کو دہلی بلا کر ملاقات کے لئے دعوت دینے کے بارے میں حکومت برطانیہ سے اجازت طلب کی۔ پیتھک لارنس نے وزیراعظم ایٹلی کے ساتھ مشورہ کر کے ویول کو اجازت دے دی۔ ویول نے جناح کو بمبئی سے دہلی آ کر 15 ستمبر کو ملاقات کی دعوت دے دی جو کہ قبول کر لی گئی۔ اس دوران 10 ستمبر کو ویول نے پیتھک لارنس کو ہندوستان کی تمام تر صورتحال کے بارے میں تفصیلی خط ارسال کیا۔ جس میں اس نے لکھا کہ ''میں نے اپنے ایک مراسلے میں ان علامات کا ذکر کیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیگ تصفیہ چاہتی ہے لیکن اب میری یہ پختہ رائے ہے کہ کانگرس اپنی ڈگر سے ہٹ کر لیگ کے ساتھ تصفیہ کرنے پر مائل نہیں ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کانگرس کی پالیسی یہ ہے کہ برطانوی اعانت کو بروئے کار لا کر روزمرہ فسادات کو دبایا جائے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کیا جائے اور جب ہم یہاں سے چلے جائیں تو پھر مسلم لیگیوں کو کسی کم تر قیمت پر خرید لیا جائے۔ میں اس معاملے میں بالکل واضح ہوں کہ برطانوی حکومت کے تحفظ کی آڑ میں کانگرس کو اقتدار پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہمیں مخلوط حکومت کے قیام کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔'' اس خط میں ویول نے یہ بھی لکھا

کہ اگر دونوں پارٹیوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہ ہوا تو فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھیں گے اور ''مشرقی بنگال سب سے زیادہ خطرناک علاقہ ثابت ہوگا۔ وہاں ہندوؤں کا بھاری تعداد میں قتل عام ہوگا۔ فرقہ وارانہ تلخی اور تناؤ اس وقت پورے ہندوستان میں سنگین صورت حال اختیار کر چکے ہیں جب تک لیگ کے ساتھ تصفیہ نہیں ہوگا نتائج خطرناک ہوں گے۔''[15]

11 ستمبر کو ویول اور نہرو کے مابین ایک اور ملاقات ہوئی جس میں نہرو نے کہا کہ کانگرس اس مسئلہ پر کہ سیکشن اپنا طریقہ کار اپنے صوبوں کی رائے کی بجائے کثرت رائے کی بنیاد پر طے کرے گا، قبل از وقت پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ اس کا خیال تھا کہ کانگرس کی جانب سے آسام کو کرائی گئی یقین دہانی اس کی راہ میں حائل ہے۔ ویول نے 12 ستمبر کو پیتھک لارنس کے نام مراسلے میں اس ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''تاہم مجھے دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کانگرس اس مسئلہ پر مان جائے گی جو کہ جناح کی جانب سے 16 مئی کی دستاویز کو دوبارہ منظور کرنے کے ضمن میں نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔'' لیکن آگے چل کر اس مراسلے میں ویول نے لکھا کہ ''نہرو نے مجھے یہ تاثر دیا ہے کہ کانگرس لیگ کے ساتھ کوئی تصفیہ کرنے سے پیشتر اس بات کو ترجیح دے گی کہ خود ہی کام چلاتی رہے اور حکومت اور آئین ساز اسمبلی میں اپنی حیثیت کو مستحکم کرے۔ ہمیں لیگ کو شامل کرنے کے لئے ایک بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔''[16] اپنے روزنامچے میں اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ویول لکھتا ہے کہ نہرو نے کہا ''فرقہ وارانہ گڑبڑ کا خطرہ کم کیا جا سکتا ہے۔ پولیس آسانی سے اسے دبا دے گی۔'' ویول نے ''اس کے اس خیال کو باطل قرار دیا۔''[17]

13 ستمبر کو ویول نے راج گوپال اچاریہ سے ملاقات کی جو نئی ایگزیکٹو کونسل میں صنعت و سپلائز کا ممبر تھا۔ ویول نے اس سے کہا کہ یہ تو ایک اچھی بات ہوئی ہے کہ دونوں پارٹیوں نے آئین ساز اسمبلی کا سیکشنوں میں اجلاس منعقد کرنا قبول کر لیا ہے۔ لیکن سیکشن کی اسمبلی کے اندر طریقہ کار پر اختلاف ابھی موجود ہے۔ ویول نے کہا کہ ''مشن کی قطعی منشا یہ تھی کہ سیکشن کے اندر نمائندوں کی ووٹنگ ہوگی اور کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا نہ کہ صوبوں کی ووٹنگ ہوگی۔ مشن نے اس سلسلے میں مسلم لیگ کے نمائندوں کے ساتھ واضح طور پر اقرار بھی کر لیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کانگرس نے بھی اس بات کو قبول کر لیا ہے کیونکہ انہوں نے اسی موقف

کے تحت بنگال میں یورپیوں کی جانب سے آئین ساز اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لینے کی مخالفت کی تھی۔ یہ تو بعد میں ان کے ذہن میں آیا کہ ووٹنگ صوبوں کی طرف سے ہونی چاہیے۔''
راج گوپال اچاریہ نے جواب دیا کہ کانگرس کو بھی سیکشن کے اندر نمائندوں کی کثرت رائے کے طریقۂ کار پر کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن کانگرس کو یہ تشویش ہے کہ کسی صوبے پر اس کی مرضی کے خلاف آئین ٹھونس دیا جائے گا۔ چنانچہ یہ ضروری ہوگا کہ صوبائی آئین کے لئے کوئی تحفظات مہیا کئے جائیں اور اس کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ صوبائی اسمبلی کو بھی اس آئین کی توثیق کرنے کا اختیار دیا جائے۔ اس پر ویول نے کہا کہ جناح کے ایک بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صورت میں وہ صوبے کے عوام کا استصواب کرانے کے لئے تیار ہوگا۔ راج گوپال اچاریہ نے کہا کہ یہ مناسب طریقہ نہ ہوگا۔'' اس نکتے کے پس منظر میں دراصل آسام اور سرحد زیر بحث تھے۔ سرحد کے بارے میں کانگرسی رہنماؤں کو یقین تھا کہ اگر استصواب ہوا تو مسلم لیگ جیت جائے گی اس لئے استصواب کے بجائے وہ صوبائی اسمبلی کو بروئے کار لانا چاہتے تھے جس میں کانگرس کو اکثریت حاصل تھی۔ گفتگو میں آگے چل کر راج گوپال اچاریہ نے اپنے شبہات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جناح دراصل گروپ کی لازمی علیحدگی کا خواہاں ہے جو درحقیقت پاکستان ہوگا اور یہ کہ وہ صوبوں کو اگر چاہیں گے تو بھی گروپ سے نکلنے کا جائز موقع فراہم نہیں کرے گا جیسے کہ مشن کی منشا ہے۔ صوبے کو علیحدگی کا تحفظ مہیا کیا جانا چاہیے۔ ویول نے کہا کہ یہ درست ہے کہ مشن صوبوں کو علیحدگی کا حق دیتا ہے اور ان کو اس حق سے محروم کرنے کے لئے جناح کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی صوبے کا ایسا آئین وضع کرے کہ اس میں اس صوبے کے عوام کی خواہشات کی صحیح ترجمانی ممکن نہ ہو۔ لیکن ویول نے ساتھ ہی کہا کہ جناح کے لئے ایسا کرنا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہوگا کیونکہ گروپ ب اور ج دونوں میں مسلم لیگ کو بھاری اکثریت حاصل نہیں ہے تاہم راج گوپال اچاریہ بدستور اصرار کرتا رہا کہ صوبوں کو علیحدگی کا حق استعمال کرنے کی کوئی گارنٹی دی جائے اس نے کہا کہ نہرو مشکل میں ہے کیونکہ وہ اس سلسلے میں اپنے حامیوں سے کھلے بندوں قول وقرار کر چکا ہوا ہے۔ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ سیکشنوں میں ووٹنگ کا طریقۂ کار طے کرنے کا فیصلہ فیڈرل کورٹ پر چھوڑ دیا جائے۔ ہوسکتا ہے وہاں فیصلہ مشن کی تعبیر کے مطابق ہو جائے۔ ویول نے کہا کہ جناح کی تعبیر

درست ہے اور مشن کی منشا کے مطابق ہے اس لئے حکومت برطانیہ کے لئے اپنے اقرار سے پھر جانا مشکل ہو گا۔ اس کے بعد ان کے مابین عبوری حکومت کا معاملہ زیر بحث آیا۔ ویول نے نیشنلسٹ مسلمان کی شمولیت کے معاملے پر مسلم لیگ کے موقف کی مخالفت کی اور کانگرس کو حق بجانب قرار دیا۔ آخر میں راج گوپال اچاریہ نے کہا کہ اب مسلمانوں کے ساتھ صلح جوئی کرنے کا مطلب ہو گا کہ ہم ان کی قوت سے دب گئے ہیں جس کا مظاہرہ انہوں نے کلکتہ کے فسادات بھڑکا کر کیا ہے۔ ویول نے اس کی تردید کی اور کہا کہ ان فسادات کی ذمہ داری کا فیصلہ عدالتی تحقیقات کا معاملہ ہے جو عمل میں آ چکی ہے۔ تاہم راج گوپال اچاریہ بھی نہرو کی طرح ان دلائل کا اعادہ کرتا رہا کہ مسلم لیگ کے ساتھ از سر نو مذاکرات شروع ہونے کے نتیجے میں کانگرس کے پیروکاروں پر غیر یقینی کے اثرات پیدا ہوں گے اور عبوری حکومت کے استحکام کو نقصان پہنچے گا۔ ویول نے اس ملاقات پر اپنا نوٹ ختم کرتے ہوئے لکھا کہ ''اس نے بھی کانگرس کا اصل مقصد عیاں کر دیا ہے کہ ایک مرتبہ کانگرس اپنی پوزیشن کو مستحکم کر لے تو پھر وہ ایک قابض کی حیثیت سے مسلم لیگ کے ساتھ معاملات طے کر لے گی۔''[18]

راج گوپال اچاریہ جو کانگرس کے رہنماؤں میں سب سے اعتدال پسند اور لبرل رہنما تھا، وہ بھی ہندو بورژوا کے دباؤ اور ہندو مسلم تضاد کی شدت کے سامنے بے بس تھا اور اب کانگرس نے سیکشنوں کے اندر جو کہ دراصل گروپوں کی آئین ساز اسمبلیاں تھے، گھس کر گروپنگ کو سبوتاژ کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کی وکالت کر رہا تھا۔ سیکشن ب اور ج کی آئین ساز اسمبلیوں میں کانگرس مسلمہ جمہوری قاعدے کے تحت کثرت رائے کے اصول کی مخالفت کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ ان میں شامل ہر صوبہ بحیثیت صوبہ ووٹنگ میں حصہ لے اور یہ کہ صوبائی آئین صوبے خود وضع کریں یا اس کی منظوری دیں۔ یعنی متحدہ آئین ساز اسمبلی میں جہاں ہندو اکثریت میں تھے وہاں کثرت رائے کے اصول کی علمبردار تھی اور زیادہ سے زیادہ مرکزیت کے حق میں تھی لیکن یہی آئین ساز اسمبلی اگر سیکشن ب اور ج میں تقسیم ہو جائے تو اصول بدل دینے کا مطالبہ کر رہی تھی کیونکہ ان میں مسلم ارکان کو معمولی اکثریت حاصل تھی۔ مقصد دراصل یہ تھا کہ ایسا طریق کار وضع ہو کہ سیکشن ب کی اسمبلی سے سرحد اور سیکشن ج کی اسمبلی سے آسام علیحدگی اختیار کر سکیں اور گروپنگ اپنی موت آپ مر جائے۔

مسلم لیگ دوبارہ وزارتی مشن منصوبہ منظور کرنے کی طرف مائل ہوگئی تھی

ادھر مسلم لیگ کونسل نے 6رجون کو مطالبہ پاکستان سے انحراف کر کے گروپنگ سکیم کو قبول کیا تھا، مگر جب معلوم ہوا کہ گروپنگ کے بارے میں کانگرس کی مخالفت کے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ بھی اس سے منکر ہوگئی ہے تو پھر 29رجولائی کو مسلم لیگ کونسل نے اپنے اس فیصلے کو واپس لے لیا تھا اور پھر سے پاکستان کا نعرۂ مستانہ لگا دیا تھا لیکن یہ محض دباؤ کے حربے کے طور پر کیا گیا تھا۔ مسلم لیگی رہنما اب بھی گروپنگ پر سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے۔ 14رستمبر کو وائسرائے کے معاون جارج ایبل نے خواجہ ناظم الدین کے ساتھ ملاقات کی۔ اس کے بارے میں ایبل نے وائسرائے کے نام جو نوٹ لکھا اس کے مطابق ''جب ہم تفصیلات میں گئے تو اس نے اتفاق کیا کہ آئین ساز اسمبلی کے بارے میں کوئی تسلی بخش مفاہمت ممکن ہو جائے گی۔ اس نے سیکشنوں کے بارے میں مزید یقین دہانی کی ضرورت پر بھی زور نہیں دیا۔ عبوری حکومت کے متعلق ایبل نے اسے کہا کہ جناح کو نیشنلسٹ مسلمان کی شمولیت کی مخالفت پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیے۔ خواجہ نے شبہ ظاہر کیا کہ جناح اپنے اس مؤقف سے ہٹ جائیں گے۔ البتہ اس نے عبوری حکومت میں اقلیتوں کے نمائندوں اور بڑے فرقہ وارانہ معاملات طے کرنے کے سوال پر کوئی بات نہیں کی''[19] خواجہ ناظم الدین کے ساتھ ایبل کی یہ ملاقات وائسرائے کے لئے خاصی حوصلہ افزا تھی۔ مسلم لیگ ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کرنے کے باوجود مصالحت پر آمادہ نظر آتی تھی۔

16رستمبر کو دہلی میں جناح نے وائسرائے ویول کے ساتھ ملاقات کی۔ وزارتی مشن کے جانے کے بعد گزشتہ اڑھائی ماہ کے دوران جو واقعات رونما ہوئے تھے ان پر جناح نے کافی گلے شکوے کئے مگر پھر کہا کہ ''جو کچھ ماضی میں ہو چکا ہے اس کا میرے حال کے فیصلے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا......'' ویول نے کہا کہ اب جب کہ کانگرس نے 16رمئی کی دستاویز کے بنیادی اصول یعنی آئین ساز اسمبلی کے سیکشنوں کی صورت میں اجلاس کے انعقاد پر آمادگی ظاہر کر دی ہے تو اس سے آپ کا بڑا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اب آئین ساز اسمبلی سے متعلق آپ کو مزید کیا مسائل درپیش ہیں؟۔ جناح نے جواب دیا کہ ابھی بہت سے نکات ہیں جن کا اسمبلی میں شرکت

سے پیشتر فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ ویول نے کہا آپ اس سلسلے میں بی۔ این راؤ (سابق جج بنگال ہائیکورٹ جو 1945ء سے گورنر جنرل سیکرٹریٹ میں افسر بکار خاص کے طور پر کام کر رہا تھا، جولائی 1946ء سے آئینی مشیر برائے آئین ساز اسمبلی ہند کی ذمہ داری پر فائز ہوا،) کے ساتھ ملاقات کرلیں اور دیکھیں کہ آئین ساز اسمبلی کو کس طرح کام کرنا چاہیے اور اس بارے میں بھی آگاہ کر دیں کہ آپ کو کیا گارنٹیاں درکار ہیں۔ ویسے ویول نے کہا کہ اصل گارنٹی تو یہ ہے کہ اگر تصفیہ مقصود ہو تو کوئی بھی اکثریت کسی با اثر اقلیت پر اپنا غلبہ مسلط نہیں کر سکتی۔ اس طرح کام چل ہی نہیں سکے گا۔ اس نے کہا کہ ہندوؤں کو مرکزی اسمبلی میں اکثریت حاصل ہے، اگر وہ ایسے فیصلے مسلط کرنے کی کوشش کریں گے جو مسلمانوں کو ناقابل قبول ہوں تو یہ ان کے لئے بے سود ہوگا کیونکہ مسلمان واک آؤٹ کر جائیں گے۔ اسی طرح سیکشن ب اور ج میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے اور انہیں اقلیتوں کو مطمئن کرنا ہوگا ورنہ قابل عمل آئین نہ بن سکے گا۔ جناح نے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ سیکشن ب اور ج میں مسلمانوں کو معمولی اکثریت حاصل ہے جب کہ سیکشن الف اور مرکز میں ہندوؤں کو بھاری اکثریت حاصل ہے۔ ویول نے کہا تاہم اصول تو یہی رہے گا کہ اکثریت کے لئے اقلیت کو مطمئن کرنا لازم ہے۔ اس کے بعد عبوری حکومت پر بات ہوئی اور ویول نے جناح کو نیشنلسٹ مسلمانوں کی شمولیت کی مخالفت ترک کرنے کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جناح نہ مانے کافی بحث وتمحیص کے بعد جناح نے کہا میرے حامی اس پر اتفاق نہیں کریں گے۔ تاہم بقول ویول ''انہوں نے یہ بات وثوق کے بغیر کہی تھی۔'' طے پایا کہ جناح بی این راؤ کے ساتھ ملاقات کے بعد وائسرائے سے دوبارہ ملاقات کریں گے۔[20]

اس دوران نہرو یہ اصرار کر رہا تھا کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلایا جائے۔ اس نے 14 ستمبر کو ویول کے 13 ستمبر کے خط کے جواب میں لکھا کہ ''آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کو دوسرے واقعات کے ساتھ مشروط نہ کیا جائے۔ میری رائے میں یہ بے حد ضروری ہوگا کہ ہم اپنے کام میں قطعیت اور اہتمام پیدا کریں۔''[21] یاد رہے کہ ویول نے 13 ستمبر کے خط میں لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے بغیر آئین ساز اسمبلی کے اجلاس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن نہرو کا اصرار تھا کہ 'دوسرے واقعات'' یعنی مسلم لیگ کی شمولیت یا عدم شمولیت کا آئین ساز اسمبلی کے

اجلاس طلب کرنے پر کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ 16 ستمبر کو ویول اور نہرو کے مابین اسی مسئلے پر بات چیت ہوئی اور طے پایا کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس 9 دسمبر کو طلب کیا جائے گا۔ اس کے بعد دو ماہ تک مختلف کمیٹیاں آئین سازی کے سلسلے میں کام کرتی رہیں گی۔ نیز سیکشنوں کے اجلاس بھی منعقد ہوں گے۔ 17 ستمبر کو ویول نے ہندوستان کی مجموعی سیاسی صورت حال کے بارے میں ایک مفصل خط پیتھک لارنس کو تحریر کیا۔ آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کے تعین کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ ''......کانگرس کو معلوم تھا کہ اسے مذاکرات کے لئے ایک مضبوط مقام کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ مرکز میں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا ہمیشہ سے ان کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ پٹیل نے کئی بار کھلے عام اس کا اظہار بھی کیا ہے۔''[22]

18 ستمبر کو جناح نے بی۔ این۔ راؤ کے ساتھ ملاقات کی۔ جناح نے آئین ساز اسمبلی، اس کی کمیٹیوں اور سیکشنوں کے اجلاس کے بارے میں مختلف سوالات اٹھائے بی۔ این۔ راؤ نے 22 ستمبر کو ان سوالات کے تحریری جوابات جناح کو ارسال کئے۔ ان سوالات و جوابات کا مختصر خلاصہ یہ تھا۔

جناح: آئین سازی کے ابتدائی اجلاس کے موضوعات کیا ہوں گے؟

بی۔ این راؤ: اس وقت تک جو موضوعات ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

1۔ چیئرمین اور وائس چیئرمین یا وائس چیئرمینوں کا انتخاب۔

2۔ طریق کار کے قواعد مرتب کرنے کے لئے کمیٹی کا انتخاب۔

3۔ ایک اسٹیئرنگ کمیٹی کا انتخاب جو آئین ساز اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے قراردادیں مرتب کرے گی۔

4۔ فنانس اور اسٹیبلشمنٹ کمیٹی کا انتخاب

5۔ وزارتی مشن منصوبہ کے پیرا۔ 20 کے مطابق شہریوں، اقلیتوں، قبیلوں اور مستثنیٰ علاقوں کے حقوق کے لئے مشاورتی کمیٹی کا تقرر۔

6۔ ہندوستانی ریاستوں کی مذاکراتی کمیٹی کے ساتھ بات چیت کے لئے متعلقہ کمیٹی کا تقرر۔

7۔ مندرجہ بالا کمیٹیوں کی رپورٹوں پر بحث اگر وہ تیار ہو جائیں۔

جناح: اگر طریق کار کے قواعد مرتب کرنے کی کمیٹی بنائی گئی تو اس کی حیثیت کیا ہوگی؟

بی۔این۔راؤ: نے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کی آئین سازی کی تاریخ سے بعض حوالہ جات دینے کے بعد لکھا کہ ''اس کمیٹی یا آئین ساز اسمبلی کی کسی اور کمیٹی کی ہیئت خواہ کچھ بھی ہو، یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اقلیتوں کو مناسب نمائندگی نہیں دی جائے گی۔''

جناح: مشاورتی کمیٹی کی ہیئت کیا ہوگی جس کا وزارتی مشن منصوبہ کے پیرا۔20 میں ذکر کیا گیا ہے۔

بی۔این۔راؤ: یہ مختلف النوع مقاصد کی کمیٹی ہوگی اور اسے سب کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جو شہریوں کے حقوق، اقلیتوں کے تحفظ اور مستثنیٰ اور نیم مستثنیٰ علاقوں کے انتظام سے متعلق ہوں گی۔ اس کمیٹی میں کم وبیش چالیس ارکان ہوں گے جو ضروری نہیں کہ آئین ساز اسمبلی کے رکن ہوں۔ تاہم اس میں لازمی طور پر (ا) ہندو اکثریتی صوبوں سے مسلمان ارکان، (ب) مسلم اکثریتی صوبوں سے ہندو ارکان (ج) پنجاب اور سرحد سے سکھ ارکان (د) درج فہرست ذاتوں (اچھوتوں) کے بعض ارکان (ہ) بعض ہندوستانی عیسائی، (و) کم از کم ایک اینگلو انڈین اور ایک پارسی شامل ہوگا۔

جناح: چیئرمین کا انتخاب کس طرح ہوگا؟ کیا یہ ممکن ہوگا کہ کچھ عرصے کے لئے ہندو چیئرمین اور کچھ عرصہ کے لئے مسلمان چیئرمین ہوا کرے اور ان کی گردش ہوتی رہے؟

بی۔این۔راؤ: سیکشن اپنا چیئرمین خود منتخب کریں گے اور اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیکشن کو اپنا عمومی طریق کار وضع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ لیکن اس بات کا امکان ہے کہ مرکزی آئین ساز اسمبلی بڑے فرقوں کی باہمی رضامندی سے طریق کار کے بعض قواعد نہ صرف اپنے لئے بلکہ سیکشنوں کے لئے بھی طے کر دے۔ مثلاً مسلمان مرکزی آئین ساز اسمبلی میں اقلیت میں ہیں جب کہ غیر مسلم سیکشن ب اور ج میں اقلیت میں ہوں گے چنانچہ یہ قرین قیاس ہے کہ مرکزی آئین ساز اسمبلی میں

ووٹنگ کا طریق کار اور چیئرمین منتخب کرنے کا طریق کار مرکز اور سیکشنوں کے لئے یکساں طور پر رائج کر دیا جائے۔ سیکشنوں پر بھی اسی اصول کا اطلاق ہوگا۔

جناح: گروپنگ کی شق کے بارے میں جو الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے، کیا یہ ممکن نہ ہوگا کہ اس کا مفہوم واضح اور غیر مبہم انداز میں بیان کر دیا جائے؟

بی۔این۔راؤ: یہ الجھاؤ وائسرائے کی جانب سے آزاد کے نام 15 رجون کے تحریر کردہ خط میں دور کر دیا گیا تھا اور اس پوزیشن کو کانگرس نے منظور کر لیا تھا۔ اب پنڈت نہرو نے 7 رستمبر کی اپنی نشری تقریر میں اس منظوری کا مزید اعادہ کر دیا ہے۔ اب اگر مزید وضاحت کی گئی تو اس وضاحت کے مفہوم پر ایک نیا جھگڑا کھڑا ہو جائے گا۔

جناح: کیا مرکزی آئین ساز اسمبلی کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ سیکشن کی طرف سے طے کردہ گروپ یا صوبے کے آئین میں کسی قسم کا ردوبدل کر سکے؟

بی۔این۔راؤ: اجمالاً اس کا جواب نفی میں ہے۔ بشرطیکہ گروپ یا صوبے کے آئین اپنے جائز دائرے کے اندر محدود رہیں۔

جناح: اگر آئین ساز اسمبلی دعویٰ کرے کہ کوئی خاص معاملہ مرکزی شعبوں کے ماتحت ہے اور سیکشن دعویٰ کرے کہ یہ ان شعبوں کے دائرے سے باہر ہے تو اس جھگڑے کا تصفیہ کرانے کے لئے کیا نظام موجود ہوگا؟

بی۔این۔راؤ: یہ وزارتی مشن منصوبہ کے پیرا۔15 کی تعبیر کا معاملہ ہے۔ آئین ساز اسمبلی طریق کار کے قواعد مرتب کرتے وقت اس قسم کے جھگڑے جو مشن منصوبہ کی تعبیر سے متعلق ہوں گے، طے کرانے کا کوئی نظام وضع کرے گی۔

جناح: کیا وزارتی مشن منصوبہ کے پیرا۔19۔(ii) کے مطابق فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنے کی صورت میں آئین ساز اسمبلی کا چیئرمین فیڈرل کورٹ کی رائے کا پابند ہوگا؟

بی۔این۔راؤ: آئین ساز اسمبلی کا چیئرمین فیڈرل کورٹ کی رائے کا پابند تو نہیں ہوگا لیکن اس کے لئے عدالت کی رائے سے انحراف کرنا مشکل ہو جائے گا۔''[23]

یہ وکیلانہ سوال و جواب ظاہر کرتے ہیں کہ مسلم لیگ کا کانگرس پر سے اعتماد بالکل اٹھ

گیا تھا۔ لیگ کسی نہ کسی طرح گروپنگ سکیم کو کانگرس کی دست برد سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ ان سوالات و جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ ابھی تک متحدہ ہندوستان میں آزادی کے بعد مسلم اکثریت کے علاقوں کے لئے کچھ آئینی تحفظات حاصل کر کے ایک مرکز کے تحت رہنا چاہتی تھی۔ ویول بار بار حکومت برطانیہ کو لکھ رہا تھا کہ لیگ مصالحت پر آمادہ ہے لیکن کانگرس بلاشرکت غیرے پورے ہندوستان پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اگر دونوں پارٹیوں کے مابین مصالحت نہ ہوسکی یا لیگ کو نظرانداز کر کے ہندوستان کانگرس کے حوالے کر دیا گیا تو برصغیر خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائے گا اور پھر روس کی مداخلت کا امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حکومت برطانیہ کانگرس کے حجم اور قوت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے کا ارادہ کر چکی تھی کیونکہ وہ اعتدال پسند کانگرسی قیادت کا دست تعاون ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھی کہ بصورت دیگر برصغیر کمیونسٹ انقلاب کی زد میں آتا نظر آتا تھا۔ ویول اور حکومت برطانیہ کے مابین مقاصد پر نہیں بلکہ ایک ہی مقصد کے حصول کے طریق کار پر اختلاف تھا۔

23 ر ستمبر کو لندن میں وزیراعظم ایٹلی اور وزارتی مشن کے رکن وزراء کا اجلاس ہوا اور ہندوستان کے سیاسی بحران کا جائزہ لیا گیا۔ سٹیفورڈ کرپس نے کہا کہ اگر 9 ر دسمبر تک مسلم لیگ شمولیت پر آمادہ نہ ہو تو اس کے بغیر ہی آئین ساز اسمبلی کو اپنا کام شروع کر دینا چاہیے۔ پیتھک لارنس نے کہا کہ مسلم لیگ کا ڈائریکٹ ایکشن بھی تو ایک سنگین معاملہ ہے۔ اس پر ایٹلی نے کہا کہ اولین سوال یہ ہے کہ کہیں مسلم لیگ کے بغیر آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کو التوا میں رکھنے کی وجہ سے کانگرس تعاون سے دستبردار نہ ہو جائے۔ اس کے بعد ویول کی جانب سے 15 ر ستمبر کو بھیجے گئے ایک مراسلے پر غور کیا گیا جس میں ویول نے جناح کی یقین دہانی کے لئے یہ مطالبہ کیا تھا کہ حکومت برطانیہ کو ایک بیان جاری کر دینا چاہیے کہ سیکشن اپنا طریقۂ کار خود وضع کریں گے۔ سٹیفورڈ کرپس نے کہا کہ اس معاملے میں فریقین کو فیڈرل کورٹ کی تعبیر کو تسلیم کرنا چاہیے۔ فیڈرل کورٹ اور حکومت برطانیہ دونوں اس کی تعبیر نہیں کر سکتے کیونکہ اس صورت میں اگر فیڈرل کورٹ نے ہماری تعبیر کے خلاف فیصلہ دے دیا تو ہمیں اس کی تعبیر کو ماننا پڑے گا۔ پیتھک لارنس نے کہا کہ دراصل کانگرس گروپ بننے دینا نہیں چاہتی اور مشن کے مجوزہ محدود مرکز کو توسیع دینا چاہتی ہے۔ تاہم ساری بحث کے بعد وزیراعظم ایٹلی نے کہا کہ وائسرائے

کو اطلاع دے دی جائے کہ آئین ساز اسمبلی کو مسلم لیگ کے بغیر بھی اپنا کام کرنا چاہیے اور یہ کہ جب آئین بن جائے تو پھر صوبوں کو علیحدگی کا اختیار استعمال کرنے کی اجازت ہو۔ اے۔ وی۔ الیگزینڈر نے البتہ وائسرائے کے نقطۂ نظر کی حمایت کی اور کہا کہ ہمیں مسلم لیگ کو شریک کرنے کی خاطر بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔''[24]

25 رستمبر کو پیتھک لارنس نے ویول کو لکھا ''میں نے وزیر اعظم اور اپنے رفقاء (وزارتی مشن کے ارکان) سے آئین ساز اسمبلی کی عمومی صورت حال کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا ہے۔ بے شک مسلم لیگ کی آئین ساز اسمبلی اور عبوری حکومت میں شمولیت پر ہم آپ سے اتفاق کرتے ہیں اور اس ضمن میں آپ کی کوششوں کو سراہتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس بات پر خاصا اختلاف ہے کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے یہ اعلان جاری کیا جائے کہ سیکشن اپنا طریقۂ کار خود طے کریں گے۔ جناح نے جو نکات اٹھائے ہیں......ان سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ہم نے ایک نکتے پر بیان جاری کر دیا تو وہ اس فہرست کے بقیہ نکات پر بیان جاری کرنے کا مطالبہ کر دے گا اور ہم آئین ساز اسمبلی کا تفصیلی طریقۂ کار طے کرنے کے راستے سے بہت دور ہٹ جائیں گے۔ پھر کانگرس اور سکھوں کی جانب سے بھی ترامیم کے لئے دباؤ ڈالا جائے گا۔'' اس خط میں نہرو کے اس بیان کو سراہا گیا جس میں اس نے اسمبلی کا سیکشنوں میں اجلاس ہونا قبول کر لیا تھا۔ اس خط میں برطانوی کابینہ کی جانب سے اس امر پر رضامندی ظاہر کی گئی کہ سیکشنوں کی جانب سے یہ فیصلہ کرنے کا مسئلہ کہ گروپ ہوں گے یا نہیں، دونوں جماعتوں کی رضامندی سے فیڈرل کورٹ کے سپرد کر دیا جائے۔ مزید یہ بھی کہا گیا کہ ''وزارتی مشن کی دستاویز کے پیرا۔15۔(iii) اور 15-(v) کے مطابق عین ممکن ہے کہ کانگرس کی تعبیر کو درست قرار دے دیا جائے اور اس کے نتیجے میں جناح ہم سے اتفاق نہ کرے۔'' اور آخر میں کہا گیا کہ ''اس دوران ہم یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ آپ یہ قول ہرگز نہ دیں کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس اس وقت تک نہیں بلایا جائے گا جب تک مسلم لیگ اس میں شرکت کے لئے تیار نہیں ہوتی۔''[25]

تاہم ویول کی جانب سے مسلم لیگ کو کانگرس کے ہمراہ شریک کار بنانے کے لئے ایک اور کوشش کے سلسلے میں 25 رستمبر کو ویول نے جناح کے ساتھ ملاقات کی۔ پہلے عبوری حکومت کا معاملہ زیر غور آیا۔ جناح نے کہا کہ اگر کانگرس خیر سگالی کے جذبہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیشنلسٹ

مسلمان کو مقرر نہ کرے تو میرے لئے بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔ جناح نے کہا کہ اس بات کا اقرار بھی ہونا چاہیے کہ بڑے فرقہ وارانہ مسائل دونوں بڑے فرقوں کی رائے سے طے پائیں گے۔ ویول نے کہا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ کابینہ (یعنی ایگزیکٹو کونسل) کے سامنے آ گیا تو پہلے دونوں پارٹیوں کے رہنما اس پر تصفیے کی کوشش کریں اور اگر تصفیہ میں ناکامی ہو تو پھر میں اختلافات دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ ویول نے کہا کہ اس کے لئے کسی اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔ جناح نے اتفاق کیا تاہم انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''اپنے حامیوں کی تشفی کے لئے مجھے اس طرح کے اقرار کی ضرورت ہوگی۔'' چنانچہ جہاں تک عبوری حکومت کا تعلق تھا جناح نے اس میں شمولیت کا عندیہ دے دیا۔ اس کے بعد طویل المیعاد منصوبہ زیر بحث آیا۔ اس پر جناح نے کہا کہ ''اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے وقت درکار ہوگا کیونکہ آل انڈیا کونسل (مسلم لیگ) ہی اپنی پالیسی تبدیل کرنے کی مجاز ہے جب کہ مجلس عاملہ فوری طور پر عبوری حکومت میں شمولیت کی اجازت دے سکتی ہے۔'' جناح نے مزید کہا کہ اس سے پہلے کہ میں مسلم لیگ کی کونسل کے سامنے آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے سفارش کروں، دو معاملات کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ ایک تو یہ بالکل واضح کر دیا جائے کہ سیکشنوں کے اجلاس منعقد ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ کچھ اس بارے میں طے ہونا چاہیے کہ بعض معاملات کیسے طے پائیں گے یعنی یہ کہ اگر مرکزی شعبے گروپ یا صوبے کے آئین سے متصادم ہوں یا اس کے الٹ ہوں کہ مرکزی آئین گروپ یا صوبے کی خودمختاری کے ساتھ متصادم ہو جائے اور پھر یہ کہ 16 مئی کی دستاویز اور بالخصوص اس کے پیرا۔15 کی تعبیر کا فیصلہ کون کرے گا؟ ویول نے اس مسئلہ پر بات چیت سے تاثر لیا کہ ''جناح ان معاملات پر فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنے پر راضی ہے۔'' نیز یہ بھی کہ وہ سمجھوتے کے لئے آرزومند معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ وقار کو ٹھیس پہنچائے بغیر ایسا ہو۔''[26]

ویول اور جناح کی یہ ملاقات اس لحاظ سے اہم رہی تھی کہ اس میں جناح نے ایک بار پھر متحدہ ہندوستان کے دائرے میں رہتے ہوئے ہندو مسلم تضاد کو حل کرنے کی خاطر دست تعاون بڑھایا اور عبوری حکومت میں شمولیت پر رضامندی ظاہر کر دی۔ آئین ساز اسمبلی کے بارے میں بھی عندیہ دے دیا کہ اگر سیکشنوں کو مناسب طور پر آئین سازی کا موقع فراہم کر دیا جائے تو مسلم لیگ کی کونسل اپنے ''وقار کو ٹھیس پہنچائے بغیر'' آئین ساز اسمبلی میں شرکت کا فیصلہ کر سکتی

ہے اور اپنے 29/جولائی کے اجلاس میں پاس کی گئی مشن منصوبہ کو نامنظور کرنے اور حصول پاکستان کے لئے ڈائریکٹ ایکشن کے بارے میں قراردادوں کو واپس لے سکتی ہے۔ ویسے عملاً یہ قراردادیں جناح اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں کی طرف سے وزارتی مشن منصوبہ کے دائرے میں تصفیہ کرنے کی از سرِ نو کوشش کے بعد معطل ہو چکی ہوئی تھیں۔ عدم تصفیہ کی صورتحال سے کانگرس بھرپور فائدہ اٹھانے اور پورے ہندوستان پر غلبہ حاصل کر کے مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے کی کھلی چھٹی حاصل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔

ان حالات میں جناح نے عبوری حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کیا تو جناح کے اس فیصلے کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ایسے موقع پر مرکزی حکومت پر کانگرس کی اجارہ داری کو مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے مناسب نہیں سمجھتے تھے جب کہ برصغیر کے اقتدار کی منتقلی کی فیصلہ کن بات چیت ہو رہی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ ویول کی اس رائے سے اتفاق کرتے تھے کہ اگر مرکز کا اقتدار صرف کانگرس کے ہاتھوں میں ہی رہا تو پورے برصغیر میں ایسی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس پر قابو پانا ناممکن ہو گا۔ ہوڈسن کی رائے میں تیسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک مسلم لیگ نے پاکستان کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا ہوا تھا۔ اگر مسلم لیگی لیڈروں کا فیصلہ یہ ہوتا کہ برصغیر کی تقسیم ہندو مسلم تنازعے کا واحد حل ہے تو پھر وہ ایک ایسی آئین ساز اسمبلی میں صوبوں کے حقوق پر بحث و تمحیص کو جاری نہ رکھتے جس کا کبھی مؤثر اجلاس ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کیا ہوا تھا، وہ اپنی توجہ اسی پر مرکوز رکھتے۔ ڈائریکٹ ایکشن اور عبوری حکومت میں شمولیت کے فیصلے کے درمیان کوئی مطابقت نہیں تھی۔ عبوری حکومت کا اولین فرض ملک میں امن و امان قائم رکھنا اور غیر آئینی کاروائی کا سدباب کرنا تھا۔"[27] اور ای۔ ڈبلیو۔ آر۔ لمبی کی رائے میں چوتھی وجہ یہ تھی کہ کانگرس برسرِاقتدار آ گئی تھی۔ سارے برصغیر کی انتظامی مشینری پر اسے اتنا زیادہ کنٹرول حاصل ہو گیا تھا کہ وہ خارجی امور کے بارے میں پالیسی طے کرتی تھی۔ دفاع، تجارت اور دوسرے سارے شعبہ جات اس کے ماتحت تھے۔ جبکہ وہ ہندوستان کی تقسیم کے امکان کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ یہاں تک کہ صوبوں کی گروپنگ پر بھی رضامند نہیں تھی اور اپنی معاشی پالیسیاں خود وضع کرتی تھی۔ ایسے حالات میں مسلم لیگ محض خاموش تماشائی بنی نہیں رہ سکتی تھی جب کہ اس کا حریف اپنے اقتدار کو مستحکم کر رہا تھا۔"[28]

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت پر جناح کی رضامندی، مگر کانگرس کی جانب سے مسلسل رکاوٹیں

جناح کی جانب سے عبوری حکومت میں شرکت پر رضامندی کا عندیہ ملنے کے بعد ویول نے 26 ستمبر کو نہرو اور گاندھی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ملاقات کی۔ ویول نے نہرو کو جناح کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ اگر تدبر اور فراست سے کام لیا جائے تو مسلم لیگ عبوری حکومت اور آئین ساز اسمبلی میں شمولیت پر سمجھوتہ کر لے گی۔ ویول نے نیشنلسٹ مسلمان کی عبوری حکومت میں شمولیت کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک مرتبہ یہ طے پا جائے کہ دونوں پارٹیاں اپنے ارکان نامزد کرنے کے معاملے میں آزاد ہیں تو پھر کانگرس کو از خود نیشنلسٹ مسلم کی تقرری پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ نہرو نے کانگرس کے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے، کانگرس ایک نیشنلسٹ تنظیم ہے، یہ صرف ہندو تنظیم نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ حالیہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں یہ قرارداد پیش کی گئی تھی کہ نیشنلسٹ مسلمان کی عبوری حکومت میں شمولیت کے معاملے پر پیچھے نہیں ہٹا جا سکتا۔ لیکن اس نے کہا اس سلسلے میں جب رہنماؤں کی جانب سے زبانی یقین دہانی کرا دی گئی تو قرارداد منظور نہ کی گئی۔ اس کے بعد ویول نے گاندھی کے ساتھ ملاقات میں بھی نیشنلسٹ مسلمان کا مسئلہ اٹھایا اور پیارے لال کے مطابق کہا کہ ''اگرچہ کانگرس کو اس بارے میں حق حاصل ہے لیکن چونکہ اس معاملے میں جناح نے ضد اختیار کر رکھی ہے اس لئے اگر آپ اپنے اس حق سے دستبردار ہو جائیں تو کیا مضائقہ ہے؟''

گاندھی: اپنے حق سے دستبردار ہوا جا سکتا ہے لیکن فرض سے دستبردار نہیں ہوا جا سکتا۔

وائسرائے: لیکن اگر لیگ نے شمولیت سے انکار کر دیا تو آئین ساز اسمبلی کا کیا بنے گا۔

گاندھی: میں مانتا ہوں کہ اس صورت میں آئین ساز اسمبلی کا صحیح طور پر اجلاس نہیں ہو سکے گا۔

وائسرائے: ذرا انہی خطوط پر بات کو آگے بڑھائیں۔ اگر آئین ساز اسمبلی کا اجلاس نہ ہوا تو پھر اس سے آگے کیا ہوگا؟

گاندھی: قومی عبوری حکومت انتظامیہ کا کام اسی طرح چلاتی رہے گی جس طرح اس وقت چلا رہی ہے۔ اگر آپ نے اسے برقرار نہ رکھا تو آپ کی نیک نیتی پر شبہ کیا جائے گا۔

وائسرائے: یہ ہمارے لئے کیسے ممکن ہوگا؟

گاندھی: تو کیا اس بہانے سے آپ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ ایسا کریں گے تو ساری دنیا آپ کو ملامت کرے گی۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ اصرار کر سکتے ہیں کہ عبوری حکومت میں مسلم لیگ کو بھی شامل کیا جائے۔ کانگرس اس کے لئے تیار ہے۔

وائسرائے: اس کے لئے مجھے برطانوی کابینہ کی منظوری کی ضرورت ہوگی......"[29]

ویول نے اس ملاقات پر مبنی پیتھک لارنس کے نام اپنے خط میں لکھا کہ "اس میں گاندھی نے اپنا بھید کھول دیا ہے۔" یہ کہ 'وہ کہتا ہے کہ لیگ کی عدم شرکت کی وجہ سے اگر آئین ساز اسمبلی کا انعقاد ترک کر دیا جائے تو بھی عبوری حکومت کو برقرار رکھا جائے اور مسلم نشستوں کو دوسرے مسلمان زعما سے پر کر دیا جائے۔ یہ گاندھی کا اور بیشتر کانگرسیوں کا ابتدا ہی سے مقصد رہا ہے کہ مرکز میں اپنا اقتدار مضبوط کیا جائے اور مسلمانوں کو دبا یا جائے یا انہیں جھانسا دے کر یا خرید کر ساتھ ملا لیا جائے اور پھر اطمینان سے آئین نافذ کیا جائے۔"[30]

28 ستمبر کو جناح اور ویول کی ملاقات ہوئی۔ ویول نے جناح کو بتایا کہ میں نے نیشنلسٹ مسلمان کے مسئلے پر کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ بات کی ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی چنانچہ ویول نے جناح پر زور دیا کہ وہ اسے زیادہ مسئلہ نہ بنائیں اور مسلمانوں کے مفادات کی خاطر مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت پر رضامند ہو جائیں۔ جناح نے کہا کہ کانگرس کا نیشنلسٹ مسلمان کی شمولیت پر اصرار بددیانتی پر مبنی ہے اور اگر وہ واقعی تعاون چاہتی تو اسے اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ویول نے کہا کہ پھر تو آپ کو کانگرس کے ان عزائم کی حوصلہ شکنی کی خاطر ہی عبوری حکومت میں شمولیت پر آمادہ ہو جانا چاہیے کہ وہ مرکز میں صرف اپنا اقتدار مضبوط کرنا چاہتی ہے اور اس مقصد کی خاطر آپ کو تقریباً ہر شرط مان لینی چاہیے۔"[31] اگرچہ بظاہر اس ملاقات میں جناح اور ویول کے مابین دلائل کا یہ تبادلہ بے نتیجہ ثابت ہوا۔ تاہم اپنے روزنامچے میں ویول نے اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مجھے یہ تاثر ملا ہے کہ بالآخر

وہ نیشنلسٹ مسلم کے نکتے کو تسلیم کرلے گا بجائے اس کے کہ اس پر بریک ڈاؤن ہوجائے۔"[32]

ادھر کانگرس کو ویول کی ان کوششوں پر اعتراض تھا جو وہ مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں لانے کے لئے کر رہا تھا۔ چنانچہ کانگرسی رہنماؤں نے برطانوی حکومت میں اپنے بااعتماد دوست سٹیفورڈ کرپس کو اس ضمن میں شکایت پہنچائی۔ نہرو نے 20 ستمبر کو کرپس کو لکھا کہ "ہمارے عہدہ سنبھالنے کے چند روز بعد ہی ہماری رضامندی کے بغیر از سرنو پرانے مسائل کو اٹھانے کی کوشش شروع کر دی گئی ہے اور حالات کو وہاں پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے جہاں ہم چند ماہ پیشتر تھے۔ یہ بات ہمارے لئے اور عوام کے لئے غیر یقینی کا موجب ہے۔ عبوری حکومت کو یا تو حکومت کے طور پر کام کرنا چاہیے یا بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ درمیانی راہ کوئی نہیں ہے۔"[33]

چنانچہ کرپس نے پیتھک لارنس کو نہرو کا یہ خط اپنے تاثرات کے ہمراہ بھیج دیا۔ پیتھک لارنس نے 30 ستمبر کو کرپس کو اس کے جواب میں لکھا "نہرو نے بظاہر وائسرائے کی جانب سے جناح کے ساتھ عبوری حکومت میں شمولیت کی از سرنو بات چیت شروع کرنے پر اعتراض کیا ہے۔ میں موزوں نہیں سمجھتا کہ وائسرائے کو ایسا کرنے سے منع کیا جائے۔ اگر میں نے منع کیا تو وائسرائے استعفیٰ دے جائے گا۔"[34] گویا اگر وائسرائے ویول کا کانگرس۔ لیگ مخلوط حکومت بنانے پر سخت گیر مؤقف نہ ہوتا تو برطانوی حکومت کے کار پرداز صرف کانگرس کو ہندوستان کا اقتدار سونپنے کے حق میں تھے۔

کانگرس کے ہاتھ میں نیشنلسٹ مسلمان کا ایک ایسا حربہ آ گیا تھا کہ وہ اسے، لیگ کو عبوری حکومت سے باہر رکھنے کے لئے پوری طرح استعمال کر رہی تھی۔ یکم اکتوبر کو ویول نے پیتھک لارنس کو مراسلے میں لکھا کہ "میں اس بات کا قائل ہو گیا ہوں کہ کانگرس میں گاندھی سمیت ایک مؤثر گروہ موجود ہے جو مسلم لیگ کو حکومت سے باہر رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔"[35]

اور اسی روز ویول نے ہندوستان کی مجموعی صورت حال پر ایک تفصیلی خط میں بھی پیتھک لارنس کو لکھا کہ "بظاہر سطح پر حالات پرسکون نظر آتے ہیں لیکن تہہ میں گاندھی اور جناح کی شخصیتوں کا ٹکراؤ ہو رہا ہے اور اس مرتبہ مجھے خدشہ ہے کہ گاندھی اس پر تلا ہوا ہے کہ جناح کے پاس شرمساری یا حکومت میں عدم شرکت کے مابین انتخاب کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہ جائے۔ جناح کو عبوری حکومت میں لانے کے سلسلے میں کانگرس نے میری ذرہ برابر بھی مدد نہیں کی۔ اگرچہ

تھیوری کی حد تک ان کا نیشنلسٹ مسلمان کی شمولیت کا مؤقف درست ہے لیکن اس کے ممکنہ نتیجے میں وہ لیگ کو حکومت سے باہر رکھ کر خود کو خطرناک حد تک آسودہ خاطر محسوس کرتے ہیں۔ میں اپنی رائے میں گاندھی کے عدم تشدد کا جو مطلب سمجھا ہوں وہ کم وبیش خالصتاً منافقت ہے۔ وہ یقیناً جان بوجھ کر ایسی راہ اختیار کئے ہوئے ہے جس کے بارے میں اسے اچھی طرح معلوم بھی ہے اور اعتراف بھی کہ وہ خون خرابے کی جانب جاتی ہے۔''[36] یکم اکتوبر کو ویول کی طرف سے بھیجے گئے پچھلے مراسلے کے جواب میں اسی روز پیتھک لارنس نے مراسلہ بھیجا کہ ''اگر جناح کے ساتھ آپ کی بات چیت ناکام ہو جائے تو پھر آپ نہرو، گاندھی اور ممکن ہو تو پٹیل کے ساتھ ملاقات کر کے انہیں سمجھائیں کہ وہ چونکہ حکومت میں ہیں اس لئے فراست اور تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کو حکومت میں لانے کی کوشش کریں۔''

2/اکتوبر کو ویول نے جناح کے ساتھ ملاقات کی۔ ویول نے اسے بتادیا کہ نیشنلسٹ مسلم کے معاملے میں کانگرس رعایت دینے پر آمادہ نہیں ہے اور میں اس پر مزید دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ ویول نے یہ دلیل بھی دی کہ اگر کانگرس اپنے کوٹے میں کسی مسلمان کو مقرر کرتی ہے تو مسلم لیگ کے ارکان ملا کر مجموعی طور پر ایگزیکٹو کونسل میں مسلمانوں کی تعداد اونچی ذات کے ہندوؤں سے بڑھ جائے گی اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ تاہم جناح نے جواب میں نیشنلسٹ مسلم کی تقرری کے مسئلے پر قطعاً کوئی بحث نہیں کی اور کہا کہ میں اپنی مجلس عاملہ کے ارکان سے کچھ منوانے میں اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہوں جب کہ میں بعض دوسرے نکات پر انہیں اپنی کامیابی سے آگاہ کروں مثلاً یہ کہ بڑے فرقہ وارانہ مسئلوں پر کثرت رائے کے خلاف تحفظ، نائب صدارت کا مسئلہ، اقلیتوں کا مسئلہ وغیرہ۔ نائب صدارت کے مسئلے پر بات کرتے ہوئے جناح نے کہا کہ نہرو کے حکومت کا نائب صدر ہونے کی وجہ سے کانگرس کو حکومت میں برتر حیثیت حاصل ہے جب کہ مسلم لیگ کو کم تر حیثیت حاصل ہوگی۔ ویول نے کہا کہ نائب صدر کا کام صرف میری عدم موجودگی میں کابینہ کی صدارت کرنا ہوگا، میں مسلم لیگ پارٹی کے رہنما کے لئے کابینہ کی رابطہ کمیٹی کے نائب چیئرمین کا عہدہ مخصوص کر سکتا ہوں جو کہ زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا۔ اسی طرح ویول نے بقیہ معاملات پر جناح کی تشفی کے لئے یقین دہانیاں کرائیں۔ جناح کا ہر معاملے میں اصرار یہ تھا کہ میرے ہاتھ میں کچھ تو ہو

جس سے میں مجلس عاملہ کے ارکان کو یقین دلا سکوں کہ میں نے ہر معاملے میں شکست نہیں کھائی ہے، اور یہ کہ ہم حکومت میں کانگرس کے ماتحت کی حیثیت سے شامل نہیں ہو رہے ہیں۔ جناح نے نائب صدارت کے مسئلہ پر اصرار کیا کہ یہ منصب تین تین ماہ کے لئے باری باری کانگرس اور لیگ کے پاس رہنا چاہیے۔ طے ہوا کہ جناح اپنے تمام نکات کو باقاعدہ تحریری شکل میں ارسال کریں گے اور ان پر وائسرائے کا جواب حاصل کرنے کے بعد مجلس عاملہ کے اجلاس میں پیش کریں گے۔"[37] چنانچہ 3/اکتوبر کو جناح نے ایک خط کے ذریعے مندرجہ ذیل 9 نکات وائسرائے کو ارسال کئے۔

1۔ ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کی تعداد 14 ہوگی۔

2۔ کانگرس کے 6 نامزد ارکان میں ایک اچھوت ہوگا۔ لیکن اچھوت نمائندے کے انتخاب کے بارے میں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مسلم لیگ کی طرف سے بھی اسے منظوری یا رضامندی حاصل ہو گئی ہے۔ اس کی حتمی ذمہ داری گورنر جنرل اور وائسرائے کو حاصل ہوگی۔

3۔ کانگرس اپنے کوٹے کے بقیہ 5 ارکان میں اپنی مرضی سے کسی مسلمان کو نہیں مقرر کرے گی۔

4۔ اس بات کا اقرار کیا جائے گا کہ کسی بڑے فرقہ وارانہ مسئلے پر ایگزیکٹو کونسل کے ہندو یا مسلم ارکان کی اکثریت کی مخالفت کی صورت میں اس پر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔

5۔ نائب صدر کے عہدے پر یکے بعد دیگرے یا باری باری دونوں بڑے فرقوں کی جانب سے تقرری ہونی چاہیے کہ جس طریقہ پر یو۔این۔او۔ کانفرنس میں کی جاتی ہے۔

6۔ تین اقلیتی نمائندوں یعنی سکھ، ہندوستانی عیسائی اور پارسی کے تقرر کے وقت مسلم لیگ سے مشورہ نہیں کیا گیا تھا اس لئے یہ نہیں سمجھا جانا چاہیے کہ مسلم لیگ نے ان کے انتخاب کو منظوری دے دی ہے۔ لیکن مستقبل میں ان میں سے کسی رکن کی موت یا استعفیٰ کے نتیجے میں جگہ خالی ہونے پر اقلیتوں کی ان نشستوں پر نئی تقرریوں کے سلسلے میں دونوں بڑی جماعتوں یعنی مسلم لیگ اور کانگرس سے مشورہ کرنا ہوگا۔

7۔ اہم محکمے دونوں بڑی پارٹیوں یعنی مسلم لیگ اور کانگرس میں برابر تقسیم کئے جائیں گے۔

8۔ مندرجہ بالا بندوبست میں کوئی ردوبدل دونوں بڑی پارٹیوں یعنی مسلم لیگ اور کانگرس

کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔

9۔ طویل المیعاد منصوبے پر تصفیے کے سوال کو اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے کہ جب تک بہتر اور ساز گار فضا قائم نہیں ہو جاتی اور متذکرہ بالا نکات پر سمجھوتہ نہیں ہو جاتا اور عبوری حکومت کی تشکیل نو عمل میں نہیں آ جاتی۔

4/اکتوبر کو وائسرائے ویول نے ان نکات کے جوابات جناح کو ارسال کئے۔ وی۔پی مینن کے مطابق اس نے یہ جوابات نہرو سے مشورہ کرنے کے بعد ارسال کئے تھے۔ جوابات درج ذیل تھے۔

1۔ اتفاق ہے

2۔ اسے نوٹ کرلیا ہے اور یہ منظور کرلیا ہے کہ ذمہ داری میری ہوگی۔

3۔ میں اس پر اتفاق نہیں کر سکتا۔ ہر پارٹی کو اپنے ارکان نامزد کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

4۔ کسی بھی مخلوط حکومت میں پالیسی کا کوئی بھی بڑا معاملہ اس وقت طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے اگر کولیشن کی بڑی پارٹیاں اس لائحہ عمل کے سختی سے خلاف ہوں۔ میرے موجودہ رفقائے کار اور میں اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ کسی بھی بڑے فرقہ وارانہ مسئلے کو کابینہ میں رائے شماری سے طے کرنے کی اجازت دینا انتہائی خطرناک ثابت ہو گا۔ عبوری حکومت کی استعداد اور کارکردگی کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ تمام اختلافات کابینہ کے اجلاس سے پیشتر دوستانہ بات چیت سے طے کرلئے جائیں......

5۔ یکے بعد دیگرے یا باری باری نائب صدور کا تقرر عملی مشکلات پیدا کرے گا اور اس لیے میں اسے قابل عمل نہیں سمجھتا۔ تاہم میں مسلم لیگ کے رکن کو اس مقصد کے لئے نامزد کر دوں گا کہ گورنر جنرل اور نائب صدر دونوں کی عدم موجودگی میں وہ کابینہ کی صدارت کرے۔ اس کے علاوہ کابینہ کی رابطہ کمیٹی کا نائب چیئرمین بھی مسلم لیگ کے رکن کو نامزد کیا جائے گا۔

6۔ مجھے منظور ہے......

7۔ موجودہ حالات میں کابینہ کے تمام محکمے ہی اہمیت کے حامل ہیں اور یہ اپنی اپنی رائے ہے کہ کون سا محکمہ زیادہ اہم ہے۔ اقلیتی نمائندوں کو بھی بڑے محکموں میں حصہ دینا ہوگا

تاہم اس کے باوجود کانگرس اور لیگ کے مابین اہم محکموں کی برابر تقسیم ہو سکتی ہے۔

8۔ مجھے اتفاق ہے۔

9۔ چونکہ کابینہ میں شمولیت کی بنیاد 16 رمئی کی دستاویز کی منظوری ہے۔ اس لئے لیگ کونسل کا جلد از جلد اجلاس طلب کیا جائے تا کہ قرارداد بمبئی پر نظر ثانی کی جا سکے۔ [38]

14 راکتوبر کو ویول کی طرف سے پیتھک لارنس کے نام بھیجے گئے مراسلے کے مطابق ویول نے متذکرہ تمام جوابات نہرو سے مشورہ اور رضامندی کے بعد جناح کو ارسال کئے تھے۔ نہرو کو صرف نائب صدارت کے نکتے پر اعتراض ہوا تھا جس میں ویول نے جناح کا یہ مطالبہ مان لیا تھا کہ اس کا دونوں فرقوں سے یکے بعد دیگرے یا باری باری تقرر ہوا کرے گا۔ تاہم نہرو کے اعتراض کے بعد وہ جواب بدل دیا گیا اور وہ دیا گیا جو اوپر نکتہ۔ 5 کے جواب میں دیا گیا ہے [39] وی۔ پی مینن بھی لکھتا ہے کہ جوابات نہرو کے مشورے سے بھیجے گئے [40] ویول اپنے 4 راکتوبر کے روزنامچے میں نہرو کے ساتھ ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''مجھے حیرت ہوئی کہ نہرو نے جناح کے نام میرے تمام جوابات علاوہ نائب صدارت کے منظور کر دیئے۔''[41]

ان جوابات کی ایک نقل نہرو نے کانگرس مجلس عاملہ کے ارکان کو دکھائی۔ انہوں نے کئی نکات کے جوابات پر اعتراض وارد کر دیئے۔ نہرو نے ایک خط کے ذریعے ویول کو ان اعتراضات سے آگاہ کیا۔ اس میں نکتہ۔2 پر اعتراض یہ تھا کہ کانگرس کی مخصوص نشستوں میں سے ایک پر نامزد کردہ اچھوت کی تقرری پر مسلم لیگ کو منظوری یا رضامندی دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ نقطۂ۔5 پر جسے خود نہرو کی تسلی کے مطابق نئی شکل دے دی گئی تھی، اعتراض ہوا کہ گورنر جنرل اور نائب صدر کی عدم موجودگی میں کابینہ کی صدارت کے لئے مسلم لیگ کے رکن کی نامزدگی ایک غیر آئینی اور ناقابل قبول اقدام ہوگا۔ البتہ ذاتی رائے کے طور پر کابینہ کی رابطہ کمیٹی کے نائب چیئرمین کو اس مقصد کے لئے نامزد کر دینے پر نہرو کو اعتراض نہیں تھا۔ نکتہ۔ 6 پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ہم کابینہ میں گروہ بندی کے قائل نہیں ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ بڑی پارٹیوں کے ارکان کے مابین پیشگی مشورہ ہونا چاہیے لیکن کابینہ کی بحیثیت مجموعی رائے کو اصل اہمیت حاصل ہوگی۔ [42] غرض ہر چھوٹے بڑے معاملے پر کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین کشمکش ایک

جانب مکمل غلبے اور دوسری جانب اس سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنے کے مابین تضاد کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی۔

انہی دنوں نواب بھوپال کی جانب سے خود اپنی ایما پر یا گاندھی کی ایما پر سمجھوتے کی ایک اور کوشش کی گئی۔ اس نے یکم اکتوبر کو گاندھی، جناح اور آزاد کے ساتھ الگ الگ ملاقاتیں کیں۔ پھر جناح اور گاندھی کے مابین ملاقات کرائی گئی۔ 4/اکتوبر کو ان کے مابین ایک فارمولا طے پا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ ''کانگرس اس بات کو چیلنج نہیں کرتی بلکہ قبول کرتی ہے کہ اس وقت مسلم لیگ مسلمانان ہند کی بھاری اکثریت کی بااختیار نمائندہ ہے۔ اس وجہ سے اور جمہوری اصولوں سے مطابقت کی بدولت اس وقت صرف مسلم لیگ والوں کو ہی مسلمانان ہند کی نمائندگی کا مسلمہ حق حاصل ہے۔ لیکن کانگرس اس بات پر رضامند نہیں ہے کہ کانگرس پر ارکان کانگرس میں سے اپنی مرضی کے نمائندے منتخب کرنے پر حدود و قیود لگائی جائیں۔''[43] گویا جناح نے یہ اتفاق کر لیا تھا کہ اگر ایک مرتبہ مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کی نمائندہ تنظیم تسلیم کر لیا جائے تو پھر کانگرس عبوری حکومت میں اپنی مخصوص نشستوں پر ایک نیشنلسٹ مسلمان کا تقرر بھی کر سکتی ہے۔ اس فارمولے میں گاندھی نے ایک اور پیراگراف بھی تجویز کیا تھا لیکن جس پر جناح نے اتفاق نہیں کیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ''یہ طے شدہ امر ہوگا کہ عبوری حکومت کے تمام وزراء سارے ہندوستان کی فلاح کے لئے ایک ٹیم کی طرح کام کریں گے اور کسی معاملے میں بھی گورنر جنرل کو مداخلت کی دعوت نہیں دی جائے گی۔'' پیارے لال لکھتا ہے کہ ''جناح نے اس پیراگراف کے متعلق کہا کہ اس پر مزید غور اور بات چیت کی ضرورت ہے۔'' گاندھی نے نواب بھوپال کو آگاہ کر دیا تھا کہ میں نے پہلے حصے کو اس شرط پر منظور کیا ہے کہ جناح پورے فارمولے (یعنی دونوں حصوں) کو منظور کریں گے۔

بہرحال فارمولے کے متفقہ حصے پر جب جناح اور گاندھی نے دستخط کر دیئے تو 4/اکتوبر کو یہ فارمولا کانگرس مجلس عاملہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ پیارے لال کے مطابق ''مجلس عاملہ کے ارکان کو اس فارمولے کے الفاظ پر سخت اعتراض ہوا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک بعض باتوں کو بالصراحت بیان نہیں کر دیا جاتا وہ اس فارمولے کو قبول نہیں کریں گے۔ ان کی تجویز تھی کہ فارمولے کے حصہ اول میں اس جملے کا اضافہ کیا جائے۔'' یکساں وجوہات کی بناء

پر لیگ یہ تسلیم کرتی ہے کہ کانگرس تمام غیر مسلموں کی بااختیار نمائندہ تنظیم ہے اور ان مسلمانوں کی بھی نمائندہ ہے جنہوں نے اپنی تقدیر کانگرس کے ساتھ وابستہ کی ہے۔'' اس پر گاندھی کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے کہا کہ ''یہ سب کچھ اس فارمولے میں واضح تو کر دیا گیا ہے۔'' اس کے بعد مجلس عاملہ کا اجلاس ختم ہو گیا۔ آگے چل کر پیارے لال لکھتا ہے کہ رات کو گاندھی نے فارمولے کے متن پر مزید غور کیا اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ''رات کے دس بجے تھے۔ انہوں نے مجھے نواب بھوپال کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں (گاندھی) نے غلطی دریافت کر لی ہے اور اس کی بنیادی اور حتمی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ اس غلطی کی سزا کے طور پر میں عام لوگوں کی لعنت ملامت برداشت کرنے اور ضرورت پڑی تو سیاسی زندگی سے ریٹائر ہونے پر بھی تیار ہو جاؤں گا لیکن میں اس جرم کا ارتکاب کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ کانگرس سے فریب کر کے مجلس عاملہ کو یہ فارمولا اپنی موجودہ حالت میں منظور کرنے پر آمادہ کروں۔''[44] چنانچہ گاندھی متذکرہ فارمولے سے منحرف ہونے کے بعد درمیان سے نکل گیا۔

اگلے روز یعنی 5/اکتوبر کو نواب بھوپال کی رہائش گاہ پر جناح اور نہرو کے درمیان ملاقات ہوئی۔ اس میں اس فارمولے کے علاوہ دیگر نکات بھی زیر بحث آئے۔ اس کے بعد نہرو نے جا کر کانگرس مجلس عاملہ کے ارکان سے ان نکات پر تبادلۂ خیال کیا اور 6/اکتوبر کو جناح کو خط کے ذریعے ان نکات پر کانگرس کے ردعمل سے آگاہ کیا۔ گاندھی کے فارمولے کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ یہ ٹھیک طور پر ترتیب نہیں دیا گیا ہے اس نے اس میں وہ جملہ بھی شامل کرنے کا مطالبہ کیا جس میں مسلم لیگ کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ کانگرس کو تمام غیر مسلموں اور کانگرسی مسلموں کے نمائندے کے طور پر تسلیم کرے۔ نیز دوسرا پیراگراف شامل کرنے کا مطالبہ کیا جس میں کابینہ کو بطور ٹیم کام کرنے اور وائسرائے کو الگ تھلگ کر دینے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ ہمارے نزدیک کسی فارمولے کی ضرورت نہیں ہے، ہر تنظیم کو اپنی اہلیت کی بنیاد پر لیا جانا چاہیے۔ عبوری حکومت میں لئے گئے اچھوتوں اور اقلیتوں کے نمائندوں کے بارے میں اس نے لکھا کہ ان کے بارے میں لیگ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ تاہم آئندہ ان نشستوں میں سے خالی ہونے والی کسی نشست پر تقرر کے لئے پوری کابینہ سے مشورہ کیا جائے گا۔ لیگ کو اس معاملے میں مشورہ دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ جہاں تک کابینہ

میں کسی بڑے فرقہ وارانہ مسئلے کے اٹھنے کا تعلق تھا تو اس بارے میں اس نے جناح کی اس تجویز کو رد کر دیا کہ ان مسائل پر فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جائے۔ اس نے لکھا کہ اختلافی مسائل پر باہمی رضامندی سے ثالثی کا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ نائب صدر کے منصب پر باری باری دونوں فرقوں سے تقرری کے بارے میں اس نے جواب دیا کہ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ کابینہ کی رابطہ کمیٹی کے ایڈیشنل وائس چیئرمین کا منصب لیگ کو دیا جا سکتا ہے۔"[45]

7/اکتوبر کو جناح نے اس کے جواب میں نہرو کو لکھا کہ میرے اور گاندھی کے مابین جو فارمولا طے ہوا تھا آپ نے نہ صرف یہ کہ اسے تبدیل کر دیا ہے بلکہ اس کی ضرورت سے ہی انکار کر دیا ہے۔ یہ فارمولا جس پر گاندھی نے دستخط کر دیئے تھے اور میں نے اسے منظور کر لیا تھا، اب میں اس میں کسی قسم کی ترمیم یا اضافے کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور نہ ہی میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک آپ کو یہ فارمولا قابل قبول نہیں ہوگا جو کہ مذاکرات کی بنیاد تھا۔ مزید مذاکرات سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ میرے اور آپ کے درمیان جو دوسرے نکات زیر بحث آئے تھے وہ بھی آپ نے رد کر دیئے ہیں۔ اپنے اس جواب کے ہمراہ جناح نے وہ تمام 9 نکات بھی نہرو کو ارسال کر دیئے جو 3/اکتوبر کو انہوں نے ویول کو ارسال کئے تھے اور 4/اکتوبر کو ویول نے نہرو کے مشورے کے بعد جن کے جوابات جناح کو ارسال کئے تھے۔ تاہم نہرو نے بعد میں ان میں سے بعض نکات کے جوابات پر اعتراض کر دیا تھا۔ 7/اکتوبر کو جناح کا خط نہرو کو اس وقت ملا جب وہ جناح کے ساتھ ایک اور ملاقات کی غرض سے نواب بھوپال کے گھر جا رہا تھا۔ یہ ملاقات بھی بے نتیجہ رہی۔

واپس آنے کے بعد نہرو نے جناح کا خط کانگرس مجلس عاملہ کے سامنے رکھا۔ جناح کے 9 نکات پر حیرانی کا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ 8/اکتوبر کو نہرو نے جناح کو جواب دیتے ہوئے کمال ڈھٹائی کے ساتھ لکھا کہ "ان نکات کی فہرست اس سے پہلے نہ تو ہماری نظر سے گزری اور نہ ہی ہم نے اس پر غور کیا تھا۔" یاد رہے کہ 4/اکتوبر کو ویول نے نہرو کو ان نکات کی فہرست اور ساتھ اپنے جوابات کی جن میں نہرو کا مشورہ بھی شامل کیا گیا تھا، کی نقل دے دی تھی اور نہرو نے اپنی مجلس عاملہ کے مشورے کے بعد اسی روز ویول کے نام اپنے ایک خط میں ان میں سے نکتہ۔2، نکتہ۔5 اور نکتہ۔6 کے جوابات پر اعتراضات وارد کئے تھے۔ مگر اب نہ صرف یہ کہ

نہرو اور کانگرس مجلس عاملہ اس ساری کاروائی سے منکر ہو گئے بلکہ نہرو نے جناح پر یہ بھی واضح کر دیا کہ ''میں اور میرے رفقاء نے اس فارمولے کو منظور نہیں کیا ہے جو گاندھی جی اور آپ کے مابین طے ہوا تھا۔'' نہرو نے اس فارمولے کے دوسرے پیراگراف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ یہ بھی فارمولے کا حصہ تھا جس کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس پیراگراف سمیت پورے فارمولے کو منظور کر دیں۔''[46]

یاد رہے کہ گاندھی نے پہلے پیراگراف پر اپنی منظوری کے دستخط کئے تھے۔ دوسرے پیراگراف پر جناح نے کہا تھا کہ مزید غور کی ضرورت ہے جب کہ گاندھی نے بعد ازاں یہ مؤقف اختیار کر لیا کہ پہلے پیراگراف پر اس کی منظوری دوسرے پیراگراف کی منظوری کے ساتھ مشروط ہے۔ نواب بھوپال نے ویول کو بتایا تھا کہ دوسرا پیراگراف پٹیل کے دھڑے نے زور دے کر متذکرہ فارمولے میں شامل کرایا تھا۔[47] جناح دوسرے پیراگراف کو منظور کرنے سے اس لئے مانع تھے کہ اس طرح کانگرس کی جانب سے مسلمانان ہند کے ساتھ کسی بے انصافی کی صورت میں مسلم لیگ وائسرائے (گورنر جنرل) کو مداخلت کی دعوت نہیں دے سکتی تھی اور انصاف طلب نہیں کر سکتی تھی۔ کانگرس کے رہنماؤں کا اس پیراگراف کے بارے میں اس قدر زور بھی اسی لئے تھا کہ وہ مسلم لیگ کو اپنا دست نگر بنا کر رکھنا چاہتے تھے۔ وہ نہ تو خود مسلمانوں کو کچھ دینا چاہتے تھے اور نہ چاہتے تھے کہ مسلمان انگریزوں سے کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ مسلم لیگ صرف یہ چاہتی تھی کہ انتخابات کے نتائج کی بنیاد پر اسے مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم کے طور پر تسلیم کر لیا جائے تو پھر بے شک کانگرس اپنے کوٹے میں کسی نیشنلسٹ مسلمان کو مقرر کرے۔ بصورت دیگر مسلمانان ہند نے مسلم لیگ کو بھاری اکثریت سے اپنا نمائندہ منتخب کر کے اس پر جو اعتماد کیا تھا اسے ٹھیس پہنچتی تھی ادھر کانگرس بھی نیشنلسٹ مسلم کو شامل کر کے اپنا نیشنلسٹ تنظیم ہونے کا دعویٰ پورا کر سکتی تھی۔ لیکن اس صورت میں کانگرسی مسلم اور مسلم لیگی مسلم ارکان کے جمع ہونے سے ایگزیکٹو کونسل میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد ہندوؤں کی مجموعی تعداد کے برابر اور اونچی ذات کے ہندوؤں کی تعداد سے زیادہ ہو جاتی تھی۔ اس قسم کی تجویز پہلے بھی جب کبھی پیش ہوئی اس پر ہمیشہ پٹیل کو اعتراض ہوتا تھا۔ اس میں گاندھی اور نہرو والی منافقت نہیں تھی، وہ کھلا ہندو تھا اور کانگرس کو ہندو تنظیم ماننے پر معترض نہیں ہوتا تھا۔ اسے کانگرسی

نشست پر مسلمان کی تقرری اور یوں مجموعی طور پر عبوری حکومت میں مسلمانوں کی اکثریت سخت ناگوار تھی۔ وہ نیشنلسٹ مسلم کی تقرری کو صرف اس لئے بیچ میں لائے تھے کہ یہ مسلم لیگ کو بدکانے کے لئے کافی ہوتا تھا اور اس لیور کی مدد سے وہ بآسانی مسلم لیگ کو عبوری حکومت سے باہر رکھنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ گاندھی سے ''جرم'' سرزد ہو گیا اور یہ مشکل حل ہو گئی۔ چنانچہ پٹیل اور نہرو نے زیر نظر فارمولے میں دوسرے پیراگراف کی بیخ لگادی کہ اچھی طرح معلوم تھا کہ جناح اسے رد کردیں گے اور گاندھی۔ جناح فارمولے کی بنیاد پر مذاکرات ناکام ہو جائیں گے۔

نہرو کا 8/اکتوبر کا خط موصول ہونے کے بعد جناح نے 11/اکتوبر کو لیگ مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد کیا۔ چونکہ نہرو نے اپنے خط میں اختیار کردہ مؤقف کو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے حتمی قرار دیا تھا۔ اس لئے جناح اور لیگ مجلس عاملہ نے حتمی طور پر مجوزہ ترمیم شدہ فارمولے اور دوسرے نکات پر کانگرس کے رعونت آمیز جوابات کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ تصفیے کی یہ کوشش ناکام ہو گئی ہے۔ چنانچہ 12/اکتوبر کو جناح نے نہرو کو بذریعہ خط اپنے مؤقف سے آگاہ کر دیا۔ براہ راست مذاکرات کے ذریعے دونوں پارٹیوں کے مابین کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ بات وہیں پر آ گئی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ کانگرس کابینہ میں بدستور ایک نیشنلسٹ مسلمان کو برقرار رکھنے پر تلی ہوئی تھی۔

کانگرس کے نیشنلسٹ مسلم کے مقابلے میں لیگ نے اچھوت کو شامل کر لیا اور عبوری حکومت میں شامل ہو گئی

12/اکتوبر کو جناح نے ویول کے ساتھ ملاقات کی اور دریافت کیا کہ اگر کانگرس کو اپنے کوٹے میں ایک مسلمان کو نامزد کرنے کا حق حاصل ہے تو پھر کیا لیگ کو بھی اپنے کوٹے میں کسی اچھوت یا دوسرے فرقے کے فرد کو رکن نامزد کرنے کا حق حاصل ہے؟ ویول نے کہا کہ حق تو ہے لیکن اس پر مزید غور کی ضرورت ہے۔ فوری ردعمل کے طور پر ویول نے کہا کہ آپ نے ادلے کا بدلہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ میرے لئے پشیمانی کا باعث ہے کیونکہ میں اپنی کابینہ میں مکمل ہم آہنگی اور ارتباط کا خواہاں ہوں۔ تاہم جناح کے جانے کے بعد ویول نے

بذریعہ خط جناح کو آ گاہ کر دیا کہ ''میں توثیق کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کو بھی کابینہ میں اپنے لئے مخصوص نشستوں پر جسے چاہے نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہے۔''

چنانچہ 13 /اکتوبر کو جناح نے ویول کو مسلم لیگ مجلس عاملہ کے اس فیصلے سے آ گاہ کر دیا کہ ''مختلف وجوہ کی بناء پر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے مفاد کے لئے یہ انتہائی ضرر رساں ہوگا کہ مرکزی حکومت کا سارا میدان کانگرس کے لئے کھلا چھوڑ دیا جائے...... چنانچہ ہم نے مسلم لیگ کی جانب سے پانچ ارکان نامزد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

ویول نے فوری طور پر نہرو کو لیگ کے اس فیصلے سے مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ لیگ کے 5۔ارکان کو شامل کرنے کے لئے موجودہ ایگزیکٹو کونسل میں جو ردوبدل کرنا ہے اس کے بارے میں مجھے فوری طور پر آ گاہ کیا جائے۔ یعنی یہ کہ کانگرس نے اپنے کوٹے کے علاوہ مسلم لیگ کی پانچ میں سے تین نشستوں پر بھی اپنے آدمی نامزد کر رکھے تھے۔ اب کانگرس کو صرف اپنے 6 ارکان کی تعداد تک محدود رہنا تھا۔ اس بارے میں ویول آ گاہی چاہتا تھا کہ کانگرس اپنے کون سے تین ارکان کو سبکدوش کرنا چاہتی ہے۔ ساتھ ہی ویول نے جناح سے مسلم لیگ کے پانچ ارکان کے نام بھی فوری طور پر طلب کر لئے۔

اب دونوں پارٹیوں میں کشمکش اس صورت میں ظاہر ہوئی کہ ہر ایک پارٹی دوسرے کے ارکان کے نام پہلے معلوم کرنا چاہتی تھی تا کہ اس کے مطابق اپنے ارکان کے ناموں کو حتمی شکل دے۔ نہرو نے ویول کو جو جواب دیا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کانگرس چاہتی تھی کہ پہلے لیگ کے ارکان کے ناموں کا علم ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ آیا جناح خود بھی شامل ہو رہے ہیں یا نہیں تا کہ اس مطابقت سے اپنے ارکان میں ردوبدل کا فیصلہ کرے۔ ادھر جناح چاہتے تھے کہ پہلے کانگرس کے ارکان کی ردوبدل کے بعد حتمی فہرست کا علم ہو جائے تا کہ اگر اس میں نیشنلسٹ مسلمان شامل نہ ہو تو پھر وہ بھی لیگ کی جانب سے اچھوت کو مقرر نہیں کریں گے۔

اس سلسلے میں 14 /اکتوبر کو جناح اور لیاقت علی خاں نے اکٹھے ویول کے ساتھ ملاقات کی۔ ویول نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ خواہ کانگرس نیشنلسٹ مسلمان شامل کرے یا نہ کرے، آپ کسی غیر مسلم کو شامل کریں گے تو مجھے پشیمانی ہوگی کیونکہ یہ کانگرس کو چیلنج کرنے کے مترادف ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دونوں پارٹیاں انتہائی معاندانہ رویے کے ساتھ مخلوط

حکومت میں شامل ہو رہی ہیں جب کہ میری خواہش ہے کہ وہ باہم ایک ٹیم کی طرح ہم آہنگ ہو کر کام کریں۔ جناح نے کہا کہ آپ کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی لیکن ہمیں اپنے مفادات بھی عزیز ہیں۔ اس مسئلے پر خاصی بحث ہوتی رہی جس میں جناح نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ کانگرس نیشنلسٹ مسلمان شامل کرے گی یا نہیں۔ ویول نے کہا کہ ابھی تو معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس نیشنلسٹ مسلمان کو ضرور شامل کرے گی لیکن ہو سکتا ہے بعد میں اسے ہٹا دے۔ جناح نے اس صورت کے پیش نظر پوچھا کہ کیا لیگ بھی بعد میں اپنے نامزد کردہ رکن کو ہٹا سکتی ہے اور اس کے لئے کیا طریقہ ہوگا۔ ویول کے خیال میں جناح کے پیش نظر یہ تھا کہ اگر کانگرس نیشنلسٹ مسلمان کو بعد ازاں ہٹا دے تو پھر وہ بھی لیگ کی نشست سے اچھوت کو ہٹا دیں گے۔ ویول نے جناح کو بتایا کہ اس رکن کو استعفیٰ دینے کے لئے کہا جا سکتا ہے۔ جناح نے کہا کہ اگر اس رکن نے استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا تو کیا طریقہ ہوگا، ویول نے کہا کہ اس صورت میں میری سفارش پر شاہ برطانیہ اس کو برطرف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر میں اس کے کام سے مطمئن ہوا تو میں اس کی برطرفی کی سفارش نہیں کروں گا۔ جناح نے اس پر دباؤ ڈالا کہ اسے اس حالت میں ایسا کرنا چاہیے لیکن ویول نے اتفاق نہ کیا۔"[48] اس بحث سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں پارٹیوں کے مابین تضاد باقاعدہ اعصابی جنگ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

14 اکتوبر کو متذکرہ ملاقات کے بعد ویول اور نہرو کی ملاقات ہوئی۔ نہرو نے کہا کہ مسلم لیگ کے ارکان کے ناموں کی بابت معلوم ہونا اس کے لئے بے حد ضروری ہے۔ خاص طور پر یہ کہ جناح کا خود حکومت میں آنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔ ویول نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ البتہ اسے یہ بتا دیا کہ لیگ کسی غیر مسلم کو بھی اپنی نشستوں پر نامزد کرنا چاہتی ہے۔ نہرو نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ واپس جا کر ویول کو خط لکھا کہ جب تک لیگ کے ارکان کے نام نہیں مل جاتے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

ادھر اسی روز یعنی 14 اکتوبر کو جناح نے ویول کو مسلم لیگ کی جانب سے عبوری حکومت میں شمولیت کے لئے 5 ارکان کے نام بھیج دیئے۔ ان میں لیاقت علی خاں، آئی آئی چندریگر، عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی خاں اور ایک بنگالی اچھوت جوگندر ناتھ منڈل شامل تھے۔

اس فہرست کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اس میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کے سوا کوئی

جاگیردار نہیں تھا۔ مسلمانوں کے درمیانے طبقے کے نمائندے قائداعظم محمد علی جناح کا مسلمان جاگیرداروں کے ساتھ طبقاتی تضاد کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ ابوالکلام آزاد لکھتا ہے کہ سب کو یقین تھا کہ خواجہ ناظم الدین اور نواب اسماعیل خاں کے نام مسلم لیگی ارکان ایگزیکٹو کونسل میں شامل ہوں گے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ دونوں دہلی کے امپریل ہوٹل میں دوسرے مسلم لیگی لیڈروں کے ساتھ اپنے ناموں کے اعلان کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان کے حمایتیوں کو بھی پورا یقین تھا کہ ان کے نام مسلم لیگ کی فہرست میں شامل ہوں گے۔ بہت سے مسلم لیگی ارکان ان کے لئے ہار اور گلدستے بھی لائے ہوئے تھے۔ جب ناموں کا اعلان ہوا تو ان دونوں میں سے کسی کا نام اس فہرست میں شامل نہیں تھا۔ انہیں بہت مایوسی ہوئی اور غصہ آیا۔ جناح نے ان کی امیدوں پر برف جیسا ٹھنڈا پانی ڈال دیا تھا۔"[49] ویول کو ان دونوں حضرات کی شمولیت کی اس قدر پختہ توقع تھی کہ اس نے جناح کی جانب سے فہرست موصول ہونے سے پہلے 12/ اکتوبر کو پیتھک لارنس کو جو متوقع پانچ نام ارسال کئے تھے تا کہ پیشگی طور پر شاہ برطانیہ سے منظوری حاصل کر لی جائے، ان میں ان دونوں کے نام بھی شامل تھے اور جب توقع کے برعکس ان کے نام شامل نہ کئے گئے تو 16/ اکتوبر کو جناح کے ساتھ ملاقات میں ویول نے اس پر بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ میری ان دونوں کے متعلق بڑی اعلیٰ رائے تھی اور انہیں شامل کیا جانا چاہیے تھا۔"[50]

نہرو نے 15/ اکتوبر کو ویول کے نام خط میں لیگ کے نامزد کردہ ارکان کے بارے میں ردعمل ظاہر کرتے ہوئے لکھا کہ ان میں سوائے ایک (غالباً لیاقت علی خاں) کے اور کوئی بھی اس قابل نہیں کہ حکومت ہند کی کابینہ میں شامل کیا جا سکے۔ اس کو سب سے بڑا اعتراض لیگ کی طرف سے اچھوت کو شامل کئے جانے پر تھا۔"[51] گاندھی کو بھی اچھوت کی شمولیت پر اعتراض ہوا۔ اس نے 16/ اکتوبر کو پرارتھنا سبھا میں بھاشن دیتے ہوئے کہا کہ "ہوسکتا ہے مجھ جیسے آدمی سے یہ توقع کی جا رہی ہو کہ مجھے اس بات پر بہت خوشی ہونی چاہیے کہ ایک اور نشست ہریجن کو مل گئی ہے۔ لیکن اگر میں ایسا کہوں تو پھر میں خود کو بھی اور جناح صاحب کو بھی دھوکہ دوں گا۔ مؤخر الذکر کا کہنا تھا کہ مسلمان اور ہندو دو الگ قومیں ہیں، لیگ خالصتاً فرقہ وارانہ تنظیم ہے۔" "تو پھر وہ ایک ہریجن کو کس طرح اپنی نمائندگی کے لئے نامزد کر سکتے ہیں۔"[52]

اس نے کہا کہ اس سے ان کا خلوص ظاہر نہیں ہوتا کہ انہوں نے اپنے کوٹے کی پانچ

نشستوں میں ایک ہریجن کو بھی نامزد کر دیا ہے جبکہ مجھے معلوم ہے کہ مشرقی بنگال میں کیا ہو رہا ہے۔ چنانچہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ کابینہ میں بھی وہ ''لڑنے کے لیے'' آئے ہیں۔''[53]

لیگ کی طرف سے اچھوت کو شامل کرنے پر کانگرسی رہنماؤں کا جو ردعمل تھا سو تھا، لندن میں لیبر حکومت کو اس بات کی تشویش لاحق ہو گئی کہ کہیں کانگرس ناراض ہو کر حکومت سے دستبردار نہ ہو جائے۔ چنانچہ 14 اکتوبر کو پیتھک لارنس نے ویول کو لکھا ''ہمیں اس صورت حال کا سامنا ہو سکتا ہے کہ کانگرس عبوری حکومت میں رہنے سے اس بنا پر انکار کر دے کہ اچھوت کو مسلم لیگ کا نمائندہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔''[54] اور جب 15 اکتوبر کو ویول نے لیگ کے پانچ نام شاہ برطانیہ کی منظوری حاصل کرنے کے لئے لندن روانہ کئے تو اسی روز پیتھک لارنس نے جواب میں لکھا، مجھے افسوس ہے کہ میں واقعی یہ سمجھتا ہوں کہ شاہی منظوری حاصل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہو گا جب تک آپ یہ نام نہرو پر ظاہر نہ کر دیں۔ کانگرس کو اچھوت کی شمولیت پر سخت اعتراض ہو سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ حکومت سے دستبردار بھی ہو سکتی ہے۔ اس مرحلے پر شاہ (برطانیہ) کو ملوث کرنا مناسب نہ ہو گا۔'' اس نے ہدایت دیتے ہوئے لکھا کہ جب تک کانگرس کی جانب سے تین ارکان کے استعفے موصول نہیں ہو جاتے اور لیگ کے لئے مخصوص پانچ نشستیں خالی نہیں ہو جاتیں اس وقت تک شاہ کے سامنے یہ نام منظوری کے لئے نہیں رکھے جا سکتے۔ گویا جب تک کانگرس لیگ کے نامزد کردہ ان پانچ ارکان کو منظور نہیں کر لیتی، حکومت برطانیہ منظوری نہیں دے سکتی۔ اس نے مزید لکھا کہ ''کانگرس کے بغیر مکمل طور پر لیگ کی حکومت موجودہ بندوبست کی نسبت کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو گی اور خاص طور پر اس حالت میں جب کہ جناح نے طویل المیعاد منصوبے کی ابھی منظوری نہیں دی ہے۔''[55] حکومت برطانیہ کسی قیمت پر کانگرس کو ناراض کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ لیگ کے بغیر تو گزارہ کر سکتی تھی لیکن کانگرس کی علیحدگی اسے گوارا نہیں تھی۔

لیگ کے لئے مخصوص 5 نشستوں میں سے 3 پر کانگرس کا قبضہ تھا اور بقیہ 2 پر بھی اسے نامزدگی کا حق حاصل تھا تا آنکہ لیگ شمولیت کا فیصلہ نہ کرے۔ پیتھک لارنس کی جانب سے اب بھی یہ معاملہ کانگرس کی صوابدید پر چھوڑا گیا تھا کہ وہ لیگ کے نامزد ارکان کو منظور کرے اور ان کی جگہ بنانے کے لئے اپنے 3 ارکان کو سبکدوش کرے بصورت دیگر حکومت برطانیہ لیگ کے

ارکان کومنظوری دینے پر آمادہ نہ تھی۔

تاہم کانگرس نے 15 راکتوبر کو طوعاً و کرہاً لیگ کے لئے نشستیں خالی کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی اور نہرو نے ویول کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ ہم نے اپنے تین ارکان کو سبکدوش کرنے فیصلہ کر لیا ہے۔ ان میں سرت چندر بوس، سر شفاعت احمد خاں اور سید علی ظہیر شامل ہیں۔ گویا ایک تیسرے مسلمان رکن آصف علی کو برقرار رکھا گیا اور اس کی خاطر ایک ہندو یعنی سرت چندر بوس کو ہٹا دیا گیا کہ اب کانگرس کے پاس اپنے کوٹے کی مخصوص 6 نشستیں ہی تھیں۔ حکومت برطانیہ کی منظوری کے بعد 15 راکتوبر کو عبوری حکومت کی تشکیل نو کا اعلان کر دیا گیا جس میں لیگ کے 5 نوواردوں کے علاوہ کانگرس کی 6 نشستوں پر نہرو، پٹیل، راجندر پرشاد، راج گوپال اچاریہ، آصف علی اور جگ جیون رام اور اقلیتوں کی نشستوں پر کہ وہ بھی کانگرس نے ہی نامزد کی ہوئی تھیں بلدیو سنگھ (سکھ) جان متھائی (عیسائی) اور بھابھا (پارسی) حسب سابق برقرار رہے۔ محکموں کی تقسیم نو کا معاملہ ابھی زیر غور تھا۔

محکموں کی تقسیم پر بھی لیگ۔ کانگرس تضاد کی نمود

چار محکموں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ خارجہ امور، دفاع، داخلہ اور خزانہ۔ ان میں سے امور خارجہ نہرو کے پاس اور داخلہ پٹیل کے پاس تھا جب کہ دفاع بلدیو سنگھ اور خزانہ جان متھائی کے پاس تھا۔ مؤخر الذکر دو کا تعلق اقلیتوں کے ساتھ تھا۔ 15 راکتوبر کو نہرو نے ویول کو کابینہ میں ردوبدل کے متعلق جو خط لکھا اس میں محکموں کی تقسیم کے متعلق اپنے مؤقف سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''یہ نامناسب ہوگا کہ چھوٹی اقلیتوں کے نمائندوں کی تحویل میں دیئے گئے محکموں میں ردوبدل کیا جائے۔ وہ اچھا کام کر رہے ہیں اور ان میں تبدیلی نامناسب ہو گی۔'' اس نے مزید لکھا کہ سردار ولبھ بھائی پٹیل کے پاس اس وقت جو محکمہ ہے وہ بھی ان کے پاس رہنا چاہیے۔ اگر مسلم لیگ شروع میں ہی شریک ہو جاتی تو اور بات تھی، اب اگر پٹیل کا محکمہ تبدیل کیا گیا تو بڑا ناواجب ہوگا۔ اگر ایسا کیا گیا تو ممکن ہے وہ حکومت میں ہی نہ رہے اور اپنے متعلق اس نے کہا کہ میں بہرصورت امور خارجہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔''[56] گویا وہ مسلم لیگ کو کوئی اہم محکمہ دینے پر تیار نہیں تھا۔ ادھر ویول نے جناح کے ساتھ یہ وعدہ کر رکھا تھا

کہ وہ دونوں پارٹیوں میں اہم محکموں کی جائز مساویانہ تقسیم کرے گا۔

16 / اکتوبر کو ویول نے پٹیل کے ساتھ ملاقات کی اور اس سے ذکر کیا کہ مسلم لیگ کو اہم چار محکموں میں سے ایک محکمہ ضرور ملنا چاہیے اور اس پر پٹیل نے برجستہ کہا کہ اگر ایسا ہوا تو میں نہ صرف محکمہ داخلہ سے دستبردار ہو جاؤں گا بلکہ حکومت ہی چھوڑ جاؤں گا۔ ویول نے جواب میں کہا کہ معاملات کو طے کرنے کا یہ جذبہ نہیں ہوتا۔"[57] 20 / اکتوبر کو پٹیل نے وائسرائے کے نام خط بھیجا جس کا متن گاندھی نے تیار کیا تھا۔ اس میں کہا گیا کہ "کیا عبوری حکومت پارٹی پالیٹکس اور سازشوں کا اکھاڑہ ہوگی اور تقسیم کے اس دوراہے پر لے آئے گی جسے طویل المیعاد منصوبے میں ہمیشہ کے لئے رد کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ گرد پنگ نے لے لی ہے۔"[58]

22 / اکتوبر کو ویول نے جناح کے ساتھ ملاقات کی۔ وہ عبوری حکومت کے ساتھ ساتھ طویل المیعاد منصوبے کو منظور کرنے کے لئے بھی جناح پر دباؤ برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان سے کہا کہ وہ طویل المیعاد منصوبے کو دوبارہ منظور کرنے کے لئے مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس کب طلب کر رہے ہیں۔ جناح نے جواب دیا کہ اس کے لئے پندرہ روز کا نوٹس ضروری ہوتا ہے لیکن بعض امور پر ابھی میری تسلی ہونا باقی ہے۔ اس پر ویول نے جناح سے کہا کہ آپ نے بی۔ این راؤ سے رابطہ ہی نہیں رکھا ورنہ اس سمت میں کافی کام ہو چکا ہوتا۔ جناح کے پس و پیش سے ویول نے اندازہ لگایا کہ سارا مسئلہ اس بات میں مضمر ہے کہ آیا سیکشن اپنے صوبوں کا آئین وضع کرے گا یا نہیں؟۔ ویول نے عبوری حکومت کے بارے میں جناح کو ایک مرتبہ پھر یہ یقین دہانی کرائی کہ مسلم لیگ کو تین اہم محکموں یعنی خارجہ، دفاع اور داخلہ میں سے ایک ضرور دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں صنعت وتجارت اور سپلائیز کا محکمہ بھی دینے کی یقین دہانی کرائی گئی۔[59]

22 / اکتوبر کو ویول نے نہرو کے نام خط میں اس بات پر زور دیا کہ لیگ کو امور خارجہ، داخلہ اور دفاع میں سے کوئی ایک محکمہ ضرور دینا ہوگا۔ اسی روز ویول اور نہرو کے مابین اس مسئلے پر ملاقات ہوئی۔ نہرو بدستور اپنے مؤقف پر اڑا رہا کہ کانگرس ان میں سے کسی محکمے سے بھی دستبردار نہ ہوگی۔ 23 / اکتوبر کو ویول نے پیتھک لارنس کو ایک مراسلے کے ذریعے محکموں کے بارے میں کانگرس کی ہٹ دھرمی کے رویے سے آگاہ کیا اور لکھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس اپنی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے کہ اب بھی لیگ کو حکومت میں نہ

آنے دیا جائے۔"[60]

23/ اکتوبر کو نہرو نے ویول کے نام خط میں کانگرس کا مؤقف واضح کرتے ہوئے لکھا کہ متذکرہ تین محکموں میں کسی قسم کا ردو بدل انتہائی نامناسب ہوگا۔ وہ ان اہم محکموں میں سے کوئی بھی لیگ کو دینا نہیں چاہتے تھے۔ اس نے لیگ کے لئے جو محکمے تجویز کئے ان میں تعلیم، صحت، ڈاک وتار و ہوائی سروس، تعمیرات، کان کنی اور بجلی کے علاوہ قانون شامل تھے۔ نہرو نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ لیگ کو 16/ مئی کا طویل المیعاد مشن منصوبہ فوری تسلیم کرنا چاہیے جو وہ پہلے منظور اور پھر نامنظور کر چکی ہے۔ اسی روز ویول نے نہرو کے جواب میں ایک بار پھر متذکرہ تین میں سے ایک محکمہ لیگ کو دیئے جانے پر زور دیتے ہوئے کہا کہ جناح کو بتایا جا چکا ہے کہ لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت طویل المیعاد منصوبے کی منظوری کے ساتھ مشروط ہے، لیگ کو 16/ مئی کا مشن منصوبہ جس کی وضاحت مشن کے 25/ مئی کے بیان میں کی گئی ہے، منظور کرنا ہو گا۔ جواب میں نہرو نے اسی روز لکھا کہ وزارتی مشن کی 25/ مئی کی وضاحت کانگرس کو قابل قبول نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اس وضاحتی بیان میں طویل المیعاد منصوبے کی تعبیر کرتے ہوئے گروپنگ کو اس کا لازمی حصہ قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے نہرو نے لکھا کہ 16/ مئی کا وزارتی مشن منصوبہ ایک ایسی دستاویز ہے کہ جس کی بعد ازاں کی گئی تعبیر وتشریح سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تعبیر کے معاملے پر اختلاف کو طے کرانے کے لئے فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنا ہو گا۔ ہم اسی بنیاد پر عبوری حکومت میں شامل ہوئے ہیں اور اسی بنیاد پر ہماری شمولیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ہماری اس حیثیت میں کوئی تبدیلی وقوع پذیر نہیں ہوئی ہے۔ محکموں کے متعلق اپنا مؤقف دہراتے ہوئے نہرو نے دفاع، امور خارجہ اور داخلہ سے دستبردار ہونے کا امکان بالکل رد کر دیا۔ تاہم بادل ناخواستہ خزانہ کا محکمہ لیگ کو دینے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ جس پر ایک ہندوستانی عیسائی جان متھائی اقلیتوں کے کوٹے پر کام کر رہا تھا۔ نہرو نے تجویز کیا کہ محکموں میں ردو بدل مرکزی اسمبلی کے اجلاس کے بعد عمل میں لایا جائے جو اکتوبر کے اواخر میں شروع ہونے والا تھا۔ گویا لیگ کی شمولیت کو ہر ممکن حد تک ٹالنے اور اس میں رخنہ اندازی کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔

نہرو کے خط کے جواب میں 24/ اکتوبر کو ویول نے لکھا کہ خزانہ کی وزارت کے لئے

خصوصی نوعیت کی قابلیت درکار ہوتی ہے اور متھائی ایک ماہر کی حیثیت سے اس عہدے پر صحیح کام کر رہا ہے اور اس سے میں، آپ اور جناح تینوں مطمئن ہیں اس لئے اسے نہ چھیڑا جائے، وزارت داخلہ پٹیل سے لے کر لیگ کو دے دی جائے۔ پٹیل کے بارے میں اس کی تجویز تھی کہ اسے تعمیرات، کان کنی اور بجلی کا محکمہ دے دیا جائے۔ نہرو نے اس کا فوری جواب دیتے ہوئے ویول کو لکھا کہ اگر محکمہ داخلہ پٹیل سے لے کر لیگ کو دے دیا گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ پٹیل آپ پر بھی واضح کر چکا ہے اور ہمیں بھی اس نے بتادیا ہے کہ اس صورت میں وہ حکومت سے بالکل ہی مستعفی ہو جائے گا۔ آپ جو بھی فیصلہ کریں اس بات کو ذہن میں رکھیں۔ ہم اس معاملے میں پٹیل کے ساتھ پوری طرح متفق ہیں اور اس کے بغیر ہم بھی حکومت میں رہنا گوارا نہیں کریں گے۔[61]

ویول نے اس صورت حال کے بارے میں پیتھک لارنس کو آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ ممکن ہے کہ دھونس ہو۔ لیکن اگر ان کا یہ رویہ برقرار رہا تو میں تعطل سے بچاؤ کی ہر تدبیر کروں گا، ان سے درخواست کروں گا کہ اگر داخلہ نہیں تو دفاع کا محکمہ چھوڑ دیں اور بالآخر لیگ سے درخواست کروں گا کہ وہ خزانہ قبول کر لے۔ ''لیکن اگر یہ واضح ہو گیا کہ کانگرس ہر قیمت پر لیگ کو حکومت سے باہر رکھنا چاہتی ہے تو پھر مجھے آپ سے مشورہ کے لئے وطن آنا پڑے گا۔''

24 راکتوبر کو نہرو نے کانگرس مجلس عاملہ کے حتمی فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے ویول کو لکھا کہ ''جیسے کہ آپ نے تجویز کیا ہے، اگر اس فیصلے کو ہماری مرضی کے خلاف ہم پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم حکومت میں شامل نہیں رہ سکیں گے۔''[62]

محکموں کی تقسیم کے معاملے میں کانگرس کی ہٹ دھرمی میں دراصل اس کی بدنیتی کو دخل تھا کہ وہ لیگ کو کسی طرح حکومت سے باہر رکھنے یا حکومت میں لاکر اسے ناکام کرنے کی خواہاں تھی۔ خزانہ کا قلمدان لیگ کے سپرد کرنے پر اس لئے آمادگی ظاہر کی گئی تھی کہ اس میں ماہرانہ قابلیت درکار ہوتی ہے جو لیگ کے مجوزہ ارکان میں سے کسی کے پاس نہیں تھی۔

ابوالکلام آزاد محکموں کی تقسیم کے بارے میں کانگرس مجلس عاملہ کے اندر ہونے والی بحث کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ''......رفیع احمد قدوائی نے تجویز کیا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم مسلم لیگ کو خزانہ کے محکمے کی پیش کش کر دیں۔ اگرچہ بلاشبہ یہ بہت اہم محکمہ ہے لیکن اس کے

لئے بہت اعلیٰ تکنیکی مہارت درکار ہے اور لیگ کا کوئی رکن بھی اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا۔ قدوائی کا خیال تھا کہ اس محکمے کی تکنیکی نوعیت کی وجہ سے لیگ اسے قبول نہیں کرے گی۔ اگر بصورت دیگر لیگ کے نامزد رکن نے یہ محکمہ قبول بھی کر لیا تو وہ اس میں جلد ہی احمق ثابت ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کا خیال تھا کہ دونوں صورتوں میں کانگرس کو فائدہ رہے گا۔ سردار پٹیل اس تجویز پر اچھل پڑا اور اس کی بھرپور تائید کی۔ میں نے اس جانب توجہ دلانے کی کوشش کی کہ خزانہ کو حکومت میں کلیدی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور اگر خزانہ لیگ کی تحویل میں دے دیا گیا تو ہمیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سردار پٹیل نے میری بات کو رد کرتے ہوئے کہا کہ لیگ خزانہ کا انتظام نہیں چلا سکتی اس لئے وہ اس پیشکش کو مسترد کر دے گی۔ میں اس فیصلے سے خوش نہیں تھا لیکن چونکہ سب اس پر متفق تھے اس لئے میں نے بھی اتفاق کر لیا۔''[63]

ادھر چوہدری محمد علی جو اس وقت وزارت خزانہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا، لکھتا ہے کہ جب جون 1946ء میں پہلی مرتبہ عبوری حکومت کی تشکیل کا امکان پیدا ہوا تھا تو قائداعظمؒ جناح نے محکموں کے بارے میں مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا۔ وہ خود داخلہ اور دفاع کے حق میں تھے۔ میں نے رائے دی تھی کہ نظم و نسق اور پولیس وغیرہ بنیادی طور پر صوبائی شعبہ ہے جس پر مرکز کو بہت کم اختیار ہوتا ہے۔ کانگرسی صوبائی حکومتیں مسلم لیگی وزیر داخلہ کو خاطر میں نہ لائیں گی جب کہ مسلم لیگ صوبائی وزارتوں کو اس کی ویسے ہی ضرورت نہیں ہوگی۔ دفاع البتہ بہتر محکمہ ہے۔ لیکن اگر لیگ، حکومت کے ہر محکمے کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونا چاہتی ہے تو اسے خزانہ کا محکمہ لینا چاہیے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''میں اس وقت ان کو خزانہ کی کلیدی اہمیت کا قائل نہیں کر سکا تھا۔ لیکن اب حالات نے عملاً خزانہ کا قلمدان لیگ کے سر پر ڈال دیا تھا۔ اب مجھ سے پھر مشورہ طلب کیا گیا تو میں نے اپنے مشورے کو زیادہ زوردار انداز میں دہرایا۔ لیاقت علی خاں جو کابینہ میں مسلم لیگ کا اعلیٰ نمائندہ تھا اور خزانے کا محکمہ اسی کے سپرد کیا جانا تھا، اسے قبول کرنے میں انتہائی تامل سے کام لے رہا تھا۔ میں نے اپنی خدمات اس کے حوالے کر دیں اور اسے اور قائداعظم کو کامیابی کا یقین دلایا۔ چنانچہ پیشکش قبول کر لی گئی اور لیاقت علی خاں وزیر خزانہ بن گیا۔ اس روز سے میں کابینہ میں مسلم لیگ بلاک کے غیر سرکاری مشیر کے طور پر کام کرنے لگا۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کیونکہ بہت سے ہندو اعلیٰ حکام اسی حیثیت میں

کانگرسی بلاک کے لئے کام کر رہے تھے۔''[64]

اس پس منظر میں 24/اکتوبر کو جناح نے ویول کے ساتھ ملاقات میں کانگرس اور ویول کی خلاف توقع خزانہ کا محکمہ قبول کر لیا۔ تجارت کا محکمہ پہلے ہی کانگرس کی مرضی سے لیگ کے لئے طے ہو چکا تھا۔ اب تعمیرات، کان کنی اور بجلی جو کہ ایک ہی محکمے کے طور پر لیا جا رہا تھا، کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ویول کی رائے تھی کہ یہ محکمہ جان متھائی کو جس سے کہ خزانہ لیا گیا تھا، دے دیا جائے ورنہ بصورت دیگر یہ محکمہ بھی لیگ کو دیا جائے۔ 24/اکتوبر کو ویول نے نہرو کو اپنے اس خیال سے آگاہ کر دیا تھا۔ 25/اکتوبر کو نہرو نے ایک خط کے ذریعے یہ محکمہ سی۔ ایچ۔ بھابھا کو اور صنعت وسپلائز متھائی کو دیئے جانے کا مطالبہ کر دیا۔ 25/اکتوبر کا تمام دن اسی لے دے میں گزرا۔ ویول نے اپنے معاون جارج ایبل کو نہرو کے پاس بھیجا کہ بھابھا کو ڈاک وتار وفضائیہ یا صحت دے دیا جائے۔ لیکن نہرو نہ مانا۔ پھر ویول نے خود نہرو کو بلا کر اس معاملے پر بات کی جو بے نتیجہ رہی تاہم نہرو نے کہا کہ میں اپنے رفقاء سے مشورہ کروں گا۔ لیکن مشورے کے بعد بھی کانگرس کے متذکرہ فیصلے میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ بالآخر ویول نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنے نائب معاون آئی۔ ڈی۔ سکاٹ کو جناح کے پاس ان پانچ محکموں کی فہرست دے کر بھیجا، خزانہ، تجارت، ڈاک وتار وفضائیہ، صحت اور قانون۔ جناح نے اگرچہ محکموں کی اس تقسیم کو غیر مساویانہ قرار دیا لیکن اس فہرست کو قبول کر لیا۔

26/اکتوبر کو لیگ اور کانگرس کی 14 رکنی مخلوط عبوری حکومت نے حلف اٹھالیا۔ محکمے اس طرح تقسیم ہوئے۔ کانگرس کے جواہر لعل نہرو (امور خارجہ)، ولبھ بھائی پٹیل (داخلہ)، راجندر پرشاد (خوراک وزراعت)، جگ جیون رام (محنت)، آصف علی (ٹرانسپورٹ وریلوے)، راج گوپال اچاریہ (تعلیم وفنون)۔ اقلیتوں کے بلدیو سنگھ (دفاع)، جان متھائی (صنعت وسپلائز)، سی ایچ بھابھا (تعمیرات کان کنی وبجلی)۔ لیگ کے لیاقت علی خاں (خزانہ)، سردار عبدالرب نشتر (ڈاک وتار وفضائیہ)، آئی۔ آئی چندریگر (تجارت)، راجہ غضنفر علی خاں (صحت) اور جوگندر ناتھ منڈل (قانون)۔ اتنی لے دے کے بعد بالآخر محکموں کی تقسیم وہی قرار پائی جو کہ کانگرس نے چاہی تھی۔

اس لے دے سے بھی وہ جدل نمایاں طور پر واضح ہوئی جو کانگرس کی جانب سے مکمل

غلبہ حاصل کر کے لیگ کو تباہ کرنے اور لیگ کی طرف سے اس کا توڑ کرنے کے مابین ہو رہی تھی۔ ہندو بورژوا، مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم کو کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ مخلوط حکومت میں لیگ کی شمولیت انگریزوں کی مجبوری تھی کہ وہ ہر قیمت پر فرقہ وارانہ امن برقرار رکھنے اور ہندوستان کو متحد رکھنے کے بعد یہاں سے رخصت ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مخلوط حکومت جن مراحل سے گزر کر عمل میں آئی تھی اس کے نتیجے میں ہندو مسلم تضاد میں کمی کے بجائے مزید شدت پیدا ہوئی تھی۔

عبوری حکومت کی تشکیل پر لیگ۔ کانگرس تضاد میں برطانوی حکومت نے ہمیشہ کانگرس کا ساتھ دیا تھا

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ برطانوی حکومت، عبوری حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں ابتدا ہی سے کانگرس کے دباؤ کے تحت اس کی جانبداری کر رہی تھی۔ 16 مئی کو وزارتی مشن کے منصوبے کے اعلان کے فوراً بعد وائسرائے ویول نے جناح کو یقین دلایا تھا کہ اس منصوبے کی قلیل المیعاد تجویز کے مطابق اس کی ایگزیکٹو کونسل 12 ارکان پر مشتمل ہو گی جس میں کانگرس کے پانچ، مسلم لیگ کے پانچ اور اقلیتوں کے دو نمائندے شامل ہوں گے۔ جب گاندھی اور دوسرے کانگرسی لیڈروں نے وائسرائے کے اس وعدے پر اعتراض کیا اور کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان مساوی نمائندگی کے اصول (پیریٹی) کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو پھر وائسرائے نے یہ پیشکش کی تھی کہ ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کی تعداد 12 کی بجائے 13 ہو گی جس میں کانگرس کے چھ، مسلم لیگ کے پانچ اور اقلیتوں کے دو نمائندے شامل ہوں گے۔ جب کانگرس نے یہ تجویز بھی منظور نہ کی تو وزارتی مشن نے 16 رجون کو از خود اعلان کر دیا تھا کہ ایگزیکٹو کونسل کے چودہ ارکان ہوں گے جن میں چھ کانگرس کے، پانچ مسلم لیگ کے اور تین اقلیتوں کے نمائندے ہوں گے۔ اس کا مزید اعلان یہ تھا کہ اگر دونوں بڑی پارٹیوں میں سے کسی ایک نے یہ پیش کش قبول نہ کی تو دوسری پارٹی کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دے دی جائے گی۔ مگر جب کانگرس نے یہ تجویز بھی اس بنا پر مسترد کر دی کہ اس کے تحت کانگرس کو کسی نیشنلسٹ مسلمان کو نامزد کرنے کا حق نہیں دیا گیا تھا۔ کرپس اور پیتھک لارنس نے 24 رجون کو

گاندھی اور پٹیل کو خفیہ طور پر یہ یقین دلا دیا تھا کہ اگر کانگرس نے عبوری حکومت کی تشکیل کی تجویز مسترد کر دی تو مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت نہیں دی جائے گی۔ ان کا یہ خفیہ وعدہ ان کے 16 رجون کے اعلان کے منافی تھا۔ جب 25 رجون کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کی جانب سے عبوری حکومت کی تجویز مسترد کئے جانے کے بعد جناح نے مطالبہ کیا تھا کہ 16 رجون کے اعلان کے مطابق مسلم لیگ کو عبوری حکومت بنانے کی اجازت دی جائے تو اس کے مطالبے کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن 12 راگست کو وائسرائے نے حکومت برطانیہ کی ہدایت کے مطابق مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے کانگرس کو عبوری حکومت کی تشکیل کرنے کی دعوت دے دی تھی۔

واقعات کی اس رفتار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ کانگرس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ تھی اور اس پر مسلم لیگ نوازی کا الزام سراسر بے بنیاد تھا۔ برطانوی سامراج کا مفاد یہ تھا کہ وہ برصغیر سے دستبرداری کے موقع پر سب سے بڑے ہندو فرقے اور سب سے بڑی پارٹی کانگرس کی خوشنودی حاصل کرے۔ سامراج کے عالمی کاروبار سیاست میں یہ ایک سیدھا سادا حساب کا سوال تھا۔ حکومت برطانیہ تقریباً نو کروڑ مسلمانوں اور ان کی جماعت مسلم لیگ کی خاطر 30 کروڑ سے زائد ہندوؤں اور ان کی جماعت کانگرس کی دائمی خفگی کا خطرہ مول لے نہیں سکتی تھی۔ ماضی میں برصغیر میں اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے ان دونوں فرقوں کے بارے میں اس کا رویہ خواہ کچھ ہی رہا تھا لیکن یہاں سے روانگی کے موقع پر اسے ہندو اکثریت کی ''اعتدال پسند'' قیادت کے تعاون اور اشتراک عمل کی سخت ضرورت تھی۔

باب: 3

ہندو بورژوا کے علاقائی عزائم
اور زوال پذیر برطانوی سامراج کی مصلحت

ہندوستان کو بحر الکاہل سے مشرق وسطیٰ تک کے علاقے پر بالا دست قوت بنانے کا نہرو کا خواب

عالمی جنگ کے اواخر میں فاشزم کی پسپائی کے ساتھ ساتھ دنیا میں طاقت کا جو نیا توازن ابھر رہا تھا اس میں سوویت یونین اور امریکہ دو بڑی عالمی طاقتوں کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ برطانیہ، فرانس اور یورپ کی دوسری سامراجی طاقتیں اپنا عالمی کردار ادا کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ سلطنت برطانیہ جس میں کبھی سورج غروب نہ ہوتا تھا، اب اپنے زوال کے دہانے پر تھی اور اس کا بوریا بستر لپیٹا جا رہا تھا۔ ان حالات میں ایشیا میں اس کے وسیع و عریض مقبوضات پر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے والوں میں ہندو بورژوا بھی پیش پیش تھا۔ انگریزوں کا متحد کردہ برصغیر تو وہ پورے کا پورا اپنی جھولی میں آیا سمجھتا ہی تھا، لیکن اس کے عزائم خلیج فارس سے بحر الکاہل کے ساحلوں تک غلبہ حاصل کرنے کے تھے۔ جواہر لال نہرو نے اپنی تصنیف 'ڈسکوری آف انڈیا' جسے 1944ء میں تحریر اور 1945ء کے اواخر میں شائع کیا گیا، میں جا بجا اس قسم کے عزائم کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "مستقبل میں بحر الکاہل دنیا کے مرکز اعصاب کی حیثیت سے بحر اوقیانوس کی جگہ لے لے گا۔ اگرچہ ہندوستان بحر الکاہل کا ملک نہیں ہے لیکن یہ وہاں لازماً اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے گا۔ ہندوستان بحر ہند کے علاقے میں بھی

جنوب مشرقی ایشیا سے لے کر مشرق وسطیٰ تک معاشی اور سیاسی سرگرمی کے مرکز کی حیثیت سے ابھرے گا۔ اس کے محل وقوع نے اسے دنیا کے ایک ایسے علاقے میں معاشی اور جنگی اہمیت دلوادی ہے کہ یہ بہت تیزی سے ترقی کرے گا۔ اگر بحر ہند کے ساحلوں پر ہندوستان کے دونوں جانب واقع ملکوں کی علاقائی گروپنگ تشکیل دی جائے تو اس میں ایران، عراق، افغانستان، سیلون (سری لنکا) برما، سیام اور جاوا وغیرہ شامل ہوں گے اور اقلیتی مسائل یا تو بالکل غائب ہو جائیں گے یا ان کا ایک بالکل مختلف پیرائے میں جائزہ لیا جائے گا۔"[1]

وہ انفرادی ممالک کا قومی وجود برقرار رکھنے کے حق میں نہیں تھا بلکہ ان کو ملا کر ایک وسیع وعریض ملک وجود میں لانے کا قائل تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "آج کل قومی مملکت ایک بہت چھوٹا یونٹ ہے، چھوٹے ملکوں کا آزاد وجود نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اس میں بھی شبہ ہے کہ بڑی قومی مملکتیں حقیقی آزادی کی حامل ہو سکتی ہیں۔ قومی مملکت کی بجائے کثیر الاقوام مملکت یا بڑے وفاق جگہ لے رہے ہیں۔"[2] اس ضمن میں اس نے سوویت یونین اور امریکہ کی مثالیں دیں۔ دراصل وہ ہندو بورژوا کی قیادت میں ہندوستان اور اس کے گردونواح کے ممالک کے وفاق پر مبنی عالمی طاقت بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔

اگست 1945ء میں اس نے کشمیر میں تقریر کرتے ہوئے کہا "کل کی دنیا میں چھوٹے ملکوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ وہ ناگزیر طور پر ایک طفیلی ریاست کی حیثیت اختیار کر جائیں گے...... میں ہندوستان، عراق، ایران، افغانستان اور برما پر مشتمل ایک جنوب ایشیائی وفاق بنانے کے حق میں ہوں۔"[3] اس وفاق میں غالب اور مرکزی حیثیت ہندوستان کی تھی جس کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ "ہندوستان فضائی سفر کا ایک عظیم عالمی مرکز بن جائے گا۔ ہندوستان کا ریل کا رابطہ ایک جانب مغربی ایشیا اور یورپ کے ساتھ ہوگا تو دوسری طرف برما اور چین کے ساتھ ہوگا۔"[4]

مستقبل کا نقشہ بناتے وقت وہ اپنے پیش نظر اس حقیقت کو بھی رکھتا تھا کہ جنگ کے بعد امریکہ اور سوویت یونین دنیا کے نقشے پر دو بڑی عالمی طاقتوں کی حیثیت سے ابھریں گے۔ سوویت یونین کے متعلق اس کا کہنا تھا کہ "یہ جنگ سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ غریب ہو گیا ہے کیونکہ اسے شدید تباہ کاری سے گزرنا پڑا ہے۔ لیکن اس کی صلاحیتیں لامحدود ہیں اور یہ تیزی

سے ترقی کر کے آگے نکل جائے گا۔ مادی اور معاشی اعتبار سے یورپ اور ایشیا میں کوئی اس کے مقابل نہ لڑ سکے گا۔ وہ پہلے ہی توسیع پسندانہ رجحانات ظاہر کر رہا ہے اور تقریباً زار کی سلطنت کے طور پر وہ اپنے علاقے میں وسعت پیدا کر رہا ہے۔'' تاہم اس کا خیال تھا کہ ''ہر صورت میں سوویت یونین کو جنگ کی تباہ کاریوں کی درستگی میں ابھی کئی سال لگ جائیں گے۔ لیکن پھر بھی توسیع کا رجحان اگر علاقے کی صورت میں نہیں تو کسی اور صورت میں ضرور ظاہر ہوگا۔''[5] جس سے اس کی مراد تھی کہ اگر فی الحال سوویت یونین کو علاقے حاصل کرنے کی فرصت نہ ملی تو بھی اس کے نظریات کا گردونواح پر گہرا اثر ہوگا۔ آگے چل کر اس نے مزید لکھا کہ ''سوویت یونین کی مستقبل کی پالیسی ابھی صیغۂ راز میں ہے لیکن.... اس کا مقصد اپنے ہمسائے میں زیادہ سے زیادہ ملکوں کو اپنا دوست اور دست نگر یا نیم دست نگر بنا رکھنا ہے۔''[6]

امریکہ کے متعلق اس کی رائے تھی کہ اس کی عظیم پیداوار اور تنظیمی صلاحیت نے دنیا کو حیران کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ امریکہ نے بے تحاشہ وافر مقدار میں مشینری پیدا کر ڈالی ہے جس کی کھپت اس کے لیے ایک بڑا مسئلہ ہے۔ لیکن جنگ کے بعد کئی سال تک یورپ، چین اور ہندوستان کو مشینری اور مصنوعات کی شدید ضرورت رہے گی۔ یہاں امریکہ کو اپنا مال اور مشینری کھپانے کا موقع ہاتھ آ جائے گا۔ امریکہ میں یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ نو آبادیاتی ممالک میں صنعتوں کے فروغ اور سیلف گورنمنٹ کے ذریعے ان کی قوت خرید میں اضافہ کیا جائے۔ وہ ایشیا کے کروڑوں عوام کو صنعت یافتہ کرنا چاہتا ہے اور ان کا معیار زندگی بڑھانا چاہتا ہے۔ ان سے جذباتی وابستگی کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے وافر مال کی کھپت کی خاطر۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندوستان اور دوسرے ایشیائی ممالک کا صنعت یافتہ ہونا اب ایک ناگزیر عمل ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اس کی رفتار کیا ہوگی۔ اس کے خیال میں اس مقصد کے لئے امریکی کھلی مارکیٹ چاہتے ہیں۔ جب کہ برطانیہ اپنی معیشت کو سنبھالنے کی خاطر اپنی اجارہ داریاں برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے امریکہ اور برطانیہ کے برآمدی اور سمندر پار تجارتی مفادات میں ٹکراؤ ناگزیر ہے۔ اس نے برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ڈومینین حیثیت کے حامل آزاد ملکوں یعنی کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی مثال دی جن کا برطانیہ کے ساتھ روایتی رابطہ کمزور ہوتا جا رہا تھا اور امریکہ کے ساتھ قریبی گہرے روابط استوار ہو گئے تھے۔ انہوں نے صنعتی اور

معاشی ترقی میں برطانیہ کو مات دے دی ہے اور وہ اب برطانیہ کے یورپی دائرے میں نہیں ہیں، وہ اب بحرالکاہل کے ایشیائی۔ امریکی دائرے میں ہیں جہاں امریکہ کی جانب سے غالب کردار ادا کئے جانے کا امکان ہے۔''[7]

وہ اسی دائرے میں ہندوستان کو بھی ڈومینین کی حیثیت سے صنعت یافتہ دیکھنا چاہتا تھا جس کے لئے وہ برطانیہ کی اجارہ داری توڑ کر عراق سے برما تک دولت مشترکہ کے علاقے پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور وہ یہ سب کچھ دولت مشترکہ کے رکن کی حیثیت سے کرنا چاہتا تھا جیسا کہ کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ نے دولت مشترکہ کے رکن کی حیثیت سے کیا تھا۔ تاہم اسے یہ خدشہ ضرور تھا کہ کہیں امریکہ کسی نئی طرز کے سامراج کی صورت اختیار نہ کر لے۔ مگر وہ لکھتا ہے کہ ''اگر ایسا ہوا تو یہ بڑا المیہ ہوگا کیونکہ امریکہ ہی کے پاس مستقبل کی رفتار متعین کرنے کی قوت اور موقع موجود ہے۔''[8] چنانچہ وہ مستقبل میں امریکہ کی سائنسی، صنعتی و تکنیکی ترقی اور دولت کے پیش نظر اسے ایک رہنما کی حیثیت سے قبول کرتا تھا لیکن وہ مستقبل کے ممکنہ امریکی سامراج کا طفیلی بننا تسلیم نہیں کرتا تھا، وہ امریکہ کی صنعتی اور سائنسی اعانت حاصل کر کے بذات خود مشرق وسطیٰ سے لے کر مشرق بعید تک کے خطے کی ایک غالب طاقت بننا چاہتا تھا اور اس کے اپنے عزائم سامراجی نوعیت کے تھے۔ ان حالات میں جب کہ سوویت یونین ''جنگ کی تباہ کاریوں کی درستگی اور تعمیر نو'' میں مصروف تھا، چین میں چیانگ کائی شیک کو چینی کمیونسٹ پارٹی نے ماؤزے تنگ کی قیادت میں پے در پے پسپائی پر مجبور کر رکھا تھا، جاپان کی کمر پہلے ہی ٹوٹ چکی تھی۔ برطانیہ سمیت سارے یورپی سامراجی ایشیا و افریقہ سے بستر گول کر رہے تھے، ہندو بورژوا پورے ایشیاء کا قائد بننے اور مشرق وسطیٰ سے مشرق بعید تک غالب قوت کی حیثیت سے ابھرنے کا ارادہ رکھتا تھا تا کہ ایک تو سوویت یونین کی ''توسیع پسندی'' کا سد باب ہو سکے اور دوسرے اس وسیع علاقے کے وسائل ہندو بورژوا کی دسترس میں آ سکیں۔

نہرو نے عبوری حکومت کا وزیر خارجہ بنتے ہی اپنے علاقائی عزائم کے لئے کام شروع کر دیا

متذکرہ عزم کی تکمیل کی خاطر ہی نہرو نے وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالا تھا۔

2/ستمبر 1946ء کو نہرو کی عبوری حکومت نے حلف اٹھایا تو دس روز بعد 12/ستمبر کو نہرو نے 32 ایشیائی ملکوں کو نئی دہلی میں 15/فروری اور 31/مارچ 1947ء کے مابین منعقد ہونے والی بین الایشیائی تعلقات کانفرنس میں شرکت کے دعوت نامے جاری کئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ تاثر بھی دینا چاہتا تھا کہ یہ نہ تو سوویت یونین کے خلاف ہے اور نہ ہی امریکہ کے خلاف۔ بلکہ وہ دونوں کو الگ الگ یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ ہندوستان کی نئی قیادت ان کے ساتھ اچھے تعلقات کی خواہاں ہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے لندن میں انڈیا لیگ کے سیکرٹری کرشنا مینن کو غیر سرکاری طور پر اپنا سفیر عمومی مقرر کیا۔ سوویت یونین کے ساتھ تو رابطہ استوار کرنے کی خاطر ہندوستان کے لئے گندم کی سپلائی کا عذر استعمال کیا گیا۔ 23/ستمبر کو نہرو نے کرشنا مینن کو جو کہ ابھی ہندوستان میں اس سے ملاقات کرنے کے بعد لندن پہنچا تھا، ہدایت بھیجی کہ وہ ہندوستان کے لئے گندم کی سپلائی کے سلسلے میں پیرس میں سوویت وزیر خارجہ مولوٹوف سے جا کر ملاقات کرے۔ یاد رہے کہ ان دنوں پیرس میں ان 21۔ممالک کی امن کانفرنس ہو رہی تھی جنہوں نے فاشسٹوں (محور) کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا اور مولوٹوف اس سلسلے میں پیرس میں تھا۔ نہرو نے کرشنا مینن کے ذریعے مولوٹوف کو پیغام بھیجا کہ غذائی قلت کا مقابلہ کرنے کے لئے گندم مہیا کی جائے۔ اس دوران 25/ستمبر کو ویول بنام پیتھک لارنس ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم لیگی رہنما یوسف ہارون (سندھ) بھی مسلم لیگ کا مؤقف پیش کرنے اور روسیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے پیرس میں مولوٹوف سے ملاقات کے لئے تگ و دو کر رہا تھا۔ یہ ملاقات ہوئی یا نہیں اور اس میں کیا تبادلۂ خیال ہوا اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ 4/اکتوبر کو پیتھک لارنس بنام ویول خط سے ظاہر ہوا کہ یوسف ہارون کو اس مشن میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ویسے بھی یہ کوشش یوسف ہارون کی جانب سے ذاتی حیثیت میں کی گئی تھی۔ لیگی حلقوں نے اس کوشش کی مخالفت کی تھی۔ [9]

ادھر کرشنا مینن نے مولوٹوف کے ساتھ پیرس میں دو گھنٹے تک ملاقات کی اور نہرو کا پیغام پہنچایا۔ بعد ازاں نہرو نے مرکزی قانون ساز اسمبلی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے مینن کو پیرس میں مولوٹوف کے پاس عبوری حکومت کی جانب سے تہنیت کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ نیز یہ کہ وہ روس سے خوراک کی سپلائی کے سلسلے میں درخواست کرے

اور سفارتی نمائندوں کے تبادلے کے بارے میں بات چیت کرے۔"[10] اس وضاحت کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ کرشنا مینن کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں تھی۔ اسے نہرو نے ذاتی حیثیت میں اپنا سفیر عمومی بنا کر سوویت یونین کے علاوہ امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک کے ساتھ روابط قائم کرنے پر مامور کیا تھا۔ اس سے پیشتر بھی مینن 1935ء سے لندن میں کانگرس کے "سفیر" کے طور پر کام کر رہا تھا۔

برطانوی حکومت کی مرضی سے نہرو نے سوویت یونین کے ساتھ رابطہ استوار کیا

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ نہرو کے اس اقدام کو برطانوی حکومت کی رضامندی حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لیبر حکومت اب چیزوں کو اس انداز سے دیکھ رہی تھی کہ برصغیر سے انگریز نکل چکے ہیں اور مشرق وسطیٰ سے لے کر مشرق بعید تک مسلح انقلابی تحریکوں کا زور ہے۔ ان حالات میں ہندو بورژوا کی قیادت میں اس خطے کو روس کی "توسیع پسندی" سے تحفظ حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کا "غیر جانب دار" جنوب ایشیائی وفاق جو عراق سے برما تک محیط تھا، ایک جانب روس اور دوسری جانب چینی کمیونسٹ پارٹی اور مشرق بعید کی کمیونسٹ تحریکوں سے بچاؤ کا سامان مہیا کرتا تھا۔ چنانچہ وہ ہندو بورژوا کو اس علاقے میں اپنا حقیقی جانشین بنا کر رخصت ہونا چاہتے تھے۔ ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ تین بڑوں کی وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں اور پیرس کی امن کانفرنس میں بعد از جنگ حلقہ ہائے اثر کی نئی حد بندی کے اوپر جو سودے بازی ہو رہی تھی اس میں اینگلو امریکی بلاک ہندوستان کو آزاد اور خود مختار ملک قرار دے کر اسے سودے بازی میں شمار ہی نہیں کرتا تھا۔ وہ مشرق وسطیٰ اور بحیرہ روم کے خطے میں سوویت یونین کے دعوؤں کے جواب میں اپنے دعوے برقرار رکھے ہوئے تھا اور کچھ لو اور کچھ دو اسی خطے میں کرنا چاہتا تھا۔

ہندو بورژوا اپنی کمال منافقت کے ساتھ سوویت قیادت کو یہ تاثر دینے کی کوشش میں تھا کہ حکومت ہندوستان کی نئی قیادت سوویت یونین سے دوستانہ روابط کی خواہاں ہے اور برطانیہ، امریکہ اور سوویت یونین کے ساتھ یکساں روابط استوار کرنا چاہتی ہے۔ جب کہ حقیقت

یہ تھی کہ لیبر حکومت کے نزدیک ہندو بورژوا کی قیادت میں اس قسم کا اعتدال پسند اور غیر جانب دار ہندوستان ہی اس کمیونسٹ ہندوستان کی راہ میں موثر رکاوٹ بن سکتا تھا جس کے وجود میں آنے کے شدید خطرے کی گھنٹیاں اندر اور باہر پورے زور وشور سے بج رہی تھیں۔ چنانچہ نہرو کی جانب سے سوویت یونین کے ساتھ سلسلہ جنبانی برطانیہ کی وزارت ہند اور وزارت خارجہ کی وساطت سے عمل میں آئی تھی۔ 23 ستمبر کو نہرو نے کرشنا مینن کو مولوٹوف کو پہنچانے کے لئے جو پیغام بھیجا تھا وہ لندن میں موجود انڈین ہائی کمشنر کے ذریعے کرشنا مینن کو پہنچایا گیا تھا۔ اس پیغام کی ایک نقل ماسکو میں برطانوی سفیر کی وساطت سے بھی مولوٹوف کو پہنچائی گئی تھی [11] اور یہ سب کو معلوم تھا کہ گندم کی سپلائی کو محض بہانہ بنایا گیا ہے کیونکہ اس سلسلے میں وائسرائے اور حکومت برطانیہ کی جانب سے سوویت یونین سے پہلے ہی درخواست کی جا چکی تھی۔

28 ستمبر کو برطانوی وزیر خارجہ ارنسٹ بیون نے ماسکو میں برطانوی سفیر ایف۔ کے۔ رابرٹس کو بذریعہ تار نہرو اور سوویت حکومت کے رابطے کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس کے مطابق 17 ستمبر کو حکومت ہند کے محکمہ خوراک کی جانب سے وزارت ہند کو تار موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ سوویت حکومت سے اس کی زائد از ضرورت گندم ہندوستان کو مہیا کرنے کے لئے درخواست کی جائے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگرچہ ہمیں اس سے پیشتر اس موضوع پر ہوئی خط وکتابت سے معلوم ہے کہ کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملے گا۔ لیکن یہ رابطہ نہ صرف ہندوستان کی خراب غذائی صورتحال کے پیش نظر کرنا ضروری ہے بلکہ سوویت حکومت کے ردعمل سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس کا ہندوستان کے بارے میں کیا رویہ ہے جسکی بنیاد پر حکومت ہند مستقبل میں سوویت یونین کے بارے میں اپنی پالیسی وضع کر سکے گی اور بالخصوص یہ اندازہ کر سکے گی کہ آیا براہ راست سفارتی تعلقات قائم کرنے کی پیش کش کی جائے۔ اگر پنڈت نہرو کے مولوٹوف سے ذاتی سطح پر کئے گئے رابطے کا جواب موافق ہوا تو پھر زیادہ تفصیلی بات چیت کے لئے ایک مختصر سا مشن ماسکو بھیجنے کے بارے میں بھی سوچا جا سکتا ہے۔'' نہرو حکومت کی جانب سے متذکرہ تار کے بارے میں برطانیہ کے وزیر خارجہ اور وزارت ہند کے مابین میٹنگ ہوئی جس میں متفقہ رائے تھی کہ ''ہم آگے چل کر حکومت ہند کو سوویت یونین کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے سے باز نہیں رکھ سکیں گے خاص طور سے اب جب کہ حکومت ہند نے امریکہ اور چین

کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' اور اسی میٹنگ کی روشنی میں وائسرائے کو ہدایت کی گئی کہ ''وزارت ہند اور وزارت خارجہ کی رائے میں بہتر ہوگا کہ سوویت یونین کے ساتھ تعلقات کی استواری میں ذرا تاخیر برتی جائے، جب تک ہندوستان کی سیاسی صورت حال کی غیر یقینی میں کمی واقع نہیں ہو جاتی اور وائسرائے کو چاہیے کہ وہ نہرو کو اتنی تیزی سے آگے بڑھنے سے باز رکھے۔''[12] گویا حکومت برطانیہ کو نہرو کے اقدام پر اعتراض نہیں تھا، وہ صرف رفتار کی تیزی میں ذرا کمی چاہتی تھی۔

کرشنا مینن کی بڑی آؤ بھگت کی گئی۔ پیرس میں 21 ممالک کی امن کانفرنس میں ہندوستانی وفد بھی شریک تھا جس کی سربراہی سرکاری طور پر لندن میں انڈین ہائی کمشنر رنگا ناتھن کر رہا تھا۔ لیکن جب کرشنا مینن پیرس پہنچا تو اس نے خود ہی یہ دعویٰ کر دیا کہ اب وفد کی سربراہی وہ کرے گا۔ اس سلسلے میں اسے ایک استقبالیہ دیا گیا۔ کانفرنس میں علیحدہ سے آئے ہوئے برطانوی وفد کو بھی دعوت بھیجی گئی کہ وہ اس استقبالئے میں اپنا کوئی سینئر رکن بھیجیں۔ چنانچہ برطانوی وفد نے یہ تحقیق کرنے کے باوجود کہ ہندوستانی وفد کا سربراہ تبدیل نہیں کیا گیا ہے، اپنا ایک رکن متذکرہ استقبالئے میں شرکت کے لئے بھیجا۔[13] مزید یہ کہ کرشنا مینن کے پیرس کے سفر کا انتظام سرکاری طور پر انڈین ہائی کمشنر نے کیا تھا اور نہرو کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اس کے باقی پروگراموں کی تکمیل کے لئے بھی ہائی کمشنر کو تعمیل کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔[14]

پیرس میں مولوٹوف سے دو گھنٹے کی ملاقات کے بعد کرشنا مینن نے واپس لندن پہنچ کر وزیر ہند پیتھک لارنس کے ساتھ ملاقات کی اور مولوٹوف کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کیا''[15] اس کے چند روز بعد کرشنا مینن نے وزیراعظم ایٹلی کے ساتھ ملاقات کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ 4/اکتوبر کو اس نے ایٹلی کے ساتھ ملاقات کی اور گفتگو ''ہندوستان کی خوراک کی صورت حال تک محدود رہی''[16]

حکومت برطانیہ کی جانب سے کرشنا مینن کی عزت افزائی یہ حقیقت جاننے کے باوجود بھی جاری تھی کہ پیرس امن کانفرنس میں بعض بین الاقوامی امور میں جن کا تعلق یورپ سے تھا، اس نے مغربی بلاک کے بجائے روس کا ساتھ دیا تھا۔ جواب میں روس کے نمائندے نے مینن

کو یقین دلایا تھا کہ اقوام متحدہ میں ہندوستان اور جنوبی افریقہ کے تنازعہ میں روس ہندوستان کا ساتھ دے گا''[17] گویا ہندو بورژوا کی جانب سے اپنے علاقائی عزائم کی تکمیل کی خاطر سوویت یونین، برطانیہ اور امریکہ تینوں کو فلرٹ کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی تھی۔ برطانیہ کو ناپسندیدگی کے باوجود یہ پالیسی قابل قبول تھی۔ سوویت یونین بھی اس بات سے واقف تھا اس لئے اس نے بڑا نپا تلا رویہ اختیار کیا تھا۔ روسی، کرشنا مینن کے کوائف سے بھی مطمئن نہ تھے۔''[18] 18/اکتوبر کو مولوٹوف کی جانب سے نہرو کے پیغام کا جواب موصول ہو گیا۔ اس نے ہندوستان کو گندم مہیا کرنے کی درخواست قبول کرنے سے معذرت ظاہر کر دی کہ ''اس سال خود سوویت یونین کے کئی علاقوں میں گندم کی قلت رہی تھی۔'' تاہم اس نے ''سوویت حکومت کی جانب سے ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی استواری اور سفارتی اور دوسرے نمائندوں کے تبادلہ'' پر آمادگی کا اظہار کیا اور نئی حکومت ہند کو ''تمام ہندوستانی عوام کی فلاح'' کے لئے درپیش مسائل سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔''[19]

اس کے بعد نہرو نے کرشنا مینن کو پیغام بھیجا کہ وہ نیویارک جا کر وہاں دوسرے ممالک کے نمائندوں کے ساتھ بھی غیر سرکاری روابط استوار کرے اور پھر اس کے بعد پیرس اور ماسکو جانے کا پروگرام رکھے۔ نیویارک میں اکتوبر میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے جو وفد گیا اس میں کانگرس کی جانب سے کرشنا مینن اور مسلم لیگ کی جانب سے مرزا۔ اے۔ ایچ اصفہانی شامل تھے۔ اصفہانی کی سفارتی سرگرمی کے بارے میں کوئی خاص خبر نہیں ملی۔ البتہ اجلاسوں میں کرشنا مینن کی سرگرمیوں کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے نیویارک ہیرلڈ ٹریبون نے لکھا کہ ''وہ نوآبادیاتی عوام کا مجاہدانہ چیمپئن ہے۔ امریکی بھی، جو اس وقت آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق کی علمبرداری کا ڈھونگ رچا کر دنیا پر غلبہ حاصل کرنے، روس کے گرد دائرہ تنگ کرنے اور ایشیا کی انقلابی تحریکوں کو کچلنے کا مذموم ارادہ لے کر دنیا میں نکلے تھے، جنوبی ایشیا میں ہندو بورژوا کو نوآبادیاتی عوام کے چیمپئن کی حیثیت سے قبول کرنے پر تیار تھے۔ جب کہ نہرو امریکیوں کی حیرت انگیز سائنسی وصنعتی ترقی سے استفادہ حاصل کر کے ہندوستان کو اس علاقے کی غالب قوت بنانے کا خواب دیکھتا تھا۔

برطانوی سامراج کے مفادات اور کانگرس کے علاقائی عزائم کے مابین ہم آہنگی اور دولت مشترکہ

ان حالات میں حکومت برطانیہ کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ آزادی کے بعد ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل رہے اور اس مقصد کے لئے وہ کانگرس کی چاپلوسی کی پالیسی پر عمل پیرا تھے کہ وہ کانگرس کو ہی برصغیر کی غالب قوت سمجھتے تھے جو مستقبل میں برصغیر کو دولت مشترکہ میں رکھنے یا نہ رکھنے کے فیصلے پر قادر ہوگی۔ اس مقصد کے پیش نظر وہ کانگرس کی سربراہی میں برصغیر کو متحد رکھنا چاہتے تھے۔ ہندوستان کے دولت مشترکہ سے نکلنے کے امکان پر انگریزوں کو خاصی تشویش تھی اور وہ اس کے دفاعی مضمرات کا جائزہ لینے میں مصروف تھے اور ان کی یہ پختہ رائے قائم ہو چکی تھی کہ ہندوستان کا دولت مشترکہ میں رہنا ناگزیر ہے۔ اسی سلسلے میں 30/اگست کو لندن میں برطانوی چیفس آف سٹاف کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں 20/جون کی جائنٹ پلاننگ سٹاف کی تیار کردہ رپورٹ کا جائزہ لیا گیا۔ متذکرہ رپورٹ جس کا اس سے پیشتر بھی ذکر آ چکا ہے، اس مفروضے پر قائم تھی کہ ''وزارتی مشن مذاکرات کامیاب ہو چکے ہیں اور ایک مرکزی نظام پر مبنی حکومت ہندوجود میں آ چکی ہے جو دفاع کا متحدہ کنٹرول مہیا کرے گی۔''[20] اس اجلاس میں چیفس آف سٹاف کا متفقہ فیصلہ تھا کہ دفاعی نقطۂ نظر سے ہندوستان کا دولت مشترکہ میں رہنا بے انتہا ضروری ہے۔

4/ستمبر کو چیفس آف سٹاف نے کابینہ کی دفاعی کمیٹی کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں ہندوستان کی جنگی اہمیت کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا تھا۔ اس کے مطابق سٹریجی کی بڑی ضروریات جو ہندوستان سے پوری کرنا مقصود تھیں، یہ تھیں ''(i) اسے ایک بڑے مددگار علاقے کی حیثیت سے ترقی دینا (ii) متحد افواج کو موجود رکھنا جو حالت جنگ میں توسیع کے قابل ہوں اور ایک متحدہ کنٹرول میں رہیں۔ (iii) بیرونی جارحیت اور اندرونی گڑبڑ سے تحفظ۔ (iv) فضائی مواصلات نقل وحرکت اور انتظامی لحاظ سے اڈے کی سہولت کا حصول۔'' انہیں ہندوستانی افواج پر پورا اعتماد تھا اس لئے ان کا خیال تھا کہ ''صرف برطانوی یونٹوں کے انخلا سے ہماری سٹریجی کی بڑی ضروریات خطرے سے دوچار نہیں ہوں گی۔ البتہ داخلی سلامتی کو

شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا جس پر کہ ہماری تمام تر ضروریات کا حتماً دارومدار ہے۔'' اس رپورٹ میں یہ بھی تجویز کیا گیا کہ حکومت ہند کو اس بات پر رضامند کیا جائے کہ وہ اپنی اعانت کے لئے کچھ برطانوی ملازمین کو بقدر ضرورت ابھی یہاں رکھے۔''[21] گویا انگریزوں کو اپنے انخلا کے نتیجے میں اصل خطرہ ہندوستان کی داخلی سلامتی کو لاحق ہوتا نظر آتا تھا۔ اس کا ایک سبب فرقہ وارانہ کشیدگی تھی اور دوسرا سبب کمیونسٹوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں تھیں۔

خارجی اعتبار سے انگریزوں کو خطرہ یہ تھا کہ اگر سوویت یونین کے ساتھ جنگ چھڑی تو وہ ہندوستان پر بآسانی قبضہ کر لے گا۔ یکم اکتوبر کو نائب وزیر ہند ڈی۔ ٹی۔ مونٹیتھ نے وزیر ہند پیتھک لارنس کے لئے ایک تفصیلی نوٹ، ہندوستان کی دولت مشترکہ میں شمولیت کی اہمیت کے متعلق لکھا جس پر اگلے روز ہونے والی کابینہ کی دفاعی کمیٹی میں غور کیا جانا تھا۔ مونٹیتھ نے لکھا کہ اگر ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل نہ رہا تو اس کے تباہ کن نتائج نکل سکتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ ''...... ہمارے ساتھ جنگ چھڑنے کی صورت میں روس آسانی سے ہندوستان پر چڑھ دوڑے گا اور قبضہ کر لے گا۔ روسیوں کے پاس ایسا کرنے کی معقول وجوہات موجود ہیں۔ اول یہ کہ وہ مشرق وسطیٰ میں ہماری پوزیشن کے عقب تک پہنچ کر ہمیں بے بس کر دے گا جہاں کے تیل کی سپلائی ہمارے لئے انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ دوئم یہ کہ ٹراونکور (جنوبی ہند) میں تھوریم کے قیمتی ذخائر موجود ہیں جو آج کل ایٹم بم کی تیاری کا ایک اہم ترین جزو ہے۔ اگر اس طرح ہندوستان پر قبضہ ہو جائے تو پھر سیلون بھی ہاتھ سے چلا جائے گا۔ چنانچہ ملایا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ تک فضائی مواصلات صرف لمبی اڑان کرنے والے طیاروں کی مدد سے ہی ممکن ہو سکے گی اور بحری مواصلات اس قدر مشکل ہو جائے گی کہ مشرق بعید میں اپنی پوزیشن کو بچانے کے لئے ہمیں بحر الکاہل کا راستہ بحر ہند کی نسبت زیادہ موزوں رہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کو جنگی اعانت کی خاطر امریکہ پر انحصار کرنا پڑے گا کیونکہ بحر الکاہل کے ذریعے ہماری وہاں تک رسائی اسی صورت میں ممکن ہوگی کہ امریکہ ہمارے ساتھ دوستانہ تعلق رکھتا ہو اور اس صورت میں کہ وہ ہمارا اتحادی ہو تو پھر زیادہ کفایت اس میں ہوگی کہ وہ ان کی مدد کرے اور ہمارے وسائل کسی اور جگہ بروئے کار لائے جائیں۔ جنوبی ایشیا اور بحر ہند کے خطے کو روس کے ممکنہ قبضے سے بچانے کے لئے زوال پذیر برطانوی سامراج کے اندر اب کوئی دم خم باقی

نہیں رہا تھا۔ ہندوستان کو دولت مشترکہ میں رکھ کر دراصل وہ چاہتے تھے کہ ان کی مدد سے ہندوستان خود ایک علاقائی قوت بن جائے جو سوویت یونین کے لئے سدراہ ثابت ہو۔ چنانچہ مونٹیتھ اپنے نوٹ میں مزید لکھتا ہے کہ ''ہمارے نقطۂ نظر کے مطابق پہلی اہم بات تو یہ ہے کہ ہندوستان بذات خود اپنے دفاع کے قابل ہو جائے اور کسی دشمن طاقت کی جانب سے ہندوستان پر قبضہ کرنے کی کوشش کے خلاف مزاحمت کرنے کا پابند ہو۔ اس مقصد کے لئے یہ بے حد ضروری ہوگا کہ ہندوستانی فوج متحد ہو، جدید ہو اور اس قدر بڑی ہو کہ صورت حال کا ہماری تھوڑی بہت فوجی مدد کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔'' لیکن اس تمام بندوبست کی کامیابی کے لئے وہ ہندوستان کے اتحاد اور داخلی استحکام کو بنیادی عنصر قرار دیتے تھے۔ چیفس آف سٹاف کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے مونٹیتھ نے اسی نوٹ کے آخر میں کہا کہ ''......کوئی دفاعی بندوبست بھی قابل قدر نہیں ہوگا جب تک کہ ہندوستان اندرونی طور پر مستحکم نہ ہو۔ نتیجتاً فوجی نقطۂ نظر سے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ہندوستان داخلی انتشار سے دوچار ہو جائے گا۔ اور اگر اس حالت میں ہم اسے چھوڑ کر چلے گئے تو کوئی ایک یا دوسرا فریق ناگزیر طور پر باہر سے امداد کو دعوت دے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی نئی طاقت یہاں کی داخلی تقسیم سے فائدہ اٹھا کر یہاں غلبہ حاصل کر لے گی۔ یا پھر یہ ہوگا کہ اندرونی جنگ وجدال سے ہندوستان بتدریج کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ حالت جنگ میں اگر کسی متحارب گروہ نے اس علاقے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو یہ اس کے خلاف مزاحمت نہیں کر سکے گا۔ یہ وہ قابل لحاظ امور ہیں جن کا تعلق اس سوال کے ساتھ ہے جسے بہت پہلے حل ہو جانا چاہیے تھا کہ آیا ہم کس حد تک صرف کانگرس پارٹی کے ساتھ چلتے رہیں گے جب کہ مسلمانوں کی جانب سے بڑھتی ہوئی مخاصمت اور پرتشدد مخالفت میں اضافے کا سامنا درپیش ہے اور جب کہ یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ ایسی صورت حال پیدا ہونے والی ہے۔''[22]

نائب وزیر ہند کے اس نوٹ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان چھوڑتے وقت اگر کوئی تشویش تھی تو یہ کہ یہاں سوویت یونین کو غلبہ حاصل نہ ہو جائے۔ یہاں کی دو بڑی جماعتوں کانگرس اور مسلم لیگ کے قائدین اعتدال پسند تھے اور سوویت یونین کی ''توسیع پسندی'' سے ہندوستان کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ برطانیہ کو ان دونوں جماعتوں کی باہمی آویزش

پر سخت تشویش تھی جو کہ دراصل صدیوں پرانے ہندو مسلم تضاد کی آئینہ دار تھی۔ برطانوی سامراج کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر اس کے نتیجے میں اندرونی خلفشار پیدا ہوا یا یہ ملک تقسیم ہو گیا اور فریقین باہمی جنگ وجدال میں الجھ گئے تو ہر دو صورتوں میں سوویت یونین کو یہاں غلبہ حاصل کرنے کا موقع حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ دونوں جماعتوں کے مابین اتحاد قائم کر کے ہندوستان کی یکجہتی کو برقرار رکھا جائے کہ ان کے خیال میں اس صورت میں ہی یہ علاقہ سوویت یونین کے غلبے سے خود کو محفوظ رکھ سکتا تھا۔

تاہم دونوں جماعتوں میں سے طاقت، وسائل اور حجم کے اعتبار سے کانگرس پر ان کا زیادہ انحصار تھا۔ علاوہ ازیں ہندو بورژوا کے خود اپنے علاقائی عزائم تھے اور یہ امر برطانیہ کے لئے باعث اطمینان تھا کہ ہندو بورژوا اپنے اور اپنے گرد ونواح کے علاقے کو اپنے زیر اثر رکھ کر سوویت خطرے سے محفوظ رکھنے کا عزم رکھتا ہے۔ 2/اکتوبر کو برطانوی کابینہ کی دفاعی کمیٹی کا اجلاس وزیراعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ چیف آف دی امپیریل جنرل سٹاف، لارڈ منٹگمری کی رائے تھی کہ جب ہندوستان آزاد وخود مختار ہو جائے تو برطانیہ کو سٹرٹیجی کے اعتبار سے یہ چاہیے ہو گا کہ ہندوستان کے ساتھ دفاعی معاملات میں پابند کرنے کے بجائے وہ سیلون، برما اور جزائر انڈمان ونکوبار میں اپنے مفادات کو محفوظ رکھے۔ ہندوستان کے بارے میں یہ فرض کر لینا چاہیے کہ وہ جارحیت کے خلاف اپنی سلامتی اور اپنے گرد ونواح کے ممالک کی کہ جن کے راستے سے اس کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، سلامتی اور اپنے گرد ونواح کے ممالک کی کہ جن کے راستے سے اس کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، سلامتی کی ذمہ داری اٹھالے گا۔''
اس پر مونٹیتھ نے کہا کہ جزائر انڈمان ونکوبار ہندوستان کی مرکزی حکومت کے اسی طرح ماتحت ہیں جس طرح دوسرے ہندوستانی صوبے۔ ان کو برطانوی عملداری میں لانے کے لئے حکومت ہند کے ساتھ مذاکرات کرنے پڑیں گے۔ پیتھک لارنس نے امید ظاہر کی کہ اگرچہ اس وقت ہندوستانی سیاست دانوں کا رویہ غیر یقینی ہے لیکن وہ یہ درخواست ضرور کریں گے کہ داخلی سلامتی کی خاطر کچھ برطانوی فوج وہاں رہنے دی جائے اور اس سے کسی حد تک ہماری سٹرٹیجی کی ضروریات بھی پوری ہو جائیں گی۔ آخر میں وزیراعظم ایٹلی نے کہا کہ چونکہ ہندوستان ہم سے ہر وہ امداد چاہے گا جو کہ ہم کر سکیں گے، اس لئے اس پر زبردستی کوئی چیز ٹھونسنا غلط ہو گا۔ اس کی

رائے تھی کہ آگے چل کر ہندوستان ان علاقوں کی سلامتی کی ذمہ داری خود ہی اٹھالے گا جو اس کی سرحد سے ملحق ہیں۔[23] گویا حکومت برطانیہ کی امیدیں بھی نہرو کے مجوزہ عراق سے برما تک ''جنوب ایشیائی وفاق'' کے ساتھ وابستہ تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ فوجی ساز و سامان کی ضروریات بلکہ کچھ عرصہ کے لئے برطانوی فوج کے کچھ حصہ کو یہاں رکھنے کے لئے ہندوستان ان کا دست نگر رہے گا۔ اس لئے اس کو زبردستی دولت مشترکہ میں شامل رکھنے یا کسی دفاعی معاہدے میں جکڑنے پر مجبور کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ ان کو خدشہ تھا کہ اس معاملے میں زیادہ دباؤ ڈالنے کا ردعمل بھی ہوسکتا ہے اور ہندوستانی رہنماؤں کی بلیک میلنگ پوزیشن مضبوط ہوجائے گی کہ وہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے سوویت یونین کی جانب بھی جھک سکتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ ہندو بورژوا کے بے قابو عزائم کے سامنے زبردستی کرنے کے بجائے اس پر اعتماد کرنے میں زیادہ بہتری ہوگی۔

برطانوی حکومت کو بحر ہند کے خطے میں ہندو بورژوا کے سامراجی طاقت بننے کے خواب کے بارے میں آگاہی تھی۔ نائب وزیر ہند (برائے برما) جی۔ لیتھ ویٹ نے 10/اکتوبر کو اپنے ایک نوٹ میں لکھا ''یہ حیرت ناک بات نہ ہوگی کہ نیا ہندوستان خارجہ پالیسی کے میدان میں ایک طرح کا ''سامراجی'' رویہ اختیار کرے گا بالخصوص جب تک نہرو سربراہ حکومت ہے۔ اس کا تمام تر رجحان بحر ہند کے خطے میں اپنی بالا دستی قائم کرنے کی کوشش کی جانب ہوگا۔ اگرچہ برما کے معاملے میں چین اس کا حریف ثابت ہوگا''[24] چنانچہ ہندو بورژوا کے سامراجی عزائم سے واقف ہونے کے باوجود حکومت برطانیہ کانگرس کو بہر قیمت راضی بہ رضا رکھنے کی کوشش کر رہی تھی تو اس کی وجہ ان کی یہ توقع تھی کہ ان کے اس خطے سے انخلا کے بعد یہ نیا علاقائی سامراج اس خطے میں روس اور چین کے غلبے کے خلاف سد راہ ثابت ہوگا......ان کے پٹھو کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسی غیر جانب دار علاقائی طاقت کی حیثیت سے جو سوویت یونین اور اینگلو امریکی بلاک دونوں سے دوستی کی دعویدار ہو۔

انڈیا آفس کے شعبہ مالیات کے اسسٹنٹ سیکرٹری کینتھ اینڈرسن نے 14/اکتوبر کو وزیر ہند کے معاون ایف۔ ایف۔ ٹرنبل کے نام اپنے ایک نوٹ میں لکھا ''میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان ایک نیا ایشیائی طاقت کا بلاک وضع کرنا چاہتا ہے جس کے سربراہ کا کردار وہ خود ادا

کرے گا۔ (جب تک ہندوستانیوں کو اس بارے میں یقین ہے اس وقت تک اس کے وجود میں آنے کے امکانات کے متعلق ہماری کیا رائے ہے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔) یہ یقیناً برطانیہ مخالف اور امریکہ مخالف ہوگا۔ اس کو روس کے ساتھ کوئی بالفعل تصفیہ کرنا پڑے گا یا پھر روس اسے ہڑپ کر جائے گا۔ اس کے پیش نظر ہندوستان کو وقتاً فوقتاً موقع پرستی کا کھیل کھیلنا پڑے گا، کبھی ایک طاقت کے ساتھ تو کبھی دوسری طاقت کے ساتھ۔"[25] گویا ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے خدوخال اس کی آزادی سے پہلے ہی وضع کر دیئے گئے تھے اور اس میں اینگلو۔امریکی سامراج کی رضا شامل تھی۔

اگرچہ ہندوستان تقسیم ہو گیا اور وہ بات نہ رہی جو اینگلو امریکی چاہتے تھے لیکن ہندو بورژوا اس خطے میں نہ صرف متذکرہ خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہوا بلکہ دولت مشترکہ کا رکن بھی بنا رہا اور بڑی حد تک اس مقصد کی تکمیل بھی ہوئی کہ بحر ہند کا خطہ سوویت یونین کے غلبے سے محفوظ رہا اور یوں اس خطے میں برطانوی مفادات ایک عرصے تک محفوظ رہے۔

اس مقصد کے پیش نظر برطانوی حکومت چاہتی تھی کہ یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے ہندو بورژوا اس خطے میں جڑ پکڑ لے۔ چنانچہ نہرو کو عبوری حکومت میں وزارت خارجہ کے سربراہ کی حیثیت سے اختیارات کے استعمال میں کھلی چھٹی دی گئی اور بعض اوقات حد سے تجاوز کرنے پر صرف نظر سے کام لیا گیا۔ اس خطے کے تمام برطانوی سفارت خانوں کو جو کہ حکومت ہند کے ماتحت تھے، عبوری حکومت کی مکمل اطاعت شعاری کی ہدایات جاری کی گئیں۔ برطانوی وزارت خارجہ نے 30راگست کو جب ابھی نہرو کی حکومت حلف اٹھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ تہران، نانکنگ۔ بغداد، جدہ، قاہرہ، بنکاک اور سنگاپور میں اپنے سفارتی نمائندوں کو ہدایت جاری کی کہ نئی حکومت ہند کے بارے میں حکومت برطانیہ کی پالیسی یہ ہے کہ اس کے ساتھ ڈومینین حکومت کا سا برتاؤ کیا جائے اور امور خارجہ کے متعلق اسے پہلے کی طرح تمام معلومات مہیا کی جاتی رہیں ماسوائے بعض مخصوص خفیہ معلومات کے۔"[26] اسی روز وزارت خارجہ اور وزارت ہند نے مشترکہ طور پر ایک رپورٹ تیار کی جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ خلیج کے شیوخ کی ریاستوں، ایران، افغانستان اور نیپال میں موجود سفارت خانے چونکہ نئی حکومت ہند کی ہدایات کے تابع ہوں گے اس لئے ہمیں چاہیے کہ ان سفارت خانوں سے دستبرداری اختیار کر

کے یہاں اپنے علیحدہ سفارت خانے قائم کریں۔"[27] ویسے بھی متذکرہ سفارت خانوں کے اخراجات کا بڑا حصہ ہندوستانی خزانے سے پورا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب جب کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے نئی ہندوستانی قیادت کے لئے اس خطہ میں پاؤں جمانے کے لئے جگہ خالی کی جارہی تھی، ہندو بورژوا کو عبوری دور میں ہی اپنی "آزاد" خارجہ پالیسی پر عملدرآمد کے لئے تمام سہولتیں اور سامان بھی مہیا کیا جارہا تھا۔

ادھر ہندو بورژوا اپنے علاقائی عزائم کی تکمیل کی خاطر بالکل بے قابو ہوا جارہا تھا۔ وہ ٹھوس داخلی اور خارجی حقائق کو بالکل نظر انداز کر کے ایشیا کی غالب طاقت بننا چاہتا تھا۔ عالمی جنگ کے بعد دنیا کے اوپر جو جدید نوآبادیاتی نظام مسلط ہوا تھا اس میں کسی پس ماندہ ملک کے لئے سرمایہ دارانہ نظام اختیار کر کے ترقی یافتہ صنعتی طاقت بننا ممکن نہیں رہا تھا۔ داخلی طور پر اقلیتوں، بالخصوص مسلمانوں، کے ساتھ ٹھوس تاریخی تضاد کو فراخدلانہ طریقے سے حل کئے بغیر اور آبادی کے اتنے کثیر اور اہم حصے کو رعایات دے کر ملک کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی سرگرمی میں برابر کا شریک کئے بغیر یہ کس طرح ممکن تھا کہ ملک خوشحالی اور ترقی کی وہ منازل طے کرتا کہ جو اسے صنعت یافتہ علاقائی طاقت بننے کے مقام تک لے جائیں۔ وہ انہیں ایک مرکز کے تحت رہتے ہوئے اپنے اکثریتی صوبوں کے الگ گروپ وضع کرنے کی اجازت دینے پر بھی تیار نہیں تھا۔

مسلمانان ہند کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے عزائم کا دائرہ برصغیر سے باہر نہیں تھا۔ اس کے قائدین ابھی تک پاکستان کے حصول کے بارے میں بھی واضح نہیں تھے۔ 29 رجولائی کو مسلم لیگ کی کونسل کی قرارداد کے باوجود وہ امور خارجہ، دفاع اور مواصلات کو ایک مرکز کے تحت رکھ کر فقط اپنے اکثریتی صوبوں کے لئے بقیہ شعبوں میں علیحدہ گروپ کا قیام چاہتے تھے اور وزارتی مشن منصوبے کا اس کی اصل روح یعنی گروپنگ سکیم کے مطابق اطلاق چاہتے تھے۔ اسلئے امور خارجہ کے بارے میں نہ ان کا کوئی مؤقف تھا اور نہ کوئی عزائم تھے۔ عبوری حکومت میں بھی جناح نے امور خارجہ کے محکمے کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسلم لیگ پاکستان کے نعرے کو محض سودے بازی میں دباؤ کے حربے کے طور پر استعمال کر رہی ہے، وہ مکمل آزاد ملک نہیں چاہتی اور یہ حقیقت تھی کہ

حصول پاکستان کے بارے میں غیر متزلزل یقین کے ساتھ نہ تو ان خطوط پر سوچا جا رہا تھا کہ اس نوزائیدہ آزاد و خودمختار ریاست کی خارجہ پالیسی کیا ہوگی، اس خطے میں اس کا کردار کیا ہوگا، عالمی جنگ کے بعد دنیا کے نقشے پر ابھرنے والی دو بڑی طاقتوں سوویت یونین اور امریکہ کے ساتھ روابط کی نوعیت کیا ہوگی۔ زوال پذیر برطانیہ کے ساتھ لین دین کیا ہوگا اور نہ ہی کسی واضح پالیسی کے تحت کوئی عملی سفارتی اقدامات اٹھائے جا رہے تھے جب کہ ہندو بورژوا اپنے عزائم کی تکمیل کی خاطر پورے زور شور کے ساتھ عالمی سطح پر سرگرم عمل ہو چکا ہوا تھا، وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو کوئی رعایت دیئے بغیر عراق سے برما تک ''جنوب ایشیائی وفاق'' کے قیام اور خلیج فارس سے بحرالکاہل تک اپنا حلقۂ اثر قائم کرنے کی خاطر ایک جانب بڑی طاقتوں اور دوسری جانب ایشیائی ممالک کے ساتھ رابطے استوار کرنے میں سرگرمی کے ساتھ مصروف تھا جب کہ ملک فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔

باب: 4

فرقہ وارانہ قتل عام اور دونوں پارٹیوں کے مابین معاندانہ تعطل

نواکھلی اور بعض دوسرے شہروں میں خونریز ہندو۔مسلم فسادات

مرکز میں 26/اکتوبر کو مخلوط عبوری حکومت کی تشکیل نو سے برصغیر کی نظم ونسق کی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ کیونکہ بدقسمتی سے اس وقت تک ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان مزید قتل و غارت کا آغاز ہو چکا تھا۔ وائسرائے ویول فرقہ وارانہ خانہ جنگی کا جو خطرہ محسوس کر رہا تھا وہ بے بنیاد نہیں تھا۔ 2/ستمبر کو نہرو کی ایگزیکٹو کونسل کے حلف اٹھانے کے بعد ملک کی صورت حال بہت کشیدہ ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کو ایسا محسوس ہوا تھا کہ گاندھی کا رام راج قائم ہو گیا ہے جس میں انہیں کوئی سیاسی، معاشرتی اور معاشی حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔ وسط اگست میں کلکتہ کے مہلک ترین فسادات کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات نے شدت پکڑ لی تھی، بمبئی اور احمد آباد میں یکم ستمبر سے ہندو مسلم فسادات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اگرچہ بڑے پیمانے پر قابو میں آ چکا تھا۔ لیکن انفرادی قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ اور چھرا گھونپنے کی وارداتیں ابھی جاری تھیں۔ 3/اکتوبر کو گورنر بمبئی نے وائسرائے کو جو خفیہ رپورٹ بھیجی اس کے مطابق ان فسادات کا آغاز مسلمانوں نے کیا تھا لیکن پھر ہندو ان پر غالب آ گئے اور مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوا۔ اس کے بقول "باوجودیکہ عوام کو شدید مشکلات کا سامنا ہے اور کاروبار زندگی بری طرح متاثر ہے لیکن بیشتر با اثر ہندو گڑبڑ جاری رکھنا

چاہتے ہیں۔'' اس کے مطابق یہاں پٹھانوں کا زیادہ قتل عام ہوا تھا جس کے نتیجے میں صوبہ سرحد میں ہندوؤں کے خلاف نفرت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ احمد آباد میں جہاں بیشتر پٹھان، ہندوؤں کے ملازم تھے اور ان فسادات سے الگ تھلگ رہے تھے، اپنے ہندو آقاؤں کے عتاب کا نشانہ بنے اور نوکری سے نکال دیئے گئے۔ ان کی جگہ سکھ اور گورکھے ملازم رکھ لئے گئے۔ گورنر بمبئی کا مزید کہنا تھا کہ صوبے کے دونوں بڑے شہروں میں فرقہ وارانہ صورت حال انتہائی کشیدہ ہے۔[1]

مرکز میں لیگ اور کانگرس کی مخلوط حکومت کا تصفیہ کرانے کے فوراً بعد وائسرائے نے 17 سے 20/اکتوبر تک بمبئی کا دورہ کیا۔ وائسرائے کے مطابق اس وقت تک وہاں ہلاک و زخمی ہونے والوں کی تعداد 1500 ہو چکی تھی۔ 360 ہلاک شدگان میں سے ہندو اور مسلمان تقریباً نصف نصف رہے تھے۔ گرفتار شدگان کی تعداد چھ ہزار تک پہنچ چکی تھی جن میں نصف سے زائد ہندو تھے۔[2] 5/اکتوبر کو کلکتہ میں ایک بار پھر فسادات پھوٹ پڑے۔ فرانسس ٹکر کے مطابق ہندوؤں کے ایک مذہبی جلوس کے شرکاء نے مسجد کے سامنے سے گزرتے ہوئے اشتعال انگیز نعرے بلند کئے جس کے بعد فریقین میں چھرا گھونپنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاہم جلد ہی گڑبڑ پر قابو پا لیا گیا مگر اس قسم کی اکا دکا وارداتیں جاری رہیں۔ چند روز ملک کی فضا پر خوفناک سکوت چھایا رہا۔[3]

بالآخر 14/اکتوبر کو مشرقی بنگال کے نواکھلی اور تپرا کے اضلاع میں دھماکہ ہوا۔ خبر ملی کہ ان دونوں اضلاع میں ہندو مسلم فساد شروع ہو گیا ہے۔ یہ فساد غیر متوقع نہیں تھا۔ کلکتہ میں مسلمانوں کی بہت زیادہ پٹائی ہوئی تھی۔ مرنے والوں میں ضلع نواکھلی کے مسلمان مزدوروں کی اکثریت تھی۔ تاہم نواکھلی اور تپرا میں فرقہ وارانہ فساد کے دھماکے کی آواز زیادہ تھی، یہاں کا نقصان کلکتہ کے نقصان کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں دیئے گئے ایک بیان کے مطابق اس فساد میں مرنے والوں کی تعداد 200 سے زیادہ نہیں تھی۔ بعد ازاں مئی 1947 میں کلکتہ میں جو سرکاری اعداد و شمار شائع کئے گئے ان کے مطابق نواکھلی میں 220 اور تپرا میں 165 افراد ہلاک ہوئے تھے۔

اس فساد کے دھماکے کی آواز بہت زیادہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ کلکتہ کے قتل عام کے بعد

بنگال کے ہندوؤں کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی جانب سے صوبے کے کسی دوسرے علاقے میں ضرور انتقامی کاروائی کی جائے گی۔ خوف اور بوکھلاہٹ کی اس فضا میں جب نوا کھلی میں فساد شروع ہوا تو یہ تصور کر لیا گیا کہ اس نہایت گنجان آباد مسلم اکثریت کے علاقے میں ہندوؤں کا قتل عام کلکتے میں مسلمانوں کے قتل عام سے زیادہ ہوا ہوگا۔ مرکز میں کانگرس کی حکومت تھی اور پورے ملک کے ذرائع ابلاغ پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ چنانچہ جب نوا کھلی اور تپرا کے فساد کی خبر موصول ہوئی تو ملک گیر چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ بہت شور و غوغا ہوا۔ ہندوؤں کی خبر رساں ایجنسیوں اور اخباروں کے نمائندوں نے لرزہ خیز خبریں بھیجیں حالانکہ ان کا کوئی نمائندہ بھی موقع پر نہیں پہنچا تھا۔ ایسٹرن کمانڈ کا سربراہ (کمانڈنگ انچیف) لیفٹیننٹ جنرل فرانسس ٹکر لکھتا ہے کہ ''16/اکتوبر کی صبح کو ہندو پریس میں پریشان کن خبریں شائع ہوئیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بے حد مبالغہ آمیز تھیں۔''......[4] پیارے لال لکھتا ہے کہ ''بعد میں معلوم ہوا کہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد (پانچ ہزار) کی ابتدائی رپورٹ سراسر بوکھلاہٹ پر مبنی تھی۔ بدقسمتی سے اس غیر مصدقہ اور بے پڑتال بیان کی وجہ سے جو ایک ذمہ دار شخص نے دیا، جسے کہ بہتر معلومات ہونی چاہیے تھیں، بے پناہ نقصان پہنچا۔''[5]

ان خبروں کے نہایت مبالغہ آمیز ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ فساد کسی شہر میں نہیں ہوا تھا بلکہ دونوں اضلاع کے دیہاتی علاقوں میں ہوا تھا اور ہندو نامہ نگاروں نے ان علاقوں سے نقل مکانی کر کے آنے والے پریشان حال اور خوفزدہ ہندو پناہ گزینوں سے جو کچھ سنا تھا اس کی بناء پر خبریں بنائی تھیں۔ موقعہ پر پہنچنا کسی نامہ نگار کے بس میں بھی نہیں تھا کیونکہ فساد زدہ علاقوں میں کوئی سڑکیں نہیں تھیں اور ذرائع آمد و رفت تقریباً ناپید تھے۔ فرانسس ٹکر کے مطابق اصل میں لوگ مارے بہت کم گئے تھے جب کہ بوکھلاہٹ میں گھروں کو چھوڑ کر بھاگ جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لئے خالی گھروں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ مکین مارے گئے ہیں یا بھاگ گئے ہیں۔ ہندو خاندان گاؤں کے گاؤں خالی کر کے نکل بھاگے تھے۔ ان کے پیچھے لٹیروں نے ان کے مکانوں کو لوٹا اور آگ لگائی۔''[6] چنانچہ نتیجہ یہ تھا کہ پناہ گزین کیمپوں میں ہزارہا لوگ جمع ہو گئے تھے جب کہ لاشیں کہیں نظر نہ آتی تھیں۔

20/ اکتوبر کو گورنر بنگال ایف۔ بروز نے فسادات کے متعلق جو رپورٹ وزیر ہند اور وائسرائے کو ارسال کی اس میں کلکتہ پریس میں ان فسادات میں مارے جانے والوں کی تعداد (پانچ ہزار) کو انتہا درجہ کی مبالغہ آمیزی قرار دیا اور لکھا کہ یہ تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہے۔ اس نے لکھا کہ ''ابھی تک کوئی سرکاری رپورٹ موصول نہیں ہوئی ہے جس میں لاشوں کی کسی تعداد کی موجودگی کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ چاند پور کے سب ڈویژنل مجسٹریٹ کی رپورٹ کے مطابق وہاں صرف پانچ یا چھ افراد مارے گئے ہیں جب کہ وہاں لگائے گئے پناہ گزین کیمپ میں موجود دس ہزار افراد میں سے صرف دو یا تین زخمی ہیں۔ مقامی طور پر اعداد وشمار کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ جب کہ اتنی کثیر تعداد میں ہندو آبادی فرار ہو چکی ہے۔'' آگے چل کر گورنر نے مزید لکھا کہ ''......ہندو آبادی نہ صرف متاثرہ علاقوں میں بلکہ ان سے دور دور تک کے علاقوں میں بھی خوف اور سراسیمگی کا شکار ہوئی ہے اور بیشتر لوگ گڑبڑ سے دور واقع علاقوں سے فرار ہو کر امدادی کیمپوں میں پہنچ گئے۔ چنانچہ چاند پور میں دس ہزار پناہ گزین جمع ہو گئے ہیں جن میں سے نصف کے لگ بھگ شمال کے اس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں سرے سے فساد ہوا ہی نہیں۔ بقیہ کیمپوں میں پناہ گزینوں کی تعداد کوئی بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا مسئلہ ان پناہ گزینوں کو سنبھالنے اور ان کی بحالی کا بندوبست کرنے سے متعلق ہے۔''[7] آتشزدگی کی وارداتیں بھی ہوئیں لیکن ان کے بارے میں دی گئی خبروں میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا۔ فرانسس ٹکر لکھتا ہے کہ اس دوران بارہا فضائی معائنہ کیا جاتا رہا جس سے معلوم ہوا کہ دیہاتوں کو جلائے جانے کی دہشت ناک رپورٹیں بالکل غیر معتبر تھیں۔[8]

فسادات کا آغاز مسلمان دہشت گردوں کے ایک گروہ نے کیا تھا جن کا سرغنہ بنگال اسمبلی کا ایک سابق رکن غلام سرور تھا جسے اپنے علاقے میں مذہبی پیشوا کی حیثیت سے ''شاہ سید غلام سرور حسینی پیر صاحب آف دائرہ شریف، موضع شاہ پور، نواکھلی'' کہا جاتا تھا۔ ٹکر کے مطابق یہ گروہ قریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں بہت سے سابق فوجی بھی شامل تھے۔ وہ ڈیڑھ ڈیڑھ سو کی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ وہ ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے یا خراج دینے پر مجبور کرتے تھے۔ فرقہ وارانہ کشیدگی پہلے ہی پائی جاتی تھی اور قتل اور لوٹ کھسوٹ کی اکا دکا وارداتیں جاری تھیں۔ 29/ اگست کو عیدالفطر کے روز نواکھلی شہر میں یہ

افواہ پھیلنے پر کہ ہندوؤں نے سکھوں کو مسلمانوں کے قتل عام کے لئے کرائے پر حاصل کر لیا ہے، مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین ہنگامہ آرائی ہوئی، اگلے روز موضع بابو پور کے ایک کانگرسی رہنما کا بیٹا قتل کر دیا گیا 6 اور 7 ستمبر کو غلام سرور کی جانب سے اعلان پر علماء اور مسلم لیگ نے مشترکہ طور پر جلسہ ہائے عام منعقد کئے جن میں کلکتہ کے فسادات کا بدلہ لینے کے بارے میں اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ 8 اور 9 ستمبر کو دگھڑیہ اور شاہ پور میں مسلمانوں نے جلوس نکالے اور ہندو دکانداروں کو لوٹ لیا۔

تاہم اصل فساد 10 اکتوبر کو شروع ہوا۔ اس روز ہندوؤں کا لکشمی پوجا کا تہوار تھا۔ اس فساد کی فوری وجہ نواکھلی بار ایسوسی ایشن کے صدر راجندر لال چوہدری کا مسلمانوں کے ساتھ سخت معاندانہ رویہ بنا۔ وہ نواکھلی کے نواح میں واقع کرپاڑہ کی چوہدری بادی (آبادی) سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی بادی میں بھرت سیوآشرم سے ایک سادھو آکر ٹھہرا جس کا نام تریام باکانند تھا۔ راجندر لال اس کی سرپرستی کرتا تھا جس کی مدد سے اس نے ہندو آبادیوں میں سالانہ پوجا کا احیاء کیا۔ اس سادھو نے اعلان کیا کہ اس مرتبہ وہ اس پوجا کی رسم بکرے کے خون کے بجائے مسلمانوں کے خون سے ادا کرے گا۔ غلام سرور کا موضع شاہ پور بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ چنانچہ 10 اکتوبر کو یعنی پوجا والے دن غلام سرور نے شاہ پور بازار میں راجندر لال چوہدری اور سادھو دونوں کو طلب کیا۔ ظاہر ہے کہ وہ دونوں نہ آئے۔ اس پر غلام سرور نے اپنے آدمیوں کے ساتھ چوہدری بادی پر ہلہ بول دیا اور راجندر لال چوہدری کو معہ اہل خاندان قتل کر ڈالا۔ سادھو موقع پا کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔[9] راجندر لال معہ اہل خاندان قتل کے واقعہ سے دور دراز علاقوں تک خوف و ہراس پھیل گیا اور ہزاروں کی تعداد میں ہندو خاندان گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے ساتھ ہی فسادات کی لہر پھیل گئی اور غلام سرور کے آدمیوں نے ٹولیوں کی صورت میں بکھر کر لوٹ مار شروع کر دی۔ ٹکر کے مطابق "ان کا طریقۂ واردات یہ تھا کہ وہ مختلف دیہاتوں میں جا کر ہندوؤں سے خراج مانگتے تھے یا انہیں اسلام قبول کرنے یا موت قبول کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ کئی نے خراج ادا کیا، کئی نے مذہب بدلا مگر بیشتر فرار ہو گئے۔ جنہوں نے مزاحمت کی وہ مارے گئے۔"[10] ان علاقوں میں تنگ نظر اور دقیانوس ملاؤں کا بھی غلبہ تھا۔ پیارے لال کے مطابق مرنے

والوں کی عورتوں اور تبدیلی مذہب کرنے والوں کی غیر شادی شدہ بیٹیوں اور بعض اوقات شادی شدہ عورتوں کو دیہات کا ملّا دائرۂ اسلام میں داخل کر کے متذکرہ گروہ کے افراد کے ساتھ ان کا نکاح پڑھا دیتا تھا۔[11] یہ گروہ جن علاقوں میں سرگرم تھے ان میں کومیلا، فینی، نواکھلی، لکشمی پور، فرید گنج اور چاند پور شامل تھے۔ بڑھتی ہوئی کشیدگی کے پیش نظر فوج کی گورکھا اور راجپوت بٹالینیں 2/اکتوبر سے ہی ان علاقوں میں پولیس کی مدد کے لئے بھیجی جا رہی تھیں۔ مسلمانوں کو یہ بھی شکایت ہوئی کہ ہندو فوج نے جانبداری سے کام لیا ہے۔[12] 19/اکتوبر تک فوج اور پولیس کی کوششوں سے فرید گنج کے علاوہ تمام علاقوں میں حالات معمول پر آ گئے۔ فرید گنج میں آتشزدگی کی وارداتیں چند روز جاری رہنے کے بعد وہاں بھی حالات پر قابو پالیا گیا۔

اس فساد کی مادی بنیاد یہ تھی کہ نواکھلی اور تپرا کے اضلاع صوبہ بنگال کے پس ماندہ ترین علاقوں میں سے تھے۔ یہاں مسلمان بے زمین کسانوں کی بھاری اکثریت تھی۔ زمیندار زیادہ تر ہندو تھے۔ تجارت پر بھی ہندوؤں کا قبضہ تھا اور ساہوکاری پر بھی ان کی اجارہ داری تھی۔ چنانچہ پیارے لال لکھتا ہے کہ ''خوشحال اور باعزت ہندو خاندانوں'' کو لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کا معاشی پس منظر بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ ''نواکھلی کی کل آبادی 22 لاکھ ہے جس میں سے 18 لاکھ یعنی 81.3 فیصد مسلمان ہیں جبکہ چار لاکھ ہندو ہیں...... اگرچہ ہندو کل آبادی کا صرف 18.7 فیصد ہیں لیکن وہ 64 فیصد زمینداری کے مالک ہیں۔ تاہم ہوتا یہ ہے کہ زمین کی کاشتکاری کا کام مزارعوں سے لیا جاتا ہے جن کی غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ جہاں کہیں ہندو مالک خود کاشت کرتا ہے وہاں بھی اسے مسلمان کھیت مزدوروں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حال کے دنوں تک کاروبار کا بڑا حصہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے دوسرے پیشوں میں بھی وہ ہی چھائے ہوئے تھے۔ نواکھلی کی زمیندار اشرافیہ میں انحطاط پذیر ارسٹوکریسی کی تمام علامات پائی جاتی تھیں۔''
آگے چل کر وہ مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس ضلع میں ''1942ء کے اوائل میں چاول چھ روپے فی من تھا، مارچ میں 15 روپے ہو گیا اور جولائی 1943 میں 60 روپے ہو گیا۔ 1942-43 کے قحط کے دوران یہاں پچاس ہزار افراد لقمۂ اجل بنے جب کہ 25 ہزار نے مغربی بنگال کی جانب ہجرت اختیار کی...... جنگ سے پیشتر یہاں بے زمین کسانوں کی

تعداد 36 فیصد تھی، جو جنگ کے خاتمے پر بڑھ کر 60 فیصد ہوگئی۔ ضروریات زندگی کی قیمتیں دوگنی ہوگئیں' بلیک مارکیٹنگ کو فروغ حاصل ہوا، جرائم کی رفتار میں بے تحاشہ اضافہ ہوگیا اور یہ واقعہ ہے کہ راتوں رات امیر بننے والوں کی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ جنھوں نے فرقہ پرستوں کو حملے کا سب سے آسان نشانہ مہیا کر دیا تھا۔"[13]

مسلمان کسانوں کی مفلوک الحالی کا ایک اور سبب یہ بھی بنا تھا کہ جنگ کے بعد نہ صرف یہ کہ ضروریات زندگی کی بہت قلت ہوگئی اور قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں بلکہ کسانوں کی ایک ہی نقدی کی فصل پٹ سن کی قیمت روز بروز گرتی چلی گئی تھی کیونکہ جنگ کے خاتمہ پر پٹ سن کی بین الاقوامی منڈی میں مندا ہوگیا تھا۔ لہٰذا جب کلکتہ کی ہلاکت عظیم وقوع پذیر ہوئی تو بنگال کے جنوب مشرقی ساحلی اضلاع نواکھلی و تپرا میں فرقہ وارانہ معاشی تضاد کا "بارود" پہلے سے موجود تھا۔ بقول پیارے لال "اسے صرف شعلہ دکھانے کی ضرورت تھی۔ یہ شعلہ مسلم لیگ کے "ڈائریکٹ ایکشن" کی قرار داد نے مہیا کر دیا۔ نواکھلی کے بہت سے مسلمان کلکتہ کی گودیوں، فیکٹریوں اور مختلف کام کاج کے اداروں میں ملازم تھے۔ ہلاکت عظیم کے بعد ان میں سے بیشتر نے نواکھلی واپس آکر وہاں کے لرزہ خیز فسادات کی کہانیاں سنائی تھیں جس سے یہاں مسلمان رائے عامہ مشتعل ہوگئی۔"[14] اس لئے یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ جب یہاں دھماکہ ہوگا تو مفلوک الحال اور مشتعل مسلمان کسانوں کے ہاتھوں یہاں کی صاحب ثروت ہندو اقلیت کا کوئی فرد زندہ نہیں بچے گا۔ لیکن دھماکہ ہوا تو 18 لاکھ کی مسلم آبادی کے اس ضلع میں صرف ایک ہزار کا گروہ غلام سرور کی قیادت میں منظم ہو سکا۔ انہوں نے ابھی چند ہی صاحب ثروت اور معزز ہندو زمینداروں کو نشانہ بنایا تھا کہ ان کی دھمک سے سارا ضلع لرز اٹھا اور دور دور تک کے دیہاتوں سے ہندو ساہوکاروں، زمینداروں، کھاتہ داروں، آڑھتیوں اور اناج کے چھوٹے بڑے تاجروں نے راتوں رات راہ فرار اختیار کر کے چاند پور کا رخ کیا اور بعض کلکتہ پہنچ گئے۔ فرانسس ٹکر لکھتا ہے کہ "پناہ گزین زیادہ تر صاحب ثروت طبقات سے تعلق رکھتے تھے اور خوشحال اور کھاتے پیتے نظر آتے تھے۔"[15] علاوہ ازیں وہ لکھتا ہے کہ کلکتہ سے بے شمار ہندو رضا کاروں کی صورت میں نواکھلی پہنچ گئے۔ جس قدر تعداد میں وہاں سے ہندو پناہ گزین کلکتہ پہنچے اتنے ہی ہندو وہاں سے رضا کار بن کر ان علاقوں میں پہنچ گئے۔

اس کے بقول یہ رضا کار زیادہ تر سیاسی شرانگیز عناصر تھے جب کہ ان میں بعض غنڈے بھی تھے۔ یہ رضا کار ''معاون'' بجائے تعاون کے مستقل دردسر بنے رہے اور حالات کو معمول پر لانے میں رکاوٹ بنے۔ اس نے 21/اکتوبر کو کلکتہ کے سیلدہ ریلوے سٹیشن پر جن ''پناہ گزینوں'' کا معائنہ کیا وہ اس کے بقول ''کلکتہ کے پلے ہوئے شہریوں کی طرح لگتے تھے نہ کہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر جان بچانے کی خاطر بھاگے ہوئے لوگ۔''[16]

تاہم ان فسادات سے کہیں زیادہ ان کے بارے میں مبالغہ آمیز قصہ آرائی کے بڑے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔ٹکر لکھتا ہے کہ ''ہمارے تخمینے کے مطابق اس سارے قضیئے میں مارے جانے والوں کی تعداد تین سو سے بھی بہت کم رہی تھی۔ بوکھلائے ہوئے ہندو پریس کی طرف سے جان بوجھ کر من گھڑت، ہولناک اور خوفناک کہانیاں دنیا کے سامنے پیش کی گئیں۔ ان کہانیوں نے بہار اور یو۔پی کے ہندوؤں میں آتش انتقام کو بھڑکا کر ہندوستان کو بے انتہا نقصان پہنچایا۔ بہار اور یو۔پی کی شورش کے ردعمل میں غم وغصہ اور تشدد کے جذبات کو ہوا ملی جن کی لپیٹ میں آ کر پنجاب کے مسلمانوں نے انتقاماً خانہ جنگی کا آغاز کر دیا...... میں مزید زور دے کر کہتا ہوں کہ یہ سوچی سمجھی شرانگیز رپورٹیں 1946ء کے اواخر میں ایسٹرن کمان (آسام، بنگال، بہار، اڑیسہ، یو۔پی) کے علاقے میں الیوں کی براہ راست ذمہ دار بنیں اور یہی بالواسطہ طور پر اس شدید اشتعال انگیزی کا باعث بنیں جس کے نتیجے میں پنجاب خانہ جنگی کا شکار ہوا۔''[17] 31/اکتوبر سے 3/نومبر تک وائسرائے ویول نے بنگال آ کر فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا۔ ویول نے اپنے دورے کی رپورٹ میں ان فسادات کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ''مسلمانوں کو ہندوؤں کی برتر مالی طاقت کا خوف ہے جب کہ ہندوؤں کو بسا اوقات مسلمانوں کی جانب سے تشدد اور حد درجہ مفسد پردازی کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اس وقت دونوں فرقوں کے یک جا ہونے کی ہرگز کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔''[18] اپنے دورے کے دوران ویول نے گورنر بنگال سے دریافت کیا کہ ہم بنگال کو زیادہ سے زیادہ کب تک اپنی تحویل میں رکھنے کے قابل ہیں۔ جواب میں بروز نے کہا میں زیادہ سے زیادہ 12 مہینے تک یہاں کا کاروبار چلا سکتا ہوں۔ اس کے بعد میرے بس سے باہر ہوگا۔[19] چنانچہ ایک طرف پورا برصغیر مہلک ترین ہندو مسلم فسادات میں غرق ہوتا جا رہا تھا تو دوسری طرف انگریزوں کی

گرفت صورتحال پر تیزی سے ڈھیلی پڑتی جارہی تھی، وہ یہاں سے اپنا بوریا بستر تقریباً لپیٹ چکے تھے اور جلد سے جلد یہاں سے جانے کی فکر میں تھے۔

صوبہ بہار میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام، لاتعداد مسلم بستیاں تباہ و برباد

نواکھلی میں فساد کے تقریباً دو ہفتے بعد صوبہ بہار میں جو کچھ ہوا اس نے برصغیر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تاریخی تضاد کے پرامن حل کی رہی سہی امیدیں بھی ختم کر دیں۔ اس صوبے میں کانگرس کی وزارت تھی اور مسلمان اقلیت میں تھے دراصل کلکتہ کے فسادات کے بعد سے ہی یہاں ہندوؤں نے فساد بھڑکانے کے لئے تیاری شروع کر دی تھی۔ 7ستمبر کو گورنر بہار نے وائسرائے کو رپورٹ بھیجی کہ کلکتہ سے ہزاروں بہاریوں نے یہاں واپس آ کر وہاں کی ہولناک کہانیاں بیان کی ہیں جو کہ یک طرفہ ہیں۔ بہار میں فساد کے لئے زمین تیار ہو چکی ہے۔ گزشتہ کئی مہینے سے انتہا پسند عناصر پر تشدد تقریریں کرتے پھر رہے رہیں کیونکہ انہیں پورا اعتماد ہے کہ کانگرسی وزارت ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں اٹھائے گی۔[20] چنانچہ پہلے سے معلوم ہونے کے باوجود وزیراعلیٰ سمیت صوبائی انتظامیہ نے کوئی حفاظتی تدابیر اختیار نہ کیں۔

27ستمبر کو بنیاباد ضلع مظفر پور میں اس سلسلے کا پہلا سنگین نوعیت کا فساد ہوا۔ گورنر کی رپورٹ کے مطابق ''اس میں 14 مسلمان مارے گئے اور بہت سے مسلمانوں کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا۔''[21] اور پھر نواکھلی کے فسادات کے بارے میں ہندو پریس کی انتہائی مبالغہ آمیز خبروں اور کہانیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ 25اکتوبر کو صوبے کی کانگرسی وزارت نے نواکھلی کے ہندوؤں کے ساتھ دردمندی کے اظہار کے لئے ''یوم نواکھلی'' منایا۔ تمام صوبے میں جلسے جلوس منعقد ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ اس موقع پر چھاپرا (ضلع سارن) اور پٹنہ میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا اور پھر 28اکتوبر کو بھاگل پور اور مونگھیر میں مسلم کش فسادات ہوئے اور ایک دو روز کے اندر مسلم کشی کی یہ لہر شہروں سے نکل کر چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں پھیل گئی اور صوبے بھر میں مسلمان اقلیت کا منظم طریقے سے قتل عام شروع ہو گیا جو 7نومبر تک جاری رہا۔ آتشزنی، لوٹ مار، اور قتل و غارت کی بے شمار وارداتیں ہوئیں۔ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ ابتدائی تخمینہ یہ تھا کہ پندرہ ہزار

مسلمان ہلاک وزخمی ہوئے۔ چند دن بعد برطانوی پارلیمنٹ میں بتایا گیا کہ ہلاک شدگان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ کلکتہ کے اخبار سٹیٹس مین کا تخمینہ ساڑھے سات ہزار اور دس ہزار کے درمیان تھا اور قائداعظم جناح کا الزام یہ تھا کہ آٹھ دن میں کم از کم تیس ہزار بہاری مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ سرکاری تخمینے کے مطابق کم وبیش دس ہزار مکانات تباہ و برباد ہو گئے۔ پناہ گزینوں کی تعداد گورنر کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رہی جب کہ مسلم لیگ کے مطابق یہ ایک لاکھ پچاس ہزار تھی۔ بہت سے دیہات میں مسلمانوں کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ ہندو غنڈوں نے عورتوں اور بچوں کو بھی نہ بخشا۔

9 رنومبر کو گورنر بہار نے وائسرائے کو ان فسادات کی جو رپورٹ ارسال کی اس میں لکھا کہ ''بہار میں دیہی مسلم آبادی نسبتاً کم ہے چنانچہ ان کے الگ تھلگ گروپ انتہائی سخت گیر حملوں کا نشانہ بن گئے۔ ہندوؤں کے غول کے غول پھرتے تھے کہ کہیں مسلم آبادی نظر آئے تو اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ ہلاک وزخمی ہونے والوں میں تقریباً سبھی مسلمان تھے۔ اندازہ یہ ہے کہ ان میں 75 فیصد عورتیں اور بچے تھے۔ شاذ ہی کہیں ایسا ہوا کہ مصیبت میں پھنسے کسی مسلمان کی اس کے ہندو ہمسائیوں نے کوئی مدد کی بلکہ انہوں نے انتہائی سنگ دلانہ بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا۔''[22] ایسٹرن کمان کے سربراہ فرانسس ٹکر نے ان فسادات کا بہت ہولناک نقشہ کھینچا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''1946ء میں جتنے بھی فسادات ہوئے بہار کا فساد ان میں سب سے زیادہ ہولناک تھا۔ اس کا انتہائی بزدلانہ پہلو یہ تھا کہ ہندوؤں کے بڑے بڑے ہجوم یکا یک مگر پوری طرح تیار ہو کر آتے اور ان تھوڑے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے جو نسلوں سے ان کی ہمسائیگی میں بھائی چارے اور اعتماد کی فضا میں رہتے چلے آ رہے تھے۔ اس حقیقت کا آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ نسل کشی کا یہ مکمل اور وسیع منصوبہ کس کے دماغ کی پیداوار تھا۔ ہمیں تو اتنا پتہ ہے کہ یہ سب کچھ طے شدہ منصوبے اور پروگرام کے مطابق ہوا۔ اگر مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ پہلے سے نہ بنایا گیا ہوتا تو پوری طرح مسلح ہندوؤں کے اتنے بڑے ہجوم مقررہ اوقات پر جمع نہیں ہو سکتے تھے اور وہ شیطانی نیت سے مسلمانوں کا باقاعدگی سے یکے بعد دیگرے شکار نہ کرتے...... اس وحشیانہ قتل عام میں جو مسلمان مرد، عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے ان کی تعداد سات آٹھ ہزار سے کم نہ تھی...... انتہائی گھناؤنی شیطنت کا مظاہرہ

کرتے ہوئے عورتوں اور ان کے شیر خوار بچوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے گئے۔"[23]
آگے چل کر وہ صوبے کی کانگرسی وزارت کی بے حسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "جو بات ہمارے افسروں کو سب سے عجیب معلوم ہوئی، یہ تھی کہ ظلم وجور کے ان ہولناک قصوں کو جن میں سے بیشتر درست تھے، سن کر ہندو وزیر کس قدر آرام وسکون محسوس کرتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو ذرا افسوس نہیں ہوا ہے۔"[24]

صوبہ بہار میں اس ہولناک فساد کی ہندوؤں کے اخبارات میں بہت کم تشہیر ہوئی۔ تاہم جب اس کے بارے میں لرزہ خیز اطلاعات دہلی پہنچیں تو نوتشکیل مخلوط حکومت کے چار وزراء نہرو، پٹیل، لیاقت اور نشتر 3/نومبر کو پٹنہ پہنچے۔ انہوں نے فساد زدہ علاقوں میں جا کر تقریریں کیں اور بلالحاظ مذہب وملت سب فسادیوں کی پرزور مذمت کی۔ نہرو اور نشتر نے مزید چند روز بہار میں قیام کر کے امن وامان بحال کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ بالآخر 7/نومبر تک حالات قابو میں آ گئے۔ اس مقصد کے لئے فوج کی سات بٹالینوں کا استعمال ہوا۔ 7/نومبر کو وائسرائے ویول بھی پٹنہ پہنچ گیا۔ یہاں اس نے دو روز قیام کر کے فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا اور دونوں فرقوں کے بااثر رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ اس نے اپنے روزنامچے میں لکھا کہ "یہاں وحشت ودرندگی کا مظاہرہ کلکتہ کے قتل عام سے بھی بدترین تھا اور نواکھلی کے فسادات کے مقابلے میں کہیں ہولناک تھا جن کے انتقام کے طور پر یہ برپا کیا گیا تھا۔ اس کا شکار ہونے والے تمام مسلمان تھے" اس نے یہاں کے کانگرسی وزیر اعلیٰ کرشن سنہا کو "غنڈہ" قرار دیا۔"[25] اس نے وہاں سے واپسی سے پہلے وزیر اعلیٰ کو جھاڑا اور کہا کہ "یوم نواکھلی کا انعقاد ایک مجرمانہ بے وقوفی تھی۔" علاوہ ازیں اس کی انتظامیہ کی جانب سے مجرموں کو رہا کرنے، سرکاری ملازموں کی توہین کرنے، پولیس کی ہمت شکنی کرنے اور پریس کو کنٹرول نہ کرنے پر سخت سست کہا "جس کے نتیجے میں اس ایسے تک نوبت پہنچ گئی۔"[26] فرانسس ٹکر کے مطابق شروع میں وزیر اعلیٰ نے امن عامہ کی بحالی کے لئے برطانوی فوج کے استعمال کی مخالفت کی اور اس قسم کے منصوبے پیش کر کے صورتحال کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی کہ فوج کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی صورت میں تعینات کیا جائے۔[27] کرشن سنہا دراصل اپنے مہاتما کی لائن پر چل رہا تھا کہ ہندو مسلم تنازعے میں فوج کو ملوث نہ کیا جائے، ہندو اور مسلمان بزور شمشیر آپس میں فیصلہ کر لیں گے۔

بہار میں ہزار ہا نہتے مسلمانوں کے بہیمانہ قتل عام پر گاندھی کے ضمیر سے کوئی آواز نہ اٹھی۔ عدم تشدد کا یہ دیوتا ''نراجیت اور خانہ جنگی'' کو انگریزوں کے نافذ کردہ امن وامان پر عملی طور پر ترجیح دیتا رہا۔ وہ ان دنوں کلکتے کے ان علاقوں کا دورہ کر رہا تھا جہاں ڈیڑھ ماہ پہلے فساد ہوا تھا۔ وہ 6 رنومبر کو جب کہ بہار میں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی تھی، نواکھلی روانہ ہو گیا جہاں پہلے ہی امن وامان بحال ہو چکا تھا۔ دردمند لوگوں نے کہا ''مہاتما جی کچھ خیال کرو۔ کہاں جارہے ہو۔ بہار کی بے گناہ مسلمان اقلیت کو بچاؤ۔'' 3 رنومبر کی رات کو بہار کے ایک مسلم لیگی رہنما محمد یونس نے کلکتہ کے سودپور آشرم میں فون کیا جہاں گاندھی ٹھہرا ہوا تھا اور اس کے سیکرٹری پیارے لال سے درخواست کی کہ ''صرف مہاتما جی ہمیں بچا سکتے ہیں۔'' تاہم پیارے لال کے استفسار پر اس نے کہا کہ ابھی فوری طور پر تو پنڈت نہرو یہاں ہیں اس لئے وہ ذرا ٹھہر کر آجائیں۔''[28] لیکن مہاتما چار مہینے کے لئے نواکھلی جا کر بیٹھ گیا۔ مہاتما کی مہاتمیت کی بنیاد سراسر منافقت پر تھی۔ وہ درحقیقت ایک متعصب سناتنی ہندو تھا۔ اپنی روانگی سے ایک روز پیشتر یعنی۔ 5 رنومبر کو اس نے بیان دیا کہ اگر ہندو مسلمان آپس میں اسی طرح لڑتے رہے تو کوئی تیسری طاقت ہندوستان پر پختگی کے ساتھ مسلط ہو جائے گی۔ اسے پرواہ نہیں کہ وہ سارے تباہ ہو جائیں۔ لیکن وہ ہندوستان کی آزادی کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔[29] یہاں تیسری طاقت سے عموماً مراد سوویت یونین لیا جاتا تھا کہ انگریزوں کے تو اب یہاں رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ دراصل وہ ہندو مزدوروں، غریب کسانوں اور دوسرے مظلوم عوام کا بھی دشمن تھا۔ وہ ہندوؤں کے اس ابھرتے ہوئے بورژوا طبقے کا پٹھو تھا جو سیاسی، معاشرتی اور معاشی طور پر پسماندہ مسلمان اقلیت کو ایک ہی نوالے میں ہڑپ کرنے کے عزائم رکھتا تھا۔ وہ امن کے دیوتا کے لبادے میں ایک خونخوار شیطان تھا۔ جناح کی سیاست کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اس شخص کو پہچان لیا تھا۔

گاندھی تین ماہ تک نواکھلی کے دیہات میں فرقہ وارانہ امن کا ڈھونگ رچاتا رہا اور اس دوران پورے ہندوستان کے ذرائع ابلاغ کی توجہ نواکھلی پر مرکوز رہی۔ بالآخر جب وہ تقریباً چار ماہ بعد مارچ 1947ء میں پٹنہ پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ ہندو بھی اس قدر جارحیت اور تشدد کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ صوبائی کانگرس کے وزیروں اور دوسرے نیتاؤں کو

بے یار و مددگار مسلمان رعایا کے قتل عام پر شرمندگی کا احساس یا افسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے وزیر اعلیٰ کرشن سنہا سے پوچھا کہ تحقیقاتی کمیشن کیوں نہیں مقرر کیا گیا۔ جواب ملا کہ ''اگر ایسا کیا جاتا تو مسلم لیگ اس سے سیاسی فائدہ اٹھاتی۔'' حالانکہ اب مسلم لیگ کو کسی بھی واقعہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پیارے لال ''باپو'' کے دورۂ بہار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''1946ء میں بہار کے فسادات نے غیر منقسم ہندوستان کا خواب قطعی طور پر منتشر کر دیا تھا۔''[30] بہار کے غریب مسلمانوں نے مطالبہ پاکستان کی تکمیل کے لئے اپنے خون، مال اور عزت و آبرو کی بھاری قیمت ادا کر دی تھی۔ 14 رفروری 1947ء کو بہار کے وزیر اعلیٰ کرشن سنہا نے صوبائی اسمبلی میں اعتراف کیا تھا کہ بہار میں مسلمانوں کے خلاف فسادات کے دوران تقریباً دو سو مسلمانوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر بزور قوت مجبور کیا گیا اور ایسے واقعات بھی ہوئے کہ مسلمانوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے سروں پر بودیاں رکھ لی تھیں۔[31] پیارے لال نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ''بہار میں اغوا، زنا بالجبر اور جبری تبدیلی مذہب کی وارداتیں ہوئیں۔''[32]

بلاشبہ بہاری مسلمانوں کے قتل عام کی بنیاد محض ہندوؤں کے مذہبی تعصب پر نہیں تھی۔ یہ صوبہ معدنی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود ہندوستان کے غریب ترین صوبوں میں سے تھا۔ یہاں کے اچھوتوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت افلاس کی اتھاہ گہرائیوں میں رہتی تھی جب کہ بیشتر زرعی اراضی پر بڑے بڑے ہندو اور مسلمان جاگیردار قابض تھے۔ اچھوت اور ہندو غریب کسان اکثریت میں تھے۔ انہیں زمین کی سخت ضرورت تھی۔ کانگرس نے اپنی انتخابی مہم میں زمینداری کے خاتمے کا منافقانہ نعرہ لگایا تھا۔ کانگرس وزارت بننے کے بعد کسانوں کی جانب سے اس سلسلے میں دباؤ ڈالا جانے لگا۔ کمیونسٹ پارٹی اور کانگرس سوشلسٹ پارٹی نے بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ وزیر مال کے۔ بی۔ سہائے نے اعلان کیا کہ زمینداری کے خاتمے کا بل اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔ اس کے نتیجے میں زمینداروں اور کسانوں کا تضاد بے حد شدید ہو گیا۔ گورنر بہار نے 26 راکتوبر کو جب وائسرائے کو فسادات کی ابتدائی رپورٹ بھیجی تو اس میں لکھا کہ ''وزیر کی جانب سے زمینداری ختم کرنے کی تجاویز کے نتیجے میں زمینداروں اور کسانوں کے مابین تنازعات میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے اور بہت سے علاقوں

میں یہ مسئلہ فرقہ وارانہ مسئلے کی نسبت کہیں زیادہ تشویش کا باعث ہے۔''[33] چنانچہ اس کا خیال تھا کہ وزارت کی جانب سے ''اب یہ بل آئندہ سال تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے گا۔'' گویا زمینداری کا خاتمہ تو نہ ہوا البتہ قدرتی طور پر ہندو جاگیرداروں اور پنڈتوں نے غریب ہندو کسانوں کی طبقاتی نفرت کا رخ مسلمان جاگیرداروں اور کسانوں کی طرف موڑ دیا۔ جب ان کی نفرت کا لاوا پھوٹا تو آٹھ دس دن کے اندر کئی علاقوں میں مسلمان غریب کسانوں کا نام ونشان مٹ گیا۔

گڑھ مکتیشر میں ہولناک مسلم کشی

صوبہ بہار میں مسلمان اقلیت کی خونریزی کے بعد یو۔پی کے مسلمانوں کی شامت آ گئی۔ اس صوبے کے ضلع میرٹھ میں دریائے گنگا کے کنارے واقع قصبہ گڑھ مکتیشر کے نواح میں ہر سال ہندوؤں کا ایک بہت بڑا مذہبی میلہ ہوا کرتا تھا جس میں دو سے تین لاکھ تک ہندو یاتری ہندوستان کے دوسرے علاقوں بالخصوص شمالی ہند کے صوبوں یو۔پی اور پنجاب سے آتے تھے۔ دس میل لمبے میدان میں لگے اس میلے میں روزی کمانے کی خاطر میرٹھ، مرادآباد اور بریلی کے اضلاع سے بڑی تعداد میں مسلمان مرد، عورتیں اور بچے بھی یہاں آتے اور خوانچے، ریڑھیاں اور سٹال لگاتے اور تفریح وتماشے کا کام بھی کرتے تھے۔ بذاتہی گڑھ مکتیشر ہندو اکثریت کا قصبہ تھا لیکن اس میں دو سے تین ہزار پر مشتمل مسلمان آبادی بھی موجود تھی جو قصبے کے عقبی حصے میں آباد تھی۔ بدقسمتی سے نومبر 1946ء کے اوائل میں یہ میلہ ایسے موقع پر ہوا کہ فرقہ وارانہ کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ہر سال کی طرح پنجاب کے اضلاع روہتک وحصار سے ہندو جاٹوں کی بھاری تعداد بھی میلے میں آئی ہوئی تھی۔ ٹکر کا خیال ہے کہ اگرچہ وہ اس ہولناک کارنامے کے لئے منظم دستوں کی صورت میں یا باقاعدہ منصوبہ لے کر تو شاید نہیں آئے تھے لیکن وہ گڑبڑ کے لئے خاص طور پر تیار ہو کر ضرور آئے تھے کیونکہ بقرعید کا تہوار بھی انہی دنوں میں تھا جس موقع پر کہ مسلمان گائے ذبح کرتے ہیں۔ تاہم بقرعید (5 نومبر) پرسکون گزر گئی۔

6 نومبر کی شام کو ایک معمولی بات پر فساد بھڑک اٹھا۔ میلے میں ایک طرف ''موت کا کنواں'' لگا تھا جس کے منتظمین مسلمان تھے۔ ایک مسلمان موٹر سائیکل سوار نے کرتب دکھاتے ہوئے تماشائیوں میں کھڑی ایک جاٹ عورت کے ساتھ مذاق کر دیا۔ جو غالباً روہتک سے آئی

ہوئی تھی۔ یکا یک شور مچ گیا کہ ایک مسلمان نے ہندو عورت کی بے عزتی کی ہے۔ چشم زدن میں جاٹوں کے غول کے غول مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جو میلہ میدان میں خاموشی سے اپنے خوانچے، ریڑھیاں اور سٹال لگائے کاروبار میں مصروف تھے۔ اور پھر فساد کی یہ آگ پورے شہر میں پھیل گئی۔ ٹکر لکھتا ہے کہ ''عملاً ہر مسلمان مرد، عورت اور بچہ انتہائی بہیمانہ طریقے سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا...... یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے گئے اور ان کے ہنوز نوزائیدہ بچوں کے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ شیر خوار بچوں کو دیوار پر یا زمین پر پٹخ کر سرپاش پاش کر دیئے گئے۔ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ ان سفاک مسٹنڈوں نے عورتوں اور بچوں کو ٹانگوں سے پکڑ کر چیر ڈالا۔ ان ملعونوں نے میلہ لوٹ لیا اور اسے آگ لگا دی اور پھر مردہ اور قریب المرگ مسلمانوں کو اٹھا کر آگ کے شعلوں میں پھینک دیا۔ ان میں سے بیشتر کو برچھوں سے مارا گیا تھا اور بعض کو گلا گھونٹ کر ختم کیا گیا تھا...... یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قتل و غارت گری صرف اس وقت تھمی جب تمام مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کا صفایا ہو گیا یا وہ فرار ہو گئے۔ پولیس اس قدر تعداد میں وہاں موجود تھی کہ فسادیوں کا اگر مکمل سدباب نہیں تو ان کے خلاف بھرپور مزاحمت ضرور کر سکتی تھی...... سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سبھی ہندو تھے۔'' وہ بہار کے قتل عام کی مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہاں جس ضلع کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ انگریز تھا وہاں یا تو فساد ہوا ہی نہیں اور اگر ہوا تو فوری کنٹرول کر لیا گیا۔ گویا وہاں بھی اور گڑھ مکتیشر میں بھی پولیس اور سول انتظامیہ کے ہندو اعلیٰ افسروں کے تعاون سے مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ آگے چل کر ٹکر لکھتا ہے کہ اگلے روز (7 رنومبر) روہتک کے جاٹوں نے دوسرے یاتریوں کے ہمراہ قصبہ گڑھ مکتیشر پر ہلہ بول دیا اور مسلم آبادی والے حصے میں گھس گئے۔ قصبے کے مقامی ہندو بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہاں بھی ''تمام مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ حقارت آمیز درندگی کا مظاہرہ کیا گیا۔ عورتوں کی عصمت دری کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مکانات نذر آتش کر دیئے گئے۔ باقی خوف وہراس سے فرار ہو گئے۔'' ہندوؤں کے ہجوم نے ہسپتال پر ہلہ بول دیا۔ ''مسلمان ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر، اس کے اسسٹنٹ اور اس کی بیوی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہسپتال میں داخل مسلمان مریضوں کو موقع پر ہی ذبح کر دیا گیا۔ ایک مسلمان ڈاکٹر کو قتل کر کے

اس کی بیوی کی موقع پر ہی عصمت دری کی گئی۔ جس کے بعد انتہائی فاتحانہ انداز سے اسے شہر بھر میں برہنہ پھرایا گیا.....'' وہ لکھتا ہے کہ میلے کی پولیس چوکی سے رابطہ کیا گیا تو وہاں موجود عملہ نے کہا کہ یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے جب کہ برلب سڑک پولیس تھانہ سے رجوع کیا گیا تو ہندوستیشن ہاؤس آفیسر ہاؤس نے اس پر کان نہ دھرا۔ اس کے بعد جاٹوں نے گردونواح کے دیہاتوں اور قصبوں کا رخ کیا۔ 10 رنومبر کو انہوں نے غازی آباد کے نواح میں ہرسن نامی دیہہ میں مسلمانوں کا بیدردی سے قتل عام کیا'' 15 رنومبر کو جب یاتریوں کا ٹڈی دل یہاں سے رخصت ہوا تو ان کے پیچھے اس قصبے سے اٹھتے دھوئیں اور یتیم بچوں پر دشت کی سی خاموشی طاری تھی۔'' ٹکر کے اندازے کے مطابق اس فساد میں ایک ہزار سے دو ہزار تک مسلمان مارے گئے۔''[34] سرکاری اندازے کے مطابق کم از کم ایک ہزار مسلمان ہلاک ہوئے۔

یو۔ پی کی کانگرس حکومت نے اس وحشت و بربریت کی خبروں پر غیر رسمی سنسر شپ عائد کر رکھی تھی۔ لہٰذا کئی دنوں تک صحیح طور پر پتہ ہی نہ چل سکا کہ گڑھ مکتیشر میں کیا ہوا تھا۔ مسلم لیگ کے ترجمان اخبار ڈان نے کچھ تفصیلات شائع کیں لیکن اس اخبار کی کاپیاں لئے ہوئے ٹرین جب میرٹھ پہنچی تو کانگرس کے صاحب ثروت ہندو ارکان نے یہ تمام خرید کر تلف کر دیں۔ دس روز تک صوبائی صدر مقام لکھنؤ میں ڈان اخبار ناپید رہا۔''[35] تاہم جونہی اس سانحے کی خبر میرٹھ پہنچی وہاں چھرا گھونپنے کی وارداتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جو دو ہفتے تک جاری رہا۔ ایک اور نواحی قصبہ شاہجہاں پور میں مسلمانوں نے میلے سے واپس آنے والے ہندوؤں کی بیل گاڑیوں پر حملہ کر کے تیس کے قریب مردوں، عورتوں اور بچوں کو مار ڈالا۔ 9 رنومبر کو صوبائی وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ میرٹھ پہنچے اور موقع پر جا کر حالات کا جائزہ لیا۔ وزیر اعلیٰ پنڈت پنت نے چند دن بعد صوبائی کونسل میں اعلان کیا کہ اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات ہو گی لیکن پھر کوئی تحقیقات نہ ہوئی۔ 20 رنومبر کو گورنر یو۔ پی نے گڑھ مکتیشر قصبے کا دورہ کیا۔ وائسرائے کو رپورٹ میں اس نے لکھا کہ ''بعض واقعات میں تو پورے کے پورے خاندانوں کا صفایا کر دیا گیا ہے اور یہ سب کچھ انتہائی وحشت انگیز سفاکی کے ساتھ کیا گیا۔ قصبے پر سکوت طاری ہے۔ خاصے لوگ موجود ہیں لیکن زندگی کی کوئی آواز نہیں آتی۔ ایک ہیبت ناک خاموشی پورے علاقے پر چھا گئی ہے۔''[36] اس واقعے کے بعد پورے صوبہ یو۔ پی میں خوف وہراس طاری ہو گیا۔

دونوں فرقوں کے لوگوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔نسلوں کے دوستانہ مراسم ٹوٹ گئے۔ ہندو اور مسلمان ہمسائے ایک دوسرے کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ جب کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ہندو مسلم فسادات اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری تھا۔کلکتہ میں دستی بموں، سٹین گنوں، چاقوؤں، کلہاڑیوں اور کرپانوں سے انفرادی قتل و غارت کا سلسلہ گزشتہ دو ماہ سے لگا تار جاری تھا۔شہر کے بعض علاقوں میں اجتماعی لڑائیاں بھی ہوتی رہیں جن میں بیسیوں لوگ آن کی آن میں ڈھیر ہو جاتے تھے۔ وہاں صرف 25 سے 30 ر اکتوبر کے چھ دنوں میں 117 افراد ہلاک اور 456 زخمی ہوئے تھے۔"[37]

11 ر نومبر کو وزیر ہند پیتھک لارنس نے برطانوی کابینہ کو فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں ایک یادداشت پیش کی جس کے مطابق بنگال، بہار اور گڑھ مکتیشر کے فسادات کے علاوہ گزشتہ دو تین ماہ کے دوران بمبئی، آگرہ، الٰہ آباد، دہلی، لدھیانہ، نابھہ، کراچی، کوئٹہ، بھورک (اڑیسہ)، ساگر (سی۔پی)، مدراس اور بنگلور میں بھی فسادات ہوتے رہے تھے۔ 27 ر نومبر کو پیتھک لارنس نے 2 ر ستمبر اور 18 ر نومبر کے مابین ہونے والے فسادات میں ہلاک وزخمی ہونے والوں کے بارے میں پارلیمنٹ میں مندرجہ ذیل سرکاری اعداد وشمار جاری کئے۔ ان میں کلکتہ (اگست) اور گڑھ مکتیشر (6 ر نومبر تا 15 ر نومبر) کے اعداد وشمار شامل نہیں ہیں۔

صوبہ	ہلاک	زخمی
بنگال		
کلکتہ	218	677
نواکھلی وتیپرا	133	نہ ہونے کے برابر
ڈھاکہ	127	289
بقیہ بنگال	33	255
بہار	5000	لاتعداد
بمبئی	622	1896
مدراس	9	63
یو۔پی (گڑھ مکتیشر چھوڑکر	445	66

پنجاب	20	61
سی۔ پی	3	13
دہلی	26	55
آسام	4	8
سندھ	0	4
بلوچستان	0	1[38]

گویا ہندوستان بالخصوص اس کے شمالی صوبے مشرق سے مغرب تک فرقہ وارانہ خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ اب یہ طوفان پنجاب کی طرف بڑھ رہا تھا جس کا پیش خیمہ روہتک حصار کے ہندو جاٹ ثابت ہو چکے تھے۔ ٹکر کی رائے تھی کہ "اگر پنجاب پھٹ پڑا تو ہندوستانی فوج کے مخلوط یونٹ بھی پھٹ پڑیں گے اور پورا ہندوستان ڈھیر ہو جائے گا اور ساتھ ہی ایشیائی نظام بھی جس کا توازن پہلے ہی خطرے میں ہے"[39] پنجاب کو جنگی جغرافیے کے لحاظ سے سوویت یونین کی سرحد کے قریب واقع ہونے کی بدولت بنگال، بہار اور یو۔ پی کی نسبت امن عامہ کے لحاظ سے کہیں زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ یہاں خانہ جنگی کا مطلب انگریزوں کے نزدیک بہت بڑا تھا۔ انہیں نہ صرف برصغیر بلکہ سامراج کے پورے "ایشیائی نظام" کا توازن ڈانواں ڈول ہوتا نظر آتا تھا۔

مخلوط عبوری حکومت میں کانگرس اور لیگ کے ارکان کے مابین محاذ آرائی

دوسری طرف مرکزی عبوری حکومت میں بھی کانگرسی اور مسلم لیگی وزراء نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کی ہوئی تھی۔ ان میں بھی کسی بات پر اتفاق نہیں ہوتا تھا اور ہر روز ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ ایک دوسرے کا گلا گھونٹ دیں گے۔ ایگزیکٹو کونسل دو متحارب بلاکوں میں منقسم تھی۔

سب سے پہلا اختلاف نہرو کی بالا دستی کے سوال پر پیدا ہوا۔ اس ایگزیکٹو کونسل کی آئینی اور قانونی حیثیت 1919ء کے ایکٹ اور پھر 1935ء کے ایکٹ کی ترامیم کے مطابق تھی جس میں تمام تر اختیارات کا سرچشمہ گورنر جنرل (وائسرائے) تھا۔ وزارتی مشن منصوبے

کے تحت عبوری دور میں سیاسی ایگزیکٹوکونسل کے لئے اس آئینی پوزیشن میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی تھی البتہ وائسرائے نے اپنے ایک خط کے ذریعے کانگرس کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ عملاً نئی کونسل کو "ملک کا روز مرہ کا کاروبار چلانے میں ہرممکن آزادی کا حامل سمجھا جائے گا۔" لیکن 2رستمبر کو کانگرس کے نامزد کردہ ارکان پر مشتمل ایگزیکٹوعمل میں آئی تو نہرو نے خود کو "وزیراعظم" اور کونسل کو اپنی "کابینہ" سمجھنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس کی حیثیت ایک رکن کونسل کی تھی جو امور خارجہ کے محکمے کا انچارج تھا۔ وائسرائے کسی ایک رکن کو بطور نائب صدر نامزد کرنے کا اختیار رکھتا تھا جس کا کام فقط وائسرائے کی عدم موجودگی میں کابینہ کی صدارت کے فرائض انجام دینا ہوتا تھا۔ اس مقصد کے لئے نئی ایگزیکٹو میں ویول نے نہرو کو نائب صدر نامزد کیا تھا۔ لیکن نہرو نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ روزانہ اپنے کمرے میں چائے پر تمام ارکان کونسل کو جمع کرتا اور یہاں کونسل کا ایک غیر رسمی اجلاس منعقد کیا جاتا۔ جس میں نہرو بطور "وزیراعظم" اور ارکان کونسل بطور "کابینہ" تمام زیرنظر امور پر غوروخوض کر کے فیصلے کر لیتے تھے۔ بعدازاں جب ایگزیکٹوکونسل کا باقاعدہ اجلاس منعقد ہوتا تو تمام فیصلے پہلے سے موجود ہوتے تھے، وائسرائے سے صرف ان کی توثیق کا کام لیا جاتا تھا۔ ویول اس صورتحال پر برہم تھا کہ اسے عضو معطل بنانے کی کوشش کی جارہی ہے جب کہ ابھی رائج الوقت آئین کے تحت وہ تمام تر اختیارات کا حامل ہے۔

26راکتوبر کو مسلم لیگ کے نامزد ارکان بھی کونسل میں شامل ہو گئے اور اسے ایک مخلوط حکومت کی حیثیت حاصل ہو گئی تو مسلم لیگی ارکان نہرو کو "وزیراعظم" اور خود کو اس کے ماتحت "کابینہ" کے ارکان کی حیثیت سے قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ پہلے ہی روز نہرو کے پرائیویٹ سیکرٹری نے اپنی طرف سے لیاقت علی خاں اور دوسرے لیگی ارکان کونسل کو نہرو کے کمرے میں چائے پر جمع ہونے کے لئے دعوت نامہ بھیجا۔ لیاقت اور لیگی ارکان اس پر برہم ہوئے کہ پرائیویٹ سیکرٹری کون ہوتا ہے کہ انہیں اپنی طرف سے دعوت بھجوائے۔ دوسرے یہ کہ نہرو کو یہ غیر رسمی اجلاس منعقد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ صرف باقاعدہ اجلاس میں وائسرائے کی عدم موجودگی کی صورت میں صدارت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ چنانچہ اب یہ ہوا کہ باقاعدہ اجلاس کے علاوہ صلاح مشورے کے لئے مسلم لیگی ارکان علیحدہ مل کر بیٹھتے اور کانگرسی علیحدہ اپنا "غیر رسمی" اجلاس بدستور کرتے۔

نہرو کے عزائم کو ٹھیس پہنچی۔ وہ 30 راکتوبر کو نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو گیا اور چند روز صاحب فراش رہا۔ 30 راکتوبر کو اس نے اس صورتحال پر اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ویول کو خط لکھا کہ ''......کابینہ میں ہماری پوزیشن بگڑتی جائے گی کیونکہ ہم کسی صورت میں بھی دو متحارب گروہوں کی صورت میں کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر حالات سازگار نہ ہوئے تو ہمارے لئے اس حکومت میں کام جاری رکھنا ممکن نہیں ہو گا۔''[40] ویول نے استعفیٰ کی اس دھونس کو ''اعصابی جنگ'' قرار دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ اس اعصابی جنگ میں مرکزی حکومت کے ہندو اور مسلمان افسر بھی دو معاندانہ گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک طرف وائسرائے کا آئینی مشیر وی۔ پی مینن، وزیر داخلہ سردار پٹیل سے ملاقاتیں کر کے اسے خفیہ اطلاعات دیتا تھا اور دوسری طرف چوہدری محمد علی مسلم لیگی وزراء کے بلاک کا مشیر اعلیٰ تھا۔ وہ مرکزی محکمۂ خزانہ کو کچھ اس طرح چلا رہا تھا کہ ہندو وزیروں کے محکموں کا کاروبار چلتا ہی نہیں تھا۔ ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے محکمۂ خزانہ کی منظوری ضروری تھی اور چوہدری محمد علی یا تو منظوری دیتا ہی نہیں تھا اور اگر منظوری دیتا تھا تو اس قدر تاخیر اور لیت ولعل کے بعد کہ ہندو وزراء اور اعلیٰ افسر سر پیٹ کر رہ جاتے تھے۔ کانگرس نے خزانے کا محکمہ مسلم لیگ کو اس خیال سے دیا تھا کہ مسلمانوں سے حساب کتاب کا کام نہیں ہو سکے گا لیکن چوہدری محمد علی نے اس محکمے میں بیٹھ کر کانگرسی وزیروں کا ناطقہ بند کر دیا۔

10 رنومبر کو ویول نے لیاقت اور نہرو دونوں کو بلا کر اکٹھے ملاقات کی اور وسیع پیمانے پر ہونے والے حالیہ ہندو مسلم فسادات کے پس منظر میں تجویز کیا کہ صوبوں میں مخلوط حکومتیں وضع کی جائیں کہ اب مرکز میں مخلوط حکومت بن چکی ہے۔ اس پر نہرو نے مشتعل ہو کر کہا کہ مرکز میں کوئی مخلوط حکومت موجود نہیں ہے کیونکہ مسلم لیگ کے ارکان اسے بالفعل وزیراعظم ماننے پر تیار نہیں ہیں اور اس کے روزانہ ''کابینہ اجلاسوں'' میں شامل نہیں ہوتے۔ ویول نے اسے اس کی آئینی حیثیت کے بارے میں یاد دلایا جس پر وہ مزید مشتعل ہوا اور ''اس نے پانچ منٹ میں تین مرتبہ استعفیٰ دینے کی دھمکی دے ڈالی۔'' ویول نے اسے سمجھایا کہ میں خود چاہتا ہوں کہ کونسل کے ارکان غیر رسمی طور پر باہم صلاح ومشورہ کے لئے ملاقاتیں کیا کریں لیکن ان اجلاسوں کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی وہ نائب صدر کے طور پر وزیراعظم کے

برابر ہے۔ لیاقت نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا ہم مرکز میں پوری طرح تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں اور صوبوں میں بھی مخلوط حکومتوں کے قیام پر بات چیت کے لئے آمادہ ہیں لیکن ہم نہرو کو سربراہ حکومت یا وزیر اعظم ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ ہم موجودہ آئین کے مطابق کام کر رہے ہیں''[41] چنانچہ صوبوں میں مخلوط حکومت تو کجا مرکز کی مخلوط حکومت میں کانگرس اور لیگ کا بقائے باہمی مشکل ہو رہا تھا۔

اگر برطانوی حکومت گروپنگ سکیم پر ثابت قدم رہتی تو فسادات کے باوجود مسلم لیگ متحدہ ہند میں رہنا گوارا کر لیتی

مخلوط عبوری حکومت کے قیام کے بعد اگلا مرحلہ طویل المیعاد منصوبے پر عملدر آمد کا تھا جسے مسلم لیگ ایک مرتبہ منظور کر لینے کے کچھ عرصہ بعد رد کر چکی تھی جس کا سبب گروپنگ کے خلاف کانگرس کی ہٹ دھرمی اور حکومت برطانیہ کا اپنے ہی اعلان کردہ منصوبے کے بارے میں بددیانتی کا رویہ تھا جس کا مظاہرہ وزارتی مشن نے یہاں اپنے قیام کے دوران ہی کر دیا تھا۔ مشن کے جانے کے بعد سے مخلوط حکومت کے قیام تک کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ویول اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ ''مشن کی جانب سے کانگرس کے سامنے کم ترین بننے کے رویے کی مضرت رساں کمزوری اور کرپس کی دو عملی ایک ایسی صورتحال سے دوچار کر گئی کہ میرے لئے اس کا توڑ کرنا مشکل ہو گیا۔ کانگرس والوں نے یہ محسوس کر لیا کہ حکومت برطانیہ ان سے خائف ہے اور کبھی مخالفت میں ان کے مدمقابل نہ آئے گی۔ اس تاثر کو مزید تقویت اس برتاؤ سے پہنچی جو حقیر چوہے سدھیر گھوش کے ساتھ اپنایا گیا تھا۔ جب کہ جناح اور لیگ والے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے اور وہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ مشن کے قیام کے آخری مراحل کے دوران میں نے پختہ روی کا مظاہرہ نہ کیا اور خود کو کرپس کی چال میں آ جانے دیا۔'' آگے چل کر مزید لکھتا ہے کہ ''مجھے بہت زیادہ شبہ ہے کہ یہ مخلوط حکومت کام کر سکے گی......کانگرس انگریزوں کے زیر اہتمام آئین سازی کا کام کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی، وہ صرف اپنا اقتدار مستحکم کرنا چاہتی ہے۔ مشن ہماری کمزوری کا راز فاش کر چکا ہے اور ہماری دھونس کی قلعی کھل چکی ہے۔ ہندوستان میں ہمارا وقت بہت کم ہے اور واقعات کی رفتار پر سے

ہمارا کنٹرول جاتا رہا ہے۔ ہمارا وقار ہے اور گزشتہ زور حرکت ہے جس سے ہم ابھی تک فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہ بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گا۔ میرا کام اب صرف یہ ہے کہ کسی طرح محفوظ اور زیادہ سے زیادہ باوقار پسپائی کو ممکن بناؤں۔ مسلمانوں کے بارے میں مجھے افسوس ہے۔ وہ ہندوؤں کی نسبت زیادہ دیانت، جرأت اور وقار کے حامل ہیں لیکن وہ روپے پیسے کے زور، اعلیٰ تعلیم اور قانونی حیلہ بازی میں کانگرس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایک حد تک جناح موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ ضدی واقع ہوا ہے۔''[42] لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ جناح جس قدر لچک پیدا کر سکتے تھے انہوں نے کی تھی۔ پاکستان کے نعرے پر بھاری اکثریت سے مسلم نشستوں پر کامیابی حاصل کرنے، کے بعد انہوں نے مطالبہ پاکستان سے انحراف کیا اور وزارتی مشن منصوبہ کو منظور کیا جس کے تحت خود مشن کی تعبیر کے مطابق ایک مرکز کے ماتحت مسلم اکثریتی صوبوں اور ہندو اکثریتی صوبوں کی گروپ بندی عمل میں آنا تھی اور یہی سکیم اس منصوبے کی روح تھی۔ مگر گاندھی اور کانگرس نے ''قانونی ذہن'' استعمال کر کے اس کے بعض حصوں کی کچھ اس طرح تعبیر کی تھی کہ جس سے گروپ بندی کے وجود میں آنے سے پہلے ہی خاتمے کا سامان پیدا کر دیا گیا تھا۔ اپنی اس تعبیر کے مطابق ہی کانگرس نے 16 رمئی کے اعلان کردہ مشن منصوبے کو منظوری دی تھی اور حکومت برطانیہ نے اس منظوری کو تسلیم کر لیا تھا اور اس بنیاد پر کانگرس کو حکومت بنانے کی دعوت دی تھی۔ حکومت برطانیہ کے کانگرس کے ساتھ اس لچکدار رویے کی بنا پر لیگ نے مشن منصوبے کو دی گئی اپنی منظوری واپس لے لی تھی۔

اب مخلوط حکومت میں لیگ کی شمولیت کو وائسرائے نے اس امر کے ساتھ مشروط کیا تھا کہ لیگ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کے لئے اپنی کونسل کا اجلاس طلب کرے گی اور دوبارہ سے مشن منصوبہ کو منظوری دے گی۔ لیکن 21 راکتوبر کو جب کہ ابھی مخلوط حکومت میں لیگ کے ارکان نامزد ہی ہوئے تھے اور محکموں کی تقسیم کا جھگڑا چل رہا تھا، گاندھی نے یہ بیان دیا کہ وزارتی مشن کے اعلان 16 رمئی میں ''گروپنگ کی ایک شکل تجویز کی گئی ہے جس کی کانگرس ایک طرح سے تعبیر کرتی ہے، لیگ دوسری طرح سے اور وزارتی مشن تیسری طرح سے تعبیر کرتا ہے۔ کوئی قانون ساز اپنے قانون کے بارے میں باوثوق تعبیر نہیں کر سکتا۔ اس لئے جب تعبیر پر اختلاف ہو تو قانونی عدالت ہی اس کا فیصلہ کرتی ہے۔[43] چنانچہ مخلوط حکومت کے عمل میں آ جانے کے

بعد اگلے قدم کے طور پر جب وائسرائے ویول نے 30 / اکتوبر کو جناح کے ساتھ ملاقات کی اور طویل المیعاد منصوبہ کی منظوری کے لئے زور دیا تو جناح نے جواب میں سخت گیر رویہ اختیار کیا اور پچھلے تمام دلائل دہرانے کے بعد کہا کہ کانگرس نے اعلان 16 / مئی کو حقیقی معنوں میں کبھی منظور ہی نہیں کیا اور نہ ہی اس بات کو تسلیم کیا جانا چاہیے کہ کانگرس یہ منظوری دے چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئین ساز اسمبلی کے اندر طریقۂ کار کا مسئلہ فیڈرل کورٹ کے فیصلے کے ماتحت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تمام گفتگو میں جناح نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک یہ نہ مان لیا جائے کہ کانگرس مشن منصوبہ کی لغوی تعبیر کو تسلیم کرتی ہے، میں اپنی کونسل سے اعلان 16 / مئی کی منظوری حاصل نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ ''مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میری کونسل کے ارکان اسے رد نہ کر دیں اور کہیں کہ پاکستان کے علاوہ اور کوئی چیز ہمیں مطمئن نہیں کر سکتی۔'' ویول نے مسلسل اس امر پر زور دیا کہ عملاً صورت حال یہ ہے کہ خانہ جنگی سے بچنے اور ہندوستان میں مسلمانوں کو ہر ممکن طور پر بہتر رعایتیں دلوانے کی خاطر مشن منصوبے پر جہاں تک بھی ہو سکے عملدرآمد کرنا چاہیے۔ وقت کم ہے کیوں کہ حکومت برطانیہ غیر معینہ عرصے تک ہندوستان میں رہنا نہیں چاہتی۔ جناح کا اصرار تھا کہ حکومت برطانیہ نے جو منصوبہ وضع کیا ہے خود اس پر قائم رہے اور اس کی حمایت کرے۔ انہوں نے کہا ''اگر حکومت برطانیہ پختہ موقف اختیار نہیں کر سکتی اور ہمیں تحفظ مہیا نہیں کر سکتی تو ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا جائے۔''[44] یہ ملاقات بے نتیجہ رہی۔ تاہم اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جناح ابھی تک ایک مرکز کے تحت گروپ بندی کی سکیم پر عمل درآمد کے خواہاں تھے بشرطیکہ کانگرس بھی اس پر عملدرآمد کے لئے خلوص دل سے آمادہ ہوتی یا پھر حکومت برطانیہ سختی سے اس سکیم پر عملدرآمد کراتی۔

26 / اکتوبر کو لیاقت علی خاں نے مخلوط حکومت میں حلف اٹھانے کے بعد پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کا کوئی ذکر نہ کیا۔ جب کسی اخباری نمائندے نے اس کی توجہ پاکستان کے بارے میں مبذول کرائی تو اس نے اس کا گول مول انداز میں جواب دیا اور کہا کہ اس کا مطلب دراصل ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی اور اقلیتوں کی سلامتی اور تحفظ کا حصول ہے۔ لیاقت کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے وزیر ہند پیتھک لارنس نے 8 / نومبر کو ویول کے نام اپنے خط میں لکھا ''میرے خیال میں اس سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ

لیگ کے رہنما 1939ء سے پیشتر کی مسلمانوں کی پالیسی سے ملتی جلتی پالیسی اختیار کر رہے ہیں جس کے مطابق وہ علیحدہ خودمختار مسلم ریاست کے بجائے متحدہ ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی سلامتی کے خواہاں تھے۔ اگرچہ اس پر یقین آنا خاصا مشکل ہے تاہم جناح کے حامیوں میں ایک حصہ ضرور ایسا موجود ہے جو اس پالیسی کی جانب لوٹ جانے کے حق میں یا کم از کم عبوری دور میں اسے آزمانے کا خواہاں ہے۔"[45] گویا حکومت برطانیہ ابھی تک اسی امید میں تھی کہ بالآخر مسلم لیگ کی اعتدال پسند قیادت چند رعایتیں حاصل کر کے مطمئن ہو جائے گی۔ بلا شبہ متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے بہترین صورت اگر کوئی ممکن تھی تو وہ گروپ بندی سکیم میں تھی جس پر عملدرآمد کو سبوتاژ کرنے میں خود پیتھک لارنس اور کرپس جیسے برطانوی حکومت کے اعلیٰ کار پردازوں نے کانگرس کی مدد کی تھی۔ 4/نومبر کو ویول نے اپنے روزنامچے میں لکھا "یہ سوچ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ مشن کا وضع کردہ اتنا اچھا منصوبہ کرپس کی دوعملی اور ہماری طرف سے اپنی منشا کی تائید میں سخت موقف پر ڈٹے رہنے میں ناکامی کی بدولت تباہ ہو گیا۔ میں اس کے لئے خود کو بھی الزام دیتا ہوں لیکن چکنے گھڑے کے ساتھ سخت روی کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"[46]

ویول چاہتا تھا کہ حکومت برطانیہ ایک بیان جاری کر کے لیگ کی تشفی کر دے کہ مشن منصوبہ پر بہ کمال و تمام عملدرآمد ہو گا۔ 4/نومبر کو اس نے ایک سرکاری نوٹ لکھا جس میں فریقین کے مابین تعطل کا تجزیہ کیا گیا تھا۔ اس نے لکھا کہ "میری رائے میں حکومت برطانیہ اپنے اعلان 16/مئی کے تحت اور پھر 16/مئی کو مسلم لیگی رہنماؤں سے ملاقات میں کرپس اور وزیر ہند کی جانب سے کرائی گئی یقین دہانی کی بنیاد پر مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کو قبول کرنے کی پابند ہے۔ لیکن میری رائے میں حکومت برطانیہ اس معاملے میں بزدل بھی ہے اور بددیانت بھی۔ وہ غیر مبہم بیان جاری کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ ان کا رویہ یہ ہے کہ وہ کسی ایسے اقدام کی جرأت نہیں رکھتے کہ جو کانگرس کو ناگوار گزرے۔"[47]

اب صورتحال یہ تھی کہ آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کے لئے 9/دسمبر کی تاریخ کا تعین کیا جا چکا تھا۔ نہرو کی جانب سے وائسرائے پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ آئین ساز اسمبلی کے ارکان کو دعوت نامے ارسال کئے جائیں۔ لیکن دوسری جانب مسلم لیگ نے اپنی

کونسل سے ابھی تک مشن منصوبہ کو دوبارہ منظوری دینے کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ لیگ نے آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ ویول مسلم لیگی رہنماؤں پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ اپنی کونسل کا جلد از جلد اجلاس بلا کر مشن منصوبے کو منظوری دیں ورنہ ان کا حکومت میں شامل رہنا بھی مخدوش ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں 30/اکتوبر کو جناح کے ساتھ اس کے مذاکرات ناکام رہے تھے۔ جناح کانگرس اور حکومت برطانیہ کی جانب سے مشن منصوبے پر من وعن عملدرآمد کے لئے غیر مبہم اور دوٹوک اقرار چاہتے تھے۔ لیکن اس دوران بہار اور گڑھ مکتیشر میں وسیع پیمانے پر مسلمانوں کے بے دریغ قتل عام کے الم ناک واقعات رونما ہو گئے۔ جناح کے لئے متحدہ ہند کی بنیاد پر تصفیہ کرنے کی راہیں اور بھی زیادہ مسدود ہو گئیں۔ مسلمان عوام الناس کو اب صرف پاکستان میں اپنی نجات کی راہ نظر آتی تھی اور مسلم لیگ کی قیادت پر اس سلسلے میں دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ان حالات میں مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس بلا کر اس سے وزارتی مشن منصوبہ کی دوبارہ منظوری حاصل کرنا بے حد مشکل تھا جب کہ کانگرس نے اپنی تعبیر میں کوئی لچک پیدا نہ کی تھی اور حکومت برطانیہ نے خود اپنی تعبیر پر ثابت قدم رہنے کے متعلق کوئی غیر مبہم اعلان نہیں کیا تھا۔ چنانچہ مسلم لیگ نے مؤقف اختیار کیا کہ فی الوقت آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کر دینا ہی بہتر ہوگا۔ پہلے حالات ساز گار کئے جائیں اور پھر اجلاس بلایا جائے۔

13/نومبر کو لیاقت نے ویول کے ساتھ ملاقات کی۔ لیاقت نے مؤقف اختیار کیا کہ ان حالات میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس 9/دسمبر کو منعقد کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس سے فرقہ دارانہ کشیدگی کو اور زیادہ ہوا ملے گی۔ مشن منصوبے پر اس وقت تک عملدرآمد نہیں ہو سکتا جب تک فرقوں کے مابین زیادہ تعاون کا جذبہ پیدا نہ ہو جائے اور صوبوں میں مخلوط حکومتیں قائم نہ ہو جائیں۔ ویول نے جواب دیا کہ پارٹیوں میں سمجھوتہ ہونے تک حکومت برطانیہ غیر معینہ عرصے کے لئے ہندوستان میں ٹھہرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ ہماری کنٹرول کرنے کی قوت فطرتاً ماند پڑتی جا رہی ہے اور پھر مجھے موجودہ حکومت برطانیہ کی ہیئت ترکیبی اور اس کے سیاسی نظریات کے علاوہ عالمی رائے عامہ کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔''[48] یہ گفتگو بھی بے نتیجہ رہی۔ بہار اور گڑھ مکتیشر میں جس بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی تھی اس نے پورے

ملک میں سنسنی پھیلا دی تھی، مسلمانوں میں سخت غم وغصہ اور اضطراب پایا جاتا تھا۔ مسلم لیگی رہنماؤں کے لئے ممکن نہ رہا تھا کہ وہ متحدہ ہندوستان کی آئین سازی کے عمل میں شریک ہو جائیں جب کہ انہیں کوئی رعایت یا تحفظ بھی نہ دیا جارہا ہو۔

14 رنومبر کو جناح نے مسلم رائے عامہ کی ترجمانی کرتے ہوئے غیر ملکی اخبار نویسوں کے ساتھ ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ موجودہ فرقہ وارانہ مسئلے کا واحد حل اسی میں ہے کہ پاکستان اور ہندوستان وجود میں آجائیں۔ ''میری مراد بالکل آزاد پاکستان سے ہے۔ اس کے بجائے کوئی اور شے مصنوعی اور غیر فطری ہوگی'' جب ان سے پوچھا گیا کہ مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس کب طلب کیا جارہا ہے۔ تو انہوں نے کہا ''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' جب مزید زور دیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں سرکاری وجوہ کی بناء پر ابھی اس معاملہ پر بات کرنا نہیں چاہتا۔ یہ عوام کے مفاد میں نہ ہوگی۔ تاہم انہوں نے کہا کہ جب تک مسلم لیگ اپنی قرارداد بمبئی کو واپس نہیں لیتی جس میں مشن منصوبہ کی منظوری کو کالعدم کر دیا گیا تھا، تب تک 9 ردسمبر کو منعقد ہونے والے آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں لیگ کا بائیکاٹ جاری رہے گا۔ انہوں نے برطانیہ کی لیبر حکومت پر الزام لگایا کہ وہ خواب کی دنیا میں رہ رہی ہے اور سنگین غلطیوں کا ارتکاب کر رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کوئی اور حل نکل آئے گا۔ اس اندیشے کے پیش نظر کہ اگر پاکستان وجود میں آ گیا تو وہ ہندوستان کے بجائے مسلمان ملکوں کی رفاقت کا دم بھرے گا، جناح سے پان اسلام ازم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اس غبارے سے پہلے ہی ہوا نکل چکی ہے۔ لوگ خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں میری رائے میں پاکستان اور ہندوستان ملحق ہونے اور باہمی مفادات رکھنے کی بدولت اس برصغیر میں ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں گے۔ وہ خطرے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور دوسری اقوام کے غلبہ کے خلاف اقدام کریں گے۔'' انہوں نے کہا کہ ''جب میں پاکستان کا مطالبہ کرتا ہوں تو صرف مسلمانوں کی لڑائی نہیں لڑتا۔ بلکہ دراصل پاکستان و ہندوستان کے قیام کے ذریعے ہی مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کو صحیح آزادی حاصل ہوگی۔'' انہوں نے پاکستان کے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''اس میں مقبول اور نمائندہ حکومت ہوگی اور ہر بچہ بلا لحاظ ذات، رنگ وعقیدہ مساوی حقوق کا حامل ہوگا۔'' المیہ بہار کا ذکر کرتے کرتے ہوئے انہوں نے

کہا ''تبادلہ آبادی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا جانا چاہیے۔''[49]

جناح کی اس پریس کانفرس پر کانگرسی حلقوں میں شدید ردعمل پیدا ہوا۔ 15 نومبر کو نہرو نے وائسرائے کو لکھا کہ اب جب کہ یہ واضح ہو گیا ہے کہ لیگ آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ جاری رکھے گی، لیگ کا عبوری حکومت میں رہنے کا اب کوئی جواز نہیں ہے۔ اس نے بتایا کہ 19 نومبر سے میرٹھ میں کانگرس کا مکمل سیشن ہو رہا ہے۔ اس وقت تک ہمیں صحیح صورت حال کا علم ہو جانا چاہیے تاکہ کوئی فیصلہ کر سکیں۔ 9 دسمبر کو ہونے والے آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کی راہ میں اگر کوئی رکاوٹ ہوئی تو ہمیں اس سوال کو پیش نظر رکھ کر کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا اور پھر 16 نومبر کو اس نے وائسرائے کے نام ایک اور خط میں زور دیا کہ آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کی مقررہ تاریخ قریب آ جانے کے پیش نظر اراکین کو جلد از جلد دعوت نامے ارسال کئے جائیں۔ تاخیر ہوئی تو ہمارا سارا پروگرام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ دعوت نامے زیادہ سے زیادہ 19 نومبر تک جاری ہو جانے چاہئیں۔ ویول سرحد کے دورے پر تھا۔ اس نے وہاں سے نہرو کو جواب بھیجا کہ جب تک یہ یقین نہ کر لیا جائے کہ لیگ دعوت قبول کرے گی اور یہ کہ لیگ کونسل کا اجلاس بلا تاخیر منعقد ہو گا، یہ دعوت نامے بھیجنا بے سود ہو گا۔ ایک کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

چنانچہ 16 نومبر کو وائسرائے کے معاون جارج ایبل نے لیاقت علی خاں سے ملاقات کی۔ لیاقت نے اجلاس ملتوی کرنے کے اپنے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ لیگ صرف اس صورت میں آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے تیار ہو گی کہ اگر حکومت برطانیہ بذات خود اس امر کی گارنٹی دے کہ اس کی جانب سے جو یہ قول دیا گیا ہے کہ گروپوں کے آئین اور صوبوں کے آئین وضع کرنے کے بارے میں سیکشنوں کے اجلاس کثرت رائے سے فیصلہ کریں گے، اس پر عملدرآمد ہو گا۔ ایبل نے مشن کے اعلان 16 مئی اور پھر اس کی وضاحت میں 25 مئی کے اعلان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان اعلانات میں یہ بات موجود ہے اس لئے ان کی بنیاد پر وائسرائے حکومت برطانیہ سے اس قسم کی یقین دہانی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایبل نے اسے یہ احساس دلانے کی بھی کوشش کی کہ وائسرائے اور کانگرس کے مابین چپقلش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حکومت برطانیہ مسلمانوں کو مایوس کرنا نہیں چاہتی۔ لیکن دونوں پارٹیوں کے مابین توازن برقرار رکھنے کے لئے ان کے پاس بہت

تھوڑا وقت ہے۔ مسلمانوں کی امداد غیر معینہ عرصے تک جاری نہیں رکھی جاسکتی۔ اگر عبوری دور میں مسلم لیگ نے حکومت برطانیہ کے ساتھ تعاون نہ کیا تو یہ دور ختم ہو جائے گا اور مسلم لیگ اور کانگرس کے مابین متنازعہ مسائل بدستور تصفیہ طلب رہ جائیں گے۔ یہ صورت لیگ کے مفاد میں نہ ہوگی۔ اس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ جب تک موجودہ حکومت ہے اسی وقت تک ہندوستانی فوج کو یکجا رکھا جاسکتا ہے۔ لیاقت نے کہا کہ ملک خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے بلکہ خانہ جنگی شروع ہو چکی ہے مگر حکومت برطانیہ اپنی ذمہ داری نبھانے میں کامیاب ثابت نہیں ہو رہی ہے۔[50] چنانچہ جناح کی متذکرہ پریس کانفرنس کے باوجود لیاقت نے مسلم لیگ کا جو مؤقف پیش کیا اس کے مطابق اگر اب بھی حکومت برطانیہ وزارتی مشن منصوبے کی گروپنگ کے بارے میں شقوں پر صحیح معنوں میں عمل درآمد کی حامی بھرنے پر آمادہ ہو جاتی تو لیگ متحدہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں شرکت اور ایک مرکز کے ماتحت رہنے پر آمادہ تھی۔

17 نومبر کو وائسرائے ویول نے وزیر ہند پیتھک لارنس کو اس صورتحال کے بارے میں آگاہ کیا کہ کانگرس 9 دسمبر کو آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کے لئے دعوت ناموں کے اجراء پر اصرار کر رہی ہے اور اس کا مؤقف ہے کہ لیگ نے چونکہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کی اور آئین ساز اسمبلی میں شمولیت پر آمادہ نہیں ہوئی۔ جس کی یقین دہانی پر اسے عبوری حکومت میں شامل کیا گیا تھا۔ اس لئے عبوری حکومت میں اس کے رہنے کا اب کوئی جواز نہیں۔ اسی طرح لیگ کے مؤقف کے بارے میں آگاہ کیا جس کی بناء پر وہ آئین ساز اسمبلی میں شرکت کرنے سے گریز کر رہی تھی۔ ویول نے لکھا کہ ''مسلم لیگ کی شرکت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ حکومت برطانیہ نے اعلان 16 مئی میں سیکشنوں کے کام کرنے کے طریقۂ کار سے متعلقہ شقوں کے بارے میں کبھی کوئی غیر مبہم بیان جاری نہیں کیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مشن کی منشا کو کھلے بندوں واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا جائے کہ آئین ساز اسمبلی کا سیکشنوں کی صورت میں اجلاس منعقد ہونا لازمی امر ہے، صوبوں کا آئین سیکشن اپنے اجلاس میں وضع کریں گے اور سیکشن کا ہر رکن اپنی انفرادی حیثیت میں ووٹ دے گا۔ اگر اس طرح کا دوٹوک بیان فوری طور پر جاری کر دیا جائے تو مسلم لیگ کا حکومت برطانیہ کی دیانتداری پر اعتماد بحال ہو جائے گا اور پھر میں مسلم لیگ کے نمائندوں کو آئین ساز اسمبلی کے 9 دسمبر کے اجلاس میں

شرکت پر آمادہ کرلوں گا۔ میں اس قسم کے بیان کے اجرا کی پرزور سفارش کرتا ہوں جو حکومت برطانیہ کو جلد یا بدیر جاری کرنا پڑے گا اگر وہ چاہتی ہے کہ مشن کی پیش کردہ سکیم کامیاب ہو، بصورت دیگر یہ ناکام ہو جائے گی۔"[51]

پیتھک لارنس نے وزارتی مشن کے دوسرے ارکان اور وزیراعظم سے مشورہ کرنے کے بعد 18 نومبر کو ویول کو جواب دیا کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس 9 دسمبر سے آگے ملتوی نہیں کیا جائے گا۔ آئین ساز اسمبلی کی صورتحال میں یہ نازک مرحلہ آنا تو ناگزیر ہے اور چونکہ حالات کو کنٹرول کرنے کی ہماری قوت روبہ زوال ہے اس لئے جتنا جلد یہ مرحلہ آجائے اتنا ہی اچھا ہے۔ اس نے ان خطوط پر ایک بیان کا مسودہ جیسے کہ ویول نے تجویز کیا تھا ہمراہ ارسال کیا کہ اسے اس دعوت نامے میں شامل کر دیا جائے جو ویول نے ارکان اسمبلی کو جاری کرنا تھا۔ مگر ساتھ ہی پیتھک لارنس نے اپنے رفقاء اور وزیراعظم کے ان خدشات کا بھی ذکر کر دیا کہ "یہ تو معلوم نہیں کہ اس سے مسلم لیگ شرکت پر آمادہ ہوگی۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ کانگرس اس پر برہم ہو گی اور معلوم نہیں یہ انہیں کس انتہا تک لے جائے۔" اس لئے اس نے تجویز کیا کہ ویول کو چاہیے کہ وہ جناح کو سمجھائے کہ حکومت برطانیہ آئین ساز اسمبلی کو کوئی ایسا راستہ اختیار کرنے نہیں دے گی کہ جو اس کے 16 مئی اور 25 مئی کے اعلانات سے مطابقت نہ رکھتا ہوگا۔ انہیں اختیار ہے کہ وہ ہماری اس منشا کو ملحوظ رکھ کر اسمبلی میں شریک ہو جائیں اور ایسا کرنے کے بعد یہ حق تو انہیں ہمیشہ حاصل رہے گا کہ وہ جب چاہیں اسمبلی سے باہر آجائیں"[52] اس خط سے صاف ظاہر تھا کہ حکومت برطانیہ اپنے ہی وزارتی مشن منصوبے (16 مئی) پر اپنی تعبیر (25 مئی) کے مطابق صحیح طور پر عمل درآمد کرانے کے لئے مسلم لیگ کو کوئی یقین دہانی کرانے پر آمادہ نہیں تھی کہ کہیں کانگرس اس پر ناراض نہ ہو جائے اور اس کے "انتہا" پر چلے جانے سے ان کو بڑا ڈر لگتا تھا۔ حکومت برطانیہ پوری طرح کانگرس کی دھونس میں آچکی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب یہ دعوت نامے جاری ہوئے تو ان میں متذکرہ پیراگراف جس کا مسودہ ویول کو بھیجا گیا تھا، شامل نہ کیا گیا۔

ادھر 17 نومبر کو جناح نے ویول کو لکھا کہ کانگرس نے کبھی بھی وزارتی مشن منصوبہ کو صحیح معنوں میں منظوری نہیں دی۔ انہوں نے اس سلسلے میں کانگرس مجلس عاملہ کی گزشتہ پانچ چھ ماہ

میں منظور کردہ قراردادوں، کانگریسی رہنماؤں کے بیانات اور خطوط کی مثالیں دیں۔ نہرو کی طرف سے آسام کے وزیراعلیٰ کے نام خط کا بھی حوالہ دیا جس میں نہرو نے کہا تھا کہ ہم آسام پر اس کی مرضی کے خلاف کسی آئین کو مسلط کئے جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جناح نے گاندھی کے 23/اکتوبر کے بیان کا بھی حوالہ دیا جس میں اس نے فیڈرل کورٹ سے مشن منصوبے کی تعبیر کا فیصلہ لینے کا مطالبہ کیا تھا۔

اس تمام پس منظر کا ذکر کرنے کے بعد جناح نے لکھا کہ ''اصل معاملہ یہ ہے کہ سب سے پہلے کانگرس سے صاف الفاظ میں بنیادی باتوں پر اقرار لیا جائے اور پھر وہ طریقے وضع کئے جائیں کہ اگر کانگرس اپنے قول سے پھر جائے تو حکومت برطانیہ ان کے ذریعے منصوبے پر عملدرآمد کرائے گی۔'' تاہم اس کی رائے تھی کہ بہار کی کانگرسی حکومت کے زیر اہتمام جس طرح منصوبہ بندی کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا ہے، اس کے پیش نظر انتہائی اشتعال انگیز صورت حال میں فی الوقت آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلانا انتہائی غیر دانشمندانہ ہوگا۔ اس سے اشتعال میں اضافے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ پہلے لوگوں کے جان و مال کو محفوظ کیا جائے، امن عامہ بحال کیا جائے اور غیر معینہ عرصے کے لئے آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔[53] تاہم اس خط میں بھی جناح نے وزارتی مشن منصوبے پر عملدرآمد کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ فی الوقت جذبات کو سرد ہونے اور امن عامہ بحال ہونے کے لئے کچھ وقت دے دیا جائے اور پھر حکومت برطانیہ کانگرس کو راضی کر کے یا اپنے خصوصی اختیارات استعمال کر کے مشن منصوبے کی گروپ بندی سکیم پر عملدرآمد کرائے۔ لیکن ادھر حکومت برطانیہ کو اقتدار چھوڑنے کی جلدی تھی اور ادھر کانگرس پورے برصغیر پر بلا شرکت غیرے قبضہ جمانے کے لئے بے تاب تھی، اس لئے جناح کی تجویز پر عمل نہیں ہو سکتا تھا۔

19/نومبر کو ویول نے جناح کے ساتھ ملاقات کی اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ اب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس مزید التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا، نہ ہی فرقہ وارانہ تناؤ میں چند ماہ کے عرصے میں کوئی کمی واقع ہونے کا امکان ہے اور پھر یہ کہ حکومت برطانیہ کے پاس اب مزید وقت نہیں ہے۔ حکومت برطانیہ کے اعلانات اس کی منشا واضح کر چکے ہیں۔ یہ طے ہے کہ آئین ساز اسمبلی میں صوبے اپنے سیکشنوں کی صورت میں اجلاس منعقد کریں گے۔ لیکن

حکومت برطانیہ اسمبلی پر کوئی طریقہ کار جبراً نہیں ٹھونس سکتی۔ البتہ اتنا کیا جا سکتا ہے کہ اگر وضع کردہ آئین حکومت برطانیہ کی اعلان کردہ منشا کے برعکس ہو تو وہ اسے منظوری نہیں دے گی۔ جناح نے جواب میں کہا کہ آپ لوگ بتدریج مسلمانوں کو ہندو راج کے ماتحت کرتے جا رہے ہیں۔ دونوں فرقوں کے مابین کوئی سمجھوتہ طے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ خود ہی آئین وضع کر کے بطور ایوارڈ اس کا نفاذ کر دیں۔ ویول نے کہا کہ پھر ہمیں اس کے نفاذ کی خاطر یہاں رکنا پڑے گا ورنہ وہ بے سود ثابت ہوگا۔ دوران گفتگو پاکستان کا ذکر بھی چھڑا۔ جناح نے ایک موقع پر کہا کہ مشن نے شروع میں جو چھوٹا پاکستان تجویز کیا تھا میں نے اسے کبھی رد نہیں کیا البتہ میں نے اس میں کلکتہ کی شمولیت پر زور دیا تھا۔ جناح نے مزید کہا کہ آپ اس ملک میں ہمارا حصہ ہمیں دے دیں خواہ یہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو لیکن یہ ہمارا ہو، ہم اس میں ایک وقت کی روٹی کھا کر گزارہ کر لیں گے۔ ویول نے جواب میں کہا کہ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا کہ دونوں فرقوں کے مابین تصفیہ ناممکن ہے۔ جناح نے کہا یہ عملاً ثابت ہو چکا ہے کہ اس کا امکان نہیں ہے۔ مزید کچھ گفتگو کے بعد جناح نے تبادلۂ آبادی کا سوال اٹھایا۔ ویول نے کہا کہ اس کے لئے بھی مذاکرات اور سمجھوتے کی ضرورت ہوگی۔"[54] بہرحال یہ ملاقات بے نتیجہ ثابت ہوئی اور جناح بدستور آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کے التوا پر اصرار کرتے رہے۔

اسی روز ویول نے نہرو کے ساتھ ملاقات کی۔ ویول نے آئین ساز اسمبلی کے اجلاس (9/دسمبر) کے لئے دعوت نامے ارسال کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اس کے بعد نہرو نے مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں شمولیت پر اعتراض کیا کہ اس کا انحصار اس بات پر تھا کہ وہ طویل المیعاد منصوبہ کی منظوری دے دے گی۔ ویول نے جواب دیا کہ ہمیں ایک ایک کر کے مشکلات پر قابو پانا چاہیے۔ اس معاملے کو اس وقت تک چھوڑ دیتے ہیں کہ جب تک آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کی طلبی پر مسلم لیگ کوئی ردعمل ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ 9/دسمبر کو اجلاس میں شرکت کے لئے ارکان آئین ساز اسمبلی کے لئے دعوت نامے جاری کر دیئے گئے۔ اس سلسلے میں اعلان ہوتے ہی 21/نومبر کو جناح نے مسلم لیگ کے بائیکاٹ کا واضح طور پر اعلان کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ "مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گا۔ مسلم لیگ کونسل کی 29/جولائی کی منظور کردہ قرارداد بمبئی بدستور برقرار ہے۔" انہوں نے الزام عائد کیا کہ "وائسرائے

حقائق اور صورت حال سے بے خبر ہو کر کانگرس کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے اور مسلم لیگ اور دوسری تنظیموں اور ملک کی قومی زندگی کے دوسرے عناصر کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔''

21 رنومبر کو ویول نے مسلم لیگ کے چار وزیروں لیاقت علی خاں، عبدالرب نشتر، غضنفر علی خاں اور آئی آئی چندریگر کے ساتھ ملاقات کی۔ لیاقت نے اس سے صاف سیدھا سوال پوچھا کہ کیا وائسرائے اور حکومت برطانیہ کا ہندوستان میں اقلیتوں کو تحفظ دینے کی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ ویول نے دیانتداری سے اس کا جواب دے دیا اور کہا کہ اس ذمہ داری کو نبھانے کی ہماری صلاحیت بری طرح کمزور ہو چکی ہے۔ چونکہ برطانوی حکومت انتقال اقتدار کے ارادے کا اعلان کر چکی ہے اس لئے افسروں اور پولیس سے تعاون کی وہ توقع نہیں کی جا سکتی جو وہ پہلے کیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اس نے کہا کہ افسروں اور پولیس کے اندر فرقہ وارانہ تقسیم ہو چکی ہے۔ اس لئے امن عامہ کی بحالی کے لئے ان پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ فوج میں ابھی یہ تقسیم نہیں ہوئی، لیکن یہ صورت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گی۔ اس نے ان سے کہا کہ بہترین صورت یہی ہے کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو کر اپنی سودے بازی کی قوت سے فائدہ اٹھائے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ حکومت برطانیہ مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کر رہی ہے۔ حالانکہ ہم نے جنگ کے دنوں میں حکومت کے ساتھ تعاون کیا تھا جب کہ کانگرس نے جنگی سرگرمیوں کی راہ میں مشکلات حائل کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ ویول نے جواب میں کہا کہ مسلم لیگ حمایت کرنے کے بجائے غیر جانب دار رہی تھی۔ اس مسئلے پر کچھ ''تکلیف دہ'' گفتگو کے بعد لیاقت نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ کانگرس والوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ موجودہ حکومت برطانیہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے ڈرتی ہے اور وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں، اسی لئے وہ مسلمانوں کو صرف رحم طلب سمجھ کر ان سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ ویول اور مسلم لیگی رہنماؤں کی یہ بات چیت بے سود رہی۔

23 رنومبر کو ویول نے لیاقت علی خاں کے ساتھ ایک اور ملاقات کی۔ ویول نے کہا کہ طویل المیعاد منصوبہ کو منظوری دیئے بغیر مسلم لیگ کابینہ میں موجود نہیں رہ سکتی۔ لیاقت نے جواب دیا کہ ''آپ جب چاہیں گے ہم کابینہ سے استعفیٰ دے دیں گے لیکن طویل المیعاد منصوبے کو اس وقت تک منظور نہیں کیا جا سکتا جب تک حکومت برطانیہ یہ اعلان نہ کر دے کہ

صوبے اپنے اپنے سیکشنوں کی صورت میں اجلاس منعقد کریں گے، سیکشنوں کے ارکان اپنی اکثریت سے فیصلہ کریں گے کہ گروپ بنائے جائیں گے یا نہیں اور سیکشن اپنے اجلاس میں کثرت رائے سے صوبوں اور گروپ کا آئین وضع کریں گے۔ حکومت برطانیہ یہ یقین دہانی بھی کرائے کہ اگر اس طریقۂ کار کو اختیار کر کے آئین وضع نہ کیا گیا تو وہ اس کا اطلاق نہیں ہونے دے گی۔ اگر یہ یقین دہانی کرا دی جائے تو لیگ طویل المیعاد منصوبہ منظور کرنے کے لئے تیار ہے۔'' کافی دیر تک ویول اسے وہ دلائل دے کر قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا جو پیتھک لارنس نے ویول کو لکھا تھا کہ دے کر لیگ کو سمجھایا جائے۔ لیکن یہ بے سود ثابت ہوئے۔ لیاقت علی کا کہنا تھا کہ لیگ کے لئے مشن منصوبے میں ایک ہی پرکشش بات تھی جس کی بدولت وہ اسے منظوری دینے پر راغب ہوئی تھی اور وہ یہ کہ اس میں گروپوں کی تشکیل کا امکان موجود تھا اور یہ کہ سیکشنوں میں کثرت رائے سے گروپ اور صوبوں کے آئین وضع کرنے کا امکان رکھا گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر حکومت برطانیہ کانگرس سے خائف ہو چکی ہے اور اس میں اتنی جرأت اور دیانت نہیں ہے کہ وہ خود اپنے مشن منصوبے پر قائم رہے تو پھر مسلمان بھیڑیوں کے حوالے کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ صورتحال تسلیم کر کے اس کا مقابلہ کرنا ہوگا اور اپنے زور بازو سے ہی جو کچھ ممکن ہے حاصل کرنا ہوگا کہ کانگرس سے کسی قسم کی رحم کی امید نہیں کی جا سکتی۔ ویول نے اس گفتگو کی تفصیل سے پیتھک لارنس کو آگاہ کرتے ہوئے خط کے آخر میں لکھا کہ ''مجھے پورا یقین ہے کہ نہرو سے کسی قسم کی رعایت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ کانگرس ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے اور جس طرح لیگ کا بھی خیال ہے، وہ سمجھتی ہے کہ حکومت برطانیہ اس کے برخلاف جانے سے ڈرتی ہے۔'' اور ویول نے پیتھک لارنس کے گزشتہ مراسلوں کا حوالہ دیتے ہوئے مزید لکھا کہ ''ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے''[55]

ویول کے ساتھ ملاقاتوں میں ایک بار پھر مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اپنی اس خواہش کا شدومد سے اظہار کیا تھا کہ گروپنگ سکیم کو صحیح معنوں میں روبہ عمل لانے کا سامان مہیا کر دیا جائے تو وہ طویل المیعاد منصوبہ ایک بار پھر منظور کر کے آئین سازی میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ویول کی بھی شدید خواہش تھی کہ حکومت برطانیہ اب بھی اپنے اعلانات اور تعبیر پر کچھ ثابت قدم رہے تو برصغیر کا اتحاد پارہ پارہ ہونے سے بچ سکتا ہے۔ اس نے

24۔نومبر کو پیتھک لارنس کے نام اپنے مراسلے میں اپنی اس خواہش کا اعادہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''حکومت برطانیہ کو اب یہ طے کر دینا چاہیے کہ آیا وہ مشن کے اعلان پر قائم ہے یا نہیں۔لیگ کے تجویز کردہ خطوط پر مبنی ایک قطعی اعلان کا اجراء اب بھی مشن منصوبہ کو بچا سکتا ہے۔اس نے یاد دلایا کہ ہم نے سیکشنوں میں کثرت رائے سے فیصلہ کرنے کے طریقۂ کار کے بارے میں جناح اور لیاقت کو 16 رمئی کی ملاقات میں یقین دہانی کرائی تھی اور یہ ان کو اچھی طرح یاد ہے کیونکہ لیاقت نے اپنی کل کی ملاقات میں اس کا ذکر کیا تھا۔چنانچہ اس نے لکھا کہ ''اگر حکومت برطانیہ اس قسم کا بیان جاری کرنے کا فیصلہ کرلے تو میں جناح سے یہ پختہ وعدہ کرنے کو کہوں گا کہ اس یقین دہانی پر وہ اسمبلی میں شریک ہو جائے گا۔ بصورت دیگر حکومت برطانیہ کو یہ تسلیم کرلینا چاہیے کہ اس نے مشن منصوبہ ترک کر دیا ہے اور کانگرس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔اس نے وزیر ہند کو یہ بھی یاد دلایا کہ ''اگر کانگرس کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی پالیسی اختیار کی گئی تو اس کے نتیجے میں خانہ جنگی چھڑ جائے گی، ہندوستانی فوج ٹکڑوں میں بٹ جائے گی اور سارا ہندوستان گڑبڑ کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ برطانوی فوج گڑبڑ کو دبانے اور یورپیوں کو حملوں سے محفوظ کرنے کے کام میں ملوث ہو جائے گی۔'' اس نے حتمی طور پر لکھا کہ 'اب نیم دلانہ اقدامات یا خوش فہمیوں سے کچھ نہیں بنے گا،حکومت برطانیہ کے سامنے صاف سیدھا سوال ہے کہ یا تو مشن منصوبہ پر ڈٹ جاؤ اور یا کانگرس کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور اس کو فوری طور پر طے کر دینا ہوگا۔''[56]

25رنومبر کو لندن میں برطانوی کابینہ کا اجلاس وزیراعظم ایٹلی کی زیرصدارت منعقد ہوا اور ہندوستان کے سیاسی بحران پر غور کیا گیا۔ وزیر ہند پیتھک لارنس نے کابینہ کو آگاہ کیا کہ مسلم لیگ یہ یقین دہانی چاہتی ہے کہ سیکشنوں کے اجلاس میں فیصلے موجود ارکان کی اکثریت سے ہوں گے نہ کہ ہر صوبے کا ووٹ اس کے نمائندے اپنی اکثریت کی بناء پر دیں گے۔'' اس پر پیتھک لارنس نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ ''یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کے دوررس نتائج نکلیں گے۔ اس پر کانگرس کو ناراض کئے بغیر حکومت برطانیہ کے لئے یقین دہانی کرانا مشکل ہوگا۔''[57] چنانچہ غور وخوض کے بعد کابینہ نے فیصلہ کیا کہ کانگرس اور مسلم لیگ کے دو دو رہنماؤں اور سکھ فرقے کے ایک نمائندے کو وائسرائے کے ہمراہ فوری طور پر لندن طلب کیا جائے تاکہ ان سے

صلاح مشورہ کے بعد کوئی تصفیہ کیا جا سکے۔ اس فیصلے سے ویول کو فوری طور پر آگاہ کر دیا گیا۔

لیگ اور کانگرس کے رہنماؤں کے مابین سخت معاندانہ بیانات کا تبادلہ

اس موقع پر جب حکومت برطانیہ نے ہندوستانی رہنماؤں کو لندن آنے کی دعوت دی تھی، ان رہنماؤں کے مابین گرما گرم بیانات کا تبادلہ ہو رہا تھا اور دونوں پارٹیوں کے مابین تضاد انتہائی شدید ہو چکا تھا۔ 19 سے 23 نومبر تک میرٹھ میں کانگرس کا سالانہ سیشن منعقد ہوا۔ وہاں نہرو، پٹیل اور دوسرے کانگرسی رہنماؤں نے اپنی تقریروں میں لیگ پر شدید حملے کئے۔ 21 نومبر کو نہرو نے تقریر کرتے ہوئے الزام لگایا کہ ''مسلم لیگ نے ہمیشہ حکومت برطانیہ کے ساتھ مل کر ملک کی قوم پرست قوتوں کے خلاف کام کیا ہے۔ برطانوی حکومت نے اپنی مقصد براری کے لئے اس کا فائدہ اٹھایا ہے۔ لیگ نے حکام کے ساتھ مستقل اتحاد قائم کر رکھا ہے جو ہندوستان پر حکومت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔'' اس نے عبوری حکومت میں لیگ کے ساتھ اپنے اختلافات کا ذکر کیا اور کہا کہ ''ان اختلافات کی بناء پر میں اور میرے رفقاء حالیہ دنوں میں دو مرتبہ استعفیٰ دینے کی دھمکی دے چکے ہیں۔ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اگر حالات یہی رہے تو ان کے نتیجے میں ایک بڑی جدوجہد جنم لے گی۔''[58] اس سیشن میں سردار پٹیل نے 23 نومبر کو اپنی تقریر میں کہا کہ ''تلوار کا مقابلہ تلوار کے ساتھ کیا جائے گا۔ پاکستان کو تلوار کے ذریعے یا خون ریزی کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔''[59] تمام کانگرسی رہنماؤں نے بار بار مطالبہ کیا کہ چونکہ مسلم لیگ نے طویل المیعاد منصوبے کو دوبارہ منظوری نہیں دی ہے اس لئے اسے حکومت سے نکال دیا جائے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے 24 نومبر کو مسلم لیگی رہنما اور کابینہ کے رکن راجہ غضنفر علی خاں نے اپنے بیان میں وزارتی مشن کے 25 مئی کے اعلان کا حوالہ دیا کہ ''گروپنگ اس سکیم کا لازمی حصہ ہے'' اور کہا کہ ''پنڈت نہرو سمیت ساری دنیا کو معلوم ہے کہ مسلم لیگ کو تمام تر شکایت یہ ہے کہ کانگرس نے 16 مئی کے منصوبے کو 25 مئی کی تشریح کے ساتھ قبول نہیں کیا ہے۔ اگر کانگرس برطانوی مشن کے اعلانات کے مطابق ترتیب دیئے گئے منصوبے کا اعلانیہ انکار کرنے کے باوجود عبوری حکومت میں رہ سکتی ہے تو میں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ مسلم لیگ اس میں کیوں نہیں رہ سکتی۔'' 25 نومبر کو جناح نے کانگرسی رہنماؤں کے میرٹھ سیشن کے بیانات پر

سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اپنے بیان میں کہا کہ ''ان بیانات نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔'' اس نے پٹیل کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''الفاظ سے ہڈیاں کبھی نہیں ٹوٹا کرتیں۔ تاہم اگر وہ سمجھتا ہے کہ سارے ہندوستان میں اقلیتوں کا اکثریتوں کے ہاتھوں قتل عام ہونا چاہیے تو یہ ایک انتہائی ہولناک پہلو ہے۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ جو کوئی بھی اس قسم کی باتوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے وہ ہر ملک کا بدترین دشمن ہوتا ہے'' نہرو کے بیان کا ذکر کرتے ہوئے جناح نے کہا کہ ''جب تک پنڈت نہرو اور کانگرس یہ سمجھتے ہیں کہ عبوری حکومت کو حاصل اختیارات کو بروئے کار لا کر اور اپنی اکثریت اور مکروفریب کے جال سے کام لیتے ہوئے وہ مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کر سکتے ہیں یا ایک ایک کر کے ایسے اقدامات کر سکتے ہیں کہ جو مستقبل کے آئین کے تصفیہ کی راہ میں رکاوٹ یا روڑہ بن کر اٹک جائیں گے تو مسلم لیگ ہر قدم پر اور ہر ذریعہ سے ان اقدامات کی مزاحمت کرے گی جو مستقبل کے آئین کے تصفیے کو زیادہ سے زیادہ مشکل بنانے کی نیت سے کئے جائیں گے۔'' جناح نے عبوری حکومت کے سلسلے میں کئے گئے نہرو کے اعتراضات کے جواب میں کہا کہ ''ہم پنڈت نہرو یا کانگرس کے احکامات قبول نہیں کریں گے اور جب تک کانگرس ایگزیکٹو کونسل کے اندر اور باہر پاکستان کو تارپیڈو کرنے کی پالیسی پر گامزن رہے گی، اور جب تک کانگرس مسلم لیگ کو برابری کی بنیاد پر تسلیم نہیں کرے گی، ہم پہلی صورت کے خلاف مزاحمت کرنے اور ڈٹ جانے سے باز نہیں رہ سکتے اور دوسری صورت کے بارے میں یہ ہے کہ ہم سے کانگرس کی ماتحت یا تابع حیثیت قبول کرنے کی توقع نہیں کی جانی چاہیے۔''[60] جناح نے بہار اور گڑھ مکتیشر کے مسلمانوں کے قتل عام کے بعد عوام کی سطح پر پاکستان کا نعرہ پھر سے بلند کرنا شروع کر دیا تھا۔

برطانوی حکومت نے ویول اور ہندوستانی رہنماؤں کو لندن طلب کر لیا

ان حالات میں 25 نومبر کو لندن سے ہندوستانی رہنماؤں کا بلاوا آیا۔ ویول نے نہرو، جناح اور بلدیو سنگھ تک اس دعوت کو پہنچایا۔

نہرو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد 26 نومبر کو ویول کے نام بذریعہ خط یہ کہہ کر اس دعوت کو مسترد کر دیا کہ لندن جانے کا ''اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ لیگ کی ایما پر وزارتی مشن منصوبہ ترک کئے جانے یا اس میں خاصی ترمیم کئے جانے کے عمل میں ہم

بھی فریق بن گئے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم لیگ کی ہٹ دھرمی اور تشدد بھڑکانے کے سامنے جھک گئے ہیں۔ اس کے تباہ کن نتائج برآمد ہوں گے۔"[61] اور چونکہ کانگرس نے دعوت رد کر دی تھی اس لئے سکھ نمائندے بلدیو سنگھ نے بھی ویول کو جواب دے دیا کہ "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس وقت جس قسم کے حالات ہیں اور یہ کہ کانگرس نے بھی جانا مناسب نہیں سمجھا ہے اس لئے اس کے پیش نظر میرا اس دعوت کو قبول کرنے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا۔" ویول کے نام اپنے اس خط میں بلدیو سنگھ نے مسلم لیگ پر سخت تنقید کی اور کہا کہ سکھوں نے یہ خدشہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کے ساتھ کسی تصفیے پر پہنچنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو چکا ہے...... ایسا مرحلہ بھی آ سکتا ہے کہ سکھ سیاسی مذاکرات کے لئے مسلم لیگ کے ساتھ بیٹھنے سے ہی انکار کر دیں۔[62]

جناح کراچی میں تھے۔ لیاقت نے کراچی آ کر جناح کے ساتھ مشورہ کیا اور ان دونوں نے مسلم لیگ کی جانب سے دعوت قبول کر لی۔

27 نومبر کو لندن میں پارلیمینٹ کے دونوں ایوانوں میں اعلان کر دیا گیا کہ آئینی تعطل دور کرنے کے لئے ہندوستانی رہنماؤں کو لندن آنے کی دعوت دی گئی ہے۔

ادھر جب ایٹلی کو کانگرس کے انکار کی خبر ملی تو وہ سٹپٹا گیا۔ اس نے فوراً وائسرائے کی وساطت سے بذریعہ تار نہرو کو خصوصی خفیہ پیغام بھجوایا جس میں اسے یقین دہانی کرائی گئی کہ "نہ تو اسمبلی (آئین ساز) کے انعقاد کے فیصلے کو ترک کیا جائے گا اور نہ ہی وزارتی مشن منصوبہ کو ترک کیا جائے گا۔ ہماری خواہش ہے کہ اس پر مکمل طور سے عملدرآمد ہو اور ایسی کوئی خواہش نہیں کہ اس کو ترک کیا جائے یا اس میں ترمیم کی جائے۔ اسی تمنا کے ساتھ ہم نے آپ کو اور آپ کے رفقاء کو لندن آنے کی دعوت دی ہے۔ وزارتی مشن کے تینوں ارکان نے اجتماعی طور پر اور انفرادی طور پر مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں آپ سے ملاقات اور صورت حال پر بات چیت کی انتہائی اہمیت کے بارے میں آپ کو احساس دلاؤں پیشتر اس کے کہ ہندوستان میں کوئی اور ناخوشگوار واقعہ رونما ہو جائے۔ آزادئ ہند کے نصب العین کے جلد اور پرامن حصول کی خاطر آپ ہماری مدد فرمائیں۔ اس نصب العین میں ہم اہل ہند کے ساتھ پورے خلوص کے ساتھ شریک ہیں۔"[63]

اس منت سماجت بھرے خط کے جواب میں نہرو نے 28 نومبر کو وائسرائے کی

وساطت سے بذریعہ تار ایٹلی کو جو خفیہ پیغام بھجوایا اس میں نخوت اور نخرے کے ملے جلے تاثر کے ساتھ کہا گیا کہ ہمارے لندن آنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ''برطانوی حکومت کے پارلیمینٹ میں اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں تعبیر پر اختلاف کے معاملے کو سلجھایا جائے گا۔ ہم پہلے ہی یہ موقف اختیار کر چکے ہیں کہ اختلافی نکات پر فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جائے گا اور ہم اس کے فیصلے کے پابند ہوں گے۔ اس بارے میں ہمارا موقف صاف اور واضح ہے اور ہم اس پر پوری طرح قائم ہیں۔ نہ تو ہم اور نہ کوئی اور اتھارٹی ہمارے اس موقف کو بدل سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ہمارا لندن آنا غیر ضروری ہے۔'' لیکن یہ نخرا دکھانے کے بعد آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ ''......لیکن اس کے باوجود اور اس لئے کہ آپ بعض دوسرے معاملات پر تبادلۂ خیال کی خاطر ہمیں بلانے کی خواہش رکھتے ہیں، ہم آنے کی کوشش کریں گے۔ اس صورت میں ہمارا 9/دسمبر تک آئین ساز اسمبلی کی خاطر واپس آنا ضروری ہوگا''[64] اسی روز ایٹلی نے جواب بھجوایا کہ ''آئین ساز اسمبلی کے اجلاس سے پہلے پہلے آپ کا یہاں آنا بے حد قدر و قیمت کا حامل ہے۔'' اور یہ یقین دہانی بھی کرا دی گئی کہ ''9/دسمبر سے پہلے آپ کی واپسی کا انتظام کر دیا جائے گا۔'' گویا اس طرح کانگرس نے یہ اقرار لے لیا کہ لیگ کے مطالبے پر آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہیں ہوگا۔ اس کے بعد نہرو نے دعوت قبول کر لی۔

کانگرس کی جانب سے نمائندگی کے لئے دو افراد کے لئے دعوت تھی اور دوسرا شخص پٹیل نے ہونا تھا لیکن کانگرس نے اس ''بے سود'' اور ''غیر ضروری'' مقصد کے لئے دوسرے آدمی کو ہندوستان سے باہر بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ کانگرس نے دعوت قبول کر لی تو بلدیو سنگھ نے بھی ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں'' کے مصداق دعوت قبول کر لی۔

30/نومبر کو وائسرائے کے ہمراہ ان تمام رہنماؤں کی دہلی سے پرواز طے ہوگئی۔ لیکن عین آخری لمحے پر ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جناح کو نہرو اور ایٹلی کے مابین خفیہ پیغام رسانی کی نقل مہیا کی گئی تھی جس کو دیکھ کر انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ 29/نومبر کو جناح نے کراچی سے وائسرائے کو بذریعہ تار اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ بعض نئی باتیں کی گئی ہیں جن کا ہم سے پہلے ذکر نہیں کیا گیا۔ ''جب تک یہ واضح نہیں کر دیا جاتا کہ صورتحال کے تمام پہلوؤں کا، جو کچھ ہوا ہے اس کی روشنی میں جائزہ نہیں لیا جائے گا، ہمارا لندن جانا ممکن نہیں

ہے۔'' چنانچہ اس روز رات گئے ایٹلی کی جانب سے جناح کے نام پیغام موصول ہوا کہ ''مجھے اعتماد ہے کہ آپ لندن ضرور آئیں گے۔ آپ کا انکار غلط فہمی پر مبنی ہے جو میری طرف سے نہرو کو تار بھیجنے سے پیدا ہوئی ہے۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جو تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کی راہ میں مانع ہو۔''30 رنومبر کی صبح کو وائسرائے کے ہمراہ پنڈت نہرو اور بلدیو سنگھ کے علاوہ لیاقت علی خاں جو فی الحال صرف کراچی تک عازمِ سفر ہوا تھا بذریعہ طیارہ دہلی سے روانہ ہو کر کراچی پہنچے۔ یہاں سہ پہر کو ویول نے جناح کے ساتھ ملاقات کی جس میں جناح نے اپنی اور لیاقت کی روانگی پر آمادگی ظاہر کر دی۔ یکم دسمبر کو یہ سب لوگ کراچی سے لندن کے لئے روانہ ہو گئے۔

برطانوی لارڈ چانسلر نے مشن منصوبہ کی لیگی تعبیر کو درست قرار دیا

ہندوستانی رہنماؤں اور وائسرائے کی آمد سے پیشتر وزیر ہند پیتھک لارنس نے مشن منصوبے کی اختلافی شقوں کے بارے میں برطانیہ کے لارڈ چانسلر (یعنی چیف جسٹس اور دارالامراء کے صدر) لارڈ جووٹ سے قانونی مشورہ حاصل کیا۔ اس نے 29 رنومبر کو گروپوں اور صوبوں کی آئین سازی اور سیکشنوں کے اجلاس کے طریقۂ کار کے بارے میں سارا کیس بنا کر لارڈ جووٹ کو بھیجا۔ اس میں اس نے مشن کے 25 رمئی کے وضاحتی بیان کا بھی حوالہ دیا اور یہ بتایا کہ کانگرس کو مشن کی تعبیر کے ساتھ اختلاف ہے جب کہ لیگ مشن کی تعبیر پر عملدرآمد چاہتی ہے۔ اس نے کانگرس کی مجلس عاملہ کی 24 رمئی کی قرارداد کا بھی حوالہ دیا اور سیکشنوں کے بارے میں کانگرس کی تعبیر کے بارے میں بھی آگاہ کیا کہ وہ صوبوں کو خود اپنا آئین وضع کرنے کا اختیار دینا چاہتی ہے اور سیکشن کے اجلاس میں ارکان کے انفرادی ووٹ کے بجائے ہر صوبے کے لئے بحیثیت مجموعی ایک ووٹ چاہتی ہے جسے اس صوبے کے ارکان کی اکثریت کو استعمال کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

لارڈ جووٹ نے مشن منصوبہ کی دستاویز کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد 2 ردسمبر کو پیتھک لارنس کو مفصل طور پر اپنی ماہرانہ قانونی رائے لکھ کر بھیج دی۔ اس کے مطابق مشن منصوبہ کی درست تعبیر یہ تھی کہ آئین ساز اسمبلی اپنے ابتدائی اجلاس کے بعد مقررہ سیکشنوں کی صورت اختیار کر لے گی۔ یہ سیکشن خود نہ کہ انفرادی صوبے، صوبوں کا آئین وضع کریں گے۔ سیکشن ہی اس بات کا بھی فیصلہ کریں گے کہ آیا صوبوں کا گروپ بنے گا یا نہیں اور سیکشن ہی گروپ کا

آئین وضع کریں گے۔ اس نے واضح الفاظ میں لکھا کہ ''مجھے اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ آئین ساز ادارے کے لئے کی گئی سفارشات میں کسی جگہ بھی یہ کہا گیا ہے کہ صوبے ابتداہی میں یہ انتخاب کر سکیں گے کہ آیا انہوں نے کسی سیکشن میں جس میں کہ انہیں شامل کیا گیا ہے، رہنا ہے یا نہیں۔ اس قسم کا کوئی نتیجہ اس دستاویز کی شق 19 (iv) کو صریحاً نظر انداز کئے بغیر اخذ نہیں کیا جا سکتا۔'' اس نے کانگرس مجلس عاملہ کی 24 رمئی کی قرارداد میں اختیار کی گئی تعبیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ یہ قرارداد اس تعبیر کا جواز مہیا کرنے کی کوشش میں پیرا۔15 اور پیرا۔19 کو مربوط کرنے کی ضرورت کو بنیاد بناتی ہے۔ حالانکہ یہاں اس قسم کی ضرورت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں پیراگراف مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ اول الذکر میں وہ سفارشات شامل ہیں جن کا تعلق آئین کی بنیادی ہیئت کے ساتھ ہے کہ جو آئین ساز ادارے کے کام کرنے کے نتیجے میں تشکیل پائے گا جب کہ موخرالذکر میں بذاتہی اس ادارے کی تشکیل کے بارے میں سفارشات شامل کی گئی ہیں اور اگر کسی صورت سے یہ ضرورت درپیش آ گئی ہے تو ان کے اندر سے ایسی تاویل نکالنا قطعی طور پر ناجائز ہے کہ جو ایک صریح شق کی نفی کرتی ہو۔''

آخر ماحصل کے طور پر اس نے لکھا کہ ''ہر سیکشن میں بحیثیت مجموعی تمام ارکان کثرت رائے سے فیصلہ کریں گے کہ صوبوں کا آئین کس طرح وضع ہوگا اور کس حد تک وہ ایک گروپ کی صورت اختیار کریں گے۔''[65] لارڈ چانسلر کی اس ماہرانہ رائے نے کانگرس کی تعبیر کو مکمل طور پر رد کر دیا اور لیگ کی تعبیر کو درست قرار دیا کہ جس کو مشن بھی درست سمجھتا تھا لیکن اس کے برملا اظہار اور عملدرآمد سے گریز کرتا تھا کہ کہیں کانگرس ناراض نہ ہو جائے۔ لارڈ چانسلر کی ماہرانہ رائے کی نقل وزیراعظم ایٹلی کو بھی بھیج دی گئی۔

ویول کا موقف کہ یا تو مشن منصوبہ کی درست تعبیر اختیار کی جائے یا بریک ڈاؤن پلان پر عمل کیا جائے

دریں اثناء 3 ردسمبر کی صبح کو ہندوستانی رہنما وائسرائے کے ہمراہ لندن پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وائسرائے نے وزیراعظم اور وزارتی مشن کے ارکان کے ساتھ ملاقات کی اور انہیں تمام تر صورتحال پر مبنی ایک نوٹ پیش کیا۔ اس میں اس نے کہا کہ دریں حالات وزارتی مشن

منصوبہ ایک اچھی سکیم تھا بشرطیکہ اس پر پختہ روی کے ساتھ عملدرآمد کرایا جاتا لیکن مشن اور حکومت برطانیہ نے اپنی ابتدائی منشا سے انحراف اختیار کیا اور 16 رمئی کو جناح کو دیئے گئے قول کا بھی پاس نہ کیا۔ کانگرس نے ہرگز نہیں چاہا کہ اس منصوبہ پر مشن کی منشا کے مطابق عمل درآمد ہو، تا آنکہ اسے مجبور نہ کیا جائے اور بتا نہ دیا جائے۔ مسلم لیگ اس منصوبے پر عملدرآمد کی خواہاں رہی ہے بشرطیکہ حکومت برطانیہ اس پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ کانگرس سمجھتی ہے کہ حکومت برطانیہ اس کی مخالفت مول نہیں لے گی۔ اس کا مقصد اقتدار پر قبضہ کر کے برطانوی اثر کو جلد از جلد ختم کرنا ہے جس کے بعد وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں اور ریاستی حکمرانوں کے ساتھ آسانی سے نپٹ سکیں گے۔ اول الذکر کے ساتھ بذریعہ رشوت، بلیک میل، پراپیگنڈہ اور ضرورت پڑنے پر طاقت کے استعمال سے جب کہ موخر الذکر کے ساتھ وہاں کے عوام کو ان کے خلاف ابھار کر اور دوسرے حربے اختیار کر کے یہ مقصد حاصل کرے گی۔ کانگرس اس آئین ساز اسمبلی میں دلچسپی نہیں رکھتی جو مشن کے تصور کی پیداوار ہے۔ وہ آئین ساز اسمبلی کو محض انگریزوں سے پیچھا چھڑانے اور اپنے لئے زیادہ وقار اور طاقت کے حصول کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ اگرچہ صاحب فہم اور اعتدال پسند لوگ یہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی خیر سگالی یا رضامندی کے بغیر متحدہ ہندوستان حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ کانگرس مسلمانوں کے ساتھ سنجیدہ مذاکرات کے لئے تیار نہ ہوگی جب تک کہ اسے یہ احساس رہے گا کہ وہ جو چاہے حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈال کر حاصل کر سکتی ہے۔ مسلمان بری طرح گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے بیشتر رہنما بے قابو ہوتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے انگریزوں پر اعتماد کیا تھا کہ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا لیکن حکومت برطانیہ کی کمزوری اور دو عملی کی بدولت وہ سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ وہ آئین ساز اسمبلی میں اس وقت تک نہیں آئیں گے جب تک کہ وہ اس بارے میں قطعی اقرار حاصل نہیں کر لیتے کہ یہ اسمبلی اس طریقے پر کام کرے گی کہ جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا اور یہ کہ بصورت دیگر وضع کردہ آئین کو حکومت برطانیہ منظوری نہیں دے گی۔ سکھ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کے ساتھ بات چیت کرتے رہے ہیں لیکن حالیہ واقعات کے بعد وہ کانگرس کے طرفدار ہو گئے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ کانگرس زیادہ مضبوط ہے اور حکومت برطانیہ اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کرتی۔ سکھ باہمی کشمکش

کا شکار ہیں لیکن وہ سب سے طاقت ور فریق کے ساتھ ہی جائیں گے۔ ابھی تک یہ طاقتور فریق انگریز رہے تھے، اب ان کے بعد وہ کانگرس کو سمجھتے ہیں۔ اس نے کانگرس اور لیگ دونوں تنظیموں میں اندرونی طور پر بڑھتے ہوئے انتہا پسند عناصر کے دباؤ کا تفصیلی ذکر کیا۔ اس کے مطابق کانگرس میں بائیں بازو کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور دایاں بازو جو اسے بے چینی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا کرتا تھا، اب اسے کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔ نہرو دائیں اور بائیں بازو کے مابین ایک غیر مستحکم رابطے کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب کہ گاندھی پس منظر میں چلا گیا تھا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے پاکستان اور اسلام خطرے میں ہے، کا نعرہ شروع میں تو اس لئے لگایا تھا کہ ان کا وقار اور قوت بڑھے اور بطور سیاسی پارٹی ان کی سودے بازی کی حیثیت میں اضافہ ہو۔ انہوں نے اپنے جاہل اور جذباتی پیروکاروں کے اندر پاکستان کا تصور ایک ایسی جنت ارضی کے طور پر ابھارا کہ یہی ہندو غلبہ سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ چنانچہ اب کسی اور شے سے ان کو مطمئن کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ جناح نے بڑی مشکل سے اپنی جماعت سے وزارتی مشن منصوبہ کی منظوری حاصل کی تھی۔ اسی لئے جب مشن نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا تو اسے بڑا سخت غصہ آیا۔ اس نے بمبئی میں اپنی کونسل کے اجلاس کو حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے بطور لیور استعمال کرنا چاہا کہ حکومت برطانیہ اپنے ان وعدوں کا پاس کرے جن کی بنیاد پر اس نے سکیم کو منظور کیا تھا، لیکن ایسا نہ ہوا اور انتہا پسندوں کے دباؤ میں آ کر اس نے سکیم کو سرے سے رد کر دیا۔ اب مسلم لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے مائل کرنے پر حکومت برطانیہ صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ بالکل واشگاف اور دوٹوک انداز میں اعلان کر دیا جائے کہ منصوبے میں جہاں تک سیکشنوں کے اندر گروپ اور صوبائی آئین وضع کرنے کے طریق کار کا تعلق ہے، اس کی منشا کیا ہے اور اگر آئین اس کے برعکس بنایا گیا تو وہ اسے منظور نہ کرے گی۔ اس کے علاوہ اور کسی بات پر لیگ رضامند نہ ہوگی۔ کانگرس کا ردعمل البتہ شدید ہوگا لیکن وہ حکومت برطانیہ سے کھلا ٹکراؤ مول لینے کے لئے غالباً تیار نہیں ہوگی۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بریک ڈاؤن کی صورت ہوگی جس کے لئے ہمارے پاس کوئی قطعی پالیسی ہونی چاہیے۔ حالیہ مذاکرات میں مشن منصوبہ کو اگر کانگرس اور لیگ کی طرف سے مشن کی منشا کے مطابق نہ کہ کانگرس کی منشا کے مطابق منظوری مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس منصوبے کو مردہ تصور کیا جانا چاہیے۔ مشن منصوبے کی ناکامی کی صورت

میں اس نے چار متبادل راستے تجویز کئے۔

(ا) ہم اپنی اتھارٹی کو پھر سے منوا کر مزید عرصے کے لئے یہاں حکومت کریں۔ یہ سیاسی طور پر ناممکن ہے اور کابینہ کی طرف سے پہلے ہی رد کیا جا چکا ہے۔

(ب) ایک نیا تصفیہ کرانے کی کوشش کی جائے۔ یہ بٹوارے کی ہی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ اس پر عملدرآمد کے لئے ہمیں یہاں چند سال مزید قیام کرنا پڑے گا۔ میری رائے میں یہ ایک ناقابل عمل پالیسی ہوگی۔

(ج) کانگرس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے جائیں اور جیسے وہ چاہتی ہے اس سے اتفاق کر لیا جائے۔ تھوڑا سا وقت جو ہمارے پاس ہو اس میں اقلیتوں، ریاستوں اور ملازموں کے لئے انصاف حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ میری رائے میں یہ باوقار اور دانشمندانہ پالیسی نہ ہوگی۔

(د) یہ اعلان کر دیا جائے کہ ہم ایک خاص وقت پر ایک خاص انداز میں یہاں سے جا رہے ہیں۔ اس وقت تک ہمارے پروگرام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوئی کوشش کی گئی تو ہم جنگ کے مترادف سمجھیں گے اور اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر اس کا مقابلہ کریں گے اس دوران کہ جب تک ہم یہاں ہوں تصفیے کی کوششیں کی جائیں اور اگر تصفیہ نہ ہو یا کوئی اور صورت پیدا ہو تو اقتدار صوبائی حکومت کے حوالے کر کے ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ یہ دراصل بریک ڈاؤن پلان ہوگا۔

اس کی اپنی رائے میں یہ آخری متبادل ہی سب سے بہتر تھا۔ اس منصوبے پر صوبائی گورنروں اور کمانڈر انچیف نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کیا تھا۔"[66]

مشن منصوبہ کی درست تعبیر پر نہرو کو، اور آئین ساز اسمبلی میں شرکت پر جناح کو، قائل کرنے میں برطانوی کابینہ کی ناکامی

ہندوستانی رہنماؤں کا لندن میں قیام بہت مختصر تھا، اس لئے 3 دسمبر کو ان کے وہاں پہنچتے ہی ان کے اور برطانوی حکمرانوں کے مابین بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شروع میں جناح اور لیاقت نے سخت گیر رویہ اختیار کیا اور دوران گفتگو مطالبہ پاکستان کا کئی بار اعادہ کیا مگر

پھر ان کے رویہ میں کچھ لچک پیدا ہوئی اور وہ وزارتی مشن منصوبے کے دائرے میں رہتے ہوئے امکانات کا جائزہ لینے لگے۔ نہرو شروع سے آخر تک کانگرس کی تعبیر پر اڑا رہا اور اس کے رویے میں کوئی لچک پیدا نہ ہوئی۔ برطانوی حکمرانوں کا انداز فکر کیا تھا اس کا اندازہ ان کی اور وائسرائے کی باہمی میٹنگوں کے ریکارڈ اور ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کی تفصیلات سے لگایا جا سکتا ہے۔

جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کرنے سب سے پہلے لیبر پارٹی کا ایک رکن پارلیمنٹ وڈرو وائٹ آیا جو کہ وزارتی مشن کے ہمراہ کرپس کے معاون کی حیثیت سے بھی آیا تھا۔ جناح نے اس سے کہا کہ کانگرس نے وزارتی مشن منصوبہ کبھی نہ تو تسلیم کیا اور نہ تسلیم کرنا چاہا اور نہ ہی وہ اسے تسلیم کرنا چاہتی ہے۔ نہ وہ کسی تصفیے پر پہنچنا چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وزارتی مشن منصوبہ ایک فراڈ اور دام تزویر ہے۔ اسے راستے سے ہٹائے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا صرف پاکستان کی تخلیق ہی اس مسئلے کا حل ہے۔ وائٹ نے کہا کہ اگر کانگرس وزارتی مشن منصوبہ کو گروپنگ سکیم سمیت قبول کر لے تو پھر آپ کی طرف سے آئین ساز اسمبلی میں شرکت اور مشن منصوبہ کو منظور کرنے کا کوئی امکان ہوگا؟ جناح نے نفی میں جواب دیتے ہوئے بہار میں مسلمانوں کے منظم قتل عام کا حوالہ دیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ آپ کے ہندوستان سے آنے کے بعد وہاں کیا کچھ بیت چکا ہے۔ وائٹ نے اس ملاقات کا نوٹ تیار کیا تو آخر میں تجویز کیا کہ ''جناح کو خوب ڈرایا جائے کہ اگر وہ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہ ہوا تو اس کے آدمیوں کو حکومت سے نکلنا پڑے گا اور اسے انگریزوں کی کوئی مدد حاصل نہ ہوگی۔''[67]

اس کے بعد وزیر ہند پیتھک لارنس نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کی۔ اس میں انہوں نے فسادات کی تفصیل سے آگاہ کیا لیکن پاکستان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے اس شکایت کو دہرایا کہ کانگرس نے مشن منصوبہ کو کبھی قبول ہی نہیں کیا اور یہ کہ وہ آئین ساز اسمبلی کے ذریعے سے ویسا وفاقی آئین وضع کرنا نہیں چاہتی جیسا مشن نے سوچا اور تجویز کیا تھا۔ پیتھک لارنس نے کہا کہ اگر مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہ ہوئی تو دنیا کی نظروں میں اس کی عزت باقی نہ رہے گی اور عالمی رائے عامہ کو آج کل بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جناح نے کہا ''میں عالمی رائے عامہ کی اہمیت سمجھتا ہوں لیکن میں ہندوستان میں اپنے حامیوں کا کیا

کروں جو ہندوؤں میں غرق نہ ہونے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔''[68] یہ ملاقات بے نتیجہ رہی۔

رات کو ان کے اعزاز میں دیئے گئے ایک عشائیہ میں ان کی ملاقات مشن کے دوسرے رکن اے۔ وی۔ الیگزینڈر کے ساتھ ہوئی۔ جناح نے اسے کلکتہ کے فسادات کے بارے میں بتایا کہ یہ ہندوؤں نے منظم کئے تھے۔ جناح اور لیاقت نے تفصیل کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کی جو وہ پہلے پیتھک لارنس کے سامنے بھی بیان کر چکے تھے۔ لیاقت علی خاں نے کہا کہ آپ ہر طرف سے کانگرس کے سامنے گھٹنے ٹیکتے جا رہے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ آزادی کی صورت میں آپ کا ہندوستان کے ساتھ جو معاہدہ طے پائے گا اس میں آپ کو زیادہ سے زیادہ معاشی اور دفاعی مراعات مل جائیں۔ اس نے کہا کہ مسلمان بھی برطانوی دولت مشترکہ سے باہر نکلنے کی خواہش نہیں رکھتے، حکومت برطانیہ کو چاہیے کہ انہیں پاکستان دے دے کہ یہی حل ہے۔''[69]

ادھر اسی روز (3/دسمبر) پیتھک لارنس نے نہرو کے ساتھ ملاقات کی۔ نہرو نے سیکشنوں میں ووٹنگ اور صوبوں کی آئین سازی، دونوں کا حق صوبوں کو دیئے جانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ بنگال کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ آسام کا آئین وضع کرے، اسی طرح پنجاب کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ سرحد کا آئین بنائے۔ پیتھک لارنس نے اسے سمجھایا کہ سیکشن گروپوں اور صوبوں کے آئین تو بنا لیں گے لیکن حقیقتاً گروپ نئے انتخابات کے بعد ہی وجود میں آسکیں گے۔ نہرو کو یہ ایک نیا خیال محسوس ہوا۔ تاہم اس نے کہا کہ جناح کے ساتھ تصفیہ کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اس کا خیال تھا کہ تشدد کی راہ اختیار کرنے کے عوض میں جناح کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ بہت غلط ہو گا۔ سمجھا جائے گا کہ تشدد کا فائدہ ہوتا ہے۔''[70] گویا کانگرس مشن منصوبے کو اس کی حقیقی تعبیر کے مطابق لاگو کرنے کو لیگ کی طرف سے تشدد کر کے حاصل کردہ فائدہ گردانتی تھی اور اسے ''رعایت'' سمجھتی تھی جو وہ لیگ کو دینے کے لئے آمادہ نہیں تھی۔

اسی روز وزیر اعظم ایٹلی نے بھی نہرو کے ساتھ ملاقات کی۔ اس بات چیت کی تفصیل کسی سرکاری ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔ 4/دسمبر کو مشن کے ارکان وزراء اور وائسرائے کے ساتھ اجلاس میں ایٹلی نے صرف اتنا بتایا کہ نہرو کے ساتھ ''عمومی معاملات پر طویل بات چیت ہوئی۔'' اس نے بلدیو سنگھ کے ساتھ اپنی ملاقات کا بھی ذکر کیا جس میں بلدیو سنگھ نے کہا

تھا کہ ہر وہ بات جو مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کے بارے میں ہے، وہی بات سکھوں کی طرف سے مسلمانوں کے بارے میں سمجھنی چاہیے۔ اس اجلاس میں مشن کے ارکان اور وائسرائے نے اس معاملے پر بھی غور کیا کہ انگریز ہندوستان میں کتنی دیر تک مزید حکومت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اپوزیشن کنزرویٹو پارٹی کی جانب سے انتھونی ایڈن نے ایک روز قبل برسراقتدار لیبر پارٹی کو ہدف تنقید بنایا تھا کہ اس نے جلد بازی سے کام لے کر حالات کو خراب کیا ہے، اب کچھ وقت دیا جائے تا کہ حالات معمول پر آ جائیں اور پھر آئین سازی کا کام شروع کیا جائے۔ ادھر مسلم لیگ بھی اسی بنیاد پر آئین ساز اسمبلی کا التوا چاہتی تھی۔ لیکن ارکان مشن اور وائسرائے کا متفقہ فیصلہ تھا کہ انگریز اب زیادہ دیر تک ہندوستان پر کنٹرول نہیں رکھ سکتے۔

اپنے اجلاس کے بعد ارکان مشن اور وائسرائے نے نہرو کے ساتھ ملاقات کی۔ انہوں نے نہرو سے کہا کہ ہمارا تجویز کردہ تین سطحی نظام حکومت تمام مسئلے کا بہترین حل پیش کرتا ہے۔ وزارتی مشن کی رائے میں تقسیم ہند جس پر ٹھوس اعتراضات موجود ہیں، کے بجائے کسی حل کی واحد امید یہی ہے کہ مسلم اکثریتی صوبوں کو کچھ زیادہ وسیع خود مختاری دے دی جائے۔ چنانچہ اگر مسلم لیگ کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ آئین ساز اسمبلی کے ذریعے بالآخر ایک تین سطحی نظام وجود میں آئے گا تو وہ اسے شرکت پر مائل کر لیں گے۔ نہرو نے جواب میں رائے ظاہر کی مسلم لیگ والے ہر حال میں جلد یا بدیر اسمبلی میں شریک ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ انہیں یہ احساس دلا دیا جائے کہ آئین ساز اسمبلی کا کام بہر قیمت جاری رہے گا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا تین سطحی نظام کے وجود میں آنے کے بارے میں مسلم لیگ کو یقین دہانی کرائی جا سکتی ہے۔ اس نے کہا کہ اعلان 16 رمئی سے کانگرس خوش نہیں تھی لیکن ہم نے اسے صرف اس لئے منظور کر لیا کہ اس میں لچک تھی اور آئین ساز اسمبلی کو خاصا آزاد دائرۂ کار حاصل تھا۔ اس میں تین سطحی نظام کے وجود میں آنے کا امکان محض اس صورت میں رکھا گیا تھا کہ اگر صوبے اور متعلقہ لوگ اس کی خواہش کرتے۔ اگر وہ گروپ بنانا چاہتے ہیں تو کانگرس ان کے فیصلے کو قبول کر لے گی مگر ہم دوسروں کو اس بات پر قائل کرنے کی امید رکھتے ہیں کہ گروپ نہیں ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد مشن کی جانب سے سیکشنوں میں ووٹنگ کے طریقۂ کار پر اختلاف کو حل کرنے کے بارے میں نہرو کی رائے دریافت کی گئی۔ نہرو نے کہا کہ ہم نے شروع سے بتا دیا تھا کہ ہم اعلان

16 رمئی کی شقوں پر مخصوص انداز میں عمل کریں گے۔ چنانچہ اس مسئلے پر ہم اپنے موقف کے بارے میں فیڈرل کورٹ کا فیصلہ تسلیم کرنے پر تیار ہیں۔ اس کے بعد صوبوں کی آئین سازی کے مسئلے پر نہرو اور مشن کے مابین طویل بحث ہوئی۔ نہرو بدستور اس موقف پر اڑا رہا کہ ''کسی حالت میں بھی کانگرس یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ سیکشن صوبوں کا آئین بنائیں گے۔'' اس کی دلیل یہ تھی کہ مسلم اکثریت کے سیکشن اپنے اندر شامل صوبوں کا آئین اس طرح وضع کریں گے کہ کوئی صوبہ بعد ازاں اس میں سے نکلنا چاہے تو نہ نکل سکے۔ اس سلسلے میں اس کے پیش نظر سیکشن ب میں سرحد اور سیکشن ج میں آسام تھا۔ آخر میں بڑی مشکل سے وہ یہاں تک آیا کہ سیکشن صوبوں کا ایک غیر حتمی آئین بنائیں اور اسے منظوری کے لئے صوبائی اسمبلیوں کو بھیج دیں۔ مشن کے ارکان اور وائسرائے نے بڑی کوشش کی کہ وہ لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں شریک کرنے کی خاطر اس کی تشفی کے لئے نہرو سے کوئی یقین دہانی حاصل کرلیں لیکن ناکام رہے۔''[71]

اسی روز وزیر اعظم ایٹلی نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کی۔ بعد میں ارکان مشن اور وائسرائے کے اجلاس میں اس ملاقات کے بارے میں بتاتے ہوئے ایٹلی نے کہا کہ میں نے جناح کو بہت سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ مختلف فرقوں میں تعاون اور ہم آہنگی سے کاروبار حکومت چلایا جا سکتا ہے، لیکن جناح نے اتفاق نہیں کیا۔ وہ کہتا ہے کہ کانگرس آئین ساز اسمبلی سے مخلص نہیں ہے۔ اب جناح کا صرف مقصد دولت مشترکہ میں رہتے ہوئے پاکستان کا حصول ہے۔ تاہم اسی روز مشن کے ارکان اور وائسرائے کی مشترکہ طور پر جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات ہوئی تو اس میں پاکستان کا کوئی ذکر نہیں ہوا۔ تمام تر بحث وزارتی مشن منصوبہ کی شقوں کے گرد محدود رہی۔ لیگ کے رہنماؤں سے کہا گیا کہ اگر سیکشنوں کے طریق کار کا معاملہ فیڈرل کورٹ کے سپرد کیا جائے اور وہاں سے مسلم لیگ اور وزارتی مشن کی تعبیر کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو آپ کا کیا رویہ ہوگا؟ جناح نے جواب دیا کہ اول تو ہم یہ معاملہ فیڈرل کورٹ کے سپرد کرنے کے عمل میں فریق نہیں بنیں گے اور پھر یہ کہ منصوبہ کا اپنی مبادیات کی حقیقی روح کے مطابق موثر ہونے کا اب کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ میرے لوگوں کی اس وقت مزاجی کیفیت ایسی ہے کہ میں آپ کو کوئی یقین دہانی نہیں کرا سکتا اور نہ ہی میں کوئی ایسا اقرار کر سکتا ہوں کہ میں اس معاملے پر اپنی کونسل سے سفارش کروں گا۔ اس لئے جناح نے تجویز کیا کہ بہتر ہوگا کہ پہلے

فضا کو درست کیا جائے، اس فضا میں ہندوستان کو آئین سازی میں ڈالنا انتہائی غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا۔ پھر فریقین میں فیڈرل کورٹ کی طرف سے موافق یا مخالف فیصلہ سنائے جانے کے مضمرات پر بحث ہوتی رہی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ اگر آئین ساز اسمبلی میں کانگرس اپنی اکثریت کے بل پر ایسا آئین بنانے میں کامیاب ہوگئی جو مشن کی منشا کے برعکس ہوا تو کیا برطانوی پارلیمینٹ اسے منظوری دے گی اور کیا وہ اس کے عملدرآمد کو روکنے کے لئے کوئی اقدام کرے گی۔ اس پر برطانوی رہنماؤں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا بلکہ سٹیفورڈ کرپس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''ہم ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم طریق کار کو جبراً مسلط نہیں کر سکتے۔ ہماری ذمہ داری صرف موجودہ حکومت ہند کے لئے ہے جب تک موجودہ آئین نافذ العمل ہے اور ہندوستانیوں کے مابین کسی نئے آئین پر سمجھوتہ نہیں ہو جاتا۔'' اس بحث مباحثے کے بعد بات پھر وہیں پہنچ گئی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ جناح اور لیاقت سے پوچھا گیا کہ اگر کانگرس سیکشنوں کے طریقۂ کار کے متعلق مشن کی تعبیر کو قبول کر لے یا فیڈرل کورٹ اس پر موافق فیصلہ دے دے تو کیا مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو جائے گی۔ جناح نے جواب میں کہا کہ یہ معاملہ مسلم لیگ کی کونسل کو جانا چاہیے۔ میں اسے کونسل کے سامنے پیش کروں گا۔ مشن نے پوچھا کہ کیا آپ کونسل سے اس کے لئے سفارش بھی کریں گے۔ جناح نے جواب دیا کہ میں کونسل کے سامنے ساری صورتحال رکھ دوں گا اور اس طریقے سے بیان کروں گا کہ وہ تمام حقائق کو جس طرح میں دیکھتا ہوں، پیش نظر رکھ کر فیصلہ کر سکیں۔ میں ان شکوک وشبہات کے متعلق جن کا میں ذکر کر چکا ہوں اور جو کہ بعد کے مراحل کے بارے میں ظاہر ہو سکتے ہیں، میں یہ دوٹوک سفارش نہیں کر سکتا کہ انہیں یقین دلا دوں کہ تمام حائل رکاوٹیں دور ہوگئی ہیں اور یہ کہ انہیں مشورہ دوں کہ وہ بلاخوف وخطر آگے بڑھ جائیں۔ تاہم اس کی رائے تھی کہ جس طرح اس نے سوچا ہے اگر اس طرح اس معاملے کو ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ اسے قبول کر لیں گے۔[72] گویا ابھی یہ گنجائش تھی کہ مشن منصوبے کے مجوزہ سیکشنوں کو گروپ وضع کرنے کا موقع فراہم کر دیا جاتا تو جناح پاکستان کے بجائے ایک متحدہ ہندوستان میں ایک مرکز کے تحت مسلم اکثریت کے صوبوں کے علیحدہ گروپ بنا کر رہنے کے لئے تیار ہو سکتے تھے اور انہیں امید تھی کہ مسلم لیگ کی کونسل اس کی تائید کر دے گی۔

اسی روز (4 دسمبر) مشن کے ارکان اور وائسرائے نے بلدیو سنگھ کے ساتھ بھی ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ کانگرس ہمیں تحفظات دینے پر آمادہ ہوگئی ہے۔ سیکشنوں میں ووٹنگ کے طریقۂ کار کے متعلق اس نے کانگرس کے مؤقف کی تائید کی کہ فیصلے کثرت رائے سے نہیں ہونے چاہئیں۔ اس نے کہا کہ سیکشن ب میں ہمیں وہی تحفظات حاصل ہونے چاہئیں جو دوسرے فریقوں کو مرکز میں دیئے گئے ہیں۔ مشن اور وائسرائے نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ سیکشن کے 36 کے ایوان میں 4 سکھ نشستوں کو ویٹو استعمال کرنے کا حق کس طرح دیا جا سکتا ہے۔ بلدیو سنگھ بدستور اپنے مؤقف پر قائم رہا اور اس مسئلے پر خاصی لمبی بحث ہوئی۔ بلدیو سنگھ نے کہا کہ سکھوں کی مشکل یہ ہے کہ وہ کس پارٹی کی حمایت پر انحصار کریں۔ مرکز میں انہیں کانگرس کی حمایت درکار ہے جب کہ گروپ ب کی سطح پر انہیں لیگ کی حمایت درکار ہے اور انہیں بیک وقت دونوں پارٹیوں کی حمایت نہیں مل سکتی۔ آگے چل کر بلدیو سنگھ نے کہا کہ کانگرس اب اس نتیجے پر پہنچ گئی ہے کہ جناح کے ساتھ کوئی تصفیہ نہیں ہوسکتا۔ اے وی الیگزینڈر نے کہا کہ اس کا مطلب تو خانہ جنگی ہوگا۔ بلدیو سنگھ نے کہا کہ ہم اس سے نہیں ڈرتے، گڑبڑ تو ہوگی لیکن سختی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔[73] دراصل بلدیو سنگھ کانگرس سے اتحاد کر چکا تھا، اس نے کھلے لفظوں میں سادگی سے کانگرس کے عزائم کو بے نقاب کر دیا کہ وہ اب خانہ جنگی کے ذریعے پورے برصغیر پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھی۔ پنجاب میں سکھ اس کا ایک مضبوط بازو ثابت ہو سکتے تھے۔

5 دسمبر کو وزیراعظم ایٹلی کی صدارت میں وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے کا اجلاس منعقد ہوا۔ وزیر ہند پیتھک لارنس نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کا خلاصہ اور ان کے مؤقف کے بارے میں آگاہ کیا۔ کرپس نے بتایا کہ گزشتہ رات ایک بجے تک اس نے نہرو کے ساتھ بات چیت کی۔ کرپس کی اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ویول نے اپنے روزنامچے میں لکھا کہ ''یہ ایک ایسی کاروائی تھی کہ جس پر مجھے ہمیشہ بداعتادی ہوتی ہے۔'' تاہم کرپس نے اس ملاقات کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ نہرو نے بتایا ہے کہ گزشتہ روز تصفیہ کی جو صورت زیر بحث آئی تھی، کانگرس اس پر کبھی اتفاق نہیں کرے گی۔ البتہ وہ فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنے کے حق میں تھا اور کہتا تھا کہ اس سے جنوری 47ء تک فیصلہ لیا جا سکتا

ہے اور اس وقت تک سیکشن اپنا اجلاس نہیں کریں گے۔ اجلاس کے شرکاء نے فیڈرل کورٹ کے موافق یا مخالف فیصلے کے مضمرات کا جائزہ لیا۔ کرپس نے تجویز کیا کہ اگر فیڈرل کورٹ کے فیصلے کے بعد بھی مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہ ہو تو حکومت برطانیہ کو چاہیے کہ وہ ہندوستان سے اپنے انخلاء کی مقررہ تاریخ کا اعلان کر دے جیسا کہ وائسرائے تجویز کر چکا ہوا ہے۔ اے۔ وی الیگزینڈر کی رائے تھی کہ کوئی بھی اعلان جس سے لگے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے، اسلامی دنیا میں اس پراپیگنڈہ کا موجب بنے گا کہ انگریزوں نے ہندوستان میں مسلم مفادات کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ کسی جگہ بھی مسلمانوں کی اعانت کرنے کے قابل نہیں رہ گئے ہیں۔ کرپس کی رائے تھی کہ ہم آئین ساز اسمبلی کی تشکیل کردہ حکومت کو اقتدار منتقل کریں گے۔ کانگرس مسلمانوں کا تعاون چاہتی ہے اور امکان ہے کہ وہ ایسا آئین بنائے گی جو مسلمانوں کے لئے بھی معقول ہو گا۔ پیتھک لارنس کا خیال تھا کہ نہرو مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ تصفیہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس پر کانگرس کے انتہا پسند عناصر کا بہت دباؤ ہے جو اسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ وائسرائے نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس بات کا قطعی کوئی امکان نہیں ہے کہ کانگرس مسلمانوں کے ساتھ فراخدلی کا مظاہرہ کرے گی۔ اس اجلاس میں ہندوستان کے مسئلہ کو اقوام متحدہ میں لے جانے کے امکان کا بھی جائزہ لیا گیا۔ تجویز یہ تھی کہ اگر ہم ہندوستان میں نظم و نسق برقرار نہ رکھ سکے تو ہم اقتدار منتقل کرنے سے انکار کر دیں گے اور معاملہ اقوام متحدہ میں لے جائیں گے۔ ایٹلی کی رائے تھی کہ اسے ایک ایسے مسئلے کے طور پر لے جایا جائے گا کہ جس سے عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو گیا ہو گا۔ اس کا خیال تھا کہ وہاں مسلمانوں کو زیادہ مضبوط حیثیت حاصل ہو جائے گی کیونکہ مشرق وسطیٰ کے مسلمان ممالک ان کی حمایت کریں گے اور عین امکان ہے کہ روسی بھی ان کی حمایت کریں کیونکہ سوویت یونین میں مسلمان ریاستوں کا خاصا بڑا علاقہ شامل ہے۔ اے۔ وی الیگزینڈر نے اس مسئلہ کو اقوام متحدہ میں لے جانے کی مخالفت کی کیونکہ ''اس طرح اس میں روسیوں کی مداخلت ہو جائے گی۔'' ویول نے کہا کہ اگر روسیوں نے ہندوستان میں دخل اندازی کرنی چاہی تو وہ براہ راست مداخلت کے بجائے ہندوستانی کمیونسٹوں کی امداد کے ذریعے کریں گے۔ کرپس کا خیال تھا کہ روسیوں کے طرز عمل کا انحصار اس بات پر ہو گا کہ اس وقت ان کا ہمارے

بارے میں رویہ کیا ہے۔ اس وقت ایسی علامات ہیں کہ یہ رویہ بہتر ہوتا جارہا ہے۔ ویول کی رائے تھی کہ جس دوران یہ معاملہ اقوام متحدہ کے زیر غور ہوگا، ہندوستان پرامن نہیں رہے گا اور سرحدی قبائل پر کنٹرول نہیں رہے گا۔ چنانچہ ہندوستان کے مسئلہ کو اقوام متحدہ میں لے جانے کے بارے میں یہ بحث بے نتیجہ رہی۔ تاہم اس سے یہ ضرور ظاہر ہوا کہ وہ اس خطے کو سوویت یونین کی مداخلت اور اثر سے محفوظ رکھنے کے بارے میں کس قدر حساس واقع ہوئے تھے۔ اسی لئے وہ ہندو بورژوا کے مفاد کی نمائندہ کانگرس پارٹی کی خوشنودی چاہتے تھے کہ اسے اس خطے میں بھاری اکثریت اور غالب حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ اس اجلاس میں ویول نے یہ سوال اٹھایا کہ آیا حکومت برطانیہ اس وقت اگر ضروری ہوا تو کانگرس کے استعفیٰ کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہے؟۔ اس کا خیال تھا کہ اس وقت کانگرس سمجھتی ہے کہ حکومت برطانیہ تیار نہیں ہے اسی لئے وہ جو چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس نے چند انگریز اعلیٰ سول و پولیس افسروں کی مثالیں بھی دیں جن کو کانگرس نے اپنے استعفیٰ کی دھمکی دے کر رخصت پر بھیجنے یا برطرف کرنے کے لئے وائسرائے اور حکومت برطانیہ کو مجبور کر دیا۔ اس نے کہا کہ صوبوں کے گورنر کانگرس کی حکومت کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرتے ہیں۔ اس پر ایٹلی نے کہا کہ ہندوستانیوں کو اقتدار کی منتقلی کے دوران یہ مرحلہ آنا ہی تھا کہ ہر انتقال ذمہ داری کے عمل میں ایسا مرحلہ آنا ناگزیر ہوتا ہے۔ ویول نے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو درست ہے لیکن گزشتہ چند ماہ کے دوران ہم بعض بے حد اشتعال انگیز کارروائیوں کا سدباب کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ صرف تین ماہ میں ایک ایسی حکومت کے تحت بارہ ہزار افراد مارے جاچکے ہیں جس کے لئے ہم جوابدہ ہیں۔ ہم برطانوی افواج مسلمانوں کو کچلنے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ ایٹلی اور دوسرے وزراء نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد ویول نے بریک ڈاؤن کی صورت میں اپنے تجویز کردہ منصوبے کی تفصیل بیان کی۔ اس منصوبے میں تجویز کیا گیا تھا کہ بریک ڈاؤن کی صورت میں انگریزوں کو ہندو اکثریت کے صوبوں سے انخلاء کا عمل شروع کرنا چاہیے اور اس کا آغاز جنوبی ہند کے صوبوں سے کر کے شمالی صوبوں تک آنا چاہیے۔ اس مرحلے کی تکمیل کے بعد پھر مسلم اکثریت کے صوبوں سے انخلاء کرنا چاہیے۔ اس پر تنقید کرتے ہوئے ایٹلی نے کہا کہ آیا اس طرح کے منصوبے کے ذریعے سے ہم پاکستان کو نہیں مان جائیں گے۔

ویول نے جواب دیا کہ کانگرس ہمیشہ سے یہ دعویٰ کرتی آئی ہے کہ وہ خالصتاً مسلم علاقوں پر ان کی مرضی کے خلاف کوئی آئین مسلط نہیں کرے گی۔ آخری حربے کے طور پر کانگرس مسلمانوں کو خالصتاً ان کے علاقے میں اپنی مرضی کی حکومت بنانے کی اجازت دے دے گی اور نتیجتاً گروپ ب وجود میں آ جائے گا، تاہم گروپ ج وجود میں نہیں آئے گا۔ ایٹلی نے کہا کہ سیاسی اعتبار سے تو بہتر یہ ہوگا کہ ہندو صوبوں کو اپنا آئین وضع کرنے کے لئے کہہ دیا جائے جس میں صوبوں کے لئے حق علیحدگی رکھا جائے۔ کرپس نے کہا کہ ہمیں یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ آئین ساز اسمبلی مسلمانوں کے بغیر اپنا کام جاری رکھے اور ایک سال کے اندر اپنا کام مکمل کر لے جس کے بعد ہمیں وہاں سے انخلاء اختیار کرنا چاہیے۔ اس قسم کے اعلان سے کانگرس اور مسلم لیگ دونوں پر دباؤ پڑے گا کہ وہ کسی تصفیے پر پہنچ جائیں۔''[74] اس اجلاس کی کاروائی سے پتہ چلتا ہے کہ برطانوی حکمران ہندوستان کے مسئلے کے بارے میں کس انداز سے سوچ رہے تھے۔ حکمران لیبر پارٹی کے لئے اپنے عالمی سامراجی مفادات کے تحفظ کے لئے کیا ترجیحات تھیں اور کانگرس کی ان کے نزدیک کیا اہمیت تھی۔؟ وہ مسلمانوں کو کس حد تک رعایت دینے پر آمادہ تھے؟ ان کے اور وائسرائے ویول کے نقطۂ ہائے نظر میں کس درجہ بُعد پیدا ہو چکا تھا؟ صاف لگتا تھا کہ ویول ان کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتا اور اب اس کے بطور وائسرائے دن پورے ہونے کو ہیں۔

5/دسمبر سہ پہر کو اے۔ وی۔ الیگزینڈر نے جناح اور لیاقت کے پاس ان کے ہوٹل میں آ کر ملاقات کی۔ اس نے پہلے تو اس بات پر اصرار کیا کہ اگر کانگرس مشن منصوبہ کی شقوں پر تعبیر کے بارے میں فیڈرل کورٹ کا فیصلہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے تو آپ مسلم لیگ کونسل سے آئین ساز اسمبلی میں شرکت کی سفارش کریں۔ جناح نے کہا کہ ہم مشن منصوبہ کی تعبیر کے لئے فیڈرل کورٹ سے رجوع کے سرے سے حق میں نہیں ہیں۔ مشن منصوبہ کوئی قانونی دستاویز نہیں ہے اس لئے خود وزارتی مشن کو یہ حق حاصل ہے کہ بتائے کہ اس کی منشا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر ایک مرتبہ ہم یہ تسلیم کر کے اسمبلی میں چلے آئے کہ بعض شقوں پر فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جا سکتا ہے تو پھر وزارتی مشن منصوبہ کی باقی ساری سکیم کو مسخ کرنے کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ جناح زیر غور شقوں کو فیڈرل کورٹ کو سپرد کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ تب

الیگزینڈر نے کہا کہ اچھا اگر کانگرس ان بعض نکات کو فیڈرل کورٹ میں لے جانے سے باز رہے تو کیا پھر مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو جائے گی۔ جناح نے کہا کہ ہم اس بنیاد پر بھی شرکت کیلئے آمادہ نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ کانگرس وزارتی مشن منصوبہ پر مشن کی منشا کے مطابق عملدرآمد کے بالکل حق میں نہیں ہے۔ کانگرس بعض دوسرے نکات اٹھادے گی اور سکیم کو مسخ کرنے کا ایک سلسلہ جاری رہے گا۔ اس نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ وہ مرکز کے اختیارات میں توسیع کا مسئلہ کھڑا کر دے گی۔ چنانچہ جناح نے رائے دی کہ اس وقت جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ صورتحال بہت سنگین ہے۔"[75] یہ ملاقات ناکام رہی۔

6/دسمبر ان کانفرنسوں کا آخری دن تھا جن کے آخر پر حکومت برطانیہ نے اعلان جاری کرنا تھا۔ 5/دسمبر کو الیگزینڈر نے جناح اور لیاقت کو راضی کرنے کی جو آخری کوشش کی تھی اس کے بعد ارکان مشن اور وائسرائے کا اجلاس وزیراعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا اور زیر نظر اعلان کے مسودے کا جائزہ لیا گیا۔ اس میں تجویز کیا گیا تھا کہ سیکشنوں سے متعلق شقوں کی تعبیر کے لئے فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جائے اور جلد از جلد فیصلہ لینے کی کوشش کی جائے۔ اگر کورٹ کا فیصلہ حکومت برطانیہ کے موافق نہ ہوا تو آئندہ لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا۔ تاہم اس اجلاس میں اس مسودے کو آخری شکل نہ دی گئی۔ اس کے مضمرات کا جائزہ لیتے ہوئے دوران گفتگو ایٹلی نے کہا کہ "مشکل یہ ہے کہ کوئی نہیں ہے جسے ہم مرکزی شعبے اور اثاثے حوالے کر سکیں کہ ان کا بٹوارہ آسان نہیں۔" الیگزینڈر نے کہا کہ 'اور کوئی نہیں ہو گا کہ جس کے ساتھ برطانوی مفادات مثلاً برطانوی جائیداد وغیرہ کے بارے میں کوئی بندوبست طے ہو سکے۔" ویول نے کہا کہ "یہ انتقال اقتدار ناگزیر طور پر بے ڈھب انداز سے انجام پائے گا۔"[76] 6/دسمبر کی صبح کو اعلان کے مسودے کو آخری شکل دینے کے لئے ان برطانوی رہنماؤں کا حتمی اجلاس منعقد ہوا۔ وزیراعظم ایٹلی نے زیر نظر مسودے پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس سے یوں لگتا ہے جیسے وزارتی مشن کے 16/مئی کے اعلان میں کوئی شے بھی بااختیار نہیں ہے اور یہ کہ کسی بھی بات پر اعتراض کر کے اسے فیڈرل کورٹ میں لے جایا جا سکتا ہے۔ اس نے ایک حد تک جناح کے مؤقف کی تائید کی جو اس نے الیگزینڈر کے ساتھ ملاقات میں ظاہر کیا تھا کہ اس طرح تو منصوبے کی ہر شق پر تعبیر و تنسیخ کا ایک سلسلہ چل نکلے

گا۔ الیگزینڈر نے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں زیر نظر اعلان کو بدل دینا چاہیے اور صاف طور پر واضح کر دینا چاہیے کہ جب تک مشن کی منشا کے مطابق تعبیر کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، یہی سمجھا جائے گا کہ کوئی تصفیہ نہیں ہوا ہے۔ ویول نے فوراً تائید کرتے ہوئے کہا کہ اگر ابھی واشگاف انداز میں یہ واضح کر دیا گیا تو آئندہ بھی سہولت رہے گی۔ برطانیہ کے لارڈ چانسلر کی قانونی ماہرانہ رائے کا حوالہ بھی دیا گیا جس نے کانگرس کی تعبیر کو رد اور مشن اور لیگ کی تعبیر کو درست قرار دیا تھا۔ کرپس نے اس موقع پر ایک بار پھر کانگرس کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ اپنا نقطۂ نظر مسلط نہیں کر سکتے۔ اس نے فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنے کو فائدہ مند قرار دیا مگر ایٹلی نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ اس طرح تو سارا منصوبہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور ایک باہر کی اتھارٹی کے زیر تعبیر ہو جائے گا۔ ویول نے کہا کہ اگر اس معاملے میں حکومت برطانیہ ثابت قدم ہو کر پختہ روی اختیار کر لے تو مجھے یقین ہے کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو جائے گی۔ وزیر ہند پیتھک لارنس نے بھی کرپس کی طرح کانگرس کے مؤقف کی تائید پر زور دیا اور کہا کہ ہمیں فیڈرل کورٹ ہی سے رجوع کرنا چاہیے۔ تاہم ایٹلی نے فیصلہ کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم اپنے اعلان کو ان خطوط پر ترتیب دیتے ہیں کہ پہلے ہم اس میں اپنی تعبیر پیش کر دیں اور یہ کہ آئین ساز اسمبلی کو اس بنیاد پر کام کرنا چاہیے اور اس کے بعد یہ کہیں کہ اگر کانگرس یا آئین ساز اسمبلی فیڈرل کورٹ کی رائے لینا چاہتی ہے تو اسے اس کا اختیار حاصل ہے۔''[77] ویول اس اجلاس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ ''وہی پرانی صف بندی ایک بار پھر دیکھنے میں آئی..... کرپس اور پیتھک لارنس نے کانگرس کی ناراضگی کے خوف سے کانگرس کا نقطۂ نظر مکمل طور پر قبول کرنے پر زور دیا۔ میں نے اور الیگزینڈر نے مسلمانوں کے لئے انصاف پر زور دیا۔ البتہ وزیر اعظم نے قدرے ہمارا ساتھ دیا اور اعلان کو از سر نو ترتیب دے دیا گیا۔''[78]

اور پھر ارکان مشن اور وائسرائے نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کی اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر کانگرس حکومت برطانیہ کی تعبیر کو مان لے تو مسلم لیگ اسمبلی میں شریک ہو گی یا نہیں۔ جناح نے گزشتہ ملاقات کے اپنے مؤقف کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ میں ساری صورتحال لیگ کونسل کے سامنے رکھ دوں گا۔ کرپس نے زور دیا کہ آپ صرف سامنے نہ رکھیں

بلکہ اس کے حق میں سفارش بھی کریں اور ذاتی طور پر اسے درست قرار دیں۔ جناح نے کہا کہ اس طرح کونسل کے آزادانہ اختیار پر زد پڑے گی۔ اس کے بعد یہ معاملہ زیر غور آیا کہ اگر حکومت برطانیہ ہمیں یقین دہانی نہیں کرا سکتی تو اس صورت میں منصوبے کی بنیادی شرائط پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کے لئے کیا بندوبست ہوگا۔ برطانوی ارکان مشن نے پوچھا کہ خود جناح کی رائے میں کس قسم کا بندوبست ہونا چاہیے۔ اس پر جناح نے تجویز کیا کہ تین یا اس سے مختلف تعداد میں ارکان پر مشتمل ایک صاحب حیثیت عدالتی ادارہ ایک عارضی ٹریبونل کے طور پر مقرر کر دیا جائے۔ کرپس اور پیتھک لارنس نے کہا کہ فیڈرل کورٹ سے بھی یہی کام لیا جا سکتا ہے جس کی سربراہی برطانوی چیف جسٹس کے پاس ہو۔ کیونکہ کانگرس کو ٹریبونل کے لئے رضامند کرنا زیادہ مشکل ہوگا۔ جناح نے کہا کہ اس پر مزید غور کریں گے۔ مشن کی جانب سے کہا گیا کہ پھر ساری بات تو ان دو نکات پر آ کر ٹھہری ہے کہ

1۔ سیکشنوں میں ووٹنگ پر اختلاف

2۔ اعلان 16 رمئی کی سکیم جسے معاہدہ سمجھنا چاہیے، اس کی مجوزہ سکیم سے انحراف کی صورت میں متنازعہ مسائل کو طے کرنے کا طریقۂ کار۔

جناح نے مشن کے ساتھ اتفاق کیا۔ اس کے بعد مرکز اور گروپ کی سطح پر متنازعہ مسائل کو طے کرنے کے لئے طریقۂ کار پر کچھ بحث ہوئی۔ جناح نے کہا کہ اگر ایک مرتبہ ثالثی کے طریقۂ کار پر سمجھوتہ ہوگیا تو پھر اعلان 16 رمئی کی ساری سکیم اس طریقۂ کار کے تابع ہوگی [79] جناح نے اس اجلاس میں ایک بار پھر واضح کر دیا تھا کہ وہ پاکستان کے بجائے اب بھی وزارتی مشن منصوبے میں دی گئی گروپنگ سکیم پر عملدرآمد کے لیے تیار تھے بشرطیکہ حکومت برطانیہ اس پر عمل درآمد کا مناسب انتظام کر دیتی اور اس سلسلے میں مناسب تحفظات فراہم کر دیتی کیونکہ کانگرس اس پر عملدرآمد کے لئے تیار نہ تھی۔

اس کے بعد ارکان مشن اور وائسرائے نے نہرو کے ساتھ ملاقات کی۔ نہرو نے کہا کہ کانگرس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتی کہ فیڈرل کورٹ کے فیصلے کو قبول کر لے۔ اس نے کہا کہ ان حالات میں ''جبر کے دباؤ کے تحت'' کوئی تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی رائے میں ''اس وقت موجود اختلاف کا کوئی تصفیہ کیا گیا تو یہ اچھائی کے بجائے ایک برائی ہوگا۔ کیونکہ اس سے

اس خیال کو ترویج ملے گی کہ تشدد کامیاب ہوتا ہے۔'' اس سے کہا گیا کہ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اختلافی نکتے کی تعبیر کے متعلق آئین ساز اسمبلی از خود وہ تعبیر اختیار کرلے جو کہ حکومت برطانیہ نے کی ہے۔ اس نے آمادگی ظاہر نہ کی اور کہا کہ اصل معاملہ تعبیر کا نہیں ہے بلکہ ملک کی بڑی قوتوں کے مابین مقابلے کا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ آئین ساز اسمبلی کی کاروائی کے دوران طریقۂ کار پر پیدا ہونے والے اختلاف کو طے کرنے کے سلسلے میں خود اس کی اپنی کیا رائے ہے تو اس نے کہا کہ عموماً یہ اختلاف چیئر مین (سپیکر) دور کر دیتا ہے ورنہ فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔[80] یہ ملاقات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔ نہرو نے اپنے موقف میں ذرہ برابر لچک پیدا نہ کی۔ برطانوی ارباب اقتدار نے انتہائی محتاط انداز میں بات کی مبادا کانگرس کی ناراضگی مول لینی پڑ جائے۔

6 ردسمبر کا اعلان: لیگ کے لئے درست تعبیر کی حمایت، کانگرس کو فیڈرل کورٹ سے تعبیر تبدیل کرانے کی چھٹی

6 ردسمبر کی شام کو وزیر اعظم ایٹلی نے وزارتی مشن اور وائسرائے کے ہمراہ تمام ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ اکٹھے اجلاس منعقد کیا جو اس سلسلے کا آخری اجلاس تھا۔ اس میں وہ اعلان پڑھ کر سنایا گیا جو حکومت برطانیہ کی جانب سے اس رات جاری کیا جارہا تھا۔ اس میں آئین ساز اسمبلی کے سیکشنوں کے اجلاس کے ضابطے سے متعلق وزارتی مشن منصوبہ کے پیرا۔19 کی متعلقہ شقیں نقل کرنے کے بعد یہ فیصلہ صادر کیا گیا کہ ''وزارتی مشن ہمیشہ سے اس مؤقف پر قائم رہا ہے کہ سیکشنوں میں تمام فیصلے سیکشنوں میں موجود ارکان کی سادہ اکثریت کے ووٹ سے کئے جائیں گے۔ بشرطیکہ فریقین اس سے برعکس آپس میں کوئی سمجھوتہ نہ کرلیں۔ مسلم لیگ اس سے اتفاق کرتی ہے جب کہ کانگرس کا نقطۂ نظر اس سے مختلف ہے کانگرس کے مطابق منصوبے کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے تو اس کا حقیقی معنی یہ بنتا ہے کہ صوبوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ گروپوں کی تشکیل اور اپنے آئین وضع کرنے کے بارے میں خود فیصلہ کریں گے۔ حکومت برطانیہ نے اس سلسلے میں قانونی مشورہ حاصل کیا ہے جس سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ اعلان 16 رمئی سے مراد اس کی وہی منشا ہے جس کا اظہار اس تمام عرصے کے دوران

وزارتی مشن کی جانب سے کیا جارہا ہے۔ اس لئے منصوبے کے اس حصے کی اس تعبیر کو منصوبہ کا لازمی جزو سمجھا جائے گا تاکہ ہندوستانی عوام کی طرف سے ایسا آئین بنایا جاسکے کہ جسے حکومت برطانیہ پارلیمینٹ کے سامنے منظوری کے لئے پیش کر سکے۔ چنانچہ آئین ساز اسمبلی کی تمام پارٹیوں کو چاہیے کہ وہ اس بات کو تسلیم کر لیں۔'' جہاں تک اس سوال کا تعلق تھا کہ بعد میں بعض دوسرے نکتوں پر بھی اختلاف پیدا ہوسکتا ہے تو اس سلسلے میں کہا گیا کہ ''جس طرح کانگرس پہلے ہی اتفاق کرتی ہے، مسلم لیگ کو بھی اپنی کونسل کے اجلاس میں آئین ساز اسمبلی میں شرکت کا فیصلہ کرنے کے بعد اس سے اتفاق کرنا چاہیے کہ آئندہ کسی معاملے پر تعبیر کا اختلاف رفع کرنے کے لئے کسی بھی فریق کی جانب سے فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جاسکتا ہے اور اس کے فیصلے کو قبول کیا جائے گا تاکہ یونین (مرکز) کی آئین ساز اسمبلی اور سیکشنوں میں طریقہ کار وزارتی مشن منصوبہ کے عین مطابق اختیار کیا جاسکے۔'' اس کے بعد حکومت برطانیہ کی جانب سے کانگرس سے یہ درخواست کی گئی کہ ''فوری درپیش تنازعہ پر وہ وزارتی مشن کے نقطۂ نظر کو تسلیم کرلے تاکہ مسلم لیگ کے لئے آئین ساز اسمبلی میں شرکت کی راہ ہموار ہو جائے۔'' کانگرس کو رعایت دیتے ہوئے یہ گنجائش بھی رکھی گئی کہ ''مشن کی جانب سے اپنی منشا کی دوبارہ توثیق کے باوجود اگر آئین ساز اسمبلی اس بنیادی معاملہ کو فیڈرل کورٹ میں لے جانا چاہے تو لے جاسکتی ہے مگر یہ اقدام جلد از جلد کرنا ہوگا اور کورٹ کے فیصلے تک آئین ساز اسمبلی اور سیکشنوں کے اجلاس کو التوا میں رکھنا ہوگا۔'' آخر میں اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ ''حکومت برطانیہ کسی ایسی آئین ساز اسمبلی کے بنائے ہوئے آئین کو جس میں ملک کے کسی بڑے طبقے کے نمائندے بھی موجود نہ ہوں ملک کے ان حصوں پر لاگو کرنے کی پابند نہ ہوگی جن میں یہ آئین منظور نہیں ہوگا۔ جیسا کہ کانگرس نے بھی کہا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گی۔''[81]

اس اعلان کے ساتھ اپنی مختصر تقریر میں ایٹلی نے کہا کہ ''اگر ہندوستان میں پرامن انتقال اقتدار ہونا ہے تو وہ ہندوستان کی پارٹیوں کے درمیان سمجھوتے، خیر سگالی اور کچھ لو کچھ دو کی بنیاد پر ہی ممکن ہے۔ آئین سازی کا یہی واحد طریقہ ہے۔'' مزید یہ کہ ''جمہوری عمل سے وضع ہونے والے نئے آئین کی کامیاب بنیاد سے صرف یورپ اور ایشیا ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے تمام تر مستقبل پر اثر پڑے گا۔'' متذکرہ اعلان کے بارے میں جناح نے ردعمل ظاہر کیا

کہ چونکہ ہندو اکثریت پر مبنی آئین ساز اسمبلی اپنے اکثریتی ووٹ سے فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنے کا فیصلہ کرے گی اس لئے مسلم لیگ نہ تو رجوع کرنے کے عمل میں فریق ہوگی اور نہ ہی وہ کورٹ کے فیصلے کی پابند ہوگی۔ تاہم انہوں نے کہا کہ وہ اس صورتحال کا اپنی کونسل میں جائزہ لیں گے۔ نہرو کا ردعمل یہ تھا کہ اس اعلان کے ذریعے وزارتی مشن منصوبہ میں ترمیم کر دی گئی ہے۔ اس نے اسے ''آئین ساز اسمبلی پر بیرونی دباؤ'' قرار دیا۔ وزیراعظم ایٹلی نے اسی وقت اس کے ان دونوں الزامات کو رد کر دیا۔ بلدیو سنگھ کا کہنا تھا کہ نئے اعلان سے سکھ فرقے کے لئے مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اگر گروپ ب میں کثرت رائے سے فیصلے کئے گئے تو وہاں 4۔سکھ ارکان کی حیثیت بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ سکھوں پر جنہوں نے عبوری حکومت اور آئین ساز اسمبلی میں شرکت کا بڑی مشکل سے فیصلہ کیا تھا، بڑا برا اثر پڑے گا۔ ممکن ہے وہ ایسے اقدامات اٹھانے سے بھی گریز نہ کریں کہ جن پر اسے ذاتی طور پر پشیمانی ہو۔ کرپس نے کہا کہ دونوں پارٹیاں سکھوں کے ساتھ فراخدلانہ سلوک روا رکھنے پر آمادہ ہیں اس لئے کوئی نہ کوئی تصفیہ ہو جائے گا۔ مشن کے دوسرے ارکان اور وائسرائے کی طرف سے خیر سگالی کے چند کلمات کے ساتھ یہ لندن مشن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد کئے بغیر اختتام پذیر ہو گیا۔''[82] تمام رہنماؤں نے اپنی پارٹیوں کے سامنے صورتحال رکھنے اور اس کے بعد اس اعلان پر اپنے حتمی موقف اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ یہ ثابت ہو گیا کہ برطانوی حکومت خود اپنے وضع کردہ منصوبے پر پختگی سے عملدرآمد کرانے کی سکت کھو چکی تھی۔

پرسول سپیئر لکھتا ہے کہ انگریزوں کے اس قسم کے دلائل و براہین کے غیر موثر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کے فوراً ہی بعد برطانوی فوج کی چھانٹی شروع ہو گئی تھی 1946ء میں بہت سے فوجی یونٹ توڑ دیئے گئے تھے اور اس بناء پر برطانیہ کے پاس ہندوستان میں اپنا حکم نافذ کرنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ لہٰذا برصغیر میں بزور قوت امن وامان قائم رکھنے والی طاقت اب صلح وآئین اور گفت وشنید کی دلدادہ بن گئی تھی۔ اب اس کے اسلحہ خانے میں باہمی جذبۂ احترام اور مستقبل کے خطرات کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھے''[83] اور کانگرس کی قیادت کو اس حقیقت کا اچھی طرح علم تھا۔

ظاہر ہے کہ حکومت برطانیہ کے اس اعلان میں آئینی تنازعے کے بارے میں مسلم لیگ کے موقف سے پوری طرح اتفاق کیا گیا تھا کیونکہ صرف اسی موقف پر عمل کرنے سے ہی

ہندوستان کی یکجہتی اور سالمیت برقرار رہ سکتی تھی۔ آئین ساز اسمبلی کے سیکشنوں کے کثرت رائے سے فیصلہ کرنے کا حق تسلیم کئے جانے کی وجہ سے مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل گروپ ب اور ج کے وجود میں آجانے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن حکومت برطانیہ نے ایک ہاتھ سے یہ حق مسلمانوں کو دے کر دوسرے ہاتھ سے کانگرس کو بھی یہ حق دے دیا تھا کہ وہ اب بھی سیکشنوں کے ضابطے کے معاملے کو فیڈرل کورٹ میں لے جا سکتی ہے اور آئین ساز اسمبلی اور سیکشنوں کے اجلاس کو التوا میں رکھ کر کورٹ سے جلد از جلد فیصلہ لے سکتی ہے۔ دراصل حکومت برطانیہ نے یہ احتیاط بھی برتی تھی کہ کانگرس ناراض ہو کر باغی نہ ہو جائے اور ہندوستان کے اتحاد اور یکجہتی کو برقرار رکھنے کی خاطر یہ کوشش بھی کی تھی کہ مشن کی منشا کے مطابق جس سے کہ لیگ اتفاق کرتی تھی، گروپوں کو وجود میں آنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ لیکن کانگرس کے نزدیک ایک مرکز کے ماتحت رہنے کے باوجود گروپوں کا وجود میں آنا ناقابل قبول تھا۔ اس سکیم کو جو کہ وزارتی مشن منصوبہ کی اصل روح تھی اور خود مشن کے بقول ''اس منصوبے کا لازمی حصہ تھی'' اس کو عمل میں لانے کے لئے 6 دسمبر کے اعلان کے ذریعے حکومت برطانیہ نے کچھ گنجائش پیدا کی تو نہرو نے اسے وزارتی مشن منصوبہ میں ترمیم قرار دے دیا۔ اسے آئین ساز اسمبلی کی خودمختاری کے برخلاف جبر اور زبردستی کے مترادف شمار کیا گیا۔ نہرو کا سوانح نگار مائیکل بریچر کہتا ہے کہ ''6 دسمبر کا اعلان دراصل پاکستان ایوارڈ تھا۔'' یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔

دوسرا رخ یہ ہے کہ برطانوی سامراج نے اس اعلان کے ذریعے ہندوستان کی یکجہتی و سالمیت کو قائم رکھنے کی آخری کوشش کی تھی۔ اگر وہ ہندوستان کا سیاسی اقتدار گاندھی کی خواہش اور مطالبے کے مطابق صرف کانگرس کے سپرد کر کے یہاں سے روانہ ہو جاتا تو برصغیر کے پرخچے اڑ جانے تھے۔ معلوم نہیں خون خرابہ کتنا ہوتا اور کتنی دیر ہوتا اور بالآخر کتنی آزاد ریاستیں وجود میں آتیں۔ برطانوی سامراج کا مفاد برصغیر کے حصے بخرے کرنے میں نہیں تھا۔ اس کا مفاد اسی میں تھا کہ برصغیر ثابت و سالم رہے۔ یہاں ''اعتدال پسند'' لیڈروں کی زیر قیادت جدید نو آبادیاتی نظام قائم ہو۔ سیاسی استحکام رہے اور اس طرح سامراجی لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ جاری رہے۔ برطانوی سامراج نے اس سونے کی چڑیا کو ڈیڑھ دو سو سال تک روس کی زارشاہی کی دست برد سے محفوظ رکھا تھا۔ چونکہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر سوویت یونین ایک زبردست عالمی سیاسی

قوت کی حیثیت سے ابھرا تھا اس لئے اس کے نقطۂ نگاہ سے برصغیر کو روسی انقلاب کی دست برد سے بچانا اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا تھا۔ اس خطرے کا سدباب صرف اسی صورت میں کیا جا سکتا تھا کہ یہاں نراجیت، خانہ جنگی اور بدامنی کا دور دورہ نہ ہو بلکہ مغربی سامراج کی سرپرستی میں سیاسی استحکام اور معاشی امن وامان قائم رہے اور ایسا صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی پرامن سیاسی وآئینی تصفیہ ہو۔

وی۔ پی مینن کو بظاہر برطانوی سامراجیوں کی اس رائے سے اتفاق تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ

''اس زمانے میں ہر چیز کا بالآخر انحصار دونوں متعلقہ پارٹیوں کے درمیان مفاہمت پر تھا۔ کانگرس مسلم لیگ کے بغیر پورے ہندوستان کے لئے آئین نہیں بنا سکتی تھی اور لیگ گروپ ب اور ج میں آسام یا کسی اور صوبے پر کانگرس کی مرضی کے خلاف اپنا آئین نافذ نہیں کر سکتی تھی۔ مفاہمت کا متبادل خانہ جنگی تھا جو مسلمانوں کے لئے تباہ کن ہو سکتی تھی اور جس کی وجہ سے ہندوستانی فوج ٹوٹ جاتی اور برطانیہ کی مجبوری یہ تھی کہ وہ دونوں پارٹیوں میں مفاہمت ہونے تک غیر معینہ عرصے کے لئے ہندوستان میں نہیں رہ سکتا تھا۔''[84]

کلکتے کے قتل عام سے پہلے اس قسم کی مفاہمت کا خاصا امکان موجود تھا۔ لیکن ہندوؤں کا ابھرتا ہوا بورژوا طبقہ انگریزوں کے تجربہ کار بورژوا طبقے کی طرح سیاسی طور پر دور اندیش نہیں تھا۔ اس نے اپنی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ دھونس اور مار کٹائی کے ذریعے اتنی بڑی مسلم اقلیت کو سیاسی، معاشرتی اور معاشی حقوق سے محروم نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ ہندو بورژوا دانشوروں اور سیاسی لیڈروں نے کبھی اس تلخ حقیقت کا سائنسی تجزیہ نہیں کیا تھا کہ کروڑوں مسلمانوں نے یکا یک جناح کو اپنا قائداعظم کیوں بنالیا تھا جب کہ وہ ان کی زبان تک اچھی طرح نہیں جانتے تھے اور نہ ہی انہوں نے گاندھی کی طرح مذہب کا دلکش لبادہ پہنا ہوا تھا۔ اگر کانگرس کے رہنما تنگدل اور کوتاہ اندیش نہ ہوتے تو انہیں یہ احساس ہو جاتا کہ نو کروڑ افراد پر مشتمل مسلم اقلیت تاریخی وجوہ کی بنا پر سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور معاشی لحاظ سے نہایت پس ماندہ تھی۔ اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس سے نہایت فراخدلانہ اور فیاضانہ سلوک ہونا چاہیے تھا۔ لعن طعن، دھونس اور مار کٹائی سے کام نہیں چل سکتا تھا۔

باب: 5

لیگ کانگرس معاندانہ تضاد کی ناحل پذیری اورویول کا مرحلہ وار انخلاء کا منصوبہ

آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس۔ لیگ نے بائیکاٹ کیا

حکومت برطانیہ کے 6 دسمبر کے اعلان کے بعد جناح اور لیاقت مزید چند دن کے لئے لندن میں ٹھہر گئے جب کہ وائسرائے ویول بھی حکومت کے ساتھ صلاح مشورے کے لئے وہاں ٹھہر گیا تھا۔ لیکن نہرو اور بلدیو سنگھ فوراً واپس آ گئے کیونکہ کانگرس نے آئین ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کے لئے 9 دسمبر کی تاریخ مقرر کی ہوئی تھی۔

کانگرس کی جانب سے اعلان 6 دسمبر پر کوئی فوری ردعمل ظاہر نہ ہوا۔ نہرو کی واپسی کے بعد 9 دسمبر تک کانگرس مجلس عاملہ کے تین اجلاس منعقد ہوئے لیکن اس اعلان پر کوئی قرارداد منظور نہ کی گئی۔ البتہ قائم مقام وائسرائے جان کولول کے ساتھ 10 دسمبر کو ایک ملاقات میں پٹیل نے کہا کہ "حکومت برطانیہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ گروپنگ کی شقوں کے متعلق جو چاہے تعبیر کرے لیکن اگر اس کو یہ اصرار ہے کہ اس کی تعبیر کو اس سکیم کے لازمی جزو کے طور پر تسلیم کیا جائے تو اسے یہ بات بہت پہلے واضح کر دینی چاہیے تھی۔" اس نے مزید کہا کہ اب ہم آسامیوں اور سکھوں کی جانب سے پیدا کردہ مشکل صورتحال کا سامنا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس کی رائے تھی کہ حکومت برطانیہ کو ایک تاریخ مقرر کر دینی چاہیے جو کہ یکم جنوری 1948ء بھی ہوسکتی ہے کہ بڑی پارٹیوں کے مابین اتفاق رائے نہ ہونے کی صورت میں اس

تاریخ کو حکومت برطانیہ ہندوستان سے دستبردار ہو جائے گی۔ اس طرح جناح تصفیہ کرنے پر مجبور ہو جائے گا اور اسمبلی کا کام آگے بڑھ سکے گا۔[1] گویا پٹیل کے مطابق ابھی تک حکومت برطانیہ کانگرس کے رہنماؤں کو یہی تاثر دیتی آئی تھی کہ وہ گروپنگ کے لازمی بنائے جانے کے بارے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ کانگرس کے نزدیک اعلان 16 رمئی، اعلان 25 رمئی اور پھر اب اعلان 6 رد سمبر کی کوئی وقعت نہ تھی، وہ کرپس اور پیتھک لارنس کی زبانی یقین دہانیوں کو اصل اہمیت دیتے تھے جن سے گروپنگ کے بارے میں کمزور طرزِ عمل ظاہر ہوتا تھا۔

پروگرام کے مطابق آئین ساز اسمبلی کا اجلاس 9 رد سمبر کو دہلی میں منعقد ہوا۔ مسلم لیگ کے نمائندے اس میں شریک نہ ہوئے۔ اسمبلی نے راجندر پرشاد کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔ 13 رد سمبر کو نہرو نے اسمبلی میں ایک قرارداد مقاصد پیش کی۔ اس موقع پر اپنی تقریر میں نہرو نے کہا "یہ اسمبلی وہ نہیں ہے جس کی ہم میں سے بیشتر کو تمنا تھی...... ہم نے کافی غور کرنے کے بعد سرکاری دستاویز (یعنی اعلان 16 رمئی) کو قبول کیا ہے جسے اس اسمبلی کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے اور ہم اس کی حدود میں کام کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن آپ کو اس سرچشمہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو اس اسمبلی کی طاقت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ حکومتیں سرکاری دستاویزات سے وجود میں نہیں آتیں۔ حکومتیں دراصل عوام کی خواہشات کا مظہر ہوتی ہیں۔ ہم آج عوام کی پشت پناہی کی وجہ سے ہی یہاں جمع ہوئے ہیں اور ہم اس حد تک جائیں گے کہ جس حد تک عوام...... نہ کہ پارٹی یا گروپ، بلکہ بحیثیت مجموعی عوام...... چاہیں گے کہ ہم جائیں۔"[2] گویا اسمبلی کے بارے میں سرکاری دستاویز کی کوئی وقعت نہ تھی، بحیثیت مجموعی عوام کی رائے کو اصل اہمیت حاصل تھی۔ یہاں "بحیثیت مجموعی عوام" سے مراد ہندو اکثریت کی جماعت کانگرس تھی جسے مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کی نمائندگی کا بھی دعویٰ تھا۔ قرارداد مقاصد میں کہا گیا کہ یہ آئین ساز اسمبلی ایک ایسے ہندوستان کا آئین بنانے کا عزم رکھتی ہے جو کہ برطانوی ہند کے علاقے، اور وہ علاقے جو ہندوستانی ریاستوں پر مشتمل ہیں، اور ہندوستان کے وہ علاقے بھی جو کہ برطانوی ہند اور ریاستوں کی حدود سے باہر ہیں اور وہ علاقے بھی جو چاہیں گے کہ آزاد اور خودمختار ہندوستان میں شامل ہو جائیں، ان تمام پر مشتمل ایک وفاق (یونین) ہو گا۔ یہ ہندوستان خودمختار یونٹوں پر مشتمل ایک آزاد جمہوریہ ہو گا۔[3] پہلے ہی اجلاس میں ہندو

بورژوا کے علاقائی طاقت بننے کے عزائم بے نقاب ہو گئے تھے۔ جن کا اعادہ ''ڈسکوری آف انڈیا'' میں کیا جا چکا تھا۔ اس قرارداد مقاصد میں ہندوستان اور گردونواح کے وسیع علاقوں پر مشتمل ''ہندوستان'' بنانے کا ذکر تو تھا لیکن اس میں گروپوں اور سیکشنوں کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا جو کہ اس بنیادی سرکاری دستاویز میں وزارتی مشن نے تجویز کئے تھے۔ جس کے نتیجے میں یہ آئین ساز اسمبلی وجود میں آئی تھی۔ تاہم یہ قرارداد فوری طور پر منظور نہ کی گئی اور اسمبلی کا اجلاس 20 رجنوری 1947ء تک ملتوی کر دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ کی آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے فی الحال دروازہ کھلا رکھا جائے کیونکہ مسلم لیگ کے بغیر وضع کردہ آئین کی برطانوی پارلیمینٹ سے منظوری ملنا مشکل تھی۔

برطانوی کابینہ کے منافقانہ رویئے کے خلاف جناح نے لندن میں مطالبہ پاکستان کا اعادہ کیا

اس دوران جناح اور لیاقت لندن میں برطانوی رہنماؤں کو اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے میں مصروف رہے۔ 9 ردسمبر کو پارلیمنٹ کے رکن (لیبر) وڈ رووائٹ نے جو کہ وزارتی مشن میں کرپس کے معاون کی حیثیت سے ہندوستان آ چکا تھا، جناح کے ساتھ ملاقات کی۔ اس نے جناح سے دریافت کیا کہ اگر فیڈرل کورٹ نے وہی فیصلہ دے دیا جو کہ برطانوی حکومت کی منشا ہے اور کانگرس نے بھی اسے مان لیا تو مسلم لیگ کی کونسل کے ارکان کا ردعمل کیا ہوگا۔ جناح نے کہا کہ اس صورت میں میں ان کو آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے آمادہ کرلوں گا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ کانگرس دوسرے مسائل کھڑے کر دے گی کیونکہ اعلان 6 ردسمبر میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ مزید متنازعہ مسائل کی تعبیر کے لئے فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں جناح نے کہا کہ کانگرس یکے بعد دیگرے مسائل اٹھاتی رہے گی یہاں تک کہ مسلم لیگ ایک بار پھر اسمبلی سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے گی۔ کیونکہ کانگرس تصفیہ نہیں چاہتی، وہ بزور قوت مکمل اقتدار پر قابض ہونا چاہتی ہے۔ جناح نے بتایا کہ آزاد ہند فوج کے پچیس ہزار افراد کانگرس کے تنخواہ دار بن گئے ہیں اور ان کے دفاتر کانگرس کے دفاتر کے ساتھ ملحق ہیں۔ انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ نے اس سطح پر خود کو منظم نہیں کیا۔ جب

ان سے کہا گیا کہ اگر لیگ اور کانگرس نے تصفیہ نہ کیا تو انگریزوں کو مزید کچھ عرصہ کے لئے ہندوستان میں ٹھہرنا پڑے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس صورت میں کانگرس کو اچھی طرح موقع مل جائے گا کہ وہ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر زیادہ سے زیادہ اپنے افراد تعینات کر دے اور ملک بھر میں اپنی تنظیم کو اس قدر وسیع پیمانے پر منظم کر دے کہ مسلم لیگ کے لئے مقابلہ کرنا ممکن نہ رہے، اس لئے بہتر ہوگا کہ انگریز فوری طور پر یہاں سے چلے جائیں۔ اس صورت میں مسلم لیگ اپنا آپ تحفظ کر لے گی۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اگرچہ میں آئین ساز اسمبلی کو آزمانا چاہتا ہوں لیکن کانگرس اسے چلنے نہیں دے گی اور ہمیشہ کی طرح واحد حل پاکستان ہی ہوگا۔''[4]

گویا اب بھی جناح آمادہ تھے کہ اگر آئین ساز اسمبلی کا کاروبار وزارتی مشن منصوبے کے مطابق چلایا جائے تو وہ متحدہ ہند کے دائرے میں رہنے پر تیار ہیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر پاکستان کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

13 ر دسمبر کو پیتھک لارنس نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کی۔ پیتھک لارنس نے کہا کہ اب مسلم لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے تیار ہونا چاہیے۔ جناح نے جواب دیا کہ ہم کس بنیاد پر تیار ہوں، کانگرس نے ابھی تک اعلان 6 ر دسمبر میں دی گئی تعبیر کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ جب تک یہ معاملہ صاف نہیں ہوتا، مسلم لیگ کو شرکت پر کیسے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ پیتھک لارنس نے انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس تو طلب کریں لیکن جناح تیار نہ ہوئے۔ پیتھک لارنس نے کہا کہ ''کانگرس کا اپنے مؤقف سے منحرف ہونا خاصا مشکل ہوگا اس لئے آپ اس امید میں اسمبلی میں شریک ہو جائیں کہ وہاں ہمارے مؤقف کی پذیرائی ہوگی۔'' لیکن وہ جناح کے مؤقف کو تبدیل نہ کر سکا۔ جناح بدستور اس مؤقف پر ڈٹے رہے کہ پہلے کانگرس اعلان 16 رمئی کی وہ تعبیر تسلیم کرے جو حکومت برطانیہ نے کی ہے۔[5] چنانچہ یہ ملاقات بے نتیجہ رہی۔

14 ر دسمبر کو جناح نے لندن میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی اور کہا کہ اگر کانگرس دو ٹوک الفاظ میں گروپنگ کی شقوں کے بارے میں حکومت برطانیہ کی تعبیر کو تسلیم کر لے تو میں یقیناً مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس طلب کر لوں گا۔ تاہم آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے فیصلے کا انحصار کونسل پر ہوگا۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان کو

قرار دیا۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ فرض کیجئے فیڈرل کورٹ نے حکومت برطانیہ کے برخلاف کانگرس کی تعبیر کے حق میں فیصلہ دے دیا اور اس کے مطابق آئین سازی کا کام جاری رہا تو ہم اس آئین کو قبول نہیں کریں گے جس کی تشکیل میں ہم شریک نہیں ہوں گے کہ اعلان 6 ردسمبر میں کہا جا چکا ہے کہ اقلیتوں پر کوئی آئین اس وقت تک لاگو نہیں کیا جائے گا جب تک وہ اس کی تشکیل میں شریک نہ ہوں گی۔ جناح نے ایک بار پھر اس موقف کا اعادہ کیا کہ ہم فیدرل کورٹ سے رجوع کرنے کے حق میں نہیں ہیں اور نہ ہی اس کاروائی میں فریق بننے کو تیار ہیں۔ ہماری رائے میں وزارتی مشن اور حکومت برطانیہ اپنے تجویز کردہ منصوبہ کی تعبیر خود بہتر طور پر کر سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں کہ ان کی منشا کیا ہے۔ یہ کوئی عدالتی معاملہ نہیں ہے۔ ہم اس کے فیصلے کے لئے کسی عدالت پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کانگرس کے اس موقف سے اتفاق کرتے ہوئے آئین ساز اسمبلی میں شریک کیوں نہیں ہو جاتے کہ یہ ایک آزاد اور خودمختار ادارہ ہے جو کسی بیرونی مداخلت کے تابع نہیں ہے۔ جناح نے جواب دیا کہ اسمبلی میں کانگرس کو 292 نشستیں حاصل ہیں جو کہ ایک بہیمانہ اکثریت ہے جب کہ مسلم لیگ کو صرف 79 نشستیں حاصل ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین جمہوریت نام کی کوئی شے موجود نہیں ہے۔ یہ ایک قوم کی اکثریت ہے جو دوسری قوم کے متفقہ فیصلے کو یکسر رد کر سکتی ہے کہ وہ 292 ہیں اور یہ صرف 79 ہیں۔ ہم کسی بیرونی مداخلت کے حق میں نہیں ہیں جو ہمارے ساتھ جوڑ توڑ کرے بلکہ ہم بذاتہی سکیم کے اندر ایسی شق چاہتے ہیں کہ بہیمانہ اکثریت کو اقلیت کے منہ کا ٹکڑا چھین کر بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔'' ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا مطلب ہے کہ مسلم اقلیت کو اسمبلی کے اندر ویٹو کا حق حاصل ہو جائے تاکہ وہ اکثریت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔'' جناح نے کہا کہ اکثریت اپنے مفاد میں فیصلے کرتی جائے تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے اختلاف کیا جائے تو اسے ویٹو اور ہٹ دھرمی قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں آپ یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کو اقلیت کو پیس ڈالنے کا حق حاصل رہے اور اس کا کوئی سدباب نہ ہو۔ جہاں تک اکثریت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سوال ہے تو یہ اکثریت جس سے مراد ہندو ہیں، ہم ان کے خیرخواہ ہیں، وہ آگے بڑھیں اور اپنے لئے ہندوستان قائم کر کے ہندوؤں کا علیحدہ آئین وضع کر لیں۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ ہم پاکستان کا

آئین بنالیں۔''ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ پاکستان کے لئے علیحدہ آئین ساز اسمبلی کا مطالبہ کررہے ہیں۔ جناح نے کہا کہ ہم نے ہمیشہ اس کا مطالبہ کیا ہے۔لیکن اس کے بعد پھر وزارتی مشن منصوبہ کے مطابق سیکشنوں کی صورت میں آئین ساز اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کی بابت سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا معلوم نہیں کانگرس فیڈرل کورٹ کے فیصلے تک سیکشنوں کے اجلاس کو التوا میں رکھنے پر آمادہ ہوگی یا نہیں؟''ہمارا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔''[6] اس پریس کانفرنس میں جناح نے وزارتی مشن منصوبہ پر اس کی حقیقی تعبیر کے مطابق عملدرآمد سے لے کر مطالبہ پاکستان تک اپنے مؤقف کا اعادہ کیا۔لندن میں برطانوی کابینہ کا منافقانہ رویہ دیکھنے کے بعد جناح نے مطالبہ پاکستان پر زور دینا شروع کردیا تھا۔

ضلع ہزارہ میں ہندو مسلم فساد۔سکھوں اور ہندوؤں کا قتل عام اور لوٹ مار

جناح کی جناب سے وزارتی مشن منصوبہ پر عملدرآمد کے ساتھ ساتھ پاکستان کے مطالبہ پر ایک بار پھر اصرار کرنے کا ایک فوری سبب یہ تھا کہ انہی دنوں شمالی ہندوستان میں ہندو مسلم فساد کا ایک اور دھماکہ ہوا جس نے برصغیر کی صورت حال کو اور بھی تشویش ناک کردیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ صوبہ سرحد کے ضلع ہزارہ کے قبائل نے دو دیہات پر یکایک حملہ کرکے بے گناہ سکھوں اور ہندوؤں کا قتل عام شروع کردیا تھا۔فساد کی یہ آگ بڑی تیزی سے قریبی علاقوں میں پھیل گئی۔بالخصوص مانسہرہ کا قصبہ بری طرح متاثر ہوا اور پھر ضلع ہزارہ کی جنوبی تحصیل گڑھی حبیب اللہ میں خونریزی شروع ہوئی۔قبائلیوں اور مقامی لوگوں نے خوب لوٹ مار کی اور غیر مسلم مردوں،عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔دیکھتے ہی دیکھتے ہزارہ کے نزدیک مری کے علاقے میں بھی سکھوں اور ہندوؤں کا بے گناہ خون بہنے لگا۔چونکہ یہ سارا علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار تھا اس لئے پولیس اور فوج کو فساد زدہ علاقوں میں پہنچنے میں خاصی دیر لگی۔فرنٹیئر فورس رجمنٹ نے تقریباً تین ہفتے میں صورت حال پر قابو پایا۔مرنے والوں کی صحیح تعداد کسی کو معلوم نہیں ہوسکی تھی لیکن اس بات پر سب کو اتفاق تھا کہ سینکڑوں سکھ اور ہندو قتل ہوگئے تھے۔

اس فساد کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ بنگال،بہار،بمبئی اور احمد آباد کے فسادات میں کچھ پٹھان بھی مارے گئے تھے۔جب یہ اطلاع ہلاک شدگان کے اقربا کو ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ ان

فسادات میں زیادہ تر مسلمانوں کا خون بہا تھا اور بالخصوص صوبہ بہار کے کئی دیہاتی علاقوں میں مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا تھا تو قبائلیوں کے جذبہ اسلامی کے ساتھ ساتھ ان کا جذبہ لوٹ مار بھی بیدار ہوا۔ نظم ونسق کی مشینری بہت کمزور ہو چکی تھی۔ صوبے میں ڈاکٹر خان صاحب کی کانگرسی وزارت کے خلاف مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک جاری تھی۔ ساری پولیس اور فوج کی توجہ اس طرف مرکوز تھی۔ موقع اچھا تھا۔ مقامی سکھوں اور ہندوؤں نے جنگ کے دوران سودخوری، ذخیرہ اندوزی اور منافع خوری کے ذریعے بہت مال بنایا ہوا تھا۔ ویسے بھی وہ روایتی طور پر خوش حال تھے۔ ان کے گھروں میں ریشمی کپڑے اور سونے کے زیورات تھے۔ ریڈیو سیٹ اور گھڑیاں بھی تھیں۔ ''بھوکے'' قبائلیوں نے اس ''زرین'' موقع سے فائدہ اٹھا کر ہلہ بول دیا۔

ہندو ذرائع ابلاغ کی خبروں کے مطابق اس فساد کی دوسری وجہ غالباً یہ تھی کہ بعض صوبائی مسلم لیگی لیڈروں نے ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے لئے مزید مشکلات پیدا کرنے کے مقصد کے تحت قبائلیوں کو ہندوؤں اور سکھوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور اس طرح وادیٔ گنگا کی خانہ جنگی کے شعلے شمالی ہندوستان میں پہنچ گئے۔ حالات کی رفتار بہت تیز تھی۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کل کیا ہوگا۔ اعلیٰ سول وفوجی برطانوی افسروں کو یہ تشویش لاحق تھی کہ اگر یہ خانہ جنگی پنجاب کے میدانی علاقوں تک پہنچ گئی تو لازمی طور پر فوج متاثر ہوگی اور فوج متاثر ہوئی تو پھر معلوم نہیں کیا ہوگا۔ ہندوستان کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔

وزارتی مشن منصوبہ کی ناکامی پر ویول کا مرحلہ وار انخلاء کا منصوبہ

برطانوی کابینہ کو پسند نہ آیا۔ پاکستان کے متبادل پر غور شروع ہو گیا

ادھر لندن میں برطانوی حکمران سر جوڑ کر بیٹھے تھے کہ ہندوستان کے مسئلے کا کیا حل نکالا جائے۔ ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کا کوئی حوصلہ افزا نتیجہ نہ نکلا تھا۔ کانگرس نے لیگ کے بغیر آئین سازی کے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں کو وزارتی مشن منصوبہ کی کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی اس لئے انہوں نے ایک بار پھر پاکستان کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا تھا۔

ان حالات میں 10 ردسمبر کو برطانوی کابینہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ وزیراعظم ایٹلی اور وزیر ہند پیتھک لارنس نے ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ اپنی بات چیت کے بارے میں آگاہ کیا۔ وزیراعظم ایٹلی کا خیال تھا کہ ہندوستان کی بڑی سیاسی پارٹیاں کسی سمجھوتے پر پہنچنے کی حقیقی خواہش نہیں رکھتیں۔ اس نے کہا کہ پنڈت نہرو کی موجودہ پالیسی کا مقصد حکومت ہند پر مکمل غلبہ حاصل کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جو آئین بنایا جائے گا اس کے خلاف مسلمانوں میں شدید ردعمل پیدا ہوگا۔ مسلم اکثریت کے صوبے اس آئین کے تحت مرکزی حکومت میں شامل ہونے پر کبھی آمادہ نہ ہوں گے اور کانگرس کی پالیسی کا بالآخر نتیجہ قیام پاکستان کی صورت میں نکلے گا جسے وہ سخت ناپسند کرتی آئی ہے۔ اس نے کابینہ کے ارکان کو متنبہ کیا کہ ہندوستان میں خانہ جنگی کی صورتحال پیدا ہوسکتی ہے جس میں خون خرابہ ہوگا۔ ہندوستانی رہنماؤں کو اس خطرے کا احساس نہیں ہے کہ منضبط حکومت کا خاتمہ بھی ہوسکتا ہے۔ کابینہ کی رائے تھی کہ ہندوستانی سیاست دانوں کے ذہن میں ہمیشہ یہ بات رہی ہے کہ نظم ونسق بگڑنے کی صورت میں فوج حالات پر قابو پالے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فوج کے اختیار پر زیادہ دیر تک بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستان میں برطانوی فوج کی تعداد اب زیادہ نہیں ہے اور ہندوستانی فوج سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ خانہ جنگی جیسے حالات میں نظم ونسق بحال کرنے کا قابل اعتماد ہتھیار ثابت ہوگی۔ کابینہ کی رائے میں ''ایک بات بالکل یقینی تھی اور وہ یہ کہ اب ہم گھڑی کی سوئیاں پیچھے کی جانب نہیں گھما سکتے اور پختہ برطانوی راج کو واپس نہیں لاسکتے۔ نہ تو فوج اور نہ ہی ہندوستان کی انتظامی مشینری اب ایسا کرنے کے قابل تھی۔'' تاہم تمام وزیروں کی رائے تھی کہ ہندوستان میں حالات کو اس حد تک بگڑنے نہ دیا جائے کہ ہمیں وہاں سے ہنگامی طور پر بے سروسامانی کے عالم میں نکلنا پڑے، یہ سیاسی اعتبار سے مناسب نہیں ہوگا، نہ پارلیمینٹ اس کی اجازت دے گی، نہ برطانوی رائے عامہ اس کے حق میں ہوگی، نہ ہم مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا کوئی بندوبست کر پائیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ''عالمی رائے عامہ بطور عظیم طاقت کے اسے ہمارے شایان شان نہ سمجھے گی۔''[7] لیکن ان تمام خدشات سے بچنے کے لئے بہرصورت وہ کانگرس کی خوشنودی چاہتے تھے باوجودیکہ وہ کانگرس کے عزائم سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ جناح نے برطانوی وزیراعظم اور کابینہ کے دوسرے وزراء کو

12 دسمبر کو دوپہر کے کھانے کی دعوت دی تھی۔ متذکرہ کابینہ کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ جناح کی یہ دعوت قبول نہ کی جائے کہ، اگر ایسا کیا تو کہیں کانگرس ناراض نہ ہو جائے۔[8]

11 دسمبر کو وزیراعظم ایٹلی نے دارالعوام میں اور وزیر ہند پیتھک لارنس نے دارالامراء میں حالیہ ہندوستانی رہنماؤں سے مذاکرات کے حوالے سے ہندوستان کی صورتحال پر بہت محتاط انداز میں اظہار خیال کیا۔ دونوں نے ایک ہی طرح کا بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ ''برطانوی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ آئین ساز اسمبلی میں تمام پارٹیوں کو وزارتی مشن کی منشا کے مطابق سکیم کو بروئے کار لانا چاہیے لیکن اگر آئین ساز اسمبلی چاہے تو اس بنیادی نکتے پر فیصلے کے لئے فیڈرل کورٹ سے رجوع کر سکتی ہے۔ لیکن یہ استناد جلد از جلد کرنا چاہیے تا کہ آئین ساز اسمبلی کے سیکشنوں کے اجلاس منعقد ہونے سے پہلے فیصلے کا علم ہو جائے۔'' 12 دسمبر کو سٹیفورڈ کرپس نے دارالعوام میں ہندوستان کے مسئلے پر دو روزہ بحث کا آغاز کرتے ہوئے ایک طویل تقریر کی۔ اس نے کہا سارا مسئلہ اس لئے پیدا ہوا ہے کہ بڑی جماعتوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہے اور وہ جمہوری طریقہ اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ تاہم اس نے امید ظاہر کی کہ دونوں پارٹیاں آئین ساز اسمبلی اور سیکشنوں میں اکٹھے مل بیٹھنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔ اس نے سکھوں کو تلقین کی کہ وہ ذرا صبر سے کام لیں۔ وہ اتنی بری پوزیشن میں نہیں ہیں جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں۔ دونوں فرقوں کو ان کی حمایت کی ضرورت پیش آئے گی۔ سکھ اگر تحمل سے کام لیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ 16 دسمبر کو پیتھک لارنس نے دارالامراء میں لارڈ سائمن کی تقریر کے جواب میں کہا کہ آئین ساز اسمبلی دونوں بڑی پارٹیوں کی منظوری کے بغیر کوئی ایسا آئین وضع نہیں کر سکتی جو مشن کی سفارشات سے مختلف ہو۔ اس نے یہ بھی کہا کہ حکومت برطانیہ اپنے اعلان 16 مئی کی تعبیر پر قائم رہے گی اور اس سے کسی صورت میں انحراف نہیں کرے گی خواہ فیڈرل کورٹ کا فیصلہ اس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ اعلانات نیک خواہشات سے زیادہ حیثیت کے حامل نہ تھے۔ برطانوی حکومت کوئی اقدام بھی برصغیر کی سب سے بڑی جماعت کانگرس کی مرضی کے خلاف نہیں اٹھا سکتی تھی۔

11 دسمبر کی رات کو برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس وزیراعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں وائسرائے ویول نے بھی شرکت کی۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ

اب بھی امکان موجود ہے کہ دونوں فریقے وزارتی مشن منصوبہ پر عملدرآمد میں تعاون پر آمادہ ہو جائیں گے اور آئین ساز اسمبلی ہندوستان کے مستقبل کا آئین وضع کر سکے گی۔ سٹیفورڈ کرپس نے اسی روز سہ پہر کو جناح کے ساتھ ایک غیر رسمی ملاقات کی تھی۔ اس کا احوال بیان کرتے ہوئے کرپس نے کہا کہ جناح کی گفتگو سے عام تاثر یہ ملتا تھا کہ وہ مسلم لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں شریک ہونے کا مشورہ دے گا۔ لیکن کرپس کا کہنا تھا کہ کانگرسی رہنماؤں کے رویے میں کوئی لچک ظاہر نہیں ہو رہی ہے اور اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلم لیگ اسمبلی میں شریک نہیں ہوگی۔ ویول نے کہا کہ اگر آئین ساز اسمبلی مسلم لیگ کے بغیر آئین سازی کرتی رہی تو مسلم لیگ خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھی رہے گی بلکہ گڑبڑ پھیلائے گی جب کہ اعلان 6رد سمبر میں یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ آئین ساز اسمبلی ان علاقوں پر آئین کو لاگو نہ کر سکے گی جن علاقوں کے نمائندے آئین سازی میں شریک نہیں ہوں گے۔ ویول نے مزید کہا کہ جونہی یہ واضح ہو جائے کہ وزارتی مشن منصوبہ ناکام ہو گیا ہے، ہمارے پاس ایک متبادل پالیسی موجود ہونی چاہیے۔ اس معاملے پر غور وخوض کے بعد اتفاق پایا گیا کہ آئین ساز اسمبلی کو توڑا نہیں جائے گا کیونکہ بقول ویول ''اس صورت میں کانگرس وزارتوں سے مستعفی ہو جائے گی اور بغاوت کا اعلان کر دے گی۔ بلوے کرے گی۔ ریلوے اور سرکاری عمارتوں کو تباہ کرے گی اور عام سول نافرمانی کرے گی۔'' چنانچہ یہ تجویز پیش کی گئی کہ حکومت برطانیہ یہ کہہ سکتی ہے کہ اس وقت جس آئین ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہو رہا ہے اس کا وضع کردہ آئین صرف ہندو صوبوں پر لاگو ہو سکے گا نہ کہ بقیہ ہندوستان پر۔ دوسرے لفظوں میں یہ پاکستان کے حق میں اعلان کے مترادف سمجھا جائے گا۔ اس پر اتفاق تھا کہ اگر کانگرس ہٹ دھرمی پر قائم رہی تو اس کا منطقی نتیجہ پاکستان کے قیام کی صورت میں برآمد ہوگا جسے وہ بے انتہا ناپسند کرتی آئی ہے۔ تجویز یہ تھی کہ اس صورت میں مسلم لیگ سے کہا جائے گا کہ وہ مسلم صوبوں کا آئین وضع کرنے کے لئے علیحدہ آئین ساز اسمبلی تشکیل کر لے۔ پیتھک لارنس نے اس موقع پر ان عملی مشکلات کا ذکر کیا جو پاکستان کے قیام کی راہ میں حائل تھیں اور جنہیں وزارتی مشن کے اعلان 16رمئی میں بالصراحت بیان کیا جا چکا تھا۔ ایک مثال اس نے یہ دی کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں خاصی بڑی تعداد میں غیر مسلم اقلیت جو ہندوؤں اور دوسرے اقلیتی فرقوں پر مشتمل ہوگی، رہ جائے

گی۔ ویول کا خیال تھا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے پاکستان کے موافق اعلان پر کانگرس کا بڑا شدید ردعمل ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کانگرس کو یہ احساس ہو جائے کہ اس کی ہٹ دھرمی کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آ جائے گا اور اس لئے وہ اپنے رویے میں معقولیت پیدا کرنے پر تیار ہو جائے۔ اس کے بعد کمیٹی نے وائسرائے کی اس تجویز کا جائزہ لیا کہ ہمیں ہندوستان سے دستبرداری کی ایک معین تاریخ کا اعلان کر دینا چاہیے۔ ویول کا خیال تھا کہ ہم ایک محدود عرصے سے زائد ہندوستان میں قیام نہیں کر سکتے۔ اس وقت انڈین سول سروس میں کل پانچ سو برطانوی ہیں اور مزید پانچ سو پولیس میں ہیں۔ یکم جنوری 1947ء سے اختیاری ریٹائرمنٹ کا حق مل جانے کے بعد ان کی تعداد میں تیزی سے کمی رونما ہوگی۔ جہاں تک سول سروس کے ہندوستانی ارکان کا تعلق ہے تو وہ ناگزیر طور پر اپنے نئے آقاؤں کی جانب دیکھیں گے۔ اس لئے کسی پختہ پالیسی پر عملدرآمد کرانے کے لئے ان پر صرف اسی صورت میں اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ انہیں یہ یقین دلایا جائے کہ ابھی ہم نے مزید دس یا پندرہ سال تک وہاں رہنا ہے۔ مسلح افواج کے متعلق اس نے کہا کہ ابھی تک تو وہ وفادار ہیں لیکن ان کے ڈسپلن پر بڑی شدت اور تیزی کے ساتھ دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے مختصراً کہا کہ اس وقت حکومت کی کوئی مشینری ایسی موجود نہیں ہے جس کی مدد سے ہم حکومت ہند کے کاروبار کو مزید ایک یا ڈیڑھ سال سے زیادہ چلا سکیں۔ اس لئے اس نے کہا کہ دستبرداری کی واضح تاریخ کا تعین ہمارے لئے سودمند ثابت ہوگا۔ اس کے خیال میں ایسا کرنے سے ہندوستان کے سیاست دانوں میں بھی احساس ذمہ داری پیدا ہوگا اور دونوں فرقوں کے رہنماؤں کے مابین اتحاد کی صورت پیدا ہو سکے گی۔ اس طرح اس کے خیال میں اس بات کا بہتر امکان تھا کہ ''ہم ہندوستان سے رخصتی کے وقت یہاں ایک منضبط حکومت چھوڑ کر جائیں گے نہ کہ ایک گڑبڑ اور انتشار کی صورتحال۔'' بعض وزراء کا خیال تھا کہ جب تک ہم متذکرہ امکان کا یقین نہ کر لیں ہمیں مقررہ تاریخ کا اعلان نہیں کرنا چاہیے۔ دوران گفتگو اے۔ وی۔ الیگزینڈر نے کہا کہ ہمارے منصوبے کی ناکامی کی صورت میں کیا ہمیں ہندوستان کے معاملے پر اقوام متحدہ سے رجوع نہیں کرنا چاہیے؟ کابینہ کے بقیہ ارکان کی رائے یہ تھی کہ اگرچہ دونوں فرقوں کو تو ممکن ہے یہ قابل قبول ہوگا لیکن اس سے تاخیر پیدا ہو جائے گی اور ہندوستان کی صورتحال فوری کاروائی کا

تقاضہ کر رہی ہے۔ یہ بھی یقینی نہیں تھا کہ اقوام متحدہ ''ہمارے مسائل کا کوئی حل کر سکے گی۔'' اس خدشہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ ''اس طرح سوویت یونین کو ہندوستانی معاملات میں مداخلت کا پروانہ حاصل ہو جائے گا۔'' چنانچہ اقوام متحدہ سے رجوع کرنے کی تجویز رد کر دی گئی۔ اس کے بعد وائسرائے ویول نے کمیٹی کے سامنے ہندوستان سے دستبرداری کا مرحلہ وار منصوبہ پیش کیا۔ یہ منصوبہ اس نے صوبائی گورنروں اور کمانڈر انچیف سے صلاح مشورہ کے بعد ترتیب دیا تھا اور گزشتہ چند مہینوں میں وقتاً فوقتاً اس کی تفصیلات سے وزیر ہند کو مطلع کرتا رہا تھا۔ اس دوران حکومت برطانیہ کی جانب سے اس کی مخالفت کی جاتی رہی تھی۔ اس منصوبے کے مطابق پہلے مرحلے میں جنوبی ہند کے صوبوں مدراس، بمبئی، اڑیسہ اور سی۔ پی کی صوبائی حکومتوں کو اقتدار منتقل کر کے وہاں سے انخلاء عمل میں لایا جانا تجویز کیا گیا تھا۔ اس کے بعد بقیہ صوبوں سے ایک ایک کر کے دستبردار ہونے کی تجویز تھی اور یوں مرحلہ وار پورے ہندوستان سے انخلاء کا کام مکمل کیا جانا مقصود تھا۔ اس پر ایک بڑا اعتراض یہ وارد کیا گیا کہ اقتدار اعلیٰ کس کو سونپا جائے گا جب کہ مرکزی حکومت بالکل منتشر ہو چکی ہو گی۔ مرکزی محکمے جن میں دفاع، ریلوے، ٹیلیگراف اور مرکزی ریونیو کا انتظام شامل ہیں، ان کا کیا بنے گا؟ مرحلہ وار انخلاء کے دوران فسادات پھوٹ پڑے اور صورتحال صوبائی حکومت کے قابو سے باہر چلی گئی تو کیا اس سے الگ تھلگ رہنا ممکن ہو گا؟ ویول کی جانب سے ان اعتراضات کا جواب یہ تھا کہ اس دوران عبوری حکومت بدستور کام کرتی رہے گی اور کانگرس کے ارکان اس میں شامل رہیں گے۔ اس نے کہا کہ کانگرس کے رہنما ہندوستانی فوج کو سالم و ثابت رکھنا چاہتے ہیں اور مرکزی حکومت بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن کمیٹی کے ارکان کی اس جواب سے تشفی نہ ہوئی۔ ان کا کہنا تھا کہ جس قدر ممکن ہو جانشیں حکومتوں کی تعداد کم سے کم ہونی چاہیے کہ جنہیں اقتدار منتقل کیا جائے۔ ان کی رائے تھی کہ آئین ساز اسمبلی کو برقرار رکھا جائے اور اس کے اختیار سے عمل میں آنے والی حکومت کو ہندو اکثریتی صوبے سونپ دیئے جائیں۔ اگر مسلم اکثریتی صوبوں کے لئے علیحدہ آئین ساز اسمبلی تشکیل دینی پڑے تو وہ جو حکومت قائم کرے اسے مسلم اکثریتی صوبے سونپ دیئے جائیں۔ تاہم کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا یہ اجلاس کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ وزیر اعظم ایٹلی نے وائسرائے ویول اور وزیر ہند پیتھک لارنس سے کہا کہ وہ وزارتی مشن منصوبہ کی ناکامی کی

صورت میں حکومت برطانیہ کی پالیسی سے متعلق اعلان کا مسودہ ترتیب دیں۔[9]

14 ردسمبر کو ویول نے متذکرہ اجلاس میں انڈیا و برما کمیٹی کے ارکان کی پیش کردہ بعض تجاویز کے بارے میں ایک نوٹ لکھا اور کمیٹی کے ارکان میں تقسیم کر دیا۔ اس تجویز کے متعلق کہ اگر مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہ ہو تب بھی اسمبلی کو ہندو صوبوں کے لئے آئین سازی کا کام جاری رکھنا چاہیے اور یہ کہ مسلم اکثریتی صوبوں کے لئے علیحدہ اسمبلی قائم کر دی جائے، اس نے لکھا کہ ''میں اس تجویز کے بالکل خلاف ہوں۔ اسے حکومت برطانیہ کی جانب سے پاکستان کے اصول کی حمایت کے مترادف گردانا جائے گا۔ جب کہ وزارتی مشن اپنے اعلان 16 رمئی میں اس کی پرزور مخالفت میں مؤقف اختیار کر چکا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان ہندوستان کے مسئلے کا قطعی طور پر غیر تسلی بخش حل ہے اور اپنے انخلاء کے دوران ہماری جانب سے اس کی حمایت انخلاء کے عمل میں مشکلات کا موجب ثابت ہوگی اور اس سے ہندوستان میں خانہ جنگی کے امکانات بے حد بڑھ جائیں گے۔ خاص طور پر ہندوستانی فوج کے ٹکڑے ہونے کا بہت زیادہ امکان پیدا ہو جائے گا جب کہ اس کو یکجا رکھنا، ہماری دستبرداری کے عمل کے دوران بہت زیادہ ضروری ہوگا۔ اگر مسلم اکثریتی صوبے جن کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا جاتا ہے، واقعتاً بھاری مسلم اکثریت کے حامل ہوتے تو مسئلہ ذرا آسان ہوتا لیکن ایسا صرف سندھ اور سرحد میں ہے۔ پاکستان جس کا کہ مسلمان مطالبہ کر رہے ہیں دراصل ہندو علاقے کے بعض بڑے حصوں پر دعویٰ ہے جو کہ پنجاب کے مشرق اور بنگال کے مغرب بشمول کلکتہ پر مشتمل ہیں۔ مسلمانوں کی جانب سے ان غیر مسلم علاقوں کو مسلم علاقوں کے ساتھ شامل کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے تا کہ وہ ایک قابل عمل پاکستان وجود میں لاسکیں۔ اگر ہم نے مسلم اکثریتی صوبوں کے لئے علیحدہ آئین ساز اسمبلی وضع کر کے پاکستان کی جانب قدم اٹھایا تو پنجاب اور بنگال میں فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھیں گے اور یہ ایسے وقت میں ہوگا جب کہ ان صوبوں میں امن عامہ کی موجودگی بے حد ضروری ہوگی...... چنانچہ میرا یہ پرزور مشورہ ہے کہ اس مرحلہ پر علیحدہ سے مسلم آئین ساز اسمبلی قائم نہ کی جائے۔'' اس کے بجائے اس نے مرحلہ وار جنوب سے شروع کر کے ایک ایک صوبہ سے دستبردار ہونے کے اپنے منصوبہ کی حمایت میں دلائل دیئے۔ اس کی رائے تھی کہ امکان ہے کہ دونوں پارٹیاں باہمی افہام وتفہیم پر راضی ہو

جائیں اور ہم مرکز میں ایک مخلوط حکومت کو اقتدار منتقل کر سکیں۔ اگر دونوں نے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا یا ان کے مابین کوئی تصفیہ نہ ہو سکا تو اس صورت میں ہم شمالی صوبے صوبائی حکومتوں کے سپرد کر دیں گے تا آنکہ وہ اپنے گروپ کے قیام کا فیصلہ کر لیں جب کہ مرکز میں ہندوستان کے لئے مرکزی حکومت کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔[10] گویا ابھی تک ویول پاکستان کا سخت مخالف تھا اور اپنے مرحلہ وار انخلاء کے منصوبے کے ذریعے برصغیر کے متحد رہنے کے امکانات کی توقعات کر رکھتا تھا۔ اگرچہ تقسیم کا خطرہ اس میں بھی مضمر نظر آتا تھا۔

ویول نے 16 دسمبر کو کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کے لئے اس اعلان کا مسودہ تیار کیا جو وزارتی مشن منصوبہ کی ناکامی کے بعد حکومت برطانیہ کی جانب سے جاری کیا جانا مقصود تھا۔ اس نے متذکرہ نوٹ میں بیان کردہ اپنے خیالات کا اعادہ کرتے ہوئے ہندوستان سے مرحلہ وار انخلاء کے منصوبے کا نظام الاوقات پیش کیا جس کے مطابق 31 مارچ 1948ء تک ہندوستان سے انگریزوں کے انخلاء کا سارا عمل مکمل کیا جانا تھا۔ اس کی رائے میں انخلاء کے بعد ایک ایسے آئینی ڈھانچے کے وضع ہونے کا امکان موجود تھا جو سارے ہندوستان کو قابل قبول ہو سکتا تھا۔ تاہم کسی حصے کی جانب سے نامنظوری کی صورت میں اسے وہاں لاگو نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وزیر ہند پیتھک لارنس نے بھی اس ضمن میں ایک مسودہ تیار کیا جو وزارتی مشن منصوبہ کی ناکامی کی صورت میں حکومت برطانیہ کے اعلان کی صورت میں جاری کیا جانا تھا۔ اس نے ہندوستان کے اتحاد اور یک جہتی پر زور دینے کے بعد لکھا کہ ہندوستان کی آزادی اور وہاں مکمل سیلف گورنمنٹ کے قیام کو اس اتحاد کی خاطر التوا میں نہیں رکھا جا سکتا۔ حکومت برطانیہ اس اتحاد کے تحفظ کو یہاں اپنا قبضہ برقرار رکھنے کی خاطر بہانے کے طور پر استعمال نہیں کرے گی۔ اس نے بھی 31 مارچ 1948ء تک انخلاء کا عمل مکمل کرنے کی سفارش کی تاہم اس نے ویول کے مجوزہ مرحلہ وار انخلاء کے بجائے یہ تجویز دی کہ اس وقت جس آئین ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہو رہا ہے اسے حکومت برطانیہ وزارتی مشن منصوبے کے سیکشن الف کی آئین سازی کے لئے بااختیار ادارے کے طور پر تسلیم کرے جس میں یہ صوبے شامل ہیں۔ مدراس، بمبئی، یو۔ پی، بہار، سی۔ پی اور اڑیسہ۔ اس نے تجویز کیا کہ حکومت برطانیہ برصغیر کے اس حصے سے دستبردار

ہونے اور آئین ساز اسمبلی کی جانب سے اس حصے کے لئے مقرر کردہ اتھارٹی کو اقتدار منتقل کرنے پر آمادہ ہوگی۔ باقی ماندہ حصوں یعنی سیکشن ب اور ج کے متعلق اس نے تجویز کیا کہ وہ علیحدہ سے اپنا آئین وضع کریں اور اتھارٹی تشکیل دیں جسے اقتدار منتقل کیا جا سکے۔ اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بہت سے مسائل اور مشکلات پیدا ہوں گی جن سے نمٹنے کے لئے ایک متحدہ انتظامیہ کی تشکیل بے حد ضروری ہوگی۔ اس عمل کے دوران ہی یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اتحاد کی کوئی صورت نکل آئے گی۔[11] ویول اور پیتھک لارنس دونوں کے تیار کردہ مسودوں میں اگرچہ طریق کار مختلف تجویز کئے گئے تھے لیکن دونوں کی پہلی ترجیح اور حتی الامکان کوشش، برصغیر کے اتحاد کو برقرار رکھنے کی تھی مگر چونکہ وہ زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے اس لئے اب وہ لامحالہ اور بادل ناخواستہ تقسیم کی جانب بھی مائل ہوتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اگرچہ اس تقسیم میں بھی کسی طور اتحاد کے قیام کی امید رکھتے تھے۔

16 دسمبر کو کابینہ نے اپنے اجلاس میں فیصلہ کیا کہ فی الوقت یہ ظاہر نہ ہونے دیا جائے کہ مسلم لیگ کی آئین ساز اسمبلی میں عدم شرکت کی صورت میں کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے گا؟ 17 دسمبر کو کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں وزارتی مشن منصوبہ کی ناکامی کی صورت میں لائحہ عمل پر غور کیا گیا۔ کمیٹی کے گزشتہ اجلاس منعقدہ 11 دسمبر میں پاکستان کی تجویز بھی زیر غور آئی تھی۔ سرکاری ریکارڈ میں اس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا کہ ''سب اس بات پر متفق تھے کہ پاکستان کی کسی شکل کے قیام کی تجویز میں بہت زیادہ اور بہت سنگین مشکلات مضمر ہیں۔'' ویول نے مزید زور دے کر کہا کہ ''اس کے نتیجے میں فوج ٹکڑوں میں بٹ جائے گی اور صرف یہ وجہ ہے کہ میں اس قسم کے کسی حل کے لئے کوئی اقدام اٹھائے جانے پر متردد ہوں۔'' چنانچہ کمیٹی نے ویول کے مجوزہ صوبے وار انخلاء کے منصوبے پر غور کیا کہ آیا اس میں تو ایسی کوئی مشکل درپیش نہیں ہوگی۔ بعض ارکان کی رائے تھی کہ اس منصوبے کے پہلے مرحلے کے دوران تو شاید پاکستان کا مسئلہ پیدا نہ ہو لیکن دوسرے مرحلے میں جب کہ شمالی صوبوں سے انخلاء کا وقت آئے گا تو یہ مسئلہ ناگزیر طور پر پیدا ہوگا۔ اس طرح ویول کے منصوبے سے پاکستان کے مسئلہ کا سد باب نہیں ہوتا، یہ صرف اسے ملتوی کر سکتا ہے۔ ویول نے جواب میں کہا کہ جنوبی صوبوں میں انتقال اقتدار میں تین چار ماہ لگ جائیں

گے۔ اسے یہ توقع تھی کہ اس منصوبے کے اعلان اور جنوبی صوبوں پر اس کے عملدرآمد سے متاثر ہو کر دونوں فرقے ایک دوسرے کے قریب آنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ یہ ممکن ہے کہ ان تین چار ماہ کے دوران کچھ ایسے سیاسی واقعات رونما ہو جائیں کہ صورتحال یکسر بدل جائے۔ اس لئے اس کی رائے تھی کہ اگلے مرحلے کے لائحہ عمل کی تفصیل ابھی طے نہیں کی جا سکتی۔ بعض ارکان کی رائے تھی کہ جب تک پیشگی یہ اندازہ نہ ہو جائے کہ وائسرائے کے مجوزہ منصوبہ کا کیا ردعمل ہو گا، مسئلہ پاکستان کو التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ آئین ساز اسمبلی مسلمانوں کی شمولیت کے بغیر ہی آئین سازی کرتی چلی جائے گی اور ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ ہو گا کہ ہم یہ اعلان کر دیں کہ یہ آئین ان صوبوں پر لاگو نہیں ہو گا جن صوبوں کے نمائندوں نے اس آئین کی تشکیل میں حصہ نہیں لیا ہے اور جن سے مراد بنگال، پنجاب اور سندھ ہوں گے۔ یہ بھی ایک طرح سے پاکستان کی حمایت میں اعلان کے مترادف سمجھا جائے گا۔ علاوہ ازیں وائسرائے کے مجوزہ منصوبہ پر بہت سے اعتراضات وارد کئے گئے۔ کہا گیا کہ ہمیں ہندو صوبوں میں اقلیتوں کے تحفظ کی کوئی گارنٹی حاصل نہ ہو گی۔ صوبہ وار انتقال اقتدار میں قانونی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کیونکہ برطانوی اقتدار اعلیٰ کسی ایسے ادارے یا اداروں کے سپرد ہونا چاہیے کہ جن کے ساتھ مستقبل کے لئے ہمارے معاہدوں کی بات چیت ہو سکے۔ وائسرائے کے منصوبے کے مطابق اقتدار اعلیٰ صوبوں کو منتقل ہو جائے گا۔ چنانچہ ''کیا ایسا راستہ اختیار کرنا دانشمندانہ ہو گا کہ جو ابتدا میں ہی ہندوستان کی تقسیم کے عمل کو تیز کر دے۔؟'' اس منصوبے کے نتیجے میں سیاست دان یہ سمجھنے لگیں گے کہ ہندوستان کی تقسیم ناگزیر ہے۔ مزید یہ کہ اگر اقتدار اعلیٰ صوبوں کے سپرد کیا گیا تو ہندوستانی فوج کا کیا بنے گا؟ پہلے مرحلے میں اگر اسے مرکزی حکومت کے ماتحت رکھا گیا اور صوبوں میں صوبائی حکومت کی مرضی سے اس کا عمل دخل ہوا تو دو عملی کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ ''آخری مرحلے میں ہندوستانی فوج کو کسی مخصوص اتھارٹی کی تحویل میں دینا ہو گا۔ اگر اس وقت تک کل ہند سطح پر کوئی مرکزی اتھارٹی وجود میں نہ آ سکی تو اسے صرف ہندو صوبوں کی مرکزی حکومت کے سپرد نہیں کیا جا سکے گا، ہم اسے تقسیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' مزید برآں ہندوستانی ریاستوں کا مسئلہ تھا جو صوبوں سے ملحق تھیں کہ ان کے حق میں اقتدار اعلیٰ سے کس مرحلہ پر دستبرداری اختیار کی جائے گی اور آخری اعتراض یہ تھا کہ برطانوی

پارلیمینٹ سے اس منصوبے کی منظوری حاصل کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا ہوگا۔ ہمیں یہ دکھانا ہوگا کہ اس منصوبے کے نتیجے میں گڑبڑ اور بدامنی نہیں پھیلے گی۔ نیز اقلیتوں کو تحفظ حاصل رہے گا اور یہ بھی دکھانا پڑے گا کہ کوئی بااختیار اتھارٹی موجود ہوگی جس کے ساتھ مستقبل کے لئے معاہدہ طے ہو سکے گا۔ ان تمام اعتراضات کی بنیاد برطانوی وزراء کے نزدیک اس امر پر تھی کہ صوبوں کو اقتدار اعلیٰ منتقل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے رائے دی کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے کہ رسمی انتقال اقتدار اعلیٰ سے کم تر کسی اقدام سے ہندوستانی رہنماؤں کو باور کرایا جا سکے کہ ہم واقعتاً ہندوستان چھوڑ دینا چاہتے ہیں جب کہ اس کی ذمہ داریوں کو بھی محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اس طرح موجودہ آئین آخری مرحلے تک نافذ العمل رہے گا اور اس کے تحت اختیارات بتدریج ہندوستانیوں کے سپرد ہوتے چلے جائیں گے اور ہندوستانی افواج جو کہ مرکزی کنٹرول کے تحت ہوں گی، بدستور صوبوں میں موجود رہ سکیں گی۔ مزید یہ کہ پالیسی ہندوستان کو مختلف یونٹوں میں منقسم کرنے کی جانب پیش رفت ثابت نہیں ہوگی۔ اے۔ وی الیگزینڈر نے اختلاف رائے کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں جس قسم کے بیانات دیئے جا رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آئین ساز اسمبلی جس پر کانگرس کا غلبہ ہے پورے ہندوستان پر آزاد و خود مختار جمہوریہ کے قیام کی خواہاں ہے خواہ ناگزیر طور پر کتنا ہی خون خرابہ کیوں نہ ہو۔ اس لئے اس کی رائے تھی کہ ہمیں سریع اور سخت اقدامات اٹھانے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ وزراء نے آخر میں اس معاملہ پر غور کیا کہ جنوبی صوبوں سے برطانوی انخلاء کے عمل میں آنے کے بعد کے مراحل سے نبٹنے کے لئے آیا ابھی سے جاری کردہ بیان میں کچھ اقدامات کا اعلان کر دیا جائے۔ لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ ایک مشکل یہ تھی کہ "یہ پیش بینی نہیں کی جا سکتی تھی کہ حالات کیا رخ اختیار کریں گے" جب کہ دوسری مشکل یہ تھی کہ "فریقین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے ہماری جانب سے ایک قطعی تاریخ تک ہندوستان چھوڑ دینے کی اپنی منشا کے اظہار کے لئے بیان کا اجراء بے حد ضروری تھا۔[12] اجلاس مزید غور وخوض کے لئے ملتوی ہو گیا۔

اس اجلاس کی کاروائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانوی حکمران ہر ممکن طریقے سے کوئی ایسی راہ نکالنے کی فکر میں تھے کہ برصغیر کی یکجہتی اور اتحاد برقرار رہے، مسلح افواج بھی سالم و ثابت رہیں اور فرقہ وارانہ بدامنی اور انتشار بھی نہ پھیلے۔ وہ کانگرس کو کسی قیمت پر ناراض کرنا نہیں چاہتے

تھے مگر یہ بھی چاہتے تھے کہ مسلم لیگ کے ساتھ ہندو مسلم تنازعے کا کوئی ایسا حل نکل آئے کہ برصغیر خانہ جنگی کا شکار ہونے سے بچ جائے۔

ویول کا خیال تھا کہ برطانوی حکومت کانگرس سے خائف ہے اور کسی نتیجے پر پہنچنے میں تاخیر سے کام لے رہی ہے۔ چنانچہ اس نے متذکرہ اجلاس کے خاتمے کے بعد اسی روز (17ر دسمبر) کمیٹی کے ارکان کے لئے ایک نوٹ لکھا جس میں زور دیا گیا کہ اگلے اجلاس میں قطعی فیصلے کئے جانے چاہئیں۔ اس کی رائے تھی کہ جونہی یہ واضح ہو جائے کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہیں ہوگی اور آئین ساز اسمبلی ایسا آئین وضع نہیں کر سکے گی کہ جو پورے ہندوستان کو قابل قبول ہو، تو حکومت برطانیہ کو پارلیمینٹ سے منظوری حاصل کرنا ہوگی کہ گورنروں اور انگریز افسروں اور انگریز فوجیوں کو اڑیسہ، سی پی، بمبئی اور مدراس کے صوبوں سے تین چار ماہ کے اندر واپس بلا لیا جائے۔ موجودہ آئین کو برقرار رکھا جائے۔ صوبائی وزارتوں کے مشورے سے نئے گورنر مقرر کر دیئے جائیں تا آنکہ موجودہ گورنروں کو برقرار رکھنے کی خواہش ظاہر نہ کی جائے۔ پارلیمینٹ میں منظوری کے لئے پیش کرنے کے ساتھ ہی حکومت برطانیہ کو اپنی اس منشا کے بارے میں واضح اعلان جاری کرنا ہوگا۔ اس بیان میں صاف طور پر اعلان کر دیا جائے کہ برطانیہ اپنے اہلکاروں سمیت 31ر مارچ 1948ء تک ہندوستان سے رخصت ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے تجویز کیا کہ انڈیا و برما کمیٹی اپنے اجلاس میں یہ قطعی فیصلہ کرے کہ اگر جنوری 1947ء کے اواخر تک مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہ ہوئی تو حکومت برطانیہ کی جانب سے دستبرداری کی پالیسی پر مبنی اعلان جاری کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کی عمومی شکل اور اس میں شامل نکات کا فیصلہ کیا جائے۔ نیز یہ اصول بھی منظور کیا جائے کہ ہندوستان میں اپنے قیام کے باقی ماندہ ایام کے دوران اگر گورنروں یا گورنر جنرل کے خصوصی اختیارات پر کوئی آنچ آئے تو ہمیں کانگرس کے استعفیٰ کا سامنا کرنا چاہیے اور اس اہم معاملہ پر اس کے سامنے جھکنے کے بجائے اسے مستعفی ہونے دینا چاہیے۔[13] ویول بارہا اپنے اس خیال کا اظہار کر چکا تھا کہ ہندوستان کے بارے میں کوئی پالیسی بھی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک برطانوی حکومت پختہ روی سے کام نہیں لیتی اور کانگرس کی دھونس اور بلیک میلنگ کے سامنے ڈٹ کر نہیں کھڑی ہوتی۔ لیکن ویول کے اس موقف کو برطانوی حکومت کے بااثر حلقوں میں پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ خود وزیراعظم ایٹلی اور بیشتر

وزراء اس کے اس مؤقف کو برطانوی مفادات کے برخلاف سمجھتے تھے۔ اس کا یہی مؤقف بالآخر اس کی برطرفی پر منتج ہوا۔

19 دسمبر کو کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اگلا اجلاس زیر صدارت وزیر اعظم ایٹلی منعقد ہوا۔ ویول کا مجوزہ مرحلہ وار انخلاء کا منصوبہ ایک بار پھر زیر بحث آیا اور اس کے موافق اور مخالف دلائل کا تبادلہ ہوا۔ موافقت میں بیشتر دلائل خود ویول نے دیئے۔ اس کی مخالفت میں ایک دلیل یہ بھی دی گئی کہ ''اس بات کا خطرہ ہے کہ جنوبی صوبوں سے ہمارے انخلاء سے کہیں کانگرس یہ مطلب نہ نکال لے کہ ہم پاکستان کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہمارا یو۔ پی اور بہار پر بدستور قبضہ برقرار رکھنے سے یہ تعبیر جھوٹی قرار پائے، ہوسکتا ہے کہ اسے اس بات کی علامت سمجھا جائے کہ ہم ایک ایسے پاکستان کے حامی ہیں جس میں یہ دونوں صوبے بھی شامل ہوں گے......اگر یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو تو پھر (کمیٹی کے ارکان کا) یہ عام تاثر تھا کہ موجودہ آئینی ڈھانچہ برقرار رکھتے ہوئے جنوبی صوبوں سے انخلاء کے عمل میں کانگرس کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔''[14] 20 دسمبر کو انڈیا و برما کمیٹی کا ایک اور اجلاس وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا اور ہندوستان سے انخلاء کے منصوبے کے مختلف پہلوؤں کا مزید جائزہ لیا گیا۔ کمیٹی میں یہ معاملہ زیر غور آیا کہ جنوبی صوبوں سے انخلاء مکمل ہونے کے بعد ہمارا اگلا اقدام کیا ہوگا۔ فرض کیجئے کہ ہم بقیہ صوبوں سے بھی ایک ایک کر کے دستبردار ہوتے چلے گئے تو بالآخر یہ سوال پیدا ہوگا کہ مرکزی حکومت کس کو منتقل کی جائے؟ اگر ہم نے کھلے طور پر اپنے اختیارات سے دستبرداری کی ایک حتمی تاریخ کا اعلان کر دیا اور اس تاریخ تک ہندوستانی پارٹیوں کے مابین ایک مرکزی حکومت بنانے پر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا تو مرکزی اقتدار کس کو سونپا جائے گا؟ کمیٹی کے ارکان نے اغلب خیال ظاہر کیا کہ ''گیارہ میں سے آٹھ صوبوں نے اس وقت تک کانگرس کے زیر نگیں آئین ساز اسمبلی کا وضع کردہ آئین منظور کر لیا ہوگا۔ چنانچہ منطقی راستہ یہ ہوگا کہ ان آٹھ صوبوں سے متعلق مرکزی اختیارات کانگرس کی مرکزی حکومت کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوگا کہ بقیہ صوبوں سے متعلق مرکزی اختیار یا تو ان صوبوں کو فرداً فرداً یا ان کی ایک علیحدہ مرکزی حکومت کو سونپ دیئے جائیں۔ لیکن اس کے باعث سابقہ مرکزی حکومت کے اثاثوں اور ذمہ داریوں کے بٹوارے سے متعلق سنگین مسائل

درپیش ہو جائیں گے۔ اس کے باعث ہندوستانی فوج بھی بٹ جائے گی۔'' چنانچہ وزراء کو یہ محسوس ہوا کہ ''یہ تو قریب قریب پاکستان کو منظوری دینے کے مترادف ہو جائے گا۔ لیکن اور کوئی متبادل نظر نہیں آتا۔'' تاہم انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ ''جب کبھی اس پر عملدرآمد ہونے لگا اور جناح نے دیکھا کہ اس کے نتیجے میں ہندوستانی فوج بٹ رہی ہے تو وہ ہرگز اس اقدام کا خیر مقدم نہیں کرے گا۔ اس کے ذہن میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین دفاع کا مشترکہ نظام ہوگا اور ممکن ہے وہ مشترکہ خارجہ پالیسی کی ضرورت بھی تسلیم کر لے۔''[15] برطانوی حکمرانوں کی آخری امید اور کوشش اب یہ تھی کہ اگر پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کو مجبوراً عمل میں لانا ہی پڑا تب بھی دفاع اور امور خارجہ کو مشترکہ رکھا جائے گا اور ہندوستانی فوج کو متحد رکھا جائے گا۔ اس معاملے میں انہیں جناح کی تائید وحمایت کا پورا یقین تھا۔

20 دسمبر کی سہ پہر کو انڈیا و برما کمیٹی کا ایک اور اجلاس زیر صدارت وزیراعظم ایٹلی منعقد ہوا جس میں برطانیہ کے لارڈ چانسلر (چیف جسٹس) کو بھی مدعو کیا گیا تھا تاکہ ہندوستان سے برطانوی انخلاء کے متذکرہ منصوبہ کے پارلیمانی اور قانونی تقاضوں کے بارے میں مشورہ کیا جا سکے۔ کمیٹی اس نتیجہ پر پہنچی کہ 1935ء کے ایکٹ کی منسوخی اور حتمی انتقال اقتدار کو عمل میں لانے کے لئے پارلیمینٹ کا قانون انخلاء کے آخری مراحل تک وضع نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس ادارے یا اداروں کا علم نہ ہو جائے کہ جن کو اقتدار منتقل کیا جائے گا اور جن کے ساتھ اہم معاہدے طے کئے جائیں گے۔ تاہم انخلاء کے کام کا آغاز پارلیمینٹ میں ایک پالیسی بیان جاری کر کے کیا جا سکتا ہے۔ پارلیمینٹ سے اس کی توثیق کے بعد وائسرائے جنوبی ہند کے صوبوں سے انخلاء کا مجاز ہو جائے گا۔ چنانچہ کمیٹی نے کابینہ سے سفارش کی کہ اس ضمن میں پارلیمینٹ میں بیان کے اجراء اور توثیق کا بندوبست کیا جائے۔ نیز وزیراعظم سے کہا گیا کہ وہ وزیر ہند کے مشورے سے اس ضمن میں ایک یادداشت کابینہ کے ارکان میں تقسیم کرے۔

وزیراعظم ایٹلی ذاتی طور پر ویول کے تجویز کردہ مرحلہ وار انخلاء کے منصوبے سے اختلاف رکھتا تھا۔ چنانچہ 21 دسمبر کو اس نے ارکان کابینہ میں جو یادداشت تقسیم کی اس میں اس منصوبے اور انڈیا و برما کمیٹی کی سفارشات کی تفصیل درج کرنے کے بعد آخر میں لکھا کہ اس منصوبے کے نتیجے میں بعض ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ اقتدار اعلیٰ کے تعلقات کی ذمہ داری

نبھانا مشکل ہو جائے گا۔ تاج برطانیہ ان تعلقات کے تحت اس بات کا پابند ہے کہ ان ریاستوں میں برطانوی ہند سے معاندانہ عناصر کی سیاسی مداخلت کا سدباب کرے گا اور ریاستی حکومت کو ریاست کے اندر ہونے والی انقلابی سرگرمیوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے داخلی خلفشار سے تحفظ مہیا کرے گا۔ اس نے ریاست حیدر آباد کا خاص طور سے حوالہ دیا کہ جہاں ایک معاہدہ کے تحت وہ برطانوی افواج رکھنے کے بھی پابند ہیں۔ اس نے جنوبی صوبوں سے انخلاء پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا کہ اس صورت میں حتمی انتقال اقتدار سے پہلے ہی ہمیں جنوب کی ریاستوں سے جن میں حیدر آباد اور میسور جیسی ریاستیں شامل ہیں، اقتدار اعلیٰ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔"[16]

دراصل ایٹلی کے اس اعتراض کی بنیاد اس حقیقت پر تھی کہ حیدر آباد اور ٹراونکور کی ریاستوں میں کمیونسٹوں کی مسلح تحریک زور پکڑ چکی ہوئی تھی اور وہاں کے زوال پذیر جاگیردارانہ حکمران برطانوی فوجی امداد کے بغیر ان تحریکوں سے نمٹنے کے اہل نہیں تھے۔ انگریز چاہتے تھے کہ وہ حتمی انتقال اقتدار کے وقت یہ ذمہ داری نئی مرکزی حکومت ہند کو سونپ کر یہاں سے رخصت ہوں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کانگرس ان ریاستی حکمرانوں کو برقرار نہیں رکھے گی اور ہندوستانی فوج کی مدد سے متذکرہ مسلح کمیونسٹ تحریکوں کو بھی کچل ڈالے گی۔ ایٹلی کا یہ اعتراض اینگلو امریکی سامراج کے مفادات کے لئے بے حد اہم تھا۔ اس لئے ویول کے جنوبی ہند کے صوبوں سے شروع کر کے مرحلہ وار دستبرداری کے منصوبہ کو بالآخر کابینہ کی منظوری حاصل نہ ہو سکی۔ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ بلکہ خود ویول کو انتقال اقتدار کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔

ہندو بورژوا اور برطانوی سامراج کے مشترکہ مفاد کی تکمیل کیلئے ویول ناموزوں شخص تھا، ایٹلی اس کی برطرفی اور ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کا فیصلہ کر چکا تھا

ویول اور ایٹلی کے مابین سرد مہری کا رویہ اور اختلاف لندن مذاکرات کے دوران واضح طور پر عیاں ہو گیا تھا۔ 20 دسمبر کو ویول نے ایٹلی کے ساتھ علیحدہ ملاقات کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے "میں صبح نو بجے وزیر اعظم سے ملا اور اسے بتایا کہ میرے ساتھ غیر

شائستہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ ہندوستانی رہنماؤں سے مذاکرات ختم ہوئے دو ہفتے ہونے کو آئے ہیں اور اس دوران میرے ساتھ صرف تین اجلاس منعقد کئے گئے ہیں۔ نہرو کی آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے جلد واپسی کی خاطر لگاتار تین روز تک ہر روز تین یا چار اجلاس منعقد ہوئے تھے لیکن وائسرائے کو اس کی سہولت کا کوئی لحاظ کئے بغیر اتنے دن تک لٹکا رکھا ہے۔ وزیر اعظم نے قدرے عذر لنگ بنانے کی کوشش کی۔ میں نے کہا کہ میں کوئی قطعی پالیسی لئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ وزیر اعظم نے کہا کہ میں آپ کے بریک ڈاؤن پلان کے ساتھ اصولاً اتفاق کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے مرکز اور خاص طور پر ہندوستانی فوج سے متعلقہ مسائل پر لمبی چوڑی توجیہہ پیش کر دی۔"[17] اس روز انڈیا و برما کمیٹی کے دو اجلاس منعقد ہوئے جن کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ پہلے اجلاس کے بعد ویول نے ایٹلی کو ایک مختصر خط دیا جس میں اس نے ان امور پر قطعی فیصلہ کرنے کے لئے زور دیا جن کے بارے میں وہ 17 دسمبر کو اپنے نوٹ میں زور دے چکا تھا۔ سہ پہر کو آخری اجلاس ختم ہوا تو ویول نے ایک بار پھر ایٹلی سے ملاقات کی اور اپنے صبح کے خط کا جواب مانگا۔ ایٹلی نے کہا کہ ابھی اجلاس میں جو فیصلہ ہوا ہے اس میں تمہارا جواب بھی شامل ہے۔ ویول نے زور دیا کہ اسے جواب ضرور دیا جائے جس کا ایٹلی نے وعدہ کر لیا اور اسے دو سطروں کا ایک جواب لکھ بھیجا کہ "انڈیا کمیٹی نے کابینہ کو جو سفارشات کی ہیں ان میں وہ فیصلے بھی شامل ہیں جو آپ کو مطلوب ہیں۔" ویول نے ایٹلی کو الوداع کہی تب بھی ایسی ہی سرد مہری دیکھنے میں آئی۔ ویول لکھتا ہے "میں نے اسے الوداع کہی۔ اس نے ذرا سی بھی خوش خلقی کا مظاہرہ نہ کیا۔ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کی طبیعت ہی ایسی ہے۔ یا پھر یہ کہ وہ مجھے ناپسند کرتا ہے غالباً آخری بات درست ہے۔"[18]

ایٹلی کا ویول کے ساتھ خوش خلق نہ ہونا اس حقیقت سے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ ابھی دو روز پیشتر یعنی 18 دسمبر کو اس نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی تھی اور اسے وائسرائے ہند کا عہدہ قبول کرنے کی پیش کش کی تھی اور 20 دسمبر کو ایٹلی کے نام ایک ذاتی خط کے ذریعے ماؤنٹ بیٹن نے ذرا پس و پیش کے ساتھ یہ پیشکش قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے لکھا تھا کہ بہتر ہوگا "اگر مجھے ہندوستانی پارٹیوں کی کھلی دعوت پر وہاں بھیجا جائے اور اس حیثیت میں جس کا وہ خود تعین کریں۔"[19] چنانچہ جب 22 دسمبر کو ویول لندن سے واپس

دہلی کے لئے روانہ ہوا تو اس کی تبدیلی کا فیصلہ ہو چکا تھا جس سے اسے بے خبر رکھا گیا تھا۔

ویول اور برسراقتدار برطانوی لیبر پارٹی کے سربرآوردہ رہنماؤں کے مابین اختلافات وزارتی مشن کے ہندوستان میں قیام کے دوران ہی شدت کے ساتھ کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ وجہ نزاع کانگرس کے بارے میں مختلف رویہ تھا۔ کانگرس برصغیر کے نہ صرف سب سے مؤثر حکمران طبقے یعنی ہندو بورژوا کی پارٹی تھی بلکہ یہاں کی آبادی کے سب سے بڑے حصے یعنی ہندوؤں کی نمائندہ تنظیم تھی۔ اس کی قیادت اعتدال پسند بورژوا رہنماؤں پر مشتمل تھی جن کے عزائم بذات خود ایشیا کی قوت اور بحر ہند کے خطے کی بالا دست طاقت کے طور پر ابھرنے کے تھے۔ عالمی جنگ کے بعد برطانوی سامراج عالمی طاقت کی حیثیت سے دیوالیہ ہو چکا تھا اور ہندوستان میں مزید ایک لمحے کے لئے بھی ٹھہرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ سوویت یونین عالمی فاشزم کے خلاف فقید المثال کامیابی حاصل کر کے بہت بڑی عالمی طاقت کی حیثیت سے ابھرا تھا جب کہ ہندوستان کے چاروں طرف انقلابی مسلح کمیونسٹ تحریکیں یا مسلم قوم پرست تحریکیں زور وشور سے چل رہی تھیں اور بعض جگہ کامیابی ان کے قدم چوم رہی تھی۔ ان حالات میں زوال پذیر برطانوی سامراج کے لئے برصغیر کی سب سے بڑی اور اعتدال پسند جماعت کانگرس جو بذاتہی علاقائی سامراجی عزائم رکھتی تھی اور سوویت یونین کی ''توسیع'' کی راہ میں حائل ہوسکتی تھی اور مسلح انقلابی تحریکوں پر بند باندھ سکتی تھی، ایک نعمت سے کم نہ تھی کہ جس کے ساتھ وہ مستقبل کے لئے معاہدے کر کے یہاں اپنے زیادہ سے زیادہ مفادات محفوظ کر کے یہاں کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوسکتا تھا۔ اس وقت انگریزوں کا مسئلہ یہ نہیں تھا کہ ہندوستان میں ان کا حکم ٹھیک طرح چلتا ہے یا نہیں بلکہ ان کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ مستقبل کے نئے حکمرانوں کے ساتھ مستقبل کے لئے طے ہونے والے معاہدوں میں وہ کس قدر مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور ہندوستان کو برطانوی دولت مشترکہ کے فعال رکن کی حیثیت سے رکھ کر یہاں کس حد تک اپنے مفادات کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ وہ اب نئے نوآبادیاتی نظام کی استواری کے خواہاں تھے، پرانے استعماری نظام کا دیوالیہ نکل گیا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ اس کا احیاء ناممکن ہے۔ اب تو جس قدر خوش اسلوبی سے وہ جدید نوآبادیاتی نظام استوار کرتے یہی ان کی خوبی تھی۔

ان مقاصد کی تکمیل کانگرس کی خوشنودی کے بغیر ممکن نہ تھی۔ چنانچہ برطانوی برسراقتدار لیبر پارٹی کے رہنما کانگرس کی چاپلوسی کرنے اور اس کو راضی بہ رضا رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ ہر معاملے میں اس کے سامنے جھک رہے تھے۔ وہ وزارتی مشن منصوبہ کی اپنی تعبیر کے بجائے کانگرس کی تعبیر کے سامنے جھک گئے تھے، عبوری حکومت کی تشکیل کے مراحل میں ہر مقام پر کانگرس کی ہٹ دھرمی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے گئے تھے۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ کانگرس کو بلاشرکت غیرے پورا برصغیر حوالے کر کے یہاں سے چلتے بنتے لیکن مشکل یہ بن گئی تھی کہ گزشتہ ایک ہزار سال میں پنپنے والے ہندو مسلم تضاد نے ناحل پذیر صورت اختیار کر لی تھی اور اگر وہ مسلمانوں کو تحفظ دلائے بغیر یہاں سے چلے جاتے تو برصغیر میں اینٹ سے اینٹ بج جاتی اور نامعلوم یہ غیر فیصلہ کن خانہ جنگی کتنے سال جاری رہتی اور اس میں کیا کچھ بھسم ہوتا اور بالآخر کیا برآمد ہوتا؟ اس لئے وہ مسلمانوں کی تشفی کا سامان بھی چاہتے تھے۔ لیبر حکومت کے مقتدر رہنما اس معاملے میں صرف اس حد تک جانا چاہتے تھے کہ جس حد تک کانگرس کو ناگوار نہ گزرے جب کہ وائسرائے ویول اس معاملے میں کانگرس کی ناراضگی مول لینے پر بھی کمر بستہ تھا اور ہندو مسلم مسئلے کا پائیدار اور حقیقی حل چاہتا تھا تاکہ اس کے خیال میں برصغیر خانہ جنگی کا اکھاڑہ بننے کے بجائے خطۂ امن بن جائے۔

لیبر حکومت کے بعض مقتدر رہنما کانگرس کی منافقت اور حیلہ بازی میں شریک کار تھے اور بعض کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا جب کہ وائسرائے ویول کو کانگرس اور لیبر حکومت میں کانگرس کے حلیف برطانوی رہنماؤں دونوں پر، ان کی منافقت، حیلہ بازی اور مکروفریب پر شدید اعتراض تھا۔ وہ خود کو صاف سیدھا فوجی آدمی کہتا تھا اور کھل کر معاملات طے کرنے کا قائل تھا۔ لیکن جنگ میں دیوالیہ ہوجانے کے بعد برطانوی سامراج کو اب ایسے صاف اور سیدھے فوجیوں کی ضرورت نہ تھی جو جدید نوآبادیاتی تقاضوں پر پورے نہیں اترتے تھے اور ایک وسیع خطے کی اہم اور اکثریتی جماعت کی ناراضگی مول لینے پر تلے ہوئے تھے کہ جس کی خوشنودی حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ ویول مسلم لیگ کی حمایت کرتا تھا جو ایک اقلیتی جماعت تھی اگرچہ وہ پاکستان اور تقسیم ہند کا سخت مخالف تھا اور مسلم لیگ کی حمایت وہ خالص فوجی نقطۂ نگاہ سے صرف متحدہ ہندوستان کے دائرے میں رہتے ہوئے کرتا تھا، جونہی مسلم لیگ تقسیم

اور پاکستان کی بات کرتی وہ اسے سختی کے ساتھ رد کر دیا کرتا تھا۔ وہ متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے لئے رعائتیں اور تحفظات مہیا کرنے کا قائل تھا اور جناح اور مسلم لیگ کی جانب سے اس معاملے میں اسے تعاون حاصل رہا تھا جب کہ کانگرس اس پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ جوں جوں کانگرس کی ہٹ دھرمی کی بدولت لیگ اور کانگرس کا تضاد شدید ہوتا گیا توں توں ویول اور کانگرس کا تضاد بھی شدت اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک کہ کانگرس کی جانب سے ویول کو ہٹانے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔

کانگرس نے مقتدر برطانوی رہنماؤں کے ساتھ براہ راست روابط بھی استوار کر رکھے تھے اور وزارتی مشن کی واپسی کے بعد کانگرس کی جانب سے ویول کی برطرفی کے لئے زبردست مہم کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ ٹاٹا سنز لمیٹڈ کا ایک اہم رکن سدھیر گھوش کانگرس کا ایلچی بن کر لندن گیا تھا اور وہاں کرپس، پیتھک لارنس اور ایٹلی کے ساتھ کانگرسی رہنماؤں کی جانب سے خفیہ پیغام رسانی اور رابطے کا کام کرتا تھا۔ گاندھی کی سفارش پر اس کے دورۂ لندن کے اہتمام اور وہاں قیام کے لئے حکومت برطانیہ نے خصوصی سہولتیں مہیا کی تھیں۔ کابینہ کے اہم وزراء کرپس، پیتھک لارنس اور بذات خود وزیراعظم ایٹلی نے سدھیر گھوش کی پذیرائی کے طور پر اس سے ملاقات کی۔ کانگرس کی عبوری حکومت بننے کے بعد سے پٹیل سدھیر گھوش کو بذریعہ ٹیلی فون ہدایات جاری کرتا تھا۔ ان کالوں کو خفیہ طور پر وائسرائے ہاؤس میں بھی سنا جاتا تھا۔ چنانچہ 23 ستمبر کو پیتھک لارنس نے ایک خط میں کرپس کو لکھا کہ اب جب کہ عبوری حکومت کا قیام عمل میں آ گیا ہے، سدھیر گھوش کی ہمارے اور کانگرس کے مابین بیچولئے کے طور پر موجودگی کی ضرورت نہیں ہے، اسے واپس ہندوستان بھیج دیا جائے۔ اس نے اس بات پر بھی تشویش ظاہر کی کہ "سدھیر گھوش یہاں سے جو ٹیلی فون یا تار ہندوستان بھیجتا ہے، ان میں اس نے آپ کے اور میرے نام کا تذکرہ کیا ہوتا ہے اور یہ ہمارے لئے خفت کا باعث بنے گا۔"[20] علاوہ ازیں جی۔ ڈی۔ برلا کی جانب سے بھی برطانوی حکومت کے کارپردازوں کو مراسلے بھیجے جا رہے تھے کہ وائسرائے کو تبدیل کیا جائے۔ گاندھی کی جانب سے بھی اس مضمون کے مراسلے بھیجے جا رہے تھے کہ وائسرائے آئینی معاملات کی فراست سے عاری ہے، اسے آئینی مشاورت کی ضرورت ہے۔ گویا وہ نااہل ہے۔ ادھر لیبر حکومت کے کارپرداز بھی کانگرس کی خوشنودی کی خاطر

ویول کی تبدیلی کے خواہاں تھے لیکن یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ راز طشت از بام ہو۔ کیونکہ اس میں کئی خطرات مضمر تھے۔ 8 رنومبر کو پیتھک لارنس نے کرپس کے نام ایک خط میں لکھا ''مجھے ان شواہد پر تشویش لاحق ہے جن کے ذریعے وائسرائے کے ساتھ ہمارے اعتماد اور حمایت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاری ہے۔ ہمیں اس بارے میں بہت زیادہ محتاط ہونا چاہیے کہ اس تاثر کو ہوا نہ ملے کہ کانگرس سدھیر گھوش کے رابطے کو بروئے کار لا کر ہمیں وائسرائے کے خلاف کر رہی ہے۔ اگر اس تاثر کو پھیلنے کا موقع دیا گیا تو اس سے وائسرائے کا اقتدار و اختیار مجروح ہو جائے گا۔''[21] اور برطانوی حکومت اس عبوری دور میں ایک لمحہ بھی ایسا گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ جس میں ان کے مرکزی نمائندے کے بے اختیار اور بے وقعت ہونے کا تاثر قائم ہوتا اور انتشار پھیل جاتا۔ اس لئے خواہ وہ کانگرس کے دباؤ کے تحت ویول کو تبدیل کرنے پر آمادہ تھی لیکن وہ ''اس بارے میں بہت زیادہ محتاط'' تھی کہ ''اس تاثر کو ہوا نہ ملنے پائے۔'' پیتھک لارنس نے اپنی اس تشویش کا اظہار سدھیر گھوش کے کرپس کے نام ایک خط پر کیا تھا جو اس نے ہندوستان سے 31 راکتوبر کو لکھا تھا۔ اس خط میں سدھیر نے وائسرائے پر کڑی تنقید کی تھی اور اسے کانگرس کے عزائم کی راہ میں حائل رکاوٹ قرار دیا تھا۔ اس نے لکھا ''دراصل وائسرائے بالکل ایک غیر ضروری ادارہ ہے۔ جب کہ کابینہ واقعی ایک کابینہ بن گئی ہے اور نہرو اس کا وزیراعظم ہے۔'' لیکن ساتھ اس نے یہ شکایت کی کہ ''عبوری حکومت کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔'' جس کا مطلب یہ تھا کہ وائسرائے کو ہٹا کر برصغیر کا کلی یا مکمل اختیار کانگرس کے حوالے کر دیا جائے، کانگرس خود مسلم لیگ سے نبٹ لے گی۔ اس نے بنگال کی مسلم لیگی وزارت کی برطرفی کا مطالبہ بھی کیا اور الزام عائد کیا کہ ویول کی جانب سے مسلم لیگ وزارت کو پشت پناہی حاصل ہے۔ اس نے یہ دھمکی بھی دی کہ ''نہ معلوم کانگرس کب صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے اور حکومت سے علیحدگی اختیار کر لے اور یہ کہ اسے محض دھونس نہ سمجھا جائے، کانگرس ایسا کر گزرے گی اور اگر ایسا ہوا تو اس کا ذمہ دار صرف اور صرف وائسرائے ہوگا۔'' آخر میں اس نے لکھا تھا کہ ''برطانیہ اور ہندوستان کے مستقبل کے تمام تر تعلقات کا دارومدار اس بات پر ہوگا کہ اس عبوری دور میں وائسرائے کس قسم کا کردار ادا کرتا ہے۔''[22] گویا کانگرس عبوری دور کے لئے ویول کو قطعی طور پر مسترد کر چکی تھی اور اس کی جگہ کوئی اور وائسرائے چاہتی تھی بصورت دیگر

بغاوت کی دھمکی دی جا رہی تھی۔

21 نومبر کو میرٹھ میں کانگرس کے سالانہ سیشن میں بھی اس نوعیت کی تقریریں کی گئیں۔ نہرو نے الزام لگایا کہ وائسرائے اس جذبے کے ساتھ حکومت چلانے میں ناکام رہا ہے جس سے اس نے اس کا آغاز کیا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کب تک حکومت میں شامل رہیں گے اور اس کو چھوڑنے کے بعد ہماری جدوجہد کس نوعیت کی ہوگی؟ ''میں وائسرائے کو انتباہ کرتا ہوں کہ ہمارے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہونے والا ہے۔'' اس نے کہا کہ میں نے پچاس مرتبہ استعفٰی کے بارے میں سوچا اور دو مرتبہ وائسرائے سے اس کا ذکر کیا۔ کانگرس کی سبجیکٹ کمیٹی کے رکن سدھوا نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ ''وائسرائے کو واپس بلا لیا جائے کیونکہ اس نے جناح کے ساتھ براہ راست معاملہ طے کر کے ہمارے ساتھ عہد شکنی کی ہے۔'' اس کی رائے تھی کہ کانگرس کو حکومت نہیں چھوڑنی چاہیے بلکہ ویول کو اس کے عہدے سے ہٹانا چاہیے۔ 23 نومبر کے اجلاس سے تقریر کرتے ہوئے نہرو نے کہا کہ لندن میں برطانوی حکومت اپنے وعدوں پر قائم معلوم ہوتی ہے لیکن وہ ہندوستان میں اپنے نمائندوں کے ذریعے ان پر عمل کرانے اور ان سے مشورے وصول کرنے کی پابند ہے جو کہ رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے حکومت برطانیہ کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کیا۔''[23]

ادھر برطانوی ارکان کابینہ اور نہرو کے مابین ذاتی سطح پر دوستانہ روابط اور ویول کے ساتھ سرد مہری کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ اس دوران لیڈی کرپس نے چین سے واپس لندن جاتے ہوئے دہلی میں مختصر قیام کے لئے لیڈی ویول کی دعوت رد کر کے نہرو کی دعوت قبول کر لی اور اس کے ہاں قیام کیا۔ 22 نومبر کو ویول نے پیتھک لارنس کے نام ایک خط کے ذریعے اس پر شکایت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ ''بیشک یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر مجھے سرکاری طور پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ لیکن اس دعوت کی قبولیت سے خاصے شبہات کو ہوا ملے گی اور میرے لئے مسلم لیگ کو یہ سمجھانا اور بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا کہ حکومت برطانیہ پارٹیوں کے بارے میں غیر جانبدارانہ رویہ رکھتی ہے۔ میری حالیہ مشکلات کا معتدبہ حصہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ جناح اور لیگ مکمل طور پر یقین رکھتے ہیں کہ کانگرس کو حکومت برطانیہ یا کم از کم کرپس کا اعتماد ضرور حاصل ہے اور یہ کہ حکومت برطانیہ سے مسلمانوں کے لئے انصاف کی مزید کوئی توقع نہیں کی جا

سکتی۔"[24] اور اس بارے میں اپنے روزنامچے میں ویول نے لکھا کہ "میرے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں جب کرپس اپنے کانگرس نواز رویے کو شہرت دینے کے لئے اس قدر شوروغوغا پیدا کر دیتا ہے۔"[25] کرپس اور ویول کا تضاد جو وزارتی مشن کے ہندوستان میں قیام کے دوران کرپس کی منافقانہ حد تک کانگرس نواز پالیسی کی وجہ سے ابھرا تھا شدید ہوتا چلا گیا۔ کرپس برطانوی کابینہ میں چیئرمین بورڈ آف ٹریڈ کی حیثیت سے برطانوی بورژوا کے مفادات کا نگہبان تھا۔ کانگرس برصغیر کی سب سے بڑی جماعت اور سب سے بااثر اور بڑے فرقے کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے مستقبل میں برصغیر میں برطانوی مفادات کے حوالے سے جو اہمیت رکھتی تھی وہ اس کے پیش نظر اس کی حمایت میں مبالغے کی حد تک بڑھ گیا تھا۔ وزیراعظم ایٹلی اور بیشتر دوسرے وزراء کی بھی ایسی ہی کیفیت تھی۔ چنانچہ برطانوی حکمرانوں اور کانگرس کے مابین بہتر تعلقات کی راہ میں جو کہ برصغیر میں برطانوی مفادات کے بہتر مستقبل کی ضمانت تھے، ویول کباب میں ہڈی ثابت ہو رہا تھا۔ ایک طرف کانگرس کو ویول کا مسلم لیگ کے بارے میں دیانت دارانہ رویہ ناپسند تھا اور وہ اس کی برطرفی کے درپے ہوگئی تھی تو دوسری طرف لندن کے سرکاری حلقوں میں اس کی برطرفی کے لئے مشورے ہو رہے تھے۔

28 نومبر کو میجر شارٹ (جو کرپس کے ذاتی معاون کی حیثیت سے وزارتی مشن کے ہمراہ ہندوستان بھی گیا تھا اور پنجاب میں رابطہ افسر کی حیثیت سے اور پھر برطانوی وزارت اطلاعات میں رابطہ افسر کی حیثیت سے کام کر چکا تھا) کی جانب سے کرپس کے نام لکھے گئے ایک خط میں ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں ہندوستان کے وائسرائے کے لئے ویول کے متبادل کے بارے میں برطانوی حکمران حلقے غوروخوض اور صلاح مشورہ کر رہے تھے۔[26] بالآخر قرعہ ماؤنٹ بیٹن کے نام پڑا اور 18 دسمبر کو وزیراعظم ایٹلی نے اسے یہ عہدہ قبول کرنے کی پیشکش کر دی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ ماؤنٹ بیٹن بطور وائسرائے، حکومت برطانیہ کی ان توقعات پر بہت حد تک پورا اترا جن کو پورا کرنے سے ویول قاصر تھا۔

اعلان 6 دسمبر کے خلاف آسامیوں کو گاندھی نے بغاوت پر اُکسایا

کانگرس کے رہنماؤں کو اپنی قوت اور برطانوی سامراج کی اس کمزوری کا اچھی طرح

اندازہ تھا کہ وہ کانگرس کی خوشنودی کو نہیں ٹال سکتی۔ وزارتی مشن منصوبہ کی کانگرس کی تعبیر کو غلط قرار دینے کے باوجود برطانوی حکمران کانگرس کی تعبیر کے سامنے جھکتے چلے جارہے تھے۔ کانگرسی رہنماؤں کو یقین تھا کہ وہ مشن منصوبہ کو توڑ مروڑ کر اسے اپنی منشا کے مطابق ڈھال لیں گے اور پورے برصغیر پر بلاشرکت غیرے غلبہ حاصل کرلیں گے۔ ان کی جانب سے گروپوں کی تشکیل کے ہر امکان کو باطل کر دینے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔ انہوں نے آئین ساز اسمبلی کے سیکشنوں کی صورت میں اجلاس کو قبول کر کے بھی گروپنگ کو ناکام کرنے کی راہ نکالی تھی۔ گروپ ب گرانے کے لئے صوبہ سرحد کی کانگرسی حکومت اور گروپ ج گرانے کے لئے صوبہ آسام کی کانگرسی حکومت کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ گروپ ج میں آسامیوں اور بنگالیوں کا ہندو مسلم کے علاوہ علاقائی تضاد بھی بہت شدید تھا۔ آسامی بنگالیوں کے غلبے سے بہت خائف تھے۔ 6/دسمبر کے برطانوی حکومت کے اعلان کے مطابق سیکشن ج کی آئین ساز اسمبلی میں آئین سازی کے لئے کثرت رائے کا اصول مان لیا گیا تھا۔ اس سے آسام پر بنگال کے غلبے کا خوف پیدا ہوا جس کا کانگرس نے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

15/دسمبر کو آسام کے کانگرسی وزیراعلیٰ گوپی ناتھ بردولائی کی جانب سے آسام کانگرس کے دو رہنماؤں مہندر موہن چوہدری اور بی جے چندرا بھگوت نے نواکھلی میں مقیم گاندھی کے ساتھ ملاقات کی۔ انہوں نے حکومت برطانیہ کے اعلان 6/دسمبر کی روشنی میں گروپنگ کے مسئلے پر گاندھی سے ہدایت طلب کی۔ گاندھی نے ان سے کہا کہ آسام کو سیکشن کے اجلاس میں شریک نہیں ہونا چاہیے اور احتجاج کرتے ہوئے آئین ساز اسمبلی سے دستبردار ہوجانا چاہیے۔ ''اگر آسام خاموش رہا تو وہ ختم ہو جائے گا۔ آسام کو کوئی بھی وہ کام کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا جو اسے منظور نہیں ہے۔ وہ بڑی حد تک اب بھی خود مختار ہے۔ اسے مکمل طور پر خود مختار اور آزاد ہوجانا چاہیے۔'' گاندھی نے ان سے کہا کہ جرأت کا مظاہرہ کریں اور جب آئین ساز اسمبلی کے سیکشنوں کے اجلاس کا موقع آئے تو اس سے الگ ہوجائیں اور ہندوستان کے دوسرے یونٹوں کے لئے مثال قائم کریں کہ انہیں بھی اسی طرح خود مختارانہ طریقے سے اقدام کرنا چاہیے۔ اس کی یہ گفتگو جو باقاعدہ پریس ریلیز کی صورت میں اخباروں میں شائع ہوئی، اس میں اس نے سکھوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا۔

اگر چہ اس نے کہا کہ آسامیوں کو بہتر پوزیشن حاصل ہے کہ وہ ایک مکمل صوبہ رکھتے ہیں جب کہ سکھ ایک صوبے کا حصہ ہیں۔ تاہم اس نے رائے دی کہ ہر فرد کو اپنی خاطر اقدام کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس نے مزید کہا کہ اگر لیگ آئین ساز اسمبلی سے باہر رہتی ہے تو یہ اسمبلی اپنا وضع کردہ آئین ناراض یونٹوں پر لاگو نہیں کر سکے گی جیسا کہ برطانوی حکومت اعلان کر چکی ہے۔ اسی طرح مسلم اکثریت اپنا علیحدہ آئین وضع کرتی ہے تو آسام کو بھی اس اصول کے مطابق حق حاصل ہے کہ وہ اس آئین کو رد کر دے۔ برطانوی حکومت کو اس میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے۔ گاندھی نے ان کو مشورہ دیا کہ ''آپ اپنا آئین خود وضع کریں۔ یہ کافی ہے۔ آپ کے پاس اب بھی بنیاد موجود ہے کہ جس پر بجا طور پر آپ اپنا آئین تشکیل دے سکتے ہیں۔'' اس نے ان سے یہاں تک کہا کہ اس معاملے میں اگر کانگرس سے بغاوت کرنی پڑے تو وہ بھی کر گزرنے سے احتراز نہ کریں۔ ''آسام کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ اسے ساری دنیا کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جانا چاہیے۔ ورنہ میں یہ کہوں گا کہ آسام میں مرد نہیں بونے آباد ہیں۔ یہ ایک نامعقول بات ہے کہ بنگال کسی طور پر آسام پر غلبہ حاصل کر لے۔''[27] اسی طرح گاندھی آسامیوں کی حمایت میں گروپنگ سکیم کے خلاف کھل کر سامنے آ گیا۔

اعلان 6 دسمبر پر کانگرس مجلس عاملہ کا ردعمل، سکھوں اور ہندو بورڈوا کی تشویش

اس صورتحال میں 22 دسمبر کو کانگرس کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں حکومت برطانیہ کے 6 دسمبر کے اعلان پر غور کیا گیا۔ اجلاس میں ایک طویل قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا کہ برطانوی حکومت نے بیان کے ذریعے اگر چہ تعبیر وتشریح کا کام کیا ہے لیکن دراصل اس کے ذریعے برطانوی وزارتی مشن کے اعلان 16 مئی میں اضافے اور ترامیم کر دی گئی ہیں۔ مجلس عاملہ نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ حکومت برطانیہ نے اپنی یقین دہانیوں کے باوجود اس قسم کا اقدام کیا ہے۔ گروپنگ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا گیا کہ آسام، صوبہ سرحد اور پنجاب میں سکھ اس منصوبے کی سختی کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں۔ اس قرارداد میں وزیر ہند کی طرف سے ماسٹر تارا سنگھ کے نام یکم جون کے ایک خط کا حوالہ بھی دیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ

''اعلان 16 رمئی میں مزید اضافہ یا اس کی کوئی تعبیر نہیں کی جاسکتی۔'' چنانچہ کہا گیا کہ اب برطانوی حکومت نے اپنے 6 ردسمبر کے اعلان کی نہ صرف تعبیر کی ہے بلکہ اس میں اضافہ بھی کر دیا ہے۔ کانگرس کی طرف سے ''اضافہ'' اس تعبیر کو قرار دیا گیا تھا جس میں حکومت برطانیہ نے سیکشنوں کے اجلاس میں ووٹنگ کا طریقۂ کار ارکان کی کثرت رائے کی بنیاد پر طے کر دیا تھا۔ چنانچہ کانگرس مجلس عاملہ کی قرارداد کے آخر میں کہا گیا کہ ''سیکشنوں میں ووٹنگ کے طریقۂ کار کے متعلق حکومت برطانیہ کی تعبیر صوبائی خودمختاری کے اس اصول سے ہم آہنگ نہیں ہے جسے اعلان 16 رمئی میں ایک بنیاد کے طور پر تسلیم کیا جاچکا ہے۔'' اس بناء پر کانگرس مجلس عاملہ نے حکومت برطانیہ کے اعلان 6 ردسمبر پر ناراضامندی کا اظہار کر دیا۔''[28]

24 ردسمبر کو سکھوں کی تمام تنظیموں کے اتحاد ''سکھ پرتی بندھی پینتھک بورڈ'' نے بھی ایک قرارداد کے ذریعے حکومت برطانیہ کے اعلان 6 ردسمبر کو رد کر دیا۔ سکھوں نے کانگرس کی ہم نوائی کرتے ہوئے اسے اعلان 16 رمئی میں اضافہ و ترمیم قرار دیا انہوں نے بھی ماسٹر تارا سنگھ کے نام وزیر ہند کے یکم جون کے خط کا حوالہ دیا اور کہا کہ اب اس سے روگردانی اختیار کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اعلان 6 ردسمبر محض مسلم لیگ کی ہٹ دھرمی کے رویے کی تشفی کی خاطر کیا گیا ہے جب کہ یہ اقلیتوں خصوصاً سکھوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ چنانچہ اعلان 6 ردسمبر کو ''برہمی کے اظہار'' کے ساتھ رد کرتے ہوئے قرارداد کے آخر میں ''سکھوں کو اپنی جدوجہد اس وقت تک جاری رکھنے کے لئے کہا گیا جب تک ہندوستان کے مستقبل کے آئین میں انہیں مناسب تحفظ حاصل نہیں ہو جاتا۔'' پینتھک بورڈ نے اپنے اس اجلاس میں اپنے بعض رہنماؤں کے ذمے لگایا کہ وہ گاندھی اور کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ ملاقات کر کے انہیں سکھ فرقے کے لئے مناسب تحفظات کے حصول کے لئے دباؤ ڈالنے پر آمادہ کریں۔''[29] گویا سکھ رہنماؤں نے اپنی تقدیر کانگرس کے ساتھ وابستہ کر لی تھی کیونکہ مسلمانوں کو ملنے والی سیاسی رعایتوں کے مدمقابل ویسی ہی رعایتوں کے حصول کے لئے وہ کانگرس کو اپنا معاون سمجھتے تھے جب کہ کانگرس ان کو مسلمانوں کے خلاف محض ایک مہرے کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔

کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین آئینی تعطل کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے تقسیم ہند کا امکان پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا۔ مسلم لیگ کی جانب سے وزارتی مشن منصوبے کو اس کی حقیقی

تعبیر کے مطابق عملی جامہ پہنانے کے مطالبے کے ساتھ ساتھ پاکستان کا مطالبہ بھی زور پکڑتا جارہا تھا اور جناح نے اپنے قیام لندن کے دوران کئی موقعوں پر اس کا اعادہ کیا تھا۔ حکومت برطانیہ کے اعلان 6؍دسمبر کے ان الفاظ کا کہ "آئین ساز اسمبلی کسی علاقے کی مرضی کے خلاف اس پر آئین نافذ نہیں کر سکے گی" کانگرسی حلقے اس تاثر کو قبول کر کے وزارتی مشن منصوبے کی حقیقی تعبیر یعنی گروپنگ کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ ہونے کے بجائے وہ ان الفاظ کو جناح کے بیانات کے ساتھ ملا کر تقسیم ہند کا شاخسانہ قرار دے رہے تھے۔

16؍دسمبر کو جی۔ ڈی۔ برلا نے برطانیہ کے وزیر بے محکمہ اور وزارتی مشن کے رکن اے۔ وی۔ الیگزینڈر کے نام ایک خط میں جناح کی لندن کی پریس کانفرنس کا حوالہ دیا جس میں انہوں نے مطالبہ پاکستان کا اعادہ کیا تھا اور لکھا کہ "ہم اس (جناح) کا تعاون حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں، لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ خدشہ بھی ہے کہ ہم کسی طرح کی تقسیم کی رو میں نہ بہہ جائیں۔" اور پھر اس نے اعلان 6؍دسمبر کے متذکرہ بالا الفاظ کا حوالہ دیا اور لکھا کہ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جناح کے عدم تعاون کی صورت میں آئین ساز اسمبلی جو آئین وضع کرے گی وہ مشرقی بنگال، مغربی پنجاب اور دوسرے مسلم اکثریتی علاقوں پر نافذ العمل نہیں ہو گا۔ چنانچہ اس قسم کے اعلان (6؍دسمبر) کی بدولت جناح تقسیم کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔" اس نے حکومت برطانیہ کے اس خدشہ کو کہ اگر فرقہ وارانہ مسئلے کا مناسب حل نہ کیا گیا تو برصغیر خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائے گا، دور کرنے کے لئے لکھا کہ "اب تک کے فسادات میں کم وبیش دس ہزار افراد مارے جا چکے ہیں۔ لیکن اتنے بڑے ملک میں جب کہ انتقال اقتدار کا مرحلہ بھی درپیش ہو، ایسے فسادات خواہ کتنے ہی افسوسناک کیوں نہ ہوں، درگزر نہیں ہو سکتے۔"[30] گویا اس بے حس ہندو سرمایہ دار کے نزدیک دس ہزار افراد جو کہ اصل تخمینے سے ابھی بہت کم تھے، کا مارے جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اسے برصغیر پر اپنے تسلط کی خاطر مزید ہزارہا افراد کے مارے جانے کی بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ تاہم سرمایہ اس کا خدا تھا اور اسے جان سے زیادہ عزیز تھا۔ 18؍دسمبر کو قائم مقام وائسرائے کولول نے وزیر ہند کے نام اپنے خط میں جی۔ ڈی۔ برلا کے ساتھ اپنی ایک حالیہ ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ جی۔ ڈی۔ برلا نے اس بات کا عندیہ دیا ہے کہ "وہ اب اپنا کاروبار کلکتہ کے بجائے بمبئی میں قائم کرے گا کیونکہ اس کے خیال میں

کسی نہ کسی شکل کا پاکستان ضرور وجود میں آ جائے گا۔"[31] اسے انسانوں کی نسبت اپنے کاروبار اور سرمائے کی کس قدر فکر لاحق تھی۔

امریکی سامراج بھی برصغیر کو متحد رکھنا چاہتا تھا

انگریزوں کی طرح امریکی بھی برصغیر کو گروپنگ سکیم کے تحت یکجا اور متحد رکھنے کے خواہاں تھے کیونکہ اپنے حریف سوویت یونین کے مقابلے میں وہ ایک پرامن اور متحد ہندوستان چاہتے تھے جو ان کی رائے میں نہ تو کانگرس کے غلبے کے تحت مضبوط مرکز کی صورت میں ممکن تھا کہ اس طرح فرقہ وارانہ خانہ جنگی بھڑک اٹھتی اور نہ ہی مسلم لیگ کے منقسم ہندوستان یا قیام پاکستان کی صورت میں ممکن تھا کہ اس سے فوج کی تقسیم اور ہندوستان کی دفاعی حیثیت کا کمزور پڑ جانا ناگزیر تھا۔ جب آخر نومبر میں ہندوستانی رہنماؤں کو لندن طلب کیا گیا تو ہندوستان مسئلے کے تصفیہ کے بارے میں امریکیوں نے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ امریکی وزیر خارجہ بائرنز نے برطانوی وزیر خارجہ بیون کو ایک دستاویز ارسال کی جس میں ہندوستانی مسئلہ کے بارے میں امریکی پوزیشن کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس میں حکومت امریکہ نے اعلان 16 رمئی اور عبوری حکومت کے قیام کا خیر مقدم کیا تھا اور اس بات پر زور دیا تھا کہ انڈین فیڈرل یونین کے جلد قیام سے ہندوستان میں امریکہ کے سیاسی اور معاشی مفادات کو فروغ حاصل ہوگا۔ تاخیر ہوئی تو خانہ جنگی چھڑ سکتی ہے، برطانیہ کی بچی کھچی قوت کے خلاف جنگ آزمائی ہو سکتی ہے اور بیرونی طاقتوں کی جانب سے مداخلت ہو سکتی ہے۔" دستاویز میں مزید کہا گیا کہ "امریکی حکومت جس کے عالمی مفادات براہ راست متاثر ہوں گے، ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ہندوستان کی بگڑتی ہوئی صورتحال پر اپنی تشویش سے آگاہ کرتی ہے" اور اسے امریکی حکومت کے اس خدشے سے بھی آگاہ کیا گیا کہ اگر آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا تو گڑبڑ والی صورت حال پیدا ہوگی جو برطانیہ اور امریکہ دونوں کے لئے نقصان دہ ہوگی۔ اس سے بچنے کے لئے یہ لائحہ عمل تجویز کیا گیا کہ "نئی دہلی میں امریکی نمائندہ غیر رسمی طور پر نہرو سے رسائی حاصل کرے گا اور اسے یہ سمجھائے گا کہ آئینی منصوبے میں سب فیڈریشن (گروپ) سے متعلق واضح اور صاف الفاظ میں دی گئی شق کو تسلیم کیا جائے اگرچہ اس سے آسام اور شمال مغربی سرحدی صوبہ متاثر ہو

گا۔ لیکن چونکہ یہ صوبے معاشی سے زیادہ جنگی اہمیت کے لحاظ سے زیادہ اہم ہیں اس طرح انڈین یونین گورنمنٹ کی زیرنگرانی رہیں گے۔ امریکی نمائندہ غیر رسمی طور پر لیاقت علی خاں کو بھی سمجھائے گا کہ برطانوی منصوبے میں تجویز کردہ ذیلی وفاقوں سے مسلمانوں کی تمناؤں کی بھی تکمیل ہو جاتی ہے، اس لئے مسلم لیگ کو یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ اگر ذیلی وفاق برقرار رکھے جائیں تو مسلم لیگ برطانوی منصوبے کی مجوزہ انڈین یونین کے اندر رہتے ہوئے اپنے مقاصد کی تکمیل کر سکتی ہے۔'' آخر میں ایک بار پھر کہا گیا کہ ''ہندوستان کے بارے میں سیاسی فیصلے کا عالمی امن وخوشحالی پر جو اثر پڑے گا اس کے پیش نظر امریکی مفادات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔''[32] چنانچہ امریکہ اپنے عالمی مفادات کی خاطر برصغیر کو متحد رکھنا چاہتا تھا اور صوبہ آسام کو چین اور جنوب مشرقی ایشیا کی کیمونسٹ انقلابی تحریکوں کی وجہ سے اور صوبہ سرحد کو سوویت یونین کی وجہ سے جنگی اہمیت کے صوبے قرار دیتے ہوئے متحدہ ہندوستان کے ماتحت رکھنا چاہتا تھا۔

وزیر خارجہ بیون نے وزیر ہند پیتھک لارنس سے اس یادداشت کے بارے میں رائے طلب کی۔ 30/نومبر کو اپنے جواب میں پیتھک لارنس نے امریکیوں کی طرف سے کانگرس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ براہ راست رابطہ استوار کرنے کی تجویز سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا کہ یوں لگے گا کہ جیسے یہ ہمارے اور امریکہ کے مابین ملی بھگت کی وجہ سے ہوا ہے اور اس طرح اس کا اثر جاتا رہے گا۔ مزید یہ کہ ابھی جب کہ یہاں مذاکرات ہو رہے ہیں امریکیوں کی جانب سے مداخلت کا وقت مناسب نہیں ہے۔[33]

تاہم 3/دسمبر کو قائم مقام امریکی وزیر خارجہ ڈین ایچی سن نے بیان جاری کیا کہ ''ہندوستان کے داخلی مسئلے میں اب سارا جھگڑا اس بات پر ہے کہ صوبے کن شرائط کے تحت ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں ذیلی وفاقوں میں شامل یا ان سے باہر ہو سکتے ہیں۔ میں پراعتماد ہوں کہ اگر ہندوستانی رہنما وقت کے تقاضے کے مطابق فراخدلانہ جذبے کا مظاہرہ کریں تو وہ برطانوی وزارتی مشن کی جانب سے گزشتہ موسم بہار میں تجویز کردہ آئینی منصوبے میں اس مسئلے پر دی گئی شقوں کی بنیاد پر باہم آگے بڑھ سکتے ہیں اور ایک انڈین فیڈرل یونین وضع کر سکتے ہیں جس میں آبادی کے تمام عناصر کے لئے اپنی جائز سیاسی و معاشی امنگوں کے حصول کی کافی گنجائش رکھی گئی ہو۔''[34]

جب 6 / دسمبر کو نہرو، کانگرس کی تعبیر پر ٹس سے مس ہوئے بغیر لندن سے نئی دہلی کے لئے روانہ ہو گیا تو اسی روز پیتھک لارنس نے بیون کو لکھا کہ امریکہ کا نمائندہ مقیم دہلی جس قدر جلد ممکن ہو اگر کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ رابطہ استوار کر کے انہیں اعلان 6 / دسمبر کی تعبیر قبول کرنے پر آمادہ کر لے تو ہمارے لئے یہ بہت سودمند ثابت ہو گا۔ البتہ سبکدوش ہونے والے امریکی وزیر خارجہ بائرنز کی جانب سے پیش کردہ سرحد اور آسام کو انڈین یونین گورنمنٹ (مرکزی حکومت ہند) کے ماتحت رکھنے کی تجویز سے گریز کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ مسلم لیگ اس کا برا اثر قبول کرے گی۔ [35] گویا اینگلو امریکی بلاک کا جھکاؤ بنیادی طور پر کانگرس کی انڈین یونین کی جانب ہی تھا لیکن اب انہیں یہ بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ جنگی اہمیت کے صوبوں سرحد اور آسام میں اکثریتی مسلم رائے عامہ کی امنگوں کے برخلاف تصفیہ بھی عدم استحکام کا موجب بنے گا۔ چنانچہ وہ دونوں جماعتوں کے اعتدال پسند قائدین کے مابین ایک وفاقی ہندوستان پر تصفیے کے خواہاں تھے۔

7 / دسمبر کو امریکہ میں برطانیہ کے سفیر اِنور چیپل نے برطانوی دفتر خارجہ کے نام اپنے مراسلے میں اطلاع دی کہ امریکی دفتر خارجہ نے دہلی میں مقیم امریکی کمشنر جارج مرل کو ہدایت کی ہے کہ وہ نہرو سے فوری ملاقات کرے نیز چیپل کے مطابق اسے ''علاوہ دوسری باتوں کے امریکہ کے زبردست معاشی اور سیاسی مقاصد'' کے بارے میں بھی آگاہ کیا گیا کہ جن کی خاطر ''امریکی حکومت پوری سنجیدگی سے چاہتی ہے کہ کوئی تصفیہ طے پا جائے۔'' اور یہ کہ ''امریکی حکومت کے نزدیک وزارتی مشن منصوبہ ایک منصفانہ تصفیہ کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔'' [36] گویا اینگلو امریکی سامراج کے ''معاشی اور سیاسی مقاصد'' ایک متحدہ ہندوستان کے ساتھ وابستہ تھے نہ کہ ایک منقسم ہندوستان کے ساتھ!

امریکی نمائندے نے نہرو کے ساتھ رابطہ استوار کیا اور نہرو کی درخواست پر امریکی پیغام تحریری طور پر اسے دیا جو کانگرس مجلس عاملہ کے اجلاس میں زیر غور آیا۔ تاہم کانگرس وزارتی مشن منصوبے پر عملدرآمد کے بارے میں اپنے موقف پر قائم رہی۔ ہندو بورژوازی کے علاقائی طاقت بننے کے اپنے عزائم تھے اور وہ اپنی شرائط پر برصغیر کو متحد رکھنا چاہتی تھی۔ امریکیوں کی طرف سے برصغیر کو متحد رکھنے میں دلچسپی کو وہ اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتے تھے اور اینگلو امریکی سامراج

کی اس بین الاقوامی ضرورت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ امریکہ بھی برطانوی نوآبادیوں سے برطانیہ کی رخصتی کے بعد ان پر اپنے جدید نوآبادیاتی نظام کی اجارہ داری مسلط کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے بھی کانگرس کے ساتھ تعلقات کی استواری امریکیوں کی ضرورت تھی۔ امریکیوں نے برطانیہ کو سامراجی طاقت قرار دیا اور خود کو جمہوریت پسند اور آزادی پسند قرار دیا اور اس بنیاد پر کانگرسی قیادت کے ساتھ تعلقات استوار کئے۔ بلکہ کانگرس کی حوصلہ افزائی کی۔

24 ردسمبر کو ہندوستان واپسی سے قبل ویول نے برطانوی وزیر خارجہ بیون کے ساتھ ملاقات کی۔ بیون نے ویول سے برطانوی طاقت کے زوال کا رونا رویا اور کہا کہ دنیا میں ہر کوئی ہمیں ٹھوکریں مار رہا ہے۔ فلسطین، مصر، سوڈان اور ہندوستان سب ان میں شامل ہیں۔ ہماری بین الاقوامی ساکھ خاک میں مل چکی ہے۔ اس نے کہا کہ امریکہ کو ہندوستان کے بارے میں بہت زیادہ تشویش لاحق ہے۔ اس پر ویول نے کہا کہ امریکیوں نے کانگرس کی حوصلہ افزائی کی ہے اور بطور سامراجی ہمیں ذلیل کیا ہے لیکن ساتھ ہی وہ ہم سے یہ بھی توقع کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہم ایک اور فلسطین کا سامنا کریں کیونکہ ان کے تجارتی مفادات کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم یہاں رہیں۔[37] زوال پذیر برطانوی سامراج اور ابھرتے ہوئے امریکی سامراج کے مابین داخلی تضاد بھی موجود تھا لیکن سوویت یونین اور ایشیا کی کمیونسٹ اور حریت پسند مسلح تحریکوں کے خلاف متحدہ محاذ بھی مضبوطی کے ساتھ قائم تھا۔ وہ ایک متحدہ برصغیر کو بھی اسی متحدہ محاذ کے زیر اثر رکھنا چاہتے تھے۔

مرحلہ وار انخلاء کے اعلان سے برطانوی تجارتی مفادات متاثر ہو سکتے تھے

برطانوی حکومت ہندوستان سے برطانوی راج کا انجام اس انداز سے کرنا چاہتی تھی کہ اس کے سیاسی اور معاشی مفادات جس حد تک ممکن ہو، بچ جائیں۔ ان دنوں برطانوی حکومت کے اہلکار اس مسودے پر غور کر رہے تھے جو برطانیہ کے ہندوستان سے انخلاء کے بارے میں ویول کے مجوزہ منصوبے کی روشنی میں انخلاء کی حتمی تاریخ کے اعلان کے لئے ترتیب دیا جا رہا تھا۔ 23 ردسمبر کو کابینہ کے سیکرٹری ای۔ ای۔ برجز نے وزیر اعظم کے معاون تھامس روان کے نام اپنے نوٹ میں لکھا کہ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اس مسودۂ اعلان کا

ہندوستان میں برطانیہ کے تجارتی مفادات پر اور ان مفادات کے ساتھ وابستہ ہمارے ملک کے افراد پر کیا اثر مرتب ہوگا۔ اس میں وضاحت ہونی چاہیے کہ نئے ہندوستان میں ان مفادات کا کوئی مستقبل ہوگا۔ اس نے مجوزہ مسودہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ اگر یہ اسی حالت میں جاری کر دیا گیا تو اس کے دو اثرات ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ برطانوی تجارتی مفادات، صورتحال کے بارے میں انتہائی پریشان کن نقشہ وضع کر لیں گے اور بوکھلاہٹ میں ان مفادات میں تخفیف کر دیں گے یا جلد بازی میں دکان ہی بڑھا دیں گے۔ دوسرے یہ کہ اگر اعلان میں برطانوی تجارتی مفادات کا تذکرہ نہ ہوا تو یہ سمجھا جائے گا کہ ان مفادات کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور انہیں قربان کر دیا گیا ہے۔'' اس نے مزید لکھا کہ ''بہرصورت ہندوستان برطانوی مال کی ایک بہت بڑی مارکیٹ ہے اور یہ کہ یہاں سے شمالی امریکہ کو کی جانے والی برآمدات نے ماضی میں بھی ہمیں تقویت پہنچائی اور آئندہ بھی تقویت پہنچتی رہے گی بشرطیکہ سازگار تجارتی ماحول برقرار رہے۔''[38]

23 دسمبر ہی کو معاون نائب وزیر ہند ایف۔ ٹرنبل نے نائب وزیر ہند ڈی۔ مونٹیتھ کے نام اپنے نوٹ میں لکھا کہ مجوزہ اعلان سے تجارتی حلقوں میں بوکھلاہٹ کا پھیلنا ناگزیر ہے۔ اس نے لکھا کہ نئی ہندوستانی حکومت یا حکومتوں کے وجود میں آنے کے بعد ہی تجارتی معاہدہ طے پائے گا اور اس کے طے کرنے کے لئے ہونے والے مذاکرات میں بھی کئی ماہ صرف ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی امکان ہے کہ صورتحال خراب ہو کر خانہ جنگی میں بدل جائے۔ اس نے ای۔ ای۔ برجز کے مذکورہ نوٹ کا بھی حوالہ دیا اور لکھا کہ ان حالات میں یہی ہو سکتا ہے کہ حکومت برطانیہ نئے صاحبان اقتدار کے ساتھ سمجھوتے کرلے جن کی بدولت باقاعدہ تجارتی معاہدہ ہونے تک برطانوی کاروبار چلتا رہے۔ اس نے اس سلسلے میں ایک پیراگراف بھی تجویز کیا۔''[39]

24 دسمبر کو ڈی۔ مونٹیتھ نے متذکرہ نوٹس کی بنیاد پر ایک نوٹ وزیر ہند پیتھک لارنس کو تحریر کیا جس میں اس نے لکھا کہ برطانیہ کی بڑی تجارتی فرمیں پہلے ہی نئے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر رہی ہیں اس لئے مجوزہ اعلان ان کے لئے اتنی پریشانی کا باعث نہیں بنے گا البتہ بے شمار چھوٹی برطانوی کمپنیاں جو ہندوستان میں کاروبار کر رہی ہیں بالکل بوکھلا جائیں گی یہاں تک کہ

اپنا بستر گول کر جائیں گی۔ تاہم اس کی رائے تھی کہ انڈین سٹیٹیوٹری بک کے قوانین انہیں تحفظ فراہم کریں گے۔ اس نے بھی مجوزہ اعلان میں اس سلسلے میں ایک پیراگراف کے اضافے سے اتفاق کیا[40] چنانچہ برطانیہ کو اپنے تجارتی مفادات کی خاطر ہندوستان کے نئے حکمرانوں کے ساتھ اپنے بہترین تعلقات کے قیام سے بے حد دلچسپی تھی۔ اس اعتبار سے کانگرس کی جو کہ ہندوستان کے کثیر حصہ آبادی کی نمائندہ تھی، بہت زیادہ اہمیت تھی اور برطانوی ہر لحاظ سے اس کی خوشنودی چاہتے تھے۔ مسلم لیگ کی اہمیت صرف اس حوالے سے تھی کہ فرقہ وارانہ مسئلہ اس کے بغیر حل نہیں ہوسکتا تھا اور اس کو ناحل پذیر چھوڑ دینے کا مطلب تھا کہ حالات بگڑ کر خانہ جنگی میں تبدیل ہو سکتے تھے۔ جس کی جانب ای۔ ای۔ برجز نے اپنے نوٹ میں اشارہ کیا تھا۔ خانہ جنگی کی صورت میں برطانوی تجارتی مفادات کے بالکل تباہ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

مرحلہ وار انخلاء برطانوی سامراج کی پسپائی کی قلعی کھولتا تھا، پورے ایشیا میں سامراجی مفادات پر زد پڑتی تھی۔ اس لئے ویول اور اس کے منصوبے، دونوں کی چھٹی کرادی گئی

برطانوی راج کے انجام کو پہنچنے کے ساتھ برطانیہ کو سیاسی مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اس کے عالمی سامراجی مفادات پر اس کے مضر اثرات کو جہاں تک ممکن ہو کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ 31 دسمبر کو وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت برطانوی کابینہ نے اس معاملے پر غور کیا۔ بعض وزراء کا خیال تھا کہ ہندوستان سے انخلاء کے بارے میں زیر نظر مسودۂ اعلان کو اگر اسی طرح جاری کر دیا گیا تو اس سے یہ تاثر ملے گا کہ سلطنت برطانیہ کی پسپائی شروع ہو گئی ہے اور اس کے برما، ملایا اور بعض دوسرے علاقوں پر بڑے سنگین اثرات مرتب ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہندوستان کی منضبط مرکزی حکومت کے بریک ڈاؤن کے نتیجے میں اس کے ہمسائیوں کو اس صورتحال کا فائدہ اٹھانے کا خوب موقع ملے گا اور یہ کہ ''مستقبل کے عالمی ٹکراؤ کے بیچ اس علاقے میں موجود ہیں۔'' وزیر خارجہ ارنسٹ بیون نے کہا کہ اس اعلان سے مشرق وسطیٰ پر بڑے سنگین نتائج مرتب ہوں گے۔ وہاں مصر کے ساتھ

مذاکرات میں ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم اس ملک سے 1949ء تک اپنی فوجیں نہیں نکال سکتے۔ ہم اپنے اس دعوے کو اپنے اس اعلان کے ساتھ کس طرح مربوط کریں گے کہ ہم مارچ 1948ء تک پورے ہندوستان سے نکل جائیں گے۔ کابینہ کی عمومی رائے یہ تھی کہ ہماری ہندوستان کی دستبرداری سے یہ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اپنی کمزوری کی وجہ سے ہم ایسا کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور نہ ہی یوں لگے کہ یہ ہماری سلطنت کے خاتمے کی جانب پہلا قدم ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ہمارے اس اقدام کو یوں پیش کیا جانا چاہیے کہ یہ دراصل گزشتہ تیس برسوں میں ہماری مختلف حکومتوں کی جانب سے اختیار کردہ اس پالیسی کا منطقی نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں سیلف گورنمنٹ قائم کی جائے۔ اب معاملہ صرف یہ ہے کہ بڑے فرقوں کے مابین کوئی تصفیہ طے پا جائے تاکہ ایک مناسب نمائندہ اتھارٹی کو اقتدار منتقل کیا جا سکے۔ موجودہ حکومت کی یہ بھرپور خواہش ہے کہ ہندوستان سیلف گورنمنٹ کی مکمل ذمہ داری اٹھالے۔ اس پر ہمیں معذرت خواہ ہونے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم ہندوستان سے برطانوی راج ختم کر کے اپنی تمام تر ذمہ داریاں ہندوستان کے عوام کے نمائندوں کو منتقل کر رہے ہیں۔ برطانوی فوجیوں اور سرکاری ملازموں کے انخلاء کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ یہ اتھارٹی کی منتقلی کے واقعات معلوم ہوں۔ کابینہ نے فیصلہ کیا کہ ان خطوط پر مسودۂ اعلان کو دوبارہ مرتب کیا جائے اور یہ کام کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔[41]

گویا کابینہ نے ویول کا ہندوستان سے انخلاء کا منصوبہ بالآخر مسترد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایٹلی شروع ہی سے اس منصوبے کا مخالف رہا تھا۔ اس پر ایک تو یہ اعتراض رہا تھا کہ اس سے ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا اور اب یہ اعتراض بھی وارد ہوا کہ اس سے ایک شکست خوردہ لشکر کی پسپائی کا تاثر ملتا ہے اور سلطنت برطانیہ کے دیوالیہ پن کا بھانڈا پھوٹتا ہے اس لئے ''انخلاء'' کی اس تلخ حقیقت پر ''انتقال اقتدار'' کی ملمع کاری کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ویول جو خود کو ''سپاہی'' گردانتا تھا، کھلے حقائق کا سامنا کرتے ہوئے انخلاء چاہتا تھا لیکن برطانوی سامراج کے تقاضے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس لئے ویول کو اس کام کے لئے غیر موزوں قرار دے دیا گیا۔

متذکرہ کابینہ اجلاس کے اگلے روز (یکم جنوری) وزیر خارجہ ارنسٹ بیون نے وزیراعظم

ایٹلی کے نام ایک خط لکھا جس میں ویول کو ''شکست خوردہ رویے'' کا حامل قرار دیا اور کہا کہ اس رویے کی وجہ سے ہماری بری طرح سبکی ہو رہی ہے۔ اس نے لکھا کہ ''ویول جیسی ذہنیت کے ماتحت فوج اور پولیس میں شکست خوردگی کا احساس جاگزیں ہونا ناگزیر ہے۔ اس لئے میری پرزور درخواست ہے کہ اسے وہاں سے واپس بلالیا جائے اور کسی جرأت مند شخص کو وہاں بھیجا جائے جو خواہ وہاں آخری آدمی کی حیثیت سے رہ جائے لیکن وقار اور برطانوی سلطنت و دولت مشترکہ کی سربلندی کے ساتھ میدان چھوڑے۔'' آگے چل کر اس نے لکھا کہ ''دراصل آپ وہ مراسلے جو آج کل مصر اور مشرق وسطیٰ سے مجھے موصول ہو رہے ہیں، یہ احساس کئے بغیر نہیں پڑھ سکتے کہ ہم سے نہ صرف ہندوستان جارہا ہے بلکہ، سیلون اور مشرق وسطیٰ بھی ہمارے ہاتھ سے جارہے ہیں۔ اس کے افریقی علاقوں پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ میں یہی درخواست کروں گا کہ خدارا مضبوط لائن اختیار کریں اور اس خوفناک یاسیت پسندی کے سامنے ہار نہ مانیں۔'' اس نے برطانوی ساکھ کے بگڑنے کا رونا روتے ہوئے لکھا کہ'' میں بطور وزیر خارجہ کسی بیرونی ملک کو کچھ بھی پیشکش نہیں کر سکتا، نہ کوئی قرضہ، نہ کوئلہ اور نہ کوئی اور سامان...... برطانوی سلطنت کے اندر کی صورت یہ ہے کہ پہلے ہی جھٹکے پر ہم نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اور پھر بھی توقع کی جاتی ہے کہ ہماری پوزیشن برقرار رہے۔''[42]

اس کے جواب میں 2رجنوری 1947ء کو ایٹلی نے بیون کو لکھا کہ ''میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ ویول شکست خوردہ ذہنیت کا حامل ہے اور میں اسے تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔'' آگے چل کر اس نے لکھا کہ ''اگر فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے تو فوج بھی ٹکڑوں میں بٹ جائے گی۔ یہ بات وہ ہندوستانی افسر بھی تسلیم کرتے ہیں جو بذات خود دوسرے فرقوں سے تعلق رکھنے والے افسروں کے ساتھ اچھے دوستانہ مراسم رکھتے ہیں۔''[43] چنانچہ ان حالات میں جب کہ برطانوی حکومت ایک پرامن، متحد اور مستحکم ہندوستان کو پیچھے چھوڑ کر رخصت ہونا چاہتی تھی، وہ اپنے جانے تک اپنے بارے میں کمزوری کا کوئی تاثر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

3رجنوری 1947ء کو ایٹلی کی صدارت میں کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ترمیم شدہ مسودۂ اعلان پر غور ہوا۔ بعض وزراء کی رائے تھی کہ مرحلہ وار دستبرداری کے

بجائے پورے ہندوستان سے ایک ہی وقت میں دستبردار ہونا بہتر ہوگا جب کہ ویول نے پہلے جنوبی ہند اور پھر شمالی ہند کے صوبوں سے مرحلہ وار انخلاء تجویز کیا تھا۔ 31 دسمبر کے کابینہ اجلاس کے بعد انخلاء کا تصور تو نکال دیا گیا تھا لیکن مرحلوں کے بارے میں ابھی غور باقی تھا۔ کمیٹی کے اجلاس میں کہا گیا کہ اب دستبرداری کو فوجی انخلاء سے مماثلت نہیں دی جائے گی، اب یہ تمام کاروائی فوجی کے بجائے بڑی نفاست کے ساتھ ایک سیاسی کاروائی کے طور پر عمل میں لائی جائے گی، اب یہ دشمن کے دباؤ کے تحت پسپائی کے بجائے ایک جمہوری حکومت کو رضا کارانہ طور پر اقتدار منتقل کرنے کی کاروائی ہوگی۔ وائسرائے بتدریج محض ایک آئینی سربراہ کی حیثیت اختیار کرلے گا اور وہ اور دوسرے برطانوی افسر نئی حکومت کی پالیسی کے پابند ہوں گے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ مراحل کے بجائے بیک وقت واپسی اختیار کی جائے۔"[44]

6 جنوری کو اس معاملے پر مزید غور کرنے کے لئے انڈیا و برما کمیٹی کا ایٹلی کی صدارت میں ایک اور اجلاس ہوا۔ "کمیٹی نے اس امر پر اتفاق کیا کہ اگر فوری طور پر وائسرائے کے منصوبے کی بنیاد پر کاروائی کا آغاز کیا گیا تو ہم ہندوستان کو دو یا دو سے زیادہ ٹکڑوں میں بٹ جانے کی دعوت دیں گے۔ چار جنوبی صوبوں سے انخلاء کا منطقی نتیجہ بقیہ صوبوں سے بھی انخلاء ہوگا اور یہ راستہ سیدھا پاکستان کی سمت میں جائے گا۔ مسلم لیگ فوری طور پر مطالبہ کرے گی کہ مسلم صوبوں سے بھی انخلاء عمل میں لایا جائے اور اسے انکار کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی معقول جواز نہیں ہوگا۔"[45] گویا مرحلہ وار انخلاء سے نہ صرف عالمی سامراجی مفادات کو خطرہ تھا بلکہ یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں پاکستان نہ بن جائے کہ یہ بھی عالمی سامراجی مفاد میں نہیں تھا۔ اس لئے مرحلہ وار انخلاء کے منصوبہ کو رد کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

8 جنوری کو پوری کابینہ کا اجلاس ایٹلی کی صدارت میں منعقد ہوا جس نے مرحلہ وار انخلاء کے منصوبہ کو ترک کرنے کے فیصلے کو اصولی طور پر منظور کرلیا۔ تاہم مجوزہ اعلان کو کچھ عرصہ کیلئے التوا میں ڈال دیا گیا کہ انتظار کرلیا جائے کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شمولیت یا عدم شمولیت کے حتمی فیصلے کا اعلان کردے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ وائسرائے کو لندن بلا کر اس کے ساتھ مزید بات چیت کی جائے۔ اسی روز کابینہ کے فیصلوں سے ایٹلی نے ایک خط کے ذریعے ویول کو مطلع کردیا۔ اس میں بھی ایٹلی نے اس کے مرحلہ وار انخلاء کے منصوبے کو رد

کرنے کی وجہ اس امر کو قرار دیا کہ "اس سے علیحدگی پسندی کی حوصلہ افزائی ہوگی۔"[46]

ویول نے 12 جنوری کو خط وصول کیا اور اپنے روزنامچے میں اس کے بارے میں اپنا تاثر لکھا کہ "یہ خط سرد مہر، توہین آمیز اور غیر معین تھا۔ یہ ایک گھٹیا آدمی کا خط تھا۔" اور مزید یہ کہ "......وہ مجھے وطن بلا کر استعفیٰ دینے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں۔"[47] اور یہ حقیقت بھی تھی کہ لندن میں نئے وائسرائے کے طور پر تقرری کیلئے ایٹلی اور ماؤنٹ بیٹن کے مابین معاملات طے ہو رہے تھے۔ حکومت برطانیہ کے ہندوستان سے وابستہ تجارتی اور سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے کانگرس کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات استوار کر کے انتقال اقتدار کو عمل میں لانا مقصود تھا۔ جس کے لیے ویول بالکل غیر موزوں تھا کیونکہ کانگرس اسے بالکل رد کر چکی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کے لیے بھی کانگرس کو اعتماد میں لینے کی بات کی جارہی تھی۔

3 جنوری کو ماؤنٹ بیٹن نے ایٹلی کے نام اپنے خط میں لکھا کہ "اگر آپ اجازت دیں تو سر سٹیفورڈ کرپس ذاتی طور پر بڑی پارٹی کو میری تقرری سے کچھ وقت پہلے مطلع کر دیں اور انہیں میرے ان جذبات سے آگاہ کر دیں کہ...... مجھے پوری امید ہے کہ وہ میری تقرری کا خیر مقدم کریں گے اور مجھے اپنا پورا تعاون دیں گے یا کم از کم انہیں کوئی ذاتی اعتراض نہیں ہوگا۔" سٹیفورڈ کرپس جس کی کانگرس نوازی مشہور تھی، اس نے برطانوی کابینہ کے ایک بہت سینئر رکن ہونے کے باوجود ماؤنٹ بیٹن کے معاون کی حیثیت سے اس کے ہمراہ ہندوستان آنے کی پیشکش کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے اس خط میں ماؤنٹ بیٹن نے لکھا کہ اتنے اعلیٰ پایہ کی شخصیت کی موجودگی میں میں برائے نام سربراہ بن کر رہ جاؤں گا اور نئے وائسرائے کے لیے یہ مناسب نہ ہوگا۔ مزید برآں اس نے یہ بھی لکھا کہ آپ مجھے اور میری بیوی کو اجازت دیں گے کہ ہم پروٹوکول کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ہندوستانی رہنماؤں سے ذاتی ملاقاتیں کیا کریں اور ان کے گھروں میں بلا روک ٹوک آیا جایا کریں۔[48] اور پھر جیسا کہ بعد میں ہوا کہ ماؤنٹ بیٹن اور اس کی بیوی ایڈوینا نے پروٹوکول سے آزاد ہو کر نہرو کے ساتھ نجی تعلقات استوار کیے۔

4 جنوری کو ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی سلطنت کے سربراہ اعلیٰ شاہ جارج کے نام اپنے خط میں انہی خیالات کا اظہار کیا اور سٹیفورڈ کرپس کو بجائے اپنے ہمراہ ہندوستان میں مقرر کیے جانے کے یہ تجویز کیا کہ کرپس کو وزیر ہند مقرر کر دیا جائے۔ "اس طرح وہ میرے حکومت برطانیہ

کے ساتھ ایک ''پس پشت رابطے'' کی حیثیت سے زیادہ موزوں رہے گا۔'' اس نے لکھا کہ سٹیفورڈ کرپس اس تجویز سے اتفاق کر چکا ہے اب وزیر اعظم پر ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔[49]

5 رجنوری کو شاہ جارج نے ماؤنٹ بیٹن کو جواب میں لکھا کہ میں وزیر اعظم کے ساتھ اپنی ملاقات میں اس بارے میں بات کروں گا۔ شاہ نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے لکھا کہ ''آپ ہی وہ واحد شخص ہیں جو ہندوستانی رہنماؤں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیں گے کہ ان کو اپنے اختلافات پر کوئی تصفیہ کر لینا چاہیے اور ایک موزوں حکومت وضع کر لینی چاہیے...... ایڈوینا بھی جنگ کے برسوں کا مطالعہ اور تجربہ بروئے کار لا کر معجزے دکھا سکتی ہے۔''[50]

چنانچہ ویول اور اس کے مرحلہ وار انخلاء کے منصوبے کی اس وقت کے برطانوی سامراجی مفادات میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی۔ برطانوی حکومت ایک طرف ہندوستان کی سب سے بڑی اعتدال پسند پارٹی کانگرس کی خوشنودی چاہتی تھی تو دوسری طرف مشرق وسطیٰ سے مشرق بعید تک اپنے دیوالیہ پن کی پردہ پوشی بھی چاہتی تھی۔ بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن (ایڈوینا) نے ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی پوری کوشش کی اور بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔

باب: 6

لیگ۔کانگرس معاندانہ تضاد کی ناحل پذیری اور برطانیہ کی دستبرداری کا اعلان

کانگرس نے گروپنگ کا توڑ نکال کر، اعلان 6رد سمبر کو منظور کر لیا

حکومت برطانیہ نے اپنے 6ردسمبر کے اعلان کے ذریعے برصغیر کو متحد رکھنے کی جو کوشش کی تھی اسے کانگرس مجلس عاملہ نے اپنی 22ردسمبر کی قرارداد کے ذریعے سبوتاژ کر دیا تھا اور اس کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے کے لئے 5رجنوری 1947ء کو آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس طلب کیا تھا۔ دسمبر کے آخری ہفتے میں نہرو، اچاریہ کرپلانی صدر کانگرس اور بعض دوسرے کانگرسی رہنماؤں نے بنگال کے ضلع نواکھلی میں جا کر گاندھی کے ساتھ ملاقات کی جہاں اس نے گزشتہ دو ماہ سے ڈیرے ڈال رکھے تھے اور جہاں وہ ان ہندو خاندانوں کو دوبارہ ہندومت میں داخل کرنے کا کام انجام دے رہا تھا جنہیں اکتوبر کے فسادات میں وہاں کے کٹر مسلمان گروہوں نے زبردستی دائرہ اسلام میں داخل کر لیا تھا۔

یہ کانگرسی رہنما 5رجنوری کے آمدہ اجلاس میں زیرغور قرارداد کے سلسلے میں گاندھی سے مشورہ حاصل کرنے کے لئے گئے تھے۔ گاندھی نے مشورہ دیا کہ حکومت برطانیہ کی تعبیر کو تسلیم کر لیا جائے مگر ساتھ ہی سرحد، آسام اور سکھوں کو آئین ساز اسمبلی کی حد تک کانگرس سے آزاد کر دیا جائے کہ وہ کسی بھی ایسے آئین کو تسلیم نہ کریں جو سیکشن ب اور ج کی مسلم لیگی اکثریت کی جانب سے ان پر ٹھونسا جائے۔ اس طرح وزارتی مشن کے اعلان اور اس کے بارے میں حکومت برطانیہ کی تعبیر، دونوں کی پاسداری بھی ہو جائے گی اور مسلم لیگ کی تشفی

بھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابتدا میں مشرق میں صوبہ آسام، مغرب میں صوبہ سرحد، پنجاب میں سکھ اور شاید بلوچستان، اپنے آپ کو آئین ساز اسمبلی یا اس کے کسی بھی سیکشن سے الگ تھلگ رکھیں گے۔ یعنی سیکشنوں کے اجلاس کا بائیکاٹ کر دیں گے جیسا کہ اس وقت مسلم لیگ نے آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ سیکشن الف میں شامل یونٹ ان مزید عناصر کے ہمراہ جوان کے ساتھ شامل ہوں گے، وزارتی مشن منصوبہ کی شرائط کے مطابق مکمل آزادی کا آئین وضع کر لیں گے اور سیکشن ب اور ج کو بھی علیحدگی خواہوں کے بغیر کوئی آئین وضع کرنا پڑے گا۔ یہ آئین تمام ہندوستان کے لئے ہوگا لیکن اس کی پابندی صرف ان یونٹوں پر ہوگی جو اسے وضع کرنے میں شریک رہے ہوں گے۔ برطانوی حکومت اس کو تسلیم کر لینے کی پابند ہوگی کیونکہ اسے کسی ایسے حصے پر نافذ نہیں کیا جارہا ہوگا کہ جسے یہ ناقابل قبول ہو۔ اس سے جناح کو بھی اپنے پاکستان کے لئے ایک قابل قبول فارمولا مل جائے گا...... ایک ایسا پاکستان جس کی بنیاد تمام فریقین کی رضامندی پر استوار ہوگی۔[1] یہاں گاندھی کے نزدیک جناح کے ''پاکستان'' سے مراد مشن منصوبہ کے مجوزہ گروپ ب اور ج سے تھی جن کو قبول کرنے کے لئے اس نے ایک ایسی راہ تجویز کی تھی کہ یہ گروپ وجود ہی میں نہیں آسکتے تھے۔ اس کے مطابق سرحد، بلوچستان اور آسام اس میں شامل نہیں تھے اور پنجاب کا معاملہ بھی کھٹائی میں تھا۔ بظاہر سندھ اور بنگال ہی اس ''پاکستان'' میں باقی رہ گئے تھے اور وہ بھی ایک مرکز کے ماتحت جس پر کانگرسی اکثریت کو غلبہ حاصل تھا۔ اس قسم کا ''پاکستان'' ویسے ہی ناقابل عمل تھا اور بطور گروپ بھی اس کا وجود برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ گاندھی نے کانگرس کے رہنماؤں کو مشورہ دیا کہ حکومت برطانیہ کے اعلان 6/دسمبر کو بھی اسی طرح گول مول انداز میں تسلیم کر لیا جائے کہ جس طرح اعلان 16/مئی کو منظور کیا گیا تھا اور گروپ بندی کی سکیم کی ناکامی کا سامان مہیا کیا گیا تھا۔ باپو سے یہ صلاح لے کر نہرو اور اچاریہ کرپلانی 30/دسمبر کو نوا کھلی سے واپس ہوئے۔

یکم جنوری 1947ء کو نہرو نے ویول کے ساتھ ملاقات کی۔ نہرو نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت برطانیہ کے اعلان 6/دسمبر میں کانگرس کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار نہیں کیا گیا۔ ویول نے جواب دیا کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو متحد رکھنے کے لئے اپنی پوری کوشش کر رہی ہے۔ اس پر نہرو نے مشتعل ہو کر کہا کہ خواہ ہندوستان کے ایک سو ٹکڑے کیوں نہ

ہو جائیں، ہم اپنے اصول ہرگز ترک نہیں کریں گے اور مسلم لیگ کے سامنے نہیں جھکیں گے۔
ویول اسے یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ہندوستان کا متفقہ آئین تشکیل دینا ممکن نہیں ہو سکے گا اس لئے یہ خود کانگرس کے مفاد میں ہے کہ کسی طور مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو جائے اور اس کا واحد راستہ اعلان 6 دسمبر کو قبول کر لینے میں مضمر ہے۔ لیکن نہرو بدستور یہ شکایت کرتا رہا کہ حکومت برطانیہ نے کانگرس کی غیر مشروط حمایت کا اپنا رویہ تبدیل کر لیا ہے۔ جس سے مسلم لیگ کو یہ تاثر مل گیا ہے کہ برطانوی حکومت آخر تک اس کا ساتھ دے گی۔ ویول نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ والوں کا خیال اس کے برعکس ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ برطانوی حکومت نے کانگرس کو اپنی غیر مشروط حمایت سے نواز رکھا ہے۔[2] یہ ملاقات ناکام رہی۔ اس ملاقات کے بارے میں اپنے روزنامچے میں ویول نے لکھا ہے کہ کانگرس اس بات پر ناراض ہو گئی تھی کہ بالآخر حکومت برطانیہ نے اعلان 6 دسمبر میں 16 مئی کے اعلان کی اپنی وضاحت پر ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا جب کہ کانگرس کو کرپس اور پیتھک لارنس کے ساتھ رابطوں کے ذریعے یہ یقین دہانی کرا دی گئی تھی کہ حکومت برطانیہ ایسا نہیں کرے گی۔ تاہم ویول کی رائے میں ''افسوس کی بات یہ تھی کہ حکومت برطانیہ نے یہ کام پہلے کیوں نہ کیا جب کہ میں بار ہا ایسا کرنے کی درخواست کرتا رہا۔''[3]

کانگرس نے وزارتی مشن منصوبہ کو اس سے گروپنگ منفی کر کے منظور کیا تھا اور گروپنگ کی نفی پر مسلسل اصرار جاری رکھا تھا۔ چنانچہ کانگرس مجلس عاملہ نے اپنی 22 دسمبر کی قرارداد میں اعلان 6 دسمبر کو وزارتی مشن منصوبہ کی نئی تعبیر اور اس میں اضافہ کے مترادف قرار دیا۔ کانگرس کے لیے مشن منصوبہ کا اصل ثمرہ وہ آئین ساز اسمبلی تھی جس میں اسے بہت بھاری اکثریت حاصل تھی اور جس کی مدد سے وہ مشن منصوبہ کے بقیہ حصے یعنی گروپنگ سکیم کو بالائے طاق رکھ کر اپنا من مانا آئین وضع کرنا چاہتی تھی۔ اس کا منطقی نتیجہ مسلم لیگ کا آئین ساز اسمبلی سے بائیکاٹ اور ملک گیر فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں رونما ہوا تھا۔ اس روش پر مزید چلتے رہنے سے لازمی طور پر زیادہ ہولناک صورتحال کا سامنا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اعلان 6 دسمبر کے ذریعے حکومت برطانیہ نے مسلم لیگ کو اسمبلی میں لانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کوشش کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر تھا کہ کانگرس گروپنگ کے بارے میں اعلان 6 دسمبر میں کی گئی تعبیر کے

بارے میں کیا رویہ اختیار کرتی ہے۔ کانگرس کی مشکل یہ تھی کہ وہ ہر قیمت پر آئین ساز اسمبلی کو بحال و برقرار رکھنا چاہتی تھی اور ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتی تھی کہ جس کی وجہ سے اسے اس اسمبلی سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے لیکن اس کے ساتھ وہ گروپنگ سکیم پر عملدرآمد بھی نہیں چاہتی تھی۔

اس پس منظر میں جب 5/جنوری 1947ء کو دہلی میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا تو کانگرسی رہنماؤں کا یہ نقطۂ نظر کھل کر سامنے آیا۔ کانگرس کے صدر اچاریہ کرپلانی نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''16/مئی کی دستاویز میں آل انڈیا یونین اور صوبائی خودمختاری کو تسلیم کیا گیا ہے اور یہ کہ باقی اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے۔ لیکن اب جو تعبیر کی گئی ہے اس کے مطابق گروپوں کے قیام کے بعد صوبوں کی خودمختاری گروپوں کو تفویض ہوجائے گی۔ یہ کوئی اچھوتی قسم کی جمہوریت ہے جو انگریز دوسرے ملکوں میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔'' اور یہ کہ ''کانگرس ایک سیدھا سادا آئین چاہتی ہے نہ کہ ایک پیچیدہ اور مشکل آئین جیسا کہ تجویز کیا گیا ہے'' اور مزید یہ کہ ''برطانوی حکومت یا اس کی دستاویز کی خواہ کچھ ہی منشا کیوں نہ ہو'' ہمارے پاس اب آئین ساز اسمبلی موجود ہے۔ یہ ادارہ ہمارے لیے معاون ہوسکتا ہے ہمیں اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔''[4]

جواہر لال نہرو نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''ہمارے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آئین ساز اسمبلی کو کس طرح زندہ رکھا جائے اور کس طرح اس سے اپنے ملک کی بہتری کے لیے ہرممکن فائدہ اٹھایا جائے...... اگر ہم نے اعلان (6/دسمبر) کو قبول نہ کیا تو برطانوی حکومت کو اعلان 16/مئی میں تبدیلی کرنے یا اسے واپس لے لینے کا موقع مل جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئین ساز اسمبلی کی حیثیت یکسر تبدیل ہوکر رہ جائے گی...... یہ عظیم ہتھیار جسے ہم اپنے مفاد میں استعمال کرسکتے ہیں، اس کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں کا آئندہ سدباب کرنے کی ہمیں ہرممکن تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔'' گویا اعلان 6/دسمبر کو منظور کرنے کا مقصد محض آئین ساز اسمبلی کو بطور ''عظیم ہتھیار'' اپنے قبضے میں رکھا ہوا تھا، جہاں تک سیکشنوں اور گروپوں کے متعلق اس اعلان میں کی گئی تعبیر کا تعلق تھا تو اس کے بارے میں کانگرس نے گاندھی کے مشورے سے ایک ایسی راہ نکال لی تھی کہ آسام، سرحد اور سکھوں سے بائیکاٹ کروا کر گروپنگ کو سبوتاژ کیا جاسکتا تھا۔ نہرو نے اپنی تقریر میں آسام والوں کی حمایت کرتے ہوئے

کہا کہ ''یہ درست ہے کہ آسام کو سیکشنوں اور گروپوں کی مخالفت کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ چاہے تو اس کے لیے لڑ سکتا ہے۔'' تاہم فی الوقت اس نے آسامیوں کو بھی اعلان 6 ردسمبر کے بارے میں منافقانہ رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ ''اس وقت ہمارا مقصد دشمنوں کو مات دینا ہے، ایک وقت آئے گا جب آسام کو لڑنا ہوگا اس لڑائی میں وہ تنہا نہیں ہوگا بلکہ پورا ہندوستان اس کے ساتھ ہوگا۔''[5]

اس قسم کی تقریروں کے بعد آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے 6 رجنوری کو قرارداد منظور کی۔ اس میں کانگرس مجلس عاملہ کی 22 ردسمبر کی قرارداد کی توثیق کی گئی جس میں اعلان 6 ردسمبر پر کڑی تنقید کی گئی تھی اور اسے اعلان 16 رمئی میں اضافہ اور اس کی نئی تعبیر قرار دیا گیا تھا۔ مزید برآں اس میں کہا گیا تھا کہ سیکشنوں میں رائے شماری کے طریق کار کے متعلق حکومت برطانیہ نے جو تعبیر کی ہے وہ اس صوبائی خودمختاری سے مطابقت نہیں رکھتی جسے اعلان 16 رمئی کی مجوزہ سکیم میں بنیادی اساس قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اب آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے جو قرارداد منظور کی اس میں سیکشنوں کے اندر رائے شماری کے طریق کار کے بارے میں حکومت برطانیہ کی تعبیر کے مطابق عملدرآمد پر آمادگی ظاہر کر دی گئی۔ لیکن ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کی گئی کہ ''...... کسی صوبے یا صوبے کے حصے پر کسی دوسرے صوبے کا کوئی جبر نہیں ہوگا۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کو ان مشکلات کا پوری طرح احساس اور اندازہ ہے جو بعض صوبوں کی راہ میں برطانوی کابینہ کے اعلان 16 رمئی 1946ء اور اس کے بارے میں کی گئی تعبیر کی بدولت پیدا ہوئی ہیں۔ ان صوبوں میں بلوچستان، آسام، سرحد اور سکھ جو کہ پنجاب میں شامل ہیں، قابل ذکر ہیں۔'' اور آخر میں مزید کہا گیا کہ ''یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ اس کا مطلب کسی صوبے پر جبر مسلط کرنا نہیں ہے اور یہ کہ پنجاب کے سکھوں کے حقوق پر کوئی زد نہیں پڑنی چاہیے۔ اس قسم کے جبر کی صورتحال میں کسی صوبہ یا صوبہ کے کسی حصے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق ضروری اقدام کرے۔''[6] اس قرارداد کا صاف مطلب یہ تھا کہ کانگرس صوبوں کی لازمی گروپ بندی کی سکیم کو منظور کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں تھی۔ لیکن کانگرس نے اس قرارداد کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا کہ وہ نہ صرف اعلان 16 رمئی بلکہ اس کی تعبیر کے طور پر اعلان 6 ردسمبر کو بھی منظور کر چکی ہے۔ حالانکہ مسلم لیگ نے ایسا نہیں کیا ہے جب کہ عبوری حکومت میں رہنے کے

لئے ایسا کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ کانگرسی حلقوں کی جانب سے مسلم لیگ کو عبوری حکومت سے بے دخل کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا۔

لیگ کی اعتدال پسند قیادت آئین ساز اسمبلی میں شرکت کے لئے تیار تھی

7رجنوری کو لیاقت علی خاں اور ویول کے مابین ملاقات ہوئی جس میں ویول نے یہ سوال اٹھایا کہ اب جب کہ کانگرس نے حکومت برطانیہ کے اعلان 6ردسمبر کو منظور کر لیا ہے، مسلم لیگ کو چاہیے کہ آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ ترک کر کے آئین سازی کے عمل میں شریک ہو جائے۔ لیاقت نے جواب میں مؤقف اختیار کیا کہ کانگرس اعلان 6ردسمبر کو منظور کرنے میں مخلص نہیں ہے۔ ویول نے اصرار کیا کہ مسلم لیگ کے لئے بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ وہ آئین ساز اسمبلی میں آ جائے اور اپنا کیس پیش کرے اور اگر وہاں اس کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ ہو تو پھر وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکتی ہے۔ لیاقت نے جواب میں کہا کہ اس بارے میں میں جناح سے ملنا چاہوں گا جو اپنی علالت کی وجہ سے کراچی میں تھے۔"[7] گویا لیاقت کے نزدیک اب بھی آئین ساز اسمبلی میں شمولیت کے امکان پر غور ہو سکتا تھا۔

8رجنوری کو بنگال میں مسلم لیگی وزارت کے وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے ویول کے ساتھ ملاقات کی جس میں سہروردی نے یہ تسلیم کیا کہ حکومت برطانیہ کا اعلان 6ردسمبر منصفانہ ہے اور یہ کہ وہ جناح سے سفارش کرے گا کہ آئین ساز اسمبلی میں شرکت اختیار کی جائے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنا اثر ورسوخ بروئے کار لانے کا بھی وعدہ کیا۔[8]

اسی روز کلکتہ میں خواجہ ناظم الدین اور بنگال کے گورنر بروز کے مابین ملاقات ہوئی۔ ناظم الدین نے کہا کہ اگر ہم آئین ساز اسمبلی میں شامل ہو جائیں اور یہ اسمبلی غور وخوض میں دو یا پونے دو سال کا عرصہ گزار دے اور کوئی متفقہ آئین نہ بن سکے اور اس دوران انگریز انتظامیہ بھی یہاں سے چلی جائے تو پھر مسلم لیگ کو ایک ایسی صورتحال درپیش ہو جائے گی جس میں وہ فعال یا غیر فعال کسی بھی قسم کی تحریک نہیں چلا سکے گی۔ اگر آئین بننے سے پہلے انگریز انتظامیہ یہاں سے چلی گئی تو ایک غیر جانب دار ادارے کے طور پر اس سے ہمیں جو تحفظ حاصل ہے وہ

ختم ہو جائے گا۔ بروز نے جواب میں کہا کہ مسلم لیگ اس وقت دوراہے پر کھڑی ہے۔ اس نے عبوری حکومت میں شمولیت کے موقع پر پس و پیش سے کام لیا اور پھر اس میں شامل ہو گئی، اس طرح اب اسے پس و پیش سے کام نہیں لینا چاہیے اور فوری طور پر آئین ساز اسمبلی میں شمولیت اختیار کر لینی چاہیے۔ اس نے کہا کہ پاکستان ایک ناقابل عمل تجویز ہے اور جب یہ مان لیا جائے کہ ایک پاکستان قائم کرنا ناقابل عمل ہو گا تو پھر دو یا تین پاکستان قائم ہونے چاہئیں۔ بروز نے وزارتی مشن منصوبہ میں مسلم لیگ کے محدود مقاصد کی تکمیل کا حوالہ دیتے ہوئے خواجہ کو یاد دلایا کہ اس سے پیشتر کرپس منصوبہ (1942ء) میں اس سے زیادہ بڑے اور مکمل پاکستان کی پیش کی گئی تھی جتنی کہ وزارتی مشن منصوبے میں کی گئی ہے۔ کرپس منصوبہ کے مطابق مسلم صوبے اپنا حق علیحدگی استعمال کرتے ہوئے وفاق سے الگ ہو جاتے اور پھر چاہے برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رہتے یا الگ ہو جاتے۔ لیکن اب زیر نظر منصوبہ میں صوبوں کا برطانوی دولت مشترکہ میں رہنا یا نہ رہنا مرکز کی صوابدید کے تحت ہو گیا ہے۔ جب کرپس منصوبہ پیش کیا گیا تو مسلم لیگ والوں نے اسے قبول نہ کیا اور اس کے بعد سے ان کی صورت حال خراب تر ہوتی چلی گئی ہے۔ اب اگر انہوں نے آئین ساز اسمبلی کو رد کر دیا تو اس حقیقت کے پیش نظر کہ کانگرس نے (خواہ لفظی ہیر پھیر کے ساتھ) وزارتی منصوبہ کو اور اس کی حالیہ تشریح کو منظور کر لیا ہے، مسلم لیگ والوں کو کوئی اگلا اقدام کرنا پڑے گا۔ انہیں کوئی فعال یا غیر فعال تحریک چلانے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ فعال تحریک کا مطلب ہے خانہ جنگی اور وہ خانہ جنگی کرنے کی حیثیت کے حامل نہیں ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ اکا دکا فرقہ وارانہ فساد کو بھڑکا سکتے ہیں لیکن ان سے وہ کوئی مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس نے کہا ''حصول پاکستان کی کامیاب جنگ مسلمانوں کے بس میں نہیں ہے۔'' غیر فعال تحریک کے متعلق اس کی رائے تھی کہ وہ بہت جلد فعال تحریک میں تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ اس نے ناظم الدین سے زور دے کر کہا کہ مسلم لیگ کو ذہنی الجھاؤ کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور وزارتی مشن کے اعلان 16 رمئی اور حکومت برطانیہ کے اعلان 6 ردسمبر کی روشنی میں آئین ساز اسمبلی میں شمولیت اختیار کر لینی چاہیے۔ ناظم الدین نے کہا کہ اگر مسلم لیگ یہ اعلان کرے کہ ہم برطانوی دولت مشترکہ میں

رہتے ہوئے پاکستان چاہتے ہیں تو حکومت برطانیہ کا کیا ردعمل ہوگا۔ بروز نے جواب میں کہا کہ مسلم لیگ جس قسم کا پاکستان چاہتی ہے وہ کسی صورت سے بھی عملاً ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ آئین ساز اسمبلی کے لئے وضع کردہ وزارتی مشن منصوبہ کی موجودگی میں اس رائے کے ساتھ اتفاق کرنا حکومت برطانیہ کے لئے بے حد مشکل ہوگا۔ بروز نے مزید زور دیتے ہوئے ناظم الدین سے کہا کہ مسلم لیگ کو 20 رجنوری تک آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوجانا چاہیے۔ ناظم الدین نے جواب دیا کہ 20 رجنوری تک تو ممکن نہ ہوگا البتہ اپریل سے پہلے ہم اس میں شمولیت اختیار کر لیں گے۔ اس ملاقات کے بارے میں بروز کا تاثر یہ تھا کہ ''جہاں تک آئین ساز اسمبلی میں شمولیت کا تعلق ہے، ناظم الدین معقولیت کے حق میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے گا۔''[9]

ویول نے لیاقت اور سہروردی کے ساتھ اپنی ملاقات اور بروز کی ناظم الدین کے ساتھ ملاقات کی تفصیل سے 14 رجنوری کو اپنے مراسلے میں پیتھک لارنس کو آگاہ کیا۔ اس نے مسلم لیگ کے بارے میں غیر یقینی کی کیفیت کا اظہار کیا لیکن ساتھ ہی یہ عندیہ بھی دیا کہ یہ رہنما مسلم لیگ مجلس عاملہ کے آمدہ اجلاس میں جو 29 رجنوری کو کراچی میں طلب کیا گیا تھا، ''صحیح سمت'' میں اپنا رسوخ استعمال کریں گے۔ متذکرہ تینوں حضرات بعد ازاں مختلف اوقات میں پاکستان کے وزیر اعظم بنے۔ متذکرہ ملاقاتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کی اعتدال پسند قیادت اوائل 1947ء تک حصول پاکستان کے بارے میں اپنے مقاصد میں واضح نہیں تھی۔ یہ اعتدال پسند عناصر بیشتر جاگیرداروں اور نوابوں پر مشتمل تھے جو اپنے طبقاتی کردار کی بدولت انگریزوں کے ساتھ نرم روی کا انداز اختیار کئے ہوئے تھے۔ چونکہ انگریز پاکستان کے مطالبہ کے سخت خلاف تھے۔ اس لئے یہ رہنما بھی اس مطالبے کے بارے میں متزلزل رویہ رکھتے تھے۔ لیکن ان پر مسلم عوام الناس کا زبردست دباؤ تھا جنہوں نے 46ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو ایک آزاد و خودمختار پاکستان کا ووٹ دیا تھا اور ''لے کے رہیں گے پاکستان۔ بن کے رہے گا پاکستان'' کا نعرہ ان کا اوڑھنا بچھونا بن چکا تھا۔ دوسرے یہ کہ کلکتہ، بہار اور یو۔ پی کے ہندو مسلم فسادات ہزار ہا مسلمانوں کے قتل عام اور نواکھلی اور ہزارہ میں غیر مسلموں کے قتل عام کے بعد برصغیر کا سینکڑوں برس پرانا ہندو مسلم تضاد بے انتہا شدید ہوگیا تھا۔

سیکولر کانگرس کا باپو مہاتما گاندھی کلکتہ بہار اور یو۔ پی کے فساد زدہ علاقوں کے جہاں ہزارہا مسلمان خاندان ہلاک اور برباد ہو گئے تھے، کو نظر انداز کر کے مشرقی بنگال کے ضلع نواکھلی میں جہاں چند سو ہندو ہلاک اور متاثر ہوئے تھے، گزشتہ تین ماہ سے ڈیرے ڈال کر بیٹھا تھا تا کہ ہندوؤں کا اعتماد بحال ہو سکے۔ ان حالات میں مسلمان عوام الناس اپنے لئے علیحدہ آزاد وخود مختار وطن کے قیام ہی میں اپنی نجات سمجھنے لگے تھے۔ اعتدال پسند قیادت کو مسلم عوام الناس کے اس زبردست دباؤ کے علاوہ خود بھی یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ ہندو بورژوا کی نمائندہ کانگرس انہیں اقتدار میں اپنے ساتھ شریک کرنے پر تیار نہیں ہے۔ اعتدال پسند رہنما گومگو کے عالم میں تھے۔ ایک جانب آئین ساز اسمبلی تھی جہاں وزارتی مشن کی مجوزہ گروپنگ سکیم پر عمل درآمد کی راہ میں کانگرس سد راہ بن گئی ہوئی تھی۔ گروپنگ سکیم پر جناح سمیت تمام مسلم لیگی قیادت متفق تھی بشرطیکہ کانگرس اس پر عمل درآمد کے لئے مخلص ہوتی۔ دوسری جانب آزاد وخود مختار پاکستان کا راستہ تھا جس کے بارے میں جناح نے دسمبر میں اپنے قیام لندن کے دوران پھر سے زور دینا شروع کر دیا تھا۔ اعتدال پسند قیادت اب بھی آئین ساز اسمبلی سے امیدیں لگائے بیٹھی تھی اور اپریل سے پہلے پہلے اس میں شمولیت کی خواہاں تھی۔ جناح ان دنوں کراچی میں بیمار تھے لیکن مسلم عامتہ الناس کی امنگوں کے ساتھ ان کی گہری ہم آہنگی تھی اور اسی بنا پر وہ ان کے قائداعظم بن گئے تھے۔ انہیں اس آئین ساز اسمبلی سے اب کوئی زیادہ توقعات نہیں رہ گئی تھیں کیونکہ کانگرس گروپنگ سکیم کو صریحاً رد کر رہی تھی۔ چنانچہ جب 20 رجنوری کو آئین ساز اسمبلی کا اگلا اجلاس منعقد ہوا تو حسب سابق مسلم لیگ اس سے غیر حاضر رہی۔ تاہم نہرو کی پیش کردہ قرار داد مقاصد اس میں منظور کر لی گئی۔

21 رجنوری کو نائب وزیر ہند آرتھر ہینڈرسن نے کراچی میں جناح سے ملاقات کی جو ان دنوں ہندوستان کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ موضوع بحث آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی 6 رجنوری کی قرار داد تھی جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ کانگرس نے سیکشنوں میں ووٹنگ کے طریقۂ کار کے بارے میں برطانوی تعبیر یعنی اعلان 6 ردسمبر کو منظور کر لیا ہے۔ جناح نے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے ہینڈرسن کی توجہ اس قرارداد کے ان حصوں پر کرائی جن میں کہا گیا تھا کہ ''صوبے کے حصے'' پر کسی دوسرے صوبے کا کوئی جبر نہیں ہوگا اور اس سلسلے میں سکھوں کا ذکر

کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں جناح نے گاندھی کی جانب سے آسام والوں کو دیئے گئے اس مشورے کا ذکر کیا جس میں انہیں سیکشنوں کا بائیکاٹ کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ ان حوالوں سے جناح نے ثابت کیا کہ کانگرس نے حکومت برطانیہ کے اعلان 6 دسمبر کو منظور نہیں کیا ہے۔ آئین ساز اسمبلی کے بارے میں جناح نے کہا کہ اس کی کاروائی کو باطل قرار دیا جائے کیونکہ معاہدے کا ایک فریق یعنی مسلم لیگ اس سے غیر حاضر ہے۔ انہوں نے برطانوی حکومت پر انحراف کا الزام عائد کیا اور کہا کہ نتائج کی بھی وہی ذمہ دار ہوگی۔ انہوں نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ پختہ روی سے کام لے اور آئین ساز اسمبلی کے اس ڈھونگ کا خاتمہ کر دے۔ [10]

26 جنوری کو لیاقت علی خاں کا بیان شائع ہوا جس میں اس نے کانگرس کے اس دعوے کی نفی کی کہ وہ سیکشنوں کے اجلاس میں ووٹنگ کے طریقۂ کار کے بارے میں حکومت برطانیہ کے اعلان 6 دسمبر کی تعبیر کو تسلیم کر چکی ہے۔ اس نے کہا کہ اگر ایسا واقعی ہے تو کانگرس ان سوالات کے صریح جوابات دے۔

1۔ کیا کانگرس اس سے اتفاق کرتی ہے کہ سیکشن اپنے مجموعی اجلاس میں سادہ اکثریت سے گروپ وضع کرنے اور گروپوں کے آئین تشکیل دینے کا فیصلہ کریں گے؟

2۔ کیا کانگرس کو یہ منظور ہے کہ صوبوں کے آئین ان کے متعلقہ سیکشن کے مجموعی اجلاس میں سادہ اکثریت کے ذریعے تشکیل دیئے جائیں گے؟

3۔ کیا کانگرس اتفاق کرتی ہے کہ صوبہ آسام کا آئین سیکشن ج کے اجلاس میں سادہ اکثریت سے وضع کیا جائے گا اور یہ کہ آسام کی نئی قانون ساز اسمبلی اس طریقے سے وضع کردہ آئین کے تحت منتخب کی جائے گی اور یہ کہ آسام کے اس گروپ میں شامل رہنے یا اس سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ یہ نئی قانون ساز اسمبلی کرے گی؟

4۔ کیا کانگرس گروپ ب کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کا آئین اپنے مجموعی اجلاس میں سادہ اکثریت سے وضع کر سکتا ہے اور اس طرح تشکیل پانے والے آئین کے تحت صوبہ سرحد کی نئی قانون ساز اسمبلی منتخب ہوگی اور یہ نئی اسمبلی ہی یہ فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی کہ آیا یہ صوبہ گروپ میں شامل رہے گا یا اس سے علیحدگی اختیار کرے گا؟

5۔ کیا کانگرس اتفاق کرتی ہے کہ سیکشن ب اپنے مجموعی اجلاس میں سادہ اکثریت سے

پنجاب کا آئین اور اگر گروپ بنتا ہے تو اس کا آئین وضع کرے گا جس کا اثر تمام متعلقہ فرقوں پر پڑے گا جن میں سکھ بھی شامل ہیں اور یہ کہ پنجاب اور گروپ ب کا یہ آئین اقلیتوں کو تحفظات کے بارے میں حتمی ہو گا البتہ پارلیمینٹ (برطانوی) کی منظوری اسے درکار ہو گی جیسا کہ وزارتی مشن کے 25رمئی کے اعلان میں شرائط عائد کی گئی ہیں اور یہ کہ سکھ فرقے کو ویٹو کا حق حاصل نہ ہو گا؟

6۔ کیا کانگرس اتفاق کرتی ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک کسی مسئلے پر تعبیر کے لئے فیڈرل کورٹ کو رجوع کر سکتا ہے اور یہ کہ فیصلہ کو دونوں فریق قبول کریں گے؟[11]

ان سوالات کی اشاعت اس امر کا کھلا اعلان تھا کہ اگر کانگرس وزارتی مشن کی مجوزہ گروپنگ سکیم پر من وعن عملدرآمد پر آمادہ ہو جائے تو مسلم لیگ اس پر سمجھوتے کے لئے تیار ہے۔

کانگرس نے آسام۔ بنگال تضاد اور سکھ۔ مسلم تضاد کو گروپنگ کے خلاف استعمال کیا

27رجنوری کو کانگرس کی جانب سے جواب دیتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے کانگرس کے موقف کا اعادہ کیا کہ سیکشن کے اجلاس میں صوبہ ایک یونٹ کے طور پر حصہ لے گا اور بحیثیت یونٹ فیصلہ کرے گا کہ اس نے گروپ میں شامل ہونا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ لیگ اور وزارتی مشن کا یہ موقف کہ سیکشن کے اجلاس میں فیصلے سادہ اکثریت سے کئے جائیں گے اور صوبہ اپنی علیحدگی کا فیصلہ پہلے عام انتخابات کے بعد ہی کر سکے گا، آسام کے لئے پریشان کن ہے کیونکہ سیکشن ج میں بنگال کو اکثریت حاصل ہے۔ اس نے کہا کہ آسام کو یہ خوف ہے کہ بنگال اس انداز سے اس صوبے کا آئین بنائے گا کہ آسام کا حق علیحدگی مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آسام کی آئین سازی میں مداخلت نہ کی جائے تا کہ مناسب موقع پر آسام چاہے تو اپنے حق علیحدگی کو استعمال کرنے کے قابل ہو سکے۔"[12] آزاد کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کانگرس گروپنگ کے خلاف اپنے موقف میں کوئی لچک پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ آزاد جو ذاتی طور پر گروپنگ سکیم کے بے حد حق میں ہونے کا دعویدار تھا، ہندو

بورژوا کے علاقائی تقاضوں اور عزائم کے سامنے گھٹنے ٹیک چکا تھا۔

گاندھی نے آزاد کے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بیان دیا کہ اگر اس کے باوجود بھی مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہیں ہوئی تو پھر وزارتی مشن کے اعلان 16 رمئی میں یا حکومت برطانیہ کے اعلان 6 ردسمبر میں ایسی کوئی بات شامل نہیں ہے جو گروپ الف میں شامل تمام صوبوں اور گروپ ب اور ج کے صوبہ سرحد اور آسام کو آئین ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد کرنے اور آئین سازی کا کام کرنے سے روک سکے۔ حکومت برطانیہ بھی ان کے بنائے ہوئے آئین کو منظور کرنے اور ان کے علاقوں پر اسے لاگو کرنے کی پابند ہے۔ مسلم اکثریت کے جو صوبے اس آئین سازی میں شریک نہیں ہوں گے، حکومت برطانیہ ان کے لئے علیحدہ آئین ساز اسمبلی یا علیحدہ مرکز وضع نہیں کرے گی کیونکہ وہ اعلان 16 رمئی میں اس امکان کو خود ہی رد کر چکی ہے۔"[13] گاندھی کی مراد یہ تھی کہ جب گروپ الف کے صوبوں اور سرحد اور آسام کو اپنے وضع کردہ آئین کے تحت آزادی مل جائے گی تو پنجاب، سندھ اور بنگال خود بخود اس آئین کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ گاندھی کے اس بیان کی تعریف میں پیارے لال لکھتا ہے کہ "اس سے مسلم لیگ کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔"[14]

گروپ ج کی تشکیل میں آسام اور بنگال کی قومیتوں کا تضاد بھی رکاوٹ بن کر آن کھڑا ہوا تھا۔ آسام کی آبادی کم تھی لیکن یہ صوبہ اپنے زرعی اور معدنی وسائل کے اعتبار سے بے حد مالا مال تھا اور گزشتہ سوڈیڑھ سو برس کے دوران یورپیوں نے ان وسائل پر مبنی وہاں جو منصوبے قائم کئے تھے ان میں روزگار سے وابستہ ہو کر لاکھوں کی تعداد میں بنگالی وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے اور ان کی نقل مکانی کا یہ سلسلہ بدستور جاری تھا۔ آسامیوں کو بجا طور پر یہ خوف تھا کہ یورپیوں کے جانے کے بعد تو بنگالی بالکل ہی آسام پر چڑھ دوڑیں گے اور اس کی معیشت پر قابض ہو جائیں گے۔ چنانچہ 17 رجنوری 1947ء کو آسام پراونشل کانگرس کمیٹی نے گوہاٹی میں اپنے اجلاس میں قرارداد منظور کی جس میں سیکشنوں اور گروپوں کے بارے میں آسام اسمبلی کی 16 رجولائی کی قرارداد کا اعادہ کیا گیا اور کہا گیا کہ حکومت برطانیہ کے اعلان 6 ردسمبر کے باوجود ان کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ یعنی یہ کہ سیکشنوں میں ووٹنگ کے مجوزہ طریقہ کار سے وہ اتفاق نہیں کرتے تھے۔

گروپ ب کی تشکیل کی راہ میں بھی ہندو بورژوا کے علاقائی عزائم کے علاوہ پنجاب میں سکھ۔ مسلم تضاد ایک رکاوٹ بن کر حائل ہو گیا تھا۔ سکھوں کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ گروپ ب میں مسلم اکثریت ان پر چھا جائے گی اس لئے وہ اپنے لئے ویٹو کا حق مانگتے تھے۔ 17 رجنوری 1947ء کو آئین ساز اسمبلی کے دو سکھ ارکان گیانی کرتار سنگھ اور سردار اجل سنگھ نے ایک پریس انٹرویو میں کہا کہ اگر پنجاب میں اور شمال مغربی گروپ (یعنی گروپ ب) میں سکھوں کو فرقہ وارانہ ویٹو کا حق نہ دیا گیا تو وہ آئین ساز اسمبلی سے دستبردار ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ کانگرس کی جانب سے اعلان 6 ردسمبر کی منظوری کے بعد تو یہ اور بھی زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ جب آئین ساز اسمبلی سیکشنوں میں تقسیم ہو جائے تو سکھوں کو فرقہ وارانہ ویٹو کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی طرف سے اعلان 6 ردسمبر کو منظوری دیئے جانے پر سکھوں کو سخت مایوسی ہوئی ہے لیکن وہ پھر بھی کانگرس کے ساتھ تعاون جاری رکھیں گے۔ لیکن اگر سکھوں کو ویٹو کا حق حاصل نہ ہوا تو پھر وہ پنتھک بورڈ کی ہدایت کے مطابق عمل کریں گے اور آئین ساز اسمبلی سے دستبردار ہو جائیں گے۔[15]

19 رجنوری کو اکالی رہنما ماسٹر تارا سنگھ نے لاہور میں نائب وزیر ہند آرتھر ہینڈرسن کے ساتھ ملاقات کی اور اس سے کہا کہ سکھوں کو مسلم غلبے کا شدید خوف لاحق ہے۔ انہیں سیکشن ب میں ویسا ہی تحفظ چاہیے جیسا کہ مرکز میں بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل کی خاطر دونوں بڑے فرقوں کو دیا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر برطانوی سنگینیں یہاں موجود نہ ہوتیں تو سکھ بغاوت کر دیتے اور صوبے پر خود قبضہ حاصل کر کے مسلم غلبے کا سدباب کر دیتے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ہم ایک متبادل کے طور پر بزور قوت صوبے کو تقسیم کرنے پر بھی رضامند ہو جائیں گے لیکن یہ آخری حل کے طور پر ہو گا۔ اگر مسلم غلبے کا اندیشہ لاحق نہ ہو تو پھر ہم چاہیں گے کہ صوبے کو ویسا ہی رہنے دیا جائے جیسا کہ وہ اس وقت ہے۔[16] مینن بھی لکھتا ہے کہ سکھوں نے سیکشن ب میں تحفظات کے مطالبے کے ساتھ ساتھ پنجاب کی تقسیم کی ایک سکیم تیار کرنا شروع کر دی تھی۔[17]

22 رجنوری کو تین سکھ رہنماؤں ہرنام سنگھ، کرتار سنگھ اور اجل سنگھ نے ویول کے ساتھ ملاقات کی اور اسے آئین میں اپنے لئے تحفظات کی ضرورتوں سے آگاہ کیا۔ ویول کا تاثر تھا کہ

"وہ اس پر واضح نہیں کر سکے کہ وہ واقعی کیا چاہتے ہیں۔ غالباً وہ خود بھی اس بارے میں واضح نہیں ہیں۔"[18] سکھوں کے اپنے مقاصد کے بارے میں واضح نہ ہو سکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بیک وقت دونوں بڑے فرقوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ تضاد رکھتے تھے جن کی تاریخی وجوہ موجود تھیں۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ ان کو زیادہ تحفظ کانگرس کے اکھنڈ بھارت میں حاصل ہو سکے گا یا مسلم لیگ کے گروپ ب میں! تاہم کانگرس نے کچھ اس منافقت کے ساتھ اپنے کارڈ کھیلے کہ وہ اعتدال پسند سکھ قیادت کو گروپنگ سکیم کے خلاف اپنی ہم نوا بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ کانگرس کسی طور گروپنگ سکیم کو ناکام بنانا چاہتی تھی۔ اسے گروپ ب کو گرانے کے لئے سکھ اور گروپ ج کو گرانے کے لئے آسامی ہاتھ آ گئے تھے۔ گویا ہندو بورژوا نے برصغیر جنوبی ایشیا پر غلبہ حاصل کرنے کے عزائم کی تکمیل کے لئے سکھ۔ مسلم فرقہ وارانہ تضاد اور بنگالی۔ آسامی قومیتی تضاد سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ سکھ اور آسامی دونوں جو اس وقت ہندو بورژوا کے ہاتھوں میں استعمال ہوئے بعد ازاں انہیں اپنے حقوق کی خاطر طویل اور صبر آزما جدوجہد سے گزرنا پڑا اور 1980ء کے عشرے میں خونریز مسلح جدوجہد تک نوبت پہنچی۔

خضر حیات ٹوانہ کا سیکولر پنجاب اور مسلم لیگی رہنماؤں کی گرفتاریاں

برطانوی سامراج کے پشتینی پٹھو خضر حیات ٹوانہ نے پنجاب کے فرقہ وارانہ مسئلے کو ایک اور طرح کے سیکولر انداز میں حل کرنے کی کوشش کی۔ وہ ان دنوں پنجاب کی یونینسٹ۔ کانگرس۔ اکالی مخلوط حکومت کا وزیر اعلیٰ تھا۔ اس نے پنجاب کو ایک الگ ڈومینین بنانے کا خواب دیکھا جو تاج برطانیہ کے ماتحت ہوتی۔ پنجاب کے گورنر ایوان جنیکنز نے 14 رجنوری کو ویول کے نام اپنے مراسلے میں اس کے متعلق لکھا کہ "اس کے ذہن میں پنجاب کو ایک ڈومینین میں تبدیل کر دینے کا دُھندلا سا تصور موجود ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسے یقین ہے کہ ایسا ممکن ہو سکتا ہے...... اگرچہ یہ سب کچھ ابھی غیر واضح ہے لیکن میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو بتا دوں کہ خضر آہستہ آہستہ کن خطوط پر گامزن ہو رہا ہے۔"[19]

اس کے چند روز بعد خضر خود دہلی گیا اور 23 رجنوری کو اس نے ویول کے ساتھ ملاقات کی۔ اس ملاقات کا تاثر اپنے روزنامچے میں قلمبند کرتے ہوئے ویول نے خضر کے بارے میں

لکھا کہ ''وہ مسلمانانِ ہند کا بہترین راہنما ثابت ہوسکتا ہے۔''[20] اس ملاقات کی تفصیل کسی ریکارڈ سے دستیاب نہیں ہے۔ تاہم 24 رجنوری کو جب کہ خضر ابھی دہلی میں تھا، اس نے پنجاب میں مسلم لیگ کے رضا کاروں کی تنظیم مسلم نیشنل گارڈز اور ہندوؤں کی انتہا پسند مسلح تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ پر پابندی عائد کر دی۔ غالباً پنجاب کی ڈومینین کے قیام کی راہ پر گامزن خضر حیات اپنے مقصد کے حصول کے لئے سرگرم ہو گیا تھا۔ لیکن اس کا بڑا شدید ردِعمل ہوا۔ مسلم لیگی رہنماؤں نے مسلم نیشنل گارڈز کے دفاتر کو سربمہر کرنے کے خلاف مزاحمت کی اور گرفتار ہو گئے۔ ان میں میاں افتخار الدین کے علاوہ فیروز خان نون، نواب افتخار حسین ممدوٹ، ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات وغیرہ بھی شامل تھے۔ پنجاب بھر میں مظاہرے اور ہنگامے پھیل گئے۔

27 رجنوری کو لیاقت علی خاں نے ویول کے ساتھ ملاقات کی اور مسلم نیشنل گارڈز کے خلاف کارروائی پر سخت ردِعمل ظاہر کیا اور کہا کہ اگر کانگرس والنیٹرز اور اکالی والنٹیئرز کو بھی اس اقدام میں شامل کر لیا جاتا تو شاید کم اعتراض کی بات ہوتی لیکن انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔ اس نے کہا کہ آر۔ ایس۔ ایس کی مدمقابل تنظیم مسلمانوں میں خاکسار تنظیم ہے جسے مسلم لیگ رد کرتی ہے۔ پنجاب کی صورتحال کے علاوہ اس نے آسام کانگرس کی 17 رجنوری کی قرارداد پر بھی شدید نکتہ چینی کی۔ ان تمام اعتراضات کے باوجود ویول نے لیاقت کی گفتگو سے ''یہ تاثر نہیں لیا کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شمولیت سے انکار کر دے گی۔''[21]

ادھر پنجاب کی صورتحال کی خبریں لندن پہنچیں تو حکومت پنجاب کے اس اقدام پر وہاں شدید تشویش پیدا ہو گئی۔ پیتھک لارنس نے ویول اور جینکنز کو تار ارسال کیا جس میں کہا گیا کہ ''بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقدام جان بوجھ کر اٹھایا گیا ہے تا کہ لیگ مجلس عاملہ کے اجلاس سے پہلے مسلم جذبات کو مشتعل کر دیا جائے اور یہ یقینی بنا دیا جائے کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شامل نہ ہو سکے۔''[22] جینکنز نے جوابی تار میں صفائی پیش کی کہ دونوں تنظیمیں فوجی خطوط پر منظم کی جارہی تھیں اس لئے ان کے خلاف یہ کارروائی ضروری ہو گئی تھی۔''[23] تاہم 28 رجنوری کو تمام مسلم لیگی رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا اور دونوں تنظیموں پر عائد پابندی بھی اٹھالی گئی البتہ جلسے جلوسوں پر بدستور پابندی عائد رہی۔ لیگ مجلس عاملہ کے اجلاس کے لئے سازگار فضا پھر بھی بحال نہ ہو سکی اور پنجاب کے شہروں میں مظاہرے اور ہنگامے جاری رہے۔

لیگ مجلس عاملہ نے آئین ساز اسمبلی کی کاروائی کو بے معنی اور باطل قرار دیا اور اس کا بائیکاٹ جاری رکھا

ان حالات میں 29رجنوری کو کراچی میں مسلم لیگ مجلس عاملہ کا اجلاس شروع ہوا۔ 31رجنوری کو اس کی جانب سے ایک طویل قرارداد منظور کی گئی جس میں اعلان 6ردسمبر سے لے کر اس وقت تک کانگرس کی جانب سے اختیار کردہ ہٹ دھرمی کے رویے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا۔ کانگرس مجلس عاملہ کی 22ردسمبر کی قرارداد اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی 6رجنوری کی قرارداد اور اس دوران کانگرس کے سرکردہ رہنماؤں کے بیانات کے حوالے سے ثابت کیا گیا کہ وزارتی مشن منصوبے کی بنیادی شقوں کے بارے میں کانگرس اپنے تصورات اور تشریحات پر بدستور اڑی ہوئی ہے جو کہ اس منصوبے کے مصنفوں اور حکومت برطانیہ کے واضح تصورات اور تشریحات کی بالکل نفی ہیں اور اس طرح وہ بنیاد ہی تباہ ہو گئی ہے جس پر یہ آئینی منصوبہ استوار ہوا تھا۔ مزید کہا گیا کہ کانگرس کمیٹی نے سیکشن کے اندر ''صوبے'' کو اور اس سے بھی لغو یہ کہ ''صوبے کے ایک حصے'' کو ویٹو کا حق دے دیا ہے اور یہ حق پنجاب میں سکھوں کو دیا ہے۔ اس سے کانگرس کی جانب سے اعلان 6ردسمبر کو دی گئی نام نہاد ''منظوری'' کی بالکل نفی ہو جاتی ہے۔ کانگرس کمیٹی کی قرارداد کے بارے میں کہا گیا کہ ''یہ قرارداد ایک منافقانہ فریب اور الفاظ کی شعبدہ بازی سے زیادہ حیثیت کی حامل نہیں ہے جس کے ذریعے کانگرس نے حکومت برطانیہ، مسلم لیگ اور عمومی رائے عامہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ بڑا سیدھا سادا سوال تھا کہ جس کا سیدھا سادا جواب دیا جانا چاہیے تھا کہ آیا وہ اعلان 16رمئی کے منصوبے کو جس کی حکومت برطانیہ نے 6ردسمبر کو وضاحت کی ہے، پورے خلوص اور دیانت داری سے تسلیم کرتی ہے یا نہیں؟''

لیگ مجلس عاملہ کی قرارداد میں یہ بھی یاد دلایا گیا کہ حکومت برطانیہ نے بطور ثالث یہ منصوبہ اس وقت پیش کیا جب دونوں بڑی پارٹیاں شملہ میں کسی تصفیے پر پہنچنے میں ناکام رہی تھیں۔ لیکن اب آئین ساز اسمبلی میں صرف کانگرس براجمان ہے اور اپنی مرضی کے قوانین وضع کر رہی ہے۔ لیگ مجلس عاملہ کی قرارداد میں مختلف مثالیں دے کر آئین ساز اسمبلی کی تمام تر

کاروائی کو مشن منصوبہ کی روح کے منافی قرار دیا گیا۔ چنانچہ لیگ مجلس عاملہ کی قرارداد میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ ''حکومت برطانیہ یہ اعلان کردے کہ 16 رمئی کو اعلان کردہ وزارتی مشن منصوبہ ناکام ہوگیا ہے کیونکہ ان تمام مہینوں میں کوشش کے باوجود کانگرس نے اعلان 16 رمئی کو منظور نہیں کیا ہے اور نہ ہی سکھوں اور اچھوتوں نے اسے منظور کیا ہے۔'' مزید یہ بھی یاد دلایا گیا کہ مسلم لیگ نے 6 رجون کو اس منصوبے کو منظوری دے دی تھی لیکن یہ دیکھ کر کہ کانگرس اس منصوبے کو بہ کمال وتمام منظوری دینے سے عاری ہے'' لیگ اپنی منظوری کو واپس لینے پر مجبور ہوئی تھی۔ چنانچہ لیگ مجلس عاملہ نے اپنی قرارداد کے آخر میں کہا کہ اس منصوبہ کے تحت ہونے والے آئین ساز اسمبلی کے انتخابات اور بعدازاں اس اسمبلی کا اجلاس اور اس کی کاروائی ''سب کچھ بے معنی، بے کار اور غیر قانونی ہے'' اور یہ کہ ''اب اس آئین ساز اسمبلی کا مزید جاری رہنا، اس کی کاروائی اور فیصلے سب خارج از اختیار، بے کار اور غیر قانونی ہیں۔ اس لئے اسے فوری طور پر توڑ دیا جائے۔''[24]

کانگرس کا شدید ردعمل۔ لیگ کے ارکان کو عبوری حکومت سے نکال دیا جائے

اگلے روز (یکم فروری) کو پہلے پٹیل اور پھر نہرو نے ویول کے ساتھ ملاقات کی۔ پٹیل نے کہا کہ لیگ مجلس عاملہ کی قرارداد ''بالکل غیر مصالحانہ ہے جس میں مفر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی ہے۔'' نہرو کے ساتھ ملاقات میں ویول نے کہا کہ ''حکومت برطانیہ کی جانب سے آئین ساز اسمبلی کے توڑے جانے کا یا اپنی پالیسی سے منحرف ہوجانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن ظاہر ہے کہ آئین ساز اسمبلی، مسلم لیگ کی شمولیت کے بغیر...... پورے ہندوستان کے لئے قابل قبول آئین وضع نہیں کر سکے گی۔'' اس کے جواب میں نہرو نے کہا کہ ''آئین ساز اسمبلی اپنا کام جاری رکھے گی لیکن ظاہر ہے کہ ہم کوئی آئین کسی صوبے پر اس کی مرضی کے بغیر مسلط نہیں کر سکتے۔'' اس نے رائے دی کہ ہم ایک صوبے کے مثالی آئین کا خاکہ وضع کر کے ہر صوبے کو ارسال کر دیں گے تاکہ وہ اپنی صوبائی اسمبلی میں زیر بحث لاکر اس کے بارے میں اپنا فیصلہ دے دیں۔ ویول نے مرکز کی مخلوط حکومت میں مسلم لیگ کے شامل رہنے کے سوال پر کہا کہ کانگرس اگرچہ اب اس پوزیشن میں ہے کہ وہ لیگی ارکان کابینہ کے استعفیٰ کا مطالبہ کرے لیکن

کیا ملک کا نظم ونسق مؤثر طور پر چلانے کے لئے مسلم لیگ کو ایک فعال حزب اختلاف بنا دینا بہتر ہوگا یا حکومت میں شامل رکھنا، اس کا فیصلہ غور طلب معاملہ ہے۔ بقول ویول ''نہرو کچھ دھیما پڑا اور معلوم ہوتا تھا کہ اسے صورت حال کی مشکلات وخطرات اور محتاط ہو کر جائزہ لینے کی ضرورت کا احساس ہو گیا تھا۔''[25]

لیکن کانگرسی حلقوں میں لیگ مجلس عاملہ کی قرارداد پر بڑا شدید ردعمل ہوا۔ گاندھی نے جو ابھی ضلع نواکھلی میں تھا، 3رفروری کو ایک پرارتھنا سبھا سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر آئین ساز اسمبلی کا انتخاب اور اس کی کارروائیاں غیر قانونی ہیں تو ان کی قانونی حیثیت کو قانونی عدالت میں چیلنج کیا جانا چاہیے۔ ورنہ ان الزامات کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ مسلم لیگ کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ آئین ساز اسمبلی میں آ کر اپنا کیس بیان کرے اور دلیل کے ذریعے اس کی کارروائی کو متاثر کرے اور یا پھر آئین ساز اسمبلی کے خلوص کا امتحان لے اور دیکھے کہ وہ مسلم مسئلے کو کیسے حل کرتی ہے۔''[26] اور پھر 6رفروری کی پرارتھنا سبھا میں اس نے بتایا کہ یہ حل کیا ہو گا؟ اس نے کہا کہ یقین ہے کہ اگر گروپ الف ایک ایسا آئین وضع کرنے میں کامیاب ہو جائے جو نمایاں طور پر منصفانہ، فراخ دلانہ اور عادلانہ ہو تو نہ صرف یہ کہ گروپ ب اور ج کے لئے اس میں شمولیت کے دروازے کھلے ہوں گے بلکہ وہ بے اختیار ہو کر اس میں کھنچے چلے آئیں گے۔''[27] گویا گروپ الف یعنی ہندو اکثریت کے صوبے جو اس وقت کانگرس کی زیر قیادت آئین ساز اسمبلی میں آئین تیار کر رہے تھے، گروپ ب اور ج یعنی مسلم اکثریت کے صوبے بھی ''بے اختیار'' اسے تسلیم کر کے اس میں شامل ہو جائیں گے۔ مقصد یہ تھا کہ گروپ ب اور ج کی جداگانہ حیثیت ختم کر دی جائے جو کہ وزارتی مشن منصوبے کی اصل روح تھی اور جس کی خاطر مسلم لیگ نے اسے ایک مرتبہ منظور بھی کیا تھا اور اب بھی اسے منظور کرنے اور اپنانے کے لئے پوری طرح سنجیدہ تھی بشرطیکہ کانگرس بھی اسے خلوص دل کے ساتھ اپنانے پر آمادہ ہوتی۔

5رفروری کو ویول نے ایگزیکٹو کونسل کے تمام غیر مسلم لیگی ارکان کی جانب سے ایک خط وصول کیا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ اب مسلم لیگ کے فیصلے کے بعد عبوری حکومت میں مسلم لیگی ارکان کی موجودگی کا کوئی جواز باقی نہیں رہا، اس لئے انہیں برطرف کر دیا جائے۔ اگر

انہیں حکومت میں شامل رکھا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وزارتی مشن منصوبہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اس خط پر جواہر لال نہرو، ابوالکلام آزاد، ولبھ بھائی پٹیل، راجندر پرشاد، راج گوپال اچاریہ، جگ جیون رام، جان متھائی، بلدیو سنگھ اور سی۔ ایچ۔ بھابھا کے دستخط ثبت تھے۔ ویول نے اس کے جواب میں لکھا کہ اس معاملے پر حکومت برطانیہ کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے لئے کچھ وقت دیا جائے۔

6رفروری کو ویول نے لیاقت علی خاں کے ساتھ ملاقات کی اور اسے ایگزیکٹو کے غیر لیگی ارکان کے مطالبے سے آگاہ کیا۔ لیاقت نے کہا کہ دراصل کانگرس نے وزارتی مشن منصوبے کو منظوری نہیں دی ہے اور یہ کہ ''اگر حکومت برطانیہ واقعی یہ سمجھتی ہے کہ کانگرس نے حکومت برطانیہ کے تمام اعلانات کو منظور کر لیا ہے، تو پھر مسلم لیگ بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی۔ لیکن اس صورت میں حکومت برطانیہ کو یہ ذمہ داری لینی ہوگی کہ کانگرس اس روش پر گامزن رہے گی جو مشن نے آئین ساز اسمبلی کے لئے متعین کی ہے۔''[28]

اس کے بعد 8رفروری کو لیاقت نے ویول کو ایک مفصل خط کے ذریعے مسلم لیگ کے موقف سے آگاہ کیا کہ اس سے حکومت برطانیہ کو مطلع کر دیا جائے۔ اس میں 16رمئی کو وزارتی مشن منصوبے کے اعلان سے اس وقت تک مختلف مواقع پر کانگرس اور مسلم لیگ کے اختیار کردہ موقف کا موازنہ کرنے کے بعد کہا گیا کہ ''چنانچہ صورتحال یہ ہے کہ مسلم لیگ نے ابتدا میں وزارتی مشن کے اعلان 16رمئی کو من وعن اس کی درست تشریح کے مطابق منظور کر لیا تھا لیکن بعدازاں اسے اس منظوری کو واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ کانگرس نے کسی وقت بھی اس اعلان کو منظور نہیں کیا اور نہ وہ اس وقت سے منظور کرتی ہے...... مسلم لیگ کی جانب سے اپنی قرارداد جولائی (جس میں منظوری کو واپس لیا گیا تھا) پر نظر ثانی کا اس وقت تک سوال پیدا نہیں ہوتا جب تک کانگرس حکومت برطانیہ کے اعلان 6ردسمبر کو غیر مبہم طور سے منظور نہیں کر لیتی...... چنانچہ اگر عبوری حکومت میں شمولیت کی بنیاد اعلان 16رمئی کی منظوری ہے تو پھر کانگرس کو جس نے اسے منظور ہی نہیں کیا ہے اور سکھوں کو جنہوں نے واضح الفاظ میں اسے رد کر رکھا ہے، اپنے نمائندوں یا نامزد افراد کو حکومت میں شامل رکھنے کا اس سے زیادہ حق حاصل نہیں ہے، جتنا کہ مسلم لیگ کو حاصل ہے۔''[29]

ویول نے برطانوی حکومت سے مشن منصوبہ پر دوٹوک اعلان کا مطالبہ کیا۔ جواب میں اسے برطرفی کا پروانہ موصول ہو گیا

9رفروری کو ویول نے اس خط کا متن پیتھک لارنس کو ارسال کر دیا۔ اسی روز ویول نے پیتھک لارنس کے نام اپنے مراسلے میں لکھا کہ ''میرا خیال ہے کہ مسلم لیگ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے گی بشرطیکہ حکومت برطانیہ کانگرس کی 6رجنوری کی قرارداد کے ان نکات کے بارے میں ایک دوٹوک بیان جاری کرے جو لیگ والوں کے لیے غیر تسلی بخش ہیں اور جن پر وہ کانگرس سے یقین دہانی چاہتے ہیں۔ میری طرف سے حکومت برطانیہ کے لیے یہ پُرزور مشورہ ہے کہ وہ کوئی اگلا اقدام کرنے سے پیش تر تمام پارٹیوں کو آئین ساز اسمبلی کے اندر باہم یکجا کرنے کے لیے متذکرہ خطوط پر کوشش کرے۔''[30]

اور پھر 11رفروری کو پیتھک لارنس کے نام اپنے ایک اور مراسلے میں ویول نے لکھا کہ ''لیاقت علی خاں کے خط کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ایک زیادہ واضح بیان جاری کیا جانا چاہیے۔'' یہ اس بیان کی بابت تھا کہ جس کا مسودہ ان دنوں حکومت برطانیہ کے زیر غور تھا۔ ویول نے خود بھی اس مسودے کے لیے چند تجاویز اس امید کے ساتھ ارسال کیں کہ ''میرے خیال میں اس بات کا امکان ہے، اگرچہ معمولی ہے، کہ میرے مجوزہ خطوط پر جاری کردہ بیان کے نتیجے میں لیگ اسمبلی میں شامل ہو جائے گی اور میری رائے میں حکومت برطانیہ کو یہ آخری کوشش ضرور کرنی چاہیے۔''[31]

اپنے تجویز کردہ مسودے کا متن جو ویول نے 11رفروری ہی کو ارسال کر دیا تھا، اس میں کانگرس کی 6رجنوری کی قرارداد کے ان اقتباسات کے حوالے دے کر کہ جن پر مسلم لیگ کو سخت اعتراض تھا، میں کہا گیا تھا کہ کانگرس کو چاہیے کہ اس امر کا کھلا اعتراف کرے کہ متذکرہ اقتباسات کا کانگرس کی مشن منصوبہ کی منظوری پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ''برطانوی حکومت چاہے گی کہ کانگرس اس سلسلے میں باقاعدہ تصدیق کرے۔ اگر اس قسم کی اعلانیہ تصدیق ہو جائے گی تو پھر اس الزام کی کوئی بنیاد نہیں رہے گی کہ کانگرس نے وزارتی مشن منصوبے کو منظور نہیں کیا ہے اور مسلم لیگ کے لیے اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کی راہ کھل جائے گی اور مسلم لیگ

کے فیصلے کی روشنی میں حکومت برطانیہ کے لیے یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے گی کہ آیا مسلم لیگی نمائندے عبوری حکومت میں رہنے کے حقدار ہیں یا نہیں۔"[32] لیکن ویول کے اس مجوزہ متن کو اس پالیسی بیان میں پذیرائی حاصل نہ ہو سکی جسے ان دنوں برطانوی ارباب حل وعقد ہندوستان کے بارے میں جاری کرنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ 11 رفروری کو ویول نے نہرو کے ساتھ ملاقات میں اسے بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کسی طرح لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں لانے کی کوشش کی جائے اور اسے حکومت میں شامل رکھا جائے لیکن نہرو نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔

درحقیقت ویول بطور وائسرائے ہند اب حکومت برطانیہ کو قابل قبول نہ رہا تھا اس لیے اس کی تجاویز کو زیادہ اہمیت حاصل نہ رہی تھی۔ 8 رجنوری کو ایٹلی کی جانب سے بذریعہ مراسلہ اسے اطلاع دے دی گئی تھی کہ اس کا مجوزہ مرحلہ وار انخلاء کا منصوبہ کابینہ نے رد کر دیا ہے۔ نیز یہ کہ کانگرس کے ساتھ اس کو اپنا رویہ درست کرنا چاہیے۔ اس کے جواب میں ویول نے 17 رجنوری کو ایٹلی کے نام ایک خط تحریر کیا جس میں اس نے لکھا کہ "اگر میں اور میرے گورنر ہر وہ بات ماننا شروع کر دیں جو بڑی پارٹی تجویز کرتی ہے، تو پھر نہ ہم پارلیمنٹ کو جوابدہ ہونے کی ذمہ داری صحیح طور پر نبھا سکیں گے اور نہ ہی کابینہ ایسا کر سکے گی اور مزید یہ کہ ہماری کمزوری سے شہ پا کر یہ پارٹی حدود سے تجاوز کرنے لگے گی اور بوکھلاہٹ میں دوسری پارٹی "ڈائریکٹ ایکشن" پر اُتر آئے گی۔" یعنی یہ کہ اس صورت میں فرقہ وارانہ تصادم ہو جائے گا جبکہ وہ اور برطانوی حکومت دونوں برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے ہندوستان کے امن واستحکام کے لیے جوابدہ ہیں۔ ویول نے مزید لکھا کہ "......اگرچہ میں لیگ کو معقول رویہ اختیار کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں لیکن فرقہ وارانہ تلخی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ خوش فہمی کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس بات کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ موجودہ حالت میں مشن منصوبہ کے مطابق کسی آئین پر سمجھوتہ ہو سکے گا۔" علاوہ ازیں اس نے فوری طور پر صلاح مشورہ کے لیے لندن آنے سے بھی انکار کر دیا۔"[33] ویول کا یہ خط 25 رجنوری کو لندن میں موصول ہوا۔ اس کے جواب کے بارے میں ایٹلی، کرپس اور ماؤنٹ بیٹن نے باہمی صلاح مشورہ کیا۔ کرپس کی رائے تھی کہ ویول کو اس کی برطرفی کے متعلق مطلع کرتے ہوئے اس سے استعفیٰ طلب کیا جائے۔[34]

ماؤنٹ بیٹن کی بطور نئے وائسرائے تقرری کی تفصیلات پہلے ہی ان تینوں حضرات کے مابین طے پا رہی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے کا عہدہ قبول کرنے سے پیش تر لندن میں بیٹھ کر اپنی شرائط منوا رہا تھا جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس سلسلے میں بڑی پارٹی یعنی کانگرس کو اعتماد میں لیا جائے۔ انہی دنوں حکومت برطانیہ ہندوستان کے بارے میں ایک پالیسی اعلان جاری کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ جس کے ہمراہ وائسرائے کی تبدیلی کا اعلان بھی شامل کیا جا رہا تھا۔ اس تبدیلی سے متعلقہ اعلان کا مسودہ ایٹلی کے کہنے پر 26/جنوری کو خود ماؤنٹ بیٹن نے تحریر کر کے ایٹلی کو دیا۔[35] 28/جنوری کو ایٹلی اور کرپس دونوں نے انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ ابھی اس اعلان میں کچھ وقت لگے گا کیونکہ ویول نے ایک بہت ''ٹیڑھا'' خط بھیج دیا ہے اور یہ کہ ''اگلے اقدام'' کے بارے میں کابینہ غور کر رہی ہے۔[36]

اور پھر بالآخر یہ اگلا اقدام اُٹھا لیا گیا۔ 29/جنوری کو ایٹلی نے برطانوی سلطنت کے سربراہ اعلیٰ شاہ جارج ششم سے ایک عرضداشت کے ذریعے یہ منظوری طلب کی کہ وائسرائے ہند کے عہدے سے ویول کو ہٹا کر اس کی جگہ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کی جائے۔ شاہ جارج نے بلا تامل منظوری دے دی۔ 31/جنوری کو ایٹلی نے ویول کو اس کے 17/جنوری کے ''ٹیڑھے'' خط کے جواب میں ایک مراسلے کے ذریعے اس کی برطرفی یا ریٹائرمنٹ کا مژدۂ جانفزا سنا دیا۔ ایٹلی نے لکھا کہ ''تمہارے خط سے صاف ظاہر ہے کہ عبوری دور میں اختیار کئے جانے والے لائحہ عمل کے بارے میں تمہارے خیالات اور حکومت کی پالیسی کے مابین بہت گہرا فرق ہے۔'' اور یہ کہ ''خاص طور پر ضروری ہوتا ہے کہ وائسرائے حکومت برطانیہ کی پالیسی کے ساتھ مکمل طور پر اتفاق کرے اس لیے میرا خیال ہے آپ اس امر پر اتفاق کریں گے کہ اب وائسرائے کے عہدے پر تبدیلی لانا ضروری ہو گیا ہے۔ اسے یاد دلایا گیا کہ ''آپ نے اس بارے میں آمادگی ظاہر کی تھی کہ پالیسی میں اختلاف کی صورت میں آپ کو ریٹائر کر دیا جائے، اور میرے خیال میں مناسب ہو گا کہ یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔ علاوہ ازیں اسے آگاہ کیا گیا کہ اعلان کرنے کے لیے یہ کہا جائے گا کہ چونکہ آپ کی تقرری حالت جنگ کی مخصوص صورتحال میں کی گئی تھی اور اس کی مدت تین سال تھی جو کہ ختم ہو چکی ہے اس لیے آپ کو ریٹائر کیا جا رہا ہے۔[37]

ویول کو یہ خط 4/فروری کو موصول ہوا جس کے جواب میں 5/فروری کو اس نے ایٹلی کو

لکھا کہ ''آپ اس معاملے میں غلطی پر ہیں کہ میری مدت عہدہ تین سال مقرر کی گئی تھی لیکن یہ نکتہ تو ویسے ہی غیر اہم ہے کیونکہ تین سال مکمل ہوئے تو کئی ماہ گزر گئے ہیں اور اس دوران آپ نے تبدیلی کی خواہش کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ آپ مجھے جس بناء پر علیحدہ کر رہے ہیں وہ خود آپ کے مطابق پالیسی پر گہرا اختلاف ہے۔ میرے خیال میں یہ اختلاف اس امر پر ہے کہ میں عبوری دور کے لیے ایک قطعی پالیسی چاہتا ہوں جبکہ حکومت برطانیہ یہ پالیسی دینے سے قاصر ہے۔ میں اس وقت اس بارے میں مزید بحث نہیں کرنا چاہتا نہ ہی اپنی تبدیلی کے متعلق آپ کے فیصلے پر کوئی اعتراض وارد کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ ضرور کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ ملک معظم کے ہندوستان میں نمائندے کو اس طرح اچانک برطرف کر دینا اس عہدے کے وقار کے منافی ہے۔'' اس نے ماضی کے معمول کا حوالہ دیا کہ سبکدوش ہونے والے وائسرائے کو کم از کم چھ ماہ کا نوٹس دیا جاتا رہا ہے، علاوہ ازیں اس نے اپنے جانشین کا نام جاننے کی خواہش بھی ظاہر کی کہ ''ظاہر ہے اس کا انتخاب کیا جا چکا ہوگا۔''[38]

اس خط کے جواب میں 12 رفروری کو ایٹلی نے ویول کو اس کی برطرفی کے اعلان کا متن روانہ کر دیا جو عنقریب پارلیمینٹ میں کیا جانے والا تھا۔ اس کے جانشین کے بارے میں بھی اسے ہدایات جاری کر دی گئیں لیکن اس کا نام بعد میں ایک علیحدہ تار کے ذریعے بتایا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری کے بارے میں 13 رفروری کے روزنامچے میں ویول کا فوری ردعمل یہ تھا کہ ''یہ ایک غیر متوقع تقرری ہے لیکن ان کے نقطۂ نظر سے دانشمندانہ ہے اور ڈکی (ماؤنٹ بیٹن) کی شخصیت شاید وہ مقصد حاصل کر سکے جس کے حصول میں میں ناکام رہا ہوں۔''[39]

برطانوی سامراج ماؤنٹ بیٹن سے وہ کون سا کام لینا چاہتا تھا جس میں ویول ناکام رہا تھا

برطانوی حکومت کا ''نقطۂ نظر'' جس کے تحت ماؤنٹ بیٹن کی تقرری ''دانشمندانہ'' تھی، یہ تھا کہ انتقال اقتدار کے مرحلے میں برطانوی حکومت ہندوستان کی سب سے بڑی پارٹی کانگرس کی خوشنودی کے ساتھ برصغیر کے تمام معاملات طے کرنا چاہتی تھی۔ برطانوی کابینہ کا مشہور کانگرس نواز رکن سٹیفورڈ کرپس اس معاملے میں سب سے زیادہ پر جوش تھا۔ وہ

ماؤنٹ بیٹن کے ہمراہ اس کے معاون کی حیثیت سے ہندوستان آنا چاہتا تھا۔ لیکن اس صورت حال میں ماؤنٹ بیٹن کی اپنی حیثیت محض برائے نام ہو کر رہ جاتی۔ اس لئے ماؤنٹ بیٹن اسے ہمراہ لانے پر آمادہ نہ ہوا۔ ایٹلی بھی اتنے سینئر رکن کابینہ کو اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر کرپس وزیر ہند بننے پر آمادہ ہو گیا تاہم یہ غیر ضروری سمجھا گیا کیونکہ بطور رکن کابینہ اور رکن انڈیا و برما کمیٹی وہ اپنا کردار ادا کر سکتا تھا۔ چنانچہ پیتھک لارنس ہی کچھ عرصہ بدستور وزیر ہند رہا۔ جب کہ بعد میں ارل آف لسٹوول کو وزیر ہند بنا دیا گیا۔

نئے وائسرائے کے لئے حکومت برطانیہ کی طرف سے جاری ہونے والے ہدایت نامے کا ابتدائی مسودہ 8 رفروری کو سٹیفورڈ کرپس نے تیار کیا۔ اس میں کہا گیا کہ ''حکومت برطانیہ کا یہ قطعی مقصد ہے کہ آئین ساز اسمبلی کے ذریعے جو کہ وزارتی مشن منصوبے کے مطابق وجود میں آئی ہے اور کام کر رہی ہے، اگر ممکن ہو تو کل ہندوستان کے لئے ایک وحدانی حکومت قائم کی جائے۔ چنانچہ آپ کو تمام پارٹیوں کو اس مقصد کے حصول کی خاطر کام کرنے پر آمادہ کرنے کی مقدور بھر کوشش کرنا ہوگی۔'' مزید یہ کہ ''ایسا کوئی کام کئے بغیر کہ جو سرعت کے ساتھ آزادی کی جانب رواں دواں اکثریتی فرقے کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو، آپ نے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی بھی پوری کوشش کرنی ہے اور عبوری دور میں برطانوی مفادات کو بھی ہر جائز تحفظ مہیا کرنا ہے۔''[40] اس ہدایت نامے میں ''کل ہندوستان کے لئے وحدانی حکومت کے قیام'' کو اولین ترجیح دی گئی تھی اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو ''اکثریتی فرقے'' کی صوابدید پر چھوڑا گیا تھا جو کہ کانگرس کا منشور تھا۔

ایٹلی نے کرپس کے اس مسودے کو من وعن ماؤنٹ بیٹن کو بھیج دیا کہ وہ خود اپنے نام جاری ہونے والے اس ہدایت نامے میں جو ترمیم و اضافہ چاہے، کر کے اسے حتمی شکل دے دے۔ ماؤنٹ بیٹن نے متذکرہ ہدایات میں کوئی تبدیلی نہیں کی البتہ چند مزید اضافوں کے ساتھ حتمی شکل دے کر ایٹلی کو واپس بھیج دیا۔ اہم اضافہ یہ تھا کہ ہندوستان کو دولت مشترکہ میں رکھنے کی پوری کوشش کی جائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو انتقال اقتدار کے بعد ہندوستان کے ساتھ برطانیہ کے دوستانہ اور قریبی تعلقات کی استواری کا اہتمام کیا جائے جس میں فوجی معاہدہ بھی شامل ہو۔''[41] چنانچہ یہ سامراجی مقاصد جن کے پیش نظر برطانیہ ہندوستان کی وحدت کو برقرار

رکھنا چاہتا تھا اور اکثریتی فرقے کی صوابدید کے مطابق فرقہ وارانہ مسئلے کو حل کرنا چاہتا تھا، ویول پورا کرنے میں ناکام رہا تھا جب کہ ماؤنٹ بیٹن نے خود ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنا ہدایت نامہ تیار کیا تھا۔ 11رفروری کو ایٹلی نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات میں کرپس اور ماؤنٹ بیٹن کے تیار کردہ ہدایت نامے کو نئے وائسرائے ہند کے لئے جاری کرنے پر اتفاق کرلیا تو پھر ماؤنٹ بیٹن نے اس عہدے پر اپنی تقرری کو قبول کیا"[42] جس کے بعد 12رفروری کو ویول کو اس کی برطرفی اور اس کے جانشین کی تقرری کے بارے میں حتمی طور پر مطلع کر دیا گیا۔

پٹیل نے لیگ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے کٹا پھٹا، ناقابل عمل پاکستان دے دینا بہتر سمجھا

ادھر کانگرسی حلقوں اور ذرائع ابلاغ کی جانب سے مسلم لیگ کی 31رجنوری کی قرارداد کے ردعمل میں وائسرائے کی کابینہ سے مسلم لیگی ارکان کی برطرفی کا مطالبہ شدت پکڑ گیا تھا۔ 13رفروری کو نہرو نے ویول کو خط لکھا جس میں اپنے اور دیگر غیر لیگی ارکان ایگزیکٹو کی جانب سے 5رفروری کو ویول کو بھیجے گئے خط میں کئے گئے اس مطالبے کا اعادہ کیا گیا کہ "مسلم لیگی ارکان کا عبوری حکومت میں برقرار رہنا اب ممکن نہیں رہا" اس لئے انہیں فوری طور پر برطرف کر دیا جائے "بصورت دیگر وزارتی مشن منصوبہ کو متروک سمجھا جائے" اس میں کہا گیا کہ حکومت برطانیہ پر کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کے مؤقف پوری طرح واضح ہو چکے ہیں، اس لئے اسے فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا چاہیے، "فیصلے میں تاخیر یا ایسے فیصلے کی صورت میں کہ جو ہمارے نزدیک نامناسب ہو یا صورتحال کے حقائق کے منافی ہوا، ہم عبوری حکومت میں اپنی پوزیشن پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"[43] نہرو کی جانب سے دبے لفظوں میں دی گئی یہ دھمکی 15رفروری کو کھلے لفظوں میں پٹیل کی جانب سے بھی ظاہر ہوگئی۔ اس نے ایک پریس کانفرنس میں اعلانیہ یہ الٹی میٹم دے دیا کہ اگر مسلم لیگی نمائندے عبوری حکومت میں شامل رہے تو کانگرس اس سے مستعفی ہو جائے گی اور یہ کہ "لیگ کو عبوری حکومت سے نکل جانا ہو گا یا پھر اسے اپنی قرارداد کراچی کو تبدیل کرنا ہو گا۔"[44] وائسرائے کے سیاسی مشیر وی۔ پی مینن کا بھی ویول کو مشورہ تھا کہ "آپ لیگ کو راضی کرنے کی کوشش میں کوئی ایسا اقدام نہ کر بیٹھیں کہ جو

کانگرس کے عبوری حکومت سے دستبردار ہونے کا سبب بن جائے کہ اس کے نتیجے میں انتہائی سنگین سیاسی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔"[45]

چنانچہ 15 رفروری کو ویول نے ایٹلی کی ہدایت کے مطابق نہرو کو خط لکھا کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے آئندہ ہفتے ایک اہم اعلان جاری ہونے والا ہے۔ تب تک آپ انتظار کریں اور اپنے مطالبے پر زور نہ دیں۔ تب تک صورت حال تبدیل ہو جائے گی۔ لیکن ویول کے اس خط سے کانگرسی حلقے مطمئن نہ ہوئے اور بدستور مسلم لیگی ارکان کی برطرفی کا مطالبہ کرتے رہے۔ اس میں اس تلخ تجربے کو بھی دخل تھا جو گزشتہ چند ماہ میں کانگرس اور مسلم لیگ کو عبوری طور پر مخلوط حکومت میں اکٹھے کام کرنے سے حاصل ہوا تھا۔ خاص طور سے وزیر خزانہ لیاقت علی خاں نے چوہدری محمد علی کی مدد سے کانگرسی وزارتوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ ادھر کانگرس مسلم لیگ کے ارکان کو برطرف کرانے پر تل گئی تھی اور پٹیل جیسے لوگ مسلمانوں کو ایک کٹا پھٹا پاکستان دے کر علیحدہ کر دینے کے بارے میں بھی آمادہ نظر آنے لگے تھے۔ اس کا اظہار 17 رفروری کو پٹیل نے ویول سے ملاقات کے دوران کیا۔ "وہ مسلمانوں کو مغربی پنجاب، سندھ اور سرحد، اگر شامل ہونا چاہے اور مشرقی بنگال دے دینے پر تیار تھا۔"[46] اسے معلوم تھا کہ جناح ایسے کٹے پھٹے پاکستان کو ناقابل عمل قرار دے کر پہلے ہی رد کر چکے ہیں۔ انہیں امید تھی کہ اول تو جناح اسے قبول نہیں کریں گے اور اگر کر لیا تو یہ بہت جلد ناقابل عمل ہو کر ناکام ہو جائے گا اور مسلمان راہ راست پر آ جائیں گے۔

لندن کے ارباب اختیار کے نزدیک بھی پاکستان بدستور ایک ناقابل عمل تجویز تھی۔ اعلان 6 ردسمبر میں یہ کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ کی آئین ساز اسمبلی سے مسلسل غیر حاضری کی صورت میں اس اسمبلی کا وضع کردہ آئین ان صوبوں پر ان کی مرضی کے خلاف مسلط نہیں کیا جائے گا جو اس کے وضع کرنے کے عمل میں شریک نہیں ہوئے ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ لیا جا رہا تھا کہ گویا مسلم اکثریتی صوبوں کو جن کی قیادت مسلم لیگ کر رہی تھی، پاکستان بنانے کا حق مل گیا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ 2 رجنوری کو پیتھک لارنس نے ویول کے نام اپنے خط میں لکھا کہ "مجھے امید ہے کہ جناح ہمارے اعلان 6 ردسمبر کی یہ تعبیر نہیں کرے گا کہ اسے بیٹھے بٹھائے اس کا پاکستان مل جائے گا۔ اس کی تعبیر صوبائی خودمختاری کی صورت میں بھی ہوسکتی

ہے جو کہ اسے کبھی پسند نہیں ہو گی۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ پاکستان قطعی طور پر ناقابل عمل تجویز ہے۔"[47]

اور پھر یہ بات زیادہ وضاحت کے ساتھ 9رجنوری کو لندن میں ہونے والے دولت مشترکہ کی ڈومینینوں کے اجلاس میں بیان کی گئی۔ اس میں وزیر ہند اور وزیر امور ڈومینین کے علاوہ کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کے ہائی کمشنر شریک ہوئے۔ پیتھک لارنس نے ہندوستان کی بحرانی صورت حال کے مضمرات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ "اگر کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین مفاہمت نہ ہوسکی اور آئین ساز اسمبلی اپنا کام کرنے میں ناکام ہوگئی تو پھر یہ ضروری ہو جائے گا کہ انتقال اقتدار کا عمل سلیقے سے انجام نہ پائے اور بدسلیقگی سے عمل میں لایا جائے اور یہ ایک مضبوط حکومت کو منتقل کرنے کے بجائے بہت سی حکومتوں کو منتقل کیا جائے۔" اور یہ کہ "پاکستان کو کسی صورت میں بھی کوئی حل تصور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ ایک قابل غور متبادل یہ ہوسکتا ہے کہ صوبوں کو خود مختار بنا دیا جائے۔"[48] چنانچہ جب مسلم لیگ نے 31رجنوری کو آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ جاری رکھنے کا اپنا فیصلہ برقرار رکھنے کا اعلان کیا اور اس پر کانگرس کی طرف سے شدید اور دھمکی آمیز ردعمل کا اظہار ہوگیا اور ادھر پنجاب کا پیمانہ بھی فرقہ وارانہ کشیدگی سے لبریز ہو گیا تو ارباب لندن نے "سلیقے" یا "بدسلیقگی" ہر دو صورتوں سے انتقال اقتدار کے بارے میں حتمی اعلان کرنے کا بدسلیقگی کا فیصلہ کر لیا اور اس کو جلد از جلد حتمی شکل دینے میں مصروف ہو گئے۔

برطانوی کابینہ نجی طور پر تسلیم کرتی تھی کہ کانگرس نے مشن منصوبہ منظور نہیں کیا

برطانوی حکومت، پاکستان کو بطور حل اب بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی اور ایک ایسا اعلان وضع کرنا چاہتی تھی کہ کانگرس اور مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی کے دائرے میں رہتے ہوئے مفاہمت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں 5رفروری کو ایٹلی کی زیر صدارت کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ کانگرس کی جانب سے 6رجنوری کی قرارداد میں اعلان 6ردسمبر کو قبول کر لینے کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ تاہم "عملی سیاست" کے پیش نظر یہ نامناسب سمجھا گیا کہ آئین ساز اسمبلی کی کاروائی کو باطل قرار دے دیا جائے جیسا کہ

مسلم لیگ نے مطالبہ کیا تھا کہ اس صورت میں یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ کانگرس کے ارکان کابینہ وائسرائے کے ساتھ تعاون چھوڑ دیں گے اور ممکن ہے کہ اپنی متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کریں۔ ہندوستان میں خانہ جنگی کے خطرات کا بھی جائزہ لیا گیا۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ ممکن ہے جناح اس کا سبب بنے۔ پنجاب کی کشیدگی کے حوالے سے کہا گیا کہ مسلم لیگ نے اپنی کل ہند پالیسی سے ہٹ کر پنجاب حکومت پر قبضہ کرنے کی خاطر یہ ایجی ٹیشن شروع کیا ہے اور یہ کہ مسلم لیگ نے سول نافرمانی کا وہی انداز اختیار کیا ہے جس کا اب تک کانگرس خوب استعمال کرتی آئی ہے۔ مزید یہ کہ مسلم لیگ کی جانب سے گڑبڑ کی سنگینی کا دارومدار اس بات پر ہوگا کہ اس کے نتیجے میں ہندوستانی فوج میں کس حد تک انتشار پیدا ہوتا ہے۔''[49] گویا اب لندن کے ارباب اختیار اپنے اندرونی اجلاسوں میں یہ تسلیم کرنے لگے تھے کہ کانگرس نے وزارتی مشن منصوبہ کو اس طور پر تسلیم نہیں کیا ہے کہ جو اس منصوبہ کی اصل روح ہے۔ لیکن ''عملی سیاست'' کے نقطۂ نظر سے وہ اس آئین ساز اسمبلی کا کچھ نہیں کر سکتے تھے جو مشن منصوبہ کی روح کے منافی آئین سازی کا عمل جاری رکھے ہوئے تھی۔ انہیں اب مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کہ جس کا مظاہرہ پنجاب سے شروع ہو گیا تھا، خانہ جنگی اور فوج میں انتشار پر منتج ہوتی نظر آنے لگی تھی کہ فوج کا معتدبہ حصہ پنجاب سے تعلق رکھتا تھا اور پنجاب کی فرقہ وارانہ کشیدگی کا فوج میں مظہر ہونا ناگزیر تھا۔

اب برطانوی حکومت کو اپنی اس غلطی کا بھی احساس ہوا تھا کہ اس نے جون 46ء کے اواخر میں کانگرس کی جانب سے وزارتی مشن کے اعلان 16 رمئی کو گول مول انداز میں منظور کر لینے کو ''منظوری'' قرار دے دیا تھا۔ وزیر ہند کے ایک معاون ایف۔ ایف۔ ٹرنبل نے 6 رفروری کو اپنے ایک نوٹ میں واضح کیا کہ کانگرس کی طرف سے مشن منصوبے پر بہت سے اعتراضات وارد ہوئے ہیں جن کی موجودگی میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کانگرس نے اسے منظور کیا ہوا ہے اور مسلم لیگ نے رد کر رکھا ہے۔''[50]

6 رجنوری کو پیتھک لارنس نے انڈیا و برما کمیٹی کے نام ایک یادداشت میں ضابطے کے ان قوانین کا تفصیل سے تجزیہ پیش کیا جو اس دوران آئین ساز اسمبلی میں کانگرس نے اپنی من مانی آئین سازی کے عمل کو جاری رکھتے ہوئے وضع کئے تھے۔ اس تجزیے کا لب لباب یہ

تھا کہ ضابطے کے ان قوانین کے ذریعے وزارتی مشن کی مجوزہ گروپنگ سکیم کی پوری طرح نفی ہو جاتی ہے اوران میں اس سکیم کو بری طرح ناکام بنانے کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔''[51]

7/فروری کو ایٹلی کی زیر صدارت کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ''تمام وزراء اس بارے میں متفق تھے کہ مسلم لیگ نے آئین ساز اسمبلی میں شمولیت سے انکار کر کے غلطی کی ہے اور یہ کہ دوسری طرف کانگرس کے بارے میں معقول طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ وزارتی مشن منصوبہ کے عین مطابق عمل کر رہی ہے۔ ان کی 6/جنوری کی قرارداد میں حکومت برطانیہ کے نقطۂ نظر کو غیر مبہم انداز میں قبول نہیں کیا گیا ہے اور یہ کہ آئین ساز اسمبلی نے ضابطے کے جو قوانین مرتب کئے ہیں وہ ان کی جانب سے مشن منصوبہ کی اہم شقوں میں اپنے مفاد کے مطابق ترمیم کرنے کی ایک کوشش ہے۔''[52]

اور پھر 8/فروری کو پیتھک لارنس نے ویول کے نام اپنے مراسلے میں لکھا کہ ''اگرچہ کانگرس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے وزارتی مشن منصوبہ کو مسلم لیگ کی نسبت زیادہ قبولیت دی ہے لیکن ہماری رائے میں یقیناً اس لمحے ہم سرعام یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کانگرس مشن منصوبے کو غیر مبہم انداز سے منظور کر چکی ہے۔''[53]

درحقیقت کانگرس نے مشن منصوبے کو غیر مبہم انداز میں کبھی بھی منظور نہیں کیا تھا۔ اس نے اس کی ایسی تعبیریں اور تشریحیں کی تھیں کہ گروپنگ سکیم عمل میں آ ہی نہیں سکتی تھی جب کہ منصوبہ واضح طور پر گروپنگ کو عمل میں لانے کی نشاندہی کر چکا تھا اور اسی بناء پر مسلم لیگ نے اسے غیر مبہم طور پر منظور کرنے میں پہل سے کام لیا تھا۔ لیکن حکومت برطانیہ نے اپنی سامراجی مصلحتوں کی خاطر کانگرس کی تعبیروں اور تشریحوں کی بنیاد پر کانگرس کے مشن منصوبہ کو منظور کر لینے کو ''منظوری'' قرار دیا اور مسلم لیگ کو مشن منصوبہ اور ایگزیکٹو کونسل کا فارمولا دونوں غیر مبہم طور پر منظور کر لینے کے باوجود عبوری حکومت وضع کرنے سے محروم رکھا تو مسلم لیگ نے اسے صریحاً فریب دہی اور چالبازی قرار دے کر مشن منصوبہ رد کر دیا تھا۔ ملک کے طول وعرض میں خونریز فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ حکومت برطانیہ نے مسلم لیگ کی اشک شوئی کے لئے اعلان 6/دسمبر جاری کیا لیکن کانگرس نے اسے بھی اپنی تشریح کی روشنی میں منظور کیا کہ جس کا مقصد گروپنگ کو ناکام بنانا تھا۔ مسلم لیگ ایک ایسی آئین ساز اسمبلی میں شریک ہونے

پر تیار نہ ہوئی جس میں گروپنگ کو بالائے طاق رکھ کر ہندو اکثریت اپنی مرضی کے مضبوط مرکز پر مبنی متحدہ ہندوستان کا آئین وضع کرنا چاہتی تھی۔ کانگرس نے مسلم لیگی ارکان کو حکومت سے برطرف کر دینے کا مطالبہ شدید کر دیا اور بصورت دیگر خود مستعفی ہو جانے کی دھمکی دی۔ دونوں پارٹیوں کا تضاد جو دراصل دو فرقوں کا تضاد تھا اب لاینحل مقام پر پہنچ چکا تھا اور آئین ساز اسمبلی کے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے حل نہیں ہو سکتا تھا جس کے لئے حکومت برطانیہ اپنی آخری کوششیں کر رہی تھی۔

برطانیہ کی ہندوستان سے دستبرداری کی حتمی تاریخ کا اعلان ہندوستان کی وحدت کو بچا سکتا تھا؟

13 رفروری کو ایٹلی کی زیرصدارت برطانوی کابینہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان سے دستبرداری کی حتمی تاریخ کے طور پر جون 48ء کا اعلان کر دیا جائے تا کہ دونوں پارٹیاں باہم کوئی تصفیہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس خدشہ کا بھی اظہار کیا گیا کہ ممکن ہے جون 48ء تک بھی کوئی ایک مرکزی حکومت وجود میں نہ آسکے کہ جسے اقتدار منتقل کیا جائے۔ اگر تاریخ میں توسیع کرنا پڑی تو اس کی ذمہ داری ہندوستانیوں پر عائد ہوگی جو انتقال اقتدار کے لئے تیار نہیں ہوئے ہوں گے۔''[54] اس فیصلے کی بنیاد پر پالیسی بیان کی تیاری شروع ہوگئی اس روز ایٹلی نے دولت مشترکہ میں شامل ممالک کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کے سربراہوں کے نام ہندوستان کے بارے میں وضع کردہ متذکرہ پالیسی سے آگاہ کرنے کے لئے ایک مفصل خط لکھا۔ انتقال اقتدار کی پالیسی کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ اس کے ذریعے سے ''ہندوستان کی وحدت جو ہمارے راج کا ایک عظیم کارنامہ ہے، محفوظ ہو جائے گی۔'' اس نے وزارتی مشن منصوبہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''اگر خلوص دل اور تعاون کے جذبے سے کام کیا جائے تو اس منصوبے کی مدد سے ہندوستانیوں کا اپنے لئے ایک ایسا آئین وضع کرنا ممکن ہوگا کہ جس سے ہندوستان کی وحدت بھی محفوظ رہے اور مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے جائز اور حقیقی خدشات بھی دور ہو جائیں۔'' اس نے وزارتی مشن کی ہندوستان سے واپسی کے بعد کے واقعات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ''کانگرس نے وزارتی مشن منصوبہ میں سیکشنوں

کے ضابطے کے متعلق شقوں کی ایسی تعبیر کی جو مشن کی منشا کے خلاف تھی جب کہ یہ منشا واضح طور پر بیان بھی کر دی گئی تھی۔ کانگرس کی تعبیر نے واقعتاً تصفیے کے اس اہم عنصر کو مٹا دیا ہے جو اس منصوبے کی تمام تر بنیاد تھا۔ اس کے ردعمل میں مسلم لیگ نے مشن منصوبے کی اپنی منظوری کو واپس لے لیا اور مکمل پاکستان کے اپنے مطالبے کی طرف لوٹ گئی اور ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکیاں دینے لگی۔" حقیقت حال کے اس اعتراف کے بعد ایٹلی نے گزشتہ چھ ماہ کے تعطل اور فرقہ وارانہ فسادات کی تفصیل بیان کی اور لکھا کہ "اگر پارٹیوں کے مابین کوئی واضح اور اٹل قسم کا رخنہ پڑ گیا تو پھر سے وسیع پیمانے پر تشدد بھڑک اٹھے گا جو ایک غیر منظم اور خودرو خانہ جنگی کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اس موقع پر ہندوستانی فوج بھی حصوں میں بٹ کر طرفین کے ساتھ شامل ہو سکتی ہے۔" اس گڑبڑ کے بارے میں اس نے مزید لکھا کہ "آگے چل کر یہ ایک انقلابی انتہا پسندی کا روپ بھی دھار سکتی ہے اور جس کی صورت کمیونسٹ بھی ہو سکتی ہے۔" چنانچہ یہ توقع ظاہر کی گئی کہ جون 48ء تک دستبرداری کا قطعی اعلان کرنے سے دونوں پارٹیوں کے مابین تصفیے کے امکانات بڑھ جائیں گے اور یہ کہ انگریز "موجودہ مرکزی حکومت کے فرائض ایک واحد حکومت کو جسے دونوں بڑی پارٹیوں کی حمایت حاصل ہو سونپ کر جا سکیں گے۔" لیکن اس کے ساتھ اس میں یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ اگر دستبرداری کی تاریخ تک دونوں پارٹیوں میں کوئی تصفیہ نہ ہوا تو "مختلف علاقوں میں وضع کردہ نمائندہ اداروں" کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔ اس نے اعتراف کیا کہ "ہم اس بات کا خطرہ مول لے رہے ہیں کہ کوئی تصفیہ نہیں ہو سکے گا اور جوں جوں دستبرداری کی تاریخ نزدیک آئے گی فرقہ وارانہ صورتحال سنگین طور پر خراب ہوتی جائے گی جس کے ساتھ ہندوستانی فوج بھی پھوٹ کا شکار ہو جائے گی لیکن اگر ہم کوئی اعلان نہ کریں تب بھی ان حالات کے پیدا ہو جانے کا پورا امکان موجود ہے۔ کیونکہ دونوں فریق توقع کریں گے کہ ہم ان کی دوسرے کے خلاف مدد کریں گے۔" ان خطرات کے پیش نظر اس نے واضح طور پر اشارہ دیا کہ "اگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوا تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری یہاں سے روانگی سے پیشتر آخری تدبیر کے طور پر ہندوستان کی تقسیم کو ہمارے تجویز کردہ دستبرداری کے منصوبے پر ترجیح دی جائے گی۔" اس نے لکھا کہ اگرچہ وزارتی مشن کے اعلان 16/مئی کے ابتدائی پیراگرافوں میں کسی بھی قسم کے پاکستان کی تشکیل کے رد میں معقول دلائل دیئے جا چکے ہیں کہ

مسلم لیگ کے مطلوبہ علاقہ میں خاصی بڑی تعداد میں غیر مسلم اقلیتیں آباد ہیں جب کہ مسلم اکثریت پر مشتمل کم تر علاقہ ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے معاشی طور پر نا قابل عمل ہوگا۔ تقسیم فوری طور پر ہمارا کانگرس کے ساتھ ٹکراؤ پیدا کرے گی اور ہندوستان کے ایک بڑے حصے کے ساتھ ہمارے تعلقات میں مستقل تلخی کا سامان پیدا ہو جائے گا۔ لیکن آخری مرحلے میں اگر یہ ناگزیر ہو گئی تو پالیسی بیان میں اس کے امکان کو بالکل خارج نہیں کیا گیا ہے"[55]

دولت مشترکہ کے ممالک کے سربراہوں کے نام ایٹلی کا یہ مفصل خط برطانوی حکومت کی اس سوچ کا آئینہ دار ہے جو وسط فروری 47ء تک برطانوی حکمران برصغیر کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے بارے میں اختیار کر چکے تھے۔ اس خط سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی پہلی ترجیح متحدہ ہندوستان تھا لیکن خانہ جنگی کی قیمت پر نہیں کہ اس سے "انقلابی انتہا پسندی" جو "کمیونسٹ" بھی ہو سکتی تھی کے پیدا ہو جانے کا خدشہ تھا۔ انگریز حکمران یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ "خانہ جنگی" "انتشار" اور "کمیونسٹ انقلابی انتہا پسندی" کا امکان ہندوستان کے متحد یا منقسم رہنے میں سے کس حالت میں زیادہ ہے اور یہی وہ حوالہ تھا کہ جس کو برطانوی حکومت کے برصغیر کی پالیسی وضع کرنے میں فیصلہ کن حیثیت حاصل تھی۔ اتحاد کے بجائے تقسیم میں متذکرہ خدشات کے کم امکانات کی صورت میں وہ تقسیم کی راہ اختیار کرنے پر آمادہ نظر آنے لگے تھے۔

16 فروری کو جنوبی افریقہ کی یونین کے وزیراعظم فیلڈ مارشل سمٹس نے ایٹلی کے متذکرہ خط کا جواب دیا۔ اس نے مسلم لیگ اور کانگرس کے مابین عدم مصالحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ "ان دونوں کے مابین بگاڑ کے نتیجے میں بدقسمتی سے کانگرس کو غالب حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور اب برطانوی دستبرداری کے نتیجے میں کانگرسی ہندو کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے مسلمان برطانیہ پر دھوکہ دہی اور غالب ہندوؤں کی طرفداری کا الزام عائد کریں گے۔ ہندوستان اور مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کی حیثیت اور برطانوی مفادات کے حوالے سے یقیناً یہ ایک ناگوار صورتحال ہوگی۔" اس نے رائے دی کہ "چونکہ کانگرس اور لیگ باہمی تعاون کی شرط پوری کرنے میں ناکام رہی ہیں اس لئے تمام تر آئینی صورت حال کا از سر نو جائزہ لینا ہو گا۔" اس نے مزید یہ سوال بھی اٹھایا کہ "آیا آخری تدبیر کے طور پر انگریزوں کے دوستوں کی

حیثیت سے ہندوؤں کے بجائے مسلمانوں کو اپنانا زیادہ دانشمندانہ نہ ہوگا۔ مسلم دوستی کے ہوتے ہوئے ہندوستان کو کیمونسٹ نظریئے اور سوویت غلبہ کا آسانی سے شکار ہونے سے بچانا نسبتاً کم مشکل ہوگا۔ اگر حالات کی رفتار کے ہاتھوں مجبور ہو کر برطانیہ کو کوئی انتخاب کرنا ہی ہے تو پھر سٹرٹیجی اور نظریئے کے پہلوؤں اور سامراجی پہلوؤں کے اعتبار سے مسلمان ایک بہتر انتخاب ہیں۔'' اس نے یہ رائے بھی دی کہ ہندوستان کی تمام تر صورتحال کے بارے میں امریکہ سے مشورہ کرنا اور اسے اعتماد میں لینا بھی ضروری ہے۔''[56]

سمٹس کی یہ تمام آراء 17 رفروری کو ایٹلی کی زیرصدارت برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے اجلاس میں زیرغور آئیں جو ہندوستان کے بارے میں پالیسی بیان کو حتمی شکل دینے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ وزیروں نے سمٹس کی آراء کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ ''ہندوستان کے بارے میں پالیسی صرف اور صرف حکومت برطانیہ کی ذمہ داری ہے، ڈومینینوں کی حکومتوں کو اس میں مشاورت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے''[57] اگرچہ ڈومینینوں کے نقطۂ نظر کو برطانیہ اور بیرونی دنیا میں رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کے حوالے سے اہم گردانا گیا اور ڈومینینوں کے امور کے وزیر نے یہ رائے دی کہ دستبرداری کی کسی قطعی تاریخ کا ذکر کئے بغیر ہندوستان کا پالیسی اعلان جاری کر دیا جائے لیکن وزراء کی اکثریت اسی رائے پر قائم رہی کہ قطعی تاریخ کا لازمی طور پر اعلان کر دیا جائے ورنہ برطانوی حکومت کو ہمیشہ کی طرح اس تنقید کا نشانہ بننا پڑے گا کہ ''وہ برطانوی راج کو طول دینے کی خاطر فرقہ وارانہ اختلافات کو استعمال کر رہی ہے اور ہندوستان کو آزادی دینے کا حقیقی ارادہ نہیں رکھتی۔'' کانگرس کی اس تنقید کو درخور اعتنا قرار دے کر برطانوی حکومت جہاں کانگرس کی خوشنودی حاصل کرنے کا سامان کر رہی تھی وہاں اس کی آڑ اور حفاظت میں برصغیر کے بوجھ سے آزاد بھی ہونا چاہتی تھی۔

اگرچہ سمٹس کے مکتبۂ فکر کے حامل برطانوی سامراجیوں نے بعد ازاں سوویت دشمن عزائم کی تکمیل کے لئے پاکستان کو دوسرے مسلمان ملکوں کے ساتھ مختلف فوجی و غیر فوجی اتحادوں میں کھینچا لیکن فی الوقت برصغیر کو سوویت غلبے سے محفوظ رکھنے کی خاطر برطانوی حکومت کانگرس کو سب سے زیادہ اہمیت دے رہی تھی اور اس کے ساتھ گہرے دوستانہ روابط کی استواری کے ساتھ دستبرداری کا اہتمام کرنا چاہتی تھی۔ دستبرداری کی قطعی تاریخ کا اعلان جہاں

کانگرس کے لئے پروانۂ آزادی تھا وہاں مسلم لیگ کے لئے آئینی تصفیہ کرنے اور آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونے پر آمادہ کرنے کے لئے مہمیز کا حکم رکھتا تھا۔

چنانچہ 19 رفروری کو وزیراعظم ایٹلی نے سمٹس کو اس کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ ''ہندوستان کے بارے میں ہماری پالیسی کی بنیاد 15 رمارچ 1946ء کو پارلیمنٹ میں جاری کردہ میرا بیان ہے جس کے مطابق اکثریت کی سیاسی طور پر آگے بڑھنے کی راہ میں اقلیت کو بطور ویٹو حائل ہونے کا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی بات ہماری پالیسی کو گزشتہ برطانوی حکومتوں سے ممیز کرتی ہے جو کہ اس اصول پر کاربند رہتی تھیں کہ تصفیے کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔ ہماری رائے میں تصفیہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک متحارب پارٹیاں صورتحال کے تقاضوں سے مجبور نہ ہو جائیں''[58] مطلب یہ تھا کہ کانگرس وزارتی مشن منصوبے کو بالائے طاق رکھ کر آئین ساز اسمبلی میں آئین سازی کے جس عمل میں مصروف تھی اسے مسلم لیگ کی عدم مصالحت کی بناء پر روکا نہیں جاسکتا تھا اور اب یہ مسلم لیگ پر تھا کہ وہ ''صورتحال کے تقاضوں'' سے مجبور ہو کر کسی سمجھوتے پر آمادہ ہو جائے اور ایک قطعی تاریخ کہ جس کے بارے میں پتہ ہو کہ اس روز انگریز کانگرس کو ''اکثریت'' کی حیثیت سے اقتدار سونپ کر رخصت ہو جائیں گے، مسلم اقلیت کو صورتحال کے جبر کا احساس کروانے کے لئے کافی تھی۔

دستبرداری کی قطعی تاریخ کو پالیسی بیان میں شامل کرنے یا نہ کرنے کے مسئلے پر آخر وقت میں ہندوستان کی انگریز انتظامیہ اور برطانوی حکومت کے مابین بھی شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ مسلم اکثریت کے دونوں بڑے صوبوں یعنی بنگال اور پنجاب کے گورنروں نے اس کی مخالفت کی۔ 14 رفروری کو گورنر بنگال ایف۔ بروز نے ویول کے نام اپنے نوٹ میں لکھا کہ ان حالات میں جب کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی سے باہر ہے اور اسے عبوری حکومت سے بھی نکالنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں، دستبرداری کی قطعی تاریخ کا اعلان اس صوبے میں بڑے پیمانے پر فرقہ وارانہ گڑبڑ اور انگریز دشمن ہنگاموں کا امکان پیدا کر دے گا۔ یورپیوں کا بنگال سے پرامن انخلاء ممکن نہیں رہے گا۔ اس نے لکھا کہ پورا صوبہ ہر سطح پر فرقہ وارانہ بنیادوں پر بٹ جائے گا، مشرقی اور شمالی بنگال میں مسلمانوں کی جانب سے اور جنوب مغربی بنگال میں ہندوؤں کی جانب سے پرتشدد ہنگاموں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور کمیونسٹ بھی اس افراتفری

سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ مشرقی بنگال میں ہنگاموں کی صورت میں اس نے گاندھی کے مارڈالے جانے کے خطرے سے بھی آگاہ کیا جو ابھی تک وہاں عدم تشدد کا پیغمبر بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے لکھا کہ امن عامہ کی صورت حال قابو سے باہر ہوجائے گی اور فوج اور پولیس فرقہ وارانہ بنیادوں پر بٹ جائیں گی۔ انگریز فوجی سوائے چند اہم مقامات کے باقی کسی جگہ تحفظ فراہم نہ کر سکیں گے۔''[59]

16 رفروری کو گورنر پنجاب ایوان جینکنز نے ویول کے نام نوٹ میں لکھا کہ'' پنجاب میں تین گروہ مسلم لیگ، سکھ اور کانگرس ہیں۔ کانگرس اور سکھ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ دستبرداری کی قطعی تاریخ کے اعلان سے متحارب فریقین میدان کارزار میں نکل آئیں گے اور ان کے مابین حقیقی جنگ شروع ہوجائے گی۔ ان میں سے کوئی بھی فریق پنجاب کو اپنی موجودہ حدود میں رکھ کر اس پر تنہا حکمرانی نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ وہ اسے فتح کرے۔ گڑبڑ کی صورت میں اس نے پنجابی فوج اور پولیس کے فرقوں میں بٹ جانے کے امکان کا ذکر کیا اور امن عامہ برقرار رکھنے کے معاملے میں ان دونوں اداروں کے کردار کو غیر یقینی قرار دیا۔''[60]

مسلم اکثریت کے دونوں بڑے صوبوں کے گورنروں کی آراء سے ویول نے 17 رفروری کو پیتھک لارنس کو آگاہ کیا اور ان سے اتفاق کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ'' پالیسی اعلان میں دستبرداری کی قطعی تاریخ کو شامل نہ کیا جائے۔ نیا وائسرائے باگ ڈور سنبھال کر حالات کا جائزہ لے اور پھر اس قسم کی کسی تاریخ کا اعلان کیا جائے۔ ہندوستان کی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل کلاڈ آکن لیک کی بھی یہ رائے تھی کہ مسلح افواج کے استحکام کو خطرہ لاحق ہوجائے گا اور ان کا ڈسپلن ٹوٹ جائے گا اور فوج میں فرقہ وارانہ گڑبڑ پھیل جائے گی۔''[61] لیکن 17 رفروری کو نئے نامزد وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے ایٹلی کو لکھا کہ'' میں نے 20 ردسمبر کو اپنی پہلی ملاقات ہی میں آپ پر واضح کر دیا تھا کہ ہندوستان میں مزید سنگین فرقہ وارانہ گڑبڑ کا خطرہ مول لئے بغیر سیلف گورنمنٹ قائم نہیں کی جاسکتی'' اس لئے اس نے سختی کے ساتھ ویول، بروز'' جینکنز اور آکن لیک کی آراء کو مسترد کر دیا اور لکھا کہ نئے وائسرائے کی تقرری کے اعلان کو دستبرداری کی قطعی تاریخ کے اعلان کے ساتھ باہم یکجا و مربوط کیا جائے۔ ایسا نہ ہو سکنے کی صورت میں اس نے عندیہ دیا کہ پھر اسے نئے وائسرائے کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔''[62]

چنانچہ 17 رفروری کو کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی جب دستبرداری کی قطعی تاریخ کے معاملے پر ہندوستان کے انتظامی سربراہوں کے اعتراضات کا جائزہ لینے کے لئے جمع ہوئی تو ایٹلی نے کمیٹی کے ارکان کو ماؤنٹ بیٹن کے خیالات سے بھی آگاہ کر دیا۔ اس اعلان میں تاخیر کے خلاف یہ رائے بھی دی گئی کہ کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ اس قسم کے اعلان کا وعدہ کیا جا چکا ہے بصورت دیگر ہمیں مسلم لیگ کی عبوری حکومت میں مسلسل شمولیت پر اعتراض کا کوئی جواب دینا ہوگا۔ 18 رفروری کو پوری برطانوی کابینہ نے اس معاملے پر غور کیا۔ کافی لے دے کے بعد وزیراعظم کی سفارش پر فیصلہ کیا گیا کہ ''سابقہ پروگرام کے مطابق قطعی تاریخ کا اعلان 20 رفروری کو کر دیا جائے'' اے۔ وی الیگزینڈر نے کہا کہ یہ ایک سنگین فیصلہ ہے تاہم وزیر ہند کو چاہیے کہ وہ ان حالات کا فوری طور پر جائزہ لینا شروع کر دے کہ جن میں ہم ایک مرکزی حکومت کے بجائے زیادہ حکومتوں کو اقتدار منتقل کرنے کی صورت حال سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

19 رفروری کو پیتھک لارنس نے ویول کو بذریعہ مراسلہ کابینہ کے فیصلے سے مطلع کر دیا اور اسے بتایا کہ اگر اس کی آراء کے مطابق پالیسی وضع کی جاتی تو ''اس کا کوئی سودمند نتیجہ نہ نکلتا البتہ کانگرس عبوری حکومت سے مستعفی ہو جاتی''[63] گویا ہندوستان کی انگریز انتظامیہ کا نقطہ نظر پٹ گیا جو کہ دنیا کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق برطانوی سامراج کے مفادات کے تحفظ کی نئی حکمت عملی کو اس طور سے سمجھ نہیں پا رہی تھی جس طور سے لیبر حکومت اور اس کے ہم خیال ماؤنٹ بیٹن جیسے سربرآوردہ افراد سمجھ رہے تھے۔ اس وقت کانگرس سے بگاڑ کے بجائے اس سے دوستی اور تعاون کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کو پورا کرنے کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔

برطانوی حکومت نے ہندوستان سے دستبرداری کی قطعی تاریخ کا اعلان کر دیا

20 رفروری 1947ء کو برطانوی حکومت نے ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں اپنا تاریخی پالیسی اعلان جاری کر دیا۔ اس میں کہا گیا کہ ''حکومت برطانیہ کی خواہش ہے کہ وہ اقتدار ان اداروں کے سپرد کر کے یہاں سے رخصت ہو جو وزارتی مشن منصوبہ کے مطابق ہندوستان کی تمام پارٹیوں کے متفقہ طور پر وضع کردہ آئین کی بنیاد پر تشکیل پائیں گے۔ لیکن بدقسمتی سے اس وقت اس کا کوئی واضح امکان نہیں ہے کہ ایسا آئین یا ایسے ادارے وجود میں

آ جائیں گے۔ موجودہ غیر یقینی کی صورتحال خطرات سے پر ہے اور اسے زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھا جاسکتا۔ حکومت برطانیہ یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ وہ جون 1948ء تک زمام اقتدار ذمہ دار ہندوستانی ہاتھوں کو سپرد کرنے کے لئے ضروری اقدامات اٹھانے کا قطعی ارادہ رکھتی ہے۔'' اور یہ کہ ''اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ تمام پارٹیاں اپنے اختلافات بھلا دیں تا کہ وہ ان عظیم ذمہ داریوں کو اٹھانے کے قابل ہو جائیں جو اگلے سال ان کے کندھوں پر پڑنے والی ہیں'' یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ حکومت برطانیہ اپنی پارلیمینٹ کو ایک ایسے آئین کی منظوری کی سفارش کرنے کی پابند ہے جو وزارتی مشن منصوبہ کے مطابق مکمل طور پر نمائندہ آئین ساز اسمبلی نے تشکیل دیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ کہہ دیا گیا کہ ''اگر مکمل طور پر نمائندہ آئین ساز اسمبلی متعینہ مدت تک ایسا آئین وضع نہ کر سکی تو حکومت برطانیہ کو سوچنا پڑے گا کہ مقررہ تاریخ کو برطانوی ہند کی مرکزی حکومت کا اقتدار کس کو سونپا جائے، آیا کہ پورے طور پر برطانوی ہند کی کسی قسم کی مرکزی حکومت کو سونپ دیا جائے یا بعض علاقوں میں موجودہ صوبائی حکومتوں کو سونپ دیا جائے یا کسی اور ایسے طریقے سے سونپا جائے کہ جو سب سے معقول نظر آتا ہو اور ہندوستان کے عوام کے بہترین مفاد میں ہو۔''[64] وزیر اعظم ایٹلی نے یہ بھی اعلان کیا کہ اس عبوری دور کے لئے ویول کی جگہ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا ہے اور نیا وائسرائے مارچ کے آخر تک دہلی پہنچ جائے گا۔

کانگرس کے ترجمان اخبار ہندوستان ٹائمز نے 21 رفروری کو اپنے اداریے میں حکومت برطانیہ کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''مسلم لیگ اور مسٹر جناح کو اب صحیح معنوں میں حقیقت سے واسطہ پڑا ہے'' اور اسی روز مسلم لیگ کے ترجمان اخبار ڈان نے لکھا کہ ''بالآخر ایٹلی اور ان کے رفقائے کار کو اس امر کا احساس ہو گیا ہے جس کے بارے میں مسلم لیگ نے بارہا مطالبہ کیا تھا کہ متحدہ ہندوستان کا متفقہ آئین وضع کرنا ایک مہمل خواب ہے۔'' اور گاندھی نے حکومت برطانیہ کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے 24 رفروری کو نہرو کو خط میں لکھا کہ ''اس سے ان صوبوں یا علاقوں میں پاکستان عمل میں آجائے گا جو اس کے قیام کے خواہاں ہیں۔ کسی پر کسی بھی انداز سے جبر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔ کانگرسی صوبوں نے اگر دانشمندی سے کام لیا تو جو چاہیں گے حاصل کر لیں گے۔''[65] گویا اب جب کہ انگریزوں نے کوچ کا نقارہ بجا دیا تھا، برصغیر کی متحارب طاقتیں اپنے مقاصد کی لڑائی کے فیصلہ کن مرحلے میں زیادہ سے زیادہ کے

حصول کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔

اس موقع پر عالمی سامراج کو یہ فکر تھی کہ کہیں یہ لڑائی اس مرحلے میں قابو سے باہر نہ چلی جائے۔ چنانچہ 21 رفروری کو نیویارک ٹائمز نے ''ہندوستان کو الٹی میٹم'' کے زیر عنوان ایک اداریہ لکھا جس میں برطانوی وزیر اعظم ایٹلی کے ہندوستان سے دستبرداری کے بارے میں اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی گئی کہ حکومت برطانیہ کا یہ فیصلہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ امریکہ نے فلپائن کو آزادی دینے کے بارے میں کیا تھا۔ ایٹلی کا یہ اعلان ہندوستان کی مکمل آزادی کی طرف فیصلہ کن قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوستانی لیڈروں کو یہ الٹی میٹم بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنے باہمی تنازعات ختم کر کے ایک ذمہ دار حکومت قائم کریں۔ بدقسمتی سے اس امر کا امکان کم ہی نظر آتا ہے۔ اگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستانی پارٹیوں میں مفاہمت کرانے میں ناکام رہا تو ہندوستان اور برطانیہ دونوں ہی کو نہایت نازک صورت حال درپیش ہو جائے گی۔''[66]

21 رفروری کو نہرو اور ویول کے مابین ملاقات میں متذکرہ پالیسی بیان زیر بحث آیا۔ نہرو نے ''تصفیہ نہ ہونے کی صورت میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے امکان کا ذکر کیا'' جواب میں ویول نے ''ہندوستانی فوج کی سالمیت کو برقرار رکھنے کی ضرورت پر زور دیا جو کہ کانگرس اور لیگ کے مابین واضح رخنہ پڑنے کی صورت میں متاثر ہو سکتی تھی۔''[67] اس کے بعد اسی روز ویول نے لیاقت کے ساتھ متذکرہ پالیسی بیان کے سلسلے میں ملاقات کی اور لیاقت کو سمجھایا کہ ''ہندوؤں اور مسلمانوں کو بعض شرائط پر ہندوستان میں اکٹھے رہنا ہوگا۔ برطانوی حمایت یا مداخلت کے بغیر اب خود ان پر یہ فیصلہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ آیا وہ سیلف گورنمنٹ کے اہل ہیں یا نہیں۔''[68]

چنانچہ اب بھی اینگلو امریکی سامراج کی خواہش یہی تھی کہ کسی طور پر برصغیر کی وحدت قائم رہ جائے اگر کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم فوج کی سالمیت ضرور برقرار رہ جائے۔ اگرچہ اب اس خواہش کی تکمیل کے امکانات معدوم ہوتے جا رہے تھے اور برعکس صورتحال کے بارے میں برطانوی حکومت نے غور کرنا شروع کر دیا تھا اور 20 رفروری کے اعلان میں اس کے لئے گنجائش رکھ دی گئی تھی۔

ابوالکلام آزاد کو وائسرائے ویول کی برطرفی پر بہت افسوس ہوا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ برطرفی دراصل گاندھی، پٹیل، برلا اور نہرو کے اصرار پر عمل میں آئی تھی۔ اسے صرف یہ معلوم تھا کہ ''لارڈ ویول حکومت برطانیہ کی اس تجویز کے خلاف تھا کہ ہندوستان سے دستبرداری کی تاریخ مقرر کر کے نتائج کی ذمہ داری ہندوستان پر ڈال دی جائے۔ ویول کا مؤقف یہ تھا کہ اگر فرقہ وارانہ اختلافات نے تشدد کی صورت اختیار کر لی تو تاریخ برطانیہ کو معاف نہیں کرے گی۔ برطانیہ نے ہندوستان پر ایک سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی تھی۔ اگر اب ان کی یہاں سے دستبرداری کے نتیجے میں بے چینی، تشدد اور بدامنی پھیل گئی تو اس کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہوگی'' وہ آگے چل کر لکھتا ہے ''اگر لارڈ ویول کے مشورے پر عمل ہوتا اور ہندوستان کے مسئلہ کو دو ایک سال کے لئے معرض التوا میں ڈال دیا جاتا تو اس امر کا امکان تھا کہ مسلم لیگ اپنی مخالفت سے خود ہی تھک جاتی۔ اگر مسلم لیگ زیادہ مثبت رویہ اختیار نہ بھی کرتی تو اغلب تھا کہ ہندوستان کے مسلم عوام الناس مسلم لیگ کے منفی رویے کو مسترد کر دیتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ہندوستان کی تقسیم کا المیہ درپیش نہ ہوتا۔ کوئی بات یقین سے تو نہیں کہی جا سکتی لیکن کسی قوم کی تاریخ میں دو ایک سال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ شاید تاریخ یہ فیصلہ کرے گی کہ دانشمندانہ پالیسی کا تقاضا یہ تھا کہ لارڈ ویول کے مشورے پر عمل کیا جاتا۔''[69]

ابوالکلام آزاد کی اس رائے کی بنیاد اس کے آئیڈیلزم پر تھی۔ اسے اس تلخ حقیقت کا احساس و شعور نہیں تھا کہ ہندوؤں کے بورژوا طبقہ کے عزائم اور مسلم عوام کی تمناؤں کے درمیان ایک ایسا معاندانہ تضاد پیدا ہو چکا تھا جسے ویول کی مجوزہ تدابیر سے پرامن طور پر حل نہیں کیا جا سکتا تھا اور برطانیہ کی مجبوری یہ تھی کہ وہ دونوں پارٹیوں کے درمیان مفاہمت ہونے تک غیر معینہ عرصے کے لئے ہندوستان میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

برطانوی سامراج نے اتنی عجلت میں ہندوستان سے کوچ کا نقارہ کیوں بجایا؟

برطانوی حکومت کا یہ تاریخی اعلان اس حقیقت کا مظہر تھا کہ برطانیہ میں برصغیر پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کی بالکل سکت نہیں رہی تھی۔ ملک کی صورتحال روز بروز قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ ہندوؤں اور

مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کسانوں اور مزدوروں کی پر تشدد طبقاتی جدوجہد روز بروز زور پکڑ رہی تھی۔ دوسری طرف بین الاقوامی حالات بھی برطانوی سامراج کے غیر موافق تھے۔ پورے یورپ پر سرخ انقلاب کے بادل منڈلا رہے تھے اور ایشیا میں چین کا انقلاب کامیابی کے آخری مرحلے میں داخل ہو گیا تھا۔

جب چرچل اور کنزرویٹو پارٹی کے بعض دوسرے ارکان نے لیبر حکومت کے ہندوستان سے دستبرداری کے عاجلانہ پروگرام پر سخت نکتہ چینی کی تو وزیر تجارت سرسٹیفورڈ کرپس نے برطانیہ کی ہندوستان سے بعجلت دستبرداری کی وجوہ پر روشنی ڈالی۔ کرپس نے کہا کہ "ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں۔ پہلا راستہ یہ ہے کہ برطانیہ کی سول سروسز میں خاصی توسیع کی جائے، برطانوی افواج میں خاصا اضافہ کیا جائے اور پھر ان کے ذریعے ہندوستان پر اس وقت تک کنٹرول قائم رکھا جائے جب تک دونوں ہندوستانی فرقوں میں کوئی تصفیہ نہیں ہوتا۔ اس پالیسی پر عمل کرنے کے لئے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ ہم ہندوستان میں مزید پندرہ بیس سال تک رہیں گے کیونکہ اس سے تھوڑے عرصے کے لئے سروسز کو مستحکم بنیادوں پر از سرنو منظم نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان میں قیام کی مطلوبہ مدت کا تعین کرنے کے لئے اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہندوستانی سروسز اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے ہماری طرف رجوع کریں گی اور ان ہندوستانی لیڈروں کی طرف نہیں دیکھیں گی جو یقیناً ہمارے قیام کو طوالت دینے کے مخالف ہوں گے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم تسلیم کر لیں کہ پہلے راستے پر چلنا ممکن نہیں اور پھر ہندوستانیوں کو باہمی مفاہمت کی ترغیب دینے کی مزید کوشش کریں اور ساتھ ہی انہیں متنبہ کر دیں کہ ہم ایک معینہ مدت تک ہی ان کی مفاہمت کے انتظار میں اپنی ذمہ داری نبھا سکتے ہیں۔ ہم ہندوستان میں اپنی ذمہ داری کا بوجھ غیر معینہ عرصے تک نہیں اٹھا سکتے۔ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے اور یہ بات قومی اور بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے بھی سیاسی طور پر قابل عمل نہیں ہو گی۔ ہندوستان کی ساری پارٹیاں اس کی سخت مخالفت کریں گی۔ اگر ہم اس عرصے میں ہندوستانیوں کی مخالفت سے نبٹنے کے لئے زائد فوج بھیجنے پر آمادہ ہو بھی جائیں تو اس فوج کے لئے سپاہی کہاں سے آئیں گے۔ ہمارے پاس افرادی قوت کی کمی ہے۔ برطانیہ کے عوام اس مقصد کے لئے برطانوی فوج کو ہندوستان میں متعین رکھنے پر رضامند نہیں ہوں گے۔ چونکہ

ہندوستان کی ساری پارٹیاں ہمارے راج کو طول دینے کی مخالف ہوں گی اس لئے ہمیں نمائندہ حکومت کی عدم موجودگی میں گورنر جنرل اور گورنروں کی وساطت سے حکومت کرنا پڑے گی اور ایسا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم نے پہلا راستہ ترک کر کے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔''[70]

کرپس کی الفاظ کے ساتھ اس ساری ہیرا پھیری کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ برطانوی عوام فوجوں میں بھرتی ہو کر ہندوستان میں مزید سامراجی کردار ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہیں، چونکہ برطانوی سول سروس کے لئے افرادی قوت کی کمی ہے، چونکہ ہندوستان کی سول اور فوجی سروسز پر مزید بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اور چونکہ ساری ہندوستانی پارٹیاں ہمارے سامراجی اقتدار کی مدت میں طوالت کی مخالفت کریں گی اس لئے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہاں سے اپنا بوریا بستر بلا تاخیر گول کر لیں۔ ہم میں وسیع وعریض برصغیر پر سیاسی اقتدار قائم رکھنے کی کوئی سکت نہیں رہی۔ ہم نے وہاں سے دستبرداری کے لئے وقت کا تعین اس امید سے کیا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کو ہماری نیت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے اور وہ مقررہ وقت کے اندر آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیں۔

وزیر ہند پیتھک لارنس نے برطانیہ کی ہندوستان سے دستبرداری کی وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جنگ کے دوران برطانیہ کی سول سروسز میں افرادی قوت کی بہت کمی ہو گئی تھی۔ 1935ء میں ہندوستان کی سپیریئر سول سروسز میں برطانوی افسروں کی کل تعداد 2942 تھی۔ ان میں سے 756 انڈین سول سروس میں تھے اور 495 انڈین پولیس سروس میں۔ لیکن 1947ء میں برطانوی اعلیٰ افسروں کی تعداد کم ہو کر صرف 1600 رہ گئی تھی ان میں سے صرف 500 انڈین سول سروس میں تھے اور 350 انڈین پولیس سروس میں۔ جنگ کے دوران سپیریئر سول سروسز کی بھرتی بند رہی تھی۔ جون 1945ء میں یورپین اور ہندوستانیوں کی نئی بھرتی کے لئے ایک سکیم پر عمل شروع کیا گیا تھا لیکن یہ سکیم تقریباً ایک سال بعد ترک کر دی گئی تھی کیونکہ ہندوستانیوں نے یورپی افسروں کی مزید بھرتی کی سخت مخالفت کی تھی۔ ستمبر 1946ء میں جب ہندوستانی نمائندوں کی عبوری حکومت بنی تو اس نے سب سے پہلا سوال یہ اٹھایا تھا کہ ان سروسز کو فوراً ختم کر دیا جائے کیونکہ ان کی وفاداری مشکوک ہے۔ اسی طرح ہندوستانی افواج میں بھی برطانوی افسروں کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی۔ یکم اپریل 1947ء کو برطانوی فوجی افسروں کی

تعداد 11400 سے کم ہو کر صرف 4000 رہ گئی تھی جب کہ ہندوستانی فوجی افسروں کا تناسب بہت بڑھ گیا تھا اور عبوری حکومت میں محکمہ دفاع پر ہندوستانی رکن کے تقرر کے بعد ہندوستانی فوجی افسروں کی بھرتی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں برطانوی سپاہیوں کی تعداد میں بھی تیزی سے کمی آ رہی تھی کیونکہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق فوج سے فارغ کر کے اپنے وطن جانے کی اجازت دی جا رہی تھی۔ ہندوستان میں مقیم اعلیٰ برطانوی افسروں نے انہی حالات کے پیش نظر لیبر حکومت کو بتایا تھا کہ 1948ء کے بعد ہندوستان پر برطانوی اقتدار قائم رکھنا ممکن نہیں رہے گا۔''[71]

یہ حقیقت تھی کہ عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد ستمبر 1946ء سے ہندوستان کے صوبوں کے گورنروں اور دوسرے اعلیٰ افسروں کی جانب سے انڈیا آفس کے نام ایسے خطوط کی بھر مار ہو گئی تھی جن میں امن عامہ کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر سخت تشویش کا اظہار کیا جاتا تھا اور اس خواہش کا شدت سے اظہار کیا جاتا تھا کہ پانی سر سے اونچا ہونے سے پیشتر برطانوی عملے اور ان کے خاندانوں کو بخیر و عافیت واپس بھیج دیا جائے''[72] 1947ء کے آغاز کے ساتھ یہ معاملہ مزید سنگین نوعیت اختیار کر گیا۔ 20 رجنوری کو گورنر پنجاب ایوان جینکنز، گورنر بمبئی جے۔ کولوول اور گورنر مدراس اے۔ نائی کی جانب سے لکھے گئے خطوط سروسز میں انگریز افسروں میں پائی جانے والی بے یقینی اور بے چینی کی شدید کیفیت کا مظہر تھے۔ وہ سب اس سال کے اندر اندر واپس برطانیہ چلے جانا چاہتے تھے۔ 23 رجنوری کو گورنر بنگال ایف۔ بروز نے سروس کے یورپی افسروں میں پائے جانے والے ''احساس شکست خوردگی'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''سیکورٹی سروسز کے افسروں کی تعداد میں جس تیزی کے ساتھ کمی واقع ہو رہی ہے اس کے پیش نظر آئندہ چند ماہ میں انتظامیہ کی کارکردگی بری طرح متاثر ہو گی۔''[73]

چوہدری محمد علی لکھتا ہے کہ جنگ کے دوران ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان تعلقات میں مالی نقطۂ نگاہ سے بھی بنیادی تبدیلی آ گئی تھی۔ جنگ سے پہلے ہندوستان برطانیہ کا مقروض تھا لیکن جنگ کے بعد برطانیہ ہندوستان کا مقروض ہو گیا۔ ہندوستان نے جنگ کے دوران برطانیہ کی جنگی مہمات میں افرادی اور مادی ذرائع سے جو بے پناہ امداد کی تھی اور اس کی بنا پر برطانیہ ہندوستان کا 1200 ملین پونڈ کا مقروض ہو گیا تھا۔ اس کے پاس یہ قرضہ ادا کرنے کے لئے کوئی

پیسہ نہیں تھا۔ کئی سال کی تجارت کے ذریعے ہی اس کی ادائیگی ہو سکتی تھی۔ برطانوی ارباب اقتدار کا خیال تھا کہ برطانیہ کو محض تجارت کے لئے ہندوستان پر سیاسی کنٹرول قائم رکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات خود ہندوستان کے مفاد میں تھی کہ وہ برطانیہ سے اپنے تجارتی مراسم برقرار رکھے۔ ان دنوں برطانیہ کے محکمہ خزانہ کا ایک مشن سر ولفرڈ ایڈی کی قیادت میں دہلی آیا تھا تاکہ بات چیت کے ذریعے ہندوستان کے قرضے میں کچھ کمی کی جائے۔ برطانیہ کے بعض مبصروں کی رائے یہ تھی کہ ہندوستان کو سیاسی آزادی کے بدلے اس سارے قرضے سے دستبردار ہو جانا چاہیے اور بعض دوسرے مبصرین یہ چاہتے تھے کہ قرضہ کی ایک تہائی یا نصف ادائیگی پر سمجھوتہ ہو جانا چاہیے۔ سر ولفرڈ ایڈی نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ برطانوی عوام کی بھاری اکثریت کی نظر میں اس حقیقت کی کوئی اہمیت نہیں کہ برطانیہ قانونی طور پر یہ سارا قرضہ ادا کرنے کا پابند ہے۔ چوہدری محمد علی مزید لکھتا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات میں مجموعی طور پر بہت بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔ برطانیہ کے پاس ہندوستان میں اپنا اقتدار و وقار بحال کرنے کے لئے افرادی قوت اور مالی ذرائع نہیں تھے وائسرائے ویول نے انہی حالات کے پیش نظر یہ تجویز پیش کی تھی کہ برطانیہ کو ہندوستان سے 31/مارچ 1948ء سے پہلے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ اگرچہ برطانوی حکومت نے ویول کا مرحلہ وار دستبرداری کا منصوبہ منظور نہیں کیا تھا لیکن اس نے وائسرائے کے اس بنیادی مؤقف کو تسلیم کر لیا تھا کہ موجودہ حالات میں برصغیر میں برطانیہ کے اقتدار کو جون 1948ء سے زیادہ عرصے تک قائم نہیں رکھا جا سکتا تھا۔"[74]

ابوالکلام آزاد کے بیان کے مطابق برطانیہ کی دستبرداری کے اس قطعی اعلان کا پس منظر یہ تھا کہ جنگ عظیم کے بعد ہندوستان کی تینوں افواج میں حب الوطنی کا ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان میں اس سلسلے میں اس قدر جوش پایا جاتا تھا کہ جب کبھی کسی کانگرسی لیڈر کو دیکھتے تھے تو اس کو چھپا نہیں سکتے تھے۔ اس زمانے میں میں جب بھی کہیں جاتا تھا تو دفاعی افواج کے ہندوستانی ارکان اپنے یورپی افسروں کے ردعمل سے بے پرواہ ہو کر میرا خیر مقدم کرتے تھے۔ جب میں کراچی گیا تو بحریہ کے افسروں کا ایک گروپ مجھے ملنے کے لئے آیا۔ انہوں نے کانگرس کی پالیسی کی تعریف کی اور یقین دلایا کہ کانگرس انہیں جو کچھ بھی حکم دے گی وہ

اس کی تعمیل کریں گے اور اگر کانگرس اور حکومت کے درمیان کوئی تصادم ہوا تو وہ حکومت کی بجائے کانگرس کا ساتھ دیں گے۔ بمبئی میں بھی بحریہ کے سینکڑوں افسروں نے مجھ سے ملاقات کے دوران ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ حب الوطنی کا یہ جذبہ صرف افسروں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ سپاہی بھی اس سے متاثر تھے۔ جب میں پنجاب کی صوبائی وزارت کی تشکیل کے لئے لاہور پہنچا تھا تو سینکڑوں گورکھا سپاہی محض میرے درشن کے لئے ہوائی اڈے پر جمع ہو گئے تھے۔ ہندوستانی پولیس کے ارکان بھی اس جذبے سے عاری نہیں رہے تھے حالانکہ ماضی میں انہوں نے سیاسی کارکنوں سے کبھی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ وہ ہمیشہ سختی سے پیش آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں کلکتہ کے لال بازار سے گزر رہا تھا کہ میری کار ٹریفک بند ہونے کی وجہ سے رک گئی۔ چند ہی منٹوں میں پولیس کے بہت سے کنسٹیبلوں اور ہیڈ کنسٹیبلوں نے میری کار کو گھیر لیا۔ انہوں نے مجھے سلام کیا اور میرے پاؤں چھوئے۔ انہوں نے کانگرس کے لئے احترام کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ کانگرس کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ مجھے کلکتہ میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی یاد ہے۔ جب میں صوبائی گورنر کی دعوت پر اسے ملنے کے لئے گورنمنٹ ہاؤس گیا تو ڈیوٹی پر موجود سارے سپاہیوں نے میری کار کو گھیر لیا اور جب میں کار سے باہر نکلا تو ہر ایک نے فرداً فرداً میرے پاس آ کر مجھے سلام کیا۔ ان سب نے مجھے یقین دلایا کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کریں گے۔ میں گورنر کی دعوت پر گورنمنٹ ہاؤس میں گیا ہوا تھا اس لئے میرا خیال تھا کہ وہاں کسی قسم کی نعرہ بازی مناسب نہیں ہوگی۔ لیکن سپاہی خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے میرے حق میں نعرے لگائے۔ ان کی اس حرکت سے بالکل واضح ہو گیا تھا کہ ان کی ہمدردیاں کانگرس کے ساتھ ہیں اور وہ ان کا کھلم کھلا اظہار کرنے میں کوئی ڈر محسوس نہیں کرتے تھے۔ اگر حکومت انہیں اس جرم کی سزا دیتی تو وہ اس کے لئے بھی تیار تھے۔ قدرتی طور پر ان سارے واقعات کی خبریں ارباب اختیار کو ملتی تھیں اور وہ خبریں وزیر ہند تک پہنچا دیتے تھے اور اس طرح انگریزوں کو ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ احساس ہو گیا تھا کہ برصغیر کے سارے لوگوں کے سینوں میں جذبۂ آزادی کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ سیاسی آزادی صرف کانگرس ہی کا نصب العین نہیں رہا تھا بلکہ سب لوگ اس کے خواہاں تھے اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ سول اور فوجی سروسز کے سارے عناصر کے دل بھی اسی طرح دھڑکنے لگے تھے۔

آزادی کا یہ عوامی جذبہ اب کسی سے خفیہ نہیں رہا تھا۔ دفاعی افواج کے ارکان کھلم کھلا یہ کہتے تھے کہ انہوں نے جنگ عظیم میں اپنا خون محض اس یقین دہانی پر بہایا تھا کہ ہندوستان کو جنگ کے بعد آزادی ملے گی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اب اس یقین دہانی پر لازمی طور پر عمل ہونا چاہیے۔" ...... "لہٰذا ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ برطانیہ ایسی مساعی کے بغیر اس پر اپنا کنٹرول قائم نہیں رکھ سکتا تھا جن کے لئے برطانیہ کے عوام آمادہ نہیں تھے۔ برطانیہ کے پاس دو ہی راستے تھے اول یہ کہ ہندوستان میں ہر قسم کی بدامنی کو سختی سے کچلا جائے اور دوم یہ کہ اقتدار ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائے۔" ...... "لیبر حکومت اگر چاہتی تو کانگرس اور مسلم لیگ کے تضاد سے فائدہ اٹھا کر مزید دس سال تک حکومت کرتی رہتی لیکن اس طرح ہندوستان میں بدامنی ہوتی، تصادم ہوتے، برطانیہ کے اقتدار کو قدم قدم پر چیلنج کیا جاتا اور حکومت کو ایسے اقدامات کرنے پڑتے جن سے برطانیہ کی تعمیر نو کے کام میں رکاوٹ پڑتی۔"[75]

ہوڈسن لکھتا ہے کہ "وائسرائے ویول نے مقررہ میعاد کے اندر ہندوستان سے بہرصورت دستبرداری کی تجویز اس لئے پیش کی تھی کہ نظم و نسق کی مشینری اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اس پر کنٹرول ممکن نہیں رہا تھا۔ طویل جنگ کے معاشرتی و معاشی نتائج سے ہندوستان کے دور افتادہ علاقوں کے عوام بھی متاثر ہو چکے تھے۔ بیس لاکھ جوان، جو تشدد سے پوری طرح روشناس تھے اور جن میں سے بیشتر کے پاس ہتھیار تھے، فوج سے فارغ ہو کر اپنے دیہات میں واپس جا چکے تھے یا جانے والے تھے۔ دوسری طرف سول سروس، پولیس اور مجسٹریسی کے ارکان کی تعداد جنگ کے دوران نئی بھرتی نہ ہونے کی وجہ سے بہت کم رہ گئی تھی اور جو تھے وہ بھی طویل عرصے تک زیادہ کام کرنے کی بنا پر بہت تھک چکے تھے، ان میں مزید کام کرنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ ان کا خیال تھا جنگ ختم ہونے کے بعد انہیں کچھ آرام ملے گا مگر اس کے برعکس ان پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ وہ تنگ آ گئے تھے۔ چھٹی چاہتے تھے۔ چھوٹے بڑے ہندوستانی سرکاری ملازمین کی کارکردگی اور وفاداری بھی متاثر ہو چکی تھی۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آئندہ چند مہینوں یا چند سالوں کے بعد اقتدار کس کے پاس ہوگا لہٰذا وہ ہر کام کو ٹالتے تھے۔ فرقہ وارانہ کشیدگی پولیس پر اثر انداز ہو چکی تھی اور خفیہ اطلاعات کے ذرائع ختم ہو رہے تھے۔ اتنے بڑے ملک پر خفیہ اطلاعات کی عدم موجودگی میں حکومت جاری رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

تھا۔عوام الناس بھی کسی علاقے کی صحیح صورتحال کے بارے میں متعلقہ سرکاری محکموں کو کچھ نہیں بتاتے تھے۔ چونکہ خفیہ اطلاعات نہ ملنے کی وجہ سے بروقت اقدامات نہیں ہوئے تھے اس لئے 1946ء کے فرقہ وارانہ فسادات میں بہت جانی نقصان ہوا تھا۔''...... ''اگرچہ لیبر حکومت نے وائسرائے ویول کی تجویز مسترد کر دی تھی لیکن اس نے وائسرائے کو ہدایت کی تھی کہ وہ مختلف قسم کے سیاسی نتائج کو پیش نظر رکھ کر دستبرداری کے خفیہ منصوبے تیار کرے۔ چنانچہ وائسرائے نے اس مقصد کے لئے اعلیٰ برطانوی افسروں کی ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی جس کو برطانیہ کی دستبرداری کے متوقع اعلان کے بعد حسب ضرورت برطانوی شہریوں کی حفاظت اور انخلاء کے کام کی نگرانی سپرد کی گئی تھی۔'' ...... ''برطانوی عوام ہندوستان پر بزور قوت اقتدار قائم رکھنے کے عزم سے نمایاں طور پر محروم ہو چکے تھے۔ وہ جنگ سے بہت تھک چکے تھے۔ وہ جمہوریت اور امن کی نئی دنیا کے متمنی تھے۔ انہیں برطانیہ اور یورپ کو درپیش سنگین مسائل کا شعور تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ امریکہ سامراجیت کے خلاف تھا اور آئندہ برطانیہ کی پالیسی امریکہ سے دوستی کی بنیاد پر ہی استوار ہوگی۔ انہیں پتہ تھا کہ ہندوستان کو زود یا بدیر آزادی دینا ہی پڑے گی۔ لہٰذا وہ ہندوستان پر بزور قوت اور ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کے حربے کی طویل المیعاد پالیسی کے تحت حکومت جاری رکھنے کے خلاف تھے۔''[76]

آئین سٹیفنز نے 1946ء کے اواخر اور 1947ء کے اوائل کے ہندوستان کی صورت حال کا بہت ہولناک نقشہ کھینچا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کلکتہ، نواکھلی، بہار اور یو۔ پی کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے پیش نظر بہت سی پرائیویٹ فوجیں وجود میں آ گئی تھیں۔ بالخصوص پنجاب کی صورتحال بہت تشویشناک تھی۔ ہندوؤں کی راشٹریہ سیوک سنگھ تھی، کانگرس کا سیوا دل تھا اور مسلم لیگ نے نیشنل گارڈز کی تنظیم کی ہوئی تھی۔ سکھوں نے بھی اپنی اکالی فوج اور شہیدی جتھے بنائے ہوئے تھے اور خاکساروں کی بھی مسلح تنظیم موجود تھی۔ سرخضر حیات خان کی زیر سرکردگی پنجاب کی مخلوط وزارت نے جنوری 1947ء میں ان ساری مسلح تنظیموں پر پابندی عائد کر دی تھی کیونکہ فرقہ وارانہ کشیدگی میں بہت ہی اضافہ ہو گیا تھا اور ہر لحہ فسادات کا خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ صوبائی حکومت کو اس امر کا بھی احساس تھا کہ اگر پنجاب میں بدامنی پھیل گئی تو فوجی وجوہ کی بنا پر سارا ملک بدامنی و انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ لیکن

صوبائی مسلم لیگ نے خضر حکومت کی عائد کردہ اس پابندی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس نے پورے صوبے میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر رکھی تھی۔''[77]

لیکن برطانوی سامراج کے نقطۂ نگاہ سے ہندوستان کی اس وقت کی صورتحال کے غالباً سب سے خطرناک پہلو کی نشاندہی رسل برائینز نے کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ 1946ء میں ہندوستانی افواج کے اندر جو بے چینی پائی جاتی تھی اس میں کیمونسٹوں کا ہاتھ تھا۔ صنعتی مراکز میں روز افزوں ہڑتالوں اور تخریب کاریوں کے پس پردہ بھی کیمونسٹوں کا اثر کارفرما تھا۔ جنوب مغربی ہندوستان کے اس علاقے میں جسے آج کل کیرالا کہتے ہیں، کیمونسٹ لیڈروں نے 1946ء میں بغاوت کی کوشش کی تھی جس میں سینکڑوں لوگ مارے گئے تھے۔ انہوں نے ریاست حیدر آباد میں 44-1943ء سے کسانوں کی مسلح بغاوت شروع کر رکھی تھی اور اس بغاوت کے اثرات برطانوی ہند کے قریبی علاقوں میں بڑی تیزی سے پھیل رہے تھے۔ وہ مشرقی حیدر آباد اور صوبہ مدراس سے متعلقہ علاقوں میں بالخصوص بہت طاقتور تھے جہاں تلیگو بولنے والے لوگوں کی علاقائی قوم پرستوں کی تحریک زوروں پر تھی۔ کیمونسٹ پارٹی یہاں علاقہ پرستی کے جذبے سے خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔''[78]

ہندو بورژوا کی نمائندہ جماعت کانگرس کو بھی کیمونسٹوں کی سرگرمیوں پر سخت تشویش لاحق تھی۔ برطانوی سامراجی بھی یہ بخوبی سمجھتے تھے کہ کانگرس کیمونسٹوں کے خلاف ایک موثر ادارہ ہے اور معتدل کانگرس کو جلد اقتدار منتقل کر دیا جائے تو کیمونسٹوں کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔ 1947ء کے آغاز میں ملک گیر سطح پر مزدوروں کی ہڑتالوں یا ہڑتالوں کی دھمکیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ 14 رجنوری کو ایگزیکٹو کونسل کے رکن برائے محنت جگ جیون رام نے ویول کے ساتھ ملاقات میں ''کراچی، کوئمبا تور اور کانپور میں مزدوروں کی گڑبڑ اور ہڑتالوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے انہیں کیمونسٹ ایجی ٹیشن سے منسوب کیا۔'' 15 رجنوری کو رکن برائے داخلہ سردار پٹیل نے ویول کے ساتھ ملاقات کے دوران ''کیمونسٹوں کے خطرے کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا۔'' اور ویول کو یہ تاثر دیا کہ ''کیمونسٹ پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا جائے''[79] انہی دنوں محکمہ داخلہ نے بمبئی کے ایک کیمونسٹ ہفت روزہ پیپلز ایج (Peoples Age) کے خلاف کارروائی شروع کی ہوئی تھی۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے محکمہ دفاع کے بہت سے خفیہ راز حاصل کئے

تھے۔ جن میں وسیع پیمانے پر خانہ جنگی کو کچلنے کا فوجی منصوبہ بھی شامل تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ فوج اور پولیس کی خفیہ سروسوں میں بھی کمیونسٹوں کا عمل دخل ہو چکا تھا۔ پٹیل اس پر بہت سیخ پا ہوا اور اس ہفت روزہ کے خلاف کاروائی کا حکم دیا۔ انہی دنوں صوبہ مدراس کی کانگرس حکومت نے اپنے طور پر کمیونسٹوں کے خلاف اقدام کا فیصلہ کیا اور کمیونسٹ پارٹی کے سرکردہ رہنماؤں پر سازش کیس میں ملوث ہونے کے الزامات وضع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ صوبہ بمبئی کی کانگرسی حکومت نے بھی مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ''کمیونسٹ پارٹی کے خلاف کوئی مرکزی اقدام کیا جائے یا اس کے خلاف مرکزی احکام جاری کئے جائیں ورنہ صوبائی حکومت خود کمیونسٹ ہنگامہ پروروں کو حراست میں لینے کے لئے کوئی سخت اقدام کرنے پر مجبور ہو جائے گی جو کہ صوبے کے امن عامہ کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔'' ویول نے ان تفصیلات کے بارے میں 21رجنوری کو پیتھک لارنس کو بذریعہ مراسلہ اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ ایگزیکٹو کے رکن داخلہ سردار پٹیل نے کمیونسٹوں کے خلاف کئے گئے اقدامات کو برطانوی پارلیمینٹ میں زیر بحث لائے جانے کی تجویز کی سخت مخالفت کی ہے۔ میں بھی اس کو مناسب خیال نہیں کرتا کیونکہ اس سے کانگرس کی ان کوششوں کی راہ میں رکاوٹ درپیش ہوگی جو وہ ملک کے انقلابی عناصر سے نمٹنے کے لئے کر رہی ہے۔''[80] ادھر ہندوستان کی کمیونسٹ تنظیموں کے خلاف بمبئی اور دوسرے صوبوں کی کانگرسی حکومتوں کی جانب سے کی گئی زیادتیوں کے خلاف برطانیہ کے کمیونسٹ سخت احتجاج کر رہے تھے۔ انہوں نے لندن میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا اور ان کے ایک وفد نے وزیر ہند پیتھک لارنس کو ایک احتجاجی قرارداد پہنچائی۔''[81] ان حالات میں پیتھک لارنس نے ویول سے اس بارے میں رائے طلب کی تھی کہ آیا کمیونسٹوں کے خلاف اقدامات کو برطانوی پارلیمینٹ میں زیر بحث لانا مناسب ہوگا یا نہیں؟۔ جواب میں پٹیل اور ویول دونوں نے اس تجویز کو سختی سے رد کر دیا۔

22رجنوری کو ویول نے پیتھک لارنس کے نام اپنے ایک اور مراسلے میں لکھا کہ ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کانگرس ہائی کمان ذمہ داری پڑنے اور ایسی پریشان کن اور مشکل صورت حال کا سامنا کرنے کی بدولت بہت زیادہ معقول ہوگئی ہے جیسے کہ حال ہی میں اس نے کمیونسٹوں کے خلاف اقدام کیا ہے۔''[82] اور 23رجنوری کو پیتھک لارنس نے ویول کے نام

اپنے جوابی مراسلے میں'' کانگرس کی بعض صوبائی حکومتوں کی جانب سے کمیونسٹ پارٹی کے خلاف اٹھائے گئے اقدامات'' کو سراہا اور اس حوالے سے اہم قرار دیا کہ'' نہرو تو کہتا تھا کہ عبوری حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے جب کہ پٹیل معلوم ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری کو پہچان گیا ہے اور یہ اقدامات اٹھانے پر مجبور ہوا ہے۔ جب کہ وہ عوام کی سطح پر یہ تسلیم کرنے سے گریزاں ہے۔''[83] 29 رجنوری کو ویول نے پیتھک لارنس کو مطلع کیا کہ'' بمبئی کانگرس حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ کمیونسٹوں سے نمٹنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انہیں مقدمہ چلائے بغیر قید میں ڈال دیا جائے...... آپ کو شاید عجیب لگے گا کہ وہ ''سامراجی'' ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔''[84] گویا کمیونسٹوں کے خطرے سے نمٹنے کے لئے کانگرس انگریزوں کے جانشین کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھال رہی تھی۔ اگرچہ ابھی حالات اس کی گرفت میں نہیں آرہے تھے اور کمیونسٹوں کا خطرہ بدستور انگریزوں کے لئے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔

3رفروری کو ویول نے پیتھک لارنس کے نام گورنروں پر مشتمل کمیٹی کی رپورٹ ارسال کی جس میں قانون اور امن عامہ کی بگڑتی ہوئی صورتحال، فرقہ وارانہ کشیدگی، کمیونسٹوں کی سرگرمیوں اور دونوں جماعتوں کی آئین کے معاملے پر مسلسل عدم مفاہمت کے رویے کے پیش نظر ہندوستان کو اس کے حال پر چھوڑ کر مرحلہ وار انخلاء کی تجویز پیش کی گئی تھی۔''[85] اگرچہ برطانوی کابینہ نے یہ تجویز منظور نہ کی۔ تاہم ویول کی جانب سے بار بار اسی مضمون کے مراسلے بھیجے جاتے رہے۔ اس نے 12رفروری کے مراسلے میں پیتھک لارنس کو متنبہ کیا کہ'' اگرچہ خانہ جنگی کا خطرہ ایک حقیقی خطرہ ہے لیکن انتظامی افراتفری اس سے بھی زیادہ سنگین ثابت ہو گی۔'' اس نے لکھا کہ'' مختلف صوبوں میں محنت کشوں کی گڑبڑ ہوتی رہتی ہے اور اس کی اکثر و بیشتر پشت پناہی کمیونسٹ کر رہے ہوتے ہیں۔''[86] 14رفروری کو بنگال کے گورنر ایف۔ بروز نے بھی اپنے نوٹ میں لکھا کہ اگر ہندو اور مسلم دونوں بغاوت پر اتر آئے تو'' کمیونسٹ اس صورت حال سے فائدہ اٹھائیں گے، وہ ہماری ہر مشکل کا فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ اس بغاوت کو کسان انقلاب یا برطانیہ مخالف رنگ دینے کی کوشش کریں گے۔''[87] ان حالات میں اعتدال پسند کانگرس اور مسلم لیگ کو یکساں یا الگ الگ اقتدار منتقل کر کے یہاں سے رخصت ہونے میں ہی انگریزوں کو اپنی عافیت نظر آتی تھی۔

مزید براں شمالی ہندوستان میں فوجی لحاظ سے اہم ترین صوبہ سرحد میں بھی صورتحال بڑی تیزی سے بے قابو ہورہی تھی۔ سوویت یونین کے نزدیک اس شمالی علاقے میں بدامنی کے سارے برصغیر میں سنگین نتائج مرتب ہوسکتے تھے۔ 1946ء کے عام انتخابات میں کانگرس نے اس صوبے میں ''سرحدی گاندھی'' خان عبدالغفار خان کی زیر قیادت کامیابی حاصل کی تھی حالانکہ صوبہ کی 92 فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ جب اگست 1946ء میں کلکتہ میں عظیم قتل عام ہوا تو یہاں خان عبدالغفار خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب کی زیر سرکردگی کانگرس کی وزارت قائم تھی اور بظاہر یوں لگتا تھا کہ اس صوبہ کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت بھاری اکثریت میں تھے اور انہیں ہر لحاظ سے پسماندہ ہونے کے باوجود ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کے سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور معاشی غلبے کا خوف نہیں تھا۔ لیکن اگست 1946ء میں کلکتے میں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں پٹھانوں سمیت مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں پہنچیں تو پہلے پشاور اور پھر دوسرے اضلاع کے انداز فکر میں نمایاں تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ ستمبر میں صاف دکھائی دینے لگا کہ صوبہ سرحد کے عوام خان برادران کی سیاسی گرفت سے باہر جارہے ہیں۔ یہ اطلاع کانگرس کے مرکزی لیڈروں کو ملی تو وہ بہت فکر مند ہوئے۔ اس وقت تک صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی کانگرس نوازی سے مسلم لیگ کے دوقومی نظریئے کی عملی طور پر نفی ہوتی رہی تھی۔ کانگرسی زعماء کو اس وقت تک یقین تھا کہ صوبہ سرحد پر کانگرس کے سیاسی کنٹرول کی وجہ سے پاکستان کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔ نہرو کو خان برادران کے سیاسی اثر ورسوخ میں کمی کی اطلاعات پر یقین نہیں آتا تھا۔ چنانچہ اس نے اکتوبر کے اوائل میں اس عندیئے کا اظہار کیا کہ وہ خود صوبہ سرحد جا کر وہاں کی سیاسی صورت حال کا موقعہ پر جائزہ لے گا۔ وہ اس وقت وائسرائے ویول کی ایگزیکٹو کونسل میں امور خارجہ کا انچارج تھا اور وہ اس حیثیت سے بھی شمالی ہندوستان کے ان علاقوں کا دورہ کرنا چاہتا تھا جن پر افغانستان اپنا حق جتا رہا تھا۔ وائسرائے ویول، صوبہ سرحد کے گورنر اولف کیرو، ابوالکلام آزاد اور گاندھی نے نہرو کو مشورہ دیا کہ وہ سرحد کے دورے کا خطرہ مول نہ لے کیونکہ وہاں کے عوام کے سیاسی انداز فکر میں واقعی نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ لیکن نہرو نہ مانا اور وہ اکتوبر کے تیسرے

ہفتے میں سرکاری دورے پر پشاور پہنچ گیا۔ اس وقت تک مسلم لیگ ایگزیکٹو کونسل میں شامل نہیں ہوئی تھی اور سرحد کے مسلمانوں کو ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی طرح یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ دہلی میں رام راج قائم ہو گیا ہے۔

ابوالکلام آزاد لکھتا ہے کہ ''خان برادران کا یہ دعویٰ یقیناً صحیح تھا کہ انہیں سرحد کے عوام کے ایک بڑے حصے کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ لیکن وہ اپنے اثر ورسوخ کے بارے میں مبالغہ کرتے تھے...... غالباً وہ ہمیں یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ صوبہ ''سرحد پوری یکجہتی کے ساتھ کانگرس کے ساتھ ہے۔ جب کہ دوسرے صوبوں میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ صوبہ سرحد میں ایک طاقتور گروہ خان برادران کے خلاف تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت نے اس مخالفت کو بہت تقویت دی تھی۔ اسے پورے صوبے کے عوام کی تائید وحمایت حاصل کرنے کا موقعہ ملا تھا۔ لیکن اس نے غلطیاں کیں اور اس طرح مخالف عناصر میں اضافہ کر لیا تھا۔''

ابوالکلام آزاد کی رائے میں ''خان برادران کی مقبولیت میں کمی آنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ بہت کنجوس تھے حالانکہ پٹھان روایتی طور پر بہت مہمان نوازی کی توقع کرتے ہیں۔ خان برادران نے کبھی کسی کو دعوت پر نہیں بلایا تھا۔ عوامی چندہ بھی ان کی کنجوسی کی دست برد سے محفوظ نہیں تھا۔ عام انتخابات کے دوران کانگرس نے انہیں کثیر رقم دی تھی لیکن انہوں نے اس رقم میں سے بہت کم خرچ کیا تھا۔ بہت سے امیدوار محض اس لئے انتخاب ہار گئے تھے کہ انہیں مطلوبہ یا بروقت امداد نہیں ملی تھی۔ بعد میں جب انہیں معلوم ہوا کہ پیسے بیکار پڑے ہوئے تھے تو انہیں بہت غصہ آیا اور وہ خان برادران کے سخت دشمن بن گئے تھے۔''

ابوالکلام آزاد مزید لکھتا ہے کہ ''1946ء میں خان برادران کو سرحد کے عوام کی اتنی حمایت حاصل نہیں تھی جتنی کہ ہم دہلی میں خیال کرتے تھے۔ جواہر لال کو پشاور پہنچ کر اس حقیقت کا پتہ چلا تو اسے بہت دھچکا لگا۔ اس وقت ڈاکٹر خان صاحب وزیراعلیٰ تھا اور کانگرس کی وزارت تھی۔ برطانوی افسر کانگرس کے خلاف تھے انہوں نے وزارت کے خلاف رائے عامہ کو ابھارا ہوا تھا۔ جب جواہر لال ہوائی اڈے پر اترا تو اس نے دیکھا کہ ہزاروں پٹھان کالے جھنڈے اٹھائے وہاں موجود ہیں اور مخالفانہ نعرے لگا رہے ہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب اور دوسرے وزراء، جو جواہر لال کا خیر مقدم کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے، خود پولیس کی

حفاظت میں تھے اور وہ بالکل بے اثر ثابت ہوئے تھے۔ جب جواہر لال باہر نکلا تو اس کے خلاف نعرے لگائے گئے اور بعض لوگوں نے اس کی کار پر حملہ کرنے کی بھی کوشش کی۔ اس وقت ڈاکٹر خان صاحب کو اتنی تشویش لاحق ہوئی کہ اس نے پستول نکال کر گولی چلانے کی دھمکی دی۔ اس کی اس دھمکی کی وجہ سے ہجوم نے راستہ دے دیا اور کار پولیس کی حفاظت میں روانہ ہوگئی۔ دوسرے دن جواہر لال قبائلی علاقوں کے دورے پر گیا تو ہر جگہ اسے پتہ چلا کہ لوگ اس کے خلاف ہیں۔ مخالفانہ مظاہروں کی زیادہ تر ذمہ داری وزیرستان کے قبائلی سرداروں پر عائد ہوتی تھی۔ بعض جگہ اس کی کار پر پتھراؤ کیا گیا اور ایک پتھر اس کے ماتھے پر بھی لگا۔ ڈاکٹر خان صاحب اور اس کے ساتھی اس قدر بے بس ہو گئے تھے کہ جواہر لال کو صورت حال اپنے ہاتھ میں لینا پڑی۔"[88] ہوڈسن کا کہنا ہے کہ جب نہرو افغان سرحد سے واپس ہوا تو لنڈی کوتل میں لوگوں نے اس کی پارٹی پر پتھراؤ کیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے بڑی مشکل سے صورت حال پر قابو پایا۔ خیبر رائفلز کو گولی چلانا پڑی۔ مالاکنڈ کے علاقے میں بھی پتھراؤ کیا گیا جس سے خان برادران اور نہرو کو چوٹیں لگیں اور یہاں بھی گولی چلانا پڑی۔"[89]

اگرچہ ہوڈسن عبدالغفار خان کے اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ نہرو کے خلاف یہ مظاہرے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے کرائے تھے۔ تاہم صوبہ سرحد کی سیاست اور سرخپوش تحریک کی تاریخ کے طالب علموں کے لئے یہ بات بالکل بعید از قیاس بھی نہیں تھی۔ برطانوی افسر عبدالغفار خان اور اس کی سرخپوش تحریک کے خلاف تھے۔ اس کی وجہ ان صحیح یا غلط اطلاعات میں مضمر تھی کہ عبدالغفار خان ماسکو سے پیسے لیتا تھا باوجودیکہ اس کی ذہنیت جاگیردارانہ تھی اور اس کا سوشلزم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ تاہم اگر برطانوی افسروں نے نہرو کے خلاف مظاہروں میں کوئی کردار ادا کیا تھا تو وہ محض ضمنی ہوسکتا تھا، فیصلہ کن نہیں ہوسکتا تھا۔ چند برطانوی افسر خان برادران جیسے تجربہ کار سیاسی لیڈروں کے مقابلے میں یکا یک لاکھوں پٹھانوں کو منظم و مستعد نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ایسا کرنا ان کے بس میں ہوتا تو خان برادران 1946ء کے انتخابات میں کامیاب نہ ہوتے۔ اس الزام کے بے بنیاد یا انتہائی مبالغہ آمیز ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ نہرو کے دہلی واپس پہنچنے پر وائسرائے ویول نے برطانوی افسروں کے خلاف عائد کردہ الزامات کی تحقیقات کرانے کی پیش کش کی تھی لیکن خود نہرو نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں

کی تھی۔ وجہ غالباً یہ تھی کہ اسے اس وقت تک ابوالکلام آزاد کی اس رائے سے اتفاق ہو گیا تھا کہ خان برادران کو سرحد میں عوام کی اتنی حمایت حاصل نہیں تھی جتنی کہ دہلی میں کانگرسی لیڈر خیال کیا کرتے تھے۔ نہرو کے اس دورے کے چند دن بعد صوبہ بہار میں ہزاروں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو اس قدر منظم طریقے سے تہہ تیغ کیا گیا کہ مدراس سے لے کر پشاور تک مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مسلم لیگ نے پشاور میں بہار کی مسلم اقلیت کے بہیمانہ قتل عام کی ایسی تصویریں تقسیم کیں کہ جن کو دیکھ کر شاید ہی کوئی مسلمان مشتعل ہوئے بغیر رہ سکتا تھا اور پھر گڑھ مکتیشر کے میلے میں ہزاروں مسلمانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی گئی اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ پورے صوبہ سرحد میں کانگرس اور ہندوؤں کے خلاف نفرت کی چنگاریاں شعلے بن گئیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کی بنیادیں ہل گئیں۔ سرحدی گاندھی عبدالغفار خان کی غیر حقیقت پسندانہ اور منافقانہ سیاست کا پردہ چاک ہو گیا۔ کانگرس کے ایک قومی نظریئے کا جنازہ نکل گیا اور مسلم لیگ نے بالآخر صوبہ سرحد کا سیاسی قلعہ بھی فتح کر لیا۔

اب برصغیر کی تقسیم کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ اس امر کا ثبوت دسمبر 1946ء کے اواخر میں مسلم اکثریت کے صوبہ سندھ کی صوبائی اسمبلی کے عام انتخابات میں بھی مل گیا تھا جن میں اسے مسلم نشستوں پر سو فیصد کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ان انتخابات کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ 1946ء کے اوائل کے انتخابات کے بعد جی۔ ایم۔ سید اور پانچ دوسرے آزاد مسلمان ارکان اسمبلی نے کانگرس کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا تھا اور سر غلام حسین ہدایت اللہ کی زیر سرکردگی مسلم لیگ نے اسمبلی کے سپیکر سے استعفیٰ دلا کر اپنی طاقت میں ایک کا اضافہ کر لیا۔ اب کوئی پارٹی اپنے کسی رکن کو سپیکر بنانے پر تیار نہیں تھی کیونکہ اس طرح اس کی تعداد میں ایک کی کمی ہو جاتی تھی۔ گورنر سر فرانسس موڈی نے ان حالات میں اسمبلی توڑ کر نئے انتخابات کا حکم دے دیا جب کہ کانگرس اور جی۔ ایم۔ سید گروپ اس پر مسلم لیگ نوازی کا الزام لگاتے رہے۔

بایں ہمہ برطانوی سامراج کے پشتینی پٹھو فیروز خان نون کے نزدیک ''یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ انگریزوں نے اس برصغیر کے چالیس کروڑ باشندوں کو آزادی دیتے وقت انسانوں کے بے پناہ جذبۂ حریت کے احترام کی اور اپنی عاقبت اندیشی کی جو نظیر قائم کی اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ اگر وہ طاقت کے بل پر یہاں ڈٹے رہنے پر اصرار

کرتے تو ہم مدتوں انہیں برصغیر سے نکالنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ ان کا یہی وہ حسن سلوک تھا جس نے ایک طویل وعریض اور کٹر مخالف ملک کو دوستوں کی قوم میں بدل دیا حتیٰ کہ انڈین نیشنل کانگرس نے بھی دولت مشترکہ سے نکل جانے کی دھمکی کبھی نہیں دی اور نہ میرا خیال ہے کہ اس طرح کی دھمکی پاکستان دے گا۔ آزاد ملکوں کے آزادانہ میل جول کے فائدے ہمیں خود نظر آرہے ہیں۔ ''لیلیٰ نے مجنوں کا گھر کیوں نہیں چھوڑا؟ کیونکہ مجنوں کے گھر میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔''[90] سامراج کی ذہنی غلامی کی ایسی مثال شاید ہی کہیں ملے۔ فیروز خان نون پاکستان کے بے ضمیر اور بے غیرت جاگیرداروں کا سرغنہ تھا۔ اس شخص کو مرتے دم تک سامراج کی ذہنی غلامی کی حدود سے باہر نکلنے کا کوئی دروازہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس شخص کے آباء و اجداد نے انیسویں صدی میں پنجاب میں انگریزوں کے اقتدار کے استحکام کے لئے ''گراں قدر'' خدمات سرانجام دی تھیں۔ اپنی خدمات کے صلے میں انہیں ضلع سرگودھا میں جاگیر ملی تھی اور اسے برطانوی راج کے آخری عشرے میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی یہ پنجاب کے جاگیرداروں کے ایک طاقتور گروہ کے نمائندہ کی حیثیت سے مسلسل کسی نہ کسی حیثیت سے برسراقتدار رہا۔ حتیٰ کہ 58-1957ء میں پاکستان کا وزیراعظم بھی بن گیا تھا۔ مگر اس کی سیاسی جہالت اتنی زیادہ تھی اور اس کی برطانوی سامراج کے ساتھ وفاداری اس قدر غیر متزلزل تھی کہ اسے راہیٔ ملک عدم ہونے تک یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ وہ کون سے خارجی و داخلی عوامل تھے جنہوں نے انگریزوں کو برصغیر سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ ''صاحب بہادر'' نے برصغیر کو محض جذبۂ حریت کے احترام کی بناء پر آزادی کی بخشیش دی تھی اور انسانی تاریخ میں اس کی اس ''فیاضی'' کی مثال نہیں ملتی۔

باب: 7

پنجاب میں ہندوؤں، سکھوں......اور مسلمانوں کے مابین جنگ اقتدار

خضر کی یونینسٹ، اکالی، کانگرس مخلوط حکومت کے قیام اور خاتمے کا پس منظر

وزیر اعظم ایٹلی نے 20 فروری 1947ء کو ہندوستان سے دستبرداری کا جو قطعی اعلان کیا، کانگرس اور مسلم لیگ دونوں ہی نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اب ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ برطانوی سامراج فی الحقیقت یہاں سے رخصت ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ پنجاب کی یونینسٹ پارٹی کے سرغنہ خضر حیات خان ٹوانہ کو بھی بالآخر یہ پتہ چل گیا کہ ''اب تقسیم ملک کے بغیر چارہ نہیں۔ ملک معظم کی حکومت ہندوستان کے نظم و نسق کے اختیارات ہندوستانیوں کو سپرد کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔'' چنانچہ اس نے سر ظفر اللہ خان اور نواب اللہ بخش کے مشورہ کے مطابق 2 مارچ 1947ء کو صوبائی گورنر ایوان جینکنز کو اپنی وزارت کا استعفیٰ پیش کر دیا۔ اس نے اپنی پارٹی کے غیر مسلم ارکان کو صاف صاف بتا دیا کہ برطانوی وزیر اعظم کے اعلان کے بعد اس کے لئے اور کوئی راستہ کھلا نہیں رہا۔

خضر حیات کے استعفیٰ کا اعلان ریڈیو پر ہوا تو صوبائی مسلم لیگی حلقوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور صبح ہوتے ہی شہر میں ''خضر حیات زندہ باد'' کے نعرے بلند ہونے لگے۔ مسلم لیگ نے آخری سیاسی قلعہ بھی فتح کر لیا تھا اور کاروانِ پاکستان کے راستے میں سے آخری رکاوٹ بھی دور ہو گئی تھی۔ لیکن پنجاب کے غیر مسلم حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور فرقہ وارانہ کشیدگی میں یکا یک

بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ اگرچہ اس صورتحال کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی تھا کہ مظفر علی قزلباش جو شروع میں خضر حیات کے استعفیٰ کی مخالفت کرتا تھا، دو تین دن کے بعد یکا یک قلابازی کھا کر مسلم لیگ میں شامل ہو گیا اور اس طرح اس نے بیسویں صدی کی اس تاریخی حقیقت کو مزید واضح کر دیا کہ جاگیرداروں کا کوئی سیاسی دین وایمان نہیں ہوتا۔ ان کی موقع پرستی اور بے ضمیری کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔

پنجاب کی صورت حال میں اس تبدیلی کا سیاسی پس منظر یہ تھا کہ اگرچہ 1946ء کے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ نے 86 مسلم حلقوں میں سے 78 حلقوں میں کامیابی حاصل کی تھی لیکن اس وقت کے برطانوی گورنر برٹرینڈ گلینسی نے مسلم لیگ کو وزارت سازی کی دعوت دینے کی بجائے یونینسٹ پارٹی، اکالی دل اور کانگرس گٹھ جوڑ سے ایک ایسی وزارت بنوادی جس کی حمایت پر ایوان کے کل 84 ہندو اور سکھ ارکان جمع تھے اور 8-7 یونینسٹ مسلمان ارکان اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کانگرس کے صدر ابوالکلام آزاد نے اس مقصد کے لئے لاہور میں کئی دن قیام کر کے جو کردار ادا کیا تھا وہ غالباً اس کی ساری سیاسی زندگی کا بدترین کردار تھا۔ وہ قبل ازیں ساری عمر سامراج اور رجعت پسندی کی مخالفت کی علمبرداری کرتا رہا تھا لیکن فروری 1946ء میں اس نے پنجاب مسلم لیگ کے خلاف انگریز گورنر کے بھرپور تعاون سے صرف سات آٹھ مسلمان یونینسٹ جاگیرداروں اور غیر مسلموں کے درمیان اس ناپاک گٹھ جوڑ کی تشکیل کی جسے تاریخ کے صفحات سے کبھی نہیں مٹایا جاسکتا۔ پنجاب کے مسلم عوام اور مسلم لیگ کو اس کے کردار پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ شخص واقعی ہندو کانگرس کا ''شوبوائے'' ہے۔ وہ مسلم لیگ کی دشمنی کے جذبے سے اس قدر مغلوب تھا کہ اسے برطانوی سامراج کے بدترین پٹھوؤں اور سکھوں کے فرقہ پرست اکالی دل کے ساتھ گٹھ جوڑ کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''میری کوشش سے مسلم لیگ الگ تھلگ ہو گئی اور کانگرس نے اقلیت میں ہونے کے باوجود پنجاب کے معاملات میں فیصلہ کن عنصر کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ خضر حیات خان کانگرس کی حمایت سے وزیر اعلیٰ بنا تھا اور اس بناء پر وہ قدرتی طور پر اس کے زیر اثر آ گیا تھا۔ لیکن ابوالکلام آزاد نے اپنے اس ذکر میں بعض اہم حقائق کو نظر انداز کر کے اپنی سیاسی دیانت کے بارے میں بہت

افسوس ناک تاثر دیا ہے۔ مثلاً اس نے یہ نہیں بتایا کہ مسلم لیگ صوبائی اسمبلی میں سب سے بڑی پارٹی تھی اور جمہوری روایات اور اصولوں کے مطابق سب سے پہلے اسے وزارت سازی کی دعوت ملنی چاہیے تھی۔ اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ کانگرس نے جن مسلمان یونینسٹ جاگیرداروں سے گٹھ جوڑ کیا تھا ان کی تعداد سات آٹھ سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے اس حقیقت پر بھی پردہ ڈالا ہے کہ چونکہ سکھ لیڈر بلدیو سنگھ نے خضر حیات خان کو غیر لیگی مخلوط وزارت کی سربراہی پر آمادہ کر کے اس گٹھ جوڑ کی تشکیل میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا اس لئے سکھوں کا فرقہ پرست اکالی دل بھان متی کے اس کنبے میں شامل ہوا تھا اور اس نے یہ بتانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ جب اپریل 1946ء میں دہلی میں مسلم لیگی ارکان اسمبلی کا کنونشن منعقد ہوا تھا تو صوبائی لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر نواب افتخار حسین خان آف ممدوٹ نے اعلانیہ یہ الزام عائد کیا تھا کہ پنجاب کی مخلوط حکومت گورنر گلینسی، کانگرس، اکالی دل اور یونینسٹ پارٹی کی سازش سے وجود میں آئی ہے۔ ممدوٹ کے بیان کے مطابق اس نے 175 ارکان کے ایوان میں گورنر کو یقین دلایا تھا کہ اسے فروری کے اواخر میں 78 مسلم لیگی ارکان کے علاوہ 10 مزید ارکان کی حمایت حاصل ہے اس لئے اسے وزارت سازی کی دعوت ملنی چاہیے۔ مگر گورنر نہ مانا اور اس نے دو تین دن کے بعد یکم مارچ 1946ء کو سر خضر حیات خان کو مخلوط وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔

ابوالکلام آزاد نے مزید لکھا ہے کہ ''اگرچہ نہرو کے اخبار ''نیشنل ہیرلڈ'' نے پنجاب میں میری اس کارگزاری پر مجھے مبارک باد دی تھی لیکن جب بمبئی میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تو جواہر لال نے اس کی مخالفت کی کیونکہ اس نے بعض عناصر کے زیر اثر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ میں نے پنجاب میں جو پالیسی اختیار کی تھی وہ صحیح نہیں تھی اور اس طرح میں کانگرس کے وقار کو نقصان پہنچانے کا باعث بنا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ پنجاب میں کانگرس کو یونینسٹ پارٹی کی بجائے عوامی تنظیم مسلم لیگ کے ساتھ مل کر مخلوط وزارت بنانی چاہیے تھی۔ ان دنوں کمیونسٹ کھلم کھلا اسی لائن کا پرچار کرتے تھے۔ جواہر لال غالباً کسی حد تک ان کے نظریات سے بھی متاثر ہوا تھا اور شاید اس کا یہ خیال تھا کہ میں نے یونینسٹ پارٹی کے ساتھ مخلوط حکومت کی تشکیل کر کے بائیں بازو کے اصولوں کو قربان کر دیا تھا...... لیکن گاندھی جی نے میری پرزور حمایت کی اور کہا کہ اگرچہ پنجاب میں کانگرس اقلیت میں ہے لیکن گفت وشنید کے ذریعے اسے صوبائی وزارت کی تشکیل اور

اس کے کام میں فیصلہ کن کردار مہیا ہو گیا ہے۔ کانگرس کے نقطۂ نگاہ سے پنجاب میں اس سے بہتر حل کوئی نہیں ہو سکتا تھا اور اس فیصلے کو ہرگز تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ جب گاندھی جی نے اپنی اس رائے کا قطعی اور غیر مبہم طور پر اظہار کیا تو ورکنگ کمیٹی کے سارے ارکان نے بھی میری حمایت کی اور جواہر لال کو بھی اتفاق کرنا پڑا...... اگلے دن علی الصبح جواہر لال میرے پاس آیا اور اس نے بڑے پیار اور خلوص کے ساتھ مجھے یقین دلایا کہ اس نے مجھ پر جو نکتہ چینی کی تھی اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے میری قیادت پر اعتماد نہیں تھا۔ اس نے بڑی صاف گوئی سے اعتراف کیا کہ اس نے حالات کا غلط تجزیہ کیا تھا اور اب اس واقعہ کو بھول جانا چاہیے۔''[1]

تاہم بعد میں پنجاب میں ابوالکلام آزاد کے اس ''سیاسی کارنامے'' کے نہایت ہولناک نتائج برآمد ہوئے۔ پنجاب کی مسلم رائے عامہ نے خضر حیات ٹوانہ پر بہت دباؤ ڈالا کہ وہ اس غیر قدرتی گٹھ جوڑ کا سرغنہ بننے کی بجائے مسلم لیگ کی صفوں میں شامل ہو جائے مگر وہ نہ مانا۔ کیونکہ فیروز خان نون کی اطلاع کے مطابق چند بہت بڑے برطانوی حکام نے اسے یقین دلایا ہوا تھا کہ برطانیہ ہندوستان نہیں چھوڑے گا اور وہ سمجھتا تھا کہ وہ ہندوؤں اور سکھوں کے تعاون سے حکومت چلا سکے گا اگرچہ اس حکومت میں مسلمانوں کی تعداد بہت مختصر تھی۔ آئین سٹیفنز نے لکھا ہے کہ مسلم لیگیوں کے علاوہ بعض غیر جانبدار برطانوی مبصرین نے بھی گورنر گلینسی کی اس کاروائی پر نکتہ چینی کی تھی۔ گلینسی کے یونینسٹوں سے گہرے ذاتی تعلقات تھے۔ نئی مخلوط وزارت مختلف النوع عناصر کا مجموعہ تھی اور اس کی تشکیل بہت جلدی میں کی گئی تھی۔ یہ غلطی بعد میں پنجاب میں بہت حد تک تباہی کا باعث بنی۔[2]

پنڈرل مون لکھتا ہے کہ ''اس مخلوط وزارت کی تشکیل عوام کے نقطۂ نگاہ سے تباہ کن تھی اور خود ذاتی طور پر خضر حیات کی سیاسی خودکشی کے مترادف تھی۔ جب سے صوبوں کو سیاسی حقوق ملے تھے پنجاب کی ہر وزارت میں مسلمانوں نے نمایاں کردار ادا کیا تھا کیونکہ صوبہ میں ان کی اکثریت تھی۔ اب پہلی مرتبہ، جب کہ آزادی ملنے والی تھی، پنجاب پر ایک ایسی حکومت مسلط کر دی گئی تھی جس پر غیر مسلموں کا غلبہ تھا۔ مسلم لیگ نے عام انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی اور وہ وزارت بنانے کی توقع کرتی تھی لیکن کانگرسی بنیوں، خضر حیات اور سکھوں کے ایک ایسے گٹھ جوڑ نے انہیں اس حق سے بالکل محروم کر دیا تھا جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ نہ

صرف مسلم لیگ بلکہ سارے مسلم فرقے نے اس پر بہت برا منایا۔ انہیں یہ محسوس ہوا کہ یہ غیر فطری اور ناپاک گٹھ جوڑ انگریز گورنر کی امداد سے محض اس لئے وجود میں آیا ہے کہ انہیں اقتدار سے محروم رکھا جائے۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جس کے بارے میں جناح ہمیشہ خدشہ محسوس کرتے تھے اور جو مطالبہ پاکستان کی محرک بنی تھی۔ خدشہ تھا کہ مکار ہندو ہمیشہ چند مسلمانوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے وسیع تر مفادات کو نقصان پہنچائیں گے۔ خضر حیات کو اب غدار سمجھا جاتا تھا جو مسلمانوں کے مفادات کو نظرانداز کر کے محض اقتدار سے چمٹا ہوا تھا...... حیرت انگیز بات یہ تھی کہ گورنر نے ایسی وزارت کی تشکیل کی ذرا سی مزاحمت نہ کی جو مفاد عامہ کے لئے اس قدر نقصان دہ تھی۔"[3]

سر خضر حیات خان کی مخلوط حکومت تقریباً ایک سال تک قائم رہی۔ اس دوران پنجاب میں فرقہ وارانہ کشیدگی میں بہت اضافہ ہوا اور کہیں کہیں فرقہ وارانہ فساد اور خلفشار کی ابتدا بھی ہوئی۔ لاہور میں فرقہ وارانہ جلوس نکلنے لگے جن میں اشتعال انگیز نعرے لگائے جاتے تھے۔ سارے فرقوں کے لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر ساری رات گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگاتے تھے اور ایک دوسرے پر خانہ ساز دستی بم پھینکتے تھے۔ سارے فرقوں کی سیاسی جماعتوں کی مسلح تنظیمیں تھیں جن کے لئے بڑی تیزی سے ہر قسم کے ہتھیار جمع کئے گئے تھے۔ فرانسس ٹکر کا کہنا ہے کہ ''رپورٹیں مل رہی تھیں کہ جنگ کے دوران چھٹی پر جانے والے اور 1945ء میں ملازمت سے فارغ ہو کر گھر جانے والے سپاہیوں نے پنجاب کے دیہاتوں میں اسلحہ و بارود سمگل کیا تھا۔[4] بعض مسلم لیگیوں نے ضلع کوہاٹ سے دیسی ساخت کی بندوقیں خریدی تھیں۔ دوسری طرف کانگرس اور اکالیوں نے بھی مختلف ذرائع سے بندوقوں اور دوسرے ہتھیاروں کا خاصا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ ان دنوں صوبے بھر کے لوہار بہت مصروف رہے کیونکہ کلہاڑیوں، نیزوں اور تلواروں کی بہت مانگ تھی۔ ہر بالغ شخص اپنی چارپائی کے پاس ہتھیار رکھ کر سوتا تھا اور بیشتر گھروں میں کوئی نہ کوئی فرد ساری رات جاگتا رہتا تھا تاکہ کہیں سے اچانک حملہ نہ ہونے پائے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے اپنی بیشتر گلیوں کے آگے آہنی دروازے لگوا لئے تھے اور سارے فرقوں کے نوجوان رات کو ٹولیاں بنا کر اپنے اپنے محلوں میں رضا کارانہ طور پر چوکیداری کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ہندو اور سکھ حتیٰ الامکان مسلمانوں

کے محلوں میں نہیں جاتے تھے اور مسلمان بھی ہندوؤں اور سکھوں کے محلوں میں جانے سے گریز کرتے تھے۔ تجارت پر ہندوؤں اور سکھوں کا قبضہ تھا لیکن مسلمان اب پہلے کی طرح ان کی دکانوں سے سودا سلف نہیں خریدتے تھے۔ بہت سے مسلمانوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر اپنی دکانیں کھول لی تھیں اور اس عرصے میں ان کا کاروبار خوب چلا تھا۔ غرضیکہ لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں بے پناہ خوف و ہراس پایا جاتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے بار بار پوچھتے تھے ''کیا ہوگا'' سب کو اپنی مستورات کی عزت و آبرو کے تحفظ کی فکر دامنگیر تھی۔ ہر فرقے کے غنڈے بہت ہر دلعزیز ہو گئے تھے کیونکہ شریف اور بزدل لوگ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے ان پر انحصار کرتے تھے۔ بہت سے غنڈے اپنے حلقہ ہائے اختیار کے خوش حال لوگوں سے ''ٹیکس'' وصول کرتے تھے۔ امرتسر سے بڑی خوفناک خبریں آ رہی تھیں۔ یہ شہر سکھوں کا گڑھ تھا۔ ہر ایک کا خیال تھا کہ اس شہر میں بہت خونریزی ہوگی کیونکہ وہاں کے مسلمان بھی اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنی بہادری کے لئے مشہور تھے۔

ان خوفناک حالات کے پیش نظر خضر حیات خان ٹوانہ کی حکومت نے 24 رجنوری 1947ء کو ایک حکم کے ذریعے سارے فرقوں کی مسلح تنظیموں پر پابندی عائد کر دی اور پولیس نے اسی دن رائل پارک میں مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے دفتر پر چھاپہ مار کر تلاشی لینے کی کوشش کی۔ یہ کاروائی انگریز گورنر ایوان جینکنز کی صلاح سے اس وقت کی گئی تھی جب کہ وزیر اعلیٰ خضر حیات خود دہلی میں تھا۔ شہر کا انچارج پولیس افسر بھی انگریز تھا۔ تاہم جب مسلم لیگی لیڈر افتخار الدین کو اس کی اطلاع ملی تو وہ فوراً موقعہ پر پہنچ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر پولیس کا راستہ روک لیا اور دفتر کی تلاشی کرانے سے انکار کر دیا۔ اس پر افتخار الدین کے علاوہ فیروز خان نون، ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات وغیرہ آٹھ مسلم لیگی لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا اور اسی دن سے مسلم لیگ کی طرف سے یونینسٹ وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی۔ خضر حکومت کا یہ حکم احمقانہ تھا کیونکہ اس حکومت میں اپنے حکم نافذ کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ چونکہ پولیس اور دوسرے سارے سرکاری محکموں کے ملازمین روز افزوں فرقہ وارانہ کشیدگی سے متاثر ہو چکے تھے اس لئے ہر چھوٹے بڑے سرکاری ملازم کی وفاداری مشکوک تھی۔ صوبے میں فوج کی تعداد زیادہ نہیں تھی اور جو تھی اسے فرقہ وارانہ سیاست میں ملوث

کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ خضر حیات خان نے دہلی سے واپس آ کر مسلم لیگی لیڈروں کو رہا کر دیا اور پھر 28 رجنوری کو مسلح تنظیموں پر پابندی کا حکم بھی واپس لے لیا۔ مگر جلوسوں پر پابندی بدستور قائم رہی۔

مسلم لیگی لیڈروں، بالخصوص افتخار الدین کو یونینسٹ حکومت کے خلاف تحریک جاری رکھنے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت تھی چنانچہ شہری آزادیوں پر بدستور پابندی کے خلاف پہلے لاہور اور پھر سارے صوبے کے شہروں میں پرامن تحریک جاری رکھی گئی۔ خضر حکومت اس تحریک کو کچلنے کے لئے سختی نہ کر سکتی تھی اور نہ اس نے کی۔ البتہ مسلم لیگی لیڈروں کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ روزانہ جلوس نکلتے تھے۔ چند مسلمان عورتوں نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور یہ ان کا پہلا ''سیاسی کارنامہ'' تھا۔ یہ تحریک تقریباً ایک ماہ جاری رہی لیکن خوش قسمتی سے نہ تو پولیس نے کوئی خاص تشدد کیا اور نہ ہی فرقہ وارانہ فساد ہوا۔ جو لوگ جلوسوں میں شریک ہوتے تھے انہوں نے فی الواقعہ قابل تعریف تنظیم اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے غنڈوں نے بھی بدامنی پھیلانے کی کوئی خاص کوشش نہ کی۔ پولیس بیشتر رضا کاروں کو گرفتار کر کے شہر سے دور لے جا کر چھوڑ دیا کرتی تھی۔ پولیس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس لئے عام طور پر اس کی ہمدردیاں مظاہرین کے ساتھ ہوتی تھیں۔ جیلوں میں بھی چھوٹے بڑے مسلمان سرکاری ملازمین گرفتار شدگان سے اچھا سلوک کرتے تھے۔

مسلم لیگ کے بعض جاگیردار لیڈروں کے لئے اس تحریک کی حیثیت ایک میلے یا پکنک سے زیادہ نہیں تھی۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گئے۔ اب وہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ انہوں نے پاکستان کے لئے ''قید و بند کی صعوبتیں'' برداشت کی ہیں۔ ان صعوبتوں کی نوعیت کا اندازہ فیروز خان نون کی اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''جیل میں میرا آٹھ پونڈ وزن صرف 34 دنوں کے اندر بڑھ گیا کیونکہ ایک تو میرے دوست باہر سے نہایت نفیس کھانے بھیجتے رہتے تھے، دوسری طرف ورزش ندارد تھی۔''[5]

بے چارے سر فیروز خان نون کو پاکستان کے حصول کی خاطر کتنی ''صعوبت'' برداشت کرنا پڑی تھی۔ تاہم وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ''اگر ہماری نظر بندی کے دوران اس مفہوم کی مصدقہ خبریں نہ آ گئی ہوتیں کہ برطانیہ نے واقعی ہندوستان سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اقتدار کی منتقلی چند ہی

مہینوں کے اندر مکمل ہو جائے گی تو اس تحریک کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔"[6] 29 رجنوری کو ویول نے پیتھک لارنس کے نام مراسلے میں لکھا کہ "لیگی رہنماؤں کا خیال ہے کہ خضر کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں اور وہ اس کی حکومت کو زوال تک پہنچا کر رہیں گے۔"[7] چنانچہ مختلف تاریخی قوتوں نے سیاسی تبدیلی کے لئے جو فصل اگائی تھی، جاگیردار اسے اٹھانے آن پہنچے تھے۔ ایسا ہی تاریخ میں کئی مرتبہ ہوا اور ابھی تک ہو رہا ہے۔

متذکرہ تحریک کے روح رواں دراصل مسلمانوں کے درمیانے اور نچلے طبقے کے لوگ تھے۔ گورنر پنجاب جینکنز نے 8 رفروری کو وائسرائے کو اپنی خفیہ رپورٹ دیتے ہوئے لکھا کہ "ایجی ٹیشن کو تقریباً تمام مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل ہیں خواہ وہ سرکاری ملازم ہوں خواہ غیر سرکاری ہوں...... اس کے شرکاء میں سیاست دان، ان کی خواتین اور غریب طبقات شامل ہیں۔ بعض اضلاع میں دیہاتیوں نے بھی مظاہروں میں حصہ لیا ہے۔ تحریک کے مقاصد کچھ واضح نہیں ہیں لیکن خضر اور اس کی وزارت کے خلاف نعرہ بازی کے علاوہ پاکستان کے حق میں نعرے لگائے جاتے ہیں۔"[8] درحقیقت پنجاب میں خضر حکومت کے زوال اور لیگی حکومت کے قیام کا نعرہ پنجاب کے مسلم عوام الناس کے نزدیک مطالبہ پاکستان کی تعبیر بن چکا تھا۔ پنجاب مسلم اکثریت کا صوبہ تھا اور صوبائی قانون ساز اسمبلی میں مسلم لیگ سب سے بڑی پارلیمانی پارٹی تھی لیکن خضر کی قیادت میں قائم یونینسٹ۔ کانگرس اور اکالی پارٹیوں کے مخلوط اتحاد نے غیر فطری طور پر مسلم لیگ کو اقتدار سے محروم کر رکھا تھا۔ مسلمان اسے اپنے ساتھ بہت بڑی زیادتی سمجھتے تھے اور اسے اس صورت کا نمونہ سمجھتے تھے کہ اگر انہیں متحدہ برصغیر میں رہنا پڑا تو کانگرس انہیں ان کے اکثریتی صوبے میں ان کی اکثریتی جماعت کو اکثریت سے منتخب ہونے کے باوجود اقتدار سے محروم رکھے گی۔ معیشت میں وہ پہلے ہی محرومی کا شکار تھے۔ ملازمت، تعلیم، کاروبار، صنعت وحرفت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں غیر مسلموں کو ان پر برتری حاصل تھی۔ وہ صوبے میں مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کو اپنے لئے نجات کی راہ گردانتے تھے۔

سکھوں اور ہندوؤں کے نزدیک اس کا بالکل الٹ مطلب تھا۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ اگر صوبے میں مسلم لیگ کی حکومت قائم ہو گئی تو مسلم غلبہ ہو جائے گا۔ جب سے پنجاب میں مسلم عوام الناس نے اپنے جمہوری حقوق کی تحریک شروع کی تھی، غیر مسلم اسے "مسلم غلبہ"

کے قیام کی کوشش قرار دے رہے تھے۔ 6 ر فروری کو بلدیو سنگھ نے ویول کے نام اپنے ایک نوٹ میں لکھا کہ ''جو کچھ ہو رہا ہے اس پر سکھ بالخصوص بہت زیادہ مشتعل ہیں کیونکہ ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر تشدد آمیز ہتھکنڈوں سے موجودہ وزارت کو زبردستی توڑ دیا گیا تو لیگ اقلیتوں اور بالخصوص سکھوں کے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اقتدار پر قبضہ کر لے گی۔ اگر ایک مرتبہ وہ اقتدار میں آ گئی تو پھر ظاہر ہے کہ وہ اس پوزیشن میں ہو گی کہ اپنے فرقہ پرست گارڈز کو منظم کرے تا کہ غیر مسلموں کو ڈرایا دھمکایا جا سکے اور اپنی شرائط منوائی جا سکیں۔ یہ ایک ایسی صورتحال ہو گی کہ سکھ اس میں اپنے لئے سوائے گھمبیر خطرات کے کچھ اور تصور نہیں کر سکتے۔''[9]

صوبے کا گورنر ایوان جینکنز بھی ان کا ہم خیال تھا۔ اس نے 8 ر فروری کو پیتھک لارنس اور ویول کے نام اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ''کسی ایک فرقے کے لئے یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ پنجاب پر اس کی موجودہ حدود برقرار رکھتے ہوئے حکومت کر سکتا ہے۔ طویل المیعاد حل دو ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلم قیادت رکھ کر یونینسٹ اصولوں کا اعادہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ تقسیم کی راہ اختیار کی جائے کہ جس سے ناقابل برداشت حد تک اقلیتی مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ ایجی ٹیشن کا انجام یہ ہو گا کہ غیر مسلم دوسرا متبادل اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور مسلم لیگ اور بالعموم مسلمانوں کے طویل المیعاد مفادات کو نقصان پہنچے گا۔''[10] گویا یا تو خضر حیات کی صورت میں ''مسلم قیادت'' کو رکھ کر ''یونینسٹ اصولوں'' کے مطابق یونینسٹ۔ کانگرس۔ اکالی مخلوط حکومت برقرار رکھی جائے اور یا پھر پنجاب کو تقسیم کر دیا جائے۔ ان دو کے علاوہ انگریز گورنر کی نگاہ میں اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ مسلم لیگ کو اسمبلی کی اکثریتی جماعت ہونے کے باوجود صوبے کی حکومت بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ 12 ر فروری کو ویول نے بھی پیتھک لارنس کے نام مراسلے میں جینکنز کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا کہ ''پنجاب پر اس کی موجودہ حدود کو برقرار رکھ کر کوئی بھی ایک فرقہ حکومت نہیں کر سکتا۔''[11] اور 13 ر فروری کو پیتھک لارنس نے لیگ ایجی ٹیشن کے نتائج کے بارے میں جینکنز کی تائید کرتے ہوئے ویول کو لکھا کہ ''لیگ کی تحریک کے نتیجے میں پنجاب کی تقسیم کے مطالبے کو شہ ملے گی۔''[12]

یہ حقیقت تھی کہ سکھوں اور ہندوؤں نے صوبے میں لیگ حکومت کے قیام کی صورت

میں صوبے کی تقسیم کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب کہ مسلمان صوبے کی تقسیم کے خلاف تھے اور اس کی حدود کو برقرار رکھتے ہوئے اس پر مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مسلم اور غیر مسلم کا تضاد بے حد شدید ہو چکا تھا۔ عددی اکثریت کے حوالے سے کل ہند سطح پر مسلمانوں کو جس طرح ہندو غلبہ کا خطرہ لاحق تھا اسی طرح کل پنجاب سطح پر غیر مسلموں کو مسلم غلبہ کا خوف لاحق تھا۔ دراصل برصغیر مختلف قومیتوں اور فرقوں کا خطہ تھا اور ان کے باہمی تضادات کی جڑیں تاریخ میں اس قدر گہری تھیں کہ عددی اکثریت پر مبنی سادہ جمہوری اصول کسی ایک جگہ ایک فرقے کے مفاد اور دوسرے کے نقصان میں جاتا تھا جب کہ کسی دوسری جگہ معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا تھا۔ اس لئے فرقہ وارانہ مسئلے کا حل زیادہ سے زیادہ خودمختاری یا تقسیم ہی کی صورت میں مضمر تھا۔ اول الذکر صورت وزارتی مشن منصوبے کی تھی جو کانگرس کے منافقانہ رویے کی بدولت ناکام ہو چکا تھا اور اب حالات بتدریج تقسیم کی جانب بڑھ رہے تھے۔ 6/فروری کو وائسرائے کے سٹاف میں ریفارمز کمشنر کے عہدے پر فائز لیکن در پردہ سردار پٹیل کے آدمی وی۔ پی مینن نے ویول کے ساتھ ملاقات کے دوران کہہ دیا تھا ''اب تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے۔'' اور یہ کہ ''لیگ اسی بھروسے پر بیٹھی ہے اور جلد ہی پنجاب حکومت پر قبضہ کرنے کی توقع رکھتی ہے۔''[13] گویا متحدہ ہند میں رہتے ہوئے پنجاب پر مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔

ادھر لندن میں جو اعلان نامہ تیار کیا جا رہا تھا اس میں انتقال اقتدار کی معیاد مقرر کی جا رہی تھی اور یہ گنجائش بھی رکھی جا رہی تھی کہ اگر فریقین کے مابین متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے انتقال اقتدار کا کوئی متفقہ فارمولا یا آئین طے نہ پا سکا تو پھر تقسیم کی راہ بھی اختیار کی جا سکتی تھی۔ 16/فروری کو جینکنز نے مجوزہ اعلان نامہ کا مسودہ دیکھنے کے بعد ویول اور پیتھک لارنس کو ایک نوٹ ارسال کیا جس میں اس نے لکھا کہ ''یہاں اقتدار کی کشمکش کا پہلے ہی آغاز ہو چکا ہے.....'' اور یہ کہ ''مجوزہ شکل میں اس اعلان نامے سے پنجاب میں زبردست تشدد پھوٹ پڑے گا۔ اس اعلان نامے کو فیصلہ کن فرقہ وارانہ جنگ کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیے۔ اگر اس کی وجہ سے گڑبڑ شروع ہوئی تو وہ بدترین صورت کی حامل ہوگی۔ مثلاً سکھ مرکزی پنجاب پر بشمول لاہور قبضہ کرنے اور وہاں اپنی عارضی حکومت قائم کرنے کی

کوشش کریں گے۔"[14]

گویا تھوڑے عرصے کے بعد پنجاب میں جو خونریزی ہوئی وہ انگریز انتظامیہ کے اندازوں میں پہلے سے موجود تھی۔ ویسے بھی یہ کوئی اچانک یا یکا یک حادثہ نہیں تھا بلکہ حالات وواقعات کے تسلسل کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔ تاریخی تضادات جب تاریخی جبر کے تحت حل ہوں تو پھر ایسا ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔

20رفروری کو وزیراعظم ایٹلی کی طرف سے اعلان جاری ہوا تو پنجاب کے وزیراعلیٰ خضر حیات ٹوانہ جیسے سامراجی پٹھو جو آخر وقت تک انگریزوں کو ہندوستان نہ چھوڑنے کے مشورے دیتے آئے تھے، اب پسپائی قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اور مسلم عوام الناس کی سول نافرمانی کی تحریک کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئے۔ صوبے میں نظم ونسق پر انگریز انتظامیہ کی گرفت پہلے ہی بالکل ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ اعلیٰ پولیس افسر انگریز تھے جو جلد از جلد فارغ ہو کر وطن واپس جانا چاہتے تھے۔ انگریز گورنر بھی دل برداشتہ تھا۔ اس نے 25رفروری کو پیتھک لارنس اور ویول دونوں کو ایک مراسلے میں لکھا کہ "حکومت برطانیہ کے 20رفروری کے اعلان سے صورتحال بالکل بدل گئی ہے۔ وزیراعلیٰ اب سختی سے کچلنے کا طریقہ کار اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اگرچہ کہ اس طریقہ پر کامیابی کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے لیکن اس طرح 16 ماہ کے عرصہ کے اندر پرامن انتقال اقتدار کا مرحلہ بہ سہولت طے نہیں ہو سکے گا۔ بدلے ہوئے حالات میں سرکاری ملازمین کا رویہ بے حد غیر یقینی ہو چکا ہے۔ آئی جی پولیس کی رپورٹ ہے کہ اس کے ماتحت برطانوی افسروں کی بڑی تعداد مسلم لیگ سمیت تمام پارٹیوں سے سخت متنفر ہو چکی ہے اور وہ جس قدر جلد ممکن ہو فارغ ہونا چاہتے ہیں۔ خصوصی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی خودمیری حیثیت مجروح ہو چکی ہے۔ اگرچہ میں اب بھی تھوڑا بہت ذاتی اثر و رسوخ استعمال کر سکتا ہوں، لیکن پارٹی رہنماؤں کو بھی یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ آئینی طور پر اب گورنر کسی شمار میں نہیں رہا ہے۔ اس مایوس کن پس منظر میں وزیراعلیٰ نے مسلم لیگ کو یہ یقین دہانی دلا کر سمجھوتہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ عام جلسوں پر عائد پابندی اٹھالی جائے گی اور اسمبلی کے 3رمارچ کو شروع ہونے والے بجٹ سیشن میں پبلک سیفٹی بل پیش کیا جائے گا۔ جب کہ مسلح تربیت، اسلحہ لے کر پھرنے اور جلوس نکالنے پر پابندی بدستور جاری رہے گی۔"[15]

26 رفروری کو خضر حیات نے مسلم لیگی لیڈروں سے سمجھوتہ کرلیا۔ سارے سیاسی نظر بندوں کو رہا کر دیا گیا۔ پبلک جلسوں پر سے پابندی ہٹالی گئی۔ مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک ختم کر دی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی برطانوی عہد کے نوآبادیاتی ریاستی اقتدار کا دبدبہ بھی ختم ہو گیا۔ تحریک کے دوران مسلمانوں نے بعض سرکاری عمارتوں سے یونین جیک اتار کر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرانے کا مظاہرہ کیا تھا۔ اقتدار کے ایوانوں میں غیر یقینی کی سی صورتحال پیدا ہو چکی تھی۔ پینڈرل مون لکھتا ہے کہ ''شاید خضر بھانپ گیا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اس کی حکومت کی کمزوری کھل کر ظاہر ہو چکی تھی اور 20رفروری کو مسٹر ایٹلی کی جانب سے برطانوی اقتدار کی دستبرداری کے اعلان نے ایک نیا محرک بھی شامل کر دیا تھا۔''[16] چنانچہ 2رمارچ کو خضر حیات نے وزارت اعلیٰ کے منصب سے استعفیٰ دے دیا۔

اس استعفیٰ کا ایک اہم محرک یہ امر بھی تھا کہ مسلمان یونینسٹ جاگیرداروں کو اعلان 20رفروری کے نتیجے میں پنجاب میں اپنا مستقبل کانگرس اور اکالی پارٹی کے اتحادی کی حیثیت سے مشکوک نظر آنے لگا تھا۔ برطانوی اعلان میں یہ واضح طور پر کہا گیا تھا کہ اگر دونوں بڑی پارٹیوں کے مابین وزارتی مشن منصوبہ کی بنیاد پر آئینی تصفیہ نہ ہو سکا اور کوئی ایسی مرکزی حکومت وجود میں نہ آئی جسے اقتدار منتقل کیا جا سکے تو پھر بالآخر ''موجودہ صوبائی حکومتوں'' کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا یا کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا ''جو سب سے معقول نظر آتا ہو اور ہندوستانی عوام کے بہترین مفاد میں ہو۔'' پہلے متبادل کے بارے میں غیر یقینی پیدا ہو چکی تھی کیونکہ وزارتی مشن منصوبے کی تعبیر پر دونوں پارٹیوں کے مابین تصفیے کے امکانات خاصے معدوم ہو چکے تھے۔ دوسرا متبادل اختیار کرنے کی صورت میں صوبائی حکومتوں کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو گئی تھی جب کہ تیسرے متبادل میں صوبوں کی تقسیم کے لئے بھی گنجائش رکھ دی گئی تھی جس کی پنجاب کے مسلمانوں کی جانب سے مخالفت کی جا رہی تھی۔ چنانچہ پنجاب کے مسلمانوں کی بھرپور خواہش اور کوشش یہ تھی کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت بن جائے تاکہ دوسرے متبادل کی صورت میں پنجاب کا اقتدار اس وقت کی ساری صوبائی حدود کے ساتھ مسلم لیگ کو منتقل ہو اور پنجاب کی جغرافیائی وحدت برقرار رہے۔ جب کہ سکھوں اور ہندوؤں نے تقسیم پنجاب کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا تھا اور اکالی پارٹی اور کانگرس کے حلقوں میں اس بارے

میں چہ مگوئیاں جاری تھیں۔ خضر حیات کی اکالی۔ کانگرس مخلوط وزارت کا تمام تر دارومدار ہندو اور سکھ ارکان اسمبلی پر تھا۔ جب کہ تقسیم کی صورت میں خضر حیات کی جاگیریں اور مفادات مسلم پنجاب میں آئے تھے اس لئے غیر مسلم پنجاب کے ہاتھوں میں مزید کٹھ پتلی بنے رہنے کا اب اسے کوئی فائدہ نہیں تھا۔

وہ یہ بھی ثابت کرنا چاہتا تھا کہ مسلم لیگ اپنے مطلوبہ پاکستان میں جس متحدہ پنجاب کو شامل کئے جانے کا مطالبہ کر رہی تھی، مسلم لیگ کے لئے اس پر تنہا حکومت کرنا آسان نہ ہوگا، اور یہ کہ مسلم لیگ کو سکھوں اور ہندوؤں کا براہ راست سامنا کر کے ہی ان کی طاقت کا اندازہ ہو گا، چنانچہ خضر حیات استعفیٰ دے کر فریقین کے درمیان سے ہٹ گیا۔ اس سلسلے میں اس نے 2؍مارچ کو گورنر ایوان جینکنز کے ساتھ ملاقات کی اور اسے بتایا ''کہ وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ بلا تاخیر مسلم لیگ کو حقیقت کے مدمقابل لایا جائے۔ اس کی رائے تھی کہ مسلم لیگ والوں کو اپنے خلاف ہندوؤں اور سکھوں میں موجود جذبات کی شدت کا صحیح اندازہ نہیں تھا اور جب تک وہ اور اس کے مسلم یونینسٹ ساتھی ایک بفر کا کام دیتے چلے جائیں گے، مسلم لیگ والے اپنے واہیات اور مغرورانہ خیالات کو تبدیل نہیں کریں گے۔''[17]

گورنر جینکنز کو اس استعفے پر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ ''جب مسلم لیگ کے ساتھ مذاکرات چل رہے تھے، وہ اور خضر اس امکان پر بالتفصیل تبادلۂ خیال کر چکے تھے۔'' اس وقت ان دونوں کا بھی یہ خیال تھا کہ اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کا سربراہ نواب افتخار حسین ''ممدوٹ وزارت بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور دفعہ 93 کا نفاذ کرنا پڑے گا۔''[18] اور اسی بناء پر خضر اسمبلی کا بجٹ سیشن نبھانے پر آمادہ بھی ہو گیا تھا لیکن پھر سر ظفر اللہ اور نواب اللہ بخش ٹوانہ کے سمجھانے پر اس نے بجٹ سیشن شروع ہونے سے ایک روز پہلے 2؍مارچ کو استعفیٰ دے دیا۔ نواب اللہ بخش نے اسے سمجھایا تھا کہ ''آج سے ڈیڑھ یا دو ماہ بعد استعفیٰ دینے کا فیصلہ بے سود ہے۔ کیا معلوم اس درمیانی عرصہ میں واقعات کیا ہوں اور کیا مراحل پیش آئیں اور کن حالات کا آپ کو سامنا ہو۔ پھر ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ اگر آپ آج یہ فیصلہ کریں کہ بجٹ پاس کرنے کے بعد استعفیٰ دیں گے اور پارٹی (یعنی اکالی۔ کانگرس۔ یونینسٹ کولیشن پارٹی) کو یہ بتا دیں تو پارٹی ابھی منتشر ہو جائے گی اور یوں آپ کا استعفیٰ ہو جائے گا۔ اگر اس

وقت پارٹی کونہیں بتائیں گے اوران کی مدد سے بجٹ پاس کرانے کے بعد ان کی خلاف مرضی استعفیٰ دے دیں گے تو گویا آپ نے ان سے فریب کیا کہ ان کی مدد سے بجٹ تو پاس کرلیا اور پھران کے خلاف مرضی استعفیٰ دے دیا"[19] اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اب اگر جانا ہی مقدر ٹھہرا ہے تو ہندو اور سکھ ارکان اسمبلی کو اندھیرے میں نہ رکھا جائے تا کہ وہ براہ راست مسلم لیگ کے ساتھ نمٹ سکیں۔

تاہم سرظفر اللہ اپنی طرف سے خضر حیات کو مستعفی ہونے پر مائل کرنے کا سبب اس امر کو قرار دیتا ہے کہ وزیراعظم ایٹلی کے اعلان 20 رفروری کے مطابق صوبائی حکومتوں کو انتقال اقتدار کا جو امکان پیدا ہو گیا تھا اس کے پیش نظر مطالبہ پاکستان اب ایک مرکزی معاملہ نہیں بلکہ صوبائی معاملہ بن گیا تھا اور صوبے میں مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہونے سے پنجاب میں برطانوی اقتدار کی منتقلی مسلم لیگ کو کئے جانے کا امکان ہوسکتا تھا اس لئے ظفر اللہ خاں نے خضر حیات سے "گزارش کی کہ انہیں اس مرحلے پر وزارت سے استعفیٰ دے کر مسلم لیگ کا راستہ پنجاب میں صاف کر دینا چاہیے اور اس طرح اپنی ذمہ داری سے سرخرو ہو جانا چاہیے"[20] لیکن جینکنز اور خضر حیات نے اس استعفیٰ کے نتیجے میں نواب ممدوٹ کی حکومت کے قیام کو پہلے ہی سے خارج از امکان قرار دے رکھا تھا۔ اس لئے ظفر اللہ کے اصرار پر یا اللہ بخش کے سمجھانے پر خضر حیات نے استعفیٰ تو دے دیا مگر اس کے نتیجے میں صوبے میں مسلم لیگ کی حکومت قائم نہ ہوسکی۔

دراصل جینکنز اور خضر دونوں ہی پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کے حق میں نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلم لیگ یا تو سکھوں یا ہندوؤں کے ساتھ مخلوط حکومت تشکیل دے اور یا پھر دفعہ 93 کا نفاذ کر دیا جائے۔ یعنی گورنر راج نافذ کر دیا جائے۔ خضر حیات کے استعفیٰ دیئے جانے سے چند روز قبل 25 رفروری کو جینکنز نے پیتھک لارنس کو اپنے ایک مراسلے میں جس کی نقل ویول کو بھی بھیجی گئی تھی، خضر حیات کی اس رائے سے آگاہ کیا کہ "صوبے میں کل جماعتی وزارت یا لیگ سکھ کولیشن بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔" اور پھر اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ "اگر حالات کو خانہ جنگی کی نوبت تک بگڑنے سے بچانا ہے تو ایک ایسی وزارت کا قیام ضروری ہے جو مسلمانوں اور سکھوں دونوں کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہو۔" اور مزید

یہ کہ ''اگر مسلم لیگ نے اپنے لب ولہجہ کو مکمل طور پر تبدیل نہ کیا جو کہ بہت حد تک ناممکن معلوم ہوتا ہے، تو پھر موجودہ آئین کو ترک کرنے اور جبراً مسلم یا سکھ راج قائم کرنے کی کوشش کا امکان پیدا ہو جائے گا۔''[21] 27 ؍فروری کو پیتھک لارنس نے اس کے جواب میں ویول کو لکھا ''میں جینکنز کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں کہ پنجاب کا واحد حقیقی حل مسلم۔ سکھ مخلوط حکومت کا قیام ہے۔'' اس نے جناح کے 25 ؍فروری کے ایک بیان کا حوالہ دیا جس میں جناح نے کہا تھا ''اقلیتوں کے ساتھ خواہ ان کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو، منصفانہ اور عادلانہ سلوک ہونا چاہیے اور ان میں تحفظ اور اعتماد کا احساس پیدا کرنے کے لئے اکثریتی فرقے کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔'' پیتھک لارنس نے اس کے حوالے سے لکھا کہ یہ بیان ''......سکھوں کے لئے راہ ہموار کرنے کے ارادے سے دیا گیا ہے۔ پنجاب میں حکومت حاصل کر کے مسلم لیگ کو اس قدر فائدہ ہو گا کہ میرا خیال ہے سکھ اس سے اپنی کافی شرائط منوا سکتے ہیں۔ اگر مسلم لیگ۔ سکھ مخلوط حکومت قائم ہو گئی اور ایسی صورت ہوئی کہ ہمیں ایک سے زیادہ اتھارٹیوں کو اقتدار کی منتقلی پر مجبور ہونا پڑا تو اس کی بدولت خاصی مشکلات آسان ہو جائیں گی۔''[22] گویا تقسیم ہند کی صورت میں پنجاب میں سکھ۔ مسلم لیگ مخلوط حکومت نہ صرف پنجاب کی وحدت بلکہ اس میں امن وامان رکھنے میں بھی خاصی مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ لیکن فریقین کے مابین تضادات اس قدر شدید تھے کہ ایسا نہ ہو سکا۔

مسلم لیگ نے حکومت بنانے کا دعویٰ کیا، ویول نے حمایت کی۔ جینکنز اور برطانوی حکومت نے مخالفت کی اور گورنر راج نافذ کر دیا

خضر کے استعفیٰ کے بعد 3 ؍مارچ کو جینکنز نے اسمبلی کے ہندو اور سکھ رہنماؤں کے ساتھ ملاقات کی۔ ہندو ارکان کے رہنما اور خضر حکومت میں وزیر خزانہ بھیم سین سچر نے کہا کہ کانگرس مسلم لیگ کے ساتھ اس وقت تک تعاون نہیں کر سکتی جب تک یہ امر واضح نہ ہو جائے کہ آیا وہ اقلیتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کرے گی یا انہیں کم تر سمجھے گی؟ مسلم لیگ کی رعونت نے ہندوؤں پر بہت برا تاثر چھوڑا ہے اور وہ بلا شرکت غیرے مسلم راج کو تسلیم نہیں کریں گے۔ خواہ پنجاب اس طرح رہے جیسا کہ اب ہے یا یہ تقسیم ہو جائے۔ یہاں ایک مستحکم

حکومت کا قیام ضروری ہے جو تنہا کوئی ایک فرقہ بھی قائم نہیں کر سکتا۔" سکھ ارکان کے رہنما اور خضر حکومت میں وزیر ترقیات سردار سورن سنگھ نے کہا کہ "سکھ فوری رعایتوں اور یقین دہانیوں سے مطمئن نہیں ہوں گے کہ بعد میں ان سے منکر بھی ہوا جا سکتا ہے۔ وہ پنجاب کے مستقبل کے بارے میں مسلم لیگ کی طرف سے ایک دوٹوک منصوبہ چاہتے ہیں جس میں سکھوں کی حیثیت کا واضح تعین کیا گیا ہو۔ سکھوں کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ مسلم آقاؤں کے ماتحت ان سے غلاموں کا سا سلوک روا رکھا جائے۔ وہ اپنا دفاع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔"[23]

ہندو اور سکھ قائدین کے اس دھمکی آمیز رویے کی وجہ یہ تھی کہ مسلم لیگ کو اسمبلی میں اچھوت اور اینگلو انڈین ارکان کو اپنے ساتھ ملا کر واضح اکثریتی گروپ بنانے اور اکالی، کانگرسی اور یونینسٹ ارکان کے تعاون کے بغیر وزارت تشکیل دینے کی پوزیشن حاصل تھی۔ متذکرہ رہنماؤں سے ملاقات کے بعد جینکنز نے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے قائد افتخار حسین ممدوٹ کے ساتھ ملاقات کی اور اسے حکومت بنانے کی دعوت دی مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا کہ اگر مسلم لیگ نے اچھوت اور بعض متفرق ارکان کو ساتھ ملا کر محض پارلیمانی اکثریت کی بنیاد پر حکومت تشکیل کی تو وہ چند ہفتے سے زیادہ نہ چل سکے گی۔ اگر ایسا ہوا تو ہندوؤں اور بالخصوص سکھوں میں لیگ حکومت کی مخالفت اور نفرت بڑھے گی۔ اس لئے ممدوٹ کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ ان کے ساتھ سمجھوتہ کر لے۔" جینکنز نے ممدوٹ کو وزارت کی تشکیل کے لئے زیادہ سے زیادہ 8/مارچ تک کا وقت دیا اور ساتھ یہ احساس بھی دلایا کہ "جب تک مسلم لیگی رہنما اقلیتوں کے ساتھ اس انداز سے معاملات طے نہیں کرتے کہ جیسے پنجابی، پنجابیوں کے ساتھ بات کر رہے ہوں، تب تک انہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔" اپنی ان ملاقاتوں کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے جینکنز نے ویول کو لکھا کہ اگر ممدوٹ نے اچھوت اور اینگلو انڈین ارکان اسمبلی کے تعاون سے وزارت تشکیل دی تو وہ بہت جلد ناکام ہو جائے گی اور لامحالہ دفعہ 93 لاگو کرنا پڑے گی۔ اگر ممدوٹ کانگرس اور سکھوں یا صرف سکھوں کے تعاون سے وزارت بنانے میں کامیاب ہو گیا تو خاصا امکان ہے کہ کسی سنگین گڑبڑ کے بغیر ہم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائیں گے۔ لیکن دفعہ 93 کی صورت میں امن عامہ کی صورتحال کو درست رکھنے کے عزم کے ساتھ ساتھ ہمیں پارٹی رہنماؤں کے مشورے کے ساتھ پنجاب کے لئے طویل المیعاد منصوبے کو وضع کرنے کی

کوشش کرنا ہوگی۔ حکومت برطانیہ کے لئے لازمی ہوجائے گا کہ وہ اس منصوبے کو منظور کر لے جس پر پارٹی رہنما متفق ہوں خواہ اس میں تقسیم اور تمام انتظامی اور آئینی امور میں مکمل تبدیلی ہی کیوں نہ شامل کی گئی ہو۔''[24]

4/مارچ کو جینکنز نے ویول کو لکھا ''کانگرس اور سکھ، مسلم راج کے خلاف مزاحمت پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ممدوٹ کو مخلوط حکومت وضع کرنے میں کامیابی نہیں ہو رہی ہے اور اب وہ چند اچھوتوں اور ہندوستانی عیسائیوں کی مدد سے مسلم وزارت تشکیل دینے کا خواہاں ہے۔'' جینکنز کی رائے تھی کہ ''مسلم حکومت اس قدر کم عرصے تک برقرار رہ سکے گی کہ ہوسکتا ہے اس کا قیام عمل میں لانا ہی ممکن نہ ہو سکے۔ دفعہ 93 کا نفاذ ہی ایک متبادل رہ جاتا ہے جو تسلی بخش تو نہیں ہوگا لیکن ممکن ہے عمومی طور پر پنجابی اسے ترجیح دیں۔''[25] لیکن 5/مارچ کو ویول نے اپنے معاون جارج ایبل کو یہ ہدایات دے کر جینکنز کے پاس بھیجا کہ ''اگر ممدوٹ پارلیمانی اکثریت ثابت کر سکے تو پھر اسے حکومت بنانے کی اجازت دے دی جائے خواہ یہ وزارت غیر تسلی بخش ہی کیوں نہ ہو۔'' اور یہ کہ گورنر کو سنگین گڑبڑ کی صورت میں وزارت کی ہر ممکن حمایت کرنی چاہیے اور فوری حل کے طور پر دفعہ 93 کے نفاذ کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ وزارت کو کام کرنے کا پورا موقع دیا جانا چاہیے۔''[26] اس دوران ممدوٹ کی وزارت سازی پر جینکنز اور ممدوٹ کے مابین خاصی کھینچا تانی جاری رہی جس کا ذکر کرتے ہوئے ویول نے پیتھک لارنس کو اپنے 5/مارچ کے ایک اور مراسلے میں لکھا کہ ''ممدوٹ کا کہنا ہے کہ وہ صرف مسلمانوں پر مشتمل وزارت تشکیل دے سکتا ہے لیکن گورنر کو اس کی اس بات کا یقین نہیں آ رہا کہ خضر اور یونینسٹ گروپ کے مسلمان ارکان ممدوٹ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔''[27]

5/مارچ کو سبکدوش ہونے والی خضر کابینہ کے غیر مسلم ارکان نے گورنر سے ملاقات کر کے نئی وزارت کی تشکیل تک نگران کابینہ کے طور پر کام کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے استعفوں کو فوری طور پر موثر کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کو بنیاد بنا کر جینکنز نے صوبے میں دفعہ 93 کے تحت گورنر راج لاگو کرنے کا اعلان کر دیا اور ممدوٹ کو وزارت سازی کے لئے نامزد نہ کیا۔ اگرچہ ممدوٹ اپنی پارلیمانی اکثریت کے دعوے کرتا رہا۔ اس نے 5/مارچ کو گورنر کے ساتھ ملاقات میں یہاں تک آمادگی ظاہر کی کہ غیر مسلموں کے لئے کابینہ میں خالی اسامیاں مخصوص

کر کے اس کی سربراہی میں بقیہ وزارت تشکیل کر دی جائے کہ ابھی پنتھک اکالی پارٹی کے ساتھ مذاکرات کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے ہیں۔"[28] یہ ویسے ہی ہوتا جیسا کہ ستمبر 1946ء میں مرکز میں کانگرس کی حکومت قائم کر دی گئی تھی اور مسلم لیگ کے لئے خالی اسامیاں رکھ چھوڑی گئی تھیں اور جنہیں بعد ازاں پر کیا گیا تھا۔ لیکن جینکنز نہ مانا اور صوبہ میں گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔ جب کہ ویول کی رائے یہ تھی کہ صوبے میں جلد از جلد وزارت قائم ہونی چاہیے۔ گورنر راج کے نفاذ کے نقصانات گنواتے ہوئے اس نے 6/مارچ کو پیتھک لارنس کے نام مراسلے میں ایک نقصان یہ لکھا تھا کہ "لیگ اس وقت تک سبق نہیں سیکھے گی جب تک ذمہ داری کا بوجھ اس کے کاندھوں پر نہیں ڈالا جائے گا۔"[29] لیکن جواب میں 7/مارچ کو پیتھک لارنس نے لکھا کہ "...... فی الوقت اس کے نتیجے میں بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لیگ حکومت حاصل کرنے کے بعد، سکھوں کو گنجائش دینے میں پہلو تہی سے کام لے گی...... اگر اسمبلی میں ممدوٹ اپنی معمولی اکثریت ثابت کر دے لیکن اس میں اہم اقلیتی پارٹیوں کا کم از کم کوئی ایک نمائندہ بھی شامل نہ ہو تو بہتر ہوگا کہ گورنر راج برقرار رکھا جائے......"[30] گویا گورنر جینکنز اور حکومت برطانیہ میں مسلم لیگ وزارت کی تشکیل کے خلاف مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ گورنر راج برقرار رکھا گیا۔ ویول جو کانگرس کے لئے ناپسندیدہ تھا اور جسے برصغیر میں برطانوی سامراج کے مفادات کی ٹھیک طور پر نگہبانی کرنے میں ناکام یا نااہل ٹھہرا کر برطرف کیا جا چکا تھا اور جو کانگرس کے پسندیدہ نئے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی آمد تک محض نگران وائسرائے کی حیثیت سے دن گن رہا تھا، پنجاب میں مسلم لیگ وزارت قائم کرانے میں ناکام رہا۔

پورے پنجاب میں فرقہ وارانہ بلوے اور قتل و غارت گری

3/مارچ کو لاہور میں یہ افواہ پھیل گئی کہ گورنر جینکنز نے صوبائی مسلم لیگ کے صدر نواب افتخار حسین خاں آف ممدوٹ کو وزارت سازی کی دعوت دے دی ہے، اس پر کانگرسی اور اکالی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کانگرس اور اکالی پارٹی کے زعما ایسے موقع پر پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے جب کہ برطانوی سامراج یہاں سے اپنا بوریا بستر باندھ رہا تھا۔ وزیر اعظم ایٹلی کے 20/فروری کے اعلان میں انتقال

اقتدار کے لئے میعاد مقرر کرنے کے علاوہ بھی کہا گیا تھا کہ سیاسی اقتدار صوبائی حکومتوں کو بھی منتقل کیا جا سکتا ہے۔ ہندو اور سکھ لیڈروں کے لیے یہ تصور بہت ہولناک تھا کہ انگریز پنجاب کا اقتدار مسلم لیگی حکومت کے حوالے کر جائیں گے۔ وہ اس امکان کا بہر قیمت سدباب کرنا چاہتے تھے۔ سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے خضر وزارت کے مستعفی ہونے سے دو تین دن پہلے 28 رفروری کو نیو یارک ٹائمز سے انٹرویو میں کہا تھا کہ ''مجھے معلوم نہیں کہ ہم خانہ جنگی سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ اگر مسلمان پنجاب پر حکومت کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ کوئی تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ ہم کسی صورت میں بھی مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ سکھ مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے بے دخل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ہم وہاں نہیں رکیں گے۔ ہم انہیں پورے پنجاب سے باہر نکال دیں گے۔ مسلم لیگ نے پنجاب کی مخلوط وزارت، جس میں سکھ بھی شامل تھے، کے خلاف مہینہ بھر جو ایجی ٹیشن کی ہے سکھوں نے اس کے جواب میں اپنی پرائیویٹ رضا کار فوج کی از سر نو تنظیم کا کام شروع کر دیا ہے۔''[31]

پینڈرل مون لکھتا ہے کہ ''مسلم لیگ کی وزارت کی محض افواہ ہی اقلیتی فرقوں کو مظاہروں پر اکسانے کے لئے کافی تھی۔ جلوسوں پر پابندی بدستور عائد تھی لیکن خضر حیات کے مستعفی ہونے کے دوسرے دن اس کا وزیر خزانہ بھیم سین سچر ایک جلوس لے کر اسمبلی چیمبر تک آیا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ غیر مسلموں کو بھی قانون شکنی کی اتنی ہی آزادی حاصل ہے جتنی کہ گزشتہ چند ہفتوں میں مسلمانوں نے دکھائی تھی۔ اس نے اسمبلی چیمبر کے سامنے ہزاروں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں حکومت کے ایک رکن کی حیثیت سے اعلان کرتا ہوں کہ تمہیں بھی جلوس نکالنے کا پورا حق حاصل ہے۔ سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے پاکستان مردہ باد کا نعرہ لگایا اور کرپان لہرا کر اعلان کیا کہ ''راج کرے گا خالصہ آکی رہے نہ کوئی۔''[32] ٹکر لکھتا ہے کہ ''سکھ رہنما تارا سنگھ نے اس قسم کی بڑھک لگائی کہ سکھ اپنی کرپانوں کے ساتھ لٹھ بردار مسلمانوں کو مزہ چکھا دیں گے۔''[33]

حکومت پنجاب کے محکمہ اطلاعات کے سابق ڈائریکٹر نور احمد کا کہنا ہے کہ 3 رمارچ کو کانگرس پارٹی کے وزیر خزانہ بھیم سین سچر اور اکالی پارٹی کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ چند دوستوں کے ساتھ پنجاب اسمبلی کے چبوترے پر کھڑے کچھ مایوسی کچھ غصے کی حالت میں مسلمانوں کے ایک

مختصر گروہ کو دیکھ رہے تھے۔ جو خضر حیات کے استعفیٰ کی خبر پڑھنے کے بعد اسمبلی کے سامنے جمع ہو گیا تھا اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ ماسٹر تارا سنگھ نے نیام سے کرپان نکالی اور اسے ہوا میں لہراتے ہوئے کہا کہ ''پنجاب پر حکومت کس کی ہو گی، اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔''[34] ماسٹر تارا سنگھ جیسے غیر ذمہ دار اور متعصب لیڈر سے اس قسم کی اشتعال انگیزی بعید از قیاس نہیں تھی اور یہ بالکل صحیح ہے کہ 3/مارچ کو لاہور میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ سکھ لیڈر نے کرپان لہرا کر مسلمانوں کو خانہ جنگی کی دھمکی دی ہے۔

جی۔ ڈی کھوسلہ کے بیان کے مطابق ماسٹر تارا سنگھ نے اسی دن کپور تھلہ ہاؤس کی گراؤنڈ میں ایک پبلک جلسے کو خطاب کرتے ہوئے اس سے بھی زیادہ اشتعال انگیزی کی۔ اس نے کہا ''او ہندوؤ اور سکھو! جاپانیوں اور نازیوں کی طرح ہراکری کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہماری مادر وطن خون مانگتی ہے اور ہم اپنی ماتا کی پیاس خون سے بجھائیں گے۔ ہم نے مغلستان کو کچلا تھا ہم پاکستان کو بھی کچل دیں گے۔ میں نے بہت دن پہلے محسوس کر لیا تھا کہ ہمارے صوبے میں ایک فتنہ جنم لے رہا ہے اور اس بناء پر میں نے اکالی پارٹی کی از سر نو تنظیم شروع کر دی تھی۔ اگر ہم انگریزوں سے حکومت چھین سکتے ہیں تو کوئی ہمیں مسلمانوں سے حکومت چھیننے سے نہیں روک سکتا۔ مسلم لیگ کے ہاتھ پاؤں ہمارے چنگل میں ہیں اور ہم انہیں توڑ دیں گے۔ یہاں سے حلف اٹھا کر جاؤ کہ ہم لیگ کو کسی صورت بھی زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ دنیا پر ہمیشہ اقلیتوں نے حکومت کی ہے۔ مسلمانوں نے ہندوؤں سے سلطنت چھینی تھی اور سکھوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھینی تھی۔ سکھوں نے مسلمانوں پر بزور قوت حکومت کی تھی اور سکھ ہی ان پر حکومت کریں گے۔ ہم لڑائی کے ذریعے ان سے اقتدار چھینیں گے اور ان پر حکومت کریں گے۔ میں نے بگل بجا دیا ہے۔ مسلم لیگ کو ختم کر دو۔'' اسی جلسے میں پنجاب اسمبلی کے دیرینہ کانگرسی رکن ڈاکٹر گوپی چند بھارگو نے اعلان کیا کہ 11/مارچ کو پورے پنجاب میں ''اینٹی پاکستان ڈے'' منایا جائے گا۔ جس کا مقصد صوبہ میں خالص فرقہ وارانہ وزارت کے مجوزہ قیام کے خلاف احتجاج کرنا ہو گا۔''[35] گاندھی کے سوانح نگار پیارے لال نے لکھا ہے کہ اس جلسے میں پنجاب کانگرس کے ایک سرکردہ لیڈر نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ میں نے کانگرس ہائی کمان سے مشورہ کیا ہے اور میں پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ تشدد ہو یا عدم تشدد ہو۔ تصادم ہوں یا تصادم

نہ ہوں ہم کسی صورت میں بھی یہاں مسلم لیگ کی وزارت نہیں بننے دیں گے۔"[36]

چنانچہ ماسٹر تارا سنگھ، لالہ بھیم سین سچر اور گوپی چند بھارگو کے اس اعلان جنگ کا یہ نتیجہ نکلا کہ دوسرے دن یعنی 4/مارچ کو جب سول نافرمانی کی غرض سے ہندوؤں اور سکھوں کا جلوس نکلا تو وسیع پیمانے پر فرقہ وارانہ خونریزی شروع ہوگئی۔ وہ خونریزی جس کا کئی مہینوں سے شدید خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا اور جس کے لئے فریقین نے پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ شہر کے مختلف علاقوں میں قتل وغارت، ماردھاڑ، لوٹ مار اور آتشزنی کی وارداتیں شروع ہوگئیں۔ مختلف محلوں میں مورچے لگ گئے۔ سارے فرقوں کے لوگ کلہاڑیاں، نیزے، تلواریں، دستی بم، بندوقیں اور دوسرے ہتھیار لے کر گھروں سے باہر آگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں راہگیر قتل ہوئے اور بیسیوں عمارتوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔

5/مارچ کو حکومت پنجاب نے لاہور کی صورت حال کے بارے میں ایک اعلان میں بتایا کہ شہر میں فساد کی ابتدا4/مارچ کو صبح 10 بجے ہوئی جب ہندوؤں اور سکھوں کا جلوس انارکلی سے گزر رہا تھا۔ تقریباً تین چار سو ہندوؤں اور سکھوں نے اس بازار میں پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائے اور انہوں نے مسلمانوں کی دکانوں پر سے مسلم لیگ کے جھنڈوں کو زبردستی اتار دیا...... سہ پہر کو ڈی۔اے۔وی کالج میں ہندو اور سکھ لیڈروں کا، جن میں ماسٹر تارا سنگھ، گیانی کرتار سنگھ، اودھم سنگھ ناگوکی اور ڈاکٹر گوپی چند بھارگو شامل تھے، ایک اجتماع ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ صرف سکھوں کے حق میں اور پاکستان کے خلاف نعرے لگائے جائیں گے۔ ہندوؤں کے نعروں سے قطعی طور پر گریز کیا جائے گا۔"[37]

اسی دن ہندوستان ٹائمز میں اس کے خصوصی نامہ نگار کی یہ رپورٹ چھپی کہ "سکھ مسلمانوں سے زیادہ منظم ہیں اور بہت بہتر طور پر مسلح ہیں۔ انہوں نے کچھ عرصہ قبل یہ اندازہ کر لیا تھا کہ خانہ جنگی ہوگی اور وہ اس کے لئے تیاریاں کرتے رہے ہیں۔ حکومت کے اعلیٰ برطانوی افسروں نے مجھے بتایا کہ اگر سکھوں نے ویسی ہی تحریک شروع کر دی جیسی کہ مسلم لیگ نے خضر حکومت کے خلاف کی تھی تو انہیں چار گنا زیادہ مشکلات درپیش ہوں گی۔ اگر اس قسم کی تحریک شروع ہوئی تو یہ بہت جلد فرقہ وارانہ فساد کی صورت اختیار کر لے گی۔ جس دن سے سکھوں نے خانہ جنگی کی پیش بینی کی ہے، اسی دن سے انہوں نے مسلمانوں کی عصبیت کے جواب کے طور پر

پنجاب میں سکھ سلطنت کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا ہے۔ پٹیالہ کی سب سے بڑی سکھ ریاست کی قیادت میں ساری سکھ ریاستوں کے وفاق کے قیام کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ ابتدائی نتائج حوصلہ افزا ہیں۔ جو حکمران کٹر سکھ نہیں تھے انہوں نے سکھوں کا روایتی مذہب قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے۔ حال ہی میں مہاراجہ کپورتھلہ کے دس سالہ بیٹے نے ایک شاندار تقریب میں امرت چکھ لیا ہے۔ اس تقریب میں سرکردہ اکالی لیڈروں نے شرکت کی تھی۔ جب پنجاب میں مختلف فرقوں کے متضاد دعاوی کا فیصلہ طاقت کے ذریعے کیا جائے گا تو سکھوں کو راشٹریہ سیوک سنگھ کی بھرپور حمایت حاصل ہوگی۔ یہ تنظیم بھی ہندوؤں کے حقوق کے دفاع کے لئے تیاریاں کرتی رہی ہے۔"[38]

5 مارچ کو چند گھنٹوں میں لاہور کی خبر ملتان اور امرتسر پہنچی تو ان دونوں شہروں میں بھی فوراً ہی قتل و غارت کے بازار گرم ہو گئے۔ اگلے دن گوجرانوالہ، سیالکوٹ، جالندھر اور فیروز پور میں بھی لاشوں کے انبار لگ گئے اور سینکڑوں مکان راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ مکانوں کی آگ میں بہت سی عورتیں بھی جل کر مر گئیں اور ان کے ساتھ ان کے معصوم بچے بھی لقمۂ اجل ہو گئے۔ 7 مارچ کو مری میں ہزارہ کے مسلمانوں نے خوشحال ہندوؤں اور سکھوں کی دکانوں اور گھروں پر ہلہ بول دیا اور خوب لوٹ مار کی۔ اسی دن راولپنڈی شہر میں جگہ جگہ خون بہنے لگا اور پھر فوراً ہی فرقہ وارانہ فساد کی یہ وبا کیمبل پور اور راولپنڈی کے دیہاتی علاقوں میں پھیل گئی۔ ان علاقوں میں فوج کے تربیت یافتہ مسلمان کسان بھاری اکثریت میں تھے۔ ہندوؤں اور کھتری سکھوں کی اقلیت زیادہ تر ساہوکاروں اور دکانداروں پر مشتمل تھی۔ چنانچہ اقلیت کا بھاری نقصان ہوا۔ بالخصوص سکھوں کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ بہت سے سکھوں نے اپنے سر اور داڑھی کے بال کٹوا کر اپنی جانیں بچائیں اور متعدد نے محض زندہ رہنے کے لئے اسلام قبول کر لیا۔

پورے پنجاب کے تقریباً سارے شہر اور کیمبل پور اور راولپنڈی کے دیہات کوئی دو ہفتے تک جلتے رہے اور خون بہتا رہا۔ جب تقریباً 20000 فوج نے بڑی مشکل سے صورت حال پر تھوڑا بہت قابو پالیا تو گورنر جینکنز کی حکومت پنجاب نے 20 مارچ کو ایک سرکاری بیان میں بتایا کہ کل 2049 افراد لقمۂ اجل بنے اور 1103 شدید زخمی ہوئے ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں ہلاک شدگان کی تعداد 1538 تھی۔ لیکن غیر سرکاری اندازہ اس سے بہت زیادہ تھا۔ شمالی

کمانڈ کے کمانڈنگ انچیف جنرل سر فرینک میسروی کا خیال تھا کہ ضلع راولپنڈی کے دیہاتوں میں سکھوں کا قتل عام ایک منصوبے کے تحت ہوا تھا۔ سکھوں کو چکلالہ کے نزدیک ایک ریل گاڑی سے نکال کر بھی تہ تیغ کیا گیا۔ امرتسر سکھوں کا گڑھ تھا لیکن وہاں بھی ان کی پٹائی ہوئی اور اس طرح پنجاب کی خانہ جنگی کے پہلے دور میں ماسٹر تارا سنگھ کے مسلمانوں کی بے دخلی کے منصوبے کی تکمیل نہ ہو سکی البتہ یہ ضرور ہوا کہ صوبہ میں مسلم لیگ کی وزارت نہ بن سکی۔ خضر حکومت کی جگہ 5 مارچ کو گورنر جینکنز کا راج قائم ہو گیا جس کی ہمدردیاں کھلم کھلا سکھوں کے ساتھ تھیں۔ فیروز خان نون لکھتا ہے کہ سر ایوان جینکنز ''بہرحال اپنے ذہن میں یہ طے کئے بیٹھے تھے کہ سکھ ایک اقلیت ہیں اور اس لئے پرامن لوگ ہیں، اس کے برعکس مسلمانوں کا رویہ جارحانہ ہے۔''[39] لیکن امرتسر کے سابق ڈپٹی کمشنر پینڈرل مون کی رائے اس سے مختلف تھی۔ اسے یقین تھا کہ سکھ اپنی ہزیمت اور اہانت پر خاموشی سے نہیں بیٹھیں گے۔ وہ وقت آنے پر ان علاقوں میں نہایت پر تشدد انتقامی کارروائی کریں گے جہاں ان کی برتری ہو گی۔ پنجاب کے شمالی علاقے میں جو کچھ ہوا تھا وہ تو بعد کی خانہ جنگی کی محض ایک ابتدا تھی۔ یہ پہلا راؤنڈ تھا، اصل المیہ تو بعد میں آنے والا تھا...... دہلی کے ایک سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مارچ کے اواخر میں یہ پیش گوئی کی تھی کہ اگر پنجاب تقسیم ہوا تو سرحد کے مغرب کی طرف کے سارے سکھوں اور مشرق کی طرف کے سارے مسلمانوں کے سر قلم ہو جائیں گے۔''[40]

سکھوں اور مسلمانوں کے مابین تضاد کا تاریخی پس منظر

سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان اس بظاہر لاینحل تضاد کی بنیاد مذہبی عقائد پر نہیں تھی۔ جو لوگ محض مذہب کو مختلف قوموں یا قومیتوں یا فرقوں کے درمیان تضاد کی بنیاد قرار دیتے ہیں انہیں اس حقیقت پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ سکھوں اور مسلمانوں کے متعدد مذہبی عقائد مشترک ہونے کے باوجود ان کے درمیان تاریخی، سیاسی اور معاشی وجوہ کی بنا پر پیدا شدہ تضاد انتہائی معاندانہ تھا اور یہ پرامن طور پر حل نہیں ہو سکتا تھا۔ سکھ بت پرست نہیں ہیں۔ وہ مسلمانوں کی طرح توحید پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ ذات پات اور چھوت چھات کے خلاف ہیں اور مسلمانوں کی طرح معاشرتی اخوت و مساوات کے علمبردار ہیں۔ وہ کسی دریا یا

پہاڑ یا جانور کو مقدس نہیں سمجھتے۔ وہ گوشت خور ہیں اور ان کی معاشرتی اقدار مسلمانوں کی معاشرتی اقدار سے خاصی ملتی جلتی ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود 46-1945ء میں ان دونوں فرقوں کے درمیان نفرت و دشمنی کی ایک وسیع خلیج حائل تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مجموعی طور پر دونوں فرقوں کی معاشی حالت میں یکسانیت نہیں تھی۔ شمالی پنجاب میں سکھوں کی زمینداریاں کم تھیں۔ وہ زیادہ تر ساہوکارہ کرتے تھے اور تھوک و پرچون تجارت پر ان کا غلبہ تھا۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت غریب کسانوں پر مشتمل تھی۔ چونکہ زیادہ تر زمین بارانی تھی اور اس کا بھی بیشتر رقبہ مسلمان جاگیرداروں کے قبضے میں تھا، اس لئے مسلمان غریب کسان اکثر و بیشتر غذائی قلت اور مفلسی کا شکار رہتے تھے۔ ان پر سکھ ساہوکاروں کے قرضے کا بھی بہت بوجھ رہتا تھا۔ پنجاب کی نہری نو آبادیوں میں سکھوں کی بڑی بڑی زمینداریاں تھیں۔ وہ بہت خوشحال بلکہ امیر کبیر تھے لیکن ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت بے زمین کسانوں پر مشتمل تھی۔ ہر قسم کے کاروبار میں بھی سکھوں کا خاصا حصہ تھا جب کہ زیادہ تر مسلمان مزدوری اور چھوٹی چھوٹی سرکاری یا غیر سرکاری ملازمتوں پر گزارا کرتے تھے۔

ان دونوں فرقوں کے درمیان لاینحل تضاد کی دوسری وجہ پنجاب کی تین سو سالہ تاریخ میں پنہاں تھی۔ تاریخ کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ سکھوں نے سترہویں صدی کے اوائل میں مغلوں کی سلطنت کے خلاف بغاوت کی تھی جو کچل دی گئی تھی۔ ان کا پانچواں گورو ارجن دیو شہنشاہ جہانگیر کی قید میں مرا تھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں بھی سکھوں کی بغاوت ہوئی تو اسے بھی سختی سے کچل دیا گیا تھا اور دہلی میں نویں گورو تیغ بہادر کا سر قلم کر دیا گیا تھا۔ دسواں گورو گوبند سنگھ بھی مغل شہنشاہ کے غیض و غضب سے نہ بچا اور اس کے دو بیٹوں کو سرہند میں زندہ دفن کر دیا گیا تھا اور خود گورو گوبند سنگھ بھی 1708 میں گھوڑوں کے ایک پٹھان سوداگر کے بیٹوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا کیونکہ اس نے چند سال قبل یکا یک غصے میں آ کر ان کے والد کو قتل کر دیا تھا۔ فرخ سیر کے عہد میں بہت سے سکھ قیدیوں کو پہلے تو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور پھر انہیں قتل کیا گیا تھا۔ اٹھارویں صدی میں احمد شاہ ابدالی نے امرتسر میں سکھوں کی طاقت کو بری طرح کچلا تھا اور ایک سے زیادہ مرتبہ ان کے مقدس ترین گوردوارے کو تہس نہس کر دیا تھا۔ سکھوں کا مذہبی لٹریچر مسلمان حکمرانوں کے تشدد کی صحیح یا غلط یا مبالغہ آمیز داستانوں

سے بھرا پڑا ہے اور ہر سکھ کو مذہبی تعلیم کے دوران یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مسلمان حکمران نہ صرف ان کے آباؤاجداد بلکہ ان کے مذہبی گوروؤں کے بدترین دشمن تھے۔

دوسری طرف پنجاب کے مسلمانوں کو بھی یہ حقیقت نہیں بھولتی کہ جب سکھوں نے مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانے میں پٹیالہ سے لے کر خیبر تک اپنی جاگیردارانہ استبدادی سلطنت قائم کی تھی تو مسلمان رعایا تقریباً نصف صدی تک ان کے ظلم وستم کا خصوصی نشانہ بنی رہی تھی۔ مسلمانوں کو نہ صرف جبر و تشدد کے ذریعے ان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق سے محروم کیا گیا تھا بلکہ انہیں اذان دینے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی مسجدیں مسمار کر دی گئی تھیں اور بڑی بڑی مسجدوں میں گھوڑے باندھ دیئے گئے تھے۔ لاہور کی عالمگیری مسجد کو بہت دیر تک اصطبل کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ صوبہ سرحد میں ہری سنگھ نلوا نے اس قدر مظالم ڈھائے تھے کہ پٹھان عورتیں 1947ء میں بھی ہری سنگھ کا نام لے کر اپنے بچوں کو ڈرایا کرتی تھیں۔ مسلمانوں میں ''سکھا شاہی'' کی اصطلاح انہیں اپنی تاریخ کے بدترین استبدادی دور کی یاد دلاتی تھی۔ سید احمد اور اس کے بہت سے مجاہدین بھی سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران بھی سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سب سے زیادہ امداد کی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سکھوں کی امداد انگریزوں کے حق میں فیصلہ کن تھی اور پھر اس صدی کے تیسرے عشرے میں مسجد شہید گنج کے تنازعے کی بنا پر سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت خونی تصادم ہوئے تھے۔ یہ تاریخی تضاد بہت پرانا نہیں تھا کہ جسے آسانی سے فراموش کیا جا سکتا۔

1947ء میں جب پنجاب کے آئندہ سیاسی اقتدار کا مسئلہ پیدا ہوا تو ان دونوں فرقوں میں تصادم ناگزیر تھا۔ یہ کھلم کھلا اقتدار کی جنگ تھی۔ متنازعہ فیہ مسئلہ یہ تھا کہ انگریزوں کے جانے کے بعد پنجاب پر کون حکومت کرے گا؟ سکھ اقلیت میں تھے لیکن وہ مسلم اکثریت کی حکمرانی بالکل اسی طرح قبول کرنے کو تیار نہیں تھے جس طرح ہندوستان کی مسلم اقلیت ہندو حکمرانی قبول کرنے سے انکار کرتی تھی۔ چونکہ دونوں فرقوں کے معاشرے طبقاتی تھے۔ اس لئے ان کے بالائی طبقوں کے درمیان کوئی پرامن سیاسی تصفیہ نہیں ہو سکتا تھا۔

باب: 8

کانگرس کی طرف سے تقسیم پنجاب کا مطالبہ

تقسیم پنجاب کا مطالبہ

پنجاب میں خانہ جنگی شروع ہونے کا ایک نہایت اہم سیاسی نتیجہ یہ نکلا کہ کانگرس کی مجلس عاملہ نے سردار پٹیل کی تجویز پر 8 / مارچ کو ایک قرارداد منظور کی جس میں ہندوستان کی تقسیم کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔ قرارداد میں پنجاب کے فسادات پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی گئی کہ ''پنجاب میں تشدد اور جبر سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا...... لہٰذا مناسب یہی ہے کہ کوئی ایسی راہ اختیار کی جائے کہ کم سے کم جبر ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پنجاب کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ مسلم اکثریت والا علاقہ غیر مسلم اکثریت والے علاقے سے الگ ہو جائے۔''[1]

قرارداد کی منظوری سے اگلے روز نہرو نے صوبہ بنگال کی تقسیم کا بھی مطالبہ کر دیا۔ اس نے ویول کو لکھا کہ ''جس اصول پر ہم نے پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کیا ہے وہی اصول بنگال پر بھی لاگو ہوتا ہے۔'' اور یہ کہ ''وزارتی مشن منصوبہ میں غیر مسلم اکثریت کے حامل مغربی بنگال اور مشرقی پنجاب کو اپنے صوبوں سے الگ علاقے قرار دیا جائے کیونکہ وہ انڈین یونین سے علیحدگی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔''[2] 10 / مارچ کو نہرو نے ویول کے ساتھ ملاقات کی جس میں پنجاب کے مسئلے پر اپنی رائے دیتے ہوئے نہرو نے مطالبہ کیا کہ ''عارضی طور پر گورنر کے ماتحت دو وزارتیں تشکیل دے دی جائیں۔ ایک صوبے کے مشرقی حصے کے لئے اور دوسری مغربی حصے کے لئے۔''[3]

وائسرائے کے سٹاف میں شامل ہندو آئی سی ایس اعلیٰ افسران میں وی۔ پی مینن کے علاوہ ایک بنگالی بابو بی۔ این۔ راؤ بھی تھا جو وائسرائے کے خصوصی آئینی مشیر کے منصب پر فائز

تھا۔ اس نے 12 مارچ کو نہرو کی تائید کرتے ہوئے ایک فارمولا وائسرائے کو پیش کیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ صوبے کی مجلس قانون ساز مشترکہ رہنے دی جائے اور چند محکمے مثلاً پبلک سروسز، خزانہ اور قانون وامن عامہ کو مشترکہ رہنے دیا جائے لیکن بقیہ تمام محکمے علاقائی بنیادوں پر تقسیم کر کے دو دو وزیروں کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔'' لیکن ویول نے اس پر یہ نوٹ لکھا کہ۔''گورنر کو اس تجویز سے آگاہ کر دیا جائے لیکن یہ تجویز ناقابل عمل معلوم ہوتی ہے۔''[4]

14 مارچ کو نہرو نے لاہور میں جینکنز کے ساتھ ملاقات کی اور کہا کہ ''اب کسی نہ کسی قسم کی تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے۔ تاہم یہ موجودہ آئینی ڈھانچے کے دائرے میں رہتے ہوئے ہونی چاہیے۔'' اس نے تجویز کیا کہ پنجاب کو تین علاقوں میں بانٹ دیا جائے۔ ایک مسلم علاقہ، دوسرا وسطی علاقہ اور تیسرا غیر مسلم علاقہ۔ وزیروں کا تقرر اس انداز سے کیا جائے کہ ہر علاقہ مخصوص شعبوں میں خودمختار ہو جائے۔ تاہم تینوں علاقوں کے وزراء مشترکہ مقاصد کے لئے اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں۔'' اس ملاقات کے دوران نہرو نے پنجاب میں مارشل لاء کے نفاذ کا مطالبہ بھی کیا۔''[5] انہی دنوں بلد یو سنگھ نے بھی اسی نوعیت کا مطالبہ کیا تھا۔ گویا پنجاب میں غیر مسلم اقلیتوں کو جب عدم تحفظ کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے جمہوریت اور سیکولرازم کے نعرے چھوڑ کر مارشل لاء اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کے مطالبات کرنا شروع کر دیئے۔ کل ہند سطح پر سیکولر جمہوریت کا نعرہ ہندو بورژوا کے مفاد میں تھا لیکن پنجاب کی سطح پر مسلم اکثریت کا سامنا کرتے ہوئے اسے برعکس مؤقف اختیار کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی گروہ، طبقہ، فرقہ یا قوم کی طرف سے کسی نعرے یا نظریے یا تصور کو اس کے میرٹ پر نہیں بلکہ اس سے وابستہ مفاد کی بنیاد پر اختیار کیا جاتا ہے۔

کٹا پھٹا پاکستان یا وزارتی مشن منصوبہ، مسلم لیگ کا نقطۂ نظر

کانگرس کی جانب سے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے مطالبے کی منطق واضح طور پر مطالبہ پاکستان کی تائید کرتی تھی۔ اگر غیر مسلم اقلیت کو مسلم اکثریت کے جبر سے محفوظ کرنے کے لئے پنجاب کی تقسیم جائز اور ضروری تھی تو مسلم اقلیت کو ہندو اکثریت کے جبر سے محفوظ کرنے کے لئے پورے برصغیر کی تقسیم کیوں جائز اور ضروری نہ تھی۔ ای۔ ڈبلیو۔ آر۔ لمبی کہتا

ہے کہ ''مسلم لیگ کے مخالفین کے اس مؤقف کی بنیاد اس امید پر تھی کہ جب جناح کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم یقینی نظر آئے گی تو وہ اپنے مطالبہ پاکستان کو ترک کر دیں گے اور لیگ کو ترغیب دیں گے کہ وہ پھر وزارتی مشن کے منصوبے کو قبول کر لے۔ اس امید کی بنیاد اس زمانے میں اس وسیع پیمانے کے تاثر پر تھی کہ کٹا پھٹا پاکستان نہ تو معاشی طور پر چل سکے گا اور نہ ہی وہ خود اپنا دفاع کرنے کے قابل ہو گا لہٰذا یہ ناقابل عمل تجویز انتہائی کٹر مسلمانوں کے لئے بھی دلکش نہیں ہوگی۔ یہ تاثر مسلم لیگ کے ہمدردوں میں بھی پایا جاتا تھا اور اس میں شدت اس بے یقینی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور آسام پاکستان میں شامل ہوں گے یا نہیں۔''[6]

چوہدری محمد علی کی رائے یہ ہے کہ کانگرس کی اس قرارداد کی بنیاد اس کے اس رویے پر تھی کہ وہ وزارتی مشن کے منصوبے کو من وعن تسلیم کرنے کی بجائے کٹے پھٹے پاکستان کو تسلیم کر لے گی۔ بعض کانگرسی لیڈروں کو امید تھی کہ جب مسلم لیگ کو کٹے پھٹے پاکستان کی پیش کش کی جائے گی تو وہ ان ترمیموں اور تعبیروں کو تسلیم کر لے گی جو کانگرس نے مشن منصوبے کے سلسلے میں پیش کی تھیں۔ لیکن یہ ان کی خوش فہمی تھی۔ مسلم لیگ کا رویہ یہ تھا کہ اگر اسے وزارتی مشن کے اصلی منصوبے اور کٹے پھٹے پاکستان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو وہ اول الذکر کو قبول کر لے گی۔ لیکن اگر اسے کٹے پھٹے پاکستان اور کانگرس کے وحدانی ہندوستان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا گیا تو وہ کٹے پھٹے پاکستان کو ترجیح دے گی۔''[7]

8 ؍مارچ کی قرارداد میں کانگرس نے جس انداز سے مسلم لیگ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی اس پر مسلمانوں میں شدید ردعمل پایا جاتا تھا۔ ایک طرف تو کانگرس نے پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا اور دوسری طرف مسلم لیگ کو مذاکرات کی دعوت بھی دی تھی۔ اس پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے 12 ؍مارچ کو جناح نے بمبئی میں مسلم صحافیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''ہمارا نظریہ، ہمارا نصب العین، ہمارے اساسی اور بنیادی اصول اور ہمارا پروگرام ہندو تنظیموں سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ ان سے متصادم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مل کر کام کر سکتے ہیں۔ تعاون اور مل کر کام کرنے کی کوئی مشترکہ بنیاد موجود نہیں ہے...... آیئے آگے بڑھیں اور مل کر آگے بڑھیں۔ انشاء اللہ ہم پاکستان حاصل کر کے رہیں گے۔'' لیکن انہی دنوں ڈیلی ٹیلی گراف کے نمائندے کولن ریڈ کو

انٹرویو دیتے ہوئے جناح نے کہا کہ ''جب تک ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ میری ملاقات نہ ہو جائے، میں کانگرس کی قرارداد کے جواب میں کوئی قدم آگے نہیں بڑھاؤں گا۔'' جناح نے ریڈ کو یہ تاثر بھی دیا کہ ''اگر کانگرس وزارتی مشن منصوبہ کو غیر مبہم طور پر قبول کر لے تو وہ بھی اسے قبول کر لیں گے۔''[8] گویا جناح مطالبہ پاکستان پر بار بار اصرار کے باوجود اب بھی متحدہ ہند کے دائرے میں تصفیہ کے خواہاں تھے۔ لیکن کانگرس نے جو شروع سے اس منصوبے کو سبوتاژ کرتی آئی تھی، اب پنجاب کی تقسیم کا سوال اٹھا کر حالات کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں اس منصوبے پر عملدرآمد کا امکان تقریباً ختم ہو گیا تھا۔

کانگرس کا مقصد سکھ۔مسلم تضاد کو شدید تر کرنا تھا

کانگرس کی قرارداد کا غالباً سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ پنجاب میں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان تضاد میں شدت پیدا کی جائے تا کہ ان کے درمیان مفاہمت کی کوئی گنجائش نہ رہے بلکہ سکھوں کے اس رجحان کو تقویت ملے کہ وہ مسلمانوں کی غلامی قبول نہیں کریں گے۔ چنانچہ قرارداد کی منظوری کے تین دن بعد 11/مارچ کو بلدیو سنگھ نے ویول کے نام ایک تفصیلی خط لکھا جس میں اس نے پنجاب پر لیگ کے غلبے کے خطرات کا اعادہ کیا۔ اس نے اعلان 20/فروری کے حوالے سے لکھا کہ اس کے مطابق جون 1948ء میں صوبے میں جو بھی برسر اقتدار ہوگا، انگریز اسے اقتدار سونپ کر یہاں سے رخصت ہو جائیں گے اور یہ کہ ''......ایک مرتبہ مسلم لیگ اقتدار میں آ گئی تو وہ اپنی من مانی کرے گی۔ میں نہایت ادب سے آپ کو تنبیہ کر رہا ہوں کہ سکھوں کو یہ صورتحال استخراجی طور بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔'' اس نے لکھا کہ ''اگر مسلم لیگ نے وزارت بنائی تو سکھ اس میں نہ شامل ہو سکتے ہیں اور نہ ہوں گے۔'' اور یہ کہ ''میں اپنے فرقے کی جانب سے پرزور مطالبہ کرتا ہوں کہ لیگ وزارت تشکیل نہ کی جائے اور حکومت برطانیہ فوری اقدام کر کے صوبے کو تقسیم کر دے تا کہ جون 1948ء تک اقتدار دونوں علاقوں کے متعلقہ نمائندوں کو منتقل ہو سکے۔''[9] اگرچہ اسی بلدیو سنگھ نے کانگرس کی قرارداد (8/مارچ) سے دو روز قبل (6/مارچ) کو ویول کے معاون جارج ایبل کے ساتھ ملاقات میں فرقہ وارانہ بنیاد پر پنجاب کو دو صوبوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تھا مگر اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ حکومت برطانیہ کو چاہیے کہ وہ

کانگرس اور مسلم لیگ پر یہ اچھی طرح واضح کر دے کہ گروپ ب ضرور تشکیل دیا جائے۔ اس نے اس امر پر بھی آمادگی ظاہر کی تھی کہ پنجاب کا غیر مسلم صوبہ دس سال تک گروپ ب میں شامل رہے گا۔"[10] مگر اب وہ جون 48ء میں علیحدہ علیحدہ اقتدار کی منتقلی کا مطالبہ کر رہا تھا۔

بلدیو سنگھ اعتدال پسند سکھ رہنما تھا اور مشن منصوبہ کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی حل کا خواہاں تھا۔ جب کہ ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی کرتار سنگھ وغیرہ انتہا پسندانہ نعرے لگا رہے تھے۔ کانگرس کی قرارداد نے بلدیو سنگھ کو بھی انتہا پسندوں کی جانب دھکیل دیا تھا۔ کانگرس نے اس قرارداد کے ذریعے از خود اپنے ایک قومی نظریئے کو دفن کر دیا تھا۔ وہ قبل ازیں مسلم اقلیت سے یہ توقع کرتی رہی تھی کہ وہ اپنی مخصوص مذہبی روایات، معاشرتی اقدار، ثقافتی اطوار اور معاشی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر متحدہ ہندوستان میں برطانوی طرز کے سیکولر پارلیمانی نظام کو قبول کر لے۔ لیکن مارچ کے اوائل میں پنجاب کے فسادات کے بعد اس کی سکھوں کو تلقین یہ تھی کہ وہ محض مذہبی وجوہ کی بناء پر پنجاب میں مسلم لیگ کی حکومت کے قیام کو مسترد کر دیں۔ اس قرارداد سے کانگرس کی دوغلی اور منافقانہ سیاست، بالکل بے نقاب ہوگئی تھی۔ وہ دراصل مطالبہ پاکستان کو اس شرط کے ساتھ قبول کرنے پر آمادہ ہو چکی تھی کہ پنجاب اور بنگال کے غیر مسلم اکثریت والے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے۔

پٹیل اور وی۔ پی مینن کا نا قابل عمل، کٹا پھٹا، نیم آزاد پاکستان

وائسرائے ویول کا آئینی مشیر وی۔ پی مینن جو کانگرس کے مرد آہن سردار پٹیل کا خاص آدمی سمجھا جاتا تھا، لکھتا ہے کہ "یہ دسمبر 1946ء کے اواخر یا جنوری 1947ء کے اوائل کی بات ہے جب میری ولبھ بھائی پٹیل کے ساتھ طویل گفتگو ہوئی۔ میں نے رائے دی کہ وزارتی مشن منصوبہ کے تحت متحدہ ہندوستان محض ایک خیال خام ہے۔ اس میں مجوزہ تین سطحی آئینی نظام بے ہنگم اور نا قابل عمل ہے۔ اس منصوبے میں مجھے ملک کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا...... میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ملک کو تقسیم کرنا ہی بہتر ہوگا، بجائے اس کے کہ حالات خراب ہو کر خانہ جنگی کی نوبت تک پہنچ جائیں۔" اس نے پٹیل کو یہ بھی سمجھایا کہ اگر برطانوی دولت مشترکہ میں ڈومینین کی حیثیت سے رہنا قبول کر لیا جائے تو پھر برطانوی حکومت ان دونوں مرکزی حکومتوں

کو بہت جلد اقتدار منتقل کر دے گی۔ پٹیل نے کہا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو مجھے یہ قابل قبول ہے۔ اس کے بعد پٹیل کی موجودگی میں وی۔ پی مینن نے اس منصوبے کا مسودہ تیار کیا اور ایک خصوصی ایلچی (سدھیر گھوش جس کا تعلق ٹاٹا گروپ سے تھا) کے ہاتھ وزیر ہند کے پاس لندن بھیجا۔ ان کے مجوزہ پاکستان میں پنجاب، بنگال اور آسام کے غیر مسلم اکثریت کے علاقے شامل نہیں تھے۔ انگریزوں سے یہ منصوبہ منوانے کی خاطر اس میں ان کے لئے یہ کشش شامل کی گئی کہ دونوں ملک برطانوی دولت مشترکہ میں ڈومینین کی حیثیت سے شامل رہیں گے۔ اس بنیاد پر انتقال اقتدار کے سلسلے میں مینن اور وزارت ہند کے مابین خط وکتابت جاری رہی اور اسے لارڈ ویول کی رضامندی بھی حاصل رہی۔[11]

اس کا عندیہ اس خط سے بھی ملتا ہے جو ویول نے اعلان 20 رفروری پر کانگرس اور مسلم لیگ کے ردعمل پر اپنے تاثرات سے پیتھک لارنس کو آگاہ کرتے ہوئے 26 رفروری کو لکھا تھا۔ اس نے لکھا کہ "کانگرس والوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس اعلان کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مسلم لیگ کے ساتھ کسی تصفیے پر نہیں پہنچ پاتے تو وہ ہندوستان میں ایک مضبوط وحدانی حکومت قائم کر سکیں گے جس کی بنیاد وزارتی مشن منصوبہ پر نہیں بلکہ ہندوستان کی ضرورت سے متعلق ان کے اپنے تخمینوں پر ہوگی۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے حصے میں صرف ایک چھوٹا سا پاکستان ہی آئے گا...... تاہم لیگ کی جانب سے موافق تاثر کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ اگر لیگ، کانگرس کے ساتھ تعاون پر آمادہ نہیں ہوتی ہے تو پھر اسے چھوٹا پاکستان نہیں بلکہ بڑا پاکستان مل جائے گا۔...... لیکن کانگرس کا خیال ہے کہ مسلمان اپنے معاشی مسائل کے ہاتھوں مجبور ہو کر جلد یا بدیر راہ شکست اختیار کر لیں گے۔ جب کہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ ہندوؤں میں ذرہ برابر بھی فیاضی کا عنصر موجود نہیں ہے اس لئے وہ ان پر اعتبار نہیں کر سکتے۔"[12] یہی وجہ تھی کہ وزارتی مشن منصوبے کے بارے میں کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اور عبوری حکومت میں بھی دونوں پارٹیوں میں شدید محاذ آرائی تھی۔ کلکتہ، نواکھلی، بہار اور گڑھ مکتیشر کے فسادات نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاف کو متحدہ ہندوستان کے سیاسی ڈھانچے کے اندر حل نہیں کیا جا سکتا۔

سردار پٹیل اور وی۔ پی مینن بہت غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اگر مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو اس شرط کے ساتھ قبول کر لیا جائے کہ وہ پنجاب اور بنگال کی غیر مسلم اکثریت کے علاقوں پر دعویٰ نہ کرے تو آزادی حاصل کرنے کے لئے نئے آئین کے طویل انتظار کرنے اور قدم قدم پر جھگڑے اور فساد کا خطرہ مول لینے کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوگی۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے بعد پاکستان اتنا چھوٹا رہ جائے گا کہ وہ چل نہیں سکے گا۔ جنوری 1947ء میں تقسیم ہند کے بارے میں سردار پٹیل کی رائے میں مزید پختگی آ گئی جب کہ مسلم لیگ نے دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کانگرس نے ایگزیکٹو کونسل کے مسلم لیگی ارکان کی برطرفی کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔ عبوری حکومت میں تعاون اور اشتراک عمل کی فضا بالکل ختم ہو گئی تھی۔

لیاقت علی کے بجٹ نے ہندو بورژوا میں علیحدگی کے رجحان کو تقویت دی

جب لیاقت علی خان نے 28 رفروری کو عبوری حکومت کا بجٹ پیش کیا تو سردار پٹیل کو پورا یقین ہو گیا کہ برصغیر کی تقسیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بجٹ میں ایک لاکھ روپے سے زائد تجارتی منافع حاصل کرنے پر 25 فیصد خاص ٹیکس لگایا گیا تھا اور یہ تجویز پیش کی گئی کہ جنگ کے زمانے میں ٹیکسوں کی عدم ادائیگی کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ ان تجاویز سے ہندوؤں کے تجارتی اور صنعتی حلقوں میں تہلکہ مچ گیا۔ ہندوؤں کا یہی بورژوا طبقہ سردار پٹیل کی سیاسی قوت کا سرچشمہ تھا اور کانگرس کو اس طبقے سے چندہ ملتا تھا۔ اس بجٹ کے بارے میں وی۔ پی مینن لکھتا ہے کہ ''کانگرسی حلقوں میں اس کا یہ مطلب لیا گیا کہ اس کے ذریعے ہندو سرمایہ داروں کو سزا دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ کانگرس کی زیادہ تر مالی امداد کرتے ہیں اور اس کوشش کا مقصد یہ بھی ہے کہ کانگرس پارٹی کے اندر موجودہ دائیں بازو اور سوشلسٹ گروپ کے درمیان اختلاف کو ہوا دی جائے۔''[13]

ویول نے اس بجٹ کو ''سوشلسٹ'' قرار دیا اور وزیر ہند کے نام اپنے مراسلے (5 رمارچ) میں لکھا کہ ''اس بجٹ نے کانگرس پارٹی کے حقیقی سوشلسٹوں کو بہت اپیل کیا ہے لیکن سرمایہ داروں کو خوف میں مبتلا کر دیا ہے...... برلا کے اخبار ہندوستان ٹائمز نے کروڑ پتیوں

کی جانب سے خوب واویلا مچایا ہے جن کے لامحدود منافع جات کو ان بجٹ تجاویز سے خطرہ لاحق ہو گیا ہے...... مسلم لیگی اس سے بہت خوش ہیں۔ لیکن کانگرس پر سرمایہ داروں کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے اس لئے عین ممکن ہے کہ اسمبلی میں اس میں ترامیم اختیار کی جائیں۔'' اس نے مزید لکھا کہ ''اس بجٹ سے ہندوستان میں موجود برطانوی مفادات کو بھی دھچکا لگا ہے جو کہ سرمایہ دارانہ ہیں۔ کلائیو سٹریٹ بہت مغموم ہے...... جب سے بجٹ تقریر ہوئی ہے کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے سٹاک ایکسچینج بند پڑے ہیں۔''[14]

17 / مارچ کو پٹیل نے ویول کے ساتھ ملاقات کی۔ اس کا احوال بیان کرتے ہوئے ویول اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ ''پھر بجٹ پر گفتگو چل نکلی۔ جس کے خلاف اس نے خوب زہر اگلا۔ ظاہر ہے کہ برلا اور بڑے کاروباری طبقے کی دکھتی رگ پکڑی گئی ہے اور پٹیل کے ان کے ساتھ قریبی مراسم ہیں۔ وہ اس بجٹ میں ترمیم کی خاطر ہر ممکن ذریعہ استعمال کر رہے ہیں۔ پٹیل چاہتا ہے کہ کابینہ پورے بجٹ پر دوبارہ غور کرے۔''[15] 18 / مارچ کو ویول نے لیاقت کے ساتھ ملاقات میں اس بارے میں بات کی۔ لیاقت نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر کانگرس کو بجٹ میں ترامیم کرانا مقصود تھا تو اس کا آسان طریقہ یہ تھا کہ نہرو مجھ سے براہ راست اس مسئلہ پر بات کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ برلا اور ڈالمیا کی قیادت میں بڑے کاروباری طبقے نے کانگرس ہائی کمان پر دباؤ ڈالا ہے۔ جو مجھ سے براہ راست بات کرنے کے بجائے سلیکٹ کمیٹی کے چور دروازے سے سازش کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔''[16]

ویول نے 22 / مارچ کو جو بطور وائسرائے اس کا آخری روز تھا، نئے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کے لئے کابینہ سے متعلق جو نوٹ تیار کیا۔ اس میں بجٹ کے قضیے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ''دراصل فروری کے اوائل میں جب بجٹ تجاویز تیار کی جا رہی تھیں، ان تجاویز پر نہرو اور جان متھائی کو اعتماد میں لے لیا گیا تھا اور ان کی رضامندی سے انہیں حتمی شکل دی گئی تھی۔ لیکن جب بجٹ کا اعلان ہو گیا تو بڑے کاروباری طبقے نے جسے کانگرس پر سخت گرفت حاصل ہے اور وہ سوشلسٹ نہرو کو بھی دبا سکتا ہے، واویلا مچانا شروع کر دیا۔ جس کی بازگشت پورے ملک میں سنائی دے رہی ہے۔'' اس نے مزید لکھا کہ اس بجٹ کے نتیجے میں، کانگرس میں سوشلسٹوں مثلاً نہرو اور سرمایہ داروں مثلاً پٹیل کے درمیان موجود شدید

اختلافات کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔" اس نوٹ میں اس نے یہ بھی لکھا کہ پٹیل، جی۔ڈی برلا کی جیب میں ہے۔"[17]

ان بجٹ تجاویز کا ذکر کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد لکھتا ہے کہ "کانگرس کی یہ واضح پالیسی تھی کہ معاشی ناہمواریوں کو دور کیا جائے گا اور سرمایہ دارانہ معاشرے کو بتدریج تبدیل کر کے سوشلسٹ انداز پر استوار کیا جائے گا۔ کانگرس کے انتخابی منشور میں بھی یہی موقف اختیار کیا گیا تھا...... لیاقت علی نے جو بجٹ تیار کیا وہ بظاہر کانگرس کے دعوؤں پر مبنی تھا لیکن درحقیقت اس کے ذریعے کانگرس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تھی...... لیاقت علی کی تجاویز پر ہمارے بعض ساتھیوں کو بے حد حیرت ہوئی۔ ان میں سے بعض درپردہ طور پر سرمایہ داروں کے ساتھ ہمدردیاں رکھتے تھے۔ بہت سے دوسرے دیانتداری سے یہ محسوس کرتے تھے کہ لیاقت علی نے بجٹ میں خصوصی تجاویز معیشت کے بجائے سیاست کو ملحوظ رکھ کر دی ہیں خاص طور پر سردار پٹیل اور سری راج گوپال اچاریہ اس بجٹ کے شدید مخالف تھے۔ کیونکہ انہیں محسوس ہوتا تھا کہ لیاقت علی کی غرض ملکی مفادات کی تکمیل کے بجائے صنعت کاروں اور تاجروں کو پریشان کرنے سے ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کا اصل مقصد کاروباری طبقے کے ارکان کو نقصان پہنچانا تھا جن کی اکثریت ہندو تھی۔ راجہ جی نے کابینہ میں صاف الفاظ میں کہا کہ وہ لیاقت علی کی تجاویز کی مخالفت کرتے ہیں اور اس جانب اشارہ کیا کہ یہ تجاویز فرقہ واریت کو ملحوظ رکھ کر دی گئی ہیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ یہ تجاویز کانگرس کے اعلانیہ مقاصد سے مطابقت رکھتی ہیں۔ چنانچہ ہم اصولوں کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ ہمیں چاہیے کہ ان کو میرٹ پر پرکھیں اور جہاں کہیں یہ ہمارے اصولوں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں وہاں ان کی حمایت کریں۔"[18] لیکن آزاد، جس کی حیثیت کانگرس میں محض شوبوائے کی تھی، کی کوئی پیش نہ گئی اور کانگرسی قیادت نے بجٹ کی سخت مخالفت کی۔ پٹیل پہلے ہی لیاقت علی کی وزارت خزانہ کے ہاتھوں زچ ہو چکا تھا۔ آزاد کے مطابق یہی پٹیل جو عبوری حکومت میں محکموں کی تقسیم کے وقت خزانہ کا قلم دان مسلم لیگ کو دینے پر اس لئے آمادہ ہوا تھا کہ تکنیکی نوعیت کا یہ محکمہ چلانے میں مسلم لیگ ناکام ہو جائے گی، اب پچھتاوے کا شکار تھا اور اسے اب یہ احساس ہوا تھا کہ لیگ کو خزانہ کا قلم دان دے کر

وہ لیگ کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ جو تجویز بھی بنا کر بھیجتا تھا، لیاقت علی کی جانب سے یا تو رد کر دی جاتی تھی یا اس میں اس قدر ردوبدل کیا جاتا تھا کہ اس کی شکل بگڑ جاتی تھی۔ اس کی مسلسل مداخلت کے نتیجے میں کانگرس کے وزیروں کا موثر ہو کر کام کرنا مشکل ہو گیا تھا۔''[19]

ان حالات میں ہندو بورژوا اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کو ساتھ رکھ کر اس کے مقاصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ پورے برصغیر کے وسائل کا استحصال کرنے کی خاطر ایک مضبوط مرکز میں بلاشرکت غیرے اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لئے مسلم اکثریت کے دو تین صوبے چھوڑ دینا بھی اب اسے گوارا ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ پٹیل کی جانب سے ٹاٹا گروپ کے کارندے سدھیر گھوش نے 10 / مارچ کو وزیر ہند پیتھک لارنس کو لندن میں ایک دستاویز پہنچائی جس میں انتقال اقتدار سے متعلق تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ ان میں سفارش کی گئی تھی کہ ہندوستان میں ایک مضبوط مرکزی حکومت کو اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ یہ حکومت منتخب مرکزی اسمبلی کو جواب دہ ہو۔ تاہم یہ بھی سفارش کی گئی کہ اگر دو یا اس سے زیادہ صوبے کسی مخصوص علاقے کی معاشی و سماجی ترقی کے لئے اشتراک عمل کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت دی جانی چاہیے۔ اس شق پر وزارت ہند کی جانب سے یہ نوٹ لکھا گیا کہ ''غالباً اس کا مقصد پنجاب اور بنگال میں فرقہ وارانہ مسئلہ حل کرنے کی خاطر صوبوں کو تقسیم کرنا ہے۔ لیکن اگر اس کا مقصد مسلمانوں کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ مرکز مسلم علاقوں کے حق میں اقتدار سے دستبردار ہو جائے گا تو اس کے لئے یہ شق ناکافی ہے۔''[20] تاہم اس شق کے ناکافی ہونے کے باوجود اس دستاویز سے برطانوی حکومت کو یہ عندیہ ضرور مل گیا تھا کہ ہندو بورژوازی اپنی مضبوط اور مستحکم مرکزی حکومت کے قیام کی خاطر مسلم اکثریت کے علاقوں سے دستبرداری پر آمادہ ہے۔

نہرو کے دست راست کرشنا مینن کا کٹا پھٹا نیم آزاد پاکستان

کرشنا مینن نہرو کے معتمد ساتھیوں میں سے تھا۔ وہ کئی برس سے لندن میں مقیم تھا اور آزادئ ہند کے بارے میں انڈین لیگ کے پلیٹ فارم سے کانگرس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کیا کرتا تھا۔ نہرو نے عبوری حکومت میں وزیر خارجہ بننے کے فوراً بعد اسے یورپی ممالک میں اپنا

خصوصی ایلچی بنا کر بھیجا اور اقوام متحدہ میں ہندوستان کا خصوصی مندوب مقرر کیا۔ وہ بھی مارچ47ء کے اوائل میں مسلمانوں کو ایک کٹا پھٹا خطہ دے کر الگ کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔اس نے 13رمارچ کو لندن میں نئے وائسرائے ہند ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی جو 23رمارچ کو ہندوستان جا کر چارج سنبھالنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس ملاقات میں اس نے ماؤنٹ بیٹن کوایک مفصل تحریر کی صورت میں اپنا منصوبہ پیش کیا۔اس نے تجویز کیا کہ دو پاکستان بنا دیئے جائیں جو مسلم اکثریت کے ان علاقوں پر مشتمل ہوں جہاں مسلم لیگ کو 46-45ء کے انتخابات میں خاصی بڑی تعداد میں نشستیں حاصل ہوئی ہیں۔(الف) ان میں سے ایک مغربی پاکستان ہو جو شمال مغرب میں واقع ہو۔اس میں پنجاب کے مسلم اکثریت کے اضلاع اور سندھ کے مسلم اضلاع شامل ہوں اور کراچی کے ذریعے سمندر تک رسائی بھی حاصل ہو۔''اگر چہ کراچی غیر مسلم اکثریت کا شہر ہے اور کل ہند اہمیت کا حامل ہے۔لیکن اس کے مغربی پاکستان میں شامل ہو جانے سے لیگ کو بھی ایک بحری اور فضائی مستقر اور ایک بڑا شہر مل جائے گا۔'' باقی ماندہ پنجاب کا ایک الگ صوبہ بنا کر کل ہند میں شامل کر دیا جائے۔ باقی ماندہ سندھ کے بارے میں بھی کچھ سوچا جا سکتا ہے۔(ب) دوسرا شمال مشرق میں واقع مشرقی پاکستان ہو جو مشرقی بنگال کے مسلم اکثریت کے اضلاع اور آسام کے بعض علاقوں پر مشتمل ہو''کوئی بھی ایسا حل جس کے نتیجے میں کلکتہ پاکستان کو دیا جائے گا وہ ناقابل عمل اور غیر مستحکم ہوگا۔'' یہ دونوں پاکستان خودمختار ریاستیں ہوں گی،صوبے نہیں ہوں گے وہ ماسوائے امور خارجہ اور دفاع کے تمام ریاستی اختیارات کے حامل ہوں گے۔ یہ دونوں محکمے فی الوقت کسی بھی پاکستان کونہیں دیئے جائیں گے۔البتہ آگے چل کر اس سلسلے میں سوچا جا سکتا ہے۔ اگر ان پاکستانوں کو کچھ دفاعی اختیارات دیئے بھی گئے تو کل ہند کے زبردست دفاع کے سامنے ان پاکستانوں کی دفاعی قوت نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ تاہم ان پاکستانوں کے پاس وزارتی مشن منصوبہ کے مجوزہ گروپوں کی نسبت زیادہ وسیع اختیارات ہوں گے۔ انہیں نہ صرف خودمختار ریاستوں کا درجہ حاصل ہوگا بلکہ وہ متذکرہ دومحکموں کے علاوہ بقیہ تمام امور میں بااختیار ہوں گے مثلاً محاصل، کرنسی،مواصلات بشمول ڈاک وریلوے، بیرونی تجارت، وسائل کا کنٹرول وغیرہ۔ نیز وہ اپنے پرچم اور سربراہان ریاست رکھیں گے۔انہیں ہندوستان سے مکمل علیحدگی اختیار کر کے

آزاد ریاست بننے کا حق بھی دیا جائے گا۔ بشرطیکہ انہیں دوسرے ممالک تسلیم کرلیں اور یہ اپنا موثر دفاع وضع کرلیں۔ آخر میں اس نے لکھا کہ وزارتی منصوبہ سے زیادہ اختیارات کے حامل پاکستان کی تشکیل کی کانگرس اور دوسرے حلقے سخت مخالفت کریں گے۔ جب کہ دوسری جانب جناح اسے کٹا پھٹا پاکستان قرار دے گا۔ لیکن دونوں فریقین کے پاس دوسرے متبادل اس سے زیادہ برے ہیں۔ مزید یہ کہ ان تجاویز سے جناح کا دو آئین ساز اسمبلیاں قائم کرنے کا مطالبہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔''[21] کرشنامینن کے مجوزہ پاکستانوں کے مغربی حصے میں صوبہ سرحد اور بلوچستان شامل نہیں تھے کہ سرحد اسمبلی میں کانگرس کو اکثریت حاصل تھی اور بلوچستان کی نمائندگی ویسے ہی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کرشنامینن کا مغربی پاکستان صرف مغربی پنجاب اور منقسم سندھ پر مشتمل ایک پٹی ہوتا جو چاروں طرف سے کل ہند کے نرغے میں ہوتا جس کے سامنے اس کی دفاعی قوت نہ ہونے کے برابر ہوتی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ایک چھوٹا اور کٹا پھٹا سا علاقہ دے دیا جائے۔ جو جلد ہی ناقابل عمل ثابت ہو جائے اور کل ہند کی قوت انہیں کل ہند کا حصہ بننے پر مجبور کر دے۔

ایک کٹا پھٹا نیم آزاد پاکستان اور ہندو بورژوا کے حقیقی عزائم

4/مارچ کو پٹیل نے بمبئی میں اپنے ایک دوست کانجی دوارکا داس کے نام ایک خط میں یہ رائے ظاہر کی کہ ''مسلم لیگ خانہ جنگی کے بغیر پنجاب اور بنگال نہیں لے سکتی''۔ اس نے لکھا کہ ''میرے خیال میں برطانوی حکومت تقسیم پر آمادہ نہیں ہوگی۔ بالآخر اسے عقل آجائے گی کہ عنانِ حکومت طاقت ور ترین پارٹی کے حوالے کر دینی چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہیں بھی کرے گی تو وہ تقسیم کرانے اور اسے برقرار رکھنے کے سلسلے میں اقلیت کی امداد نہیں کرے گی اور جب مشرقی بنگال، پنجاب کے ایک حصے، سندھ اور بلوچستان کے سوا سارے ہندوستان میں ایک مضبوط مرکز،، جس کے تحت مکمل خود مختاری ہوگی، اس قدر طاقت ور ہوگا تو بقیہ حصے بالآخر پھر ہمارے ساتھ آملیں گے۔''[22] اس خط سے ظاہر ہے کہ سردار پٹیل کو 4/مارچ تک یقین تھا کہ صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہیں ہوگا اور یہ کہ پنجاب اور بنگال کی کانٹ چھانٹ کے بعد پاکستان زیادہ دیر نہیں چل سکے گا اور اسے بالآخر ہندوستان میں شامل ہونا پڑے گا۔ اسی یقین

کے تحت سردار پٹیل نے 8 ر مارچ کو کانگرس کی مجلس عاملہ میں پنجاب کی تقسیم کے مطالبے کی قرارداد پیش کی جو منظور کر لی گئی۔ سردار پٹیل کا ایک سوانح نگار کے ایل پنجابی لکھتا ہے کہ ''سردار پٹیل اپنی غیر معمولی دور اندیشی کی بنا پر اس حتمی فیصلے پر پہنچا تھا کہ اگر ملک کی تقسیم نہ کی گئی تو پورا برصغیر افراتفری اور لاقانونیت کی لپیٹ میں آ جائے گا اور کانگرس ورکنگ کمیٹی نے حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کر کے اس کی اس رائے سے اتفاق کر لیا۔''[23]

گاندھی سے اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا کیونکہ وہ ان دنوں صوبہ بہار کے ان علاقوں کا دورہ کر رہا تھا جہاں گزشتہ سال نومبر میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔ اگرچہ بیشتر سیاسی مبصرین کی رائے یہ تھی کہ کانگرس نے اس قرارداد کے ذریعے پاکستان کا مطالبہ اصولی طور تسلیم کر لیا تھا لیکن خود سردار پٹیل نے چھ دن کے بعد اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن سے جو بات چیت کی اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس قرارداد کے پس پردہ اس کا یہ خیال بھی کارفرما تھا کہ ''جب حکومت برطانیہ کی طرف سے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا اعلان ہوگا تو مسلمان لیگ کو چھوڑ دیں گے اور اس بنا پر جناح یا تو کانگرس کی شرائط پر سمجھوتہ کر لے گا یا مسلم لیگ میں اس کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔''[24]

دی پی مینن کا خیال تھا کہ اگرچہ ہندوستانی مسلمانوں کو احساس تھا کہ پاکستان بطور سیاسی حربہ بہت مؤثر ہے لیکن اس کے بارے میں ان کی رائے میں اختلاف تھا۔ کچھ ایسے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ مطالبہ پاکستان کو کانگرس اور ہندو مہاسبھا کے ساتھ سیاسی سودا بازی کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہندوستان سے علیحدگی کے نظریے کی حمایت نہیں کرتے تھے۔ لیکن دوسروں کا خیال تھا کہ علیحدگی ہی ہندو مسلم مسائل کا واحد عملی حل ہے۔''[25]

پٹیل نے 8 ر مارچ کو ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اپنی قرارداد کے حق میں کے ایل پنجابی کی بیان کردہ دلیل کے علاوہ مینن کی دلیل بھی پیش کی ہوگی۔ لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اس وقت تک برصغیر کے مسلمانوں کی اپنے لئے ایک الگ وطن کی خواہش نے ان کی زندگی اور موت کے مسئلہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ان دنوں پاکستان کے حق میں مسلم رائے عامہ کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ کوئی مسلم لیگی لیڈر مسلم لیگ کو چھوڑنے یا مسلم لیگ کے اندر جناح کا تختہ الٹنے کی کوشش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ سردار پٹیل اور دوسرے سرکردہ ہندو کانگرسی لیڈروں کی

سب سے بڑی سیاسی غلطی یہی تھی کہ وہ ہمیشہ پاکستان کے بارے میں مسلم رائے عامہ کی طاقت کا غلط اندازہ کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی یہ احساس نہیں کیا تھا کہ 47-1946ء میں برصغیر کے مسلمانوں کی تقدیر کی باگ ڈور مٹھی بھر مسلم لیگی لیڈروں کے ہاتھ میں نہیں تھی بلکہ مسلم عوام میں اتنا سیاسی شعور پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جہاں تک مطالبہ پاکستان کا تعلق تھا خود اپنی تقدیر کے مالک بن گئے تھے۔ انہیں پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہونے پر صرف اسی صورت میں آمادہ کیا جا سکتا تھا کہ ہندو اکثریت کی قیادت انہیں خلوص نیت سے اور عملی طور پر فراخدلانہ سلوک کا یقین دلاتی۔ وزارتی مشن کے منصوبہ میں اس بات کا امکان موجود تھا لیکن گاندھی کی تنگ نظری اور منافقت نے یہ سنہری موقعہ ہاتھ سے گنوا دیا۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی کی اس قرارداد کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حکومت برطانیہ کی اس وقت تک اولین خواہش یہی تھی کہ وزارتی مشن کے آئینی منصوبے کے مطابق ہندوستان کی وحدت کو قائم رکھا جائے اور جناح کا موقف بھی یہ تھا کہ اگر کانگرس اس منصوبے کو من وعن تسلیم کر لے تو وہ مطالبہ پاکستان پر اصرار نہیں کریں گے۔

جزو دوم

کانگرس نواز ماؤنٹ بیٹن
اور تقسیم ہند

باب: 9

ہندو بورژوا اور برطانوی سامراج کے باہمی مفادات اور نئے وائسرائے کی آمد

ہندو بورژوا کی جانب سے برطانوی سامراج کی خوشنودی کے حصول کی کوشش

ہندو بورژوا اس انداز میں انتقال اقتدار چاہتا تھا کہ جس کے ذریعے برصغیر پر اس کی گرفت زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو جاتی اور مسلمان اور دیگر اقلیتیں بلکہ اردگرد کے ممالک بھی کمزور اور مطیع ہو کر رہتے۔ کانگرسی رہنماؤں کے نزدیک اس مقصد کا حصول وزارتی مشن کی مجوزہ علاقائی خودمختاری پر مبنی ڈھیلی ڈھالی گروپنگ سکیم کے بجائے ایک مضبوط مرکز کی حامل وحدانی حکومت کے قیام کے ذریعے سے ہی ممکن تھا خواہ اس کے لئے ایک کٹا پھٹا علاقہ پاکستان کے طور پر مسلمانوں کو کیوں نہ دینا پڑتا۔ ان کے خیال میں ناقابل عمل کٹا پھٹا نیم آزاد پاکستان تو کسی بھی وقت ان کی مضبوط مرکزی حکومت کے لئے تر نوالہ ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن انگریز برصغیر کی تقسیم کے مخالف تھے اور فرقہ وارانہ مسئلے کو متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے حل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ہندو بورژوا نے اپنی حسب منشا انتقال اقتدار کا مقصد حاصل کرنے کے لئے برطانوی حکومت کی ان چند سامراجی خواہشات کی تکمیل پر بھی آمادگی ظاہر کر دی جن کی اب تک کانگرس کے پلیٹ فارم سے مخالفت کی جاتی رہی تھی۔ ان میں سرفہرست معاملہ ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ دلا کر برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رکھنا تھا۔ اب تک کانگرس ڈومینین کی مخالفت اور مکمل آزادی کی حمایت کا نعرہ لگاتی رہی تھی اور جنوری 1947ء

میں آئین ساز اسمبلی میں ہندوستان کو آزاد ری پبلک بنانے کی قرارداد منظور کر چکی تھی مگر اب وہ تاج برطانیہ کی اطاعت میں ڈومینین کا درجہ قبول کرنے پر آمادہ تھی۔ جنوری 47ء کے اوائل میں پٹیل اور وی۔ پی مینن نے وزارتی مشن منصوبہ کو "بے ہنگم اور ناقابل عمل" قرار دے کر منقسم ہندوستان کا جو منصوبہ وضع کر کے وزیر ہند کو ارسال کیا تھا اس میں برطانوی سامراج کے لئے یہ کشش رکھی گئی تھی کہ دونوں ملک ڈومینین کی حیثیت سے دولت مشترکہ میں شامل رہیں گے۔ ہندو بورژوا کے لئے کشش کا پہلو یہ تھا کہ اس طرح ایک کٹے پھٹے پاکستان کے ٹکڑے کو چھوڑ کر ہندوستان کی مضبوط مرکزی حکومت کا اقتدار فوری طور پر کانگرس کو منتقل ہو جائے گا۔ انہیں ایک ایسے آئین کی تکمیل کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا کہ جسے مسلم لیگ سمیت تمام جماعتوں کی حمایت حاصل ہو۔ آئین ساز اسمبلی سے مسلم لیگ کے مسلسل بائیکاٹ کی وجہ سے ایسا آئین ویسے ہی ناممکن نظر آ رہا تھا۔ علاوہ ازیں ڈومینین کی حیثیت کو قبول کرنے کے حق میں مینن نے جو دلائل دیئے اور پٹیل نے ان سے اتفاق کرتے ہوئے متذکرہ منصوبہ وضع کروایا وہ یہ تھے "ڈومینین کا درجہ قبول کرنے پر رضامند ہونے سے کانگرس کو تین بڑے فائدے ہوں گے۔ اول یہ کہ پرامن انتقال اقتدار یقینی ہو جائے گا۔ دوئم یہ کہ اس قبولیت کا برطانیہ میں بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کیا جائے گا اور کانگرس اپنے اس ایک عمل سے وہاں دوستی اور خیر سگالی حاصل کر لے گی۔ سوئم کا تعلق ملک کی مستقبل کی انتظامیہ کے ساتھ ہے۔ سول سروسز میں اعلیٰ عہدوں پر زیادہ تر انگریز کام کر رہے ہیں اور اگر ہندوستان نے مکمل آزادی پر اصرار کیا تو یہ برطانوی عناصر اتنے مقتدر ہیں کہ انتقال اقتدار کے وقت لامتناہی مسائل کھڑے کر سکتے ہیں۔ سول انتظامیہ کو چلانا تو پھر بھی شاید ممکن ہو لیکن اس عبوری دور میں ہندوستان دفاع کے معاملے میں یقیناً ان کی مدد کے بغیر گزارا نہیں کر سکے گا۔ ہندوستانی فوج کے بیشتر افسران اور اعلیٰ عہدوں پر تو مکمل طور پر انگریز ہیں۔ جب کہ نیوی اور فضائیہ تو بالکل ہی نئے سرے سے بنانی پڑیں گی...... اگر انتقال اقتدار ڈومینین کی حیثیت پر مبنی ہو تو کانگرس کی بیک وقت ایک مضبوط مرکزی حکومت بھی حاصل ہو جائے گی جو ان تمام مرکز گریز رجحانات کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے گی جو اس وقت سر نکالے ہوئے ہیں اور وہ ایک حقیقی جمہوری آئین بھی بنانے کے قابل ہو سکے گی جس کی راہ میں فرقہ وارانہ معاملوں کا لحاظ آڑے نہیں آئے گا۔ ملک کی صورت حال

کے بارے میں ولبھ بھائی پٹیل سے زیادہ اور کون واقف ہو سکتا تھا......ایک عظیم مدبر کی حیثیت سے اس نے مجھے یقین دلایا کہ اگر ڈومینین کی حیثیت میں اقتدار فوری طور پر منتقل ہو سکتا ہے تو وہ کانگرس سے یہ بات منوانے کے لئے اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کر ڈالے گا۔"[1]
اسی طرح کانگرس کی جانب سے ہندوستان میں مقیم برطانوی افواج کے فوری انخلاء کا بھی پرزور مطالبہ کیا جاتا رہا تھا۔ لیکن اب اس میں بھی نرمی اور ترمیم ہو گئی تھی۔ انہی دنوں بریگیڈئر (بعد ازاں جنرل) کری آپا جو آزادی کے بعد بھارتی افواج کا پہلا ہندوستانی کمانڈر انچیف مقرر ہوا تھا، اپنی کسی پیشہ وارانہ ذمہ داری کے سلسلے میں لندن میں امپیریل ڈیفنس کالج میں تھا۔ اس دوران وہ نہرو کی جانب سے برطانیہ کے ارباب حکومت کو یہ باور کرانے میں مصروف رہا کہ "(ا) کانگرس ہندوستانی فوج کے برطانوی افسروں کو پانچ سے آٹھ سال تک کے عرصے میں فارغ کرے گی (ب) آزادی کے بعد ہندوستان برطانیہ کے ساتھ قریبی اتحاد (الائینس) قائم رکھے گا۔" کری آپا نے اس خیال کا اظہار بھی کیا کہ "اگر برطانوی حکومت چاہے کہ وہ برطانوی فوج کا ایک حصہ بطور امپیریل ریزرو ہندوستان میں رکھے اور اس کے اخراجات بھی خود اٹھائے تو ہندوستانی حکومت اس پر رضامند ہو گی۔"[2] 3/مارچ 47ء کو کری آپا اور وزیر ہند کے پرنسپل سٹاف آفیسر جنرل سکونز کے مابین ایک ملاقات کے دوران یہ معاملہ زیر بحث آیا کہ ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل رہے گا یا نہیں؟ تو اس پر کری آپا نے بتایا کہ جب دسمبر میں وہ ہندوستان سے لندن کے لئے روانہ ہونے والا تھا، اس نے نہرو سے اس بابت دریافت کیا تھا۔ نہرو نے جواب دیا تھا "دولت مشترکہ سے نکلنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بشرطیکہ اس دوران حکومت برطانیہ اپنے کسی اقدام سے ہندوستان کو ناراض نہ کرے۔"[3] یہاں ہندوستان سے اس کی مراد ہندوستان کی سب سے بڑی اور اس کے نزدیک واحد نمائندہ پارٹی انڈین نیشنل کانگرس تھی کہ جسے اگر ناراض نہ کیا جائے تو پھر اسے دولت مشترکہ سے نکلنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔
ادھر برطانوی حکومت کو برصغیر کی مسلم اقلیت یا اس کے کٹے پھٹے چھوٹے سے ٹکڑے پاکستان کے بجائے یہاں کی ہندو اکثریت اور اس کی نمائندہ بڑی جماعت کانگرس اور اس کے مضبوط مرکز کے زیر انتظام ہندوستان کو دولت مشترکہ میں شامل کرنے سے زیادہ دلچسپی تھی۔
11/مارچ 1947ء کو لندن میں برطانوی حکومت کے وزارت ہند، وزارت خارجہ، وزارت

ڈومینین، وزارت استعمار اور برما آفس کے اعلیٰ حکام کے اجلاس میں برصغیر اور دولت مشترکہ کے مستقبل کے تعلقات کے بارے میں غور وخوض ہوا۔ اجلاس کی رائے تھی کہ ''اگر ان حالات میں پاکستان کی حمایت کی گئی تو نتیجتاً ہندوستان دولت مشترکہ چھوڑ جائے گا۔''[4] چنانچہ پورے اہل ہند کو دفاع اور خارجہ پالیسی کے معاملات میں برطانیہ کے ساتھ منسلک کرنے کے بارے میں سوچا گیا۔

داخلی اور خارجی سطح پر کمیونزم کا خطرہ

ہندو بورژوا اقتدار کی جلد منتقلی کی خاطر ڈومینین حیثیت کو قبول کرنے پر اس لئے بھی آمادہ ہوگیا کہ برصغیر کی امن عامہ کی صورتحال بہت زیادہ بگڑ چکی تھی۔ نہ صرف یہ کہ فرقہ وارانہ تضاد خانہ جنگی کی صورت اختیار کرگیا تھا بلکہ کمیونسٹ تحریک بھی زور پکڑ رہی تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ عبوری دور میں اگر ریاستی ڈھانچہ کو کمزور پڑنے دیا گیا تو برصغیر کے حصے بخرے تو ہوں گے ہی، بعض علاقوں پر کمیونسٹ غلبہ بھی قائم ہوجائے گا۔ چنانچہ مارچ 47ء کے اوائل میں صوبہ بمبئی کی کانگرس حکومت نے کمیونسٹوں کو کچلنے کا بھرپور منصوبہ بنایا۔ گورنر بمبئی کولوول نے وائسرائے ویول کو اس بابت رپورٹ میں لکھا کہ صوبائی وزارت کمیونسٹوں اور بائیں بازو کے دوسرے انتہا پسندوں کے ساتھ سختی سے نمٹنے کا بھرپور عزم کئے ہوئے ہے۔ اسمبلی کے جاری سیشن میں نیا پبلک سیکورٹی اقدامات کا بل بھی پاس کیا جارہا ہے جو ہمارے جاری کردہ آرڈی نینسوں کو پھر سے لاگو کردے گا اور باوردی پرائیویٹ افواج کو کچلنے کا اختیار بھی دے گا۔ ان اختیارات کے ذریعے عام ہڑتال کے خطرے کا مقابلہ بھی کیا جاسکے گا۔''[5] 3 مارچ 47ء کو جنوبی ہند کی ریاست ٹراونکور کے دیوان سی۔ پی۔ رام سوامی آئیار نے ویول کے ساتھ ملاقات کے دوران بتایا کہ جنوبی ہند میں سب سے بڑا مسئلہ کمیونزم کا فروغ ہے۔ خاص طور پر مدراس میں کہ جہاں اونچے درمیانہ طبقے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ویول نے کہا کہ اگر کمیونسٹوں سے شروع ہی میں سختی سے نمٹ لیا جائے تو پھر وہ اتنے مضبوط ثابت نہیں ہوتے جتنا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ آئیار نے کہا کہ بجٹ نے کانگرس میں دراڑ ڈال دی ہے اور ہوسکتا ہے پھوٹ پڑ جائے جس سے کمیونسٹوں کے ہاتھ مضبوط ہوجائیں گے۔''[6]

14 / مارچ کو پیتھک لارنس نے ویول کے نام ایک مراسلے میں ہندوستان میں کمیونسٹوں کی بڑھتی ہوئی تخریبی کاروائیوں کا ذکر کیا۔ اس نے بنگال کے گورنر بروز کے 25 / فروری کے ایک مراسلے کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''ورلڈ یوتھ ڈیلی گیشن جو اس وقت ہندوستان کا دورہ کر رہا ہے، اس میں شامل روسی مندوب نے کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے فنڈز میں نصف لاکھ روپیہ جمع کرایا ہے۔'' علاوہ ازیں اس نے لکھا کہ ''بنگال اور بمبئی کے قدیم مقامی باشندوں کے اندر کمیونسٹوں کی سرگرمیاں جاری ہیں۔'' اس نے برطانوی کمیونسٹ پارٹی کے ایک سرگرم رکن گیبرئل کیرٹ کے ہندوستان میں داخلے پر پابندی کا بھی ذکر کیا۔ حکومت ہند کی وزارت داخلہ نے جس کا سربراہ پٹیل تھا، برطانوی حکومت سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے پاسپورٹ آفس کو ہدایت جاری کرے کہ گیبرئل کے پاسپورٹ پر ہندوستان میں داخلے کی ممانعت درج کر دی جائے۔ چنانچہ پیتھک لارنس کے مطابق برطانوی پاسپورٹ آفس کو یہ ہدایت جاری کر دی گئی تھی۔''[7]

بنگال، آسام، بہار، مدراس اور بمبئی میں انگریز تاجروں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی اور بعض دیہی علاقوں میں چائے، نیل اور دیگر اشیاء کی کاشت کے فارم اور جنگلات ان کی ملکیت تھے۔ ان کو بالعموم یورپین کہا جاتا تھا اور انہوں نے اپنی یورپین ایسوسی ایشن بنائی ہوئی تھی۔ اس کے سربراہ ٹائی سن نے 20 / مارچ کو کلکتہ سے ایک مراسلے میں ہندوستان میں برطانوی ہائی کمشنر ایلن۔ ٹی۔ شون کو لکھا کہ ایک بہت بڑا خطرہ کمیونزم کی اس بھونڈی صورت میں پوشیدہ ہے جس نے آج کل ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں سر اٹھا رکھا ہے۔ بہت سے علاقوں میں کمیونسٹ شورش پسندوں نے مزدوروں کو منیجروں اور مالکوں کے خلاف ذاتی طور پر پرتشدد کاروائیوں کے لئے اکسایا ہے اور ان علاقوں میں کہ جہاں کاشتکاری کے فارم ہیں اور جن کے زیادہ تر مالک یورپین لوگ ہیں وہاں ڈر ہے کہ یہ کمیونزم انگریز مخالف رخ اختیار کرے گا اور جب امن عامہ کی صورت حال بگڑے گی تو یہاں رہنے والے انگریز براہ راست ان کے حملوں کا نشانہ بنیں گے۔''[8] مشرقی کمان کے جنرل آفیسر کمانڈنگ ان چیف فرانسس ٹکر نے بھی بنگال، بہار اور آسام میں کمیونسٹوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ مشرقی بنگال کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہاں جنہوں نے کمیونسٹوں کا ساتھ دیا ان میں جولاہے، ماہی گیر،

قلیل تنخواہ پر کام کرنے والے دیہی چوکیدار اور مسلمان کسان جو کہ لٹیرے ہندو زمینداروں کے جبر کا شکار تھے، شامل تھے۔'' ان کے مطابق وہاں کمیونسٹوں نے ایک تبا گھہ تحریک شروع کی تھی جس کے ذریعے انہوں نے فصلوں کا ایک بڑا حصہ زمینداروں کے قبضے سے چھڑا کر مزارعوں کو دلوا دیا تھا۔'' یہ تبا گھہ تحریک پرتشدد تھی اور بعض مرتبہ کسان اس حد تک قوت استعمال کرنے پر اتر آئے کہ پولیس کو مداخلت کرنا پڑی۔'' اور اس نے لکھا کہ'' کانگرس سے جہاں کہیں بھی ہو سکا اس نے کمیونسٹوں کی مخالفت کی۔''[9] چنانچہ ان حالات میں ہندوستان کے زیادہ سے زیادہ علاقے کو ایک مضبوط مرکز کے تحت کانگرس کی اعتدال پسند قیادت کے ہاتھوں منتقل کر دینا برطانوی سامراج اور ہندو بورژوا دونوں کے باہمی مفاد میں تھا۔ اسی باہمی مفاد کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ہی کانگرس کا پسندیدہ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن مارچ کے تیسرے ہفتے میں ہندوستان پہنچنے کی تیاری میں مصروف تھا۔

خارجی سطح پر بھی برطانوی سامراج کو ہمہ وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں سوویت یونین یا ابھرتا ہوا چینی کمیونسٹ انقلاب ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ ادھر ہند چینی سے لے کر شمالی افریقہ تک ہندوستان کے مشرق و مغرب میں سامراج دشمن مسلح عوامی تحریکیں سرگرم عمل تھیں۔ فرانسس ٹکر بتاتا ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں متعین اعلیٰ ترین برطانوی فوجی افسر کس انداز میں سوچتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ'' ہندوستان خطرناک حد تک تباہی کے دھانے پر پہنچ چکا تھا اور ہندوستان کا انجام ہندوستان کا داخلی معاملہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگوں کو خوش فہمی تھی۔ بلکہ ایسا معاملہ تھا کہ جس کا آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، مشرقی اور جنوبی افریقہ، برما، ملایا اور انڈونیشیا کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ مزید یہ تھا کہ اگر ہندوستان کے پرخچے اڑ گئے تو پھر پورا ایشائی نظام دھڑام سے نیچے آن گرے گا۔ بعض کا خیال تھا کہ اگر ہم نے ہندوستان کو چین کی طرح افراتفری کی کیفیت سے دوچار ہونے کا موقع دیا تو آخرکار ہندوستان میں تسلی بخش طور پر کسی نہ کسی قسم کی حکومت وجود میں آ ہی جائے گی۔ لیکن تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب کبھی ہندوستان انتشار کا شکار ہوا، کسی بیرونی قوم نے آ کر قبضہ کر لیا۔ اس دور میں یہ کام روس کرے گا...... اقوام متحدہ کی زیر سرپرستی ہندوستان شروع میں تو خاموشی کے ساتھ ایشیا اور افریقہ میں جنوب کی جانب بڑھے گا۔ مگر بعد میں پورے زور وشور کے ساتھ آگے بڑھے گا یہاں تک کہ

ان علاقوں کے ممالک ہندوستانی نظام میں پوری طرح ضم ہو جائیں۔ اس کو وسائل ایک سرگرم پشت پناہ کے طور پر روس مہیا کرے گا جس کی سلطنت وسیع ہو کر جنوبی سمندروں تک پھیل جائے گی اور اس طرح آرکٹک سے انٹارکٹک تک دنیا کی سطح دو حصوں میں بٹ جائے گی۔"[10] چنانچہ برصغیر ہندوستان کو اندرونی انتشار اور "روسی توسیع" سے بچانے کے لئے برطانوی حکومت اس کے فوجی اتحاد و سلامتی کو برقرار رکھنے کی خواہاں تھی۔ انگریزوں کی پہلی ترجیح برصغیر کی "تقسیم" کے بجائے اس کا اتحاد برقرار رکھنا تھی۔ بہ امر مجبوری "سیاسی تقسیم" مان لینے کی صورت میں بھی وہ افواج کو متحد رکھنا چاہتے تھے۔ یہ ان کے بین الاقوامی سامراجی مفاد کا تقاضہ تھا۔

برطانوی سامراج تقسیم کی صورت میں بھی برصغیر کی فوجی یکجہتی قائم رکھنا چاہتا تھا

13 رمارچ 47ء کو لندن میں انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس میں نامزد وائسرائے ماؤنٹ بیٹن نے بھی شرکت کی جو اس وقت ہندوستان جانے کی تیاریوں میں تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ مسئلہ پیش کیا کہ میں انتشار کی اس کیفیت کا سوچ کر بہت پریشان ہوں جو اس صورت کے نتیجے میں پیدا ہو گی کہ جب کوئی ایسا مرکزی ادارہ وضع نہ ہو سکے گا کہ جس کو موجودہ مرکزی حکومت کے تمام نہیں تو کم از کم کچھ اختیارات ضرور سونپے جا سکتے ہوں۔ اس کی رائے میں خاص طور پر یہ بات اہم تھی کہ ہندوستانی فوج کی وحدت کو برقرار رکھا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستانی رہنما جلد یا بدیر خود ہی اس ضرورت کا احساس کر لیں گے کہ ہندوستانی فوج کو ایک مرکزی کنٹرول کے ماتحت رکھنا، ہندوستان کے نہ صرف بیرونی دفاع بلکہ اندرونی امن عامہ کے لئے بھی بے حد ضروری ہے۔ اس نے یہ بھی تجویز کیا کہ اس وقت امپیریل کالج آف ڈیفنس میں جو اعلیٰ ہندوستانی افسر آئے ہوئے ہیں (جن میں بریگیڈئر کری آپا بھی تھا) ان کو فوری طور پر ہندوستان واپس بھیج دیا جائے کیونکہ یہ یقینی تھا کہ ان کا مشورہ ہندوستانی فوج کی وحدت کے حق میں ہوگا۔ وزیر اعظم ایٹلی نے خیال ظاہر کیا کہ اگر متحدہ مرکزی حکومت نہ بھی بن سکی تب بھی یہ فرض نہیں کرنا چاہیے کہ ہندوستانی فوج کو ضرور ہی تقسیم کیا جائے گا۔"[11]

اسی روز رات کو وزراء کا ایک اور اجلاس وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت ہوا اور اس

میں بھی ماؤنٹ بیٹن شریک ہوا۔ اجلاس کی رائے تھی کہ ''اس صورت میں بھی کہ اگر ہندوستانی پارٹیاں متحدہ مملکت کی بنیاد پر کوئی تصفیہ کرنے میں ناکام ہوگئیں، اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ کوئی ایسا بندوبست وضع کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گی جس میں انتقال اقتدار کے بعد بھی فوج کی وحدت محفوظ رہ سکے۔ مثال کے طور پر وہ ایک ایسی جائنٹ کمیٹی کی تشکیل پر متفق ہو سکتی ہیں جو بڑے فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو اور وہ فوج پر اس وقت تک کنٹرول قائم رکھے جب تک اس کے مستقبل کا کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔ ممکن ہے وہ انگریز کمانڈر انچیف کو ہندوستانی فوج کے سربراہ کی حیثیت میں بدستور برقرار رکھیں لیکن اس کا انحصار ہندوستان کے دولت مشترکہ میں شامل رہنے پر بھی ہوگا۔''[12]

18 رمارچ 47ء کو برطانیہ کی چیفس آف سٹاف کمیٹی نے انتقال اقتدار کی صورت میں ہندوستان کے دفاعی انتظامات کے بارے میں ایک مفصل رپورٹ وزیر دفاع کو پیش کی جو نئے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی رہنمائی کی خاطر تیار کی گئی تھی۔ اس میں متحدہ ہند اور منقسم ہند ہر دو صورتوں میں دفاعی انتظامات کا جائزہ لیا گیا تھا۔ منقسم ہندوستان کو اقتدار منتقل کرنے کی صورت میں کہا گیا تھا ''اب بھی بہتری اسی میں ہوگی کہ نئی وجود میں آنے والی حکومتیں ایک مشترکہ دفاعی پالیسی اختیار کرنے پر تیار ہو جائیں اور اس پر عمل کرانے کے لئے ایک مرکزی ادارہ قائم کریں۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم اس قسم کی سرگرمی کی حوصلہ افزائی کریں اور اس سے تعاون کریں۔''[13]

اسی روز سہ پہر کے وقت وزیر دفاع اے۔ وی الیگزینڈر کی زیر صدارت برطانیہ کے بری، بحری اور فضائی افواج کے سربراہوں اور بعض دوسرے وزراء کا اجلاس ماؤنٹ بیٹن کی موجودگی میں منعقد ہوا جس میں متذکرہ رپورٹ پر غور کیا گیا۔ فضائیہ کے سربراہ لارڈ ٹیڈر نے رپورٹ کے ایک حصے کا حوالہ دیا جس میں کہا گیا تھا کہ منقسم ہندوستان کو اقتدار کی منتقلی کی صورت میں بھی اس ملک سے ہمارا یہ گہرا سروکار رہے گا کہ خواہ تقسیم کی کوئی بھی شکل ہو، ملک کا بیرونی جارحیت کے خلاف دفاع ہونا چاہیے اور اس لئے یہ ضروری ہوگا کہ مغرب کی طرف سے حملے کی مزاحمت کرنے کے لئے پاکستان کی فوجی امداد کی جائے۔ تاہم اس نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ ''اس حالت میں یہ خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ مبادا ہمارا مہیا کردہ اسلحہ اور ممکن

ہے برطانوی فوج بھی یہاں کی فرقہ وارانہ گڑبڑ اور خانہ جنگی میں ملوث ہو جائے۔''
ماؤنٹ بیٹن نے بھی رپورٹ کے اس حصے پر اعتراض کیا اور کہا کہ ''پاکستان کی فوجی امداد کرنے اور کانگرس کی امداد نہ کرنے کے نتیجے میں سنگین سیاسی مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس نکتہ سے ایک بار پھر اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ہندوستانی مسلح افواج کو تقسیم کرنا انتہائی غیر دانش مندانہ ہوگا۔'' اس پر نائب وزیر ہند ڈیوڈ مونٹیتھ نے مزید گرہ لگاتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ پہلے ہی یہ آمادگی ظاہر کر چکی ہے کہ وہ دفاعی معاملات میں ہندوؤں کے ساتھ تعاون کرے گی بشرطیکہ ان کی اپنی فوج ہوئی۔ مونٹیتھ نے تجویز کیا کہ ''ہمارا کنٹرول اٹھ جانے کے بعد دفاعی معاملات میں ہندوستان کی یکجہتی کو یقینی بنانے کے لئے ہر طرح کی کوشش کی جانی چاہیے۔'' آخر میں وزیر برائے فضائیہ نے بھی خیال ظاہر کیا کہ ''اگر منقسم ہندوستان کو اقتدار منتقل کیا گیا تب بھی یہ ممکن ہوگا کہ دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کے شعبوں کو ایک متحدہ کنٹرول کے ماتحت رکھا جائے۔''[14] گویا برطانوی سامراج کی اولین کوشش تو یہی تھی کہ تقسیم کی صورت میں بھی دفاع اور ہو سکے تو امور خارجہ اور مواصلات کو بھی متحد رکھا جائے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر صرف پاکستان کی فوجی مدد نہیں کی جا سکتی تھی، کانگرس کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔

وائسرائے ویول جو کانگرس کی ناراضگی کی وجہ سے زیر عتاب آیا اور برطرف کیا گیا وہ بھی 22 مارچ 47ء کو سبکدوش ہوتے وقت اپنی الوداعی نشری تقریر میں کہہ رہا تھا کہ ''مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی فوج کا استحکام ہی شاید ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کن عنصر ثابت ہوگا۔ اس فوج نے یہ ثابت کیا ہے کہ تمام فرقے رفاقت اور بے لوثی کے جذبے کے ساتھ ایک مشترکہ خطرے کا اکٹھے مل کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔''[15] اور 22 مارچ کو نئی دہلی میں نئے اور پرانے وائسرائے کی ملاقات ہوئی تو نئے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ ''کوئی مضبوط ادارہ (اتھارٹی) ہونا چاہیے کہ جسے ہندوستان میں اقتدار منتقل کیا جائے اور جو بھی حل ہو اس کی بنیاد ہندوستانی فوج کو ہونا چاہیے۔''[16] چنانچہ ماؤنٹ بیٹن جس ارادے کے ساتھ آیا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں ایک سے زیادہ کے بجائے کسی ایک مضبوط اتھارٹی کو اقتدار سونپا جائے اور اس مقصد کے لئے ہندوستانی فوج کی وحدت اور یکجہتی کو بنیاد بنایا جائے۔

کانگرس کا پسندیدہ وائسرائے......لارڈ ماؤنٹ بیٹن

لیبر حکومت نے ویول کی برطرفی اور ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کا فیصلہ دسمبر 1946ء کے تیسرے ہفتے میں کیا تھا جب کہ وزارتی مشن منصوبے کی متنازعہ شقوں کی تعبیر وتشریح کے متعلق لندن کانفرنس ناکام ہو چکی تھی اور ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کی ساری راہیں مسدود ہو گئی تھیں۔ ویول کو اس لئے برطرف کیا گیا تھا کہ ہندوستان کی سب سے بڑی پارٹی کانگرس اس سے خفا تھی۔ گاندھی، نہرو اور پٹیل برطانوی حکمرانوں کے نام خطوں اور تاروں کے ذریعے ویول سے اپنی ناراضگی کا اظہار کر چکے تھے اور اشارتاً یہ مطالبہ بھی کر چکے تھے کہ اس کی جگہ کسی ''بہتر'' آدمی کا تقرر کیا جائے۔ کانگرسی لیڈروں کا الزام یہ تھا کہ ویول وزارتی مشن کی متنازعہ شقوں کی تعبیر کے بارے میں مسلم لیگ کے مؤقف کی تائید کرتا ہے اور اصرار کرتا ہے کہ صوبوں کی لازمی گروپ بندی کا اصول تسلیم کر لیا جائے۔

ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کی وجہ یہ تھی کہ وہ شاہی خاندان کا رکن ہونے کے باوجود ''ریڈیکل'' تھا اور نظریاتی طور پر کانگرسی لیڈروں کا ہم آہنگ تھا۔ جب جنگ کے دوران سنگاپور میں ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کی ملاقات ہوئی تھی تو دونوں نے ایک دوسرے کو ''پسند'' کیا تھا۔ لاری کولنز اور ڈومینک لیپرے کا بیان ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کا نام جواہر لال نہرو کے ایک گہرے دوست کرشنا مینن نے تجویز کیا تھا۔ مینن کا خیال تھا کہ جب تک ویول وائسرائے رہے گا ہندوستان کا مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ اس کی جانب سے ماؤنٹ بیٹن کا نام تجویز کرنے کی وجہ یہ تھی کہ نہرو اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ اس کی بات چیت کو خفیہ اس لئے رکھا گیا تھا کہ اگر ہندوستان کے مسلمان لیڈروں کو ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کے ابتدائی محرکات کا پتہ چل گیا تو اس کی افادیت ختم ہو جائے گی۔''[17]

تاہم لیبر حکومت نے ہندوستان میں اپنا سرکاری گھوڑا تبدیل کرنے کا فیصلہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ مذہب کی بناء پر مسلمانوں کے خلاف تھی اور ہندوؤں کے حق میں تھی۔ بلکہ اس لئے کیا تھا کہ ویول ہندوستان کی یکجہتی اور اتحاد کو کسی نہ کسی صورت قائم رکھنا چاہتا تھا حالانکہ کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کے سارے امکانات رفتہ رفتہ ختم ہو چکے تھے۔

وزیر اعظم ایٹلی کا خیال یہ تھا کہ اگر ہندوستان کا بٹوارہ کرنا ہی پڑا تو ماؤنٹ بیٹن یہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکے گا کیونکہ ''نہرو اس کا بہت احترام کرتا تھا۔'' برطانوی سامراج ''اعتدال پسند'' کانگرس پارٹی کی خفگی کا کسی صورت متحمل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ بٹوارے کی صورت میں بھی برصغیر کا بہت بڑا حصہ کانگرس کی تحویل میں ہی جانا تھا اور برطانیہ کے عالمی مفادات کا تقاضہ یہ تھا کہ اس کی سلطنت کا سب سے بڑا ملک ہندوستان، برطانوی دولت مشترکہ میں ضرور شامل ہو۔ بصورت دیگر دوسری جنگ عظیم کے بعد جدید عالمی نو آبادیاتی نظام کی داغ بیل نہیں ڈالی جاسکتی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن کا پبلک ریلیشنز افسر ایلن کیمبل جانسن لکھتا ہے کہ وزیر اعظم ایٹلی نے جب 19 دسمبر 1946ء کو ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے دوران اسے ہندوستان کے وائسرائے کے عہدے کی پیش کش کی تھی تو وہ ہندوستان کی صورتحال کے بارے میں مایوس تھا۔ ایٹلی نے کہا تھا کہ ''اگر ہم نے بہت احتیاط نہ کی تو اس امر کا امکان ہے کہ ہم ہندوستان کو نہ صرف خانہ جنگی کے بلکہ مطلق العنان نوعیت کی سیاسی تحریک کے حوالے کر دیں گے۔ تعطل دور کرنے کے لئے فوری اقدام کی ضرورت ہے اور کابینہ کے سرکردہ ارکان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اب نئی ذاتی کوشش سے ہی کوئی امید وابستہ کی جاسکتی ہے۔ ان کی متفقہ رائے یہ ہے کہ صرف ماؤنٹ بیٹن ہی مطلوبہ شخصیت اور اہلیت کا حامل ہے۔''[18]

ماؤنٹ بیٹن کو برطانوی حکومت کی ہدایت کہ برصغیر کا اتحاد برقرار رکھا جائے

مارچ 1947ء میں جب ماؤنٹ بیٹن اپنے عہدے کا چارج سنبھالنے کے لئے روانہ ہوا تو وزیر اعظم ایٹلی نے اسے تحریری طور پر جو ہدایت نامہ دیا اس میں یہ ہدایت کی کہ وزارتی مشن منصوبے کے مطابق برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں پر مشتمل وحدانی حکومت کی تشکیل کے لئے ساری پارٹیوں کو متفق کرنے کی ہر ممکن کوشش کرو اور یہ بھی کوشش کرو کہ ہندوستان برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رہے۔ تاہم ہندوستان کی یکجہتی کو قائم رکھنے کے لئے کسی بڑی پارٹی کو مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہندوستان کا اتحاد ساری پارٹیوں کے اتفاق سے ہی قائم رہ سکتا ہے۔ اگر یکم اکتوبر تک برطانوی ہند کے لئے وحدانی حکومت کی تشکیل

پر مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو رپورٹ کرو کہ تمہارے خیال میں جون 1948ء تک اقتدار کی منتقلی کیسے ہونی چاہیے۔ ہر موقع پر اس امر کی اہمیت پر زور دو کہ اقتدار کی منتقلی ہندوستان کی دفاعی ضروریات کو پوری طرح پیش نظر رکھ کر ہونی چاہیے۔ ہندوستانی لیڈروں کو اس امر کی عظیم اہمیت کا احساس دلاؤ کہ ہندوستان کی فوج کا بٹوارہ نہیں ہونا چاہیے اور دفاعی تنظیم کل ہند بنیاد پر قائم رہنی چاہیے۔ مزید برآں بحر ہند کے علاقے کے تحفظ کے لئے اشتراک عمل جاری رکھنے پر زور دو۔ اس مقصد کے لئے برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان معاہدہ ہوسکتا ہے۔ حکومت برطانیہ مجوزہ معاہدے کی تفصیلات طے کرنے کے لئے مناسب وقت پر فوجی اور دوسرے ماہرین کو ہندوستان بھیجے گی۔''[19]

لیبر حکومت کے ماؤنٹ بیٹن کے نام اس ہدایات نامے سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ ہندوستان کی یکجہتی وسالمیت کو برقرار رکھنے کے لئے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی تاہم برطانوی سامراج نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے اپنی کوشش بالکل ترک نہیں کی تھی۔ وزیراعظم ایٹلی کو امید تھی کہ اقتدار کی منتقلی کی میعاد مقرر کرنے سے دونوں پارٹیوں میں مفاہمت کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ برطانوی سامراج کے فوجی نقطۂ نگاہ سے ہندوستان کی یکجہتی وسالمیت کو برقرار رکھنا بہت ضروری تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ سوویت یونین کی جانب سے نہ صرف برصغیر کو بلکہ بحر ہند کے سارے علاقے کو زبردست خطرہ لاحق ہے۔ وہ ہندوستان کے ساتھ ایک فوجی معاہدہ کرنا چاہتا تھا جیسا کہ وہ 1946ء میں شرق اردن کے ساتھ کر چکا تھا اور جیسا کہ امریکہ نے فلپائن کے ساتھ کیا تھا۔''[20]

وی۔ پی مینن لکھتا ہے کہ ''وزارتی مشن نے (اپریل 1946ء میں) جناح سے ملاقات کے دوران اس پر واضح کر دیا تھا کہ ہندوستان سمندر میں مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ بڑی طاقت کی حیثیت سے بھی اس میں مقابلے کی صلاحیت زیادہ نہیں ہے۔ برطانوی حکومت کا خیال ہے کہ اس سے ہندوستان کے دفاع کے لئے امداد طلب کی جائے گی۔ برطانیہ امداد کرنے پر آمادہ ہوگا بشرطیکہ جواباً اس کی بھی کچھ امداد کی جائے۔ مثلاً ہندوستان متصلہ علاقوں (ملایا، برما اور لنکا وغیرہ) کے دفاع میں امداد کرسکتا ہے۔ ہندوستان کا بیرونی حملے سے دفاع کے لئے مؤثر بندوبست نہایت ضروری ہے اور برطانوی حکومت یہ جاننا چاہتی ہے کہ آیا ہندوستان کا نیا

ڈھانچہ ایسا ہوگا کہ اس سے عملی تعاون کیا جا سکے۔''[21]

مارچ 1947ء میں برطانوی سامراج کو ہندوستان کے اس قسم کے ڈھانچے کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت تھی۔ کیونکہ اس وقت تک چین میں انقلاب کی فتح یقینی ہو جانے کے باعث سامراجی مفادات نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے جنوب مشرقی ایشیا میں بہت خطرے میں پڑ گئے تھے۔ وہ متحدہ ہندوستان کے ''اعتدال پسند'' لیڈروں کی وساطت سے نہ صرف یہاں معاشی استحصال جاری رکھنا چاہتا تھا بلکہ وہ متحدہ ہندوستانی فوج کے ذریعے پورے ایشیا میں سوویت یونین اور چین کے اثر و رسوخ کا بھی سدباب کرنا چاہتا تھا۔ 1947ء میں برطانوی سامراج کی سازش یہ نہیں تھی کہ برصغیر کے حصے بخرے کئے جائیں بلکہ یہ تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی یکجہتی اور سالمیت کو برقرار رکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کے نقطۂ نگاہ سے ایشیا میں سوویت یونین اور چین کے سرخ انقلاب کے اثرات کا سدباب نہیں ہو سکتا تھا۔

برطانوی سامراجیوں نے اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں برصغیر ہندوستان کی افرادی قوت اور دوسرے ذرائع کی مدد سے نہ صرف ہندوستان کو فتح کیا تھا بلکہ ایک عظیم الشان عالمگیر سلطنت کی تعمیر کی تھی۔ وہ دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی اپنے معاشی ،فوجی اور سیاسی دیوالیہ پن کے باوجود جدید نو آبادیاتی نظام کے تحت اپنی پرانی پالیسی کو بھی جاری رکھنے کا خواہاں تھا اور اس مقصد کے لئے ہندوستان کے سیاسی و فوجی اتحاد کی سخت ضرورت تھی۔ اگرچہ ماضی میں اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تاریخی تضاد سے فائدہ اٹھایا تھا لیکن اس نے برصغیر کو ایک سے زیادہ ریاستوں میں تقسیم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر وہ 1937ء میں عدن اور برما کو ہندوستان کی سلطنت سے الگ کر سکتا تھا تو اسے اپنی اس سلطنت کے مزید ٹکڑے کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن اس کی انتظامی، معاشی اور فوجی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ برصغیر کی جغرافیائی یکجہتی و سالمیت برقرار رہے۔ چنانچہ اس نے اس یکجہتی و سالمیت کو برقرار رکھا اور وہ آئندہ بھی اسے برقرار رکھنے کا خواہاں تھا۔

باب: 10

برصغیر کو متحد رکھنے یا منقسم کرنے کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کا ابتدائی جائزہ

ماؤنٹ بیٹن کی توقع سے بڑھ کر سنگین صورت حال

جب 22 مارچ 1947ء کو نیا وائسرائے ماؤنٹ بیٹن دہلی پہنچا تو برطانوی سامراج کا بازوئے شمشیر زن ٹوٹ چکا تھا۔ پنجاب میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک رہے تھے اور کانگرس برصغیر کی تقسیم کے مطالبہ کو اصولی طور پر تسلیم کر چکی تھی۔ سابق وائسرائے ویول کے بقول ''وسطی پنجاب پاکستان کے لئے میدان جنگ بن چکا تھا۔''[1] اور گورنر پنجاب جینکنز کا کہنا تھا کہ ''انگریزوں کو بقیہ ہندوستان کی نسبت پنجاب سے سب سے پہلے نکلنا پڑے گا۔''[2] صوبہ سرحد اور راولپنڈی میں فرقہ وارانہ گڑبڑ کی سنگینی کی وجہ سے فوج کو استعمال کیا جا رہا تھا۔ جینکنز کے بقول ''وہاں ریٹائرڈ مسلم فوجیوں نے غیر مسلموں کے قتل عام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔''[3] علاوہ ازیں فوج اور پولیس کے مسلمان سپاہیوں پر جانب داری سے کام لینے کا الزام بھی تھا۔ ہندوستان کی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کلاڈ آکن لیک کا کہنا تھا کہ اگر جلد کوئی تصفیہ نہ کیا گیا تو فوج کا بڑا حصہ جس کا تعلق پنجاب سے ہے، فرقہ واریت کا شکار ہو جائے گا۔''[4]

ماؤنٹ بیٹن کے دہلی پہنچنے کے تین دن بعد اس کے چیف آف سٹاف لارڈ اسمے نے اپنی بیوی کو جو خط لکھا اس میں ہندوستان کی صورتحال پر بہت تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔ لارڈ اسمے کا تجزیہ یہ تھا کہ ''ہر جگہ صورتحال انتہائی خطرناک ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ

بارودی سرنگ کسی وقت بھی پھٹ پڑے گی۔ اس صورت حال کی تہہ میں کوئی دلیل یا منطق نہیں ہے بلکہ محض جذباتیت ہے اور جذباتیت سے مقابلہ انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ برطانیہ کے خلاف بہت کم جذبات پائے جاتے ہیں لیکن فرقہ وارانہ نفرت ایک خوفناک شعلے کی طرح بھڑک رہی ہے۔'' 28 مارچ کو لارڈ اسمے نے ایک اور خط میں لکھا کہ اگر ہم نے اپنے اقدامات کے بارے میں دو ایک ماہ میں کوئی فیصلہ نہ کیا تو بہت ہنگامہ ہوگا اور اگر ہم نے فیصلہ کر لیا تو ممکن ہے کہ پھر بھی ہنگامہ ہو۔ لارڈ اسمے کو زبردست خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ اگر فوج میں کچھ بگاڑ پیدا ہو گیا تو معلوم نہیں کیا ہوگا۔ فوج کے سپاہیوں کو اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں بڑی خوفناک اطلاعیں مل رہی تھیں۔ ان حالات میں ملک کے تحفظ کے لئے ان کی وفاداری پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برطانیہ کے پاس انہیں سزا یا انعام دینے کی کوئی طاقت نہیں رہی تھی لہٰذا مناسب یہی تھا کہ فوراً بستر گول کیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن کے پرائیویٹ سیکرٹری جارج ایبل کی رائے یہ تھی کہ ہندوستان بڑی تیزی سے خانہ جنگی کی طرف جا رہا ہے۔ اسے صرف اسی صورت میں بچایا جا سکتا ہے کہ نہایت جلدی سے اس کے مسائل کا کوئی تصفیہ کر دیا جائے۔ انتظامی مشینری منہدم ہو رہی ہے۔ اب بحث مباحثے کا وقت نہیں رہا۔ تباہی کا سدباب کرنے کے لئے غور وخوض کی بجائے رفتار کی ضرورت ہے۔[5]

ابتدائی ملاقاتیں اور باہمی صلاح مشورے

ان حالات میں ماؤنٹ بیٹن نے 24 مارچ کو ہندوستان کے آخری وائسرائے کی حیثیت سے حلف اٹھانے کے بعد ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس روز اس نے کانگرس کے رہنما جواہر لال نہرو، مسلم لیگ کے رہنما لیاقت علی خاں اور ہندوستانی ریاستوں کے چانسلر نواب بھوپال کے ساتھ الگ الگ ملاقات کی۔ نواب بھوپال نے اسے جناح کا یہ پیغام پہنچایا کہ ''اب مجھے متحدہ حکومت کی کسی صورت کو قبول کرنے پر کوئی شے بھی آمادہ نہیں کر سکتی۔'' لیکن لیاقت نے اپنی ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن کو جناح کی جانب سے یہ یقین دہانی کرائی کہ ''میں آپ کو کسی اعتبار سے بھی پریشانی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔'' نہرو نے اپنی ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن کے سامنے جناح کی شخصیت کا تنقیدی خاکہ پیش کرتے

ہوئے کہا کہ ''جناح کو سیاسی طور پر کامیابی ساٹھ سال کی عمر کے بعد نصیب ہوئی ہے اور جس نظریے کی بدولت اسے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کی بنیاد ہمیشہ یہ رہی کہ ایسے مثبت اقدام سے گریز اختیار کیا جائے کہ جس کے نتیجے میں اس کے پیروکاروں میں پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا، وہ اجلاس منعقد کرنے اور سوالات کا جواب دینے سے انکار کرتا رہا اور اس نے کبھی کوئی ترقی پسندانہ بیان جاری نہیں کیا کہ کہیں اس کی وجہ سے مسلمانوں میں داخلی انتشار نہ پیدا ہو جائے۔ ان منفی خصوصیات کی بدولت اسے مسلمانوں میں براہ راست قبول عام حاصل ہوا ہے۔ اس لئے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ منطق کو فوقیت حاصل ہوگی۔'' اس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''سوال منطق کا نہیں بلکہ ایک معین وقت کا ہے۔ اگر میں جناح سے یہ کہہ بھی دوں کہ اسے اس کا پاکستان دے دیا جائے گا تو بھی کیا حاصل ہوگا؟'' جواب میں نہرو نے کہا کہ ''وقت کی کمی کو بنیاد بنا کر جناح کو خوف زدہ کیا جاسکتا ہے اور تعاون پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔''[6]

چنانچہ پہلے ہی روز ماؤنٹ بیٹن کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ جناح اور مسلمان عوام الناس منفی سوچ کے حامل ہیں اور ان سے صرف زبردستی ہی کوئی بات منوائی جاسکتی ہے۔ 25 / مارچ کو ایگزیکٹو کونسل کے رکن برائے ٹرانسپورٹ و ریلوے ڈاکٹر جان متھائی نے جو کہ بہت بڑے ہندو بورژوا گروپ ٹاٹا سنز لمیٹڈ کا ایک ڈائریکٹر بھی رہ چکا تھا'' ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی اور کہا کہ ''اس ملک میں کسی نے بھی جناح کے ذہن کو ٹھیک سے نہیں سمجھا، ماؤنٹ بیٹن سے امید ہے کہ وہ اسے سمجھ لے گا اور اس کا ظاہری نقاب چاک کر دے گا۔'' اس نے مزید کہا کہ ''جناح روڑے اٹکانے کے اپنے منفی رویے کی بدولت ہی ایک لمبے عرصے سے میدان میں ڈٹا ہوا ہے۔''[7]

گویا برصغیر کا ہندو مسلم تضاد محض جناح کی شخصیت کے ''منفی پن'' کی وجہ سے تھا؟ اور مسلم عوام الناس میں جناح کی مقبولیت بھی اس منفی رویے کی بدولت تھی؟ یعنی کانگرسی رہنماؤں کے نزدیک برصغیر کے تمام مسلم عوام ایک منفی رویے کا شکار تھے جس کی بناء پر بقول نہرو ''منطق کو فوقیت حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔'' یہ ''منفی رویہ'' دراصل ہندو بورژوا کی بالادستی کو قبول کرنے کی نفی تھا کہ جس نے انگریزی عہد کے دوران ہی اپنے قول و فعل کے تضاد سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اقتصادی یا سیاسی کوئی رعائت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ماؤنٹ بیٹن جو

برصغیر کی سب سے بڑی جماعت کانگرس کی خوشنودی کوملحوظ رکھ کر انتقال اقتدار کا کام انجام دینے یہاں آیا تھا، کانگرس کے نقطۂ نظر سے فطری لگاؤ رکھتا تھا۔ اسے شروع دن سے کانگرس درست اور مسلم لیگ غلط نظر آتی تھی۔ اس نے نہرو اور لیاقت سے اپنی پہلی الگ الگ ملاقاتوں کے دوران علاوہ دوسری باتوں کے، ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کا پس منظر اور بعد ازاں اس کی کارگزاری کا حال بھی دریافت کیا۔ جواب میں نہرو نے جو کچھ کہا اس کو ماؤنٹ بیٹن نے بلااعتراض قبول کرلیا۔ لیکن لیاقت نے جو تفصیل بیان کی اس کو ماؤنٹ بیٹن نے اپنی اس ملاقات کا ریکارڈ قلمبند کرتے وقت ''قطعی غلط'' قرار دیا جب کہ نہرو کے ساتھ ملاقات کے ریکارڈ میں پہلا جملہ اس نے یہ لکھا ''پنڈت نہرو مجھے سب سے مخلص شخص نظر آیا ہے۔ ان ریکارڈز کو دیکھنے سے ماؤنٹ بیٹن کے کانگرس اور لیگ کے رہنماؤں کے بارے میں رویے کا فرق نمایاں طور پرمحسوس کیا جاسکتا ہے۔[8]

ماؤنٹ بیٹن لندن سے اپنے ہمراہ اعلیٰ سطحی مشیر بھی لایا تھا اور گزشتہ سال کے وزارتی مشن کی طرز پر اسے اور اس کے مشیروں کو ماؤنٹ بیٹن مشن کا نام دیا گیا تھا۔ اس کے مشیروں میں سرفہرست جنرل لارڈ اسمے تھا جو وائسرائے کے چیف آف سٹاف کی حیثیت سے آیا تھا۔ وہ جنگ کے دوران برطانوی کابینہ کی دفاعی کمیٹی کے سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہا تھا اور وزیراعظم چرچل کے ذاتی فوجی مشیر کی حیثیت سے اس کے اور کمبائنڈ چیفس آف سٹاف کے مابین رابطے کا کام کرتا تھا۔ برصغیر سے دستبرداری کا معاملہ اس خطے کی دفاعی نوعیت کے اعتبار سے عالمی سامراج کے لئے اس قدر اہم تھا کہ جنوب مشرقی ایشیا کی اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف ریئر ایڈمرل ماؤنٹ بیٹن کے ہمراہ جنرل اسمے جیسے سینئر فوجی افسر کو بھی بھیجا گیا جسے ریٹائر ہوئے ابھی صرف تین ہفتے ہوئے تھے۔ دوسرا اہم شخص سرایرک میول تھا جو وائسرائے کے پرنسپل سیکرٹری کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن کے ہمراہ آیا تھا۔ وہ 1937ء تا1945ء برطانیہ کے شاہ جارج کا اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری رہا تھا اور ان دنوں برطانیہ کے تجارتی مرکز سٹی آف لندن کے ساتھ وابستہ تھا۔ یقیناً برطانوی سامراج برصغیر سے اس طور رخصت ہونا چاہتا تھا کہ یہاں اس کے تجارتی مفادات جس حد تک ممکن ہو محفوظ رہ جائیں۔ ماؤنٹ بیٹن کے بقیہ سٹاف میں کیپٹن براک مین (بعدازاں وائس ایڈمرل) بحیثیت وائسرائے کے پرسنل سیکرٹری،

کرنل ارسکن کرم (بعد ازاں میجر جنرل) بحیثیت کانفرنس سیکرٹری اور ونگ کمانڈر ایلن کیمبل جانسن بحیثیت پریس اتاشی اس کے ہمراہ جنوب مشرقی ایشیا کی کمانڈ سے آئے تھے اور اس طرح تینوں بری، بحری اور فضائی افواج کی نمائندگی بھی کرتے تھے۔ وائسرائے ویول کے پرائیویٹ سیکرٹری جارج ایبل کو بدستور اس کے عہدے پر برقرار رکھا گیا تھا۔ چنانچہ برطانیہ کی لیبر حکومت نے برطانوی سامراج کی دستبرداری کا کام اعلیٰ فوجی حکام کے سپرد کیا تھا۔ انہوں نے جنگی محاذ سے پسپائی کے انداز میں معاملات کو جلد بازی اور افراتفری میں طے کیا۔ تقسیم کے وقت رونما ہونے والی طوائف الملوکی اور بے بہا خونریزی کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے سٹاف کے ارکان کے ساتھ پہلی میٹنگ 25 مارچ کو منعقد کی۔ بعد میں اس طرح کی سٹاف میٹنگ ہر دوسرے تیسرے روز اور بعض اوقات روزانہ منعقد ہوتی رہی۔ پہلی میٹنگ میں پنجاب کی تقسیم کا معاملہ زیر غور آیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کی مجوزہ تقسیم کی تجویز کے حق میں رائے دی جس کے مطابق پنجاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جانا تھا۔ ایک مسلم اکثریت کا علاقہ، ایک ہندو اکثریت کا علاقہ اور ایک ملا جلا علاقہ ایک ہی گورنر کے ماتحت تین علاقوں کی وزارتوں نے کام کرنا تھا۔ جارج ایبل نے رائے دی کہ پنجاب کی تقسیم کے فوراً بعد بنگال کی تقسیم بھی ناگزیر ہو جائے گی۔ لارڈ اسمے نے خیال ظاہر کیا کہ خواہ کتنا ہی عارضی کیوں نہ ہو، اگر ایک مرتبہ پنجاب کو تقسیم کر دیا گیا تو پھر اسے دوبارہ متحد کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ان دونوں مشیروں کی اختلافی آراء کے ساتھ اتفاق نہ کیا اور کہا کہ پنجاب کو عارضی طور پر تقسیم کئے بغیر پنجاب میں حکومت قائم نہیں کی جا سکتی۔ تاہم اس معاملے کو مزید غور کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔[9] اس میٹنگ سے یہ ظاہر ہوا کہ ماؤنٹ بیٹن کے مشیر پنجاب کی تقسیم کے بارے میں موافق رویہ نہیں رکھتے تھے جب کہ ماؤنٹ بیٹن نہرو کی مجوزہ پنجاب کی تقسیم کے فارمولے کو اختیار کرنے کے لئے مائل نظر آتا تھا۔

25 مارچ کو پٹیل نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ ایگزیکٹو کونسل (کابینہ) میں سے مسلم لیگ کے ارکان کو خارج کر دیا جائے کیونکہ مسلم لیگ نے ''ڈائریکٹ ایکشن'' کے ذریعے مرکزی حکومت سے بغاوت کی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس مطالبے کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ''مخلوط حکومت ہی وہ واحد راستہ ہے کہ جس کے ذریعہ میں

یہاں کے رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کر رہا ہوں۔'' دراصل پٹیل جلد از جلد مرکزی حکومت کی باگ ڈور بلا شرکت غیرے ہاتھ میں لینے کی فکر میں تھا۔ وہ مسلم لیگ کو جلد از جلد نہ صرف مرکزی حکومت سے علیحدہ کرنے کا خواہاں تھا بلکہ کوئی چھوٹا موٹا علاقہ کٹے پھٹے پاکستان کے طور پر دے دلا کر ہندوستان سے بھی الگ کر دینا چاہتا تھا۔ 25/مارچ کو صوبہ بہار کے گورنر ایچ۔ ڈاؤ نے ماؤنٹ بیٹن کے نام مراسلے میں اپنے صوبے کی رپورٹ دیتے ہوئے لکھا کہ ''یہاں ہندو رائے عامہ سختی سے اکھنڈ ہندوستان کی حامی ہے اور وہ لوگ بھی جو بادل ناخواستہ تقسیم کی تجویز کی حمایت کرتے ہیں، اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک پاکستان کا بالکل ناقابل عمل ثابت ہو جانا یقینی امر ہے، نہ اس لئے کہ وہ واقعی ہندوستان کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم ہوتا دیکھنے پر تیار ہیں۔''[10]

28/مارچ کو سابق وائسرائے ویول نے لندن میں وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت انڈیا و برما کمیٹی کے اجلاس میں ہندوستان کی صورتحال کے بارے میں تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ ''سردار پٹیل نے مسلم اکثریت کے علاقوں کو مسلم لیگ والوں کی تحویل میں دینے کے لئے غالباً اس توقع پر آمادگی ظاہر کی ہے کہ معاشی مصائب سے تنگ آ کر چند ہی برس میں وہ دوبارہ الحاق پر مجبور ہو جائیں گے۔ البتہ پنڈت نہرو کے بارے میں امکان ہے کہ وہ وزارتی مشن منصوبے پر عملدرآمد کے لئے تیار ہو جائے گا۔ دوسری طرف مسٹر جناح کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا کہ وہ مسلم لیگ کو آئین ساز اسمبلی میں شرکت کی اجازت دیں گے۔ وہ بدستور وسیع تر معنوں میں پاکستان کے مطالبہ پر زور دے رہے ہیں حالانکہ وہ اچھی طرح تسلیم کرتے ہیں کہ اس کے ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ان کے لئے اس معاملے پر اپنے پبلک بیانات سے پھر جانا ممکن نہیں ہے۔ تاہم کچھ توقع کی جا سکتی ہے کہ بٹوارے کی عملی مشکلات کے پیش نظر دونوں فریق ایک وفاقی سکیم پر متفق ہو جائیں گے۔''[11]

ادھر نیا وائسرائے ماؤنٹ بیٹن بھی بٹوارے کی مشکلات و مضمرات کو اس حوالے سے مرتب کر رہا تھا کہ ان کو گنوا کر جناح کو بٹوارے سے باز رکھنے میں کامیاب ہو جائے اور متحدہ ہند کے دائرے میں تصفیہ پر مجبور کر دے۔ اس نے 27/مارچ کو ہندوستان کی مسلح افواج کے برطانوی کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل آکن لیک اور دوسرے انگریز آرمی کمانڈروں کو خصوصی

عشائیہ دیا۔ اس کے دوران آ کن لیک نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا کہ ہندوستانی فوج کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم کرنے کے لئے پانچ سے دس سال تک کا عرصہ درکار ہوگا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ فوج کو فرقہ وارانہ طور پر تقسیم کر دینے کے نتیجے میں غیر مسلم فریق زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔ وہ جنرل ہیڈ کوارٹرز، سپلائی کے بڑے ذخیرے اور افسروں کی بھاری تعداد لے جائیں گے۔ مسلمانوں کو بہت ہی کمتر حصہ حاصل ہوگا۔ آ کن لیک نے ماؤنٹ بیٹن کو سمجھایا کہ جناح کے سامنے اس نکتہ کو ضرور لایا جائے۔ اگلے روز ماؤنٹ بیٹن نے سٹاف میٹنگ میں آ کن لیک کی اس رائے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''مسلح افواج جن میں انڈین نیوی اور ائرفورس بھی شامل ہیں، سودے بازی کے لئے ایک وزنی نکتہ ہیں۔''[12] گویا آ کن لیک یہ دور کی کوڑی ڈھونڈھ کر لایا تھا کہ جناح کے مطالبہ پاکستان کے خلاف اس نکتہ کو ضرور لایا جائے کہ مسلح افواج کا فرقہ وارانہ بنیادوں پر منقسم ہونا ممکن العمل نہیں ہے اور اس میں پانچ سے دس سال لگ جائیں گے جبکہ ماؤنٹ بیٹن بھی اسی دلیل کو مطالبہ پاکستان کے خلاف ایک وزنی نقطہ کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ اسی سلسلے میں ایک اور وزنی نقطہ پیش کرتے ہوئے اس نے اپنے مشیروں سے کہا کہ وہ مسٹر جناح پر واضح کر دے گا کہ پاکستان کا مطالبہ منظور ہونے کی صورت میں اسی اصول کا اطلاق کرتے ہوئے پنجاب اور بنگال کی تقسیم بھی عمل میں لائی جائے گی۔'' اس کے مشیر ایرک میول نے رائے دی کہ ''کلکتہ کے بغیر پاکستان یقیناً ناقابل عمل ثابت ہو گا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''ہوسکتا ہے کہ چٹاگانگ صرف مشرقی پاکستان کی بندرگاہ کے طور پر کافی رہے۔'' اس پر جارج ایبل نے کہا کہ ''پاکستان کے ناقابل عمل ہونے کے بارے میں دلائل کا بہترین خلاصہ کوپ لینڈ کی کتاب میں دیا گیا ہے جو اس نے ''مسئلہ ہندوستان'' پر لکھی ہے۔'' ماؤنٹ بیٹن نے ایبل کو ہدایت دی کہ اس کتاب کا متعلقہ باب اسے دکھایا جائے۔[13] چنانچہ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیر اپنے خفیہ اجلاسوں میں پاکستان کو ناقابل عمل ثابت کرنے کے لئے دلائل جمع کر رہے تھے اور کوئی ایسی صورت نکالنا چاہتے تھے کہ جناح مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہو کر متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی تصفیے کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس ضمن میں وزارتی مشن منصوبہ کے علاوہ بعض دوسرے متبادل بھی زیر غور تھے۔

29/مارچ کی سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں نے اس قسم کے

ایک منصوبے پر غور کیا۔ چونکہ دولت مشترکہ میں ڈومینین کی حیثیت سے رہنے پر کانگرس آمادگی ظاہر کر چکی تھی اور نواب بھوپال نے بمبئی میں جناح کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد 27 / مارچ کو بذریعہ تار ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع دی تھی کہ ''اگر مطالبہ پاکستان منظور کر لیا جائے تو...... جناح کو دولت مشترکہ میں رہنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔'' جہاں تک ہندوستانی ریاستوں اور رجواڑوں کا تعلق تھا تو ان کے نوابین اور راجے پہلے ہی تاج برطانیہ کی سرپرستی میں رہنے کے خواہاں تھے۔ چنانچہ سوچا گیا کہ ایک ڈومینین پاکستان تشکیل کی جائے اور ہندوستانی ریاستوں پر مشتمل ایک ڈومینین یا ایک سے زیادہ ڈومینینیں وضع کر دی جائیں۔ ان کے علاوہ باقی ماندہ تمام ہندوستان کی ایک ڈومینین بنا دی جائے۔ یہ ڈومینینیں خود مختار یونٹ ہوں گے لیکن دفاع، امور خارجہ، خزانہ، خوراک اور مواصلات ایک مرکزی حکومت کی تحویل میں رکھے جائیں گے۔ جون 48ء تک اس نظام کا تجربہ کیا جائے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ ہوسکتا ہے کہ مرکزی حکومت کو برقرار رکھتے ہوئے اسے اقتدار منتقل کر دیا جائے یا پھر یہ کہ ان خود مختار یونٹوں کے اتحاد کو ختم کر دیا جائے۔[14]

31 / مارچ کو سٹاف میٹنگ میں اس منصوبے پر مزید غور و خوض ہوا۔ تاہم اجلاس کے آغاز میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''میرا بنیادی مقصد تھا اور رہے گا کہ میں ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کو ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں وزارتی مشن منصوبہ کو منظور کرنے پر آمادہ کروں۔ یہ منصوبہ ایک مثالی حل پیش کرتا ہے۔ لیکن اس کی مسلسل نامنظوری کی صورت میں دوسرے متبادل منصوبے بھی وضع کرنے چاہئیں۔'' اور پھر تین ڈومینینوں پر مشتمل متذکرہ منصوبے پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس منصوبے میں بھی برطانوی سامراج کی اس دیرینہ خواہش کو شامل رکھا گیا تھا کہ ہندوستان کو کسی نہ کسی طور پر ایک مرکز کے تحت متحد رکھا جائے۔ لیکن یہی وہ مرحلہ تھا جو ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں کو مشکل نظر آتا تھا۔ لارڈ اسمے نے کہا کہ اصل مسئلہ مرکزی ادارہ وضع کرنے میں درپیش ہوگا۔ ایبل نے کہا کہ مسلم لیگ کو مرکزی محکموں کی جانب مائل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ مرکزی ادارہ کے ضمن میں ماؤنٹ بیٹن نے دارالعوام میں (6,5 / مارچ) مسئلہ ہند پر ہونے والی تقاریر کا حوالہ بھی دیا۔ ان میں زیلی آکس اور چرچل نے تجویز کیا تھا کہ یہ مرکزی ادارہ اقوام متحدہ کی زیر نگرانی کام کرے گا۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنے مشیروں سے کہا کہ ہندوستان کے مستقبل کے آئین کا

ماڈل بنانے کے لئے تین نمونوں کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ ایک ریاست ہائے متحدہ امریکہ، دوسرا آسٹریلوی دولت مشترکہ جس کے صوبوں نے حال ہی میں مرکز کو وفاقی اختیارات تفویض کئے ہیں اور تیسرا یونین آف سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک جس میں یوکرین کو اگرچہ آزاد مملکت کے اختیارات حاصل ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ سوویت یونین کی مرکزی حکومت میں بھی نمائندگی کرتا ہے۔"[15] چنانچہ برطانوی سامراج کی حتی الامکان کوشش یہ تھی کہ خواہ بالآخر ہندوستان کو خودمختار یونٹوں میں ہی تقسیم کیوں نہ کرنا پڑے، کسی نہ کسی ڈھیلے ڈھالے وفاق کی صورت میں انہیں ایک مرکز کے ماتحت رکھا جائے جو دفاع، امور خارجہ اور خزانہ اور ہو سکے تو چند اور محکموں کو اپنی تحویل میں رکھے۔ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں کے خفیہ اجلاسوں کا ریکارڈ شاہد ہے کہ آخر وقت تک برطانوی سامراج کو برصغیر کے اتحاد اور یکجہتی کو برقرار رکھنے سے بے حد دلچسپی تھی۔

گاندھی اور ماؤنٹ بیٹن کی ملاقاتیں

ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا تو گاندھی اور جناح کو خاص طور پر دعوت دی گئی۔ گاندھی جوان دنوں بہار کے فساد زدہ علاقوں کا دورہ کر رہا تھا، 31/مارچ کو دہلی پہنچا اور شام کو ماؤنٹ بیٹن سے ملا۔ ان کی یہ پہلی ملاقات جو سوا دو گھنٹے جاری رہی مگر صرف نجی نوعیت کی گپ شپ تک محدود رہی۔ خود گاندھی نے اصل موضوع سے گریز کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ذاتی دوستی بڑھانے تک بات چیت کو محدود رکھا۔ اس ملاقات کو ریکارڈ کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ "چونکہ گاندھی نے اصل معاملہ چھیڑنے سے احتراز برتا اور وعدہ کیا کہ ہفتے کے باقی ماندہ دنوں میں وہ ہر روز دو گھنٹے مجھ سے ملاقات کیا کرے گا، اس لئے میں نے سوچا کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے اور مناسب سمجھا کہ جو بھی اس کے ذہن میں آتا ہے اسے بولنے دو۔" اور آخر میں لکھتا ہے کہ "ہم اس احساس کے ساتھ رخصت ہوئے کہ دوستی کی راہ پر ہم آگے بڑھے ہیں۔"[16]

ان کی دوسری ملاقات یکم اپریل کو ہوئی۔ گاندھی نو بجے صبح وائسرائے ہاؤس پہنچا اور ماؤنٹ بیٹن سے اجازت لے کر آدھ گھنٹے تک راجکماری امرت کور کے ہمراہ وائسرائے ہاؤس

کے باغ میں چہل قدمی کرتا رہا۔ اس قسم کی حرکات سے گاندھی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ اس انداز کا تعلق استوار کرنا چاہتا تھا کہ جیسے برسوں کا یارانہ ہو۔ ساڑھے نو بجے اس کی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ میٹنگ شروع ہوئی۔ اس میں گاندھی نے ہندو مسلم مسئلے کا یہ حل تجویز کیا کہ جناح کی سربراہی میں عبوری مرکزی حکومت تشکیل کر دی جائے۔ ماؤنٹ بیٹن یہ تجویز سن کر بالکل ششدر رہ گیا اور اس نے گاندھی سے پوچھا کہ ''جناح اس تجویز کا کیا جواب دے گا؟'' گاندھی نے کہا کہ ''اگر آپ اسے یہ بتائیں گے کہ یہ تجویز میں نے دی ہے تو وہ کہہ دے گا کہ یہ گاندھی کی مکاری ہے۔'' جواب میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا ''اور میرا خیال ہے جناح ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔'' اس پر گاندھی نے جوش میں آ کر کہا کہ ''نہیں میں اپنی اس تجویز سے پوری طرح مخلص ہوں۔''[17]

اس مکالمے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گاندھی نے اچھی طرح جانتے بوجھتے ہوئے کہ جناح اس تجویز کو رد کر دیں گے، انہیں حکومت بنانے کی پیشکش کی تجویز دی۔ اس کا اصل مقصد اس تجویز کا دوسرا حصہ تھا۔ جو اس نے 2/اپریل کی ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن کو پیش کیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ جناح کے انکار کی صورت میں مرکزی حکومت وضع کرنے کی دعوت کلی طور پر کانگرس کو دے دی جائے۔ یہ سن کر ماؤنٹ بیٹن نے جو گفتگو کی اسے خود اس نے یوں ریکارڈ کیا ہے ''میں نے طعن کرتے ہوئے اسے جواب دیا کہ تم دراصل کانگرس کی مرکزی حکومت تشکیل کروانا چاہتے ہو کہ جسے میں اقتدار منتقل کر دوں اور یہ کہ جناح سے کی جانے والی ابتدائی پیشکش محض ایک چال ہے۔ اس نے مجھے انتہائی خلوص کے ساتھ یہ یقین دہانی کرائی کہ نہیں ایسی بات ہرگز نہیں ہے......''[18]

حقیقت یہ تھی کہ مرکزی قانون ساز اسمبلی میں کانگرس کو بھاری اکثریت حاصل تھی اور اس کی منشا اور ہدایات کا تابع ہو کر ہی اقلیتی جماعت کا سربراہ، حکومت کی سربراہی کر سکتا تھا اور کاروبار حکومت چلانے کے لئے مقننہ سے بل منظور کروا سکتا تھا۔ چنانچہ اگر جناح اس پیش کش کو منظور کرتے تو اس صورت میں وہ متحدہ ہند میں رہتے ہوئے کانگرس کا کٹھ پتلی بننا قبول کرتے اور اگر رد کرتے تو متذکرہ تجویز کے مطابق کانگرس کو حکومت بنانے کا اختیار دیا جاتا۔ گویا ہر دو صورتوں میں متحدہ ہند میں کانگرس کی بالادستی قائم ہو جاتی اور جناح یا تو اس کی اطاعت قبول کرتے یا راستے سے

ہٹا دیئے جاتے۔ یہ دونوں صورتیں جناح کو نہ تو پہلے قابل قبول تھیں اور نہ اب ہو سکتی تھیں۔ نہ ہی کانگرس کے رہنما پٹیل اور نہرو جو پہلے ہی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی موجودگی سے نالاں تھے، اس بات کے حق میں ہو سکتے تھے کہ جناح کو مرکزی حکومت بنانے کی دعوت دی جائے۔

اس تجویز پر وی۔ پی مینن نے وائسرائے کے لئے لکھے گئے اپنے نوٹ میں کہا کہ ''اس مفروضے کی کوئی بنیاد نہیں کہ جناح ایک ایسی پیش کش کو قبول کر لے گا جو وہ پہلے ہی رد کر چکا ہے۔ اگر وہ صرف مسلم لیگی نمائندوں پر مشتمل حکومت وضع کرتا ہے تو اس حکومت کو مرکزی مقننہ میں بھاری اکثریت کی حامل کانگرس پارٹی کا سامنا کرنے میں دشواری پیش آئے گی کہ جناح کو تمام اہم قانون سازی کا کام اور سپلائی اسی سے حاصل کرنا ہوگی۔ بصورت دیگر اگر مخلوط حکومت قائم ہوتی ہے تو وہ لیگ کی نسبت کانگرس کے لئے زیادہ قابل قبول شرائط پر استوار ہو گی۔ ہر دو صورتوں میں کانگرس کے تعاون کا یقین محض خوش فہمی ہے، اس سے جناح کے لئے ایک ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی جس میں اس کا خود کو کانگرس کے خیالات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ضروری ہو جائے گا اور شاید ایسا نہیں ہے کہ گاندھی کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی۔'' آگے چل کر اس نے لکھا کہ ''وزارتی مشن کے گزشتہ سال کے دورے کے بعد سے گاندھی کا کانگرس مجلس عاملہ کے ساتھ اور عبوری حکومت کے ارکان کے ساتھ بہت سے بڑے مسائل پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ بالکل نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی موجودہ تجاویز کو کانگرس مجلس عاملہ یا نہرو اور پٹیل کی حمایت حاصل ہوگی۔''[19] گاندھی نے اپنی پوری منافقت کو بروئے کار لا کر جو تجویز تیار کی تھی وہ اب پٹیل اور نہرو وغیرہ کو قابل قبول نہیں تھی۔ پٹیل اور نہرو اب عملاً اقتدار میں تھے اور جلد از جلد اس پر اپنی گرفت مضبوط تر کرنا چاہتے تھے۔ اس مرحلے پر وہ کسی ایسی منافقانہ چال چلنے کے حق میں نہیں تھے کہ جس کے نتیجے میں معاملات الجھ جائیں یا طوالت میں پڑ جائیں۔ اس کے برعکس وہ لیگ کے ساتھ دوٹوک انداز میں معاملات نمٹا کر جلد از جلد انتقال اقتدار چاہتے تھے تاکہ برصغیر کے بڑے حصے پر ان کے مضبوط مرکز کا غلبہ قائم ہو جائے۔ نہ صرف وی۔ پی مینن نے جو کہ پٹیل کا آدمی تھا، گاندھی کی متذکرہ تجویز کی مخالفت کی بلکہ نہرو کے ایک معتمد ساتھی کرشنا مینن نے بھی 5 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ایک ملاقات میں بتایا کہ ''خواہ جناح اس تجویز کو منظور بھی کر لے تب بھی گاندھی اس پر عمل

کروانے میں ناکام رہے گا۔"[20]

5/اپریل کو وائسرائے کی سٹاف میٹنگ میں بھی یہ تجویز زیرغور آئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ "بہرصورت یہ تجویز جناح کے سامنے ایک خوفناک متبادل کے طور پر موجود رہے گی۔ جناح کے لئے گاندھی کی اس پیش کش کو رد کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔"[21] اس کی رائے میں گاندھی نے یہ تجویز ہندوستان کا اتحاد برقرار رکھنے کی خاطر پورے خلوص کے ساتھ دی تھی۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کے تمام مشیروں کی متفقہ رائے تھی کہ اس تجویز پر عملدرآمد ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ نہ تو کانگرس مجلس عاملہ نے گاندھی کی اس تجویز کو پروان کیا اور نہ ہی وائسرائے نے اسے اختیار کیا۔ تاہم اس کا ذہن جناح کو کسی "خوفناک متبادل" سے ڈرانے پر ضرور مرکوز رہا۔

کانگرس نے وزارتی مشن منصوبہ پر کٹے پھٹے کمزور پاکستان کو ترجیح دی

کانگرسی رہنماؤں میں صرف ابوالکلام آزاد وہ واحد شخص تھا جو وزارتی مشن منصوبہ کو خلوص دل کے ساتھ اختیار کرنے کے حق میں تھا۔ تقسیم کے دس سال بعد اپنی خودنوشت تحریر کرتے وقت بھی ماؤنٹ بیٹن سے متعلقہ باب میں وہ لکھتا ہے کہ "وزارتی مشن منصوبہ کے بارے میں تب بھی اور آج بھی میں قائل ہوں کہ یہ ہر لحاظ سے ایک بہترین حل تھا۔ اس میں ہندوستان کی وحدت محفوظ تھی اور ہر فرقے کو آزادی اور وقار کے ساتھ کام کرنے کا موقع فراہم کیا گیا تھا۔ فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے بھی مسلمانوں کو اس سے بہتر کچھ اور نہیں مل سکتا تھا۔ اپنے اکثریتی صوبوں میں انہیں مکمل داخلی خودمختاری حاصل ہوتی۔ مرکز میں بھی انہیں مناسب سے کچھ زیادہ نمائندگی حاصل ہوتی۔" چنانچہ اس نے 28/مارچ کو ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ اگر جناح دوبارہ وزارتی مشن منصوبہ کو تسلیم کرلے تو پھر وہ کانگرس کو یہ منصوبہ من وعن منظور کر لینے پر آمادہ کرلے گا۔ جناح پر دباؤ ڈالنے کے لئے اس نے تجویز کیا کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ ایگزیکٹو کونسل میں شمولیت مشن منصوبہ کی منظوری کے ساتھ مشروط تھی اس لئے مسلم لیگ یا تو مشن منصوبہ دوبارہ منظور کرنے کا اعلان کرے یا پھر ایگزیکٹو کونسل سے نکل جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے 28/مارچ کو سٹاف میٹنگ میں اس تجویز کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر احتیاط سے کام لیا جائے تو یہ بڑی مستحسن تجویز ہے۔"[22] لیکن جیسا کہ جناح نے بارہا کہا تھا کہ آزاد کی حیثیت محض کانگرس کے

شو بوائے کی ہے، اس لئے وہ کبھی کانگرس کو مشن منصوبہ پر عملدرآمد کے لئے آمادہ نہ کر سکا۔ کانگرس کی ہندو قیادت برصغیر کی تقسیم کا فیصلہ کر چکی تھی۔ پٹیل اور نہرو اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ ہندو بورژوا کا بہترین مفاد اس میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ساتھ رکھ کر مستقل دردسری مول لی جائے بلکہ اس میں ہے کہ انہیں ایک چھوٹا سا ٹکڑا دے کر ایک ناقابل عمل اور کمزور حالت سے دوچار کر دیا جائے اور خود ہندوستان پر مضبوط گرفت حاصل کر کے پورے برصغیر پر اپنا غلبہ استوار کیا جائے۔

آزاد لکھتا ہے کہ ''میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بہت سمجھایا کہ وہ یہ آخری اقدام نہ اٹھائیں۔ میں نے محسوس کیا کہ پٹیل تقسیم کے حق میں اس قدر زیادہ ہو چکا تھا کہ وہ کوئی اور بات سننے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ دو گھنٹے سے زیادہ دیر تک میں نے اس کے ساتھ بحث کی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ اگر ہم نے تقسیم کو قبول کر لیا تو ہم ہندوستان کے لئے ایک مستقل مسئلہ پیدا کر دیں گے۔ تقسیم سے فرقہ وارانہ مسئلہ حل نہ ہوگا بلکہ یہ اس ملک کے لئے مستقل نوعیت کا مسئلہ بن جائے گا۔ جناح نے دو قوموں کا نعرہ لگایا ہے۔ اگر ہم نے تقسیم کو تسلیم کیا تو گویا اس نعرے کو تسلیم کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کانگرس ہندو اور مسلم کی بنیاد پر ملک کی تقسیم پر رضامند ہو جائے؟ تقسیم، فرقہ وارانہ خدشات کو دور کرنے کے بجائے فرقہ وارانہ منافرت پر مبنی دو ریاستوں کو جنم دے کر ان خدشات کو دائمی بنا دے گی۔ ایک مرتبہ منافرت پر مبنی ریاستیں وجود میں آ جائیں تو کسی کو معلوم نہیں کہ حالات کس حد تک خراب ہو سکتے ہیں۔

''میں حیران ہوا اور مجھے تکلیف بھی پہنچی جب پٹیل نے جواب دیا کہ خواہ آپ پسند کریں یا نہ کریں، ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں۔ وہ پوری طرح قائل ہو چکا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کر کے ایک قوم نہیں بنایا جا سکتا۔ اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر اب کوئی چارہ نہیں ہے۔ صرف اسی طریقے سے ہم ہندوؤں اور مسلمانوں کے تنازعے کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس نے مزید کہا کہ اگر دو بھائی اکٹھے نہ رہ سکتے ہوں تو ان کو علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ اپنا اپنا حصہ لے کر علیحدہ ہو جانے کے بعد وہ باہم دوست بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر انہیں اکٹھے رہنے پر مجبور کیا جائے تو وہ آئے دن لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اس ہر روز کی چخ چخ سے بہتر ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ صاف لڑائی کر کے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔

''اس کے بعد میں نے جواہر لال کی جانب رجوع کیا۔ اس نے تقسیم کے حق میں اس انداز سے بات نہ کی جس طرح پٹیل نے کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے تسلیم کیا کہ تقسیم فطری طور پر غلط ہے۔ لیکن ایگزیکٹو کونسل میں لیگ کے ارکان کے طرز عمل کا تجربہ ہونے کے بعد وہ اشتراک عمل کی تمام امیدیں ختم کر چکا تھا۔ کسی معاملے پر بھی ان کے مابین اتفاق رائے نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہر روز لڑتے جھگڑتے تھے۔ جواہر لال نے بڑی مایوسی کے ساتھ مجھ سے پوچھا کہ سوائے تقسیم کے اور کیا چارہ باقی رہ گیا ہے؟ جواہر لال نے میرے ساتھ یہ ساری گفتگو بڑے رنج کے ساتھ کی لیکن میرے دماغ میں اس بارے میں کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ اس کا ذہن کس انداز میں سوچ رہا ہے۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ تقسیم کے تصور کا مخالف ہونے کے باوجود وہ دن بدن اس نتیجے پر پہنچ رہا ہے کہ اس کے سوا اب کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ تسلیم کرتا تھا کہ تقسیم ایک برائی ہے لیکن وہ سمجھتا تھا کہ حالات لامحالہ اس سمت میں جار ہے ہیں۔

''چند روز بعد جواہر لال دوبارہ مجھ سے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے گفتگو کے آغاز میں ایک لمبی تمہید باندھی جس میں اس نے اس امر پر زور دیا کہ ہمیں خوش فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیے، ہمیں حقیقت کا سامنا کرنا چاہیے۔ بالآخر وہ اپنے مقصد پر آ گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ آپ تقسیم کی مخالفت چھوڑ دیں۔ اس نے کہا کہ یہ اب ناگزیر ہے اور جو ہو کر رہے گا اس کی مخالفت کرنا دانشمندی نہیں ہے......''

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ ''اب جب کہ سردار پٹیل اور جواہر لال بھی تقسیم کے حامیوں میں سے ہو گئے تھے، میری تمام امیدیں گاندھی جی سے وابستہ تھیں۔ ان دنوں وہ پٹنہ میں تھے...... ہمیں امید تھی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملنے کے لئے وہ دہلی ضرور آئیں گے اور وہ واقعی 31/ مارچ کو پہنچ گئے۔ میں فوری طور پر ان سے ملنے کے لئے گیا۔ ان کا پہلا فقرہ تھا۔ ''تقسیم اب ایک خطرہ بن چکی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولبھ بھائی اور یہاں تک کہ جواہر لال نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ اب آپ کیا کریں گے؟ آپ میرا ساتھ دیں گے یا آپ بھی بدل گئے ہیں؟'' میں نے جواب دیا ''میں تقسیم کا مخالف تھا اور ہوں۔ میری طرف سے تقسیم کی مخالفت اب سے پہلے اتنی شدید کبھی نہ تھی۔ اگر آپ تقسیم کے خلاف ڈٹ جائیں تو ہم اب بھی صورتحال کو بچا سکتے ہیں۔ اگر آپ بھی تقسیم پر راضی ہو گئے تو پھر ہندوستان مٹ جائے گا۔'' گاندھی جی

نے کہا "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ اگر کانگرس تقسیم کو منظور کرنا چاہتی ہے تو ایسا میری لاش پر ہوگا۔ جب تک میں زندہ ہوں، ہندوستان تقسیم نہیں ہوگا۔ نہ ہی میں، اگر میں کرسکا تو، کانگرس کو اسے منظور کرنے دوں گا۔"

اس کے بعد گاندھی اور ماؤنٹ بیٹن کی ملاقات اور پھر گاندھی کی پٹیل کے ساتھ ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "جیسے ہی گاندھی ماؤنٹ بیٹن سے اپنی پہلی ملاقات کرنے کے بعد لوٹا تو سردار پٹیل اس سے ملنے کے لئے آیا اور دونوں نے دو گھنٹے تک بند کمرے میں صلاح مشورہ کیا۔ اس ملاقات میں کیا ہوا، یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن جب میں دوبارہ گاندھی جی سے ملا تو مجھے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ بھی بدل چکے ہیں۔ وہ اگرچہ کھل کر تقسیم کے حق میں نہیں ہوئے لیکن پھر انہوں نے تقسیم کی سختی سے مخالفت کرنا چھوڑ دی۔ میں جس بات پر زیادہ حیران ہوا اور جس کا مجھے زیادہ صدمہ پہنچا، یہ تھی کہ انہوں نے وہی دلائل دہرانے شروع کر دیئے جو سردار پٹیل اس سے پہلے دے چکا تھا۔"[23]

گاندھی نے پٹیل کے ساتھ صرف دو گھنٹے کی ملاقات کے بعد یہ قلابازی کیوں کھائی، آزاد اس بارے میں لکھتا ہے کہ "میں نے سارے معاملے پر گہرائی کے ساتھ غور کیا۔ یہ کیسے ہوا کہ گاندھی جی نے اپنی رائے اس قدر جلد تبدیل کر لی۔ میرا تاثر یہ ہے کہ پٹیل کے اثر کی وجہ سے ایسا ہوا۔ پٹیل کھلے عام کہتا تھا کہ تقسیم کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، تجربے نے یہ ثابت کیا تھا کہ مسلم لیگ کے ساتھ کام کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک اور اہم سبب جسے پٹیل غالباً زیادہ وزن دیتا تھا، یہ تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے دلیل دی تھی کہ کانگرس نے کمزور مرکز کے قیام پر اتفاق رائے محض لیگ کا اعتراض دور کرنے کی خاطر کیا ہے۔ چنانچہ صوبوں کو مکمل خودمختاری دی گئی ہے۔ لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں الگ الگ زبانیں، فرقے اور ثقافتیں پائی جاتی ہوں، وہاں ایک کمزور مرکز کی صورت میں مرکز گریز رجحانات کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اگر مسلم لیگ نہ ہو تو ہم ایک مضبوط مرکزی حکومت وضع کر سکتے ہیں اور ہندوستانی وحدت کی بنیاد پر ایک آئین تشکیل دے سکتے ہیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ مشورہ دیا کہ بہتر ہوگا کہ آپ شمال مغرب اور شمال مشرق میں چند چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے دستبردار ہو جائیں اور پھر ایک مضبوط اور مستحکم ہندوستان کی تعمیر کریں۔ سردار پٹیل اس دلیل سے متاثر ہوا کہ مسلم لیگ کے ساتھ

تعاون کے نتیجے میں ہندوستان کی وحدت اور قوت خطرے میں پڑ جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان دلائل نے نہ صرف سردار پٹیل کو بلکہ جواہر لال کو بھی متاثر کیا۔ انہی دلائل کی بدولت کہ جنہیں سردار پٹیل اور ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے دہرایا گیا، گاندھی جی کی جانب سے تقسیم کی مخالفت کمزور پڑ گئی۔''[24]

تاہم یہاں آزاد نے کانگرسی ہندو قیادت کی جانب سے تقسیم کو منظور کرنے کے سبب کی درست نشاندھی کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا جھوٹ بولا ہے جسے تاریخ کا کوئی طالب علم معاف نہیں کر سکتا۔ کسی ریکارڈ سے یہ بات ثابت نہیں کہ کمزور مرکز کے بجائے تقسیم ہند منظور کر کے ایک مضبوط و مستحکم ہندوستان قائم کرنے کی دلیل ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے دی گئی تھی۔ اس کے برعکس حقیقت یہ تھی کہ یہ دلیل خود پٹیل اور وی۔ پی مینن نے ہندو بورژوا کے عزائم کی تکمیل کی خاطر وضع کی تھی اور اسی بنیاد پر انہوں نے 47ء کے اوائل میں سدھیر گھوش کے ذریعے وزیر ہند پیتھک لارنس کو ایک خفیہ پیغام بھیج کر تقسیم پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ مزید برآں انہی دنوں پٹیل نے کانجی دوارکا داس کے نام ایک خط میں تقسیم ہند کی منظوری کے پس پردہ اپنے مذموم عزائم کا بھی اظہار کر دیا تھا اور اسی بنیاد پر 8/مارچ کو کانگرس نے پنجاب کی تقسیم کی قرارداد بھی منظور کی تھی اور پھر بنگال کی تقسیم کا مطالبہ بھی شروع کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا تھا جب ابھی ماؤنٹ بیٹن ہندوستان نہیں پہنچا تھا۔ جہاں تک ماؤنٹ بیٹن کا تعلق تھا، اس نے تقسیم کی صورت میں بھی ملک کے دونوں حصوں کو ایک ڈھیلے ڈھالے مرکز کے ماتحت یکجا رکھنے کی خواہش کی تھی اور اپنی اس خواہش کا اظہار اس نے 2/اپریل کو خود آزاد کے ساتھ ملاقات میں کیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے وزارتی مشن منصوبہ کے متبادل کے طور پر 29 اور 31/مارچ کی سٹاف میٹنگوں میں زیر غور آنے والا منصوبہ آزاد کے سامنے پیش کیا جس کے مطابق پاکستان، ہندوستانی ریاستوں اور بقیہ ہندوستان پر مشتمل تین ڈومینینوں کا ایک ہی مرکز کے ماتحت قائم کرنا تجویز کیا گیا تھا۔ آزاد کی رائے تھی کہ یہ ایک اچھا متبادل ہے۔[25] چنانچہ اپنی خودنوشت میں آزاد کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے ڈھیلے ڈھالے مرکز کے تحت متحدہ ہندوستان کو رکھنے کے بجائے ایک مضبوط مرکز کے حامل منقسم ہندوستان کو قائم کرنے کے لئے پٹیل اور نہرو کو قائل کیا۔ حقیقت اس کے برعکس تھی۔

کانگریں قیادت میں پہلے پٹیل اس امر کا قائل ہوا کہ ”خواہ آپ پسند کریں یا نہ کریں ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں۔“ اس نے یہ نظریہ ہندو بورژوا کے اس مفاد کو پیش نظر رکھ کر وضع کیا کہ ایک کٹا پھٹا علاقہ دے کر مسلمانوں کو الگ کر دیا جائے جہاں وہ کمزور سے کمزور تر ہوتے جائیں جب کہ بقیہ ہندوستان کو ایک مضبوط مرکز کے تحت مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے جو بعدازاں مسلمانوں کے کٹے پھٹے کمزور پاکستان کو اپنے زیر تسلط لے آئے۔ نہرو بھی اسی مطمعٔ نظر سے اس کا حامی بنا اور پھر اسی بنیاد پر وہ گاندھی، جو یہ کہتا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم ”میری لاش پر ہوگی“، پٹیل کے ساتھ صرف دو گھنٹے کی ملاقات کے بعد تقسیم کا حامی ہو گیا۔ تاہم یہ آزاد کی رائے ہے کہ گاندھی تقسیم کا واقعی حامی ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ عبوری حکومت کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کو دی گئی اپنی تجاویز کے مطابق متحدہ ہند کے مضبوط مرکز کو اقتدار منتقل کرنا چاہتا تھا۔

3/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات میں ”گاندھی نے اس امر پر رضامندی ظاہر کر دی کہ اگر مسلم لیگ اپنی ضد پر قائم رہے تو تقسیم کو عمل میں لے آنا چاہیے۔ تاہم وہ اس بات کا انتہائی آرزومند رہا کہ اس صورت میں بھی جس حد تک ممکن ہو ایک مضبوط مرکز کو برقرار رکھا جائے۔“[26] اور اس مضبوط مرکز کی شدید خواہش کے پس پشت یہ خدشہ کارفرما تھا کہ ”ایک ایسے ملک میں جہاں الگ الگ زبانیں، فرقے اور ثقافتیں پائی جاتی ہوں، وہاں ایک کمزور مرکز کی صورت میں مرکز گریز رجحانات کی حوصلہ افزائی ہوگی۔“ ان مرکز گریز رجحانات سے ہندو بورژوا کے مفادات پر براہ راست زد پڑتی تھی۔ ہندو بورژوا نہ صرف برطانوی ہند میں شامل تمام مقبوضات بلکہ چھ سو سے زائد خودمختار ریاستوں اور رجواڑوں کو بھی براہ راست اپنی تحویل میں لینا چاہتا تھا اور وہ یہ سب کچھ اس پورے برصغیر میں رہنے والوں کو ایک ”ہندوستانی قوم“ قرار دے کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مختلف قوموں اور قومیتوں کے علاوہ مختلف ریاستوں اور رجواڑوں کو ایک مضبوط مرکزی حکومت بزور شمشیر ہی اپنے زیر نگیں لا سکتی تھی اور لائی جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا۔

4/اپریل کی ملاقات میں گاندھی نے وزارتی مشن منصوبہ پر تنقید کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ سر سٹیفورڈ کرپس نے یہ سفارش نہ کر کے بڑا ظلم کیا ہے کہ اقتدار اعلیٰ مرکزی حکومت کو منتقل کیا جائے جو ہندوستانی قوم کے اقتدار اعلیٰ کی نمائندہ ہو۔ ماؤنٹ بیٹن نے

جواب دیا کہ میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اقتدار اعلیٰ ایک حقیقی طور پر مضبوط مرکزی حکومت کو منتقل کیا جانا چاہیے جو بحیثیت مجموعی ہندوستانی قوم کی نمائندہ ہو۔لیکن ایک حقیقی طور پر مضبوط مرکزی حکومت کو وجود میں لانے کے لئے کوئی قابل عمل سکیم سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ جواب میں گاندھی نے اپنی اس سکیم کو دہرایا جس کے مطابق جناح کو مرکزی حکومت وضع کرنے کی دعوت دینے کی تجویز دی گئی تھی۔[27] اس تجویز کا مقصد جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا، اسمبلی میں اکثریتی کانگرس پارٹی کے ذریعے جناح کی مجوزہ وزارت کو ناکام کرنا تھا۔ گویا جناح اور مسلم لیگ کو راستے سے ہٹا کر کل ہند کی مرکزی حکومت پر کانگرس کا حتمی قبضہ قائم کرانا مقصود تھا۔ اس نے یہ تجویز ''ایک حقیقی طور پر مضبوط مرکزی حکومت'' کو وجود میں لانے کے لئے ایک ''قابل عمل سکیم'' کے طور پر پیش کی۔ تاہم نہ صرف ماؤنٹ بیٹن کے مشیروں نے بلکہ خود پٹیل، نہرو اور ان کے مشیروں وی۔ پی مینن اور کرشنا مینن نے اسے ناقابل عمل قرار دے کر رد کر دیا۔

جوں جوں انتقال اقتدار کی گھڑیاں قریب آرہی تھیں، کانگرس پر غلبہ حاصل کرنے کی دوڑ یا دوسرے لفظوں میں کشمکش اقتدار پٹیل اور نہرو کو اس حد تک آگے لے گئی تھی کہ مجلس عاملہ کے ارکان پر گاندھی کا کوئی اثر باقی نہیں رہا تھا۔ کانگرس مجلس عاملہ کے ارکان کو حصول اقتدار کے لئے نزدیک ترین راستہ پٹیل کے مجوزہ منصوبہ میں نظر آتا تھا۔ وہ جناح کو پورے ہند کی حکومت دے کر اور پھر اسے ناکام کر کے اقتدار تک پہنچنے کا طویل غیر یقینی اور منافقانہ راستہ اختیار کرنے کے بجائے جناح کو ایک کٹا پھٹا اور ''ناقابل عمل'' پاکستان دے کر علیحدہ کر کے اپنے لئے ایک مضبوط مرکز کے حامل ہندوستان پر جلد از جلد کنٹرول حاصل کرنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ چنانچہ مجلس عاملہ نے ''باپو'' کی تجویز کو ٹھکرا دیا۔ گاندھی کو یہ اچھی طرح محسوس ہو گیا کہ عبوری حکومت میں اقتدار کا مزہ چکھ لینے والے کانگرسی زعما اب اس کی رائے کو وقعت نہیں دیتے تھے۔ وہ بڑا دل برداشتہ ہوا اور اس نے 11 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ ''مجھے افسوس ہے کہ میں کانگرس مجلس عاملہ کے ارکان کو اپنے منصوبے کی ہر پہلو سے صحت کے بارے میں قائل نہیں کر سکا۔ اس لئے میں آپ سے کہوں گا کہ آپ مجھے کوئی اہمیت نہ دیں۔ کانگرس والے جو عبوری حکومت میں ہیں، وہی کرتا دھرتا ہیں اور وہی قوم کے کہنہ مشق خادم ہیں لہٰذا جہاں تک کانگرس کے نقطۂ نظر کا تعلق ہے، وہی پوری طرح اس کے صلاح کار ہیں۔''[28] لیکن گاندھی جسے ہندو

بورڈوا نے ہندوؤں میں مہاتما کا درجہ دلوادیا تھا اور جو باقاعدگی سے پرارتھنا سبھاؤں میں بطور مذہبی رہنما بھاشن دیا کرتا تھا، اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

انہی دنوں ماؤنٹ بیٹن نے ایک اپیل جاری کرائی جس میں لوگوں کو فساد، خونریزی اور بلووں سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ اس اپیل پر فقط دو دستخط ثبت تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے قائداعظم جناح اور ہندوؤں کی جانب سے مہاتما گاندھی۔ فرقہ وارانہ تضاد اس قدر شدید ہو چکا تھا کہ یہ اپیل بے اثر ثابت ہوئی لیکن اس سے ایک بار پھر یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان اور ہندو الگ الگ قیادتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔

12 / اپریل کو گاندھی ایک بار پھر ماؤنٹ بیٹن سے ملا۔ اس ملاقات میں لارڈ اسمے بھی موجود تھا۔ گاندھی نے ایک بار پھر اس امر پر زور دیا کہ عبوری حکومت کو مضبوط بنایا جائے اور اسے جون 48ء تک صحیح طور پر کام کرنے دیا جائے۔ اس کے بعد اسی عبوری حکومت کو اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ اس ملاقات کا ریکارڈ قلمبند کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ "اس کی یہ تجویز سن کر میں اور لارڈ اسمے ششدر رہ گئے۔ ہم دونوں نے اس امر کی نشاندہی کی کہ اس کا تو مطلب یہ ہوگا کہ صرف ایک پارٹی یعنی کانگرس کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا جس سے دوسری پارٹی مسلم لیگ کو شدید نقصان پہنچے گا جو کہ بدامنی پھیلانے سے باز نہ رہ سکے گی اور ممکن ہے خانہ جنگی تک نوبت پہنچ جائے۔ گاندھی نے ایک عیارانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ "اگر جناح نے واقعی اس دستاویز پر دستخط کر دیئے جو ہم اسے بھجوانے والے تھے، تو پھر وہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے طاقت کا استعمال کبھی نہیں کر سکے گا۔" میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ جان کر میں بالکل دم بخود رہ گیا کہ گاندھی کا حقیقی منصوبہ یہ تھا کہ اگر واقعی جناح اس دستاویز پر دستخط کر دے اور اس پر قائم رہے تو پھر اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں پر کانگرس حکومت کو مسلط کر دیا جائے۔"[29] یہاں جس دستاویز کا ذکر کیا گیا وہ متذکرہ اپیل تھی جو اس ملاقات کے ایک روز بعد گاندھی اور جناح کے مشترکہ دستخطوں کے ساتھ جاری ہوئی۔ گویا گاندھی کا مطمعِ نظر یہ تھا کہ ایک مرتبہ اس اپیل پر دستخط کرنے کے بعد جناح ہمیشہ کے لئے اس امر کے پابند ہو جائیں گے کہ وہ مسلمانوں کو ہنگامہ آرائی سے باز رکھیں گے اور جب انگریز پورے برصغیر پر کانگرس کی مضبوط مرکزی حکومت کو مسلط کر کے رخصت ہو جائیں گے اور مسلمان اس زیادتی کے خلاف

ہنگامہ کھڑا کریں گے تو تب بھی جناح انہیں ایسا کرنے سے باز رکھنے کے پابند ہوں گے۔ چنانچہ گاندھی نے اس دستاویز پر خلوص نیت کے ساتھ لوگوں کو فساد اور خونریزی سے باز رہنے کی اپیل کے بجائے اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کی خاطر دستخط کئے تھے۔

گاندھی نے گزشتہ سال اسی قسم کی ''عیارانہ'' چالیں چل کر وزارتی مشن منصوبہ کو ناکام بنایا تھا۔ پچھلے ایک سال کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان خون کی ندیاں بہہ چکی تھیں لیکن جب متذکرہ ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی سے دریافت کیا کہ اس کے خیال میں کانگرس کس حد تک وزارتی مشن منصوبہ کو منظور کرنے پر تیار ہو سکتی ہے تو جواب میں گاندھی نے مسلسل ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے وہی وکیلانہ موشگافی پیش کر دی جس کی وجہ سے گزشتہ سال مسلم لیگ اس منصوبے کو منظور کرنے کے باوجود رد کرنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ اس نے کہا کہ اصل وجہ نزاع وزارتی مشن منصوبہ کے مفہوم کی تعبیر ہے جس کے لئے اس نے اپنی گزشتہ سال کی تجویز کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ ہائیکورٹ سے اس منصوبہ کی تعبیر وتشریح کرائی جائے۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اختلاف رائے کو برطانوی کابینہ کی طرف سے جاری ہونے والے 6 دسمبر کے اعلان کے ذریعے پہلے ہی دور کیا جا چکا ہے۔ لیکن جواب میں گاندھی نے مؤقف اختیار کیا کہ جو لوگ کسی دستاویز کو تیار کرتے ہیں وہ اس کی تعبیر کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس نے پارلیمینٹ کے قوانین کو اس کا مماثل قرار دیا۔ اس نے کہا کہ اگر قانون کی کسی خاص دفعہ کی تعبیر پر اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو یہ جج کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ کس مفہوم کو اختیار کرتا ہے۔ وہ قانون کی تعبیر کرتا ہے نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے قانون وضع کیا ہوتا ہے۔''[30]

یہ تھی گاندھی کی منافقت کہ وہ صاف لفظوں میں مشن منصوبے کی گروپنگ سکیم کو رد کرنے کے بجائے وکیلانہ حیلہ بازیوں سے کام لے رہا تھا۔ اعلان 6 دسمبر کی تعبیر گروپوں کے قیام کی راہ ہموار کرتی تھی اس لئے گاندھی کو قابل قبول نہ تھی۔ اس کے برعکس پٹیل جیسے رہنماؤں کی یہ خوبی تھی کہ وہ کھلے بندوں ہندو نقطۂ نظر کا برملا اظہار کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ رکھنے کے بجائے انہیں الگ کر کے خود کو مضبوط اور انہیں کمزور کرنے اور بالآخر مغلوب کرنے کا اپنا ارادہ صاف الفاظ میں بیان کرتے تھے۔

جناح اور ماؤنٹ بیٹن کی ملاقاتیں

ماؤنٹ بیٹن جناح کے علاوہ ہندوستان کے تمام بڑے لیڈروں سے ملاقاتیں کر چکا تو 3/اپریل کو وزیر ہند پیتھک لارنس نے اسے لکھا کہ "ابھی سب سے کٹھن گاہک باقی ہے اور وہ جناح ہے۔" اسی روز ماؤنٹ بیٹن نے اپنے مشیر ایرک میول سے ان مشکل سوالات اور دلائل کی فہرست تیار کرائی کہ جن کے ذریعے جناح کو مطالبہ پاکستان پر لاجواب کیا جاسکے۔ ان میں جغرافیائی، دفاعی اور معاشی اعتبار سے پاکستان کو قطعی طور پر ناقابل عمل ثابت کرنے کے لئے پورا زور لگایا گیا تھا۔ چونکہ مطالبہ پاکستان میں اس وقت کا پورا پنجاب اور پورا بنگال شامل تھا، اس لئے ایک اعتراض تو یہ وارد کیا گیا کہ ان دونوں صوبوں کے غیر مسلم اکثریتی علاقوں کو پاکستان میں شامل کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو پھر "(ا) آپ سکھوں سے کیسے نبٹیں گے۔ (ب) غیر مسلموں پر اپنی مرضی کس طرح مسلط کریں گے۔ (ج) ہندوستان کے ساتھ لازمی اچھے تعلقات کس طرح برقرار رکھیں گے جب کہ آپ کی سرگرمیاں عداوت پیدا کرنے کا موجب بھی بن رہی ہوں گی۔"

اگلا اعتراض دفاعی نقطۂ نظر سے اٹھایا گیا۔ اس میں کہا گیا کہ پاکستان کے پاس مالی و معدنی وسائل اور ماہر افرادی قوت موجود نہ ہوگی اس لئے وہ اپنی فوج اور فضائیہ تیار نہ کر سکے گا۔ وہ اسلحہ ساز فیکٹریاں اور دوسری صنعتیں جو مسلح افواج کی اعانت کرتی ہیں، نہ بنا سکے گا اور نہ ہی وہ اتنا مضبوط ہو سکے گا کہ روس اور ہندوستان دونوں کا بیک وقت مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ آپ کی بقا اسی میں ہے کہ آپ ہندوستان کے ہمراہ کسی دفاعی معاہدے میں شامل ہو جائیں مثلاً اس کی ایک صورت مشترکہ ڈیفنس کونسل ہو سکتی ہے۔" اس کے بعد تیسرا اعتراض مالی حوالے سے تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ "کیا پاکستان کی مالی حالت اس قدر پتلی نہ ہوگی کہ وہ اپنی سوشل سروسز کو برقرار رکھ سکے اور دفاع کے لئے مناسب اقدامات کر سکے؟ اس کے علاوہ مشترکہ ہند سے حاصل ہونے والے اثاثوں کا معاوضہ بھی ادا کرنا ہوگا جس میں خاص طور پر دفاع، قومی قرضہ اور کل ہند نوعیت کی پنشن وغیرہ شامل ہوگی...... پاکستان اپنے واجبات کس طرح ادا کرے گا؟"[31] ان اعتراضات کو ذہن میں رکھ کر ماؤنٹ بیٹن نے 5/اپریل کو جناح کے ساتھ ملاقات کی۔

جناح کے ساتھ اپنی پہلی اور دوسری ملاقات کا ریکارڈ قلمبند کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''جناح جب ملنے آیا تو اس کی سوچ میں انتہائی سردمہری، نخوت اور تکبر پایا جاتا تھا......مزید نصف گھنٹہ تک گفتگو جاری رکھنے کی میری ہر کوشش کے جواب میں وہ صرف ہاں یا نہ میں یا ایک آدھ لفظ میں جواب دیتا رہا۔ تاہم ملاقات شروع ہونے سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد وہ مزاح کے رنگ میں بات کر رہا تھا اور گزشتہ رات (6/اپریل کو جب وہ ڈنر پر میرے ہاں آیا اور ساڑھے بارہ بجے رات تک میرے ساتھ رہا) تو گفتگو کے اختتام تک برف واقعی پگھل چکی تھی۔'' اس ملاقات میں جناح نے دعویٰ کیا کہ ''اب صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے ہندوستان کا ''سرجیکل آپریشن'' ورنہ ہندوستان بالکل تباہ ہو جائے گا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ ''میرا ذہن ابھی اس کے لئے تیار نہیں ہے۔''[32]

تاہم اگلے روز سٹاف میٹنگ میں جناح کے ساتھ مذاکرات پر اظہار رائے کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''مجھے پوری طرح یقین ہو گیا ہے کہ جناح کا تعاون حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اسے یہ بتا دیا جائے کہ برطانیہ نے مطالبہ پاکستان کو، اگر ضروری ہوا تو اس کی کٹی پھٹی صورت میں، مسلم نقطہ نظر کے مطابق ایک حتمی منزل کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن جب تک ممکن ہو سکے گا اس سے بہت پہلے ہم اسے تمہارے حوالے کر کے بدامنی کی کیفیت پیدا نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی ہم سے یہ ہو سکے گا کہ ہم ہندوستانیوں کو بتا دیں کہ قطعی طور پر اسے کس طور سے وضع کیا جائے گا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ساتھیوں سے مزید کہا کہ ''اس دوران یہ امید ہے کہ حکومت میں جناح کی شمولیت سے اور (کابینہ میں) پیریٹی کی عدم موجودگی میں بعض ایسے تحفظات فراہم کرنے سے جو کہ مسلمانوں کو قابل قبول ہوں، مرکز کو مضبوط بنایا جا سکے گا اور پھر گاندھی کو استعمال کرتے ہوئے ایک ایسا حل تجویز کر دیا جائے گا کہ جس کا مدعا و مقصد آخر کار ایک کٹے پھٹے پاکستان کی تشکیل ہوگا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے یہ رائے بھی ظاہر کی کہ ''میرا خیال نہیں ہے کہ جناح نے اس ابتدائی میکانیات کے بارے میں کبھی سوچا بھی ہوگا جس کے ذریعے پاکستان کا کاروبار حکومت چلایا جائے گا۔''[33] چنانچہ ماؤنٹ بیٹن شروع میں اس ''سرجیکل آپریشن'' کے لئے تیار نہیں تھا جس کا مطالبہ جناح نے کیا تھا۔ تاہم اس کا خیال تھا کہ جناح کا تعاون حاصل کرنے کی خاطر اگر مطالبہ پاکستان ماننا

ضروری ہوا تو اس کو کٹی پھٹی صورت میں منظور کیا جائے گا اور اسے فوری تشکیل کرنے کے بجائے بتدریج عمل میں لانے کا وعدہ کیا جائے گا اور اس وعدے کی بنیاد پر جناح کو مرکزی حکومت میں شامل کر کے مرکز کو مضبوط کیا جائے گا۔ اس پر ہندو ردعمل کو روکنے کی خاطر گاندھی کو استعمال کیا جائے گا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ جناح کاروبار حکومت کی میکانیات سے ناواقف ہیں اس لئے یہ کٹا پھٹا پاکستان بالکل ناکام ہو جائے گا۔

7/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کی جناح کے ساتھ تیسری ملاقات ہوئی۔ اس میں ماؤنٹ بیٹن نے ''ہر ممکن کوشش کہ کسی طور جناح کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا جائے کہ وہ وزارتی مشن منصوبہ کو قبول کرنے اور آئین ساز اسمبلی میں شمولیت اختیار کرنے پر آمادہ ہیں۔'' اس مقصد کے لئے اس نے جناح کو یہ دھمکی بھی دی کہ کانگرس کا مطالبہ ہے کہ آئین ساز اسمبلی میں عدم شرکت کی بنیاد پر لیگی وزراء کو عبوری حکومت سے خارج کر دیا جائے۔ لیکن جناح نے یہ موقف اختیار کیا کہ ''وزارتی مشن منصوبے کی تمام تر بنیاد یہ تھی کہ اس پر عملدرآمد تعاون اور باہمی اعتماد کے جذبے کے ساتھ کیا جائے گا۔ مئی 1946ء میں اس جذبے کی فضا پیدا ہونے کا امکان موجود تھا۔ لیکن اب تقریباً ایک سال گزرنے کے بعد یہ فضا بہتر ہونے کے بجائے سنگین طور پر بدتر ہو گئی ہے اور یہ واضح ہو گیا ہے کہ کانگرس کسی حالت میں بھی اس منصوبہ کو اس کے الفاظ اور منشا کے مطابق اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''ہندوستان میں نوبت اس سے کہیں آگے جا چکی ہے کہ جہاں اس قسم کے معتدل حل کی کامیابی کا امکان ہو سکتا تھا۔'' جناح نے واضح الفاظ میں ماؤنٹ بیٹن سے مطالبہ کیا کہ ''جلد از جلد اقتدار منتقل کر دیا جائے اور بہتر ہوگا کہ ہر صوبے کو الگ الگ اقتدار منتقل کیا جائے۔ صوبوں کو موقع دیا جائے کہ وہ خود منتخب کریں کہ انہوں نے کس قسم کے گروپ وضع کرنے ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود ماؤنٹ بیٹن ان گروپوں کی نشاندہی کر دے۔'' دفاع کے متعلق جناح کی رائے تھی کہ دفاعی افواج کو الگ الگ کر دیا جائے اور پاکستان اور ہندوستان اپنے دفاع کے خود ذمہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ''کسی اور بنیاد پر یہ ممکن نہیں ہوگا کہ برابری کی شرط کے ساتھ ایک مرکزی ادارہ وضع کیا جا سکے۔'' ماؤنٹ بیٹن نے جناح کی تجاویز کے ساتھ اختلاف کیا۔ اس نے بریگیڈئر کری آپا کے ایک حالیہ بیان کا حوالہ دیا جس کی چار یا پانچ دوسرے سینئر

ہندوستانی فوجی افسروں نے بھی حمایت کی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ کم از کم پانچ سال کا عرصہ درکار ہوگا جس میں ہندوستانی فوج برطانوی افسروں کی مدد کے بغیر مستعد بن سکے گی اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہوسکے گی۔" چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ "اگر اس عرصہ کو مختصر کر کے جون 1948ء تک محدود کر دیا جائے اور ہمیں یہ بھی کہا جائے کہ ہم فوج کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کا معجزہ بھی کر دکھائیں تو کیا یہ ممکن ہوگا۔"[34] اس سوال پر جناح اور ماؤنٹ بیٹن کے مابین کافی تکرار ہوئی اور اس روز کی ملاقات بھی کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی۔

اس گفتگو سے یہ ظاہر ہوا کہ جناح گزشتہ برس کے آخر تک وزارتی مشن منصوبے کو ایک بہتر حل سمجھتے تھے لیکن کانگرس کے منافقانہ رویے کی بدولت گزشتہ سال کے دوران مسلسل ہندو مسلم فسادات نے برصغیر کی فضا کو اس قدر مکدر کر دیا تھا کہ اب اس قسم کے "معتدل حل" کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اب جناح کی جانب سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ صوبوں کو الگ الگ اقتدار منتقل کر دیا جائے جس کے بعد وہ چاہیں تو اپنی مرضی سے گروپ بندی کر سکتے ہیں۔ مراد یہ تھی کہ مسلم اور ہندو اکثریت کے صوبے اپنے اپنے گروپ وضع کر لیں۔ جناح کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ اس طرح وضع ہونے والے گروپس یعنی پاکستان اور ہندوستان کی مسلح افواج بھی علیحدہ علیحدہ ہونی چاہئیں۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان "برابری کی شرط کے ساتھ ایک مرکزی ادارہ" وضع کرنے کے بھی حق میں تھے۔ چنانچہ علیحدہ علیحدہ دفاع رکھنے کے باوجود وہ برصغیر میں واقع یونٹوں کے مابین ایک ڈھیلا ڈھالا مرکزی ادارہ برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن کانگرس اور ماؤنٹ بیٹن پورے برصغیر کو یا کم از کم اس کے بہت بڑے حصے کو ایک مضبوط مرکز کے تحت رکھنے کی خاطر جناح کے مطالبات کو رد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

جناح اور ماؤنٹ بیٹن کی چوتھی ملاقات 8/اپریل کو ہوئی۔ اس کی تفصیل قلمبند کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ "میں نے جناح سے کہا کہ وہ تقسیم کے حق میں اپنے دلائل دیں۔ انہوں نے وہی پرانے دلائل پیش کر دیئے۔ میں نے ان کی توجہ اس جانب دلائی کہ ان کے خیالات کا اطلاق کیا جائے تو پنجاب اور بنگال بھی تقسیم ہوتے ہیں۔ یہ ایک واضح منطق ہے کہ اگر میں آپ کے دلائل بحیثیت مجموعی پورے ہندوستان کے لئے منظور کر لوں تو پھر مجھے ان کا اطلاق ان دو صوبوں پر بھی کرنا پڑے گا۔ انہوں نے میری اس منطق کو تسلیم تو کر لیا مگر ساتھ ہی

میری طرف سے ان کو ایک ''کرم خوردہ'' پاکستان دینے کی کوشش پر اپنی پریشانی کا اظہار بھی کیا۔ انہوں نے کہا کہ پنجاب اور بنگال کو تقسیم کرنے کا مطالبہ دراصل کانگرس کی طرف سے ان کو مطالبہ پاکستان سے باز رکھنے کے لئے دھونس کے طور پر کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا ''میں اتنی آسانی سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ اگر آپ کانگرس کی اس دھونس میں آگئے تو مجھے بڑا افسوس ہوگا۔'' میں نے جواب دیا ''میں دھونس میں نہیں آؤں گا۔ اگر میں تقسیم پر رضامند ہوا بھی تو صرف آپ کی دانشمندانہ وکالت کی وجہ سے ہوں گا۔ لیکن میں یہ اجازت نہیں دوں گا کہ آپ کے نظریات کا صوبوں پر اطلاق نہ ہو۔'' یہ سن کر وہ بہت متفکر ہوئے اور کہنے لگے کہ اس طرح پاکستان بہت کمزور ہو جائے گا۔ انہوں نے درخواست کی کہ بنگال اور پنجاب کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کیا جائے۔ ان کے قومی خصائل ملتے جلتے ہیں۔ ان میں مشترکہ تاریخ اور مشترکہ رہن سہن کے طریقے موجود ہیں۔ ہندوؤں کے جذبات کانگرس کے رکن کی حیثیت کے بجائے پنجابی یا بنگالی ہونے کی حیثیت سے زیادہ گہرے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کے دلائل سے متاثر ہوا ہوں اور ہندوستان میں کسی بھی جگہ کی تقسیم کے متعلق اپنے خیالات پر نظر ثانی کرنا شروع کر رہا ہوں۔ آپ نے پنجاب اور بنگال کے اندر تقسیم سے اتفاق نہ کرنے کے سلسلے میں جو دلائل دیئے ہیں ان کا اطلاق کل ہند کی تقسیم پر کہیں زیادہ شدت سے ہوتا ہے۔ اگر آپ ہندوستان کی تقسیم پر اصرار کریں گے تو آپ ایک عظیم برصغیر کو توڑ دیں گے جو کئی اقوام پر مشتمل ہے جو امن اور ہم آہنگی کے ساتھ باہم مل کر رہ سکتی ہیں۔ یہ برصغیر اگر متحد رہے تو دنیا میں عظیم کردار ادا کر سکتا ہے اور اگر منقسم ہو جائے تو یہ ایک دوسرے درجے کی طاقت بھی نہیں بن سکتا.....'' اپنے اور جناح کے مابین اس مکالمے کا خلاصہ تحریر کرنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن جناح کے بارے میں لکھتا ہے کہ ''مجھے خدشہ ہے کہ میں نے بڑے میاں کو بالکل پاگل کر ڈالا۔ وہ جس جانب بھی اپنی دلیل کو لے جاتے تھے، میں اس کا وہاں تک پیچھا کرتا تھا کہ وہاں سے آگے وہ خود اسے لے جانے کے خواہاں نہیں ہوتے تھے۔''[35]

اس ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن کے مطابق اس نے جناح کو مطالبہ پاکستان پر نیچا کر دکھایا تھا اور جناح کے دلائل کا توڑ کرنے کے لئے برصغیر کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کو لازم و ملزوم قرار دے دیا تھا۔ جب کہ اس کے برعکس جناح بنگال اور پنجاب کو

علی الترتیب وہاں کے عوام کے بنگالی یا پنجابی ہونے کے ناطے سے یا باالفاظ دیگر سیکولر قوم پرستی کی بنیاد پر یکجا رکھ کر اپنی اس وقت کی من وعن جغرافیائی حدود کے ساتھ پاکستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس کے توڑ کے لئے ماؤنٹ بیٹن پورے برصغیر کو سیکولر قوم پرستی کی بنیاد پر یکجا رکھنے کی وکالت کرتے ہوئے مطالبہ پاکستان کو رد کر رہا تھا۔ اس کے خیال میں اس نے دلائل کی اس آنکھ مچولی میں جناح کو بالکل ''پاگل'' بنا کر رکھ دیا تھا۔ درحقیقت منقسم بنگال اور منقسم پنجاب پر مشتمل پاکستان کو جناح نے ''کرم خوردہ'' پاکستان یا کٹا پھٹا پاکستان کہہ کر قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس لئے ماؤنٹ بیٹن کا خیال تھا کہ گزشتہ سال کی طرح جناح کرم خوردہ پاکستان کو رد کر کے ایک بار پھر وزارتی مشن منصوبہ کو منظور کر لیں گے۔ ماؤنٹ بیٹن کے اپنے اس مؤقف پر اصرار کی بنیاد ان رپورٹوں پر بھی تھی جو اسے کانگرسی لیڈروں اور برطانوی افسروں سے ملی تھیں۔ ان رپورٹوں کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر پنجاب اور بنگال کو تقسیم کرنے کا اعلان کیا گیا تو اس امر کا امکان ہے کہ یا تو خود جناح اپنے مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہو جائیں گے یا ان دونوں صوبوں کے مسلمان جناح کو چھوڑ دیں گے۔ سردار پٹیل اور ابوالکلام آزاد کی رائے بھی یہی تھی۔

9/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ پانچویں ملاقات کے دوران جناح نے واضح طور پر یہ مؤقف اختیار کیا کہ ''فل پاکستان کے قیام کے سوا کوئی حل ایسا نہیں ہے جس سے ہندوستان میں امن کا قیام ممکن ہو سکتا ہے۔ اس سے کم کی صورت میں مزید گڑبڑ اور خون خرابہ ہوگا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے اس ملاقات کی روداد قلمبند کرتے ہوئے آگے چل کر لکھا ہے کہ ''ایک بار پھر جناح نے مجھ سے اپیل کی کہ آپ ہمیں ایک کرم خوردہ پاکستان نہ دیں اور ایک بار پھر میں نے ان پر واضح کیا کہ اگرچہ ابھی میں نے تقسیم کرنے یا نہ کرنے کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے لیکن میں اس قدر بے اصول ہونے کا تصور نہیں کر سکتا کہ میں ایک جانب ہندوستان کو تقسیم کرنے کے بارے میں اتفاق کر لوں اور دوسری جانب ان صوبوں کی تقسیم سے اتفاق نہ کروں کہ جہاں اسی نوعیت کا مسئلہ پیدا ہو چکا ہے۔ جس انداز سے میرا ذہن سوچ رہا تھا اس پر جناح بالکل زچ ہو کر رہ گئے تھے۔'' وہ مزید لکھتا ہے کہ ''میں نے جناح سے کہا کہ میں اسے ایک بڑا عظیم المیہ قرار دیتا ہوں کہ آپ مجھے متحدہ ہند کا تصور ترک کر دینے پر مجبور

کر رہے ہیں۔ میں نے اس عظمت کا خاکہ کھینچا جو کہ ہندوستان حاصل کر سکتا ہے.....مختلف نسلوں اور عقیدوں سے تعلق رکھنے والے چالیس کروڑ عوام جو سب کے سب ایک مرکزی یونین گورنمنٹ کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑے ہوں گے، وہ معاشی قوت کے حامل ہوں گے جو صنعتوں کے پھیلاؤ سے حاصل ہوگی، وہ مشرق بعید کی ایک انتہائی ترقی پسندانہ ذات واحد کی حیثیت سے عالمی امور میں عظیم کردار ادا کریں گے...... جناح نے جواب میں کہا کہ اس قسم کا اتحاد دیکھنے سے بڑھ کر مجھے اور کسی چیز سے خوشی نہیں مل سکتی تھی اور حقیقتاً یہ المناک ہے کہ ہندوؤں نے اپنے رویے کی وجہ سے اس اتحاد میں مسلمانوں کی شرکت کو ناممکن بنا دیا ہے۔''[36]

گویا جناح کے نزدیک برصغیر کی تقسیم اولین ترجیح کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ بلکہ ان کی ترجیح ہمیشہ یہ رہی کہ ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کی صورت میں مسلمان اور ہندو برصغیر کا اتحاد برقرار رکھیں۔ لیکن ہندوؤں کے تنگ نظر رویے کی بدولت ایسا نہ ہو سکا۔ ہندو بورژوا متحدہ ہند کے ڈھیلے ڈھالے وفاق اور مسلم اکثریتی صوبوں کو گروپوں کی صورت میں علاقائی خودمختاری کی رعایت دینے پر تیار نہیں تھا۔ اس کے بعد جناح کی خواہش یہ تھی کہ پنجاب اور بنگال تقسیم نہ ہونے پائیں بلکہ اپنی اس وقت کی وسعت کے ساتھ پاکستان میں شامل ہوں۔ لیکن کانگرس اور ماؤنٹ بیٹن نے مطالبہ پاکستان کو تارپیڈو کرنے کے لئے ان دو صوبوں کی تقسیم کا سوال اٹھا دیا تھا۔ اس سوال پر جناح اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان پہلی ملاقات سے ہی تکرار شروع ہو گئی تھی اور آخر تک جاری رہی۔

ابتدائی ملاقاتوں کے سلسلے کی چھٹی اور آخری ملاقات جو 10 اپریل کو ہوئی، اسی سوال پر مرکوز رہی۔ ماؤنٹ بیٹن اس ملاقات کی تفصیل قلمبند کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''ہم بڑی دیر تک اپنے اپنے دلائل دہراتے رہے۔ لیکن جناح کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ ان کے پاکستان کو ''قابل عمل'' بنایا جائے'' ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ ''میں اس بنیاد پر کوئی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔'' اس نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں جلد ہی یہ اعلان کر دوں گا کہ جون 1948ء تک تمام صوبوں کو انفرادی طور پر اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔ پھر یہ صوبے چاہیں تو صوبوں کے کسی گروہ کے ساتھ شامل ہو جائیں اور چاہیں تو خودمختار رہیں۔ اس نے کہا کہ ''میرا مفروضہ ہے کہ سندھ، نصف پنجاب اور شاید صوبہ سرحد ایک گروپ بنالیں گے۔ بنگال

کا ایک حصہ ایک دوسرا گروپ بن جائے گا اور پھر یہ آپس میں مل کر پاکستان بنالیں گے۔ بقیہ تمام صوبے ہندوستان میں شامل ہو جائیں گے...... اور پھر پاکستان اور ہندوستان اپنا اپنا آئین ساز ادارہ وضع کریں گے......'' اس سے آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ ''یہ گفتگو جو رخ اختیار کرتی جارہی تھی اس نے جناح کو بہت زیادہ تشویش میں ڈال دیا تھا اور وہ بہت آزردہ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ کانگرس جان بوجھ کر میری راہ میں روڑے اٹکا رہی ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر میں بھی آسام کو تقسیم کئے جانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔'' اس کے جواب میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ آسام کا مسلم اکثریت کا علاقہ بنگال کے ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے۔ ملاقات کے آخر پر ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو مطالبہ پاکستان سے منحرف کر کے پھر سے وزارتی مشن منصوبہ منظور کر لینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ ''اس گفتگو کے دوران پنجاب اور بنگال کو نصف ٹکڑوں میں (بشمول کلکتہ) بانٹنے اور معاشی طور پر پاکستان کو اگر ناممکن العمل نہیں تو بے حد دقت طلب بنا دینے کی بدولت میری طرف سے پاکستان کو تباہ کرنے پر جناح نے جو تلخ شکایتیں کیں ان سے برموقعہ فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے انہیں پھر سے وزارتی مشن منصوبہ کی جانب مائل کرنے کی کوشش کی۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ کرم خوردہ پاکستان تقریباً ناقابل عمل ہے اور میرے لئے یہی کچھ ممکن ہے جو زیادہ سے زیادہ میں آپ کو دے سکتا ہوں۔ میں نے شدت سے اظہار کیا کہ میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ آپ وزارتی مشن منصوبہ کو منظور کرنے کے لئے کیوں تیار نہیں ہوتے کہ جس کی بدولت آپ کو پورا پنجاب، پورا بنگال بشمول کلکتہ اور پورا سندھ حاصل ہو جاتا ہے جو مکمل خودمختاری کے حامل ہوں گے۔ دراصل یہ منصوبہ آپ کو حقیقی طور پر ایک قابل قدر اور قابل عمل پاکستان مہیا کرتا ہے۔ میں نے واضح کیا کہ جس حد تک میں سمجھتا ہوں کہ جو سکیم میں آپ کو دینے کے لئے تیار ہوں اس میں اور جو کچھ آپ کو وزارتی مشن منصوبہ سے حاصل ہوتا ہے اس میں فرق صرف اتنا ہے کہ وزارتی مشن منصوبہ کے تحت آپ دہلی میں ایک کمزور مرکز کو قبول کرنے کے پابند ہیں جس کے پاس دفاع، مواصلات اور امور خارجہ کے شعبے ہوں گے۔ میں نے یہ بھی واضح کیا کہ ان تینوں محکموں کو یکجا کر کے ''جنرل ڈیفنس'' کے ایک عنوان کے تحت انہیں مجتمع بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ میری سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آئی کہ

نئی سکیم (یعنی آزاد مگر کرم خوردہ پاکستان) کے تحت بھی آپ کسی ایسے مرکزی ادارے میں شامل ہوئے بغیر کس طرح رہ سکیں گے جو "جنرل ڈیفنس" کا ذمہ دار ہوگا۔ دراصل میں نے پیش گوئی کے انداز میں کہا کہ آپ کو بعد میں احساس ہوگا کہ آپ نے ایک موہوم شے کی خاطر اصل شے کو چھوڑ دیا۔ اور یہ کہ آپ کو ایک تقریباً ناقابل عمل اور کٹا پھٹا پاکستان حاصل ہوگا جسے تب بھی پورے طور پر اپنے دفاع کا بندوبست کرنے کے لئے مرکز میں ایک مشترکہ ادارے میں شامل ہونا پڑے گا۔ جب کہ اگر آپ پھر سے وزارتی مشن منصوبے کی جانب لوٹ آئیں تو آپ کو وہ پورے کا پورا پاکستان مل جائے گا جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور مرکز میں بھی اس سے زیادہ مضبوط ادارہ آپ کے اوپر نہیں ہوگا کہ جتنا آپ کو ہر حال میں جلد یا بدیر کٹی پھٹی سکیم میں بھی قبول کرنا پڑے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کو بحیثیت عظیم طاقت جو مقام حاصل ہے، آپ اسے تباہ کر رہے ہیں اور ہمیشہ کے لئے اسے ایک دوسرے درجے کی طاقت سے بھی کمتر حیثیت کی جانب دھکیل رہے ہیں۔"[37]

5 سے 10 راپریل تک جناح اور ماؤنٹ بیٹن کے مابین متذکرہ چھ ملاقاتوں کے ریکارڈ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے متعلق برطانوی سامراج کا نقطۂ نظر کیا تھا؟۔ انگریز اپنے عالمی سامراجی تقاضوں کے تحت اس برصغیر کو ہر حال میں متحد رکھ کر جانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے مطالبہ پاکستان کو رد کرنے کے لئے اپنے مشیروں کی مدد سے نکات اور دلائل تیار کئے۔ ملاقاتوں کے دوران اس نے پاکستان کو ناقابل عمل ثابت کرنے کے لئے پورا زور لگا دیا۔ یہ بھی کہا کہ چونکہ جناح پاکستان کا کاروبار حکومت چلانے کی میکانیات سے ناواقف ہوں گے اس لئے یہ ناکام ہو جائے گا۔ مسلح افواج کی تقسیم کے خلاف دلائل کا سہارا بھی لیا گیا۔ متحدہ ہندوستان کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ایک بڑی طاقت کا درجہ رکھے گا اور اس حیثیت میں عالمی امور میں عظیم کردار ادا کر سکے گا۔ مطلب یہ تھا کہ سامراج کے عالمی تقاضوں کو بہتر طور پر پورا کر سکے گا۔ سوویت یونین کے علاوہ چین اور ویت نام سے لے کر مشرق وسطیٰ تک کمیونزم اور آزادی کی مسلح جدوجہد کی لہر کے خلاف ڈھال کا کام دے سکے گا۔ تقسیم کا مطالبہ کر کے اسے دوسرے درجے سے بھی کم تر درجے کی حیثیت کی جانب نہ دھکیلا جائے۔ تاہم یہ طے سمجھا گیا کہ خواہ متحد

ہو یا منقسم، جنرل ڈیفنس کے نام پر برصغیر کے دفاعی اتحاد کو ہر حالت میں برقرار رکھا جائے گا۔

تقسیم ہند کے خلاف سب پر بھاری دلیل یہ دی گئی کہ اگر فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم ہند کا اصول مان لیا گیا تو پھر اسی اصول کا اطلاق کرتے ہوئے پنجاب اور بنگال کو بھی لازمی طور پر تقسیم کرنا پڑے گا جس کے نتیجے میں ایک کٹا پھٹا پاکستان وجود میں آئے گا جو معاشی اعتبار سے قابل عمل نہیں ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن کے خیال میں اس دلیل سے جناح سناٹے میں آ گئے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال تھا کہ جناح مطالبہ پاکستان ترک کر کے وزارتی مشن منصوبہ کی طرف لوٹ آئیں گے۔ حقیقت یہ تھی کہ جناح مکمل پنجاب اور مکمل بنگال کے بغیر پاکستان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طور پر کلکتہ جیسی بندرگاہ اور تجارتی مرکز کے بغیر ان کا خیال تھا کہ بالکل گزارا نہیں ہوگا۔ ایسے کٹے پھٹے پاکستان کو وہ کرم خوردہ اور ''ناقابل عمل'' قرار دیتے تھے۔ گزشتہ سال انہوں نے اس قسم کے پاکستان کو رد کر کے وزارتی مشن منصوبہ منظور کر لیا تھا۔ لیکن گزشتہ ایک سال کے فسادات کے بعد ہندو مسلم تضاد کی شدت اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ جناح اس منصوبے کو ایک بہترین حل قرار دینے کے باوجود اب اسے اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی رائے میں اب ایک ''سرجیکل آپریشن'' کی ضرورت تھی۔

جناح نے تجویز کیا کہ ہر صوبے کو علیحدہ علیحدہ اقتدار منتقل کر دیا جائے اور پھر یہ صوبے جس طرح چاہیں ایک ڈھیلا ڈھالا مرکزی ادارہ برقرار رکھتے ہوئے اپنے لئے گروپ وضع کر لیں۔ اس طرح مسلم اکثریتی صوبوں کا جو پاکستان گروپ وضع ہوگا اس کی مسلح افواج بھی علیحدہ کر دی جائیں۔ تاہم دفاع کے شعبے میں علیحدگی کے باوجود جناح کے ذہن میں ہندوستان کے ساتھ شامل ہو کر ایک مرکزی ادارہ کی کوئی صورت برقرار رکھنے کا تصور موجود تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ بنگال اور پنجاب کو اپنی مکمل جغرافیائی حدود کے ساتھ پاکستان میں شامل کیا جائے۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ ان صوبوں کے غیر مسلم عوام کو بنگالی قوم پرستی اور پنجابی قوم پرستی کے حوالے سے پاکستان میں شامل کیا جانا چاہیے۔ ان کے نزدیک پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کو اولین حیثیت حاصل تھی اور جن صوبوں پر یہ سرحدیں محیط تھیں ان کے باشندوں کی علاقائی، لسانی اور صوبائی قومیت کو بلالحاظ مذہب وملت تسلیم کیا گیا تھا۔

جناح مسلم اکثریت والے صوبوں کو ان کی قابل ذکر غیر مسلم اقلیت سمیت ہندوستان

سے علیحدہ کر کے ان کے اندر حقیقی معنوں میں سیکولر (غیر مذہبی) جمہوری بنیادوں پر نظام استوار کرنا چاہتے تھے کیونکہ متحدہ ہندوستان میں کانگرس سے حقیقی سیکولر نظام پر عملدرآمد کی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔ حقیقی سیکولر نظام سے مراد یہ تھی کہ برصغیر میں آباد تمام فرقوں یا قومیتوں کی شناخت اور وجود کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی سیاسی آزادی اور معاشی و معاشرتی ترقی کی ضمانت مہیا کی جائے۔ اس مقصد کے لئے مکمل صوبائی خودمختاری پر مبنی ایک ڈھیلا ڈھالا کنفیڈرل نظام وضع کیا جائے جس کی بہترین صورت نہ صرف جناح بلکہ ابوالکلام آزاد کے نزدیک بھی وزارتی مشن منصوبہ میں مضمر تھی۔ اس کے برعکس کانگرس جس سیکولر نظام کی علمبردار تھی اس کے مطابق اقلیتی فرقوں اور قومیتوں کو ان کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق دیئے بغیر ان سے کہا جارہا تھا کہ وہ خود کو صرف ہندوستانی قوم سمجھیں اور ایک مضبوط مرکز کی اطاعت قبول کریں۔ ایک ایسے برصغیر میں جہاں مختلف مذہبی گروہ تاریخ کے بعض ادوار میں یکے بعد دیگرے حکمرانی یا معاشی برتری کے حامل رہے تھے اور بعض ادوار میں یکے بعد دیگرے محکومی و محرومی کے شکار رہے تھے، طویل باہمی رقابتوں کی بدولت شدید باہمی تضادات میں گھرے ہوں، وہاں اس قسم کا سیکولر نظریہ محض منافقت پر مبنی تھا۔ اس کا مقصد محض یہ تھا کہ ہندو اکثریت کے حامل مضبوط مرکز کی ماتحتی میں اقلیتی فرقے اور بالخصوص مسلمان بالکل پس کر رہ جائیں اور ہندو قریباً آٹھ سو سال مسلمانوں کی استبدادی حکومتوں کے زیر نگیں محکومی اور محرومی کا شکار رہنے کا بدلہ لے سکیں۔ اور قرون وسطیٰ کے مستبد بادشاہوں کا بیسویں صدی کے برصغیر کے مفلوک الحال مسلمانوں سے حساب چکا سکیں۔ اس منافقانہ سیکولرازم کا مظاہرہ خود کانگرس کے برسراقتدار رہنے کے دوران اور پھر آزادی کے بعد کے برسوں میں واضح انداز میں دیکھنے میں آیا۔ وزارتی مشن منصوبہ کو ناکام بنانے کے پس پردہ بھی یہ منافقت کارفرما تھی۔

چنانچہ متحدہ ہندوستان میں جب حقیقی سیکولر بنیادوں پر مسلمانوں کو اپنے حقوق ملنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو جناح نے ان انتظامی یونٹوں یا صوبوں کو ان کی حدود میں کوئی ردوبدل کئے بغیر اور ان میں خاصی بڑی تعداد میں آباد غیر مسلم اقلیت سمیت بقیہ ہندوستان سے علیحدہ کرنے کے مطالبے پر زور دینا شروع کیا۔ انگریزوں نے ہندوستان میں صوبوں کو بہت حد تک انتظامی نقطۂ نگاہ سے وضع کیا تھا۔ جناح بھی انتظامی اور معاشی نقطۂ نگاہ سے پاکستان کو قابل عمل

بنانے کے لئے پنجاب اور بنگال کو اپنی سالم حیثیت میں پاکستان کا حصہ تصور کرتے تھے۔ وہ یہاں سے انگریزوں کو ہٹانے کے بعد ان صوبوں کی انتظامیہ اور ان صوبوں پر مشتمل پاکستان کی انتظامیہ کو معمولی ردوبدل کے ساتھ انہی سیکولر بنیادوں پر چلانا چاہتے تھے کہ جن پر یہ انگریزوں کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔

جناح کے اس نقطۂ نظر کی بدولت ہی بیشتر اسلام فروش مُلّا اس وقت قیام پاکستان کی سخت مخالفت کرتے تھے اور پاکستان کو ناپاکستان اور قائداعظم کو کافراعظم کہا کرتے تھے۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد انہی ملاؤں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان کو اسلامی نظام کی تجربہ گاہ کے طور پر حاصل کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ جناح ایک طرف کانگرس کی منافقانہ سیکولرازم کو مسلمانوں کے لئے عظیم خطرہ سمجھتے تھے تو دوسری طرف اسلامی کٹھ ملائیت کے بھی سخت مخالف تھے کہ ملاؤں کا یہ گروہ بھی پاکستان کی مخالفت میں یا تو کانگرس میں شامل تھا یا ان کی جماعتیں کانگرس کی ہم نوائی کر رہی تھیں۔ برصغیر کے مسلمانوں کے اس عظیم محسن نے اپنے پورے سیاسی کیریر میں ملاؤں کی طرف سے چلائی جانے والی کسی تحریک میں کبھی حصہ نہیں لیا خواہ یہ تحریک خلافت ہی کیوں نہ تھی۔

چنانچہ جناح کی طرف سے اپریل 1947ء میں ماؤنٹ بیٹن سے پورا بنگال اور پورا پنجاب حاصل کرنے کے سوال پر بے لچک رویہ اختیار کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ یہ مکمل صوبے حاصل کر کے ان میں قابل ذکر تعداد میں آباد غیر مسلموں پر جزیہ نافذ کرنا چاہتے تھے یا یہ کہ قرون وسطیٰ کے استبدادی شاہی نظام میں بطور قاضی سینکڑوں سال تک اقتدار کا مزہ لوٹنے والے ملاؤں کو پھر سے مسند نشین کرنا چاہتے تھے۔ وہ ان دونوں صوبوں کو خالص انتظامی اور معاشی پہلوؤں کی بنیاد پر سالم حالت میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بالخصوص کلکتہ جیسے صنعتی وتجارتی مرکز کے بغیر وہ سمجھتے تھے کہ معاشی ترقی ممکن نہ ہو سکے گی۔ علاوہ ازیں وہ تقسیم کے نتیجے میں دونوں اطراف کی اقلیتوں کی مجبوراً ہجرت کے بھی قائل نہیں تھے۔ ماؤنٹ بیٹن بھانپ گیا تھا کہ مکمل بنگال اور مکمل پنجاب جناح کی بہت بڑی کمزوری ہیں اس لئے وہ متحدہ ہند بہ مقابلہ پاکستان سودے بازی میں جناح کو مشکل میں ڈالنے کے لئے دونوں صوبوں کی تقسیم کے نکتے کو سامنے لے آیا تھا اور انہیں واقعی سناٹے میں ڈال دیا تھا۔ تاہم

جناح اپنے مطالبہ مکمل پاکستان سے دستبردار نہ ہوئے اور ماؤنٹ بیٹن کے لئے جناح واقعی ایک ''کٹھن گاہک'' ثابت ہوئے۔

ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے ساتھ مذاکرات کی جو تفصیلی رپورٹ 17/اپریل کو وزیر ہند پیتھک لارنس کو ارسال کی اس میں مذکورہ تفصیلات بیان کرنے کے بعد وہ جناح کے خلاف اپنی انتہائی نفرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے لکھا ''میری رائے میں جناح ایک دماغی مریض ہے۔ دراصل اس کے ساتھ ملاقات ہونے سے پہلے تک میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو انتظامی امور کے علم یا احساس ذمہ داری سے قطعی بے بہرہ ہو وہ اس قدر طاقتور مقام حاصل کر سکتا ہے اور اسے برقرار رکھ سکتا ہے کہ جو اسے حاصل ہے۔''[38] ابھی تک ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی اور نہرو سمیت، بہت سے کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ لیکن کبھی کسی کے لئے ایسا اہانت آمیز جملہ استعمال نہ کیا تھا۔

16/اپریل کو ہندوستان میں برطانوی ہائی کمشنر ایلن شون نے جناح کے ساتھ ملاقات کے بعد ایک نوٹ میں اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے لکھا ''جناح کا اپنے مطالبہ پاکستان پر اصرار اس قدر بے لچک ہو چکا ہے کہ یقیناً ان کے ذہنی مریض ہونے کا گمان ہوتا ہے۔''[39]

جناح کے متعلق برطانوی حکام کے اس قدر تلخ جذبات رکھنے کی وجہ صاف طور پر یہ تھی کہ برطانیہ عالمی سامراجی تقاضوں کے تحت برصغیر کو جس متحدہ شکل میں اور جس قسم کی مرکزی حکومت کے ماتحت رکھ کر جانا چاہتا تھا، جناح اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے کہ انہیں برصغیر کے کروڑوں مسلم عوام نے اپنا قائداعظم بنا کر اپنے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر ڈال دی تھی اور یہی عوام الناس جناح کے اس ''طاقت ور مقام'' کا سرچشمہ تھے جو ماؤنٹ بیٹن اور شون جیسے سامراجی گماشتوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کو کانگرسی رہنماؤں میں خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی تھیں اور پہلی ہی ملاقات کے بعد اس نے نہرو کو ''سب سے مخلص'' رہنما قرار دے دیا تھا۔ دراصل رویے اور نظریے مادی مفادات سے بالاتر نہیں ہوتے۔ ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے کانگرسی رہنماؤں اور جناح کے بارے میں اختیار کردہ رویوں میں یہ واضح امتیاز بالکل ظاہر کر دیتا ہے کہ اس وقت برصغیر میں برطانوی سامراج کے

مفادات کون پورے کر رہا تھا۔

اس پس منظر میں اوائل اپریل میں ہونے والے جناح ماؤنٹ بیٹن مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکے۔

مسلم عوام کو جناح سے برگشتہ کرنے کے لئے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا حربہ

پہلی کوشش یہ تھی کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا ہوّا دکھا کر جناح کو مطالبہ پاکستان واپس لینے پر مجبور کیا جائے، لیکن جب یہ کوشش ناکام ہوتی نظر آئی تو کانگرسی رہنماؤں نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ رائے دی کہ یہ ہوّا مسلم عوام الناس کو دکھا کر انہیں جناح کی قیادت سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ 12 اپریل کو پٹیل اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان ملاقات ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن نے پٹیل کو جناح کے ساتھ اپنے مذاکرات کی تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد کہا کہ ''میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کا بہترین مستقبل ایک پختہ وحدت (یونین) میں ہے جو ایک مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت کام کرے۔ عبوری حکومت بدستور کام کرتی رہے اور اس میں جناح کو کوئی اہم محکمہ دے کر شامل کر لیا جائے اور پھر اس مرکزی حکومت کو جون 48ء میں اقتدار منتقل کر دیا جائے۔'' اس کے بعد اس نے کہا ''دوسرا بہترین حل میرے نزدیک وزارتی مشن منصوبہ ہے اور ایک اور حل جسے میں بالکل اختیار کرنا نہیں چاہتا ہوں، پاکستان کا قیام ہے۔ تاہم اگر یہ قائم ہوا بھی تو یہ ایک کٹا پھٹا پاکستان ہوگا۔'' پھر اس نے پٹیل سے دریافت کیا کہ اگر کسی طریقے سے جناح کو وزارتی مشن منصوبہ قبول کرنے پر آمادہ کر لیا جائے تو کیا کانگرس اس منصوبہ کو ایک قابل قبول تشریح کے ساتھ منظور کر لے گی۔ پٹیل نے جواب میں یہ تو واضح نہ کیا کہ کانگرس مشن منصوبہ کو منظور کرے گی یا نہیں اور کرے گی تو اس کی تشریح کیا ہوگی تاہم اس نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ ترکیب ضرور بتائی کہ جناح کو مشن منصوبہ دوبارہ منظور کرنے پر کس طرح مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ ''جناح مشن منصوبہ کو صرف اس صورت میں منظور کرے گا جب حالات کا جبر اس کے لئے باقی تمام راستے بند کر دے گا۔'' اس کی صورت اس نے یہ بتائی کہ ''جونہی ماؤنٹ بیٹن بنگال کی تقسیم کا اعلان کرے گا، بنگال کے

مسلمان بنگال کی وحدت کو برقرار رکھنے کی خاطر لیگ کا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ جب پنجاب کی تقسیم کا اعلان ہوگا تو وہاں بھی ایسی ہی صورت پیدا ہوگی اور اگر صوبہ سرحد پر کانگرس کا غلبہ برقرار رہا تو جناح کا پاکستان صرف سندھ اور شاید نصف پنجاب تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ لیگ اس پر مطمئن نہ ہوگی اور لیگ میں جناح کے خلاف بغاوت واقع ہوجائے گی۔ یہ واقعی ایک ایسا موقع ہوگا جب جناح یا تو ماؤنٹ بیٹن کی تمام شرائط کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گا یا پھر لیگ میں اس کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔"[40]

اسی روز ابوالکلام آزاد نے بھی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی اور جو موقف پٹیل نے اختیار کیا تھا اسے دہراتے ہوئے کہا کہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا اعلان ہوتے ہی ان صوبوں کے مسلمان لیگ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ جونہی انہیں یہ علم ہوا کہ جناح نے تقسیم پر رضامندی ظاہر کر دی ہے وہ شدید ردعمل کا مظاہرہ کریں گے جو ممکن ہے جناح کے خلاف بغاوت کی شکل اختیار کر جائے۔[41] کانگرس مجلس عاملہ کے ایک سینئر رکن جگ جیون رام نے بھی ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات میں یہ رائے ظاہر کی کہ اگر پنجاب اور بنگال کو تقسیم کیا گیا تو مسلمان خود ہی یہ محسوس کرلیں گے کہ ان کا پاکستان قابل عمل نہیں ہوگا اور اس بناء پر وہ رضا کارانہ طور پر انڈین یونین میں شامل ہوجائیں گے۔"[42]

چنانچہ کانگرسی رہنماؤں اور ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا جو سوال اٹھایا گیا تھا اس کا مقصد ان دونوں صوبوں کی غیر مسلم اقلیت کو تحفظ بہم پہنچانا نہیں تھا بلکہ اس کا اصل مقصد مطالبہ پاکستان کو سبوتاژ کرنا تھا تاکہ سالم برصغیر ہندو بورژوا کے زیر تحویل ایک مضبوط مرکز کے ماتحت دیا جاسکے جو اس علاقے میں عالمی سامراجی مفادات کا بہتر طور پر تحفظ کرے۔ ان منقسم صوبوں پر مشتمل کٹے پھٹے پاکستان کے وجود میں آجانے کی صورت میں بھی قوی خیال پایا جاتا تھا کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہوسکے گا اور بہت جلد متحدہ ہندوستان میں ضم ہوجائے گا۔ لیکن بعد کی تاریخ نے دیکھا کہ پاکستان مزید دو حصوں میں تو تقسیم ہوا لیکن ان میں سے کوئی بھی متحدہ ہندوستان میں ضم نہ ہوا۔ جہاں تک ہندو بنگال کا تعلق ہے تو اسے بھی اپنے حقوق کے لئے مرکز دہلی کے ساتھ مستقل ٹکراؤ کا سامنا رہا اور جاری ہے اور جہاں تک پنجاب کی اہم غیر مسلم اقلیت یعنی سکھوں کا تعلق ہے تو وہ بھی اپنی بقاء اور ترقی کے لئے تخت دہلی

کے خلاف لڑتے ہوئے آگ اور خون کے جس دریا سے گزرے ہیں اور گزر رہے ہیں اس کی ایک الگ تاریخ ہے۔

متحدہ بنگال کی آزاد مملکت کے قیام کے لئے مسلم لیگ اور بنگالی ہندو سوشلسٹوں کی مشترکہ کوشش

ان دنوں مسلم لیگ کی بنگال شاخ کی جانب سے منقسم بنگال پر مبنی پاکستان کے بجائے متحدہ بنگال کی علیحدہ آزاد اور خودمختار مملکت کے قیام کی کوششیں کی جارہی تھیں۔ صوبائی اسمبلی میں لیگ پارٹی کا سربراہ اور وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی اس سلسلے میں سرگرم عمل تھا۔ بنگالی ہندوؤں کی اکثریت بھی بنگال کی تقسیم کی مخالف تھی اور ان میں لبرل اور سوشلسٹ ارکان پر مشتمل فارورڈ بلاک جس کی قیادت سرت چندر بوس کررہا تھا اس سلسلے میں سہروردی کے ساتھ تعاون پر آمادہ تھا۔ اس ضمن میں سہروردی کو جناح کی رضامندی بھی حاصل تھی کیونکہ وہ ایٹلی کے اعلان 20 رفروری کے مطابق مشن منصوبہ کی ناکامی کے بعد دوسری ترجیح کے طور پر صوبوں کو اقتدار اعلیٰ کی منتقلی کی شق پر عملدرآمد کے امکان کو بھی پیش نظر رکھے ہوئے تھے۔ لیکن بنگال کے انتہائی متعصب ہندوؤں کی جماعت ہندومہاسبھا اور کانگرس کی جانب سے متحدہ آزاد بنگال کے قیام کی مخالفت کی جارہی تھی۔ وہ مغربی بنگال کو علیحدہ کر کے باقی ماندہ ہندوستان کے مرکز، دہلی کے ماتحت رکھنا چاہتے تھے۔

گورنر بنگال ایف۔ بروز کے معاون ٹائی سن نے وائسرائے کے معاون جارج ایبل کو 24 رمارچ کو ایک مراسلے میں تحریر کیا کہ ''آپ غالباً جانتے ہوں گے کہ مغربی بنگال کی علیحدگی کی تجویز بنیادی طور پر ہندومہاسبھا کے ذہن کی پیداوار ہے اور اگرچہ دہلی سے کانگرس کے سرکردہ رہنماؤں کی جانب سے بھی اس تجویز کو محتاط اشیرباد حاصل ہے مگر یہاں کانگرس پارٹی نے ابھی اس کے لئے خود کو پابند نہیں کیا ہے۔ چنانچہ بنگال کے ہندوؤں میں بنگال کی تقسیم کے سوال پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔'' اس نے یہ مراسلہ 22 رمارچ کو بنگال کانگرس اسمبلی پارٹی کے قائد کرن شنکر رائے کی گورنر بنگال ایف۔ بروز کیساتھ ملاقات کے بارے میں وائسرائے کو آگاہ کرنے کی غرض سے لکھا تھا۔ اس ملاقات میں کرن شنکر رائے نے آزاد بنگال

کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ ''ناقابل تصور ہے کہ بنگال ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے گا۔ اگر غالب مسلم اکثریت نے اس قیام کو اپنا مسئلہ ہی بنالیا تو انہیں ہندوؤں کی طرف سے کسی تعاون کے ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔'' رائے کے اس موقف کا تجزیہ کرتے ہوئے ٹائی سن نے لکھا کہ ''سہروردی کی جانب سے جو یہ موقف اختیار کیا جارہا ہے کہ آزاد بنگال کے اندر رہنے والے پینتالیس فیصد ہندوؤں کو اپنا منصفانہ حصہ مل جائے گا، کے۔ ایس۔ رائے نے اس کے جواب میں تقسیم بنگال کی تحریک کو سودا بازی کی قوت کے طور پر استعمال کیا ہے۔''[43]

گویا شروع میں ہندو مہاسبھا اور دہلی سے کانگرس کی مرکزی قیادت کی جانب سے مغربی بنگال کی علیحدگی کی تحریک شروع کی گئی جس کا اصل مقصد مسلم لیگ کو یہ باور کرانا تھا کہ علیحدہ پاکستان یا علیحدہ بنگال صرف کٹی پھٹی صورت میں ہی تشکیل پا سکتے ہیں جو کہ ناقابل عمل صورت ہوگی، اس لئے علیحدہ پاکستان یا علیحدہ بنگال کا مطالبہ چھوڑ کر انڈین یونین میں ہندو بورژوا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے ہی میں عافیت ہے۔ لیکن ہندو مسلم تضاد اس قدر شدید تھا اور خود بنگال میں ہندو مسلم فسادات کے زخم ابھی ہرے تھے جس کی وجہ سے وہاں ہندوؤں میں مغربی بنگال کی علیحدگی کی تحریک کو تقویت ملی۔ تاہم بنگال کا شمالی ہند کے خلاف صدیوں پرانا تاریخی تضاد بھی چلا آ رہا تھا جس کے مراکز اب دہلی اور بمبئی تھے۔ بنگالی ہندوؤں میں بنگالی قوم پرستوں پر مشتمل لبرل یا سوشلسٹ عنصر بنگال کی وحدت کو برقرار رکھتے ہوئے بقیہ ہند سے الگ ہو جانے کو ترجیح دیتا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر ان دونوں رویوں کا اظہار ہوا۔

بنگال کانگرس جو دہلی میں کانگرس کی مرکزی قیادت کے زیر اثر تھی اور کلکتہ کی صنعت اور کاروبار پر قابض مارواڑ (شمالی ہند) سے آئے ہوئے سیٹھوں کی محتاج تھی جلد ہی گھٹنے ٹیک گئی اور 4/اپریل کو بنگال پراونشل کانگرس کمیٹی نے یہ قرارداد منظور کی۔ ''اگر حکومت برطانیہ موجودہ حکومت بنگال کو اقتدار منتقل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جو اپنی ہیئت کے اعتبار سے ایک فرقہ وارانہ پارٹی کی حکومت ہے، تو پھر بنگال کے وہ حصے جو انڈین یونین میں بدستور شامل رہنا چاہتے ہیں انہیں اس طرح رہنے کا موقع دیا جائے اور ان کا ایک علیحدہ صوبہ تشکیل دے کر انڈین یونین میں شامل کر دیا جائے۔''[44] اور اسی روز مرکزی قانون ساز اسمبلی میں بنگال سے

تعلق رکھنے والے ہندو ارکان نے مشترکہ دستخطوں سے ایک یادداشت وائسرائے کو پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ مغربی بنگال پر مشتمل ایک علیحدہ خودمختار صوبہ وضع کیا جائے اور اسے انڈین یونین میں شامل کر دیا جائے۔ انہی دنوں مغربی بنگال کے ضلع ہگلی میں ترکیشور کے مقام پر ہندو مہاسبھا نے ایک کانفرنس منعقد کی تھی جس میں مہاسبھا کے صدر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ''بنگال کے ہندوؤں کے علیحدہ وطن کے قیام کے لئے ایک کونسل آف ایکشن تشکیل دے گا۔'' جون تک ایک لاکھ رضا کار بھرتی کئے جائیں گے اور آئین ساز اسمبلی سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ نئے صوبے کی حد بندی کے لئے باؤنڈری کمیشن قائم کرے اور اس نئے صوبے کے علاقے سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی، بنگال اسمبلی سے الگ ہو کر اپنی علیحدہ قانون ساز اسمبلی وضع کریں۔''[45]

دوسرا پہلو یہ تھا کہ بنگال کے ترقی پسند اور بائیں بازو کے عناصر تقسیم بنگال کے مخالف تھے۔ متذکرہ کانفرنس کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے گورنر بنگال ایف بروز نے 11 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ ''کمیونسٹ صوبے کی تقسیم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ سرت بوس کا فارورڈ بلاک بھی مخالفت کر رہا ہے۔ لیکن ہندو رائے عامہ کا دباؤ یقیناً ان کے ساتھ نہیں ہے بلکہ دوسری سمت میں جا چکا ہے۔''[46]

ہندو رائے عامہ کو آزاد متحدہ بنگال کی جانب مائل کرنے کے لئے سہروردی نے مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کی پیش کش بھی کر دی تھی اور مخلوط وزارت کے قیام کی کوشش بھی شروع کر دی تھی۔ گورنر کے معاون ٹائی سن نے 15 اپریل کو دہلی میں ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے دوران بنگال کی صورت حال کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''مسلم بنگال (یعنی مشرقی بنگال) نہ تو علیحدہ حیثیت میں اور نہ ہی کٹے پھٹے پاکستان کا حصہ بن کر زندہ رہ سکتا ہے۔ سہروردی اسی بات سے خائف ہے اور ہندوؤں کو رعایات دینے پر آمادہ ہے۔ وہ مکمل طور پر آزاد بنگال چاہتا ہے اور اگر آزاد بنگال وجود میں نہ آیا تو ٹائی سن کی رائے تھی کہ'' سہروردی اور دوسرے بنگالی لیگی رہنما تقسیم کو قبول کرنے کے بجائے ہندوستان میں شمولیت کا انتخاب کریں گے۔''[47]

اسی روز سہروردی نے ہندوستان میں برطانیہ کے ہائی کمشنر ایلن شون کے ساتھ ملاقات میں بنگال کی تقسیم کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سہروردی نے کلکتہ کی اہمیت پر زور دیتے

ہوئے کہا کہ ''میں بنگال کی تقسیم سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا۔ میں مسلم تحویل میں دیئے گئے مشرقی بنگال کی بندرگاہ چٹاگانگ کے آسرے پر رہنا نہیں چاہتا۔'' سہروردی نے اسے مزید کہا کہ یہ صوبہ جس صورت میں اس وقت موجود ہے، ساڑھے چھ کروڑ کی خوشحال اور اہم آزاد ریاست بن سکتا ہے۔ اس نے بیرونی سرمایہ کاروں کو اس آزاد ریاست میں سرمایہ کاری کی دعوت بھی دی۔ اس نے برطانوی سرمایہ کاروں سے بنگال کی ترقی کے لئے سرمایہ کاری کی درخواست کی۔ امریکی سرمائے کے بارے میں کہا ''وہ بھی دہلیز پر منتظر ہے۔'' اس نے برطانیہ سے قریبی تعلقات رکھنے کی پیش کش کرتے ہوئے کہا ''میں بنگال کو تھالی میں رکھ کر بھی انگلینڈ کو پیش کرسکتا ہوں لیکن لگتا ہے یہ پیشکش بھی ٹھکرادی جائے گی۔''[48]

گویا بنگال کو متحدہ اور آزاد رکھنے کی خاطر سہروردی نے برطانوی سامراج کی خوشامد میں انتہا کردی لیکن برطانوی سامراج اپنے مفاد کی خاطر بجا طور پر ہندو بورژوا کو زیادہ اہمیت دیتا تھا اور ہندو رہنماؤں کی مرضی کے مطابق معاملات طے کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے پہلے تو بنگال کی تقسیم کے سوال کو جناح پر مطالبہ پاکستان سے منحرف ہوجانے کے لئے دباؤ ڈالنے کے حربے کے طور پر استعمال کیا اور جب اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوا تو ہندو بورژوا کی خواہشات کے مطابق کلکتہ سمیت مغربی بنگال ہندوؤں کو اور ایک کٹا پھٹا ناقابل عمل مشرقی بنگال مسلمانوں کو دے دیا۔

پنجاب کی تقسیم کے سوال پر انگریزوں اور ہندو بورژوا کے مابین یک جہتی

بنگال کی طرح پنجاب کی تقسیم کا سوال بھی مطالبہ پاکستان پر مسلم لیگ کے سودے بازی کی پوزیشن کو کمزور کرنے کے لئے استعمال کیا جارہا تھا۔ تاہم بنگال کی نسبت پنجاب کی صورتحال اس لحاظ سے زیادہ سنگین تھی کہ یہاں ہندو مسلم تضاد کے علاوہ سکھ مسلم تضاد بھی شدت کے ساتھ موجود تھا جس کی ٹھوس تاریخی وجوہات تھیں۔ اگرچہ یہاں ہندو، سکھ تضاد بھی موجود چلا آرہا تھا لیکن اس موقع پر بعض فوری اسباب نے اس تضاد کو سرد اور سکھ، مسلم تضاد کو شدید تر کر دیا۔ مختصراً اسباب یہ تھے۔

(ا) گزشتہ سال انگریز گورنر اور کانگرس کے گٹھ جوڑ سے اسمبلی کی اکثریتی پارٹی مسلم

لیگ کو اقتدار سے محروم کیا گیا اور کانگرس ۔ یونینسٹ ۔ اکالی مخلوط حکومت وضع کی گئی جس دوران مسلمانوں نے اپنے سیاسی، معاشی و معاشرتی حقوق کے لئے اس مخلوط حکومت کے خلاف پر جوش جدوجہد کی۔ نتیجتاً مسلم ۔ غیر مسلم تضاد میں اضافہ ہوا۔ ہندو۔ سکھ تضاد میں کمی ہوئی۔

(ب) وزارتی مشن منصوبہ میں مجوزہ گروپنگ سکیم کو سبوتاژ کرنے کے لئے کانگرس نے پنجاب میں سکھوں کی اپنے لئے تحفظات کے حصول کی کوشش کی حمایت کی اور خود کو سکھوں کا خیر خواہ ثابت کرنے کی کوشش کی (ج) بنگال، بہار اور یو، پی کے ہندو مسلم فسادات کی بازگشت پوٹھوار اور صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں یوں گونجی کہ وہاں کے مسلمانوں نے احمقانہ طور پر سکھوں پر مظالم ڈھائے۔

ان حالات میں سکھ مسلم تضاد اپنی انتہا پر پہنچ گیا۔ سکھوں نے ہندوؤں کے ساتھ اپنے تضاد کو فی الوقت نظر انداز کر کے اپنی تمام تر قوت کو مسلمانوں کے خلاف صف بند کر لیا۔ کانگرس کو اپنے عزائم کی خاطر اس وقت سکھوں کے اس طرز عمل کی بڑی سخت ضرورت تھی جو کہ پوری ہوگئی۔

وی۔ پی مینن نے 29 / مارچ کو وائسرائے کے معاون جارج ایبل کے نام اپنے ایک نوٹ میں لکھا ''سکھوں کی حمایت کانگرس کے لئے بے انتہا اہمیت کی حامل ہے۔ سکھ ایک جواں مرد قوم ہیں اور ان کی خاصی بڑی تعداد کانگرس کے حلقۂ اثر میں ہے۔ باقی پہلوؤں کے علاوہ ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کانگرس کو سکھوں کی حمایت حاصل نہ رہے تو پنجاب کے ہندو بذات خود وہاں کے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور سکھوں اور مسلمانوں کے باہم یکجا ہونے کے امکان کی صورت میں تو وہ ان کا بالکل ہی سامنا نہیں کر سکیں گے۔''[49] گویا اس وقت سکھوں کو پنجاب میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ وہ مسلمانوں کا ساتھ دیتے تو پنجاب کی یک جہتی برقرار رہتی اور پنجاب کے مسلمانوں اور سکھوں دونوں کو ہندو بورژوا کی بالا دستی سے نجات مل جاتی۔ جب کہ سکھوں کے ہندوؤں کا ساتھ دینے کی صورت میں پنجاب کی تقسیم عمل میں آئی۔ مسلمان ہندو بورژوا کی غلامی سے آزاد ہو گئے لیکن سکھوں کو آزاد ہونے کے لئے ایک طویل جدوجہد کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ تاہم اس وقت بوجوہ سکھ، مسلم تضاد اس قدر شدید ہو چکا تھا کہ جس کا فائدہ ہندوؤں کو پہنچ گیا۔ پنجاب اسمبلی میں مسلم اور غیر مسلم ارکان واضح طور پر دو دھڑوں میں بٹ گئے۔

2/اپریل کو مرکزی اسمبلی میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے ہندو اور سکھ ارکان نے نہرو کے ذریعے ماؤنٹ بیٹن کو ایک مشترکہ یادداشت پیش کی، جس میں کہا گیا کہ ''موجودہ تعطل کا واحد حل یہ ہے کہ پنجاب کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہمارے خیال میں صرف اور صرف اسی طریقے سے صوبے میں تناؤ کو دور کیا جا سکتا ہے جو کسی بھی لمحے بڑھ سکتا ہے۔''[50] اور اسی روز ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی حکومت کو ہندوستان کے حالات کے بارے میں جو اپنی پہلی خفیہ رپورٹ ارسال کی، اس میں لکھا کہ ''پنجاب میں تمام فریق پوری سنجیدگی سے خانہ جنگی کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور سب سے زیادہ سنجیدہ اور منظم سکھ ہیں جو آب پاشی کے بڑے مراکز پر قبضہ کرنے کا منصوبہ پہلے ہی سے بنائے بیٹھے ہیں تاکہ انہیں پورے پنجاب پر عملی کنٹرول حاصل ہو جائے...... اگر میں نے جلد کوئی اقدام نہ کیا تو خانہ جنگی کی فی الحقیقت ابتدا ہو جائے گی۔''[51] اگلے روز وزیر ہند پیتھک لارنس نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ اگر ہم کل ہند سطح پر کسی تصفیے پر نہ پہنچ پائے اور ایک سے زائد اتھارٹیوں کو اقتدار منتقل کرنا پڑا تو اس صورت میں پنجاب، سندھ اور غالباً سرحد بھی باہم یک جا ہونے کی کوشش کریں گے۔ اس صورت میں پنجاب میں ہندو، مسلم، سکھ مخلوط حکومت قائم نہ رہ سکے گی۔ بصورت دیگر اگر ہم متحدہ ہند کو اقتدار منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ گروپنگ کی صورت ہی میں ہوگا تو بھی مرکز کے پاس کم اور صوبوں کے پاس زیادہ اختیار ہوں گے اور اس صورت میں بھی پنجاب میں مخلوط حکومت برقرار نہ رہ سکے گی۔ اس لئے پنجاب کی تقسیم کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسی طرح بنگال کی تقسیم بھی ناگزیر ہے باوجودیکہ مسلم لیگ اس کی مخالفت کر رہی ہے۔''[52] یہی برطانوی حکومت جو فرقہ وارانہ بنیادوں پر برصغیر کی تقسیم کے خلاف تھی، انہی بنیادوں پر ہندو بورژوا کے مطالبے پر پنجاب کی تقسیم کے لئے بہت جلد رضامند ہو گئی۔

حالات بھی پہلے کی نسبت بہت خراب ہو چکے تھے۔ سرکاری رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ پنجاب انتظامیہ، وائسرائے اور اس کا سٹاف اور لندن کی برطانوی حکومت کو پنجاب میں فریقین کی جانب سے ایک دوسرے کے قتل عام اور تباہی و بربادی کے جو سامان بہم کئے گئے تھے، ان کا بخوبی علم تھا اور ان پر خانہ جنگی کے تمام امکانات روز روشن کی طرح واضح تھے۔ انہی دنوں سکھوں کی جانب سے شائع کردہ دو پمفلٹوں کا جو گورمکھی میں لکھے گئے تھے انگریزی ترجمہ

کر کے وزیر ہند کو لندن ارسال کیا گیا۔ ان پمفلٹوں میں سکھوں کو اپنی موت و حیات کی لڑائی لڑنے کے لئے کہا گیا تھا۔ ان میں کہا گیا تھا کہ ''آپ کی رگوں میں بھی ہمارے محبوب گرو گوبند سنگھ جی کا خون دوڑ رہا ہے۔ پنتھ کی جانب سے جو فرض آپ پر آن پڑا ہے، ادا کیجئے۔'' دوسرے پمفلٹ میں جو اجیت، لاہور کی 5 اپریل کی اشاعت میں شائع ہوا، کہا گیا کہ گورو گوبند سنگھ کے چار بچوں کو ذبح کیا گیا تھا، آج ہم ہزاروں کی تعداد میں ان کی جگہ لینے کے لئے تیار ہیں۔ اس میں سکھوں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ پنتھ کو قائم رکھنے کی خاطر پچاس لاکھ روپیہ جمع کیا جائے۔ اور یہ رقم 15 بیساکھ تک جمع ہو جانی چاہیے۔ اس مقصد کے لئے ہر سکھ اپنی آمدنی کا دسواں حصہ ادا کرے اور عورتیں آٹا گوندھتے وقت ایک مٹھی گرو فنڈ کے لئے ڈال دیں۔ ہر محلے، گلی، دیہات اور شہر سے یہ فنڈ جمع کیا جائے تا کہ آنے والے ٹکراؤ میں ہمیں فتح حاصل ہو سکے۔'' ان پمفلٹوں پر ماسٹر تارا سنگھ اور بلدیو سنگھ سمیت سرکردہ سکھ رہنماؤں کے دستخط تھے جن میں سے بیشتر ارکان اسمبلی تھے۔ گورنر جینکنز نے 11 اپریل کو یہ پمفلٹ ماؤنٹ بیٹن کو اپنے اس نوٹ کے ہمراہ ارسال کئے جس میں کہا گیا تھا کہ ''اس وقت میں کوئی خصوصی اقدام تجویز نہیں کرتا کیوں کہ سکھوں میں مسلمانوں کے خلاف پائی جانے والی نفرت کا خاصا درست جواز موجود ہے۔ اس لئے سکھوں کے خلاف جوابی کارروائی کرنا غیر منصفانہ ہوگا۔''[53] مطلب یہ تھا کہ مسلم لیگ کو بدستور حکومت سازی کا موقع فراہم نہ کیا جائے۔

4 اپریل کو جینکنز نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک مراسلے میں لکھا کہ اگر صوبہ میں مسلم وزارت قائم کر دی گئی تو فوری طور پر خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اس کا یہ خدشہ بے بنیاد نہیں تھا۔ خشونت سنگھ کے مطابق بیساکھی والے دن (13 اپریل) اکال تخت۔ امرتسر میں ماسٹر تارا سنگھ اور 280 جتھے داروں نے عہد کیا کہ وہ قوم کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ ان حالات کی بنیاد پر 9 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی حکومت کو اپنی رپورٹ میں لکھا کہ یونین گورنمنٹ کا متبادل یہ ہے کہ پنجاب کو تقسیم کر دیا جائے اور پھر 16 اپریل کو جینکنز نے پنجاب کی تقسیم کے لئے ایک باؤنڈری کمیشن کے قیام کی پرزور سفارش کی۔[54] چنانچہ یہاں صوبے اور مرکز کی انگریز انتظامیہ اور لندن میں برطانوی حکومت سب پنجاب کی تقسیم کا کانگرس کا مطالبہ منظور کر چکی تھیں اور اب صرف تفصیلات طے کرنا باقی تھیں۔ ہندو بورژوا نے یہ

تفصیلات بھی اپنی مرضی کے مطابق طے کرائیں جیسا کہ آگے چل کر باؤنڈری کمیشن کے ایوارڈ
کے بیان میں اس کا ذکر آئے گا۔

پلان ''یونین'' یا پلان ''بلقان''☆

ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کے حالات کا ابتدائی جائزہ لینے اور یہاں کے لیڈروں
کے ساتھ ابتدائی تفصیلی بات چیت کرنے کے بعد انتقال اقتدار کے لئے ایک قابل عمل منصوبہ
کے خطوط وضع کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اس کا کام گزشتہ سال وزارتی مشن منصوبہ سے اس
لحاظ سے مختلف تھا کہ اقتدار کی منتقلی کے لئے اس کے وضع کردہ منصوبہ کا ایوارڈ کی صورت میں
اعلان کیا جانا تھا اور اس پر فریقین کا اتفاق رائے ہونا ضروری نہیں تھا۔ البتہ اس منصوبہ کا تقاضا
یہ تھا کہ اس میں ہر فریق کے اطمینان کا سامان مہیا کیا جائے۔ 12/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے
اپنے سٹاف کے ارکان کے سامنے دو منصوبے پیش کئے۔

(ا) پلان ''یونین'' (ب) پلان ''بلقان''

ان میں پلان ''یونین'' متحدہ ہند اور پلان ''بلقان'' منقسم ہند پر مبنی تھا۔ پلان ''یونین''
دراصل تھوڑے بہت ردوبدل کے ساتھ وزارتی مشن منصوبہ پر مشتمل تھا جب کہ پلان ''بلقان''
میں ہر صوبے کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرے۔ اس منصوبے کے
بارے میں ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ ''اس کے نتیجے میں ایک کٹا پھٹا پاکستان وجود میں
آجائے گا اور یوں بالآخر ایک مرکز کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن جون 48ء کے بعد کچھ دیر تک
مرکز کو جوں کا توں رکھنا ضروری ہوگا تا کہ کم از کم مسلح افواج کی تقسیم تک دفاع کا محکمہ مشترکہ طور
پر کام کرتا رہے۔'' تاہم ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں کی طرف سے متفقہ طور پر پلان

☆ بلقان، مشرقی یورپ میں بحیرہ ایڈریاٹک، بحیرہ ایجین اور بحیرہ اسود سے گھرے ہوئے جزیرہ نما کا نام ہے جو موجودہ یونان، یوگوسلاویہ، البانیہ، بلغاریہ، رومانیہ اور ہنگری پر مشتمل ہے۔ تاریخ میں مختلف سلطنتوں نے اس علاقے کو عارضی طور پر یکجا کر کے زیرنگیں رکھا لیکن یہ جلد یا بدیر چھوٹی اور باہم متحارب ریاستوں میں بٹ جاتا رہا۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی ایک بڑا خطہ کچھ عرصہ سیاسی طور پر یکجا رہنے کے بعد پھر سے چھوٹے اور متحارب ملکوں میں بٹ جانے کے عمل سے دوچار ہوتا ہے یا ہونے لگتا ہے تو اسے بھی Balkanize ہونا کہا جاتا ہے۔ اردو میں اسے ''بلقانایا جانا'' کہا جا سکتا ہے۔

''یونین'' کو ترجیح دی جارہی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کانگرس غیر مشروط طور پر وزارتی مشن منصوبہ کو منظور کر لے تو جناح اسے منظور کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور وہ اس امر کا بارہا اعلان کر چکے ہیں۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں کو یہ امید نہیں تھی کہ کانگرس ایسا کرے گی کیونکہ اس کے لئے ''نیت میں مکمل تبدیلی'' کی ضرورت تھی۔ ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ کانگرس کے سامنے دونوں پلان واضح طور پر رکھ دیئے جائیں اور صاف الفاظ میں بتادیا جائے کہ پلان ''یونین'' پر عمل نہ ہونے کی صورت میں پلان ''بلقان'' پر عمل کیا جائے گا تو ''چونکہ کانگرس ہندوستان کو متحد رکھنا چاہتی ہے اس لئے وہ مشن منصوبہ کو بلا شرط ماننے پر راضی ہو جائے گی۔''

جہاں تک مسلم لیگ کو اس پر راضی کرنے کا تعلق تھا، ماؤنٹ بیٹن کے مشیروں نے رائے دی کہ دونوں پلان جناح کے بجائے مسلم باڈی کے سامنے براہ راست پیش کر دیئے جائیں اور ان کی خوب پبلسٹی کی جائے۔ اس باڈی میں انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل، آل انڈیا مسلم لیگ کمیٹی اور آئین ساز اسمبلی میں منتخب مسلم ارکان شامل کئے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں میں یہ خوف پایا جاتا ہے کہ معلوم نہیں جون 1948ء کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہو گا؟ اس ضمن میں انہوں نے لیاقت علی خان کا حوالہ دیا جس نے 11/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات میں کہا تھا کہ جون 48ء کے بعد بھی ایک غیر جانب دار برطانوی سربراہ مملکت موجود رہنا چاہیے۔ اس سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اگر جناح کو نظر انداز کر کے لیگ کے بعض دوسرے لیڈروں کے سامنے مجوزہ دونوں پلان رکھے جائیں تو ممکن ہے وہ پلان ''یونین'' کو قبول کر لیں اور پھر ان کے دباؤ کی وجہ سے شاید جناح بھی اسے منظور کر لیں۔ انگریز ہر قیمت پر برصغیر کو متحد رکھنا چاہتے تھے۔

پلان ''بلقان'' کو زیر بحث لاتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے اپنے مشیروں سے کہا کہ اگر آخر کار ہمیں پلان ''بلقان'' ہی اختیار کرنا پڑا تو ہم اس کے اعلان کے ہمراہ ایک ابتدائیہ بھی جاری کریں گے جس میں بتادیا جائے گا کہ ''ہم نے ہمیشہ متحدہ ہندوستان کو ایک مثالی حل سمجھا ہے جس کی مرکزی حکومت تقریباً ایسی ہو جیسی کہ اس وقت برسراقتدار ہے اور جس میں اقلیتوں کو تحفظات مہیا ہوں۔ ہم نے متحدہ ہندوستان کے منصوبے کو قبول کروانے کے لئے بڑا زیادہ وقت صرف کیا ہے۔ لیکن آخر میں پتہ چلا کہ خون خرابے اور خانہ جنگی کے بغیر اس منصوبے پر عملدرآمد نہیں کرایا

جا سکتا......'' اس ابتدائیہ میں وہ تمام چوائس کھول کر بیان کر دیئے جائیں گے جو جناح کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ یعنی یہ کہ پلان ''یونین'' میں کمزور مرکز کے تحت ایک غیر کٹا پھٹا پاکستان قبول کیجئے یا ایک کٹا پھٹا پاکستان لے لیجئے جس کی تھوڑی بہت اپنی مرکزی حکومت ہو گی جب کہ شروع میں فوج کو ہر قیمت پر جون 1948ء تک یقیناً متحدہ رکھا جائے گا۔''[55]

ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں کا خیال تھا کہ علیحدہ پاکستان کا مطالبہ فقط جناح کا مسئلہ ہے۔ اس لئے دوسرے متبادل یعنی پلان ''یونین'' کو تفصیل سے کھول کر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کی پبلسٹی کی جائے تو پانسہ پلٹ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی توقعات دوسرے مسلم لیگی لیڈروں سے وابستہ تھیں جو اعتدال پسند رویہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ 11 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران لیاقت علی خان نے جون 48ء تک کوئی تصفیہ نہ ہونے کی صورت میں انگریزوں کو برصغیر کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے رکھنے کی درخواست کی تھی۔ اس کو رد کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے کہا تھا کہ ''آزاد ہونے کے عوض یہ ایک ہرجانہ تو آپ کو دینا پڑے گا۔''[56] یعنی یہ کہ اگر آپ لوگوں نے جون 48ء تک تصفیہ نہ کیا تو ہم آپ کو ہندو بورژوا کے رحم و کرم پر چھوڑ جائیں گے۔ آپ جانیں آپ کا کام! ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت کے خوشامدانہ لہجے کو دیکھتے ہوئے دھمکی آمیز انداز اختیار کیا تھا اور سمجھا تھا کہ جناح کو چھوڑ کر باقی لیگی لیڈروں کے ساتھ معاملہ ہو سکتا ہے۔

12 اپریل کو بہار کی صوبائی مسلم لیگ کے صدر اور آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رکن حسین امام نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران بہت خوشامدانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔ جب ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان بننے کی صورت میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو ناگزیر قرار دیا تو حسین امام نے التجا کی ''منطق کے ساتھ رحم کو بھی شامل کیجئے۔'' اس ملاقات میں وزارتی مشن منصوبہ کے بارے میں حسین امام نے یہ بھی کہا کہ اگر کانگرس دفاعی اخراجات پورے کرنے کے لئے براہ راست ٹیکس زیادہ مقدار میں عائد نہ کرے اور فوج کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال نہ کرے تو ہمیں وزارتی مشن منصوبہ قابل قبول ہوگا۔ چنانچہ اس ملاقات کا ریکارڈ قلمبند کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے اسے ''اعتدال پسند ذہن کا حامل'' قرار دیا اور اس کی تعریف کی۔[57] حقیقت یہ ہے کہ خود جناح کے نزدیک بھی کٹے پھٹے پاکستان کے برعکس وزارتی مشن منصوبہ ہمیشہ

اولین ترجیح رہا تھا لیکن گاندھی اور دوسرے کانگرسی قائدین کی منافقانہ تعبیروں کے ہاتھوں اس منصوبہ کی ناکامی اور وسیع پیمانے پر ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد حالات اب اس موڑ پر پہنچ چکے تھے کہ جناح کے علاوہ دیگر اعتدال پسند رہنماؤں کے لئے متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی قسم کے پلان ''یونین'' کو قبول کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

برطانوی سامراج کے گماشتے ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیر تاریخی عمل میں عوامی بہاؤ کے کردار کی اہمیت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ وہ سارے مسائل کو چند شخصیتوں کے حوالے سے دیکھنے کے عادی تھے۔ حالانکہ شخصیتیں بذات خود کسی نہ کسی عوامی دھارے کی پیداوار ہوتی ہیں اور خود ان کے لئے بھی اس دھارے سے انحراف کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ یہاں تینوں فرقوں سے تعلق رکھنے والے عوام مختلف مراحل سے گزر کر اب اپنا رخ متعین کر چکے تھے اور واپسی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ متذکرہ ملاقات میں حسین امام اپنی تمام تر اعتدال پسندی کے باوجود یہ کہنے پر مجبور تھا کہ ''اگر فریقین خلوص نیت اور باہمی اعتماد کی بنیاد پر کسی سمجھوتہ پر نہ پہنچ پائیں تو ان کا اتحاد کیسے چل سکتا ہے، اس سے بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائیں۔ خواہ کتنی ہی غیر منصفانہ کیوں نہ ہو، تقسیم ہی مسلمانوں کے لئے کارگر ثابت ہوگی۔'' اور لیاقت علی خاں جو ایگزیکٹو کونسل میں کانگرس کے ہمراہ عبوری مخلوط حکومت کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے، پٹیل کی طرح محسوس کر چکا تھا کہ دونوں فریق اکٹھے مل کر کام نہیں کر سکتے، اس نے 3/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات میں کہہ دیا تھا کہ ''میرے نزدیک اب صورت حال اس قدر ناقابل برداشت ہو چکی ہے کہ اگر آپ مسلم لیگ کو صرف سندھ کا صحرا دے دیں تو میں اسے قبول کرنے کو ترجیح دوں گا کہ ہم وہاں ایک الگ مسلم ریاست قائم کر لیں بجائے اس کے کہ ہم کانگرس کی غلامی میں رہتے رہیں خواہ وہ ہمیں دکھاوے کے طور پر کچھ زیادہ رعایتیں بھی کیوں نہ دے دے۔''[58] چنانچہ مسلم لیگ کے اعتدال پسند رہنماؤں کو بھی کانگرس کے ساتھ کسی قسم کے اشتراک عمل کی کوئی صورت کہ جسے انگریز پلان ''یونین'' کا نام دے رہے تھے، اب ممکن نظر نہیں آتی تھی۔ تاہم ان کی تمام تر توقعات اب انگریزوں سے وابستہ تھیں کہ وہ انہیں کیا دے کر جائیں گے اور کس حال میں آزاد کریں گے؟ ہندوؤں کے مفاد کی نمائندہ جماعت کانگرس سے انہیں اب کوئی توقع نہیں تھی۔!

ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں گورنروں کی کانفرنس۔ عمومی رویہ تقسیم کے خلاف تھا

ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستانی رہنماؤں سے ابتدائی بات چیت کرنے کے بعد اپنے مشیروں کی مدد سے انتقال اقتدار کے جو متبادل خاکے وضع کئے تھے ان پر تبادلہ خیال کے لئے 15 اپریل کو تمام صوبوں کے گورنروں کی کانفرنس بلائی۔ اس میں پلان ''یونین'' اور پلان ''بلقان' دونوں زیر بحث آئے۔ پلان ''بلقان'' کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''اگر ہندوستان کو متحد رکھنا ممکن نہ ہوسکا تو پھر دنیا والوں کی نظروں کے سامنے یہ فیصلہ خود ہندستانیوں کے فیصلے کے طور پر آنا چاہیے۔ نہ کہ برطانوی فیصلے کے طور پر کیونکہ برطانیہ نے تو مستقبل کے متبادل ان کے سامنے رکھے تھے۔'' اس نے مزید کہا کہ ہندوستان کے بٹوارے میں جنگ کا بہت بڑا خطرہ مضمر ہے۔ شرکائے کانفرنس میں اس بارے میں عمومی اتفاق رائے پایا گیا کہ ''اگر بٹوارہ ہونا ہی ہے تو پھر یہ جلد ہونا چاہیے کیونکہ اس طرح برصغیر کے لئے ایک متحدہ دفاع کی تنظیم کا ادارہ تشکیل دینے کا خاصا امکان موجود ہوگا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے مزید رائے دی کہ ''اگر یہ فیصلہ جلد کر دیا جائے تو ایک اچھا موقع یہ بھی ملے گا کہ پاکستان اپنے نقائص کی وجہ سے بہت جلد ناکام ہو جائے گا۔ بڑا مسئلہ اس وقت پاکستان کی حدود کو ظاہر کرنا ہے تاکہ مسلم لیگ باعزت طور پر متحدہ ہند کی جانب لوٹ آئے۔'' تمام گورنروں نے تائید کی کہ جلد فیصلہ کر دینا بے حد ضروری ہے۔

ماؤنٹ بیٹن کے سیاسی مشیر کونرڈ کورفیلڈ نے پوچھا کہ کیا وزارتی مشن منصوبہ کو اب مردہ سمجھ لینا چاہیے؟ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ'' میں متحدہ ہند پر مبنی کسی منصوبہ کو اتنی آسانی سے ترک کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ میں دنیا پر ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے انگریزوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے۔'' تمام گورنروں نے اس سے اتفاق کیا کہ وزارتی مشن منصوبہ کو کامیاب کرانے کے لئے ایک اور کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

صوبہ سرحد کے گورنر اولف کیرو نے خیال ظاہر کیا کہ ''وزارتی مشن منصوبہ کے خطوط پر کسی تصفیے تک پہنچنے کی خاطر صوبہ سرحد اور سرحدی قبائل کو ایک مضبوط لیور (Lever) کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مستقبل کے ہندوستان میں سرحدی قبائل اور صوبہ سرحد کس قدر اہم

حیثیت کے حامل ہوں گے، ابھی تک اس سے اغماض برتا گیا ہے......مضبوط فرنٹیئر کے بغیر نہ تو ایک ہندوستان اور نہ دو ہندوستان ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔ صوبہ سرحد کی کل ہند کے دفاع کے لحاظ سے جو عمومی اہمیت پائی جاتی ہے اس کے علاوہ ایک اہم نقطۂ یہ ہے کہ پارٹیشن سکیم کے مجوزہ حقیقی پاکستان کے تحت نہ تو سرحدی قبائل اور نہ صوبہ سرحد (جو اس وقت بھاری سرکاری امداد پر انحصار کرتے ہیں) معاشی طور پر گزارا کر سکیں گے۔ اس وقت مرکز صرف قبائل کو اڑھائی کروڑ روپے سالانہ ادا کرتا ہے اور صوبہ کو پہلے ہی ایک کروڑ روپے سالانہ دیتا ہے جب کہ صوبہ اب اس میں اضافے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ صوبائی حکومت خواہ کانگرس کی ہو، خواہ لیگ کی خواہ کوئی اور وہ مجبوراً اس امداد کے جاری رہنے پر اصرار کرے گی بلکہ یقیناً اس میں اضافے کا مطالبہ کرے گی......اگر تمام فریق اور بالخصوص لیگ ہائی کمان اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو اس سے کانگرس اور لیگ کے مابین کل ہند سطح کے مسائل اپنے صحیح تناظر میں دیکھے جا سکیں گے۔ اولف کیرو نے تجویز کیا کہ وزارتی مشن منصوبہ کی بنیاد پر کسی تصفیے سے قطعی مایوس ہونے سے پیشتر یہ کام ضرور ہو جانا چاہیے۔ اس نے یہ بھی تجویز کیا کہ صوبہ سرحد میں جلد از جلد دوبارہ انتخابات کرا دینے چاہئیں۔ اگر کانگرس دوبارہ کامیاب ہو گئی تو اس امر کو تسلیم کرنے کے بعد کہ فرنٹیئر بہر طور ایک کل ہند مسئلہ ہے، کانگرس کی پوزیشن مزید مضبوط ہو جائے گی اور اگر لیگ جیت گئی تو اس اہم پہلو کو تسلیم کر لینے کی وجہ سے وہ ایک اعتدال پسند راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گی اور بٹوارے پر زیادہ زور نہ دے سکے گی۔''

پنجاب کے گورنر ایوان جینکنز نے پنجاب کی تقسیم کے نتیجے میں جنم لینے والے مسائل کا بھیانک نقشہ پیش کیا۔ اس نے سکھوں کے علاوہ انبالہ ڈویژن (موجودہ بھارتی صوبہ ہریانہ) کے ہندو جاٹوں کی طرف سے صوبے کی تقسیم کے مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر فریقین کے مابین پہلے سے کوئی سمجھوتہ طے پائے بغیر بٹوارے کو عمل میں لایا گیا تو وسیع پیمانے پر خونریزی ہو گی۔ اس صورت میں بٹوارے پر فقط جبراً عملدرآمد کرایا جا سکے گا۔ جس کے لئے بھاری تعداد میں فوج بلانی پڑے گی۔''

گورنر بنگال خود کسی وجہ سے کانفرنس میں شرکت کے لئے نہ آ سکا تھا۔ اس کا معاون ٹائی سن اس کی نمائندگی کر رہا تھا۔ ٹائی سن نے بنگال کے حالات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے بتایا

کہ وہاں مسلم لیگ حکومت کے وزیراعلیٰ سہروردی نے 20 رفروری کا برطانوی اعلان سننے کے بعد ہی کہہ دیا تھا کہ وہاں اس کی حکومت کو اقتدار منتقل ہوگا۔ وہ ایک آزاد خودمختار بنگال کا خواہاں ہے۔ جو برطانوی دولت مشترکہ کا رکن ہوگا۔ لیکن وہاں کے ہندو ایک مسلم لیگی حکومت کے تحت رہنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ وہ ایک آزاد متحدہ بنگال کے بجائے ہندو اکثریت کے اضلاع کو اس سے علیحدہ کر کے باقی ہندوستان کے ساتھ شامل ہوجانے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ٹائی سن کی رائے تھی کہ مغربی بنگال میں چونکہ کلکتہ شامل ہوگا اس لئے یہ معاشی اعتبار سے قابل عمل ہو سکے گا۔ لیکن مشرقی بنگال علیحدہ ہونے کی صورت میں بالکل نہیں چل سکے گا۔ وہ اپنے لئے خوراک تک پیدا نہ کر سکے گا خواہ پٹ سن کی کاشت ترک کر کے وہاں خوردنی فصلیں کیوں نہ بوئی جائیں۔ اس نے کہا کہ اس حقیقت کا یہاں کے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کو اچھی طرح علم ہے۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ بنگال کی تقسیم کا نعرہ محض پاکستان کو تارپیڈو کرنے کے لئے لگایا جا رہا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ہر وہ شے جو پاکستان کو تارپیڈو کرتی ہو ہمارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اس طرح ہم کسی معقول حل کی طرف پلٹ سکیں گے۔ اس نے ٹائی سن سے پوچھا کہ اگر جناح نے کٹا پھٹا پاکستان منظور کرلیا تو اس پر بنگال کے وزیراعلیٰ سہروردی کا کیا ردعمل ہوگا؟ ٹائی سن نے جواب دیا کہ ''وزیراعلیٰ بالکل خوفزدہ ہوکر رہ جائے گا اور بنگال کو ایک علیحدہ یونٹ کے طور پر رکھنے کے لئے اپنا پورا زور صرف کر دے گا۔ وہ شمال مغربی مسلم صوبوں کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ وہ بنگال کو مسلم اکثریت کے آزاد صوبے کی حیثیت سے علیحدہ رکھنا چاہتا ہے۔''

اس کے بعد سندھ کے گورنر فرانسس موڈی نے کہا کہ سندھ اور اس کے ساتھ پنجاب کے کچھ حصے شامل کر کے معاشی طور پر ایک خاصا مضبوط ملک بن سکتا ہے۔ اس میں چند کارخانے مزید لگا دیئے جائیں تو یہ خاصا خودکفیل بھی ہوسکتا ہے۔

آخر میں ماؤنٹ بیٹن نے اس اجلاس میں اخذ کردہ نتائج کو دہراتے ہوئے کہا کہ ''معلوم ہوتا ہے بنگال کے مسلمان جناح کی قیادت کو تسلیم نہیں کریں گے۔ صوبہ سرحد میں کانگرس وزارت دوبارہ قائم ہو جائے گی۔ بالآخر جناح کے پاکستان میں فقط صوبہ سندھ اور پنجاب کا ایک حصہ باقی رہ جائے گا۔''[59]

اسی روز شام کو ماؤنٹ بیٹن نے فرانسس موڈی کے ساتھ علیحدہ ملاقات میں صرف سندھ اور مغربی پنجاب پر مشتمل پاکستان کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں غور وخوض کیا۔ انہوں نے حساب لگایا کہ ''ان دونوں علاقوں کو ملا کر کل آبادی کم وبیش ڈیڑھ کروڑ ہوگی جو کہ پورے ہندوستان کی کل آبادی کا زیادہ سے زیادہ چار فیصد ہوگی۔ اس طرح کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے گا کہ اس پاکستان کی تشکیل سے ہندوستان کی وحدت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ درحقیقت اسے ایک بڑی ہندوستانی ریاست کا درجہ حاصل ہوگا کہ گویا جس نے آئین ساز اسمبلی میں شمولیت اختیار نہیں کی ہے۔'' یہ تجویز ماؤنٹ بیٹن کے دل کو بہت بھائی۔ اس نے اس کے بارے میں اپنا تاثر قلمبند کرتے ہوئے لکھا ''اب ایک نئی راہ کھل گئی ہے۔ اب ہم بقیہ ہندوستان کے لئے دہلی میں ایک مضبوط مرکز کو برقرار رکھتے ہوئے جناح کو ان کا کٹا پھٹا پاکستان دینے کا کام شروع کر سکتے ہیں۔ یہ سب اس مفروضے پر ہے کہ صوبہ سرحد میں کانگرس کی حکومت برقرار رہے اور مسلم لیگ ایک ایسے صوبے کا بوجھ اٹھانے پر تیار نہ ہو جسے اپنی آمدنی کے علاوہ ساڑھے تین کروڑ روپے سالانہ (زیادہ تر قبائل کے لئے) درکار ہوں گے۔ اور یہ کہ سہروردی بنگال کی تقسیم پر آمادہ نہ ہو بلکہ کانگرس کے حق میں چلا جائے۔''[60]

16 اپریل کو گورنروں کی کانفرنس کا دوسرا اور آخری اجلاس ہوا۔ گفتگو کا آغاز اس مفروضے کے ساتھ ہوا کہ بنگال متحد اور آزاد حیثیت میں علیحدہ رہنا پسند کرے گا۔ اس کے بعد اس امید کے ساتھ کہ صوبہ سرحد کا کاروبار چلانے کے لئے درکار خطیر رقم کے پیش نظر مسلم لیگ کی اس صوبہ میں زیادہ دلچسپی نہ ہوگی۔ تاہم صوبہ سرحد کو سندھ اور مغربی پنجاب کے ساتھ ملا کر کٹے پھٹے پاکستان کی اس صورت کا جائزہ لیا گیا۔ ان تینوں علاقوں کو ملا کر کل آبادی اڑھائی کروڑ تھی جو کل ہند کی آبادی کا صرف چھ فیصد تھی۔ اس پاکستان کی تشکیل سے بھی ان کے متحدہ ہندوستان کو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ لارڈ اسمے نے کہا کہ ''اگرچہ جناح اعلانیہ طور پر جس پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں اس میں سندھ، پورا پنجاب، صوبہ سرحد، آسام اور پورا بنگال شامل ہیں لیکن ان کو اس میں سے جو کچھ بھی دے دیا جائے گا خواہ وہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، وہ اسے شتابی سے قبول کرلیں گے۔ مگر بقیہ ہندوستان کے ساتھ شامل نہ ہوں گے۔''

اب ایک غور طلب پہلو یہ تھا کہ بنگال کو آزاد حیثیت میں الگ چھوڑ دینا مناسب تھا یا

نہیں اس پر بڑی لمبی بحث ہوئی۔ گورنر پنجاب جینکنز نے کہا کہ اگر بنگال کو یہ اختیار دیا گیا تو پھر منقسم پنجاب میں سے سکھ پنجاب بھی آزاد وخودمختار رہنے کا مطالبہ کرے گا۔ بعض گورنروں کی رائے تھی کہ اعلان 20 رفروری کے تحت برطانوی حکومت اس امر کی پابند ہے کہ اگر متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے کوئی تصفیہ نہ ہوا تو پھر صوبوں کو انتقال اقتدار کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے صوبوں کو خود فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے گا۔ تاہم دوسرے گورنروں کی رائے تھی کہ مسلح افواج کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہی بے حد مشکل نظر آتا ہے، چہ جائیکہ اس سے زیادہ حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ اگر تقسیم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ جس حد تک جناح نے تقسیم کا مطالبہ کیا ہے اسی حد تک رہنا چاہیے۔

ماؤنٹ بیٹن نے ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا کہ آئین ساز اسمبلی کو فقط دو حصوں میں تقسیم کیا جائے، ایک ہندوستان اور ایک پاکستان۔ پھر صوبوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیں۔ اس نے کہا ہمیں کم سے کم علیحدہ یونٹ وضع کرنے چاہئیں۔ یہ صرف اسی قدر ہوں کہ جتنے انتہائی ضروری ہو چکے ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر بنگال کو آزاد رہنے کا اختیار دے دیا گیا تو اس سے پورے ہندوستان کے بلقانائے جانے (یعنی حصے بخرے ہونے) کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ یہ بات کانگرس کے نصب العین کے بالکل برخلاف چلی جائے گی اور جو وہ پاکستان کو منظور کرنے کی قربانی دینے پر آمادہ ہوئی ہے، اس کے بھی خلاف ہو جائے گی۔ خود جناح کو بھی آزاد بنگال کے قیام پر اعتراض ہوگا۔"[61]

چنانچہ یہ تجویز ترک کر دی گئی کہ بنگال کو آزاد حیثیت میں علیحدہ ہونے کا اختیار دیا جائے گا۔ بٹوارے کے لئے زیر غور منصوبے میں کل ہند آئین ساز اسمبلی کو فقط دو حصوں، ہندوستان اور پاکستان، میں بانٹنے پر فی الوقت اتفاق رائے ہوا۔ تاہم اس کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مئی کے وسط میں ماؤنٹ بیٹن نے شملہ میں فریقین کے رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات کا جو پروگرام بنایا ہے اس میں سب سے پہلے وزارتی مشن منصوبہ کو کامیاب بنانے پر زور دیا جائے گا۔ اس کی ناکامی کی صورت میں بٹوارے کی راہ اختیار کرنے کا سوچا جائے گا۔

گورنروں کی کانفرنس کی اس تفصیل سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اس وقت برطانوی سامراج برصغیر کے مستقبل کے بارے میں کیا رویہ رکھتا تھا۔ انگریزوں کی پالیسی اس وقت

''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کی نہیں تھی بلکہ وہ ہر قیمت پر ہندوستان کی اس وحدت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے جسے انہوں نے ایک سو سال کی کوشش کے بعد وضع کیا تھا اور پھر کم و بیش ایک سو سال تک برقرار رکھا تھا۔ انہیں برصغیر کے بلقانائے جانے کی اس قدر تشویش تھی کہ یہ چار و ناچار تقسیم پر مجبور ہونے کے امکان کی صورت میں بھی وہ زیادہ سے زیادہ دو حصے گوارا کرنے پر تیار تھے۔ اس کانفرنس کی تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ برطانوی سامراج پاکستان کے بارے میں کیا رویہ رکھتا تھا۔ وہ ہندوستان کے مقابلے میں اتنا چھوٹا اور حقیر سا پاکستان بنانا چاہتے تھے کہ جو ہندوستان کی چار یا چھ فیصد آبادی پر مشتمل ایک عام ہندوستانی ریاست یا رجواڑے کا درجہ رکھتا ہو۔ اس طرح ان کا خیال تھا کہ وہ برصغیر کے وسیع خطے پر مضبوط حکومت کا کنٹرول چھوڑ جائیں گے جیسا کہ خود انہوں نے رکھا ہوا تھا۔ ہندوستان کی یہ مضبوط مرکزی حکومت داخلی استحکام اور بیرونی دفاع دونوں کے لئے مؤثر ثابت ہوگی۔ انہیں یہ بھی محسوس ہوا کہ یہ کام جتنا جلد انجام دیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ کٹا پھٹا پاکستان جلد ہی اپنے نقائص کی بدولت ناکامی سے دوچار ہو کر اپنی موت مر جائے گا۔ بالآخر سارا برصغیر ایک مضبوط مرکزی حکومت کے زیر نگیں آ جائے گا۔

برطانوی سامراج دم دبا کر جلد از جلد بھاگنا چاہتا تھا

حالات و واقعات کا دباؤ اس قدر شدید تھا کہ جلد از جلد فیصلہ کرنا انگریزوں کی سب سے بڑی ضرورت بن گیا تھا۔ 14 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے اپنے مشیروں سے کہا تھا کہ اب ہمیں حکومت برطانیہ کو صاف الفاظ میں بتانا پڑے گا کہ اگر آپ نے جلد کوئی فیصلہ نہ کیا تو آپ خانہ جنگی کی ذمہ داری سے وائسرائے کے کاندھوں کو نہ بچا سکیں گے۔ واحد راستہ یہ ہے کہ یہاں سے جلد نکل جائیں۔''[62] اور پھر تین روز بعد ماؤنٹ بیٹن نے گورنروں کی کانفرنس ختم ہونے پر 17 اپریل کو وزیر ہند پیتھک لارنس کو اس کانفرنس کی جو رپورٹ لندن ارسال کی اس میں لکھا کہ برصغیر میں خانہ جنگی اور انتظامیہ کی مکمل تباہی کے سدباب کے لئے ضروری ہے کہ بہت جلد کوئی نہ کوئی فیصلہ کیا جائے۔ میری اس رائے سے کسی کو اختلاف نہیں۔ سارے یورپی اور ہندوستانی یہی محسوس کرتے ہیں۔ گورنروں کو بھی اس بارے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں۔ لہٰذا

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں مئی کا مہینہ ختم ہونے سے پہلے اپنے فیصلے کا حتمی طور پر اعلان کر دینا چاہیے۔ مجھے وزارتی مشن کے منصوبے کی منظوری کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ اگر اس منصوبے کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلم لیگ اس کی مسلح مزاحمت کرے گی۔ میری پختہ رائے ہے کہ تقسیم کی سکیم کچھ اس طرح ہونی چاہیے کہ جب تقسیم کی مبہوت کن پیچیدگیوں کا زیادہ واضح احساس ہونے پر معقول اندازفکر کا غلبہ ہو تو یہ دونوں فریقوں کے ہماری جانب سے اقتدار کی منتقلی سے پہلے ہی یکجا ہونے کے رستے میں حائل نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ اسے کو اس مہینے کے آخر میں اعلان کا مسودہ دے کر لندن بھیج دوں گا۔ 15 مئی کو جناح، نہرو، پٹیل، لیاقت، بلدیو سنگھ اور اگر ممکن ہوا تو بھوپال اور پٹیالہ کے حکمرانوں کی ایک کانفرنس شملہ میں بلاؤں گا۔ میں اس کانفرنس میں آخری کوشش کروں گا کہ وزارتی مشن کے منصوبے کے بنا پر کوئی سمجھوتہ ہوجائے۔ اگر میں اس میں ناکام ہوا تو میں آخری حل کے طور پر تقسیم کا اعلان کر دوں گا۔ کل گورنروں کی کانفرنس ہوئی تھی تو سب نے کہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے فیصلہ کر کے اس کا اعلان کر دیا جائے کیونکہ نسبتاً پرسکون صوبوں میں بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ آتش فشاں کسی وقت بھی بنگال، پنجاب اور سرحد کے دہانوں سے پھٹ پڑے گا۔ آسام، بمبئی اور بہار میں بھی کہیں کہیں لاوا پھوٹنے کا خطرہ ہے۔"[63]

ماؤنٹ بیٹن اور اس کے عملے کے سینئر ارکان کی تحریروں اور رپورٹوں سے بالکل واضح تھا کہ برطانوی سامراج 1947ء کے اوائل میں فی الحقیقت یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر برصغیر کی آزادی کا فوری طور پر کوئی نہ کوئی فیصلہ نہ کیا گیا تو یہ سونے کی چڑیا وسیع پیمانے پر بدامنی، لاقانونیت اور نراجیت کا شکار ہوجائے گی۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ انتظامی ڈھانچے کے پرخچے اڑ جائیں گے اور فوج دو حصوں میں تقسیم ہو کر ہندوؤں اور مسلمانوں کی خانہ جنگی میں ملوث ہوجائے گی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ خانہ جنگی کب تک جاری رہے گی اور بالآخر برصغیر کتنی آزاد ریاستوں میں منقسم ہوجائے گا۔ برطانوی لیبر حکومت نے اس صورت حال کی پیش بینی کر کے ہندوستان میں آباد برطانوی شہریوں کے تحفظ اور انخلاء کا ہنگامی منصوبہ بھی بنا رکھا تھا۔ اس نے برصغیر کی تقسیم بالکل آخری حل کے طور پر منظور کی تھی اور تقسیم کی سکیم بھی کچھ اس قسم کی تھی کہ دونوں فریقوں کے یکجا ہونے کا راستہ کھلا رہے۔ ممکن ہو سکے تو اقتدار کی منتقلی سے پہلے،

نہیں تو اس کے فوراً بعد۔ اگر ماؤنٹ بیٹن کو یہاں پہنچتے ہی ہر طرف سے ''خانہ جنگی'' ''خانہ جنگی'' کی آوازیں سنائی نہ دیتیں تو وہ پاکستان کے قیام پر کبھی آمادہ نہ ہوتا۔ اسے دہلی پہنچنے کے چند دن بعد ہی پتہ چل گیا تھا کہ لیبر حکومت نے اقتدار کی منتقلی کے لئے یکم جون 1948ء کی جو تاریخ مقرر کر رکھی ہے وہ بہت لمبی ہے۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ برطانوی سامراج کی امان اسی میں ہے کہ یہاں سے فوراً بھاگو۔ پاؤں سر پر رکھ کر اور دم دبا کر۔ اسے یاد تھا کہ وزیراعظم ایٹلی نے 19 دسمبر کو پہلی ملاقات کے دوران ''مطلق العنان نوعیت کی تحریک'' یعنی پرولتاری انقلاب کی فتح کے خطرے کا ذکر کیا تھا۔

کمیونزم کا خطرہ

اگر شمالی ہند میں فرقہ وارانہ مسئلہ زیادہ سنگین تھا تو جنوبی ہند میں کمیونسٹوں کی سرگرمیاں زور پکڑ رہی تھیں۔ ان حالات کی سنگینی کے پیش نظر ماؤنٹ بیٹن ایک مضبوط مرکز کی باگ ڈور ہندو بورژوا کی منظم پارٹی کانگرس کے حوالے کر کے جلد از جلد یہاں سے بوریا بستر گول کرنا چاہتا تھا۔ خود ہندو بورژوا بھی اس صورت حال سے خائف تھا اور جلد از جلد اقتدار کی منتقلی کا خواہاں تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عنان حکومت ہاتھ میں آتے آتے حالات اس کے ہاتھ سے بھی نکل چکے ہوں۔ 2 اپریل کو بمبئی کے گورنر کولول نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک مراسلے کے ذریعے صوبہ بمبئی کی کانگرس وزارت کو کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کی جانب سے لاحق خطرات کی تشویش کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ '' کانگرسی وزیروں نے سیاسی طور پر اپنا اصل حریف اب سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض نے اپنی یہ تشویش بھی ظاہر کی ہے کہ جون 48ء کے بعد وہ تتر بتر ہو جائیں گے۔''[64]

اسی روز امریکہ میں انڈیا لیگ کے رہنما سردار جے۔ جے سنگھ نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ایک ملاقات میں کہا کہ برطانیہ کے ہندوستان سے رخصت ہو جانے کے بعد کانگرس مختلف سیاسی اور معاشی گروپوں میں بٹ جائے گی۔ '' نئے رہنما ابھر کر سامنے آجائیں گے جن کے نام آج اسی طرح غیر معروف ہیں جس طرح 1916ء میں روس میں لینن، سٹالن اور ٹراٹسکی کے نام تھے۔ یہاں بھی کرنسکی کے ہمسر رہنماؤں کا جلد تختہ الٹ دیا جائے گا۔'' اس نے

خیال ظاہر کیا کہ یہاں ایک معاشی انقلاب آئے گا جو ممکن ہے ایک طبعی انقلاب ہو اور سوشلسٹ اور کمیونسٹ نظریات پر مبنی ہو۔ ہندوستان میں یہ بہت جلد ہونے والا ہے اور اسے کوئی نہیں روک سکتا۔"[65] ماؤنٹ بیٹن نے اس بارے میں اپنی سٹاف میٹنگ میں تفصیل بیان کی۔

گورنروں کی کانفرنس میں بھی کمیونسٹوں کا معاملہ زیر غور آیا تھا۔ بنگال کے گورنر نے اپنے نمائندہ ٹائی سن کے ذریعے مطالبہ کیا کہ مرکزی حکومت کو چاہیے کہ کمیونسٹوں کو غیر قانونی قرار دے دے۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ کمیونسٹوں کو غیر قانونی قرار دینا زیادہ خطرناک ہوگا۔"[66] وہ کمیونسٹوں کے بارے میں محتاط رویہ رکھنا چاہتا تھا۔ وہ بیک وقت سارے محاذوں پر لڑائی چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔

ادھر 24/مارچ کو برطانوی وزیر خارجہ ارنسٹ بیون نے ماسکو میں اسٹالن کے ساتھ ملاقات کے دوران ہندوستان کا معاملہ بھی اٹھایا تھا۔ اس پر اسٹالن نے اسے پوری طرح یقین دہانی کرائی کہ ہم ہندوستان کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ لیکن 12/اپریل کو وزیر ہند پیتھک لارنس نے ماؤنٹ بیٹن کو اس ملاقات کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے اسٹالن کی اس یقین دہانی پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا۔"[67] برطانوی سامراج انہی شکوک وشبہات کی بنیاد پر برصغیر کی انتظامی اور فوجی وحدت کو بہر قیمت قائم رکھنا چاہتا تھا۔

مسلح افواج کی تقسیم کا سوال

برطانوی سامراج ہندوستان کی افواج کی تقسیم کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔ 7/اپریل کو لیاقت علی خان نے ایک خط کے ذریعے ماؤنٹ بیٹن سے درخواست کی کہ ہندوستانی مسلح افواج میں مسلمانوں کی تعداد میں کمی نہ کی جائے اور ان کی از سرنو ترتیب وتنظیم اس طرح سے ہو کہ مسلم یونٹ علیحدہ وضع کئے جائیں تاکہ پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کے وقت افواج کی تقسیم میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔ پاکستان کا علیحدہ دفاع ضروری ہوگا۔ 9/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے اپنے جواب میں اس مطالبے کو صاف طور پر یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "ابھی تک ہم جس پالیسی پر عمل پیرا ہیں وہ وزارتی مشن منصوبہ ہے۔ جب تک ہم اسے مکمل طور پر ترک نہیں کر دیتے تب تک ہندوستان کے مکمل بٹوارے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خواہ کوئی بھی صورت

ہو، میں جب تک وائسرائے ہوں، اس بات کو یقینی بنانا میرا فرض ہے کہ کوئی ایسا اقدام نہ اٹھنے پائے کہ جس سے ہندوستانی فوج کمزور ہوجائے کہ یہی وہ آخری سہارا ہے جس پر ملک کی داخلی سلامتی اور بیرونی دفاع کا تمام تر دارومدار ہے۔ جب تک ہندوستان کی ذمہ داری برطانوی پارلیمینٹ کے کاندھوں پر ہے، ہندوستانی فوج کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔" علاوہ ازیں کہا کہ "اگر ہندوستان کے بٹوارے کی کوئی صورت بنی تو پھر میں اس امر کی تفتیش کے لئے تیار ہوں کہ آیا فوج کی تقسیم کی ضرورت ہوگی یا نہیں اور اگر یہ ثابت ہوگیا کہ ضرورت ہے تو پھر مسلح افواج کی تقسیم کو بروئے کار لانے کا طریقہ وضع کیا جاسکتا ہے۔"[68] چنانچہ اول تو ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کی تقسیم پر رضامند نہیں تھا اور بحالت مجبوری رضامند ہونے کی صورت میں بھی اس کے خیال میں یہ بات تفتیش طلب تھی کہ فوج کی تقسیم کی جائے یا نہیں۔

13/اپریل کو لیاقت نے ماؤنٹ بیٹن سے دوبارہ درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ آپ اس وقت متحدہ ہند کے مفروضے پر چلتے ہوئے آئینی مسئلے کا حل تلاش کر رہے ہیں اس لئے میں نے فوج کی فوری تقسیم کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ البتہ کمانڈر انچیف کو یہ ہدایت ضرور کر دی جائے کہ فوج کی تقسیم کا کوئی منصوبہ تو وضع کر رکھے تاکہ بوقت ضرورت انتظار نہ کرنا پڑے۔ ماؤنٹ بیٹن نے 14/اپریل کو اپنے سٹاف کے ارکان کی میٹنگ کے دوران کہا کہ "اگر پلان" بلقان" پر عملدرآمد کرنا پڑا تو تقسیم کے بعد بھی دفاع کو مربوط رکھنے کی خاطر ایک مرکزی ادارہ برقرار رکھنا پڑے گا۔ اس کی ایک صورت جائنٹ چیفس آف سٹاف کے ادارے کی بھی ہوسکتی ہے یا پھر کانفرنسوں کا ایک سلسلہ طے ہوسکتا ہے۔"[69] اسی روز ماؤنٹ بیٹن نے کمانڈر انچیف کلاڈ آکن لیک کے ساتھ ملاقات میں لیاقت علی خاں کی درخواستوں پر غور کیا۔ کلاڈ آکن لیک نے لیاقت کے اس الزام کو تسلیم کیا کہ فوج میں مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کم ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ جنگ عظیم دوم سے پہلے یہ ہندوستانی فوج کا 37 فیصد حصہ تھے جب کہ جنگ کے بعد یہ تناسب گر کر 29 فیصد رہ گیا ہے۔ اس کی وجہ اس نے یہ بتائی کہ جنوبی ہند سے بھرتی میں اضافہ کیا گیا ہے۔ جنگ سے پیشتر فوج میں مدراسیوں کا تناسب 3 فیصد تھا جب کہ جنگ کے بعد ان کا تناسب بڑھ کر 20 فیصد ہوگیا ہے۔ اس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ پس پردہ ہندوؤں کو فوج پر غلبہ حاصل ہے۔ اس نے فوج کی فرقہ وارانہ تنظیم نو

کے بارے میں کہا کہ یہ ناممکن ہے تاہم اس سلسلے میں ایک منصوبہ موجود ہے جس پر عملدرآمد کی صورت میں فوج کے یونٹ ایک سال تک بالکل معطل حالت میں رہیں گے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ میرا مقصد یہی تو ثابت کرنا ہے کہ یہ تجویز نا قابل عمل ہے۔"[70] آکن لیک نے یہ بھی کہا کہ فوج کی اتنی بڑی تنظیم نو کئی مرحلوں میں کئی سال میں مکمل ہو گی اور اس عرصے میں شمال مغربی سرحد پر دفاعی کاروائی کے قابل کوئی منظم فوج نہیں رہے گی۔"[71] برطانوی سامراج شمال مغرب سے سوویت یونین کے حملے کا ہوا دکھا کر ہندوستان کی تقسیم یا کم از کم ہندوستانی فوج کی تقسیم کو نا قابل عمل ثابت کرنا چاہتا تھا۔

برطانوی فوجی افسروں کی ضرورت اور دولت مشترکہ میں ہندوستان کی شمولیت

پٹیل نے دسمبر 46ء کے اواخر میں برطانوی حکومت کو یقین دہانی کرادی تھی کہ اگر مسلمانوں کو ایک کٹا پھٹا پاکستان دے کر بقیہ ہندوستان کا اقتدار جلد از جلد کانگرس کو منتقل کر دیا جائے تو ہندوستان کو ڈومینین کی حیثیت سے دولت مشترکہ میں شامل رہنے دیا جائے گا۔ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق تھا تو جناح نے 11/اپریل کی ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن سے کہہ دیا تھا کہ اگر ان کا مطلوبہ مکمل پاکستان انہیں دے دیا گیا تو پاکستان بننے کے بعد پہلا کام یہ ہو گا کہ اسے دولت مشترکہ کا رکن بنا دیا جائے گا۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن اس سلسلے میں دونوں بڑی جماعتوں پر مزید دباؤ ڈالنے کی خاطر ان کی ایک اور کمزوری سے بھی فائدہ اٹھا رہا تھا اور وہ یہ کہ دونوں جماعتوں کے قائدین سمجھتے تھے کہ برطانوی فوجی افسروں کے بغیر ابھی کچھ عرصے تک ہندوستانی فوج پوری طرح اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ فضائیہ اور بحریہ کہ جہاں زیادہ تکنیکی صلاحیت درکار ہوتی ہے، یہ بات زیادہ زور دے کر کہی جاتی تھی۔

سب سے سینئر ہندوستانی فوجی افسر بریگیڈیئر کری آپا کا، جو بعد میں بھارت کی فوج کا سب سے پہلا بھارتی کمانڈر انچیف بنا، اُنہی دنوں لندن کے اخبارات میں یہ بیان شائع ہوا تھا کہ کم از کم پانچ سال کے بعد ہم برطانوی افسروں کے بغیر گزارہ کر سکیں گے۔ بحریہ کے سب سے سینئر ہندوستانی افسر لیفٹیننٹ کمانڈر محمد صدیق چوہدری کی رائے تھی کہ بحریہ کے لئے اس سلسلے میں کم از کم دس سال درکار ہوں گے۔

11 اپریل کو کانگرس کے ایک مقتدر رہنما سی۔ راج گوپال اچاریہ نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات میں مذکورہ دونوں افسروں کے خیالات کو سراہا اور درخواست کی کہ کوئی ایسا فارمولا وضع کیا جائے جس کے تحت آزادی کے بعد انگریز افسر پانچ سال کے معاہدے کے تحت ہندوستانی فوج میں خدمات انجام دیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کوئی بھی انگریز افسر برطانوی فوج میں اپنا کمیشن ترک کر کے ایک غیر ملکی فوج میں محض معاہدے کے تحت عارضی نوکری اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ راج گوپال نے کہا کہ کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ یہ افسر بدستور برطانوی فوج کی ملازمت میں رہتے ہوئے ہندوستان میں خدمات سرانجام دیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ اس کی فقط یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل رہے۔ راج گوپال نے جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی اس کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اگر آئندہ آپ لوگ تاج برطانیہ سے قطعی رشتہ توڑنے کے بارے میں کوئی بیان جاری نہ کریں تو پھر اس فارمولے پر عمل ہو سکتا ہے۔ اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ لوگوں میں بھرم رکھنے کے لئے آپ یہ کہیں کہ تاج برطانیہ سے تعلق برقرار رکھنے کے معاملے پر آئندہ پانچ سال یا کچھ اور مدت کے بعد غور کیا جائے گا۔ راج گوپال نے اس پر ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ اتفاق کیا۔[72] یاد رہے کہ یہی راج گوپال اچاریہ جون 1948ء میں ماؤنٹ بیٹن کے بعد پہلا ہندوستانی گورنر جنرل مقرر ہوا۔

11 اپریل کو لیاقت علی خان نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات میں فوج کی تقسیم کے معاملے کو اٹھایا تو ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ آپ لوگوں کے دو وزرائے دفاع ہوں گے۔ جو برابری کی سطح پر آپس میں ملا کریں گے اور ایک کمانڈر انچیف ہوگا جس کو دونوں وزرائے دفاع متفقہ طور پر مشترکہ ہدایات جاری کیا کریں گے۔ لیاقت نے پوچھا کہ اس بات کا کس حد تک امکان ہے کہ یہ کمانڈر انچیف برطانوی ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا اگر مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے دولت مشترکہ سے تعلق برقرار رکھتے ہوئے مشترکہ طور پر درخواست کی تو انہیں برطانوی کمانڈر انچیف کی خدمات میسر آ سکتی ہیں۔ لیاقت نے یقین دلایا کہ پاکستان تو دولت مشترکہ میں رہنا چاہتا ہے اور آپ کے افسروں کی خدمات بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے انتہائی رعونت کے ساتھ جواب دیا کہ میں ہندوستان کے کسی حصے کی دولت

مشترکہ میں شمولیت کے بارے میں بات تک کرنے کو تیار نہیں ہوں گا تا آنکہ تمام فریق مل کر دولت مشترکہ میں شامل ہونے کی درخواست نہ کریں۔

ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت کی تمام پیشکشوں کی تحقیر کرتے ہوئے کہا کہ ''مجھے پورا یقین ہے کہ حکومت برطانیہ آپ کی اس قسم کی پیش کشوں کو ملحوظ رکھنے کے باوجود ہندوستان کی یکجہتی کو کبھی قربان نہیں کرے گی۔ [73] گویا اس کا کہنا یہ تھا کہ اگر پاکستان نے علیحدہ حصے کے طور پر دولت مشترکہ میں شامل ہونے کی درخواست کی تو اسے پہلے ہی نامنظور سمجھا جائے۔ دراصل اس طرح مسلم لیگی قیادت پر دباؤ بڑھانے کے لئے ایک اور حربہ آزمایا گیا تھا کہ اگر تم ہندوستان سے علیحدہ ہوتے ہو تو پھر برطانوی دولت مشترکہ کی مراعات اور تحفظات سے بھی محروم کر دیئے جاؤ گے۔ اگرچہ جنگ عظیم دوم کے بعد برطانیہ اور دیگر یورپی سامراجی ممالک بطور عالمی طاقت کھوکھلے ہو چکے تھے اور بین الاقوامی منظر پر عالمی جنگ کے عظیم فاتح سوویت یونین کے مدمقابل امریکہ نے عالمی سامراج کے تحفظ کا ٹھیکہ لے لیا تھا، مگر برطانوی رہنماؤں نے اپنی کمال منافقت کے ذریعے ابھی تک دنیا کو یہ تاثر دے رکھا تھا کہ برطانیہ اب بھی ایک عالمی طاقت ہے اور محکوم و پسماندہ قومیں اس کے سہارے کے بغیر ایک قدم بھی نہ چل سکیں گی۔ ہندوستانی رہنما بھی اس تاثر کو قبول کئے ہوئے تھے۔ دونوں بڑی جماعتوں کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ انتقال اقتدار کے بعد کافی عرصے تک برطانیہ بطور عالمی طاقت اس خطے میں اہم کردار ادا کرتا رہے گا۔ اس لئے ہندوستان کی مستقبل کی حکومت یا حکومتوں کو مستحکم ہونے کے لئے برطانوی دولت مشترکہ کی مراعات اور تحفظات حاصل رہنے چاہئیں۔ علاوہ ازیں وہ سمجھتے تھے کہ بیرونی دفاع (شمال سے خطرے کے خلاف) اور داخلی سلامتی کی خاطر ایک مضبوط فوج کی استواری برطانوی فوجی افسروں کی پیشہ وارانہ اعانت کے بغیر ممکن نہیں ہوگی۔ یہ رہنما اپنے طبقاتی کردار کی بدولت خود کفالت اور خود انحصاری کے عوامی انقلابی فلسفے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ اپنی ملاقات میں ہی یہ پیش کش کر دی تھی کہ ہندوستان کے برطانیہ کے ساتھ قریبی رشتے کو برقرار رکھنے کی خاطر ''دوہری قومیت'' کے فارمولے کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ [74] گویا انڈین نیشنلزم کا علمبردار نہرو ہندو بورژوا کے مفادات کی خاطر اب ہندوستانیوں کو ''دوہری قومیت'' کے بندھن کے ذریعے برطانوی سلطنت کے ساتھ منسلک

رکھنے پر تیار تھا۔ کانگرس کی صرف ایک مشکل تھی کہ نہرو اور اس قبیل کے دوسرے رہنما تیس کے عشرے کے معاشی بحران کے دوران لیڈر بنے تھے اور وہ اپنی تقریروں اور بیانوں میں انقلابی لفاظی استعمال کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کو برطانوی سلطنت سے قطعی الگ ایک بالکل آزاد اور خودمختار مملکت بنانے کا بارہا اعلان کیا تھا۔ مزید یہ ہوا تھا کہ آئین ساز اسمبلی کے اجلاس میں جو مسلم لیگ کے بغیر ہی کانگرس نے منعقد کیا تھا اور اپنے آپ آئین سازی کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا، کانگرس باقاعدہ قرارداد منظور کر چکی تھی کہ ہندوستان ایک آزاد و خودمختار ری پبلک ہوگا۔ 16 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے بلدیو سنگھ کے ساتھ ملاقات کے دوران اس مشکل کا حل تجویز کرتے ہوئے کہا کہ اگر کانگرسی رہنماؤں کو اس قرارداد کے الفاظ سے پھر جانے میں کوئی دقت ہے تو لوگوں میں ان کا بھرم رکھنے کی خاطر کوئی فارمولا آسانی سے وضع کیا جاسکتا ہے۔ ان کو فقط یہ کہنا ہوگا کہ متذکرہ قرارداد میں کوئی تاریخ مقرر نہیں کی گئی ہے۔ ابھی اس پر عملدرآمد کی تاریخ طے ہونا باقی ہے۔ چنانچہ یہ کہا جائے کہ اس پر پانچ سال تک عملدرآمد نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد اس بارے میں غور کیا جاسکتا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر ہم برطانوی فوجی افسروں کو یہاں چھوڑ کر جاسکتے ہیں اور امداد بھی جاری رکھ سکتے ہیں۔ بلدیو سنگھ نے اسے بتایا کہ میں نہرو سے اس سلسلے میں ملاقات کر چکا ہوں، نہرو خود بھی یہی چاہتا ہے لیکن اس پر فیصلے کے لئے ابھی اسے کچھ وقت درکار ہے۔ [75] بعد کے واقعات سے ثابت ہوا کہ کانگرس نے ماؤنٹ بیٹن کے مشورے پر عمل کیا۔

جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق تھا تو 16 اپریل کو ہندوستان میں تعینات برطانوی ہائی کمشنر ٹی۔ ایلین شون نے جناح کی رہائش گاہ پر ان سے ملاقات کی۔ شون نے اس ملاقات کی تفصیل قلمبند کرتے ہوئے لکھا کہ جناح نے گویا اس یقین کے ساتھ کہ پاکستان حاصل ہو کر رہے گا کہا کہ ''پاکستان کو اپنے بے پناہ ممکنہ وسائل کی ترقی کے لئے بیرونی امداد کی ضرورت ہو گی۔ مزید یہ کہ آج کل کوئی بھی ملک تنہا نہیں رہ سکتا، نہ وہ بیرونی دنیا سے کٹ کر رہ سکتا ہے۔ بڑی طاقتوں کو بھی دوست اور اتحادی بنانے پڑتے ہیں۔ پاکستان امداد کے لئے تین بڑی طاقتوں سے رجوع کر سکتا ہے۔ سوویت یونین، امریکہ اور برطانیہ۔ مجھے روسی زبان نہیں آتی اور نہ میں اس عمر میں روسی زبان سیکھنے کے بارے میں سوچ سکتا ہوں۔ رہا امریکیوں کا تو، انہیں

ہندوستان میں بہتر طور پر جانا تو جاتا ہے لیکن نسبتاً وہ بھی یہاں ابھی اجنبی ہیں۔ پاکستان کے لئے بہترین صورت یہی ہوگی کہ برطانیہ والوں کے ساتھ معاملات رکھے جائیں جن کے ساتھ تمام تر اختلافات کے باوجود ہندوستانیوں کی باہمی افہام وتفہیم کی بنیاد دوسری متذکرہ طاقتوں کی نسبت زیادہ بہتر طور پر موجود ہے۔"[76] گویا جناح کو صحیح طور پر اندازہ نہیں ہوا تھا کہ برطانیہ بطور عالمی طاقت اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے اور یہ کہ بہت جلد پاکستان کو سوویت یونین یا امریکہ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ برطانوی سامراج برصغیر سے اس لئے رخصت نہیں ہو رہا تھا کہ یہاں اسے کسی زبردست مسلح جدوجہد آزادی کے ہاتھوں بھاری شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ نہ وہ اپنی نام نہاد "جمہوریت پسندی" کی وجہ سے ہندوستانیوں کو آزادی کی بخشیش دے کر جا رہا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ جنگ عظیم اول کے بعد ہی اس کا زوال شروع ہو گیا تھا، دونوں جنگوں کے درمیانی عرصے میں پرانی اور ابھرتی ہوئی سامراجی قوتوں کے مابین شدید کشمکش جاری رہی اور دوسری جنگ عظیم کی تیاری ہوتی رہی۔ اس دوران شدید عالمی معاشی بحران کے باوجود برطانیہ کو دوسری جنگ کے لئے برصغیر کی جنگی جغرافیائی اہمیت اور افرادی قوت کی خاطر ہندوستان کی ضرورت رہی، لیکن جنگ عظیم دوئم برطانوی سامراج کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی اور اس کا دیوالیہ ہو گیا۔ کم وبیش دوسو سال تک ہندوستان میں سامراجی لوٹ کھسوٹ کرنے کے بعد اب یہی ہندوستان اس کے لئے سونے کی چڑیا نہیں بلکہ ایک بھاری بوجھ بن گیا تھا جس سے چھٹکارا حاصل کرنا برطانوی لیبر پارٹی کے لئے برسراقتدار آتے ہی پہلی ترجیح تھا۔ برطانوی فوج اور بیوروکریسی اب یہاں ایک لمحے کے لئے بھی ٹھہرنے کو تیار نہیں تھی۔ ان میں بہت سے برطانوی حکام کا خیال تھا کہ ہندوستان کو دولت مشترکہ میں شامل رکھنا بھی مزید ایک بوجھ اٹھانے کے مترادف ہوگا۔

14 اپریل کو صوبہ مدراس کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل ایڈورڈ آرچی بالڈ۔ نائی نے، جو کہ جنگ کے دوران (46-1941ء) وائس چیف آف امپیریل جنرل سٹاف کے عہدے پر فائز رہا تھا، ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران اس نقطہ نظر کا اظہار کیا۔ اس نے کہا کہ چونکہ ہندوستان اپنی آبادی کے تناسب سے دنیا کا فوجی لحاظ سے کمزور ترین ملک ہوگا، اس کی صنعتی ترقی بے حد سست ہوگی اور مسلح افواج کی نیشنلائزیشن اسے مزید پیچھے ڈال دے گی، چنانچہ

وہ دولت مشترکہ کا اس قدر کمزور رکن ہوگا کہ خشکی کی سرحدوں کے دفاع کے پیش نظر اور روسی حملے کے خطرے کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ہم پر ایک بھاری بوجھ ثابت ہوگا۔ اس لئے ہندوستان کو دولت مشترکہ میں شامل کرنا دانشمندی نہیں ہوگا۔ اس نے تجارتی مفادات کے بارے میں کہا کہ سٹرلنگ کے توازن ہائے ادائیگی کی بدولت ہندوستان، آنے والے کئی برسوں تک ہمارے ساتھ نتھی رہنے پر مجبور ہوگا۔ اس لئے ہندوستان کی دولت مشترکہ میں شمولیت کی زیادہ حوصلہ افزائی کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔[77] گویا ہندوستان کو برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رکھنے کی صورت میں بھی وہ کوئی خاص معاشی یا فوجی ذمہ داری اٹھانے پر تیار نہیں تھے۔

عالمی سامراج کے زوال پذیر رکن کی حیثیت سے برطانیہ کی دلچسپی اب فقط یہ تھی کہ وہ برصغیر کو ''محفوظ ہاتھوں'' میں منتقل کر کے یہاں سے بستر گول کر جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ یہاں ایک ایسی متحدہ اور مضبوط اتھارٹی کو اقتدار منتقل کیا جائے کہ جو خود برصغیر کا معاشی اور فوجی بوجھ اٹھانے کی براہ راست ذمہ دار ہو اور شمال کے خطرات سے عہدہ برا ہو سکے۔ گویا مقامی اتھارٹی اپنے سر پوری ذمہ داری لے کر وہ کام انجام دیتی رہے جو برطانیہ بذات خود یہاں رہتے ہوئے انجام دینا چاہتا تھا۔ اسی لئے انگریز اس اتھارٹی کا بٹوارہ کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور ماؤنٹ بیٹن کی اولین ترجیح یہ تھی کہ ان کا وضع کردہ مضبوط مرکز ہوبہو اسی طرح کام کرتا رہے جیسا کہ ان کے زمانے میں کر رہا تھا۔ یہ برصغیر میں جدید نوآبادیاتی نظام کا آغاز تھا اور برطانیہ کی کوشش یہ تھی کہ یہ اسی بنیاد پر استوار رہے جس پر نوآبادیاتی نظام گزشتہ ایک صدی سے زائد عرصے تک قائم رہا تھا۔

امریکی سامراج بھی ہندوستان کو متحد رکھنا چاہتا تھا

عالمی سامراجی تقاضوں کے تحت نہ صرف زوال پذیر برطانوی سامراج بلکہ ابھرتا ہوا امریکی سامراج بھی ہندوستان کو متحد اور یکجا رکھنا چاہتا تھا۔ امریکی صدر ٹرومین نے اپریل 47ء کے اوائل میں ہنری گریڈی کو ہندوستان میں پہلا امریکی سفیر مقرر کیا۔ گریڈی نے ہندوستان کے لئے روانہ ہونے سے قبل 11راپریل کو واشنگٹن میں ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ ''ہندوستان کا مستقبل اس کے قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ جھگڑے کے خاتمے میں مضمر ہے۔

اس نے کہا ''ہندوستان کا ایک عظیم مستقبل ہے۔ لیکن اس مستقبل کی کلید کو یہاں پر تنازعے کا خاتمہ اور عوام میں باہمی تعاون ہے۔'' اس نے کہا کہ ہندوستان کی قوت، اس کی ترقی کی بنیاد اور عظیم مستقبل کا حصول اس کے قومی اتحاد میں مضمر ہے۔'' اس نے ہندوستان میں پوشیدہ بے بہا وسائل کا ذکر بھی کیا اور ان کو ترقی دے کر پیداوار بڑھانے پر زور دیا۔ اس نے کہا ''سیاسی مشکلات وہیں جنم لیتی ہیں کہ جہاں پیداوار میں کمی ہو۔''[78]

امریکی سفیر کو ہندوستان کا عظیم مستقبل، ہندوستان کے اتحاد میں نظر آتا تھا جس کے لئے فرقہ وارانہ جھگڑے کا خاتمہ ضروری تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ محض پیداوار میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ وسائل کی ترقی اور پیداوار میں اضافے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور اس ''ترقی'' اور ''پیداوار میں اضافے'' کے لئے جدید نوآبادیاتی سامراج کا علمبردار امریکی اپنا ''دست تعاون'' دراز کرنے کی پیشکش بھی کر رہا تھا۔ لیکن اس کی عقل یہ ماننے سے عاری تھی کہ سیاسی مسئلہ محض وسائل اور پیداوار میں کمی ہی نہیں بلکہ وسائل اور پیداوار کی غیر مساویانہ تقسیم کی وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہ غیر مساویانہ تقسیم مختلف طبقوں کے مابین بھی ہوسکتی ہے اور مختلف فرقوں اور قوموں کے درمیان بھی ہوسکتی ہے۔ اس وقت برصغیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین بحیثیت فرقہ، معاشی و معاشرتی عدم مساوات پائی جاتی تھی جس نے سیاسی کشمکش کو جنم دیا تھا اور اب یہ تضاد کم و بیش ناحل پذیر ہو چکا تھا۔ چنانچہ امریکی سفیر کی جانب سے ہندوستان کے اتحاد کو مستقبل کی کلید قرار دینے پر مسلم لیگ کے ترجمان اخبار ڈان نے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔''[79] یہی مسلم لیگ جو اس زمانے میں برصغیر کے مسلم عوام الناس کے سامراج دشمن جذبات کی آئینہ دار بن گئی تھی، پاکستان بننے کے بعد جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں سامراج کی گماشتہ بن گئی۔

باب: 11

صوبائی خود ارادیت کی بنیاد پر
تقسیم ہند کا ابتدائی منصوبہ

تقسیم کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کا تلخی آمیز رویہ

16-15 راپریل کو منعقدہ گورنروں کی کانفرنس کے بعد ماؤنٹ بیٹن جہاں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ برصغیر کے حالات کی سنگینی کے پیش نظر جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے بوریا بستر گول کیا جائے، وہاں اپنے تمام تر ناگوار احساس کے باوجود یہ تسلیم کرنے پر بھی مجبور ہوا تھا کہ برصغیر کا فرقہ وارانہ مسئلہ تقسیم کی کسی صورت کے بغیر حل نہ ہو سکے گا۔ تاہم اس کا خیال تھا کہ اس کڑوی گولی کے نگلنے سے پہلے اگر ہندوستانی رہنماؤں بالخصوص جناح کو اس کی کڑواہٹ کا احساس دلا یا جائے تو شاید اس طرح اتحاد کی کوئی صورت نکل آئے۔

19 راپریل کو اپنی سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا ''کیا جناح اور لیاقت کو پاکستان بنانے کے نتیجے میں رونما ہونے والی ہولناک تباہیوں کا بھرپور خاکہ پیش نہیں کیا جاسکتا؟ دراصل اس کے سٹاف کے بعض ارکان نے بتایا تھا کہ ''اس وقت لیگ کمزور پوزیشن میں ہے اور اگر کوئی متبادل حل تجویز کیا جائے تو جناح دباؤ کا اثر قبول کرنے پر تیار معلوم ہوتا ہے۔''[1]

اسی روز ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت کے ساتھ ملاقات کی جس کے دوران ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم اور پاکستان کے بارے میں انتہائی تلخی آمیز رویے کا اظہار کیا۔ اس ملاقات کا ریکارڈ

قلمبند کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے ''میں نے پاکستان سے بات شروع کی جس میں پنجاب، بنگال اور آسام کی مکمل تقسیم شامل تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ اس وقت ہندوستانی رہنما اور ان کے عوام اس قسم کی ہسٹریائی کیفیت سے دوچار ہیں کہ اگر میں اس طریقے (یعنی تقسیم) سے ان کی خودکشی کا بندوبست کردوں تو وہ اسے بہ خوشی قبول کرلیں گے۔'' لیاقت نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے جواب دیا ''مجھے ڈر ہے کہ ہر شخص اس قسم کے منصوبے کو قبول کرلے گا۔ ہم سب اسی قسم کی کیفیت میں ہیں۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''اگر میں ہندوستان کا دشمن ہوتا یا اس کی تقدیر سے بے پروا ہوتا تو ہندوستانی لیڈروں کی موجودہ غیر معمولی ذہنی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر اس سے بدترین سلوک یہ کرسکتا ہوں کہ جون 1948ء میں یہاں سے روانگی سے پہلے اسے مکمل طور پر تقسیم کردوں اور اس طرح اسے انتشار و بدامنی کی حالت میں چھوڑ جاؤں۔'' اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے وزارتی مشن منصوبہ کا نام بدل کر ''ماؤنٹ بیٹن منصوبہ'' رکھنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ یہ ہیئت اور اصلیت میں وزارتی مشن منصوبہ ہی ہوگا۔ صوبوں کی گروپ بندی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی بری فوج کو بھی دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکے گا، جن کے علیحدہ ہیڈکوارٹر ہوں گے تاہم مجموعی ڈیفنس ہیڈکوارٹر ایک ہی ہو گا۔ مختلف گروپ اپنی آبادی کے تناسب اور اپنی بری افواج کی تعداد کی نسبت سے مرکز کے لئے سنٹرل ڈیفنس فنڈ مہیا کریں گے۔ ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''یہ سن کر لیاقت اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ یہ بہت اچھا منصوبہ ہوگا۔'' آگے چل کر ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''میں نے لیاقت کو بتایا کہ ہم تمہارے لیڈر کی باتوں کو کس قدر ناقابل عمل سمجھتے ہیں اور یہ کہ جناح کو پوری طرح اپنی بات سمجھانے میں ہم کس طرح ناکام رہے ہیں۔'' وہ لکھتا ہے کہ جواب میں لیاقت نے مجھے یہ کہہ کر حیران کردیا کہ ''اگر آپ کے عملے کے ارکان بالکل صحیح حساب لگائیں کہ تقسیم کا مطلب کیا ہوگا اور پھر اگر آپ یہ تمام مشکلات جناح کے سامنے پیش کریں تو وہ بلاشبہ انہیں سمجھ جائیں گے کہ خود انہوں نے بھی ان کا کوئی حساب نہیں لگایا ہے۔'' اور اس ملاقات کے ریکارڈ کے آخر میں ماؤنٹ بیٹن نے لکھا کہ ''میرا تاثر یہ ہے کہ لیاقت علی خاں اس ''پاگل پاکستان'' سے زیادہ معقول حل کی تلاش میں میری امداد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔''[2] چنانچہ ماؤنٹ بیٹن پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم سے پھوٹنے والے ہولناک نتائج کا ہوا دکھا کر مسلم لیگ کی

اعتدال پسند قیادت کو ''پاگل پاکستان'' کے بجائے متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی ''معقول حل'' کی جانب مائل دیکھ رہا تھا۔ پاکستان کے لئے انتہائی اہم نوعیت کے صوبوں کی تقسیم کا سوال اٹھا کر ماؤنٹ بیٹن اور کانگرس نے مسلم لیگ کو خاصی کمزور پوزیشن میں دھکیل دیا تھا اور یہاں تک سمجھا جا رہا تھا کہ ان حالات میں جناح بھی دباؤ کے سامنے جھک جائیں گے۔ لیاقت کے ساتھ متذکرہ ملاقات ماؤنٹ بیٹن اور اس کے عملے کے سینئر ارکان کے لئے خاصی حوصلہ افزا تھی۔ اس میں جناح۔لیاقت عناد کا بھی واضح اشارہ ملتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن اس سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ تاریخ کے سنجیدہ طالب علموں کو بخوبی معلوم ہے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد جناح لیاقت تضاد گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔

منصوبے کے ابتدائی خدوخال

ماؤنٹ بیٹن نے انتقال اقتدار کے سلسلے میں ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ مجوزہ کانفرنس میں برطانوی حکومت کی جانب سے جس منصوبے کی حتمی طور پر پیشکش کرنا تھی، ماؤنٹ بیٹن اور اس کے سینئر ارکان نے 20/اپریل کو اس کے مسودے کے ابتدائی خدوخال اس طرح ترتیب دیئے۔

(ا) اگر بعض صوبے موجودہ آئین ساز اسمبلی میں شامل نہ ہونا چاہئیں تو وہ اپنے لئے الگ الگ آئین ساز اسمبلیاں وضع کر سکتے ہیں یا وہ باہم مل کر گروپ کی صورت میں آئین ساز اسمبلی تشکیل دے سکتے ہیں۔

(ب) جیسا کہ وزارتی مشن بھی واضح کر چکا ہے، ہر وہ دلیل جو پاکستان کے حق میں استعمال کی جاسکتی ہے، وہی دلیل غیر مسلم علاقوں کو پاکستان سے علیحدہ رکھنے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ صوبائی سرحدوں میں ردوبدل ناگزیر طور پر ضروری ہوگا۔

(ج) صوبہ بنگال کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ مسلم اکثریت کے اضلاع پر اور دوسرا صوبے کے باقی ماندہ علاقے پر مشتمل ہوگا۔

(د) صوبہ آسام کے ضلع سلہٹ کو بنگال کے نوساختہ مسلم صوبے کے ساتھ شامل ہونے کا

اختیار دیا جائے گا۔

(ہ) پنجاب کو بھی اسی اصول کے تحت تقسیم کر دیا جائے گا جس پر بنگال کی تقسیم ہو گی۔

(و) ہر صورتحال کے لئے 1941ء کی مردم شماری کو مقتدر سمجھا جائے گا۔

(ز) اگر ضروری ہوا تو ایک یا زیادہ صوبوں کے لئے باؤنڈری کمیشن قائم کیا جائے گا۔ اس کے دو ارکان مسلم اور دو غیر مسلم ہوں گے جن کا انتخاب متعلقہ صوبے کی اسمبلی کرے گی۔ اس کا چیئرمین ایک غیر جانبدار شخص کو مقرر کیا جائے گا۔

(ح) صوبہ سرحد میں جلد از جلد عام انتخابات کرائے جائیں گے۔ اس صوبے میں حق نمائندگی کا از سر نو اور واضح تعین بہت ضروری ہو گیا ہے۔ بلوچستان کے متعلق کہا گیا کہ اس کی آئین ساز اسمبلی شاہی جرگہ کے ارکان اور کوئٹہ میونسپلٹی کے غیر سرکاری ارکان پر مشتمل ہو گی جو (ا) میں بیان کردہ اختیار کو استعمال کرتے ہوئے بلوچستان کے مستقبل کا فیصلہ کرے گی۔

یہ بھی کہا گیا کہ کوشش جاری رکھی جائے گی کہ معاہدہ یا آئینی مشن کے ذریعے کسی قسم کی ایک مرکزی اتھارٹی کو برقرار رکھا جائے جس کے پاس کم سے کم محکمے ہوں اور یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر 1948ء تک بھی کسی قسم کی کوئی مرکزی اتھارٹی قائم نہ ہوئی تو سیکشنوں یا صوبوں کی آئین ساز اسمبلیوں کی قائم کردہ انتظامیہ کو اقتدار سونپ دیا جائے گا۔[3]

اس منصوبے میں پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم پر مبنی کٹے پھٹے پاکستان کے وجود میں آنے کے لئے گنجائش پیدا کر دی گئی تھی لیکن ماؤنٹ بیٹن اور اس کے ساتھی حقیقتاً اس کے بارے میں کیا سوچتے تھے اس کا اظہار انہوں نے 21/اپریل کو سٹاف میٹنگ میں کیا جس میں مجوزہ منصوبہ زیر غور تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''اس وقت ہندوستانی رہنماؤں کے پاس اس بارے میں کوئی تصور موجود نہیں ہے کہ تقسیم ہند جو ایک کٹے پھٹے پاکستان کو جنم دے گی، اس کے نتیجے میں کیا کچھ ہونے والا ہے۔ اگر ان کو صرف ایک سال دے دیا جائے جس میں وہ اس کا علم اور تجربہ حاصل کریں تو ان کا نظریہ بالکل بدل جائے گا۔'' چنانچہ اس کی رائے تھی کہ ''اس منصوبے کے اعلان میں گریز کی ایک شق شامل کر دینی چاہیے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت وہ جو بھی فیصلہ کریں اس کی توثیق ایک سال کے بعد ہونی چاہیے۔'' وائسرائے

کے چیف آف سٹاف لارڈ اسمے نے یہ شق شامل کرنے کی مخالفت کی اور کہا کہ اس شق کی موجودگی سے اس اعلان کی حتمی نوعیت اثر انداز ہوگی۔ اس کی رائے تھی کہ اس شق کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ ہندوستانی رہنماؤں کو جس قسم کی پریشان کن پیچیدگی کا سامنا ہے، جب اس منصوبے پر عمل ہوگا تو خود ہی انہیں عقل آ جائے گی اور وہ اپنا فیصلہ بدل دیں گے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ مجوزہ منصوبہ کے اعلان میں دنیا پر یہ ضرور آشکارا ہونا چاہیے کہ ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ انگریز نہیں کر رہے ہیں، بلکہ خود ہندوستانی جس انداز میں چاہتے ہیں اپنے مستقبل کے فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس طرح عالمی رائے عامہ ہندوستانی رہنماؤں پر اثر انداز ہوگی اور یہ کہ ''نہرو اور جناح دونوں عالمی رائے عامہ کا بہت زیادہ اثر قبول کرتے ہیں۔''

وائسرائے کے معاون جارج ایبل نے بتایا کہ دو روز قبل ایک اخباری نمائندے نے جناح کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد مجھے بتایا ہے کہ اس وقت جناح ذہنی طور پر بہت پریشان ہیں۔ ممکن ہے جناح بیمار ہوں لیکن زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ واقعات کے زیر اثر حیران و پریشان ہو گئے ہوں۔ وائسرائے کے ڈپٹی پرائیویٹ سیکرٹری آئیان سکاٹ نے بھی اس تاثر کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ جناح آنے والے واقعات کا جو نقشہ دیکھ رہے ہیں اس پر وہ بہت زیادہ مضطرب معلوم ہوتے ہیں۔ سکاٹ کی رائے تھی کہ ''ان کی حالت کو اسی ڈگر پر چلنے دیا جائے، ایک نفسیاتی لمحہ آئے گا جب اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔''[4] گویا پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم کا سوال اٹھا کر جناح کے اعصاب پر حملہ کیا گیا تھا اور ہر انداز سے یہ توقع کی جا رہی تھی ایک لمحہ آئے گا جب جناح پاکستان کو ناقابل عمل تسلیم کر کے مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہو جائیں گے اور متحدہ ہند کے کسی فارمولے پر متفق ہو جائیں گے۔ یہ توقع بھی کی گئی تھی کہ اگر پاکستان بن گیا تو بھی صرف ایک سال کے تجربے کے بعد وہ ناکام ہو جائے گا۔

مجوزہ منصوبہ پر بعض چیدہ رہنماؤں کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن کا صلاح مشورہ

ماؤنٹ بیٹن اور اس کے عملے کے سینئر ارکان نے فیصلہ کیا کہ فریق پارٹیوں کے بعض چیدہ رہنماؤں کو اعتماد میں لے کر مجوزہ منصوبے کے خدوخال پر صلاح مشورہ کیا جائے۔ اور پھر اسے حتمی شکل دے کر منظوری کے لئے برطانوی کابینہ کو بھیج دیا جائے اور مئی کے وسط میں

ہندوستانی رہنماؤں کی کانفرنس بلا کر اس میں یہ منصوبہ حتمی حل کے طور پر پیش کر دیا جائے۔ البتہ کانفرنس کے آغاز میں ایک کوشش وزارتی مشن منصوبہ کی منظوری کے لئے بھی کی جائے کہ جس کی اب کوئی امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔

21/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت علی خاں کو اپنی دوسری سٹاف میٹنگ میں شریک کیا اور اسے مجوزہ منصوبے کے اہم نکات سے آگاہ کیا۔ لیاقت نے اس منصوبے کے ساتھ عمومی طور پر اتفاق کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سے پوچھا کہ وزارتی مشن منصوبے کے علاوہ کوئی ایسا متبادل منصوبہ اس کے ذہن میں آتا ہے کہ جس کے نتیجے میں پورا پاکستان نہ بننے پائے اور وہ شدید نقصانات نہ ہوسکیں جو قطعی تقسیم کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوں گے؟۔ لیاقت نے جواب میں کہا کہ نہیں میرے ذہن میں ایسی کوئی صورت نہیں آئی۔ مجھے مسلمانوں کا مقدر متحدہ ہندوستان میں اس سے بھی بدتر نظر آتا ہے جتنا کہ کٹے پھٹے پاکستان میں ہوگا۔ ایک یہی حل ممکن ہے کہ دو آزاد خود مختار ملک تشکیل دیئے جائیں اور دونوں ملکوں کی آئین ساز اسمبلیاں ایک ایسا ادارہ وضع کریں جسے دفاع سے متعلقہ مشترکہ مفاد کے حامل امور سونپ دیئے جائیں۔"[5]

22/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے سٹاف میٹنگ میں ایک مشترکہ ڈیفنس کونسل کے قیام کی تجویز پیش کی۔ ڈومینن کی حیثیت سے دونوں ملکوں کی تشکیل کی صورت میں گورنر جنرل کو اس سہ رکنی ڈیفنس کونسل کا سربراہ تجویز کیا گیا تھا۔ باقی دو ارکان میں سے ایک ہندوؤں کا نمائندہ اور دوسرا پاکستان کا نمائندہ تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ وزارتی مشن منصوبہ کو ایک نئے نام اور نئی صورت میں دوبارہ زندہ کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے غلبے کے امکان کا خوف لاحق ہے۔ اگر ان کو علیحدہ ملک بنانے کی اجازت دے دی جائے تو وہ بنیادی آزادی کے حصول کے بعد ایک مشترکہ مرکز کے قیام کے لئے مذاکرات پر آمادہ ہوسکتے ہیں۔ وہ ایک کمزور مرکز کے ساتھ منسلک مکمل پاکستان کو بظاہر ترک کرنے پر تیار ہیں جو انہیں وزارتی مشن منصوبہ کے سیکشن ب اور ج کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کی بجائے وہ ایک کٹا پھٹا پاکستان حاصل کرنا چاہتے ہیں جو مکمل بنیادی آزادی کا حامل ہوگا۔"[6]

22/اپریل کو وائسرائے کی سٹاف میٹنگ دوبارہ منعقد ہوئی جس میں نہرو کو شریک کیا گیا اور اسے مجوزہ منصوبے کے اہم پہلوؤں سے آگاہ کیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے بتایا کہ

''وزارتی مشن منصوبہ کا متبادل منصوبہ تقسیم ہند کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔تاہم اس نے واضح کیا کہ ''ملک کو تقسیم کرنے کا فیصلہ انگریز خود نہیں کریں گے۔ بہتر ہوگا کہ صوبے خود اپنے بارے میں فیصلہ کریں۔'' وائسرائے کے معاون جارج ایبل نے صوبوں کی خواہش کے اظہار کے مجوزہ طریق کار کی تفصیل سے آگاہ کیا۔نہرو نے عمومی طور پر اس طریق کار کے ساتھ اتفاق کیا، اس نے کہا کہ پنجاب اور بنگال کے رائے دہندگان سے پوچھے جانے والے سوالات باہم مربوط ہیں لہٰذا ان کے لئے محتاط الفاظ کا استعمال کیا جائے۔ مثلاً اس نے کہا کہ اول یہ پوچھا جائے کہ آیا یہ صوبے تقسیم ہونا چاہئیں یا نہیں اور دوئم یہ پوچھا جائے کہ آیا یہ صوبے کلی یا جزوی طور پر آزاد رہنا چاہتے ہیں، ہندوستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں؟۔ اس نے بنگال کو متحد اور آزاد یونٹ بنائے جانے کی مخالفت کی اور کہا کہ اس سے وہاں کے ہندوؤں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھے گا۔ ''اس کا خیال تھا کہ کہنے کو تو یہ آزاد ہوگا لیکن بعدازاں اسے پاکستان کے ساتھ وابستہ کرنے کا کوئی راستہ نکال لیا جائے گا۔'' سرحد کے بارے میں اس نے اس تجویز سے اتفاق کیا کہ انتقال اقتدار سے پہلے وہاں انتخابات کا انعقاد ضروری ہے۔ تاہم ان کے جلد انعقاد پر اسے اعتراض تھا۔ اس نے دونوں آزاد و خود مختار ملکوں کے لئے شعبہ امور خارجہ کا مشترکہ ادارہ رکھنے کی تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ دفاع کا مکمل طور پر امور خارجہ سے تعلق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اس کی رائے تھی کہ اس طرح مشکلات پیدا ہوں گی۔ ''سفارتی عہدوں پر پاکستان کی جانب سے مقرر کردہ افراد مسلم لیگی ذہنیت کے حامل ہوں گے۔ جب کہ ہندوستان کی طرف سے ایسے افراد تعینات کئے جائیں گے جو وسیع بنیاد اور غیر سیاسی حیثیت کے حامل ہوں گے۔'' اس نے دونوں ملکوں کا مشترکہ مرکز رکھنے کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ ''پاکستانی صوبے جب چاہیں گے علیحدہ ہونے کے اختیار کو بروئے کار لا سکیں گے۔ یہ ایک ایسی دھمکی ہوگی جس کا کانگرس مستقل اکثریت کی حامل ہونے کے باوجود مقابلہ نہیں کر سکے گی۔''[7] یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ 21 اپریل کو لیاقت نے دونوں ملکوں کے لئے دفاع سے متعلقہ مشترکہ مفاد کے حامل امور کے لئے مشترکہ ادارہ کے قیام کی تجویز سے اتفاق کیا تھا لیکن نہرو کسی بھی حوالے سے دونوں ملکوں کے مشترکہ مرکز یا مشترکہ ادارے کے قیام کا مخالف تھا۔ وہ پاکستانی صوبوں کو قطعی طور پر علیحدہ کر دینا چاہتا تھا۔ غالباً اس ارادے

کے ساتھ کہ یہ کٹا پھٹا ملک مکمل علیحدگی کی صورت میں جلد ہی نا قابل عمل ہو کر مضبوط ہندوستانی مرکز کے سامنے مغلوب ہوجائے گا۔ تاہم اس نے اس ملاقات میں مجوزہ منصوبہ میں صوبوں کو یہ اختیار دیئے جانے پر کہ وہ کلی یا جزوی طور پر آزاد رہنے اور ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ شامل ہوجانے کے تین راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں خود مختار ہوں گے، کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ لیکن آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ جب یہ منصوبہ لندن سے منظور ہو کر آ گیا تو نہرو نے صوبوں کو آزاد رہنے کا اختیار دیئے جانے پر کانگرس کی جانب سے سخت اعتراض اٹھایا اور کہا کہ یہ وہ منصوبہ نہیں ہے جو اسے دکھایا گیا تھا۔ اس کا مؤقف تھا کہ صوبوں کو فقط ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہوجانے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے۔

23/اپریل کو وائسرائے کی سٹاف میٹنگ میں جناح کو شریک کیا گیا اور مجوزہ منصوبے کے اہم نکات سے آگاہ کیا گیا۔ جناح نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑی خطرناک تجویز ہے، اس سے ناگزیر طور پر گڑبڑ پیدا ہوگی۔ یہ دانشمندی اور دور اندیشی پر نہیں بلکہ تلخی اور بدباطنی پر مبنی ہوگی۔ اس سے خوفناک قوتوں کو چھوٹ مل جائے گی۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں کہا کہ صوبوں کی تقسیم کے خلاف آپ کے ان تمام دلائل کا ہو بہو اطلاق برصغیر کی تقسیم کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ جواب تھا جو ماؤنٹ بیٹن ہر بار صوبوں کی تقسیم پر جناح کے اعتراض کے جواب میں دے کر مسلسل یہ کوشش کر رہا تھا کہ جناح مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہوجائیں۔ مجوزہ منصوبے کے دوسرے پہلوؤں پر بحث کے دوران جناح نے مسلح افواج کی تقسیم کا سوال اٹھایا اور خواہش ظاہر کی کہ یہ جون 1948ء سے پہلے عمل میں آجانی چاہیے۔ تاہم اگر اس وقت تک عملاً ایسا ممکن نہ ہو تو اس کے لئے اصول وضع کر دیئے جائیں تاکہ انگریزوں کے جانے کے بعد افواج کی تقسیم کا عمل جاری رہ سکے۔ جناح نے کہا کہ فوج میں مسلمان افسروں کو پریشان کیا جارہا ہے اور ان کے لئے متحدہ فوج میں رہنا دوبھر ہوتا جارہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کانگرس فوجی بغاوت کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کے معاون لارڈ اسمے نے کہا کہ یہ فوجی بغاوت کامیاب نہ ہو سکے گی البتہ اس کے نتیجے میں خانہ جنگی کا طویل سلسلہ ضرور شروع ہوجائے گا۔ ایسا کرنا عالیشان فوج کو تباہ کر کے دو ناکارہ فوجیں وضع کرنے کے مترادف ہوگا۔ جناح نے کہا "میرے خیال

میں پاکستان اور ہندوستان بالآخر اکٹھے ہو سکتے ہیں...... اور مجھے امید اور یقین ہے کہ وہ اکٹھے ہوں گے۔ وہ کسی طاقتور حملہ کا تنہا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، اگر ضرورت محسوس کی گئی اور میرا خیال ہے کہ ضرورت محسوس کی جائے گی......تو میں دوسروں سے مدد کا طلب گار ہوں گا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے وضاحت کی کہ کس طریقے سے برصغیر میں ''مشترکہ چیفس آف سٹاف'' قسم کا ادارہ کام کر سکتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے تحفظات کا اہتمام کس طور سے کیا جا سکتا ہے۔''[8] گویا جناح یہ چاہتے تھے کہ آزاد اور خود مختار ہندوستان اور پاکستان کی علیحدہ مسلح افواج ایک مرتبہ تشکیل پا جائیں کیونکہ فوج کے اندر فرقہ وارانہ تضاد شدت سے زور پکڑ رہا تھا اور خانہ جنگی کا اندیشہ تھا۔ بعد ازاں ان کا خیال تھا کہ دونوں ممالک برصغیر پر کسی بیرونی طاقت کی یلغار کے مقابلے کے لئے مشترکہ دفاع کا نظام وضع کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جب کہ انگریز متحدہ ہندوستان کے دفاعی نظام کو جوں کا توں رکھنا چاہتے تھے اور مسلح افواج کی تقسیم کی پیچیدگیوں اور عملی مشکلات کو بنیاد بنا کر برصغیر کی تقسیم کو ناممکن العمل قرار دینا چاہتے تھے۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو برصغیر کی تقسیم کے ساتھ لازم وملزوم قرار دینے کا مقصد بھی یہی تھا کہ پاکستان کو ناممکن العمل ثابت کیا جائے۔

ماؤنٹ بیٹن ہفتہ وار تفصیلی رپورٹ لندن ارسال کیا کرتا تھا جو شاہ برطانیہ جارج ششم، وزیر اعظم ایٹلی اور وزیر ہند ارل آف لسٹوول کے علاوہ کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے ارکان کے مطالعے کے لئے ہوتی تھی۔ اس سلسلے کی چوتھی رپورٹ اس نے 24 اپریل کو ارسال کی جس میں اس نے لکھا ''میں نے جناح اور دوسرے لیگی رہنماؤں پر واضح کر دیا ہے کہ پاکستان کے قیام کے باوجود بھی ایک مرکز یا سپریم ڈیفنس کونسل ضرور موجود رہنی چاہیے۔ اس مرکز کے پاس بھی وہی شعبے ہوں گے جو کہ وزارتی مشن منصوبہ کے مجوزہ مرکز کے ماتحت رکھے گئے تھے۔ یعنی کہ بحیثیت مجموعی دفاع کے تمام امور۔ چنانچہ اب ایک مضحکہ خیز صورتحال پیدا ہو جائے گی کہ جناح کو پاکستان پر اصرار کرنے کی وجہ سے پاکستان کا ایک بالکل کٹا پھٹا ایڈیشن حاصل ہوگا اور انہیں کسی نہ کسی شکل میں مرکز کو بھی برقرار رکھنا پڑے گا جب کہ اس کے بجائے وہ کم وبیش اسی قسم کے مرکز کے تحت گروپ ب اور ج میں رہتے ہوئے مکمل خود مختاری قبول کر سکتے تھے۔ بلاشبہ اصل فرق یہ ہے کہ اول الذکر صورت میں مرکز میں پیریٹی (برابری) ہوگی اور لیگ کو

کانگرس کی اکثریت کے ہاتھوں شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ تاہم اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لیگ کے نزدیک پیریٹی کس قدر زیادہ اہمیت کے حامل ہے کہ وہ اس کے حصول کی خاطر پاکستان کے نادر علاقوں کو بھی قربان کرنے پر آمادہ ہے۔'' اس سے آگے اس نے لکھا کہ ''میرے پاس یہی ایک بات ہے جسے میں سودے بازی کے حربے کے طور پر استعمال کر سکتا ہوں۔ عین ممکن ہے کہ جب لیگ والوں کو اپنی بھرپور حماقت کا احساس ہو جائے کہ وہ کیا کرنے لگے ہیں تو پھر وہ وزارتی مشن سکیم کی مصالحتی صورت کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ محض ایک معصوم خواہش ہے۔ مجھے اپنی کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے۔''[9] چنانچہ برطانوی سامراج ابھی تک اس ''معصوم خواہش'' کو سینے سے لگائے ہوئے تھا کہ برصغیر کو کسی نہ کسی صورت میں متحد رکھا جائے۔ جناح کے ساتھ 23/اپریل کی ملاقات سے ماؤنٹ بیٹن نے یہ اندازہ بھی لگایا تھا کہ کٹا پھٹا پاکستان بن جانے کی صورت میں بھی کم از کم دفاع کی خاطر وہ ہندوستان کے ساتھ ایک مشترکہ مرکز برقرار رکھنے پر آمادہ ہیں۔ وہ ان کی اس کمزوری کو سودے بازی کے حربے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے انہیں اس ''حماقت'' کا احساس دلانا چاہتا تھا کہ جب ایک مرکز کے تحت رہنا بہرصورت ناگزیر ہے تو پھر کٹے پھٹے پاکستان کے بجائے غیر منقسم پنجاب، بنگال اور آسام پر مبنی وزارتی مشن منصوبہ کے گروپ ب اور ج کو کیوں نہ منظور کر لیا جائے۔ لیکن اسے ساتھ ہی یہ بھی اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ مرکز میں مسلمانوں کا ہندو اکثریت کے غلبے سے بچنے کے لئے برابری کے درجہ (پیریٹی) کا حصول ان کے لئے زندگی و موت کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ صرف آزاد و خودمختار پاکستان کی حیثیت میں ہی ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کی خاطر ایک مرکز میں برابری کی سطح پر مل بیٹھ سکتے ہیں خواہ یہ پاکستان کٹا پھٹا ہی کیوں نہ ہو۔

25/اپریل کو بعد دوپہر وائسرائے کی سٹاف میٹنگ میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کو شریک کیا گیا اور اس کے ساتھ مجوزہ منصوبے کے پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ پٹیل نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وائسرائے نے جناح کو یہ پیش کش کی ہے کہ اگر وہ وزارتی مشن منصوبہ کو قبول کر لے تو عبوری حکومت میں اس کی پیریٹی کو مزید بڑھا دیا جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ اس نے جناح کو ایسی کوئی پیش کش نہیں کی ہے۔ تاہم اس نے یہ تجویز کیا کہ کابینہ میں

تمام اہم مسائل کا فیصلہ دونوں پارٹیوں کی الگ الگ کثرت رائے کے ساتھ کیا جائے تو تصفیے کا امکان ہوسکتا ہے۔ پٹیل نے کہا کہ ''اس طریق کار پر عملدرآمد ممکن نہیں ہے کیونکہ آج کل اگر ہندو ارکان دیانت داری سے بھی کوئی اقدام تجویز کرتے ہیں تو مسلمان ارکان اسے اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔'' پٹیل نے مزید کہا کہ '' کانگرس موجودہ مرکزی حکومت میں مسلمانوں کے لئے پیریٹی میں مزید اضافے کی کسی تجویز کو قبول نہیں کرے گی۔ اگر مسلم لیگ وزارتی مشن منصوبہ کو منظور نہیں کرتی تو پھر کانگرس کی خواہش ہے کہ ملک کو تقسیم کر دیا جائے۔ کانگرس جس حد تک رعایتیں دے سکتی تھی اب اس کی انتہا ہو چکی ہے۔'' اسی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور مقام پر ماؤنٹ بیٹن نے لکھا ہے کہ پٹیل نے کہا ''اگر آپ پیریٹی کا سوال اٹھائیں گے تو پھر آپ کانگرس سے دائمی دشمنی مول لے لیں گے۔ یہ وہ چیز ہے جس کے خلاف ہم لڑائی کر رہے ہیں اور اسے کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔''[10]

مخلوط عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے ارکان کے ساتھ کام کرنے کے دوران ہندو بورژوا کے جس نمائندے کو ہندو مسلم تضاد کا شدت سے احساس ہوا وہ سردار پٹیل تھا۔ وہ اب ہر قیمت پر مسلمانوں کو علیحدہ کر دینا چاہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کو شریک اقتدار رکھ کر ہندوستان میں مضبوط مرکز قائم نہیں کیا جاسکتا۔ درحقیقت ہندو بورژوا ہندوستان میں اس وقت انگریزوں کی مرکزی حکومت سے بھی زیادہ مضبوط مرکزی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ برصغیر میں آباد بے شمار مذہبی، لسانی اور علاقائی قومیتوں کو بزورقوت زیرنگیں رکھ سکے اور ان سینکڑوں ریاستوں اور رجواڑوں پر بھی قبضہ کر سکے جہاں راجوں، مہاراجوں اور نوابوں نے تاج برطانیہ کی اطاعت قبول کر کے اپنی جاگیردارانہ حاکمیت برقرار رکھی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ایک مرتبہ اس مضبوط مرکز کے تحت ایک مضبوط ہندوستان قائم ہو گیا تو پھر وہ کٹے پھٹے اور ناقابل عمل پاکستان سے بھی نبٹ لے گا۔ مسلمانوں کو مرکز میں شریک اقتدار رکھنے سے روز کی بک بک ہوتی تھی۔ ہندو مسلم تضاد بہت شدید ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں ہندو بورژوا کا پورے ایشیا کی طاقت بننے کا خواب پورے برطانوی ہند کو ایک ڈھیلے ڈھالے مرکز کے ماتحت رکھنے کے بجائے کٹا پھٹا پاکستان الگ کر کے بقیہ ہندوستان کو مضبوط مرکز کے ماتحت رکھنے کے ذریعے زیادہ بہتر طور پر پورا ہوتا نظر آتا تھا۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا تو وہ پہلے ہی خود کو اس مضبوط مرکز میں غیر محفوظ سمجھتے تھے اور اب پاکستان سے کم کچھ بھی قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ یکم مئی کو وائسرائے سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے جناح اور پٹیل کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ جناح پر مرکز میں ہندوؤں کے مستقل غلبے کا خوف طاری ہے، اسے دور کرنے کے لئے پٹیل سے پوچھا تو اس نے مرکزی حکومت میں پیریٹی دینے کے معاملے پر غور کرنے سے ہمیشہ کے لئے انکار کر دیا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''اگرچہ مجھے جناح سے بڑھ کر مشکل ترین اور غیر معقول شخص کے ساتھ کبھی واسطہ نہیں پڑا لیکن میں اور میرے سٹاف کے سینئر ارکان یہ محسوس کرتے ہیں کہ جناح کے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔[11] چنانچہ انگریز بھی بہت حد تک اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ وزارتی مشن منصوبہ اور اس میں مجوزہ ایک مرکزی حکومت اب ناقابل عمل صورت اختیار کر گئی ہے۔ ایک مرتبہ کے لئے تقسیم ناگزیر ہو چکی ہے۔ اب ان کی کوشش برصغیر کے مشترکہ دفاع اور مسلح افواج کی یک جہتی کو برقرار رکھنے کے لئے تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس مقصد کے لئے پاکستان اور ہندوستان ایک باہمی مرکزی ادارہ قائم کریں۔ چنانچہ 25/اپریل کو وائسرائے کی کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی کا ماؤنٹ بیٹن کی صدارت میں اجلاس ہوا جس میں ہندوستان کی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کلاڈ آکن لیک، وزیر دفاع بلدیو سنگھ اور وزیر خزانہ لیاقت علی خاں نے شرکت کی۔ اس میں جو نکات زیر بحث آئے ان میں کہا گیا کہ ''اگر پاکستان کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے تو دونوں ملکوں کو اندرونی سلامتی کے لئے اپنی اپنی فوج رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن یہ توقع کی جاتی ہے کہ مشترکہ دشمن کی جارحیت کے خلاف مشترکہ دفاع کی خاطر ان دونوں کے مابین ایک معاہدہ ہو جائے گا۔ دونوں فریق ان فوجوں کو غیر جانبداری کے ساتھ اپنے مشترکہ مفاد کے لئے استعمال کر سکیں گے۔ اگر پاکستان کے حق میں فیصلہ ہو بھی گیا تو بھی بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین تجارت اور دفاع سے متعلق بہت سے مفادات مشترک ہوں گے۔ تربیتی ادارے اور اسلحہ ساز فیکٹریاں بھی مشترکہ ہو سکتی ہیں......''[12]

گویا اگرچہ برصغیر کے دونوں بڑے فرقے اب علیحدگی پر آمادہ نظر آتے تھے لیکن برطانوی سامراج تقسیم کا منصوبہ وضع کرنے کے باوجود ابھی تک اپنی اس نام نہاد ''معصوم

خواہش'' کے تحت موہوم سی امید رکھتا تھا کہ برطانوی ہند کی یک جہتی کسی نہ کسی قسم کے مرکز کے تحت برقرار رہ جائے گی۔ 25/اپریل کی صبح کو وائسرائے کی سٹاف میٹنگ میں مجوزہ منصوبہ پر بحث کے دوران بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا۔ وائسرائے کے نائب معاون ائیان سکاٹ کی رائے تھی کہ دونوں پارٹیوں میں ابھی ایسا خاصا عنصر موجود ہے جو وزارتی مشن منصوبہ کے خطوط پر وضع کردہ کسی سمجھوتے کو منظور کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ بعض کانگرسی رہنما ہندوستان کی یک جہتی کی خاطر مزید رعایتیں دینے پر بھی آمادہ ہیں جب کہ ادھر جناح اور لیاقت علی خاں کو بھی کٹے پھٹے پاکستان میں مضمر تمام پیچیدگیوں کا احساس ہونے لگا ہے۔ وائسرائے کے معاون جارج ایبل کا کہنا تھا کہ مجوزہ منصوبے کے اعلان کے بعد رائے عامہ کے حصول کے لئے خاصا وقت اور موقع فراہم کیا جائے گا۔ پارٹیوں کے دوبارہ باہم ملنے کے لئے کافی وقت مہیا ہو جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا یہ بات سب سے اہم ہے کہ اعلان کے اجراء سے ہرگز یہ تاثر قائم نہیں ہونا چاہیے کہ بٹوارے کا فیصلہ پہلے سے اخذ کردہ نتیجہ ہے بلکہ یہ ہونا چاہیے کہ اس معاملہ کا فیصلہ عوام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ آئندہ پروگرام کا حقیقی دارومدار رائے عامہ کے اس اظہار پر ہوگا جو وہ اپنے نمائندوں کے ذریعے کریں گے۔ تاہم اس نے کہا کہ ''متحدہ ہندوستان کی جانب لوٹ آنے کے امکانات کو بہتر بنانے کے لئے مجوزہ اعلان میں گریز کی شق بھی شامل کر دینی چاہیے۔'' اس نے کہا کہ ''میرے خیال میں یونین آف انڈیا کی شکل کچھ اس طرح کی ہو سکتی ہے کہ جس میں مرکز کے پاس وہ تمام شعبے موجود ہوں جو وزارتی مشن منصوبہ میں مرکز کے لئے رکھے گئے ہیں۔ وزارتی مشن منصوبہ کے ساتھ ایک پیچیدہ معاملہ یہ ہے کہ مرکز کی ہندو اکثریت مستقل طور پر مسلم اقلیت کو اپنے ووٹوں کی اکثریت سے شکست دیتی رہے گی اور دبائے رکھے گی۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے نمائندے پیریٹی کی بنیاد پر ایک مشترکہ مرکز تشکیل دینے پر متفق ہو جائیں۔ اگر متحدہ ہند کی یہ صورت بن جائے تو پھر عین ممکن ہے کہ پنجاب، بنگال اور آسام بھی متحد رہ سکیں گے۔'' ماؤنٹ بیٹن نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ ''کیا پاکستان کا انتظامی کاروبار چلانے کے لئے لائق مسلمان افسر کافی تعداد میں مل سکیں گے؟'' جارج ایبل نے جواب دیا کہ ''پاکستان والوں کو مشکل انتظامی عہدوں کے لئے ہندوؤں کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی۔''[13] یہ تھا پاکستان کے بارے میں وہ

ابتدائی خاکہ جو ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں کے ذہن میں تھا۔ اولاً وہ پاکستان و ہندوستان کو ایک مرکز کے ماتحت رکھنا چاہتے تھے۔ دوئم ان کا خیال تھا کہ پاکستان اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا، وہ ہندوؤں کا دست نگر بن کر رہے گا۔

برصغیر کی تقسیم انگریزوں کے لئے ایک ایسی کڑوی گولی تھی کہ جسے وہ آسانی سے نگلنے پر تیار نہ تھے۔ یکم مئی کو ماؤنٹ بیٹن نے شاہ جارج، وزیراعظم ایٹلی اور کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے ارکان کو جو ہفتہ وار رپورٹ ارسال کی اس میں لکھا ''میں ہندوستان کے مسئلہ پر جتنا زیادہ غور کرتا ہوں اتنا زیادہ مجھے احساس ہوتا جاتا ہے کہ بٹوارے کا یہ تمام قصہ محض پاگل پن ہے۔ اس سے پورے ملک کی معاشی استعداد بے حد کم ہو کر رہ جائے گی۔ اسے ماننے پر مجھے کوئی بھی مائل نہیں کر سکتا تھا اگر یہاں ہر کوئی ایک عجیب وغریب فرقہ وارانہ پاگل پن کا شکار نہ ہوا ہوتا اور کوئی اور راستہ کھلا ہوتا۔'' آگے چل کر لکھتا ہے کہ ''زیادہ سے زیادہ ہم یہی کر سکتے ہیں کہ...... دنیا کے سامنے ان مجنونانہ فیصلوں کی ساری ذمہ داری ہندوستانیوں کے کاندھوں پر ڈالیں۔ کیونکہ ایک دن آئے گا جب وہ اپنے فیصلے پر بری طرح پچھتائیں گے۔''[14] دراصل انگریز اسی پچھتاوے کی امید میں تقسیم کے فیصلے پر رضامند بھی ہوئے تھے کہ پچھتاوے کے اس لمحے میں پاکستان دوبارہ ہندوستان میں آن ملے گا اور برصغیر کی یک جہتی پھر سے بحال ہو جائے گی۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنے مشیروں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد مجوزہ منصوبے کو حتمی شکل دے کر یکم مئی کو اس کا مسودہ برطانوی کابینہ سے منظوری کے لئے لندن ارسال کر دیا۔ 2 مئی کو ماؤنٹ بیٹن نے اپنے چیف آف سٹاف لارڈ اسمے کو لندن بھیج دیا تاکہ وہاں مجوزہ منصوبے پر غور وخوض کے دوران وہ وائسرائے کے نقطہ نظر کی وضاحت کر سکے اور وائسرائے کے لئے مزید ہدایات حاصل کر سکے۔ اس منصوبے کے اہم نکات وہی تھے جو اوپر ایک جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ تاہم اس میں دو اہم پہلو شامل کر دیئے گئے۔ ایک تو گریز کی شق کا اضافہ کیا گیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ''اگر ایک سے زیادہ حکومتوں کو اقتدار منتقل کرنے کا فیصلہ ہو گیا تو بھی بعد ازاں متحدہ ہند کے لئے مذاکرات کی راہ میں یہ فیصلہ مانع نہیں ہوگا۔'' دوسرے یہ کہا گیا تھا کہ ''اگر ایک سے زائد آئین ساز اسمبلیاں قائم ہو گئیں تو اس صورت میں وہ ایک ایسا ادارہ وضع کریں گی جو مشترکہ مفاد کے امور بالخصوص دفاع کے بارے میں باہمی صلاح مشورہ

کرنے اور ان امور پر معاہدوں کی خاطر مذاکرات کرنے کا کام انجام دے گا۔"[15] لندن بھیجنے سے پہلے 30/اپریل کو وائسرائے کے پرنسپل سیکرٹری ایرک میول نے مسودے کا متن جناح اور نہرو کو الگ الگ ملاقاتوں میں دکھا دیا تھا۔ جناح کو سب سے بڑا اعتراض بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس منصوبے کے نتیجے میں انتشار اور خون خرابہ پھیلے گا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ بنگال اور آسام کے اچھوتوں اور قبائلیوں کی رائے معلوم کرنے کے لئے استصواب کروایا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ ان علاقوں کے اچھوت اور قبائل اونچی ذات کے ہندوؤں کی جانب سے ان صوبوں کی تقسیم کے مطالبے کی حمایت کرنے کے بجائے انہیں متحد رکھنے کی حمایت کریں گے۔ جناح نے حل تجویز کیا کہ "صوبوں کو جیسے کہ وہ اس وقت ہیں، اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ بعد میں وہ یا تو باہم مل کر اپنے گروپ بنالیں گے یا بالکل علیحدہ رہنا پسند کریں گے۔ یہ ان کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوگا۔"[16] گویا جناح صوبوں کو علیحدگی کی حد تک مکمل صوبائی خودمختاری دینے کے حق میں تھے۔

نہرو نے مسودے میں جس بات پر اعتراض اٹھایا وہ صوبہ سرحد میں از سر نو انتخابات کی تجویز تھی۔ اس کا دوسرا اعتراض برطانوی بلوچستان کی نمائندگی کے بارے میں تھا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ وہاں کے بارے میں فیصلہ شاہی جرگہ کے جاگیرداروں پر نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ عوام کی رائے بھی معلوم کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں اس نے کہا کہ وہاں عوام میں مقبول تین پارٹیوں یعنی مسلم لیگ، انجمن وطن اور جمعیت العلماء کو نمائندگی ملنی چاہیے۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق متذکرہ "اعتراضات کے علاوہ اس نے مجوزہ مسودۂ اعلان کے بارے میں کوئی اور اعتراض نہیں اٹھایا۔"[17] لیکن جب یہ مسودہ منظور ہو کر واپس آیا تو اس نے بہت سے شدید اعتراضات اٹھا دیئے۔ خاص طور پر صوبوں کو آزاد رہنے کا جو تیسرا متبادل (چوائس) دیا گیا تھا، اسے بالکل رد کر دیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے چل کر آئے گا۔

صوبہ سرحد میں غیر مسلموں کا قتل عام اور دورۂ ماؤنٹ بیٹن

صوبہ سرحد میں کانگرس وزارت کے خلاف مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر تھی اور پشاور اور ایبٹ آباد کے علاقوں میں ہندوؤں اور سکھوں کی اقلیتوں پر حملے

شروع ہو چکے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ صوبہ سرحد میں لوگوں کے پاس بندوقوں اور دوسرے ہتھیاروں کی کمی نہیں اور اگر ان ہتھیاروں کا وسیع پیمانے پر استعمال شروع ہو گیا اور ملحقہ علاقوں کے قبائلیوں نے قتل و غارت اور لوٹ مار کے بازار گرم کر دیئے تو صورت حال پر قابو پانا ناممکن ہو جائے گا۔

فرقہ وارانہ فساد کی ابتدا سب سے پہلے 15 اپریل کو ڈیرہ اسماعیل خان کی جیل میں ہوئی جو مسلم لیگی نظر بندوں سے بھری پڑی تھی۔ فساد کے شعلے فوراً ہی شہر تک پہنچ گئے اور لوٹ مار قتل و غارت اور آتشزدگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پولیس کی امداد کے لئے منزئی سے فوج طلب کی گئی مگر لوٹنے اور آتشزدگی کی اکا دکا وارداتیں ہوتی رہیں۔ ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ کے دو ارکان موقع پر پہنچے تو انہوں نے فسادیوں کے خلاف ٹینک اور توپیں استعمال کرنے پر زور دیا۔ ان کی اس خواہش کی تعمیل ہوئی اور بندوقچیوں کے ایک مورچے کو گولہ باری سے اڑا دیا گیا۔ سرکاری اعلان کے مطابق چھ دن کے فساد میں 900 دکانیں نذر آتش کی گئیں اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کتنے ہندوؤں اور سکھوں کی جانیں گئیں۔

شہر میں کچھ امن ہوا تو فساد قریبی دیہات میں پھیل گیا۔ گول بازار، پہاڑ پور، کوٹلہ اور موسیٰ زئی میں بہت سے ہندو اور سکھ مارے گئے اور ان کے گھروں اور دکانوں کو لوٹ لیا گیا۔ 17 اپریل کو ٹانک میں صورت حال بہت سنگین ہوئی۔ فساد ایک بازار میں معمولی تنازعے پر شروع ہوا اور فوراً ہی مقامی مسلمانوں اور راہ گیر قبائلیوں نے ہندوؤں کی دکانوں اور گھروں پر حملہ کر دیا۔ بہت سی عمارتوں کو آگ لگائی گئی جو تین چار دن تک بھڑکتی رہی۔ بعض خوش حال ہندوؤں نے اپنی حفاظت کے لئے محسود قبائلیوں کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ان قبائلی محافظوں اور فسادیوں کے درمیان خوب گولیاں چلیں۔ یہ محسود قبائل ہندوؤں سے فی گھنٹہ کے حساب سے معاوضہ وصول کرتے تھے اور ہر گھنٹے کے بعد ان کے معاوضے کی شرح میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ساؤتھ وزیرستان سکاؤٹس کے ایک یونٹ نے تین چار دن کے بعد بڑی مشکل سے صورت حال پر قابو پایا۔

اگرچہ اس فساد میں انسانی جانوں کا اتلاف زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن نذر آتش ہونے

والی عمارتوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ فسادیوں کو ہندوؤں کے قتل میں اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی کہ لوٹ مار میں تھی۔ تجارت اور ساہوکارے پر ہندوؤں کی اجارہ داری تھی۔ اناج، کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی کی بہت قلت تھی مگر ہندوؤں کو اس قسم کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ ان کے پاس بے شمار ریشمی کپڑے تھے اور ان کے گودام اناج سے بھرے رہتے تھے۔ غریب مسلمانوں اور قبائلیوں کو موقع ملا تو انہوں نے خوب لوٹا۔ تین چار دن میں بہت سے خوشحال ہندوؤں کا سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ ان کے گھر جلا دیئے گئے اور وہ خانماں برباد ہو گئے۔

ماؤنٹ بیٹن کو شمال مغربی سرحدی صوبے میں بدامنی کی اطلاع ملی تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس لئے کہ یہ علاقہ سوویت یونین کے نزدیک واقع ہونے کے باعث انتہائی فوجی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ صورت حال کا موقع پر جائزہ لینے کے لئے 28/اپریل کو پشاور پہنچا۔ ابھی وہ گورنر ہاؤس میں پہنچا ہی تھا کہ صوبائی گورنر سر اولف کیرو نے سراسیمگی کی حالت میں اس کے کمرے میں آ کر بتایا کہ گورنر ہاؤس کے قریب ہی مسلم لیگ کا ایک بہت بڑا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ مظاہرین اس کے سامنے اپنی شکایات پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ اس مقصد کے لئے جلوس کی صورت میں گورنر ہاؤس آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ مظاہرین کی تعداد 70 ہزار سے زیادہ تھی اور ان میں سے بہت سے دور دراز علاقوں سے کئی دن تک پیدل سفر کر کے آئے ہوئے تھے۔ گورنر نے کہا کہ صورت حال پر محض اسی طرح قابو پایا جا سکتا ہے کہ وائسرائے خود مظاہرین کے پاس جا کر ان کی شکایات سنے۔ ماؤنٹ بیٹن نے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب سے مشورہ کیا اور پھر خود کننگھم پارک میں مظاہرین کے پاس چلا گیا۔ وہ وہاں تقریباً نصف گھنٹہ رہا۔ اس نے کوئی تقریر تو نہ کی لیکن اس کی موجودگی سے مظاہرین کا غصہ فرو ہو گیا اور اس طرح شہر میں بہت بڑی بدامنی کا خطرہ ٹل گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے صوبہ سرحد میں اپنے تین روزہ قیام کے دوران بعض قبائلی علاقوں کا دورہ کرنے کے علاوہ مقامی کانگرسی اور مسلم لیگی لیڈروں سے بات چیت کی اور یہ تاثر لے کر واپس دہلی آیا کہ صوبہ سرحد میں کانگرس کا سیاسی جنازہ نکل چکا ہے۔ لہٰذا اب برصغیر کی تقسیم ناگزیر ہو گئی ہے۔

صوبہ سرحد میں انتخابات یا ریفرنڈم؟

واپس دہلی پہنچ کر 30 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو ایک خط کے ذریعے اپنے دورۂ سرحد کے تاثرات سے آگاہ کیا۔ اس نے لکھا کہ ''صوبے میں واضح طور پر فرقہ وارانہ جذبات کی لہر اٹھی ہوئی ہے جس کا اظہار ایک ایسی وزارت کے خلاف ایجی ٹیشن کی صورت میں ہو رہا ہے جو ہندو کانگرس کے غلبے کے زیر اثر سمجھی جاتی ہے...... خالص فرقہ واریت پر مبنی سیاست پر خواہ کتنا ہی افسوس کیوں نہ کیا جائے، اس جذبے کی موجودگی اور اس کی قوت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے قبائلیوں کے بارے میں تاثر بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ''وہ اپنی قوت اور حیثیت کے بارے میں بہت پر اعتماد ہیں۔ وہ کسی ایسے ملک میں شامل ہونے کا سوچنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں کہ جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہاں ہندوؤں کے غلبے کا امکان ہوگا...... آفریدیوں نے تو یہاں تک واضح کر دیا ہے کہ اگر جانشین حکومت ہند کے ساتھ ان کا تسلی بخش طور پر کوئی قابل عمل تصفیہ طے پا گیا تو ٹھیک ہے ورنہ وہ خود کو اس امر میں کلی طور پر آزاد سمجھتے ہیں کہ وہ افغانستان کے ساتھ شامل ہو جائیں۔''[18]

یکم مئی کو ماؤنٹ بیٹن نے جو ہفتہ وار رپورٹ لندن ارسال کی اس میں بھی دورۂ سرحد کے تاثرات ریکارڈ کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ میرے دو روزہ قیام پشاور کے دوران ''مجھے موصول ہونے والے ٹیلی گرام، خطوط اور پوسٹ کارڈوں کی تعداد 3129 رہی۔ ان میں سے زیادہ تر میں کانگرس حکومت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا تھا اور دفعہ 93 کے تحت از سرنو انتخابات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔'' ماؤنٹ بیٹن اپنے قیام کے دوسرے روز خیبر ایجنسی کے علاقے میں گیا اور وہاں لنڈی کوتل میں اس نے قبائلی جرگہ منعقد کیا۔ اس کے بارے میں اس نے رپورٹ میں لکھا کہ ''اس جرگہ میں آفریدیوں، شنواریوں، سلمانیوں اور کلاغوریوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ بعد ازاں گورنمنٹ ہاؤس میں وزیرستان کے علاقے سے تعلق رکھنے والے محسود، وزیری اور دور قبائل کے نمائندوں نے مجھ سے ملاقات کی۔ تمام قبائل میں موجود اتفاق رائے قابل ذکر ہے۔ وہ یقین دہانی چاہتے ہیں کہ خیبر اور باقی علاقے ان کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم موجودہ ایک پارٹی کمیٹی کے ساتھ کوئی معاملہ طے نہیں کریں گے اور ہم کسی صورت میں

بھی ہندو غلبے کے ماتحت نہیں رہیں گے،اس کے بجائے ہم بہت جلد افغانستان کے ساتھ تعلقات قائم کرلیں گے۔محسودوں اور وزیریوں نے پاکستان کے حق میں پرزور مطالبہ کیا ہے اور کانگرس حکومت توڑنے کا مطالبہ کیا ہے۔''[19]

ان تاثرات کے ذریعے ماؤنٹ بیٹن یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ جہاں تک صوبہ سرحد کے مستقبل کے فیصلے کا تعلق ہے، وہاں کی کانگرس وزارت کی نمائندہ حیثیت مجروح ہو چکی ہے، وہاں رائے عامہ کا از سر نو تعین کرنا ضروری ہے۔لیکن 30/اپریل کو ایرک میول نے انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبے کا مسودہ جب نہرو کو دکھایا تو نہرو نے سرحد میں مجوزہ نئے انتخابات کو رد کردیا تھا۔22/اپریل کی ملاقات میں نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ تاثر دیا تھا کہ اگر رائے عامہ کو صرف انتقال اقتدار کی حد تک دریافت کیا جائے تو انتخابات ہو سکتے ہیں۔''[20] گویا وہ ریفرنڈم کے لئے آمادہ تھا۔

مجوزہ اعلان کا جو مسودہ لندن ارسال کیا گیا تھا اس میں سرحد کے لئے نئے انتخابات کی سفارش کی گئی تھی۔لیکن لارڈ اسے جو اس مسودے پر برطانوی کابینہ کے اجلاسوں میں ماؤنٹ بیٹن کی نمائندگی کے لئے گیا تھا، اسے جاتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے یہ سمجھا دیا تھا کہ سرحد میں انتخابات کی تجویز کو ریفرنڈم سے بدل دیا جائے۔یکم مئی کو ماؤنٹ بیٹن نے وزیر ہند ارل آف لسٹوول کے نام مراسلے میں بھی لکھ دیا کہ 'اسے آپ کو صوبہ سرحد کی پیچیدہ صورت حال کے پس منظر کے بارے میں آگاہ کردے گا اور یہ بھی بتادے گا کہ نہرو صرف ریفرنڈم کو قبول کرنے پر آمادہ ہے جس میں یہ پوچھا جائے کہ آیا صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوگا یا ہندوستان میں؟ اگر ہم نے مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک کے دباؤ میں آکر انتخابات کرانے کی کوشش کی تو کانگرس نامنظوری کا شدید اظہار کرنے کے لئے ان انتخابات میں حصہ لینے سے انکار کردے گی۔''[21] اگرچہ ماؤنٹ بیٹن خود اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا تھا کہ سرحد میں کانگرس کا جنازہ نکل چکا ہے اور وزارت اپنی حیثیت کھو چکی ہے، لیکن وہ کانگرس کی خوشنودی کی خاطر وہاں تازہ انتخابات کرانے کے اپنے فیصلے سے انحراف کر رہا تھا۔

2/مئی کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کی جس میں زیادہ تر گفتگو صوبہ سرحد کے بارے میں رہی۔ماؤنٹ بیٹن نے اگرچہ یہ تسلیم کیا کہ صوبہ سرحد میں تازہ

انتخابات کے لئے کیس واضح طور پر موجود ہے لیکن اس بات پر اڑا رہا کہ ''میں کسی صورت میں بھی تشدد اور طاقت کے سامنے نہیں جھکوں گا۔'' اس پر جناح نے مؤقف اختیار کیا کہ ''اس وقت لوگوں کو نہ آپ کنٹرول کر سکتے ہیں اور نہ میں۔'' جناح نے مطالبہ کیا کہ کانگرس وزارت کو توڑ دیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس مطالبے کو سختی سے رد کر دیا اور کہا کہ پہلے ہی کانگرس میرے اس رویے پر ناراض ہے جو میں نے سرحد کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ اس نے کہا کہ کانگرس حکومت بدستور برقرار رہے گی اور اگر کوئی انتخاب ہوگا تو وہ فقط یہ جاننے کے لئے ہوگا کہ صوبہ کو پاکستان میں شامل ہونا ہے یا ہندوستان میں؟ جناح کا مؤقف تھا کہ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے ہوتے ہوئے یہ انتخاب منصفانہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن، خان وزارت کو برطرف کرنے پر بالکل آمادہ نہ ہوا۔ اس کے بجائے اس نے جناح پر زور دیا کہ سرحد میں مسلم لیگ کو اپنی ایجی ٹیشن ختم کر دینی چاہیے۔ جناح نے کہا کہ جب تک وہاں خان وزارت موجود ہے میں کوئی امید نہیں کر سکتا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا ''اس کا جواب تو پھر یہ ہے کہ اب میرے لئے ضروری ہوجائے گا کہ اگر لیگ وہاں گڑبڑ پھیلانے پر تلی ہوئی ہے تو میں وہاں مسلح افواج بھیجوں اور فضائیہ کے طیاروں کو حرکت میں لانے پر مجبور ہوجاؤں۔''[22] اس کھلی دھمکی سے یہ واضح ہوگیا تھا کہ انگریز حکمران سرحد میں خان وزارت کو ہر قسم کا تحفظ دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ان حالات میں انگریز برصغیر میں اپنی جانشین بڑی پارٹی کانگرس کو خفا کرنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

جنوبی ہندوستان میں ہندو مسلم تضاد اس قدر شدید نہیں تھا اس لئے وہاں سے تعلق رکھنے والے ہندو رہنما اس تضاد کے بارے میں زیادہ معروضی رویہ کے حامل تھے۔ 2 مئی کو جنوبی ہند کی ریاست ٹراونکور کے دیوان سی۔ پی۔ راما سوامی آئیار نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران صوبہ سرحد کے حالات پر اظہار رائے کرتے ہوئے کہا ''اگرچہ میں ہندو ہوں لیکن میں یہ بے دھڑک ہو کر کہتا ہوں کہ کانگرس صوبہ سرحد کو پرلے درجے کی دھونس جمانے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ دونوں خان برادران کانگرس کی جانب سے محض شور شرابا کرنے والوں میں سے ہیں جنہیں کانگرس اس مقصد کے لئے پیسے دیتی ہے کہ وہ 94 فیصد اکثریت کے مسلم صوبے کو پاکستان میں شامل ہونے سے باز رکھے۔ مجھے امید ہے کہ آپ

اس کا اثر قبول نہیں کریں گے۔''[23] لیکن ماؤنٹ بیٹن نے اس مشورہ کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔

برطانوی کابینہ نے مجوزہ مسودۂ اعلان پر ابھی غور وخوض شروع بھی نہیں کیا تھا کہ اس کے اہم نکات کانگرس کے پریس میں لیک ہو گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ منصوبہ ابھی صرف نہرو اور پٹیل کو اعتماد میں لے کر دکھایا تھا۔ 3 رمئی کو کانگرس کے ترجمان اخبار ہندوستان ٹائمز نے منصوبے کے اہم نکات شائع کر دیئے اور اس میں صوبہ سرحد کے لئے مجوزہ نئے انتخابات اور پنجاب و بنگال کی تقسیم پر سخت تنقید کی۔ اخبار نے لکھا کہ ''کانگرس نے وائسرائے پر واضح کر دیا ہے کہ اگر سرحد وزارت کو توڑا گیا اور وہاں نئے انتخابات کرائے گئے تو کانگرس برطانوی حکومت کے بارے میں اپنا رویہ بالکل تبدیل کر دے گی۔'' اس روز نہرو نے بھی اپنے ایک خط میں ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ ''اگر صوبہ سرحد میں انتخابات کرائے گئے اور وزارت توڑ کر دفعہ 93 نافذ کی گئی تو حالات بہت سنگین ہو جائیں گے۔'' چنانچہ اسی روز ماؤنٹ بیٹن نے اپنی سٹاف میٹنگ میں کانگرس کے دباؤ کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا گیا کہ صوبہ سرحد میں نہ تو خان وزارت برخاست کی جائے اور نہ ہی اسمبلی کے انتخابات نئے سرے سے کروائے جائیں۔ بلکہ فقط صوبے کے پاکستان یا ہندوستان میں شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کروایا جائے۔ اگرچہ 2 رمئی کو لارڈ اسمے کو لندن کے لئے رخصت کرتے وقت ماؤنٹ بیٹن نے اس قسم کا تاثر دے دیا تھا، لیکن 3 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے اسمے کو بذریعہ تار لندن یہ ہدایت ارسال کی کہ زیر غور منصوبہ میں سرحد کے نئے انتخاب کی تجویز میں ترمیم کر کے ریفرنڈم کی تجویز شامل کر دی جائے۔ 4 رمئی کو اسی مضمون کا ایک اور تار اسمے کو ارسال کیا گیا جس میں زور اس بات پر دیا گیا تھا کہ خان وزارت کو برقرار رکھتے ہوئے ریفرنڈم کرایا جائے گا۔ ریفرنڈم کا انعقاد براہ راست وائسرائے کی زیر نگرانی ہوگا جس کے لئے وہ خصوصی طور پر افسروں کو تعینات کرے گا اور وزارت کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ اس نے یہ توقع بھی ظاہر کی کہ ریفرنڈم منعقد کرانے کے بارے میں مجھے کانگرس کی حمایت حاصل ہو جائے گی۔''[24]

4 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کی اور انہیں مجوزہ منصوبے میں سرحد سے متعلق تجویز کردہ ترمیم کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس نے صوبے میں جاری مسلم لیگ کی ایجی ٹیشن کو بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ جناح نے موقف اختیار کیا کہ اگر

وائسرائے برطانوی حکومت سے منظوری لے کر ریفرنڈم کے انعقاد کے بارے میں ایک اعلان جاری کردے تو میں سرحد میں مسلم لیگ کی ایجی ٹیشن بند کرادوں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو انتخاب کے بجائے ریفرنڈم پر بھی رضامند اور اس کے نتائج کے بارے میں پرامید دیکھ کر جناح کو سرحد کے بارے میں خائف کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ ''وہاں موجودہ حکومت کو قبائل کے خاموش کرنے کے لئے ساڑھے تین کروڑ روپے سالانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مسلم لیگ والے اچھی طرح سوچ لیں کہ آیا وہ واقعی صوبہ سرحد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔؟'' جناح نے جواب دیا کہ ''ایک بار وائسرائے کی جانب سے ریفرنڈم کے بارے میں اعلان جاری ہوجائے تو پھر میں بذات خود ان قبائل کے پاس جاؤں گا اور مجھے امید ہے کہ مجھے ان کو کچھ بھی ادا نہیں کرنا پڑے گا اور بفرض محال ادا کرنا ہی پڑا تو یہ ساڑھے تین کروڑ کی رقم گھٹ کر بہت تھوڑی رہ جائے گی۔ میرا ان کے ساتھ کوئی معاملہ طے پاجائے گا۔''[25] اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن آمادہ ہوگیا کہ وہ اس ضمن میں علیحدہ مسودۂ اعلان تیار کر کے برطانوی حکومت کو بھیج دے گا......اسی روز اس نے اسے کے نام لندن تار بھیج کر اسے جناح اور لیاقت کے ساتھ اپنی بات چیت سے آگاہ کرنے کے علاوہ سرحد کے ریفرنڈم سے متعلق اعلان کے مسودے کی تیاری سے بھی مطلع کر دیا۔

7 رمئی کو برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس وزیراعظم ایٹلی کی زیرصدارت منعقد ہوا جس میں صوبہ سرحد کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کی تجویز کردہ ترمیم کو منظور کرلیا گیا اور طے پایا کہ اسے مطلع کردیا جائے کہ ''برطانوی حکومت کو صوبہ سرحد میں ریفرنڈم منعقد کرانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' چنانچہ 8 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو اپنی سٹاف میٹنگ میں شریک کیا اور سرحد میں ریفرنڈم کے بارے میں اپنے موقف سے آگاہ کیا۔ نہرو نے کہا کہ ''اگر صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کروایا گیا تو ہندوستان میں سینکڑوں مقامات سے ریفرنڈم کے مطالبات اٹھ کھڑے ہوں گے۔'' اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ''اگر پنجاب اور بنگال کے دو الگ الگ حصوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جارہا ہے کہ وہ پاکستان میں شامل ہوں یا ہندوستان میں تو پھر یہ اختیار سرحد کو بھی دیا جاسکتا ہے۔'' یاد رہے کہ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کو یہ اختیار کانگرس کے مطالبے پر دیا گیا تھا اس لئے وہ اسی قسم کا اختیار سرحد کو دیئے جانے کے منکر نہیں ہو

سکتے تھے۔ تاہم نہرو نے سرحد کو ریفرنڈم کے حق سے محروم کرنے کے لئے ہر ممکن دلائل دیئے۔ ایک دلیل یہ دی کہ ''گزشتہ دو ماہ میں دو لاکھ ہندو اور سکھ سرحد سے نقل مکانی کر کے شمالی پنجاب میں آ چکے ہیں۔ اس سے صوبے کی آبادی پر فرق پڑا ہے۔ یہ نقل مکانی روزانہ جاری ہے۔ سرحد کی معیشت کا دارومدار ہندوؤں اور سکھوں پر ہے ان کے بغیر وہاں کا معاشی ڈھانچہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔''[26] یہاں نہرو کا یہ کھلا اعتراف کہ 94 فیصد مسلم آبادی والے صوبہ سرحد پر تمام تر معاشی غلبہ ہندوؤں اور سکھوں کو حاصل تھا اور اس کا یہ موقف کہ ناانصافی پر مبنی اس معاشی ڈھانچے کو جوں کا توں برقرار رکھا جائے، تاریخ کے ایک سنجیدہ طالب علم کو یہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ وہاں غیر مسلموں کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل عام کیوں ہوا اور وہاں ہندو۔مسلم تضاد میں اس قدر شدت کیوں پیدا ہوئی؟ بنی نوع انسان کی تاریخ میں مادی محرکات ہی فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ برصغیر کا ہندو۔مسلم تضاد اب ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گیا تھا۔

کافی بحث وتکرار کے بعد بالآخر نہرو نے سرحد میں ریفرنڈم کرائے جانے کے ساتھ اتفاق کر لیا۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے یہ اختیار نہرو کو دے دیا کہ وہ خود اس اعلان کا مسودہ تیار کر کے دے جو برطانوی حکومت کی جانب سے سرحد کے ریفرنڈم کے سلسلے میں کیا جائے گا۔ چنانچہ میٹنگ کے بعد نہرو نے وائسرائے کے سیاسی مشیر دی۔ پی مینن کو یہ مسودہ خود ڈکٹیٹ کروایا۔ اس میں لمبی چوڑی تمہید باندھنے کے بعد کہا گیا کہ ''اگر پنجاب نے کلی یا جزوی طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ یونین آف انڈیا میں شامل نہیں ہو گا تو پھر صوبہ سرحد کے لئے ایک مخصوص نوعیت کی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ ان حالات میں ضروری ہو گا کہ صوبہ سرحد کے عوام یہ فیصلہ کریں کہ آیا وہ یونین آف انڈیا میں شامل ہوں گے یا نہیں۔ اس ہنگامی صورت حال میں اس سوال پر صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا انعقاد تجویز کیا جاتا ہے۔''[27]

ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کا ڈکٹیٹ کرایا ہوا مسودہ لفظ بہ لفظ بذریعہ تار اسی روز لندن ارسال کر دیا اور اسے کو ایک علیحدہ تار میں یہ بھی مطلع کر دیا کہ نہرو اگرچہ ریفرنڈم سے اتفاق کرتا ہے مگر دہلی میں منعقدہ ایک حالیہ میٹنگ کے بعد جس میں عبدالغفار خاں اور دوسرے کانگرسی رہنما بشمول گاندھی کے شریک ہوئے تھے، وہ خاصا پریشان نظر آتا ہے۔ ریفرنڈم کی صورت میں صوبائی کانگرسی حکومت گڑبڑ پھیلانے کا ارادہ رکھتی ہے جسے کانگرس ہائی کمان کی اشیرباد بھی حاصل ہے۔

ادھر سرحد کے گورنر اولف کیرو کا کہنا ہے کہ اگر اعلان میں سرحد میں انتخاب یا ریفرنڈم کا ذکر نہ ہوا تو پورے صوبہ میں صحیح معنوں میں ہنگاموں کی آگ بھڑک اٹھے گی۔''[28] تاہم اس وقت کانگرسی رہنماؤں میں سے نہرو کا ریفرنڈم کے بارے میں رضامند ہونا یا نیم رضامند ہونا اور مسودۂ اعلان ڈکٹیٹ کروانا اس سلسلے میں خاصا مددگار ثابت ہوا اور بالآخر ریفرنڈم کا فیصلہ ہو گیا۔

سکھ۔مسلم تضاد حل کرنے کے لئے جناح اور گیانی کرتار سنگھ کی کوشش

سرحد کے واقعات کے نتیجے میں پنجاب میں سکھ۔مسلم تضاد بے انتہا شدید ہو چکا تھا۔ تاہم سکھوں نے ابھی یہ حتمی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ آیا انہوں نے آزاد وطن حاصل کرنا ہے یا ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ شامل ہونا ہے۔ اس دوران جناح اور بعض سکھ رہنماؤں کی جانب سے سکھ۔مسلم تضاد کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ 26 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران جناح نے اس کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اکالی پارٹی کے رہنما گیانی کرتار سنگھ نے اپنے ایک ذاتی ایلچی کے ذریعے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے اور تجویز کیا ہے کہ تقسیم کے بعد سکھ صوبے کے پاکستان میں شمولیت اختیار کرنے کے سلسلے میں مذاکرات کئے جائیں۔ جناح نے یہ دعوت قبول کر لی تھی۔ جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا کہ ''سکھ ذاتی طور پر مجھے پسند کرتے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ مجھ پر اعتماد کیا ہے۔ نیز یہ کہ میں نے کھلے عام یہ اعلان کیا ہے کہ اگر مسلمانوں نے سکھوں کے خلاف کوئی ناجائز اقدام اٹھایا تو میں مسلمانوں کے خلاف سکھوں کا ساتھ دوں گا۔''[29]

انہی دنوں گیانی کرتار سنگھ نے گورنر پنجاب ایوان جینکنز کے ساتھ ایک ملاقات میں ''سکھوں کی ہندوستان میں شمولیت کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔'' اس نے کہا کہ ''سکھ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہندو ہمیں اپنے اندر جذب کر لیں گے۔'' اور یہ کہ ''دراصل تو ہندو ہمیں کب کے اپنے اندر جذب کر چکے ہوتے اگر ہم فوج میں شامل نہ ہوئے ہوتے اور اپنے مذہب کو جاری و ساری نہ رکھ رہے ہوتے۔''[30] گیانی کرتار سنگھ کے ان خیالات سے ہندو۔سکھ تضاد کی عکاسی ہوتی ہے جو سکھ۔مسلم تضاد کی طرح تاریخ میں جڑیں رکھتا تھا۔ بوجوہ اس وقت سکھ۔مسلم تضاد زیادہ شدت پکڑ گیا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کے ساتھ شمولیت پر

ناپسندیدگی کے رویہ کے حامل کرتار سنگھ جیسے افراد صورت حال پر زیادہ اثر انداز نہ ہو سکے۔ ماسٹر تارا سنگھ، سردار بلدیو سنگھ اور سورن سنگھ وغیرہ سکھ۔ مسلم تضاد کی شدت سے مغلوب ہو کر کانگرس کی طرف اس قدر زیادہ جھک گئے تھے کہ جناح، کرتار سنگھ رابطے زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوئے۔

29/اپریل کو لیاقت علی نے وائسرائے کے پرنسپل سیکرٹری ایرک میول کے ساتھ ملاقات میں بتایا کہ سکھوں کو مسلمانوں نے ہندوؤں کی نسبت کہیں زیادہ بہتر شرائط کی پیش کش کی ہے لیکن سکھوں کے رویے کی کوئی سمجھ نہیں آ رہی۔ تاہم وہ ان کے مسلمانوں کے ساتھ آ ملنے کے بارے میں نا امید نہیں ہوا تھا۔[31] یکم مئی کو ماؤنٹ بیٹن نے لندن بھیجی گئی اپنی ہفتہ وار رپورٹ میں لکھا کہ ''جب سکھ وفد کے ساتھ میری ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے مجھے خاص طور سے یہ کہا تھا کہ آپ یہ فیصلہ نہ کیجئے گا کہ سکھ آیا پاکستان کے ساتھ شامل ہوں کے یا ہندوستان کے ساتھ کیوں کہ ابھی سکھوں نے یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ انہوں نے کس طرف جانا ہے۔''[32] اس رپورٹ میں ماؤنٹ بیٹن نے اپنی جناح کے ساتھ اور میول کی لیاقت کے ساتھ متذکرہ ملاقاتوں کا حوالہ دیتے ہوئے یہ امید بھی ظاہر کی کہ پنجاب تقسیم ہونے سے بچ سکتا ہے۔

یکم مئی کو جناح نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ ''سکھوں کو پنجاب کی تقسیم سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ وہ خود دو ٹکڑوں میں بٹ جائیں گے۔ اگر پنجاب کی تقسیم خود ان کے اپنے تصور کے مطابق عمل میں آئے تب بھی ان کی نصف سے زائد آبادی پاکستان میں رہ جائے گی۔ جب کہ اس طرح کے پاکستان میں جیسا کہ مسلم لیگ نے تجویز کیا ہے، وہ ایک ٹھوس اقلیت کے طور پر بڑا اہم کردار ادا کریں گے۔ ہم ہمیشہ ان کے ساتھ ہر ممکن معقول طریقے سے پیش آنے کو تیار ہوں گے۔'' اس بیان میں جناح نے تبادلہ آبادی کے امکان کا بھی ذکر کیا کہ ''اگر پاکستان میں آباد ہندو اقلیت کے لوگ ہندوستان جانا چاہیں گے اور اگر ہندوستان میں آباد مسلمان پاکستان میں آنا چاہیں گے تو ایسا ہو سکے گا۔ جلد یا بدیر تبادلہ آبادی ہو کر رہے گا۔ دونوں ملکوں کی آئین ساز اسمبلیاں اس پر غور کر سکتی ہیں اور پھر دونوں ملکوں کی حکومتیں جہاں کہیں ضروری اور قابل عمل ہو وہاں تبادلہ آبادی پر عمل درآمد کرا سکتی ہیں۔'' تاہم یہ بات انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے کہی تھی۔ سکھوں کو ایک ٹھوس اقلیت کے طور پر وہ ہمیشہ پاکستان میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ اسی بیان میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''ہم اپنے ان

دیسوں میں جہاں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں، ایک نیشنل ہوم اور ایک نیشنل سٹیٹ قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہ چھ یونٹ ہیں، پنجاب، سرحد، سندھ، بلوچستان، بنگال اور آسام۔"[33] یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ جناح نے "اسلامک سٹیٹ" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "نیشنل سٹیٹ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ گویا جناح کے نزدیک پاکستان ایک مذہبی ریاست یا اسلامی ریاست نہیں تھا بلکہ ایک "قومی ریاست" تھا جس کا ہر شہری بلا امتیاز مذہب وملت پاکستانی تھا اور اسی بنیاد پر وہ سکھوں کو اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اس بیان کی نقل وزیراعظم ایٹلی کو لندن بھی ارسال کی۔

آزاد سکھ ریاست کے قیام کی ناکام کوشش

آزاد سکھ ریاست کے قیام کا خواب ہمیشہ سے سکھوں کے ذہن میں موجود رہا ہے۔ "راج کرے گا خالصہ" کا کلمہ ان کی روزمرہ عبادت کا حصہ ہے۔ تھوڑے عرصے کے لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں اس خواب کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد یہ خواب بدستور ان کی امنگوں کا حصہ بنا رہا۔ جب برصغیر سے انگریزوں کے چل چلاؤ کا وقت آیا تو اس خواہش نے پھر سر اٹھایا۔ مختلف سطحوں پر اس کا اظہار ہوا۔ خشونت سنگھ کے مطابق "جنگ عظیم دوم کے خاتمے پر کمیونسٹوں نے "سکھ ہوم لینڈ" کا منصوبہ تیار کیا۔ یہ 46-1945ء کے انتخابات کا زمانہ تھا اور یہ نعرہ سکھ عوام الناس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے وضع کیا گیا تھا کیونکہ وہ کمیونسٹ پارٹی کی پاکستان کے لئے پرجوش حمایت کرنے پر اس سے ناراض تھے۔ "سکھ ہوم لینڈ" کی سکیم جی۔ ادھیکاری نے تیار کی تھی......"[34] گویا علیحدہ سکھ وطن کے قیام کا نعرہ سکھ عوام الناس کا مقبول ترین نعرہ تھا۔ کمیونسٹوں نے پاکستان کے نعرہ کی حمایت بھی اس لئے کی تھی کہ یہ مسلم عوام الناس کا مقبول ترین نعرہ تھا۔ کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ آزاد ہند فوج سے تعلق رکھنے والے سکھوں نے فوجی انقلاب کے ذریعے سکھ ریاست قائم کرنے کا منصوبہ سوچا تھا" لیکن انہوں نے خواب زیادہ دیکھا اور جرأت عمل کا مظاہرہ نہ ہونے کے برابر کیا۔"[35]

آزاد سکھ ریاست یا ریاستوں کے قیام کی ایک کوشش سکھ راجوں مہاراجوں کی سطح پر بھی ہوئی۔ اس ضمن میں مہاراجہ پٹیالہ اور راجہ فرید کوٹ پیش پیش تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تاج

برطانیہ کی عمل داری کے خاتمے کے بعد وہ آزاد وخودمختار ہو جائیں اور برطانوی پنجاب کے سکھ اکثریت والے اضلاع کو بھی اپنی ریاست/ ریاستوں میں شامل کرلیں۔ شروع میں اکالی رہنماؤں نے راجہ فرید کوٹ کی حمایت بھی کی۔ 19/ مارچ 47ء کو ماسٹر تارا سنگھ، گیانی کرتار سنگھ اور اشر سنگھ مجھائل نے راجہ فرید کوٹ کے نام ایک مشترکہ خط لکھا جس میں کہا گیا کہ ''پنتھ یہ محسوس کرتا ہے کہ راجہ فرید کوٹ اس پوزیشن میں ہے کہ وہ سکھوں کی زندگی، رہن سہن اور بھائی چارے کے آدرشوں کو سہارا دے اور مستحکم کرے۔ چنانچہ ہم نے آپ سے اس سلسلے میں رجوع کیا ہے کہ آپ اضلاع لدھیانہ اور فیروز پور کے علاوہ ضلع لاہور کے بعض حصوں سے متعلق تمام تر پالیسی، تنظیم اور جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرلیں اور یہاں کا نظم ونسق بھی سنبھالیں۔'' 17/ اپریل کو راجہ فرید کوٹ نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات میں یہ خط اسے دکھایا اور اسے یہ بھی بتایا کہ پنجاب کے لیگی رہنماؤں نے بعض علاقوں کو اس نئی سکھ ریاست میں شامل کئے جانے کے بارے میں اپنی طرف سے ذاتی یقین دہانی کرائی ہے۔'' اس پر ماؤنٹ بیٹن نے اپنے نوٹ میں لکھا کہ یہ وہی اضلاع تھے جنہیں ایوان جینکنز نے مسلمانوں اور سکھوں کے مابین متنازعہ قرار دیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے امید افزاء علامت قرار دیتے ہوئے لکھا کہ تقسیم پر سکھوں اور مسلمانوں کے مابین باہمی رضامندی پائی جاتی ہے۔[36] گویا سکھ ریاست کے قیام کی صورت میں مسلمان متذکرہ اضلاع سکھوں کو دینے پر تو رضامند تھے لیکن وہ یہی اضلاع ہندوؤں کے ہندوستان کو دینے پر تیار نہیں تھے۔ اس کے بجائے ان میں آباد سکھوں سمیت وہ ان اضلاع کو اپنے ساتھ پاکستان میں رکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔

26/ اپریل کو ریاست نابھہ کے وزیر اعظم سردار سنت سنگھ نے ایک خط وزارتی مشن کے رکن سر سٹیفورڈ کرپس کے ذاتی معاون میجر شارٹ کو ارسال کیا جس میں تجویز کیا گیا کہ ''مسئلے کا حل پاکستان اور خالصتان کا قیام ہے۔ یہ نہ صرف ان لوگوں کے لئے سودمند ہے جو ان کے قیام کا مطالبہ کررہے ہیں بلکہ دولت مشترکہ کے لئے بھی اسی میں بہتری ہے۔'' اس کے لئے طریق آخر کار یہ تجویز کیا گیا تھا کہ مسلمانوں، غیر مسلموں اور سکھوں کی علیحدہ علیحدہ آئین ساز اسمبلیاں قائم کردی جائیں جو اپنا اپنا آئین وضع کریں۔ بعد ازاں ریفرنڈم کے ذریعے یہ آئین منظور کئے جائیں ''دفاع، امور خارجہ، خزانہ، منصوبہ بندی اور مواصلات سے متعلق ہر

اسمبلی کی رائے دلچسپ ہوسکتی ہے۔'' سردار بلدیو سنگھ نے اس خط کے ہمراہ یکم مئی کو اپنی جانب سے بھی ایک خط میجر شارٹ کو لکھا جس میں سنت سنگھ کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا ''یہ کم سے کم ہے جو سکھوں کو قابل قبول ہو گا۔'' یہ خطوط کرپس اور وزیراعظم ایٹلی کی نظر سے گزرے[37] لیکن انگریز جو کہ برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے پر راضی نہیں رہے تھے، اسے تین یا زائد حصوں میں تقسیم کرنے پر کیسے تیار ہو سکتے تھے۔

ادھر سکھ رہنماؤں نے اپنے علیحدہ وطن کے مطالبے کو پوری شدت کے ساتھ نہیں اٹھایا تھا۔ اس کے بجائے انہوں نے اپنا سارا زور مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں صرف کر دیا اور اس طرح وہ کانگرس کے ہاتھوں میں استعمال ہو گئے۔ خشونت سنگھ لکھتا ہے کہ ''برطانوی اقتدار کی دستبرداری سے فوری پیشتر کے نازک برسوں کے دوران سکھ رہنماؤں نے رہبری کے لئے خود کو نیشنل کانگرس کے رہنماؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا تھا۔ اس کے بجائے کہ یہ سکھ رہنما ایک آزاد اور خود مختار سکھ ریاست کے لئے جرأت کے ساتھ مطالبہ اٹھاتے جو کہ سکھ عوام چاہتے تھے، انہوں نے اپنے نظریے کو محض پاکستان کے خلاف ایک دلیل کے طور پر پیش کیا۔ تمام تر دلائل جو تاریخی، معاشی، معاشرتی اور جغرافیائی نوعیت کے تھے، اس مقصد کی خاطر پیش کئے گئے کہ پنجاب کے غیر مسلم حصے کو زیادہ سے زیادہ بڑھا کر دکھایا جائے تا کہ جو حصہ پاکستان کے لئے باقی بچے اس کے ساتھ پاکستان بالکل مضحکہ خیز نظر آئے۔ سکھ رہنماؤں نے سکھ ریاست کے کیس کو خلوص کے ساتھ زور دے کر پیش نہیں کیا۔ کسی نے بھی سنجیدہ حکمت عملی اختیار نہیں کی۔''[38] چنانچہ ان حالات میں سکھوں کے علیحدہ وطن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ انہیں اب اس کے لئے ہندو بورژوا کے خلاف ایک طویل مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کرنا پڑ رہا ہے۔

سکھ رہنماؤں کی جانب سے پنجاب کے زیادہ سے زیادہ حصے پر اپنا حق جتانے کی کوششیں

22 اپریل کو سردار بلدیو سنگھ نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبے کی تفصیلات کے بارے میں آگاہ کیا۔ بلدیو سنگھ نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر جناح پر مناسب دباؤ ڈالا جائے تو مسلم لیگ مطالبہ پاکستان ترک

کردے گی۔ اس نے کہا کہ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پنجاب کو نہ صرف آبادی کی بنیاد پر بلکہ حقیقی جائیداد کی ملکیت کی بنیاد پر تقسیم کرنے کی دھمکی دی جائے۔ اس طرح پنجاب کے بہت سے قیمتی حصے مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن جائیں گے۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں کہا کہ میں اصولی طور پر آبادی کے بجائے بڑی اراضی کی ملکیت کی بنیاد پر صوبے کی تقسیم کے حق میں نہیں ہوں۔ [39] چنانچہ سرکاری ریکارڈ سے خشونت سنگھ کے بیان کی تصدیق ہوگئی کہ پنجاب کے زیادہ سے زیادہ علاقے پر سکھوں کا حق جتانے کا مقصد حقیقتاً سکھوں کے لیے کچھ حاصل کرنا نہیں بلکہ مطالبہ پاکستان کو سبوتاژ کرنا اور یوں احمقانہ طور پر کانگرس کو فائدہ پہنچانا تھا۔

یاد رہے کہ وسطی پنجاب کے بیشتر اضلاع بالخصوص کالونی اضلاع میں اگرچہ مسلمان تعداد میں اکثریت میں تھے لیکن یہاں کی زمینیں زیادہ تر سکھوں کی ملکیت میں تھیں۔ جہاں تک شہری جائیداد کا تعلق تھا، پہلے نمبر پر ہندو، دوسرے پر سکھ اور تیسرے پر مسلمان آتے تھے۔ بلدیو سنگھ کے مؤقف کا مطلب یہ تھا کہ مشرقی پنجاب کے غیر مسلم اکثریت کے علاقے کے علاوہ مسلم اکثریت کے وسطی پنجاب کو بھی جائیداد کی ملکیت کی بنیاد پر پاکستان سے علیحدہ کر دیا جائے۔ جب کہ مسلم لیگ پورے پنجاب کو پاکستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے جو منصوبہ منظوری کے لئے لندن بھیجا تھا اس میں پنجاب کو مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنیاد پر تقسیم کیا گیا تھا۔ بلدیو سنگھ اور دوسرے سکھ رہنماؤں نے جائیداد کی ملکیت کو بنیاد بنا کر اس منصوبہ کی مخالفت شروع کر دی۔

27 اپریل کو بلدیو سنگھ نے ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک طویل خط میں اپنے مؤقف کو اعداد و شمار کی مدد سے بالتفصیل بیان کیا۔ زرعی اراضی کے ضمن میں اس نے حکومت پنجاب کی طرف سے 1931ء میں کئے گئے ایک جائزے کا حوالہ دیا جس میں ہر مذہب کے لوگوں سے حاصل ہونے والے لینڈ ریونیو کا تجزیہ کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق اس نے بتایا کہ پنجاب کا کل زرعی ریونیو 43813977 روپے تھا جس میں غیر مسلموں کی جانب سے 21844913 روپے ادا کیا جاتا تھا۔ گویا تقریباً 50 فیصد۔ جب کہ غیر مسلمانوں کی آبادی صوبہ میں آبادی کا 44 فیصد تھی۔ شہری جائیداد کا ذکر کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ صوبے بھر میں شہری جائیداد کا 80 فیصد غیر مسلموں کی ملکیت میں تھا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ صوبے کی کل ملا کر غیر منقولہ جائیداد میں

غیر مسلموں کا حصہ 50 فیصد سے کہیں زیادہ بن جاتا ہے۔ اس نے لکھا کہ اگر چہ غیر مسلموں کی آبادی 44 فیصد ہے مگر انتظامی عہدوں میں غیر مسلموں کا حصہ ففٹی ففٹی کی بنیاد پر رکھا گیا ہے اسی طرح وزارتی کابینہ میں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کی تعداد نصف۔ نصف رکھی گئی ہے۔ ان تمام عوامل کی بنیاد پر اس نے مطالبہ کیا کہ پنجاب کے رقبے کی تقسیم نصف نصف ہونی چاہیے۔ اس وقت پنجاب کا رقبہ ایک لاکھ مربع میل تھا۔ اس نے 50 ہزار مربع میل کا مطالبہ کر دیا۔ اس کے لئے اس نے لکھا کہ تین مکمل ڈویژن یعنی انبالہ، جالندھر اور لاہور غیر مسلموں کو دیئے جائیں۔ ان تینوں کو ملا کر رقبہ 46 ہزار مربع میل بنتا تھا۔ باقی 4 ہزار کا فرق پورا کرنے کے لئے اس نے کالونی اضلاع کی ترقی میں سکھوں کی شاندار کارکردگی کو بنیاد بناتے ہوئے ضلع منٹگمری (موجودہ ساہیوال) یا ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کا مزید مطالبہ کر دیا اس طرح گورونانک کی جائے پیدائش ننکانہ صاحب بھی انہیں مل جاتی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ خط گورنر پنجاب ایوان جینکنز کو دے دیا جس نے اس پر نوٹ لکھا کہ ''اس سے پتہ چل جانا چاہیے کہ پنجاب کی تقسیم کا مطلب خانہ جنگی ہے...... دریائے راوی اور بیاس کے درمیان باری دوآب یعنی اضلاع گورداسپور، امرتسر، لاہور اور منٹگمری میدان کارزار بن جائیں گے۔''[40] گویا انگریز انتظامیہ کو صاف نظر آرہا تھا کہ پنجاب میں تقسیم کے نتیجے میں کیا ہونے والا ہے۔

30 اپریل کو گیانی کرتار سنگھ، ہرنام سنگھ اور سردار اجل سنگھ نے وائسرائے کے چیف آف سٹاف لارڈ اسمے کے ساتھ ملاقات کی جو انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبے کے ہمراہ لندن جانے والا تھا۔ انہوں نے بھی اس مطالبے پر زور دیا کہ افراد گننے کے بجائے، اراضی کی ملکیت اور قدیم عبادت گاہوں کی بنیاد پر تقسیم عمل میں لائی جائے۔ ان کا سب سے زیادہ زور لاہور ڈویژن اور خاص طور پر لاہور شہر کے حصول کے لئے تھا۔ عبوری دور کے لئے انہوں نے تجویز کیا کہ انبالہ اور جالندھر ڈویژن غیر مسلموں کو اور راولپنڈی و ملتان ڈویژن مسلمانوں کو دے دیئے جائیں اور لاہور ڈویژن کو ایک مشترکہ کونسل کے حوالے کر دیا جائے تا آنکہ باؤنڈری کمیشن حد بندی کا کام مکمل کرے۔ یکم مئی کو بلدیو سنگھ نے مزید ایک خط لکھ کر ماؤنٹ بیٹن سے مطالبہ کیا کہ انبالہ و جالندھر ڈویژنوں کے علاوہ لاہور ڈویژن بھی پورے طور پر مشرقی حصے میں شامل کیا جائے۔ یا کم از کم اس کے اضلاع گورداسپور، امرتسر اور لاہور کو ضرور شامل کیا جائے۔ 2 مئی کو

دہلی میں سکھ۔ ہندو کنونشن میں قرارداد منظور کی گئی جس میں پنجاب کو تقسیم کرنے اور دونوں حصوں کے درمیان دریائے چناب کو حد فاصل مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ 3 رمئی کو سورن سنگھ، ہرنام سنگھ اور بھیم سین سچر نے ایوان جینکنز کے ساتھ ملاقات کر کے اسی مطالبے پر زور دیا۔ انہوں نے یہ بھی تجویز کیا کہ پنجاب کو مشرقی اور مغربی حصوں میں تقسیم کرنے کے علاوہ لاہور ڈویژن پر مشتمل ایک تیسرا مرکزی صوبہ وضع کر دینا چاہیے۔ جینکنز نے اسے مضحکہ خیز قرار دیا۔''[41]

7 رمئی کو بلدیو سنگھ نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک مفصل خط میں لکھا کہ مسلم اکثریت کے اضلاع میں سے ضلع گورداسپور کو لازمی طور پر غیر مسلم اکثریت کے مشرقی زون یعنی مشرقی پنجاب میں شامل کیا جائے۔ اس نے موقف اختیار کیا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو غیر مسلم اکثریت پر مشتمل وادیٔ کانگڑہ بقیہ ہندوستان سے بالکل کٹ کر رہ جائے گی۔ اس نے مزید مطالبہ کیا کہ چونکہ پنجاب کی تقسیم سکھوں کی خاطر عمل میں لائی جا رہی ہے اس لئے اس کا سب سے زیادہ فائدہ بھی سکھوں کو پہنچنا چاہیے۔ اس خط میں اس نے جناح کے ساتھ مفاہمت اور پاکستان میں شمولیت کے امکان کو قطعی رد کرتے ہوئے لکھا کہ ''آپ سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اب جناح سکھوں کے ساتھ تصفیے کا سخت آرزومند ہے۔ اس نے مجھ سے بھی اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ تاہم حقیقتاً وہ ایسا نہیں چاہتا۔ وہ جب تک سکھوں کو اپنے پاکستان میں مسلم غلبے کے تحت مقید نہیں کر لیتا وہ ہمارے ساتھ تصفیہ نہیں کرے گا۔ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ سکھ کسی حالت میں بھی پاکستان میں شمولیت کی بنیاد پر جناح کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔''[42] سکھ رہنماؤں کا یہ غیر مفاہمانہ رویہ اس وقت کے سکھ۔ مسلم تضاد کی شدت کا آئینہ دار تو ضرور ہے لیکن یہ انہیں کسی آزاد سمت کی طرف نہ لے جا سکا۔ وہ آگ اور خون کے دریا سے گزرنے کے بعد ہندوؤں کے شکنجے میں پھنس گئے۔ انہیں مسلم غلبے سے جو خطرات محسوس ہوتے تھے، وہ ہندوؤں نے زیادہ بڑی قوت کے ساتھ ان کے سر پر مسلط کر دیئے۔

پنجاب میں ہونے والی خونریزی کا انگریز انتظامیہ کو پہلے سے اندازہ تھا

30 راپریل کو گورنر پنجاب ایوان جینکنز نے ماؤنٹ بیٹن کو رپورٹ دی کہ ''سکھ ایک بڑے حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کے لیڈروں کی ترجیح یہ ہے کہ یہ حملہ جولائی 1948ء یا

اس کے بعد ہو لیکن لیڈروں کے لئے اپنے پیروکاروں کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے گا۔'' اس نے امرتسر کے نواح یا کسی اور مقام پر مسلم اکثریت کی آبادی پر سکھوں کے جوابی حملے کی افواہوں کا ذکر بھی کیا اور لکھا کہ ''سکھ نوجوان اب پنجاب کی تقسیم پر اس قدر تل گئے ہیں کہ کوئی انہیں اس راہ سے نہیں ہٹا سکتا۔'' اس نے یکم مئی کو ماؤنٹ بیٹن کے نام اپنے ایک اور مراسلے میں ان خدشات کا ذکر کیا جو انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبہ کے اعلان ہوتے ہی لاحق ہو جائیں گے۔ اس نے لکھا کہ پنجاب کی تقسیم کا پرامن ہونا بالکل ناممکن ہے۔ اس کا خیال تھا کہ صورت حال پر قابو پانے کے لئے فوج کو طلب کرنا پڑے گا جس کے لئے اس نے لکھا کہ اعلان سے پہلے ہی فوج کو اپنی پوزیشن سنبھالنا ہو گی۔ اس نے 3 اور 4 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن کو بھیجے گئے مراسلوں میں مجوزہ منصوبے کے بارے میں اپنی طرف سے عدم اطمینان کا اظہار کیا اور لکھا کہ اس کے نتیجے میں کسی بھی فریق کو پنجاب کا اتنا حصہ نہ مل سکے گا جتنا کہ وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس لئے اس منصوبے پر عمل درآمد صرف فوج کی مدد سے ہی ممکن ہو گا''[43] 6 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے بلدیو سنگھ کے ساتھ ملاقات میں اسے بتایا کہ پنجاب کی علامتی تقسیم میں 17 اضلاع مسلمانوں اور 12 اضلاع غیر مسلموں کو حاصل ہوں گے۔ بلدیو سنگھ نے اس پر شدید اعتراضات کئے، خاص طور پر ضلع گورداسپور اور بعض علاقے ضلع لاہور کے، مشرقی زون میں شامل نہ کئے جانے پر اس نے احتجاج کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر سکھوں نے گڑبڑ پھیلانے کی یا فرقہ وارانہ لڑائی شروع کرنے کی کوشش کی تو میں اپنے ماتحت تمام تر طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے انہیں کچل کر رکھ دوں گا اور تمہیں حکم دوں گا کہ تم بطور وزیر دفاع مسلح افواج اور فضائیہ کو ان کے خلاف حرکت میں لے آؤ۔''[44] لیکن بعد کے واقعات گواہ ہیں کہ جب وقت آیا تو ایسا نہ ہوا بلکہ ضلع گورداسپور بھی مشرقی زون میں شامل کر لیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس کی خوشنودی کی خاطر جس طرح یہ پلٹا کھایا اس کا ذکر اپنے مقام پر بعد میں آئے گا۔

اونچی ذات کے ہندوؤں نے بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کیا، مسلم لیگ نے متحدہ اور آزاد ریاست بنگال کے قیام کی کوشش کی

مشرقی کمان کا سربراہ لیفٹیننٹ جنرل فرانسس ٹکر لکھتا ہے کہ ''مسلم رائے عامہ بنگال

کی تقسیم کی مخالفت کر رہی تھی۔ انہیں امید تھی کہ یہاں مسلمان حکومت قائم رہے گی جو اپنے سے مختلف کسی حکومت کو برسراقتدار نہیں آنے دے گی۔ مزید یہ کہ مسلمان کلکتہ کو اس کی صنعتوں، بندرگاہ اور دولت سمیت دل و جان سے چاہتے تھے۔ ہندو مہاسبھا جو پرتشدد ہندو قوم پرست اور مذہبی لحاظ سے متعصب جماعت تھی اور اپنے قابل رہنما شیاما پرشاد مکرجی کی قیادت میں دن بدن زور پکڑ رہی تھی، مغربی بنگال کے ہندو اکثریت کے علاقہ کو علیحدہ کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مہاسبھائیوں کے علاوہ دوسرے ہندوؤں کی رائے کئی روز تک اس کے برعکس رہی اور پس وپیش سے کام لیتے رہے۔...... بہرحال اپریل کے وسط تک ہندو رائے عامہ بنگال کی تقسیم کے حق میں بہت زیادہ ہموار ہو چکی تھی۔"[45]

23/اپریل کو ہندو مہاسبھا کے سربراہ شیاما پرشاد مکرجی نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی اور بنگال کی تقسیم کا پرزور مطالبہ کیا اور اپنے موقف کی تائید میں بہت سے نقشے اور دستاویزات مہیا کیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ہندو مہاسبھا صرف اونچی ذات کے ہندوؤں کی نمائندہ تھی جب کہ بنگال میں اچھوتوں کی بھی بہت بڑی تعداد آباد تھی جو کہ تقسیم بنگال کے خلاف تھے۔ صوبائی کانگرس میں بھی پورے طور پر تقسیم کی حمایت موجود نہیں تھی۔ صوبائی کانگرس کے بائیں بازو کے دھڑے کا رہنما سرت چندر بوس وزیر اعلیٰ سہروردی کے مجوزہ متحدہ آزاد وخود مختار بنگال کی حمایت کر رہا تھا۔[46] چنانچہ ٹکر نے جس ہندو رائے عامہ کے بارے میں تقسیم کے حق میں بتدریج ہموار ہونے کا ذکر کیا ہے وہ دراصل اونچی ذات کے ہندوؤں کے دائیں بازو پر مشتمل تھی۔

انگریز خود بھی بنگال کی تقسیم کو دباؤ کے حربے کے طور پر استعمال کر رہے تھے اور خاص طور پر کلکتہ سے پاکستان کو محروم کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جناح کلکتہ کے بغیر پاکستان کو قبول نہیں کریں گے اور یہی وہ مقام ہے جہاں انہیں مات دے کر مطالبہ پاکستان سے منحرف کرایا جا سکتا ہے۔ مسلم لیگ اول تو صوبے کی تقسیم کے حق میں نہ تھی، تاہم تقسیم کی صورت میں وہ کلکتہ کو بہر قیمت مسلم بنگال میں شامل رکھنا چاہتی تھی۔ وہ اس مقصد کے لئے کلکتہ شہر میں استصواب رائے کرانے پر تیار تھی۔ 22/اپریل کو اسماعیل چندری گرنے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران کہا کہ اگر کلکتہ کو خود اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کیا گیا تو وہ بقیہ بنگال کے ہمراہ پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کرے گا۔ اس نے بتایا کہ کلکتہ میں آباد ہندوؤں کا

چالیس فیصد اچھوتوں پر مشتمل ہے جن کی بہت بڑی اکثریت صوبہ کی تقسیم کے خلاف ووٹ دے گی۔ ماؤنٹ بیٹن نے استصواب کے انعقاد سے متعلق کوئی یقین دہانی کرانے سے انکار کر دیا۔ [47]

25/اپریل کو وائسرائے کی سٹاف میٹنگ میں کلکتہ میں استصواب کے امکان کا جائزہ لیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کلکتہ کی آبادی کا ایک چوتھائی مسلمان ہے، ایک چوتھا اونچی ذات کے ہندوؤں پر مشتمل ہے اور بقیہ نصف اچھوتوں اور دوسری اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ اس نے بتایا کہ جناح اور لیاقت علی خاں کا خیال ہے کہ مسلم لیگ کلکتہ میں ہونے والا استصواب جیت جائے گی۔ اس نے اس مطالبے کے جواب میں کئی تجاویز پیش کیں جن کا لب لباب یہ تھا کہ استصواب نہ کرایا جائے یا اسے التوا میں رکھا جائے یا اگر کرایا جائے تو صرف اس صورت میں جب نظری طور پر ثابت ہو جائے کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے یا پھر کلکتہ کو ایک آزاد شہر قرار دے دیا جائے۔ اس کے مشیروں نے رائے دی کہ استصواب نہ کرایا جائے۔ اس کے معاون ایبل نے کہا کہ ''جہاں تک سرمایہ کاری کا تعلق ہے تو کلکتہ انگریزوں اور ہندوؤں کی تخلیق ہے۔'' ایک اور معاون کرسٹی نے بتایا کہ گورنر بنگال کے سیکرٹری ٹائی سن کی یہ پختہ رائے ہے کہ کلکتہ کو مغربی بنگال کا حصہ ہونا چاہیے۔ اس کی رائے تھی کہ استصواب کی صورت میں بہت خون خرابہ ہوگا۔ [48]

انگریزوں کا کلکتہ میں جس قدر کاروبار پھیلا ہوا تھا اور جو صنعتیں اور دوسرے ادارے قائم تھے اس کے پیش نظر ان کے لئے کلکتہ کو ایک بڑے ملک ہندوستان کے ساتھ وابستہ کرنا ایک چھوٹے ملک کے ساتھ وابستہ کرنے کی نسبت کہیں زیادہ سودمند تھا۔ ان کا اس انداز سے سوچنا بالکل فطری تھا کیونکہ وہ ہندوستان کے سیاسی اقتدار سے دستبردار ہونے کے باوجود یہاں موجود اپنے معاشی مفادات سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔

24/اپریل کو گورنر بنگال فریڈرک بروز نے تقسیم کے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ ماؤنٹ بیٹن کو ارسال کی۔ اس نے تجویز کیا کہ کلکتہ مشرقی اور مغربی بنگال کے دونوں صوبوں کے مابین مشترکہ شہر رہنے دیا جائے تاکہ دونوں قومیں کلکتہ کی معیشت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ اس طرح مسلم لیگ تقسیم بنگال کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے گی ورنہ تو کلکتہ کے بغیر مسلم لیگ کو معلوم ہے کہ مشرقی بنگال کا کوئی مستقبل نہ ہوگا۔ اس کی رائے تھی کہ برطانیہ کی عمل داری

کے دوران تقسیم کا کام کم سے کم ہونا چاہیے۔ بعد ازاں دونوں فریق خود ہی اپنے معاملات طے کرتے رہیں گے۔ اس نے برصغیر کے بارے میں برطانوی پالیسی کا اعادہ کرتے ہوئے یاد دلایا کہ ''ہم تقسیم کے حق میں کبھی نہیں رہے۔'' اور یہ کہ ''ہمیں جلد از جلد تقسیم کے مسائل سے نمٹنے کی تمام تر ذمہ داری ہندوستانیوں کے کاندھوں پر ڈال دینی چاہیے۔'' اس نے صوبے کو تقسیم کرنے کے لئے ہندوؤں کی طرف سے جاری تحریک کو دراصل ''پاکستان مخالف'' تحریک قرار دیا۔ اس نے لکھا کہ ہندو نہ تو آزاد بنگال کی صورت میں اور نہ ہی پاکستان کے حصے کے طور پر متحدہ بنگال میں رہنے پر تیار ہیں، وہ دہلی کی مرکزی ہندو حکومت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ کہیں وہ مسلم غلبے کے تحت پاکستان میں نہ مل جائیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ایک معاون کرسٹی کو گورنر بنگال کے پاس کلکتہ بھیجا۔ کرسٹی نے بھی اپنے 26 اور 27 اپریل کے مراسلوں میں ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ گورنر بنگال کی رائے ہے کہ کلکتہ کو ''آزاد شہر'' کے طور پر رکھا جائے اور یہ مشرقی و مغربی بنگال دونوں کے تصرف میں رہے۔[49]

ماؤنٹ بیٹن نے 28 اپریل کو گورنر کے نام ایک مراسلے کے ذریعے اس کی ''آزاد شہر'' والی تجویز کو رد کر دیا اور لکھا کہ ''یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں پاکستان کی سکیم کو معقول بناتا پھروں۔ میں تو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ یہ ہے کیا؟۔ تاہم مسلمانوں کو ان کا حق دیا جائے گا اور اپنی نجات حاصل کرنے کا انہیں ہر موقع فراہم کیا جائے گا۔''[50] چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے ہر حالت میں پاکستان کو ''نامعقول'' ثابت کرنے کے لئے کلکتہ کو مغربی بنگال کا حصہ بنائے جانے پر زور دیا۔

28 اپریل کو لارڈ اسمے نے بھی گورنر بنگال بروز کو اس سلسلے میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس نے اپنی اور ماؤنٹ بیٹن کی جناح کے ساتھ ملاقاتوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''جب وائسرائے نے جناح سے کہا کہ تقسیم کی صورت میں کلکتہ یقیناً پاکستان میں شامل نہیں ہو گا۔ تو حیرت انگیز طور پر جناح نے کم احتجاج کیا جس سے ہم نے یہ قوی تاثر قائم کیا ہے کہ جناح اس وقت پاکستان کے اصول کو طے کرانے کے لئے اس قدر زیادہ آرزومند ہے کہ وہ کلکتہ کے بغیر کٹے پھٹے پاکستان کو قبول کر لے گا۔'' اور مزید کہ ''اگر ہم نے جناح کو ذرا سا بھی یہ عندیہ دے دیا کہ اسے کلکتہ میں حصہ مل سکتا ہے تو پھر ہم اس موڈ میں اسے دوبارہ نہیں لا سکیں گے کہ جس میں وہ بنگال کے لئے کوئی ایسا منصوبہ منظور کر لے جو ہندوؤں کو بھی منظور ہو۔''[51]

29/اپریل کو کرسٹی نے بنگال کے بارے میں ایک مفصل نوٹ تحریر کیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ ''کلکتہ کو مشترکہ شہر بنانے کا سب سے بڑا فائدہ اس امکان میں ہے کہ بنگال کے دونوں حصے بالآخر باہم یکجا ہو جائیں گے۔''......اس نے لکھا کہ ''ہمارے منصوبے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لیگ کو کٹا پھٹا پاکستان قبول کرنے کے لئے مائل کیا جائے...... ہمارا رویہ یہ ہے کہ ہم بٹوارے کو کسی شکل میں بھی منظور نہیں کرتے۔ لیکن اگر عوامی نمائندوں کا اس پر بہت اصرار ہے تو پھر انہیں ایک کام چلاؤ قسم کی عارضی تقسیم منظور کر لینی چاہیے۔'' اس نے اس اعتراض کے جواب میں کہ مشرقی بنگال والوں کو کلکتہ تک راہ داری حاصل کرنا ہو گی، لکھا کہ ضلع چوبیس پرگنہ کی مسلم اکثریت کی سب ڈویژنیں کلکتہ کے گرد و نواح تک پہنچ جاتی ہیں چنانچہ راہ داری کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''[52]

ادھر بنگال مسلم لیگ کی پہلی ترجیح یہ تھی کہ متحدہ بنگال کو ایک آزاد و خود مختار مملکت کے طور پر علیحدہ رکھا جائے۔ 26/اپریل کو بنگال کی مسلم لیگ وزارت کے وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''میں ہر قسم کے بٹوارے کا سخت مخالف ہوں۔ میرے نزدیک متحدہ ہندوستان ہر شے سے بالاتر ہے۔ اگر میں ہند کو متحد نہیں رکھ سکتا تو پھر وزارتی مشن منصوبہ پر عمل ہونا چاہیے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر صوبے خود اپنے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔'' اس ضمن میں اس نے پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم کا بھی ذکر کیا۔ سہروردی نے جواب میں کہا کہ بنگال کے کیس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبے میں تین متبادل تجویز کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ صوبہ تقسیم ہو گا یا نہیں، دوئم یہ کہ آیا یہ پاکستان میں ہو گا یا ہندوستان میں اور سوئم یہ کہ یہ آزاد رہے گا۔ اس لئے اس نے کہا کہ ''میں آپ کو ابھی بتائے دیتا ہوں کہ اگر مجھے کچھ وقت دے دیا جائے تو مجھے پورا اعتماد ہے کہ میں بنگال کے سالم وجود کو برقرار رکھ سکوں گا۔'' اس نے مزید کہا کہ ''میں جناح کو اس بات پر راضی کر لوں گا کہ اگر بنگال متحد رہنے کے لئے تیار ہو جائے تو پھر اس کو پاکستان میں شامل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ میں ہند کو زیادہ حصوں میں تقسیم کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ تاہم ''بنگال کو تقسیم کرنے کے بجائے اسے ایک معاشی یونٹ کے طور پر برقرار رکھنا زیادہ بہتر ہو گا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے سہروردی سے سوال

کیا کہ کیا آپ علیحدہ فوج کا بھی مطالبہ کریں گے۔؟ سہروردی نے پرزور طریقے سے کہا ''ہاں'' ماؤنٹ بیٹن نے فوج کو تقسیم کرنے سے متعلق مشکلات بیان کیں کہ اسے دو حصوں میں بانٹنا ہی ایک دردسر ہے، اس میں بھی پانچ سال لگ جائیں گے چہ جائیکہ تین حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس نے کہا کہ آپ کو پورے ہند کے واسطے ایک ڈیفنس ہیڈ کوارٹر منظور کرنا پڑے گا۔ سہروردی نے اسے رد کرتے ہوئے کہا کہ فوج کو آسانی سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سہروردی نے تجویز کیا کہ برطانوی فوجی افسر بنگال آرمی کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اس نے آزاد بنگال کو دولت مشترکہ میں شامل کرنے کی بھی پیش کش کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جب تک ہند کا بڑا حصہ دولت مشترکہ میں شامل نہیں ہوگا ہم چھوٹے حصوں کو اس میں شامل نہیں کریں گے''[53] گویا چھوٹے حصوں کی علیحدگی کی حوصلہ شکنی اور ہند کے زیادہ حصوں میں بٹ جانے کے امکان کو رد کرنے کی خاطر ان کو دولت مشترکہ کے ''فوائد'' سے محروم رکھنے کا حربہ استعمال کیا جارہا تھا۔ تاہم اس کے باوجود بھی سہروردی اپنے اس موقف پر قائم رہا کہ متحدہ بنگال کو آزاد وخودمختار ملک کے طور پر علیحدہ کر دیا جائے۔

26/اپریل کو سہروردی نے وائسرائے کے چیف آف سٹاف لارڈ اسمے اور دوسرے سٹاف ارکان کے ساتھ بھی ملاقات کی۔ اس کا ریکارڈ قلمبند کر کے اسمے نے ماؤنٹ بیٹن کو ارسال کیا جس میں کہا گیا کہ ''سہروردی نے آپ کو بالکل غلط سمجھا ہے، اس نے ہمیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جیسے آپ اس بات کو مان گئے ہیں کہ اگر جناح بنگال کو پاکستان میں شامل کرنے کے بجائے اسے ایک علیحدہ یونٹ رکھنے پر آمادہ ہوجائے اور مخلوط رائے دہندگی کا اصول بھی مان لیا جائے تو آپ بنگال کو علیحدہ ملک بنانے کے لیے پوری کوشش کریں گے۔ ہم نے اسے جواب دیا ہے کہ وائسرائے کے لیے ہندوستان کو علیحدہ ملکوں کی صورت میں تقسیم کرنا تو بڑی دور کی بات ہے، اس کا پختہ ارادہ ہے کہ ہندوستان کو متحد رکھا جائے اور صرف اس صورت میں کہ جب ایسا قطعاً ناممکن نظر آنے لگے تو پھر عوام کی رائے عوام کے نمائندوں کے ذریعے معلوم کی جائے گی کہ وہ کس شکل میں تقسیم چاہتے ہیں۔''[54] چنانچہ اسمے اور دوسرے معاونین وائسرائے نے بھی بنگال کو علیحدہ اور خودمختار ملک بنانے کی بنگال مسلم لیگ کی خواہش کو رد کر دیا۔

26/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن اور جناح کی ملاقات کے دوران بھی بنگال کا مسئلہ زیرغور

آیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے سہروردی کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کیا اور یہ بتایا کہ میں نے سہروردی کو صاف کہہ دیا ہے کہ میں ہر قسم کے بٹوارے کے خلاف ہوں خواہ یہ بٹوارا ہندوستان کا ہو یا صوبوں کا اور یہ کہ سہروردی نے جواب میں کہا ہے کہ وہ بنگال کو اس شرط پر کہ اسے نہ پاکستان میں اور نہ ہی ہندوستان میں شامل کیا جائے، متحد اور آزاد ملک کے طور پر رکھ سکتا ہے۔ یہ بتانے کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے سیدھا سوال پوچھا کہ بنگال کو پاکستان سے علیحدہ کر دینے کی قیمت پر اگر بنگال کو متحد رکھا جائے تو اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟۔ جناح نے بلا جھجک جواب دیا ''مجھے اس پر خوشی ہوگی۔ کلکتہ کے بغیر بنگال کا کیا فائدہ ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ متحد اور آزاد رہے۔ مجھے یقین ہے کہ بنگال والے ہمارے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔''[55]

29 اپریل کو ماؤنٹ بیٹن کے پرنسپل سیکرٹری ایرک میول کے ساتھ لیاقت علی خاں کی ملاقات کے دوران بنگال کا موضوع زیر بحث آیا تو لیاقت نے بھی یہی موقف اختیار کیا اور کہا۔ ''مجھے بنگال کے بارے میں کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ میں ذہنی طور پر اس کا قائل ہوں کہ یہ صوبہ کبھی تقسیم نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ یہ ایک آزاد ریاست ہوگی جو نہ ہندوستان میں اور نہ پاکستان میں شامل ہوگی۔''[56]

ماؤنٹ بیٹن نے جناح اور لیاقت دونوں کو یہ تجویز پیش کی کہ بنگال کے نمائندوں سے سب سے پہلے بنگال کو آزاد ریاست بنانے کے سوال پر رائے شماری کرائی جائے۔ دونوں رہنماؤں نے اس تجویز سے پورا اتفاق کیا اور کہا کہ بنگال کی خوشحالی کا یہی بہترین راستہ ہے۔''[57] ان ملاقاتوں کے ریکارڈ سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ کلکتہ کو بنگال کی معیشت میں جو کلیدی حیثیت حاصل تھی اس کی خاطر مسلم لیگ کے اعلیٰ قائدین منقسم بنگال کے مشرقی حصے کو پاکستان میں شامل کرنے کے بجائے اسے متحد اور آزاد ریاست کے طور پر منظور کرنے کو زیادہ مقدم سمجھتے تھے۔ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی ترقی کے خواہاں تھے جس کے لئے پہلے انہوں نے متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے حل تلاش کرنے کی حتی الامکان کوشش کی اور وزارتی مشن منصوبے کو قبول کیا۔ اس کے تحت بھی مسلم اکثریت کے صوبوں کا ایک اکٹھا گروپ نہیں تھا بلکہ بنگال و آسام کا علیحدہ گروپ تھا اور پنجاب، سرحد، سندھ

وبلوچستان کا علیحدہ گروپ تھا۔ جب یہ منصوبہ ناکام ہوا اور برصغیر کی تقسیم ناگزیر ہوگئی تب بھی وہ بنگال کو شمال مغربی صوبوں پر مشتمل پاکستان سے الگ ایک قومی ریاست کے طور پر منظور کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ وہ برصغیر کے مشرقی اور مغربی علاقوں کے مسلمانوں کو محض عقیدے کی بنا پر ایک ملک کے بندھن میں باندھ کر ان پر اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے تجربہ گاہ قائم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ دراصل مسلمانوں کو مادی ترقی کرتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے۔ خواہ ایک ملک کی صورت میں خواہ دوملکوں کی صورت میں!۔

یکم مئی کو وائسرائے کی سٹاف میٹنگ میں گورنر بنگال فریڈرک بروز نے بھی شرکت کی۔ اس نے صوبے کی تقسیم کی صورت میں بھی کلکتہ کو دونوں حصوں کی دسترس میں رکھنے کی اپنی تجویز کا اعادہ کیا۔ اس نے کہا کہ کلکتہ کی نشوونما یورپی تجارتی مفاد کی بدولت ہوئی ہے اور اب یہ جس حیثیت کو پہنچا ہے اس کا انحصار مشرقی اور مغربی بنگال دونوں کے اوپر ہے۔ اگر کلکتہ کو تباہی سے بچانا ہے تو پھر اس کی خوشحالی کے مستقبل کی خاطر اسے دونوں حصوں کی عملداری میں رہنا چاہیے۔ یہ غیر منصفانہ بات ہوگی کہ اس شہر سے حاصل ہونے والا تمام ریونیو صوبے کے صرف ایک نصف حصے کو دے دیا جائے جب کہ دوسرے حصے نے بھی اس کی خوشحالی کے لئے بہت کچھ حصہ ڈالا ہوا ہے۔ تقریباً تمام ترپٹ سن مشرقی بنگال میں پیدا ہوتی ہے اس لئے اس حصے کو جیوٹ کی ایکسائز ڈیوٹی کا حصہ ملنا چاہیے۔ یہی بات چائے پر بھی صادق آتی ہے۔ بروز نے کہا کہ مشرقی بنگال علیحدہ ہوکر بالکل زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ حد درجہ جمود کا شکار اور مفلوک الحال ہوکر بالکل تنگ وتاریک دیہات میں تبدیل ہوکر رہ جائے گا۔ یہ معاشی طور پر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ تمام کوئلے کی کانیں، دوسری معدنیات اور کارخانے مغربی بنگال میں ہیں۔ مشرقی بنگال خوراک میں بھی خسارے میں ہے۔ یہاں خوراک کا معیار پست ہے اور آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اگر مشرقی بنگال کی تمام آبادی کو مناسب خوراک مہیا کی جائے تو 8 لاکھ ٹن کی درآمد کرنا پڑے گی۔ ان کے پاس روپیہ کمانے کے لئے صرف پٹ سن ہی کی فصل ہے۔ اگر انہوں نے پٹ سن کے بجائے خوردنی فصلوں کی کاشت شروع کر دی تو بھی کلکتہ کی جیوٹ انڈسٹری کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اس نے بتایا کہ سہروردی کلکتہ کو بین الاقوامی شہر بنانے کی تجویز پیش کر چکا ہے۔ بروز نے تجویز کیا کہ شہر کے کاروبار کو پانچ ہندو اور پانچ مسلمان ارکان پر مشتمل دس رکنی

انتظامی کونسل کے ماتحت رکھ کر چلایا جاسکتا ہے۔ بروز کی تجاویز کے خلاف ماؤنٹ بیٹن نے اپنے معاون جارج ایبل سے پورا کیس پیش کرنے کو کہا۔ ایبل نے کہا کہ ''کلکتہ کی 75 فیصد آبادی ہندو ہے جب کہ انہوں نے نوے فیصد سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔ وہ شہر کی انتظامی کونسل میں پیریٹی کے اصول کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ہماری موجودگی میں شاید مجبوراً مان لیں مگر ہمارے جانے کے بعد وہ اپنی مرضی کریں گے۔ اس نے کہا کہ کانگرس انتقال اقتدار کے موجودہ مجوزہ منصوبے کو ماننے پر تیار ہوگئی ہے، کلکتہ پر مشترکہ کنٹرول کی تجویز سامنے آنے کے بعد کہیں کانگرس اس پورے منصوبے ہی کو نہ رد کر دے۔'' مزید یہ کہ ''کلکتہ سے ملتا جلتا معاملہ لاہور ڈویژن کا ہے۔ اگر کلکتہ کو مجوزہ منصوبے سے مستثنیٰ کیا گیا تو پھر لاہور ڈویژن کو بھی کرنا پڑے گا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلے گا۔'' اس نے مزید کہا کہ ''دونوں پارٹیوں اور بالخصوص مسلم لیگ کو معقول رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں پتہ چل جائے کہ انہیں کیا مل رہا ہے؟۔ اس موقع پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''سیدھی سیدھی تقسیم سے ہٹ کر ہم نے کوئی اقدام اٹھایا تو کانگرس ناراض ہوجائے گی اور کانگرس کے ساتھ جھگڑے کی صورت میں ملک کا کاروبار چلانا مشکل ہوجائے گا۔'' بروز نے یہ تمام دلائل تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ ''اصل مقصد پرامن انتقال اقتدار ہے۔ آپ سارے مسئلہ کو کل ہند پیرائے میں دیکھ رہے ہیں جب کہ میں صرف صوبائی نقطۂ نظر سے دیکھ رہا ہوں۔ وائسرائے محض ایک صوبہ کی خاطر پورے ملک کے امن کو تہہ وبالا کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''[58] چنانچہ ایک اچھے ماتحت بیوروکریٹ کی طرح بروز نے اپنے صاحب سے اتفاق کیا اور کلکتہ سے متعلق اپنی تمام تجاویز کو واپس لے لیا۔ ماؤنٹ بیٹن تقسیم کے عمل کو کانگرس کے نقطۂ نظر کے مطابق انجام دینا چاہتا تھا۔

3 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ کرن شنکر رائے نے ملاقات کی جو بنگال اسمبلی میں قائد حزب اختلاف اور بنگال کانگرس پارٹی کا رہنما تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سے بنگال کو متحد رکھنے کے امکانات کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا اور اس سے پوچھا کہ اگر مخلوط حلقہ ہائے نیابت بنا دیئے جائیں تو کیا ہندو مطمئن ہو جائیں گے؟ رائے نے سرگرم ہوتے ہوئے جواب دیا ''یقیناً مطمئن ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر آپ اتحاد پر انحصار کر سکتے ہیں۔'' ماؤنٹ بیٹن نے اسے بتایا کہ سہروردی مشترکہ حق نیابت دینے کے لئے رضامند ہے اور یہ کہ وہ

مخلوط وزارت کی پیشکش کرنے کے بارے میں بھی کہہ رہا ہے جو وہ حکومت برطانیہ کے مجوزہ اعلان سے پہلے پہلے تشکیل کرنے کا خواہاں ہے جب کہ یہ اعلان 20 رمئی کو متوقع ہے۔ یہ سب کچھ سن کر رائے نے ایسا ولولہ محسوس کیا کہ کہنے لگا ''میں دہلی میں برطانوی اعلان تک ٹھہرنے کے ارادے سے آیا تھا لیکن اب مجھے فوری واپس کلکتہ جانا ہوگا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ آپ ایک لحہ بھی ضائع نہ کریں اور فوراً جا کر سہروردی کے ساتھ معاملات طے کریں اور پھر گورنر سے دارجیلنگ جا کر ملاقات کریں جہاں وہ ان دنوں گیا ہوا تھا۔ رائے ڈرامائی انداز میں اٹھا اور گرم جوشی سے مصافحہ کر کے ماؤنٹ بیٹن سے رخصت ہوا۔''[59]

ادھر 3 رمئی ہی کو سہروردی نے گورنر بنگال بروز کے ساتھ ملاقات کی اور مخلوط وزارت کی تشکیل کے بارے میں بات چیت کی۔ سہروردی نے کہا کہ ''یہ مخلوط وزارت بنگال کی مستقل یکجہتی کی بنیاد پر قائم ہونے والی پختہ شراکت داری ہوگی۔ مجھے بنگال میں ہندوؤں کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنا ہوں گے اور ان سے معاملات کا تصفیہ کرنا ہوگا۔'' اس نے بتایا کہ وہ اس سلسلے میں کام کا آغاز کر چکا ہے اور سہ پہر کو سرت چندر بوس کے ساتھ اسی سلسلے میں ملنے جا رہا ہے۔ اس نے خیال ظاہر کیا کہ اگر استصواب ہوتو نہ صرف نچلے بلکہ درمیانے درجے کے ہندو بھی تقسیم بنگال کے خلاف ووٹ دیں گے۔[60] لیکن سہروردی، سرت چندر بوس اور کرن شنکر رائے وغیرہ کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوئیں۔ ہندو مہاسبھا کے صدر شیاما پرشاد مکرجی کی قیادت میں اونچی ذات کے ہندوؤں کی تقسیم کے حق میں ایجی ٹیشن دن بدن زور پکڑ رہی تھی اور یکم مئی کو کانگرس کی مجلس عاملہ نے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے حق میں قرارداد منظور کر کے اتحاد و یکجہتی کی بنیاد پر آزاد بنگال کے قیام کے امکانات کو معدوم کر دیا تھا۔

7 رمئی کو سہروردی نے بنگال کی تقسیم کے خلاف بیان دیا اور متحدہ آزاد بنگال کے قیام کے سلسلے میں اپنی تجاویز کا اعادہ کیا۔ اس نے ہندو اور مسلمان رہنماؤں کو دعوت دی کہ وہ مل بیٹھیں اور ایک کانفرنس میں اپنی امیدوں اور مقاصد کو ٹھوس شکل دیں۔ کلکتہ کے بارے میں اس نے کہا ''تقسیم بنگال کے نعرے کا مقصد صرف کلکتہ کی قیمتی نعمت پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو تجارت اور کاروبار سے محروم کرنا ہے......لیکن اگر کلکتہ فساد کی جڑ بن گیا تو خود اس شہر کا کچھ بھی نہیں بچے گا......امن و سلامتی کے بغیر یہ صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔''

10 رمئی کو وائسرائے کی سٹاف میٹنگ میں نہرو نے سہروردی کے اس بیان پر سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ اس نے کہا کہ برطانیہ سے متوقع انتقال اقتدار کے اعلان کے بعد کلکتہ میں گڑبڑ شروع ہو جائے گی جسے صوبائی وزارت کی پشت پناہی حاصل ہوگی اور اس کا مقصد ہوگا کہ اگر کلکتہ مشرقی بنگال کو نہیں دیا جاتا تو پھر اسے تباہ کر دیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس صورت حال کے مقابلے کے لئے فوج کو تیار رہنے اور مزید نفری کا بندوبست کرنے کے لئے گورنر بنگال کو اس میٹنگ کے دوران ہی فوری ہدایات جاری کر دیں۔ تاہم اس سلسلے میں بروز کے نام بھیجے گئے تار میں ماؤنٹ بیٹن نے یہ بھی کہا کہ برطانوی اعلان کے بعد نہرو کے خدشات کے برعکس ''میری توقع یہ ہے کہ سہروردی آزاد و متحدہ بنگال کے قیام کی خاطر ہندوؤں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششیں دوگنی کر دے گا۔''[61] لیکن جب لارڈ اسمے مجوزہ اعلان کی منظوری لے کر لندن سے واپس دہلی پہنچا تو نہرو نے اس اعلان میں صوبوں کو آزاد رہنے کے لئے دیا گیا اختیار واپس لینے کے لئے واویلا مچا دیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

کانگرس نے برصغیر کی تقسیم کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے ساتھ مشروط کر کے منظور کر لیا

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ پٹیل 47ء کے اوائل میں برصغیر کی تقسیم کے بارے میں قائل ہو چکا تھا۔ وہ مسلمانوں کو ایک کٹا پھٹا، ناقابل عمل اور کمزور پاکستان دے کر علیحدہ کر دینا چاہتا تھا تاکہ بقیہ برصغیر ایک مضبوط مرکز کے تحت ہندو بورژوازی کی عملداری میں آ جائے۔ بتدریج نہرو اور گاندھی بھی اس سے متفق ہو گئے اور اپریل کے اواخر میں جب انتقال اقتدار کے اعلان کا مسودہ تیاری کے مراحل سے گزر رہا تھا، کانگرسی رہنماؤں کی جانب سے تقسیم کا برملا اظہار کیا جا رہا تھا۔

11 راپریل کو کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ایک سینئر رکن جگ جیون رام نے ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے دوران کہا تھا کہ اگرچہ میرا پہلے خیال تھا کہ ساری پارٹیوں کی رضامندی کے ساتھ ہندوستان کے اتحاد کو برقرار رکھا جا سکتا ہے اور اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر کی تقسیم ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی کے لئے تباہ کن ہوگی لیکن اب معاملات اس حد تک چلے گئے

ہیں کہ رضامندی کے ساتھ اتحاد کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا خیال تھا کہ ''اب جناح بھی اس احساس کا رخ نہیں بدل سکتا جو اس نے مسلمانوں میں پیدا کر دیا ہے۔'' اسی دن راج گوپال اچاریہ نے بھی ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے دوران بڑے دکھ کے ساتھ یہ تسلیم کیا کہ اب متحدہ ہندوستان کا نظریہ بزور قوت نافذ نہیں کیا جاسکتا اور اگر متحدہ ہندوستان کو اقتدار منتقل کرنے کے فیصلے کی بنا پر خانہ جنگی ہوگئی تو یہ ایک عجیب و غریب المیہ ہوگا۔ اور پھر 17/اپریل کو کانگرس کے صدر اچاریہ کرپلانی نے وائسرائے کے روبرو یہ رائے ظاہر کی کہ ''اب حالات اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ کانگرس کو طوعاً و کرھاً یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ مسلم لیگ رضا کارانہ طور پر ہندوستان کے اتحاد پر ہرگز رضامند نہیں ہوگی۔ لہٰذا لڑائی کرنے سے بہتر یہ ہے کہ انہیں پاکستان لے لینے دیا جائے بشرطیکہ آپ پنجاب اور بنگال کی منصفانہ تقسیم کی اجازت دے دیں۔''[62]

اس سے اگلے دن یعنی 18/اپریل کو نہرو نے آل انڈیا اسٹیٹس پیپلز کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ '' کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے 8/مارچ کو پنجاب کی تقسیم کے بارے میں جو قرارداد منظور کی تھی وہ دراصل عملی مصلحت کی بناء پر ملک کی تقسیم کی منظوری کے مترادف تھی''[63] اور پھر 20/اپریل کو ایک جلسۂ عام میں اس نے اور بھی زیادہ کھلے الفاظ میں مطالبہ پاکستان کو منظور کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس نے کہا کہ ''اگر مسلم لیگ پاکستان چاہتی ہے تو بے شک لے سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان علاقوں کو نہ لے جو پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔''[64]

28/اپریل کو ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کانگرسی ارکان پر مشتمل دستور ساز اسمبلی میں واضح طور پر یہ اعلان کر دیا کہ کانگرس نے تقسیم ہند کا اصول مان لیا ہے۔ اس نے کہا کہ ''اگرچہ ہم نے وزارتی مشن کے 16/مئی 1946ء کے اس منصوبے کو منظور کر لیا ہے جس میں ملک کے اندر مختلف صوبوں اور ریاستوں کی یونین کا تصور پیش کیا گیا ہے لیکن اس امر کا امکان ہے کہ مجوزہ یونین سارے صوبوں پر مشتمل نہیں ہوگا۔ اگر بدقسمتی سے ایسا ہوا تو ہمیں اس یونین کے ایک حصے کے لئے آئین پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں ہم اصرار کر سکتے ہیں اور کرنا چاہیے کہ ملک کے سارے حصوں کے لئے ایک ہی اصول کا اطلاق ہوگا اور کسی بھی علاقے پر ایسا آئین نافذ نہیں کیا جائے گا جو اس کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ نہ صرف ہندوستان تقسیم ہوگا بلکہ اس کے بعض صوبے بھی تقسیم ہوں گے۔ ہمیں اس قسم کی

تقسیم کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیے اور یہ ممکن ہے کہ اسمبلی کو ایسی تقسیم کی بنیاد پر آئین بنانا پڑے گا۔''[65] راجندر پرشاد نے ایک پریس انٹرویو میں بھی کہا ''اگر ہندوستان کی تقسیم ہونا ہے تو پھر یہ اتنی جامع اور مکمل ہو کہ جتنی ممکن ہو سکے۔ اس میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم شامل ہو تا کہ بعد میں کسی جھگڑے یا تنازعے کی گنجائش نہ رہ جائے۔ اگر اس کی خاطر مسلح افواج کی تقسیم کی ضرورت ہے تو وہ بھی کر دینی چاہیے اور یہ جس قدر جلد ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے۔''[66]

کانگرسی زعما دراصل اس قسم کے بیانات دے کر اپنا تھوکا ہوا خود ہی چاٹ رہے تھے۔ 1946ء کے اواخر تک انہوں نے اپنے ''ایک قومی نظریئے'' کو زندگی و موت کا سوال بنایا ہوا تھا اور وہ مسلم لیگ کے ''دو قومی نظریئے'' کو انگریزوں کی ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کی پیداوار قرار دیتے تھے۔ نہرو نے تقریباً ایک سال قبل 5/اپریل 1946 کو اعلان کیا تھا کہ ''کانگرس مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو کسی بھی صورت میں تسلیم نہیں کرے گی خواہ برطانوی حکومت اسے مان بھی لے۔ دنیا کی کوئی طاقت، بشمول اقوام متحدہ، جناح کے مطلوبہ پاکستان کو وجود میں نہیں لا سکتی۔''[67] لیکن اب اپریل 1947ء میں وہ خود ہی ''دو قومی نظریئے'' کا اعلانیہ پرچار کرنے لگا تھا جب کہ انگریزوں کی خواہش اور کوشش بدستور یہی تھی کہ ہندوستان کی یکجہتی اور سالمیت کو برقرار رکھا جائے۔

یکم مئی 1947ء کو کانگرس کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں برصغیر کی تقسیم کی منظوری دے دی۔ اس اجلاس میں گاندھی نے بھی شرکت کی۔ اس فیصلے کے بارے میں اسی روز ماؤنٹ بیٹن کو آگاہ کرتے ہوئے نہرو نے اپنے خط میں لکھا ''ان تجاویز کے سلسلے میں جو لارڈ اسے اپنے ہمراہ لندن لے کر جا رہا ہے، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری مجلس عاملہ نے خود ارادیت کی بنیاد پر تقسیم کے اصول کو منظور کر لیا ہے جس کا اطلاق واضح طور پر معین علاقوں پر ہوگا۔ اس میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم بھی شامل ہوگی۔'' صوبہ سرحد کے ضمن میں کہا گیا کہ ''جس صوبے میں آئینی طور پر اکثریتی حکومت موجود ہے اس میں محض دہشت گردی کی وجہ سے نئے انتخابات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔'' مطلب یہ تھا کہ صوبہ سرحد کو جہاں مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک جاری تھی، پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ بلوچستان کے متعلق مجوزہ منصوبہ میں خود ارادیت کے اظہار کے لئے وضع کردہ طریق کار پر اعتراض کیا گیا کہ اس کے لئے شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے

ارکان کی رائے ناکافی ہے، رائے عامہ جاننے کا کوئی اور طریقہ وضع کیا جائے“[68] اب یہ اور بات ہے کہ رائے عامہ جاننے کا خواہ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جاتا، نتائج اس سے مختلف نہ ہوتے کہ جو مجوزہ طریقے سے آئے۔ قبائلی معاشرہ میں جرگہ دراصل قبائلی جمہوری نظام کے تحت وجود میں آنے والا ایک نمائندہ ادارہ ہوتا ہے اور اس کے فیصلے کی پابندی کرنا ہر قبائلی ایک مقدس فریضہ سمجھتا ہے۔ برطانوی بلوچستان تمام تر قبائلی تھا، شہری تمدن فقط کوئٹہ میں تھا جس کے لئے میونسپلٹی کے منتخب ارکان نمائندگی کا پورا حق رکھتے تھے۔ تاہم کانگرس نے پاکستان کا جو نقشہ منظور کیا تھا اس میں صرف سندھ اور نصف پنجاب کو ایک طرف اور مشرقی بنگال کو دوسری طرف شامل کیا گیا تھا۔ یہ حد درجہ کٹا پھٹا اور کمزور پاکستان، کانگرسی قیادت کے اندازے کے مطابق بہت جلد مضبوط مرکزی ہندوستان کے غلبے کو تسلیم کر کے بالآخر اس میں ضم ہو جاتا۔

کانگرس نے برصغیر کی تقسیم کی منظوری کیوں دی......؟

ہندو بورژوا برصغیر کو ڈھیلے ڈھالے وفاق کے بجائے ایک مضبوط مرکز کے ذریعے کنٹرول کرنا چاہتا تھا جس پر اسے بلاشرکت غیرے اقتدار حاصل ہوتا۔ ایک کٹا پھٹا کمزور پاکستان منظور کر کے اسے بقیہ برصغیر پر کلی قبضہ حاصل کرنے کا راستہ زیادہ موزوں نظر آیا۔ برصغیر میں کم وبیش چھ سو ریاستیں اور رجواڑے بھی موجود تھے جن پر برصغیر کا چالیس فیصد رقبہ مشتمل تھا۔ ان میں سے بڑی ریاستیں انگریزوں کے جانے کے بعد مکمل طور پر آزاد وخود مختار ملک کی حیثیت سے رہنا چاہتی تھیں۔ ہندو بورژوا ان تمام ریاستوں پر بزورِ قوت قبضہ جمانا چاہتا تھا اور یہ کام ایک مضبوط مرکز کے ذریعے ہی ممکن تھا۔ انہیں پاکستان کی صورت میں جتنا علاقہ چھوڑنا پڑ رہا تھا اس سے کہیں زیادہ علاقہ وہ ان ریاستوں پر قبضہ کر کے حاصل کر سکتے تھے۔ تقسیم کے بعد جب پٹیل نے بحیثیت وزیر داخلہ بھارت، ان ریاستوں پر قبضہ کرنا شروع کیا تو نومبر 1947ء کے دوسرے ہفتے کے دوران ناگ پور میں ریاست چھتیس گڑھ کے نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے اس نے تقسیم کو منظور کرنے کے پس منظر کے بارے میں بتایا کہ ”میں اس نتیجے پر پہنچ گیا تھا کہ اب بہترین راستہ یہی ہے کہ ان غیر ملکیوں کی یہاں سے روانگی کے عمل کو تیز تر کیا جائے خواہ اس کے لئے بٹوارے کی قیمت ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ تب ہی مجھے

یہ بھی خیال آیا تھا کہ ملک کو محفوظ و مضبوط کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ باقی ماندہ ہندوستان کو متحد کیا جائے۔"[69] یعنی کٹا پھٹا پاکستان چھوڑ کر باقی برطانوی ہندوستان میں ہندوستانی ریاستوں کو ضم کر دیا جائے تو ایک "محفوظ و مضبوط" ہندوستان وجود میں آ جائے گا۔ نومبر 1949ء میں بھارت کی آئین ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے پٹیل نے بتایا کہ ہم نے تقسیم کو قبول کرنے کے لئے جہاں پنجاب و بنگال کی تقسیم اور دو ماہ کے اندر اندر اقتدار کی منتقلی کی شرائط عائد کی تھیں وہاں یہ شرط بھی رکھی تھی کہ "برطانوی حکومت ہندوستانی ریاستوں کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائے گی۔ ہم خود اس معاملے سے نمٹ لیں گے۔ یہ ہم پر چھوڑ دیا جائے۔ آپ کسی کی طرفداری مت کریں۔"[70] ان ریاستوں پر قبضہ مستحکم کرنے کے بعد ہندو بورژوا کا خیال تھا کہ پاکستان جس کی حیثیت ریاست یا رجواڑے سے زیادہ نہ ہوگی، کو زیرنگیں لانا بھی کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ ان عزائم کا اظہار نہرو کی 18 اپریل 1947ء کی آل انڈیا سٹیٹس پیپلز کانفرنس کی تقریر سے ہوتا ہے جس میں اس نے کہا "کوئی بھی ہندوستانی ریاست جو آئین ساز اسمبلی میں شامل نہیں ہوگی، ہم اسے اپنا دشمن سمجھیں گے اور اسے ہمارے دشمن کی حیثیت سے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم ہندوستان کو جتنا زیادہ سے زیادہ آزاد کرا سکتے ہیں کرا لیں اور پھر بقیہ ہندوستان کی آزادی کے سوال سے نمٹیں"[71]

لیونارڈ موسلے کے مطابق 1956ء میں نہرو نے اپنے سوانح نگار مائیکل بریشر کو ہندوستان کا بٹوارا منظور کرنے کی وجوہات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ یہ حالات کا جبر تھا اور یہ احساس تھا کہ ہم یہ راستہ اختیار کئے بغیر اس تعطل یا دلدل سے باہر نہیں آ سکیں گے جو بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ علاوہ ازیں یہ احساس بھی تھا کہ اس پس منظر کے ساتھ اگر ہندوستان کو آزادی مل بھی گئی تو یہ ایک بے حد کمزور ہندوستان ہوگا۔ یعنی یہ ایک وفاقی ہندوستان ہوگا جس کے وفاقی یونٹوں کے پاس بے حد زیادہ اختیارات ہوں گے۔ نسبتاً بڑے ہندوستان میں مستقل گڑبڑ جاری رہے گی اور علیحدگی کی قوتوں کی مسلسل کھینچا تانی ہوتی رہے گی" اور پھر 1960ء میں اس نے خود لیونارڈ موسلے کے ساتھ اس بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا "ہمیں توقع تھی کہ بٹوارا عارضی ہوگا اور پاکستان ہمارے ساتھ واپس آن ملنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ہم میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ قتل و غارت اور کشمیر کے بحران کے نتیجے میں

تعلقات میں اس قدر تلخی ہو جائے گی۔"[72]

گاندھی کا سیکرٹری اور سوانح نگار پیارے لال لکھتا ہے کہ "کانگرس کو ایک ایسی یونین (متحدہ ہند) کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا تھا کہ جس میں اقلیت کو مستقل اکثریت پر ویٹو استعمال کرنے کا حق حاصل ہوتا اور جس میں ایک مکمل جمہوری نظام کی استواری کا بھی کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ اس طرح ملک اندرونی طور پر کمزور اور بیرونی طور پر بے دست و پا ہو کر رہ جاتا ہے۔"[73] 25 نومبر 1948ء کو بنارس ہندو یونیورسٹی میں تقسیم کو منظور کرنے کا پس منظر بتاتے ہوئے ایک تقریر میں سردار پٹیل نے کہا "میں نے محسوس کیا کہ اگر ہم نے تقسیم کو منظور نہ کیا تو ہندوستان کے حصے بخرے ہو جائیں گے اور یہ مکمل طور پر تباہ ہو جائے گا۔ (مخلوط) حکومت میں ایک سال گزارنے کے تجربے کے بعد میں قائل ہو گیا تھا کہ ہم جس راستے پر جا رہے ہیں وہ ہمیں بربادی کی طرف لے جائے گا۔ اس طرح ہمیں ایک پاکستان نہیں بلکہ بہت سارے پاکستانوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہر دفتر میں ایک پاکستان سیل (Cell) موجود ہوگا۔"[74] چنانچہ یہ اعتراف تھا کہ جب ہندو بورژوا کو اپنے مفاد میں یہ نظر آیا کہ کسی نہ کسی شکل میں ایک کٹا پھٹا پاکستان دے کر مسلمانوں کو زیر کرنا اس کی نسبت آسان ہوگا کہ انہیں ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق میں اپنے ہمراہ رکھا جائے، تو انہوں نے قیام پاکستان پر آمادگی ظاہر کرنا شروع کی۔

ہوڈسن کی رائے یہ ہے کہ "ہندوستان میں انتقال اقتدار کے سلسلے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے کردار پر نکتہ چینی کی جا سکتی ہے لیکن یہ بات یقیناً نہیں کہی جا سکتی کہ اس نے ہندوستانی لیڈروں سے پوری طرح مشورہ کئے بغیر اور ان کی مرضی کے خلاف ہندوستان کو تقسیم کیا تھا۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہندوستان کو ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ یہ کام ہندوستانیوں نے خود ہی کیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن آخری وقت تک یہ کوشش کرتا رہا تھا کہ وزارتی مشن کے منصوبے کے مطابق ہندوستان کی یکجہتی اور سالمیت برقرار رہے لیکن اس نے اس مقصد کے لئے جتنی زیادہ کوشش کی اتنا ہی اس پر واضح ہوتا چلا گیا کہ وزارتی مشن کے مجوزہ حل کی موت واقع ہو چکی ہے۔...... کانگرس، بالخصوص جواہر لال نہرو، کی ضرورت سے زیادہ پر اعتمادی اور تعلّی برصغیر کی تقسیم کا باعث بنی۔ اگر ان میں ذرا سا زیادہ عجز ہوتا اور انہیں اپنے موقف کے صحیح ہونے کے بارے میں قدرے کم یقین ہوتا تو شاید وہ سارے فرقوں پر مشتمل متحدہ ہندوستان سے متعلقہ

اپنے نظریے کو تباہ ہونے سے بچا سکتے تھے۔[75] سر چمن لال سیتلوار کا خیال ہے کہ ''پاکستان دراصل کانگرس کی پیداوار ہے۔ جس نے اپنے اقتدار کے زمانے میں فرقہ وارانہ مسئلے کو غلط طریقے سے نمٹانے کی کوشش کی اور ایسا رویہ اختیار کیا کہ مسلمانوں میں اس کے بارے میں بہت زیادہ بدگمانی پیدا ہوگئی اور وہ پاکستان کے حصول پر مجبور ہوگئے۔''[76]

فرانسس ٹکر لکھتا ہے کہ ان دنوں ہندوؤں کی اکثریت کا رویہ بہت منتقمانہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر مسلمان پاکستان چاہتے ہیں تو لعنت بھیجو، انہیں لے لینے دو۔ ہم ان کے علاقے کے ہر اس انچ کو کاٹ لیں گے جسے کاٹنا ممکن ہوتا کہ یہ بھونڈا دکھائی دے اور ایسا ملک بنے جو چل نہ سکے۔ جب وہ بچا کھچا پاکستان لے لیں گے تو ہم اس کا انتظام کریں گے کہ یہ معاشی طور پر قابل عمل نہ ہونے پائے۔''[77] انہی دنوں کانگرس کے ان داتا صنعت کار جی۔ ڈی۔ برلا نے بھی ایک پمفلٹ لکھا تھا جس میں اعداد و شمار کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ پاکستان معاشی طور پر چل نہیں سکے گا۔''[78] برلا ہندوؤں کے قومی بورژوا طبقے کا سرکردہ رکن تھا اور کانگرس کی قیادت اس کی رائے سے بہت متاثر ہوتی تھی۔ غالباً پہلے سردار پٹیل نے اور پھر نہرو نے ہندوؤں کے بورژوا طبقے کے اس قسم کے ''اہل الرائے'' کے مشورے کے مطابق پاکستان کے قیام پر اس شرط کے تحت رضامندی کا اظہار کیا تھا کہ پنجاب اور بنگال کو تقسیم کر دیا جائے اور ہندوستانی ریاستوں پر قبضے کے سلسلے میں برطانیہ کانگرس کی راہ میں حائل نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ کانگرس کی طرف سے برصغیر کی تقسیم کی منظوری برصغیر میں صدیوں سے موجود ہندو مسلم تضاد کا مظہر تھی جس کا ہر قدم پر کانگرس نے عملاً اظہار اور قولاً انکار کیا تھا۔ مشہور بنگالی ہندو مورخ آر۔ سی۔ موجمدار نے چار جلدوں پر مشتمل اپنی تالیف ''تاریخ تحریک آزادئ ہند'' میں جابجا ہندو مسلم تضاد کی معروضیت کو ایک تاریخی حقیقت قرار دیتے ہوئے تسلیم کیا ہے اور اس کے بارے میں کانگرس کے منافقانہ رویے کا پردہ چاک کیا ہے...... کانگرس کی جانب سے برصغیر کا بٹوارا منظور کر لینے پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے۔ ''گاندھی اور کانگرس کے دیگر سرکردہ رہنماؤں مثلاً نہرو اور پٹیل کی جانب سے بٹوارا منظور کرنے کے فیصلے کو عام طور پر ناقابل معافی اور ناقابل توجیہہ قرار دیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے آخری لمحے پر جلد بازی میں کیا ہوا غیر متوقع فیصلہ قرار دیتے ہیں کہ جس نے ہندوستان کو ناقابل بیان حالت زار

سے ہمکنار کر دیا۔ ان کے بارے میں اس قسم کی رائے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان رہنماؤں نے ہمیشہ ہندو، مسلم اتحاد پر مبنی ہندوستانی قومیت کا غلط نظریہ اختیار کئے رکھا اور وہ لوگوں کو بھی یہ باور کراتے رہے کہ اس حقیقت کو نظر انداز کریں اور ان کے تصورات کو پروان چڑھائیں۔ لیکن جن لوگوں نے 19 ویں صدی کے آغاز سے ہندو۔ مسلم تعلقات کی تاریخ کا محتاط جائزہ لیا ہے، ان کے نزدیک پاکستان کو فقط ہندوستان میں سیاسی تسلسل کا منطقی نتیجہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے...... ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ایسے بنیادی اختلافات پائے جاتے تھے کہ جو انہیں ایک قوم میں ڈھالنے کی راہ میں حائل رہے......'' اور آگے چل کر انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''اس سلسلے میں جتنے منصوبے بھی زیر غور رہے ان میں ایک نقطۂ ہمیشہ مشترک رہا اور وہ یہ تھا کہ مرکز کو کمزور ہونا چاہیے جس کے پاس بہت محدود اختیارات ہوں جب کہ اختیارات مالبقی تمام کے تمام صوبوں کو تفویض کئے جائیں۔ یہ مسلمانوں کے لئے رعایت تھی جو مرکز میں ہندو اکثریت سے خائف تھے۔ ہندوستان جیسے ملک میں کہ جہاں انواع واقسام کی زبانیں، نسلیں، مذاہب اور قومیں آباد ہیں کہ جو اپنے سیاسی اور ثقافتی ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزر رہی ہیں اور جو مختلف تاریخی روایات کی حامل ہیں، ایک ایسے مضبوط مرکزی ادارے کی ضرورت تھی جو مرکز گریز رجحانات کی بیخ کنی کرسکتا کہ جو ہندوستانی سیاست کی مرقوم تاریخ میں ازل سے موجود ہیں۔ مسلم صوبوں کی علیحدگی سے یہ موقع فراہم ہوتا تھا کہ کم از کم بقیہ ہندوستان کے لئے مضبوط مرکزی حکومت کا حامل آئین وضع کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ پاکستان وبال محض (Unmixed Curse) نہیں تھا''[79] گویا پاکستان کا قیام موجمدار کے خیال میں باقی ماندہ ہندوستان کے لئے بھی ایک نعمت سے کم نہ تھا کہ اس طرح وہاں مضبوط مرکز کی حامل حکومت کا آئین تشکیل دیا جاسکتا تھا۔ تاہم بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کیا کہ باقی ماندہ ہندوستان میں بھی ''انواع واقسام کی زبانوں، نسلوں، مذاہب اور قوموں کے مرکز گریز رجحانات'' کی مضبوط مرکز کے ساتھ کشمکش جاری رہی اور بعض قومیتوں کی علیحدگی کی تحریکیں بہت زور پکڑ گئیں۔ ان میں سکھوں کی تحریک سب سے نمایاں ہے۔ درحقیقت باقی ماندہ ہندوستان کو قابل عمل بنانے کے لئے بھی مضبوط مرکز کے بجائے ڈھیلے ڈھالے وفاق کی ضرورت تھی مگر جسے ہندو بورژوا نے اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر کبھی منظور نہیں کیا۔

مضبوط مرکز کے قیام اور جلد انتقال اقتدار کی خاطر کانگرس نے ہندوستان کو دولت مشترکہ کی ماتحت ریاست بنانا منظور کر لیا

نہرو اور پٹیل کے مشیر خاص کے۔ایم۔ پانیکر نے جو اس وقت ریاست بیکانیر کا وزیراعظم تھا، اور بعد میں نہ صرف بھارتی حکومت میں انتہائی اہم نوعیت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا بلکہ اسے پالیسی ساز کی حیثیت حاصل رہی، 5 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران یہ مؤقف اختیار کیا کہ ''ریاستیں خود اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل نہیں ہیں، ریاستوں کے لئے بھی ایک مضبوط مرکز کا قیام انتہائی ضروری ہوگا۔'' اس ملاقات کا ریکارڈ قلمبند کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''پانیکر نے وزارتی مشن منصوبہ میں مجوزہ کمزور مرکز کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور پاکستان کے قیام کا مثبت طور پر خیر مقدم کیا کہ اس کی بدولت دہلی میں حقیقتاً ایک مضبوط مرکز قائم ہو سکے گا جب کہ مسلم اکثریتی صوبوں کی شمولیت کی صورت میں ایسا ناممکن ہو جائے گا۔ اسے یقین تھا کہ جناح بھی پاکستان کے لئے اسی طرح کا مضبوط مرکز قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور یہ کہ دونوں ملک معاہدے کے ذریعے باہمی تعلقات برقرار رکھیں گے تاکہ مجموعی دفاع کے معاملے کو اسی طرح نبھایا جا سکے جیسا کہ وزارتی مشن منصوبہ میں تجویز کیا گیا ہے۔'' آگے چل کر ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''میرا خیال تھا کہ میں جس مجوزہ منصوبہ پر کام کر رہا ہوں وہ وزارتی مشن منصوبہ کے مقابلے میں گھٹیا درجے کا ہے۔ لیکن پانیکر نے کہا کہ یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور ہندوستان کے دور رس شاندار مستقبل کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر پاکستان کی ریاستیں بالآخر بقیہ یونین آف انڈیا کے ساتھ دوبارہ آن ملیں تو انہیں بھی دہلی کے مضبوط مرکز کو تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کے بغیر تو ہندوستان رہ ہی نہیں سکتا۔'' اس نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا کہ ''میں ان معدودے چند ہندوستانیوں میں سے ہوں جنھوں نے سٹریٹجی کے حوالے سے دفاع کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی اہمیت کو ہندوستانی رہنماؤں میں فقط سردار پٹیل ہے جو سمجھ پایا ہے۔ سردار پٹیل صورت حال سے اس قدر پریشان ہے کہ اس نے مجھے اعتماد میں لے کر بتایا ہے کہ وہ موجودہ کانگرسی حکومت کو برسر اقتدار رکھتے ہوئے انگریزوں کے ساتھ بہت اچھا تصفیہ کرنا چاہتا ہے کیونکہ

اسے ڈر ہے کہ کہیں ان کی جگہ اقتدار ایسے لوگوں کو نہ مل جائے جو دفاع کو ٹھیک طور پر نہ سمجھتے ہوں اور جو انگریزوں کے ساتھ اچھے تصفیے کی اہمیت کا اندازہ نہ کر سکتے ہوں۔'' ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں کہا کہ ایک ایسے تصفیے کے بغیر جس کے تحت ہندوستان برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رہے اور تاج برطانیہ سے تعلق برقرار رکھے، یہ ممکن نہ ہوگا کہ برطانوی فوجی افسر شاہ برطانیہ کے کمیشن سے مستعفی ہو کر ہندوستان کے لئے خدمات انجام دیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے سمجھایا کہ اگر ہندوستان برطانیہ کی فوجی اور تکنیکی مہارت کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اسے برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہونا چاہیے۔ پانیکر نے کہا کہ میں جلد از جلد موقع پا کر سردار پٹیل کے ساتھ اس سلسلے میں بات کروں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اس ضمن میں میرا حوالہ نہ دیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ خود کانگرس والے پیش رفت کریں۔''[80] دراصل ماؤنٹ بیٹن کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مسلم اکثریتی صوبوں سے دستبردار ہونے کے بعد کانگرسی رہنما ایک مضبوط مرکز اور مضبوط دفاع کے حامل ہندوستان کے قیام کی خاطر برطانوی دولت مشترکہ میں شمولیت کے لئے خود درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو بورژوا نے سوویت یونین، ابھرتے ہوئے کیمونسٹ چین اور ایشیاء میں شرق تا غرب پھیلی ہوئی انقلاب کی لہر کے خلاف دفاع کی سٹریٹجی کے حوالے سے کم از کم ابتدائی عرصے میں برطانوی سامراج کا آزاد حلیف بن کر رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کانگرس کی مشکل یہ تھی کہ کانگرسی ارکان پر مشتمل آئین ساز اسمبلی نے جنوری 47ء کے اواخر میں منظور کردہ قرارداد مقاصد کے ذریعے ہندوستان کو آزاد و خود مختار جمہوریہ (ری پبلک) بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ مگر اب وہ چاہتے تھے کہ دولت مشترکہ میں ڈومینین سٹیٹس حاصل کیا جائے۔ 17 اپریل کو کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران اس سلسلے میں اپنے پچھتاوے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ آئین ساز اسمبلی کی متذکرہ قرارداد میں ''آزاد و خود مختار جمہوریہ کی اصطلاح شامل کروانے کے لئے وہ خود بھی ذمہ دار تھا لیکن اس نے کہا کہ ''اب مجھے افسوس ہے کہ انتقال اقتدار کے اس آخری مرحلے کے دوران ایسی انتہا پسندانہ اصطلاح اتنی جلد استعمال کر لی گئی ہے۔ اب مجھے بتائیے کہ اس میں ترمیم کے لئے کیا کرنا چاہیے۔'' ماؤنٹ بیٹن نے اسے سمجھایا کہ آپ اس قرارداد پر عمل درآمد اگلے پانچ سال کے لئے ملتوی کر سکتے ہیں اور

اس کے بعد بھی استصواب کروا کر اس سلسلے میں رائے عامہ معلوم کی جا سکتی ہے۔'' کرشنا مینن نے کہا کہ ''کانگرس کی مشکل یہ ہے کہ اب تاج برطانیہ کے ساتھ تعلق کس طرح برقرار رکھا جائے گا کہ ابھی تک کانگرس خالصتاً سیاسی حربے کے طور پر تاج برطانیہ کو ظلم کی علامت ظاہر کر کے ہدف تنقید بناتی رہی ہے۔ اس لئے اب اپنے سیاسی نظریے میں بنیادی تبدیلی کے بارے میں لوگوں کو قائل کرنا بہت مشکل ہوگا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں کہا ''یہ آپ کا دردسر ہے۔'' اس نے باور کرایا کہ جب تک کانگرس تاج برطانیہ سے تعلق استوار کرنے اور اس پر عوام کو قائل کرنے کا کوئی راستہ نہیں نکالتی، وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا کہ ''کانگرس کو پیش رفت کرنی چاہیے۔ میں کوئی پیش رفت نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے سخت ہدایات حاصل ہیں کہ ہندوستان کو دولت مشترکہ میں شامل کرنے کی ہرگز کوئی کوشش نہ کی جائے۔ مجھے تو یہ بھی یقین نہیں ہے کہ اگر میں نے اس سلسلے میں کوئی اقدام کیا تو برطانوی حکومت اسے منظور کرے گی۔ کیونکہ میری روانگی کے وقت وائٹ ہال میں منعقدہ اجلاس اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ ہم ہندوستان سے اپنے تمام تجارتی مفادات سٹرلنگ بیلنس (Balance) اور دوستانہ معاہدہ کے ذریعے بھی حاصل کر سکیں گے۔ اس کے لئے ہمیں ہندوستان جیسے انتہائی کمزور ملک کو اپنے دفاعی نظام میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' تاہم کرشنا مینن بار بار یہی اصرار کرتا رہا کہ ہندوستان ہر صورت اپنی ضرورت کے لئے دولت مشترکہ میں آنا چاہتا ہے لیکن چونکہ کانگرس سامراج دشمن لفاظی کرتی رہی ہے اس لئے اس سلسلے میں پہلا قدم اگر برطانیہ کی جانب سے بڑھایا جائے تو بہتر ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے رد کرتے ہوئے کہا کہ ''اگر آپ لوگ پہلا قدم نہیں بڑھائیں گے تو آپ کے پاس ایک گلی سڑی فوج ہوگی اور آپ دولت مشترکہ سے ملنے والے تمام فائدوں سے محروم ہو جائیں گے۔ تاہم اس طرح دولت مشترکہ کے ممالک اپنے سر پر پڑنے والے اخراجات، پریشانی اور آپ کے دفاع کی ذمہ داری سے بچ جائیں گے۔'' کرشنا مینن نے کہا کہ یہ پیش رفت آف دی ریکارڈ مذاکرات میں تو ہو سکتی ہے لیکن کانگرسی رہنماؤں کے لئے کھلے بندوں ان نعروں سے انحراف کرنا مشکل ہے جو وہ اب تک لوگوں کو مہیا کرتے آئے ہیں۔ کرشنا مینن نے تجویز کیا کہ اگر برطانیہ رضا کارانہ طور پر جون 1948ء سے بہت پہلے ہمیں ڈومینین کا درجہ (Status Dominion) فوری ابھی عنایت کر دے تو ہم

اتنے زیادہ شکر گزار ہوں گے کہ جون 1948ء میں بھی اس میں ترمیم کے لئے کوئی آواز نہیں اٹھے گی۔ البتہ ممکن ہے لفظ ڈومینین بدلنا پڑ جائے۔'' ماؤنٹ بیٹن نے اس بہانے ہندوستان کی یکجہتی کو برقرار رکھنے کی ایک اور کوشش کرتے ہوئے جواب دیا کہ ''اگر مسلم لیگ یونین آف انڈیا میں شامل رہنے پر آمادہ ہوجائے تو میں اگلے ہی ماہ آپ کو ڈومینین کا درجہ دینا منظور کرلوں گا۔؟'' اس پر کرشنا مینن نے پوچھا کہ کیا آپ ہندوستان اور پاکستان کو الگ الگ ڈومینین کا درجہ دینا منظور نہیں کر سکتے؟'' ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا ''یقیناً کرسکتا ہوں۔ بشرطیکہ دفاع سے متعلق تمام امور میری تحویل میں رہنے دیئے جائیں کہ مجھے دونوں ڈومینینوں کی واحد فوج کے استعمال کو مربوط کر کے رکھنا ہوگا۔'' کرشنا مینن یہ پیشکش نہرو تک پہنچانے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔''[81]

اگلے روز یعنی 18/اپریل کو نہرو کے محکمہ خارجہ کے سیکرٹری وہیٹ مین نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران بتایا کہ ''نہرو کو یہ احساس ہوگیا ہے کہ دولت مشترکہ چھوڑنے کی صورت میں ہندوستان کو کیا نقصان ہوگا، لیکن وہ اس بارے میں پریشان ہے کہ ''مکمل آزادی'' کی جس پروپیگنڈہ پالیسی پر وہ چلتے رہے ہیں، اب اس کے الٹ کس طرح چلیں۔''[82] کانگرس اقتدار کی جلد از جلد منتقلی کی خاطر ''مکمل آزادی'' کے نعرے سے انحراف چاہتی تھی اور انگریز بھی ہندوستان کو دولت مشترکہ میں بطور ڈومینین شامل رکھنے اور جلد از جلد ہندوستان کے مسائل سے آزاد ہونے کی خاطر جون 48ء سے بہت پہلے یہاں سے بستر گول کرنا چاہتے تھے۔ 18/اپریل کو وائسرائے سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ انڈیا کو ڈومینین کا درجہ دینے کا فیصلہ اسی سال کرنا پڑے گا ورنہ مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوسکیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شاید ڈومینین کا درجہ ہندوستان اور پاکستان کو الگ الگ دینا پڑے گا تاہم مسلح افواج کا کنٹرول وائسرائے کے ہاتھ میں رہے گا۔[83]

22/اپریل کو کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ دولت مشترکہ میں شمولیت کے معاملے پر پھر تبادلۂ خیال کیا۔ مینن نے خدشہ ظاہر کیا کہ آہستہ آہستہ امریکہ ہندوستان میں برطانیہ کی جگہ لینا چاہتا ہے۔ امریکہ یہاں کی تمام منڈیوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس کا مقصد ہندوستان میں اڈوں کا حصول بھی ہو جنہیں وہ روس کے خلاف استعمال کرنا چاہے

گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ پاکستان کے قیام کی صورت میں مسلم لیگ والے دولت مشترکہ میں اپنی شمولیت کی درخواست کا اعلان کر چکے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ میں ذاتی طور پر پاکستان کی دولت مشترکہ میں شمولیت کی مخالفت کروں گا کیونکہ میرا موقف یہ ہے کہ اگر ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل نہ ہوتو پھر پاکستان کو بھی اس میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی جائے کہ اس طرح ان دونوں کے درمیان خانہ جنگی کی صورت میں دولت مشترکہ ایک کے ساتھ فریق بن جائے گی اور یہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس طرح یہ ہوگا کہ پاکستان جس کا آغاز ایک کمزور ملک کے طور پر ہوگا، برطانیہ اور امریکہ کے تعاون سے تھوڑے عرصے کے بعد ہندوستان کی نسبت زیادہ طاقت ور ملک بن جائے گا۔ پاکستان والے ہمارے خفیہ ہتھیار حاصل کریں گے، وہ ہمارے تربیتی اداروں اور تجربہ گاہوں سے فائدہ اٹھائیں گے اور برطانوی اور امریکی اسلحہ اور تکنیک کی مدد سے ہندوستان سے کہیں برتر حیثیت اختیار کرلیں گے۔ ہوسکتا ہے کراچی جیسی جگہوں پر برطانوی دولت مشترکہ کے بڑے بحری اور فضائی اڈے قائم ہو جائیں۔ کرشنا مینن نے جواب میں کہا کہ اس صورت حال کو پیدا ہونے سے کس طرح روکا جاسکتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا کہ اس کی فقط یہی صورت ہے کہ ہندوستان بھی دولت مشترکہ کا رکن بن جائے۔ اس طرح پاکستان کبھی آپ کے مقابلے میں آگے نہیں نکل سکے گا۔ کرشنا مینن نے جواب میں ایک بار پھر اپنے پچھتاوے کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اب ہم یہ سب کچھ کس طرح حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ ہم نے سلطنت برطانیہ سے مکمل آزادی کی قرارداد منظور کر کے اپنی کشتیاں خود ہی جلا ڈالی ہیں۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''یہ آپ کا مسئلہ ہے کہ آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔'' تاہم ماؤنٹ بیٹن نے تجویز کیا کہ پاکستان اور ہندوستان دونوں کو الگ الگ آزاد ڈومینین کا درجہ دیا جاسکتا ہے جن کی ایک مشترکہ مرکزی دفاعی کونسل ہو اور ایک مشترکہ فوج ہو، خود ماؤنٹ بیٹن مرکزی دفاعی کونسل کا سربراہ اور دونوں ڈومینینوں کا مشترکہ گورنر جنرل ہو۔ مزید یہ کہ مرکزی دفاعی کونسل میں فریقین میں اختلاف کی صورت میں ماؤنٹ بیٹن کو بحیثیت چیئر مین فیصلہ کن رائے دینے کا حق بھی حاصل ہو۔[84]

23/اپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے عبوری حکومت کے پارسی رکن برائے تجارت سی۔ایچ۔ بھابھا کے ساتھ ملاقات کے دوران بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور اس دلیل

کا اعادہ کیا کہ پاکستان دولت مشترکہ میں شامل ہو کر اس کے فائدے اٹھائے گا اور ہندوستان کے مقابلے میں برتر قوت بن جائے گا۔ اس نے مرکزی دفاعی کونسل، مشترکہ فوج اور مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز کا بھی اعادہ کیا اور بھابھا کو سمجھایا کہ عبوری حکومت میں اس سمیت کانگرس کے دیگر غیر مسلم اتحادیوں یعنی بلدیو سنگھ اور جان متھائی کو چاہیے کہ وہ کانگرس کے لئے دولت مشترکہ میں شمولیت کی راہ ہموار کرنے میں کانگرسی رہنماؤں کی مدد کریں اور وہ آئین ساز اسمبلی میں اس کے برعکس جو قرارداد منظور کر بیٹھے ہیں اس سے انحراف کی خاطر اس پر عمل درآمد ملتوی کر دینے کی تجویز اختیار کرنے پر آمادہ کریں۔[85]

گویا انگریز برصغیر کو دولت مشترکہ میں شامل رکھنے کی خاطر ایک طرف ہندوستان کو پاکستان سے خائف کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو دوسری طرف مسلم لیگی رہنماؤں سے ملاقاتوں میں انہیں بھی یہ باور کرا چکے تھے کہ اگر ہندوستان نے دولت مشترکہ میں شمولیت کے لئے درخواست نہ کی تو پاکستان کی دولت مشترکہ میں شمولیت کی درخواست کو رد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس موقع پر کہا جا سکتا ہے کہ انگریز اپنے مفاد کی خاطر برصغیر میں موجود ہندو۔مسلم تضاد سے فائدہ اٹھا رہے تھے اور ایک کو دوسرے کی جانب سے لاحق خطرات کی موجودگی کے احساس سے بھی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ بعض لوگ ان کے اس قسم کے رویے کی بنیاد پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہندو۔مسلم تضاد محض انگریزوں کا پیدا کردہ تھا اور انہوں نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل کرنے کی خاطر یہ تضاد پیدا کیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں یہ تضاد گزشتہ ایک ہزار سال سے موجود چلا آتا تھا۔ انگریزوں نے بیشتر موقعوں پر اس تضاد کا فائدہ اٹھانے کی کوشش تو ضرور کی تھی لیکن یہ تضاد پیدا انہوں نے نہیں کیا تھا۔ یہ انہیں تاریخ سے ورثہ میں ملا تھا اور ان کے چلے جانے کے بعد بھی جاری وساری ہے۔ بعد کے واقعات شاہد ہیں کہ پاکستان نے دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کر لی مگر پھر کچھ عرصے بعد جب بھی اس میں اپنی رکنیت کی بحالی کی درخواست دی، بھارت کی شدید مخالفت کی وجہ سے منظور نہ ہو سکی۔ بھارت آج بھی برطانوی دولت مشترکہ کے رکن کی حیثیت سے اس کے گئے گزرے مفادات حاصل کر رہا ہے مگر پاکستان کو ان سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔

جب کانگرس کی جانب سے ماؤنٹ بیٹن کو یہ واضح عندیہ مل گیا کہ کانگرس جلد از جلد

اقتدار کی منتقلی اور مضبوط مرکز کے قیام کی خاطر دولت مشترکہ میں ڈومینین سٹیٹس کے حصول کی خواہاں ہے تو اس نے اپنے سرکاری سیاسی مشیر وی۔ پی مینن سے ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر ہندوستان و پاکستان کی تشکیل اور انتقال اقتدار کا منصوبہ وضع کرنے کے لئے کہا۔ یاد رہے وی۔ پی مینن سردار پٹیل کا معتمد آدمی تھا اور جنوری 47ء کے اوائل میں پٹیل کی جانب سے ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر انتقال اقتدار کی تجویز لے کر ماؤنٹ بیٹن کے پاس آیا تھا۔ اب اسی سے اس بارے میں منصوبہ وضع کرایا جارہا تھا۔ اس نے اپریل کے آخری ہفتے میں اس منصوبے کا مسودہ ماؤنٹ بیٹن کو پیش کر دیا۔ اس میں کہا گیا کہ ''اگرچہ کانگرس نے ڈومینین کی حیثیت کو عبوری دور کے لئے منظور کیا ہے، لیکن اگر ڈومینین کا درجہ دے کر اقتدار فوری طور پر انہیں سونپ دیا جائے تو اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ اس عبوری بندوبست کو طویل عرصے کے لئے بھی منظور کرلیں گے۔ البتہ اگر آخر وقت تک اقتدار کی منتقلی کو ٹالا جاتا رہا تو پھر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جائے گا کہ مکمل آزادی دے کر اقتدار منتقل کیا جائے۔'' زیر نظر منصوبے میں تجویز کیا گیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے لئے گورنر جنرل ایک ہی شخص ہوگا جسے حکومت برطانیہ تعینات کرے گی۔ دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کے شعبوں کو مشترکہ رکھنے کے لئے ایک مشترکہ کونسل (جائنٹ کونسل) وضع کی جائے گی جس میں ہندوستان اور پاکستان کے برابر برابر نمائندے لئے جائیں گے۔ اس کونسل کی صدارت گورنر جنرل کرے گا۔ انگریزوں کو اس منصوبے پر مائل کرنے کے لئے وی۔ پی مینن نے لکھا کہ جون 1948ء سے بہت پہلے اقتدار منتقل کر دینے کا بڑا اچھا نفسیاتی اثر پڑے گا اور ہند۔ برطانیہ تعلقات کو فروغ حاصل ہوگا۔ دونوں ڈومینینوں کو اپنے آئین وضع کرنے میں کم از کم چار پانچ سال کا عرصہ لگ جائے گا۔ ڈومینین کی حیثیت سے ان کو مکمل اقتدار مل جانے کی صورت میں ان کو آئین بنانے کی کوئی جلدی بھی نہیں ہوگی۔ اس دوران دفاع سے متعلق مشترکہ بندوبست اور گورنر جنرل کی بدولت ہند۔ برطانیہ تعلقات مضبوط ہوتے جائیں گے اور دونوں ملکوں (ہندوستان و پاکستان) کو برطانیہ کے ساتھ تعلق برقرار رکھنے کے فائدے نظر آجائیں گے۔ چنانچہ وہ آئین بن جانے کے بعد بھی اس تعلق کو برقرار رکھیں گے۔[86] گویا ڈومینین سٹیٹس کے تحت اقتدار کی جلد منتقلی کا فائدہ نہ صرف ہندو بورژوا کو تھا بلکہ برطانوی سامراج کو بھی تھا۔

اس کے برعکس جو منصوبہ ماؤنٹ بیٹن نے اسمے کے ہاتھ منظوری کے لئے لندن بھیجا تھا اس میں یہ امر یقینی نہیں تھا کہ برصغیر تمام کا تمام دولت مشترکہ میں شامل ہو گا؟ مسلم اکثریتی صوبوں کے متعلق مسلم لیگی رہنما یقین دہانی کرا چکے تھے کہ وہ دولت مشترکہ میں ضرور شامل ہوں گے لیکن ہندوستان کے بڑے حصے کی نمائندگی کرنے والے کانگرسی ارکان پر مشتمل آئین ساز اسمبلی ہندوستان کو آزاد جمہوریہ بنانے کا اعلان کر چکی تھی۔ اس کے علاوہ مجوزہ منصوبہ میں بھی انتقال اقتدار کے کئی مرحلے تھے۔ پہلے صوبوں کے ارکان آئین ساز اسمبلی نے فیصلہ کرنا تھا کہ وہ موجودہ آئین ساز اسمبلی یعنی ہندوستان میں شامل ہوں گے یا ایک علیحدہ آئین ساز اسمبلی یعنی پاکستان میں شامل ہوں گے یا بالکل آزاد وخود مختار اپنی علیحدہ آئین ساز اسمبلی وضع کریں گے۔ اس کے بعد آئین ساز اسمبلی یا اسمبلیوں نے اپنا آئین تشکیل دینا تھا اور پھر ان دساتیر کے مطابق وجود میں آنے والی حکومتوں کو جون 1948ء سے پہلے پہلے اقتدار منتقل کیا جانا تھا۔ ان تمام مراحل سے گزرتے ہوئے یہ اندیشہ بھی تھا کہ برصغیر کہیں دو سے زیادہ حصوں میں نہ تقسیم ہو جائے جو کہ نہ ہندو بورژوا اور نہ ہی برطانوی سامراج کو قابل قبول تھا۔

چنانچہ وی۔ پی مینن اور کرشنا مینن کے ذریعے ہندو بورژوا اور برطانوی سامراج کے مابین ڈومینین سٹیٹس پر مبنی ایک نئے منصوبے پر سودے بازی شروع ہو گئی۔ کانگرس کی جانب سے دولت مشترکہ میں ڈومینین کا درجہ قبول کرنے کی پیشکش کی گئی اور اس کے عوض میں فوری انتقال اقتدار کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ سلسلہ جنبانی ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا جب 2رمئی کو اسمے مجوزہ منصوبہ کا مسودہ لے کر لندن کے لئے روانہ ہوا۔ تاہم وی۔ پی مینن کے تیار کردہ مذکورہ مسودے کی ایک نقل اس کے ہمراہ کر دی گئی تھی تاکہ برطانوی حکومت اسے بھی پیش نظر رکھے۔ مینن کے پیش کردہ منصوبے کے بارے میں اسمے کی رائے یہ تھی کہ وقت آنے پر اس قسم کے یا اس سے ملتے جلتے منصوبے کی پیش کش ہماری جانب سے نہیں بلکہ خود ہندوستانی رہنماؤں کی جانب سے ہونی چاہیے۔ فائل پر اس نوٹ کے جواب میں 28راپریل کو ماؤنٹ بیٹن نے لکھا کہ وقت آنے پر وی۔ پی مینن خود کانگرس سے اس منصوبے کی پیشکش کروادے گا۔[87] اور اس کی یہ توقع یقین میں بدل گئی جب اسمے کی لندن روانگی سے قبل یکم مئی کو اس کے معاون ایرک میول نے

وائسرائے سٹاف کی میٹنگ میں بتایا کہ وی۔ پی مینن نے اسے اطلاع دی ہے کہ سردار پٹیل فی الوقت ڈومینین سٹیٹس کو منظور کرنے پر تیار ہے۔ [88] پیارے لال کا کہنا ہے کہ پٹیل نے یہ یقین دہانی اس لئے کرائی تھی کہ اس طرح ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے مینن کی وساطت سے کئے گئے وعدے کے مطابق برطانیہ کی دستبرداری مقررہ تاریخ سے پہلے ہو جائے گی اور مسلم لیگ کی برطانیہ سے سودابازی کرنے کی طاقت بھی کم ہو جائے گی۔ [89]

حقیقت یہ تھی کہ اس وقت اپنی منشا کے مطابق انتقال اقتدار کو عمل میں لانے کی خاطر کانگرس اور مسلم لیگ دونوں ہی انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں اور اس مقصد کے لئے برطانوی دولت مشترکہ میں شمولیت پر آمادگی ظاہر کر رہی تھیں۔ کانگرس کے زیر اثر رقبہ اور آبادی دونوں ہی لیگ کے زیر اثر رقبہ اور آبادی کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا اس لئے کانگرس کو انگریزوں کے ساتھ سودے بازی میں لیگ کی نسبت زیادہ موثر اور مضبوط پوزیشن حاصل تھی۔ چنانچہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے لیگ کو دولت مشترکہ میں شمولیت کا زیادہ بڑھ چڑھ کر اظہار کرنا پڑا۔ جناح اور لیاقت نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ بیشتر ملاقاتوں میں پاکستان کو دولت مشترکہ میں شامل رکھنے کی پرزور درخواست کی تھی اور درخواست کی نامنظوری کی صورت میں یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ پھر دولت مشترکہ کے رکن دوسرے بڑے ممالک کا اثر ورسوخ استعمال کر کے اس کی رکنیت حاصل کی جائے گی۔ انتقال اقتدار کو زیادہ سے زیادہ اپنے حسب منشا بنانے کے لئے اینگلو امریکی بلاک کا حصہ بن جانے پر بھی آمادگی ظاہر کی گئی۔

19 / اپریل کو لیاقت نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ایک ملاقات میں کہا کہ ''اس وقت دنیا میں دو ہی بڑی طاقتیں شمار کی جاتی ہیں۔ ایک جانب برطانوی دولت مشترکہ کا گروپ اور امریکہ ہیں تو دوسری جانب روس ہے۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ کیا آپ روس کے ساتھی بننے اور اس کے مضمرات کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟ لیاقت نے جواب دیا ''نہیں۔ ہرگز نہیں'' [90] یعنی لیگ کے اعتدال پسند رہنماؤں نے قیام پاکستان سے پہلے ہی خود کو اینگلو امریکی بلاک کے ساتھ وابستہ کر لیا تھا۔

لیاقت نے 28راپریل کو ایرک میول کے ساتھ رات کے کھانے پر ملاقات کے دوران اس کی ایک وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ ''مسلمانوں کو برطانوی امداد درکار ہوگی۔ خاص طور پر صنعتوں کی ترقی کے لئے ہم برطانیہ کے ساتھ لین دین کرنے کے عادی ہیں جو صرف 5 فیصد سود وصول کرتا ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کو چھوڑ کر ہمارے سامنے صرف ایک ہی متبادل رہ جاتا ہے کہ مارواڑی بنیوں سے قرض حاصل کریں جو کم از کم دس فیصد سود وصول کریں گے اور جو ہندوؤں کے ساتھ شامل ہوجانے کے بعد ہماری ترقی میں روڑے اٹکانے کی کوشش کریں گے۔''[91] جاگیردارانہ تصورات کا حامل لیاقت علی خاں عوام الناس کی قوت اور وسائل پر انحصار کرنے کا راستہ جانتا ہی نہیں تھا۔ تاریخ کے طالب علم واقف ہیں کہ مسلم جاگیرداروں کی معیشت ہندو ساہوکار کی دست نگر ہوا کرتی تھی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی صورت میں خود انحصاری کے بجائے اب وہ سامراجی قرضوں کی جانب دیکھنے لگے تھے۔

ڈومینین کی بنیاد پر جلد انتقال اقتدار کے لئے شملہ میں ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے خفیہ مذاکرات

وی۔ پی مینن اور کرشنا مینن کا خیال تھا کہ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو دونوں کو نئی دہلی کی سرکاری مصروفیات سے چند روز کے لئے الگ تھلگ ہوکر ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر فوری انتقال اقتدار کے بارے میں تفصیلی تبادلۂ خیال کرنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ قریب رہ کر باہمی اعتماد کو مزید گہرا کریں اور اس تجویز کی افادیت کا بخوبی احاطہ کریں۔ 22راپریل کی ملاقات میں کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو تجویز کیا کہ وہ نہرو کو ہمراہ لے کر چند روز کی تعطیلات کے لئے کشمیر چلا جائے۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے شملہ جانا پسند کیا اور 7رمئی کو وہ اپنے معاون ایرک میول اور وی۔ پی مینن کے ہمراہ شملہ چلا گیا۔ اگلے روز نہرو اور کرشنا مینن بھی شملہ پہنچ گئے۔ انہوں نے وائسرائے کے مہمان کی حیثیت سے وائسریگل لاج میں قیام کیا۔

7رمئی کو شملہ پہنچ کر ماؤنٹ بیٹن نے اپنے سٹاف کی میٹنگ منعقد کی۔ اس میں وی۔ پی مینن نے بتایا کہ سردار پٹیل اور نہرو دونوں نے دولت مشترکہ میں شمولیت پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ اگر وائسرائے ان سے اس بارے میں رابطہ قائم کرے تو وہ دونوں مثبت

جواب دیں گے۔ تاہم اس نے کہا کہ ہندوستان کی دولت مشترکہ میں شمولیت کے ضمن میں رائج بعض اصطلاحیں تبدیل کر دی جائیں تو مناسب ہوگا۔ انگلستان کے بادشاہ کے لئے ''ملک معظم'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ''بادشاہ ہند'' کا لفظ استعمال کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ الفاظ سے زیادہ تعلقات کو اہمیت حاصل ہوتی ہے اس لئے ''ایمپائر'' اور ''ڈومینین'' جیسے الفاظ کا استعمال بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ہندوستان کے لئے ''آزاد قوموں کی برطانوی دولت مشترکہ کا رکن'' جیسے الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ وی۔ پی مینن نے مزید بتایا کہ ''آزاد و خودمختار جمہوریہ'' کے قیام کے لئے کانگرس کی منظور کردہ قرارداد کو بآسانی درگزر کر دیا جائے گا۔ کانگرس ہندوستان کے قبائل اور دیسی ریاستوں سے نمٹنے کے لئے برطانیہ کی امداد چاہتی ہے۔ کانگرس کی کابینہ نے ظاہر کیا ہے کہ کانگرس اقتدار میں آنے کے بعد بیرونی ممالک سے مال خریدنے کے لئے ترجیح کی جو ترتیب مقرر کرے گی اس میں پہلے نمبر پر برطانیہ، دوسرے پر کینیڈا، تیسرے پر امریکہ اور چوتھے پر سوئٹزرلینڈ ہوگا۔''[92]

8 رمئی کو وائسرائے سٹاف میٹنگ میں نہرو کو بھی شریک کر لیا گیا جو اسی روز شملہ پہنچا تھا۔ نہرو نے اگلے ہی مہینے یعنی جون 1947ء میں اس وقت کی مرکزی حکومت کو اقتدار منتقل کر دینے کی تجویز پیش کر دی۔ اس کا موقف تھا کہ اس کے بعد وزارتی مشن منصوبہ میں ردوبدل کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ اس صورت میں مسلم لیگ حکومت میں رہنے پر مجبور ہوگی کہ اس نے ہر قیمت پر عبوری حکومت میں شمولیت اختیار کی تھی۔ اس طرح وہ حقائق کا سامنا کرنے پر بھی تیار ہو جائے گی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے سٹاف کو ہدایت کی کہ نہرو کی اس تجویز سے لندن میں اسے کو آگاہ کیا جائے اور کابینہ سے اس پر ہمدردانہ غور کی درخواست کی جائے۔ تاہم اجلاس کے بعد ماؤنٹ بیٹن کی ہدایت پر وی۔ پی مینن نے نہرو کے ساتھ تفصیلی ملاقات کی اور جلد انتقال اقتدار کے لئے ڈومینین سٹیٹس والا فارمولا اختیار کرنے پر تبادلۂ خیال کیا۔

8 رمئی کی رات کو ماؤنٹ بیٹن نے بذریعہ تار اسے کو لندن مطلع کر دیا کہ نہرو اور پٹیل دونوں نے وی۔ پی مینن کے ذریعے ڈومینین سٹیٹس کے تحت جلد انتقال اقتدار کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ہم یہ اختتام ہفتہ نہرو کے ساتھ اس ضمن میں تفصیلات طے کرنے میں گزاریں گے اور پٹیل سے بھی اتفاق رائے حاصل کریں گے۔'' اس سے نہ صرف یونین آف انڈیا کا بڑا

حصہ دولت مشترکہ میں شامل رہے گا بلکہ جناح کا یہ خدشہ بھی دور ہوجائے گا کہ کہیں انہیں دولت مشترکہ سے خارج نہ کر دیا جائے۔ جب آپ اور ایبل لندن کے لئے روانہ ہوئے تھے تو اس وقت اس سکیم کی کامیابی کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ لیکن اب از خود نہرو اور پٹیل کی جانب سے اس سلسلے میں ہاتھ بڑھانے کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی ہے۔ اس سے بڑی پیشکش برطانوی سلطنت کو اس سے پہلے کبھی نہیں کی گئی۔ ہمیں چاہیے کہ اس کی راہ میں انتظامی یا کوئی اور مشکلات حائل نہ ہونے دیں۔ [93]

9 رمئی کو وائسرائے سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کی طرف سے فوری اگلے ہی ماہ اقتدار کی منتقلی کے مطالبے کے پیش نظر کہا کہ اگر ہم نے ہندوستان کو جون 1948ء سے پہلے ڈومینین سٹیٹس دینا ہے تو پھر یہ بہت ضروری ہے کہ 1947ء کے دوران ہی دے دیا جائے۔ اس نے کہا کہ......

''(ا) جلد انتقال اقتدار سے ہمیں بے حد فائدہ ہوگا۔

(ب) اس طرح اقتدار منتقل کر دینے کے بعد ہم موجودہ ذمہ داریوں سے آزاد ہوجائیں گے۔

(ج) ہندوستان کی جانب سے دولت مشترکہ میں شامل ہونے کی درخواست پیش کرنے سے دنیا کی نظروں میں برطانیہ کا وقار بلند ہوجائے گا۔

(د) اس قسم کی درخواست سے موجودہ برطانوی حکومت کو بہت بڑا فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ اس کا اپنے ملک کے لوگوں کی نظروں میں وقار بہت بلند ہوجائے گا۔

(ر) سلطنت برطانیہ کے دفاع کے نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہندوستان دولت مشترکہ کے رکن کی حیثیت سے عالمی اسٹریٹجی کے سانچے میں پورا بیٹھتا ہے۔ اگر یہ غیر جانبدار رہے گا تو اس سے خلاء پیدا ہوجائے گا اور معاملہ بہت زیادہ پیچیدہ ہوجائے گا۔ اگر ہندوستان ہمارا دشمن ہوگیا تو اس صورت میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے ساتھ ہمارا رابطہ منقطع ہوجائے گا۔''

اس نے مزید کہا کہ ''تین سال گزرنے کے بعد بھی ہندوستانی افواج پوری طرح تومیائی نہ جاسکیں گی اور انہیں برطانوی افسروں کی ضرورت رہے گی۔'' وائسرائے کے نائب معاون سکاٹ نے کہا کہ ''اگر جناح کو یہ بتادیا جائے کہ پٹیل اور نہرو نے ڈومینین سٹیٹس کے

تحت دولت مشترکہ میں رہنا منظور کر لیا ہے تو یہ ممکن ہے کہ جناح ایک بالکل علیحدہ پاکستان کے قیام کا خیال ترک کر دے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ حالات کس طرف جا رہے ہیں تو وہ بھی مختلف انداز سے سوچنا شروع کر دے گا۔'' لیکن اس موقع پر وی۔ پی مینن نے کہا کہ اگر اس وقت جناح کو یہ سب کچھ معلوم ہو گیا تو وہ ایک بیان جاری کر کے ان مذاکرات کو تباہی سے ہمکنار کر دے گا جو اس وقت ڈومینین سٹیٹس کے بارے میں پٹیل اور نہرو کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ میں جناح سے اس کے لئے قسم لے سکتا ہوں کہ وہ ایسا بیان جاری نہ کرے۔''[94] تاہم فی الوقت جناح کو اس سلسلے میں کچھ نہ بتایا گیا کہ شملہ میں ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کیا کھچڑی پکا رہے تھے۔

9 رمئی کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران ڈومینین سٹیٹس کو منظور کرنے کے بارے میں براہ راست یقین دہانی کرادی۔ یاد رہے کہ ابھی تک اس سلسلے کی تمام تر گفتگو بالواسطہ طور پر وی۔ پی مینن اور کرشنا مینن کے توسط سے ہو رہی تھی۔ کرشنا مینن نہرو کے ہمراہ شملہ میں تھا جب کہ وی۔ پی مینن نے ٹیلی فون پر دہلی میں پٹیل کے ساتھ رابطہ قائم کر رکھا تھا اور اس سے شملہ میں ہونے والی بات چیت پر رائے حاصل کر رہا تھا۔

اسی روز (9رمئی) سردار پٹیل نے بھی ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو ایک انٹرویو میں کھل کر اپنا مدعا بیان کر دیا جو ہندوستان کے تمام اخبارات میں بھی شائع ہوا۔ اس میں پٹیل نے مطالبہ کیا کہ موجودہ عبوری حکومت کو ڈومینین حکومت قرار دے کر فوری طور پر اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ اس نے کہا کہ اس کے فوری طور پر دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ پورے ملک میں ایک ہفتے کے اندر اندر امن و امان قائم ہو جائے گا۔ تشدد پھیلانے والے عناصر اپنی کارروائیاں محض اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی مضبوط مرکزی حکومت موجود نہیں ہے۔ ڈومینین کے اختیارات کی حامل حکومت ایک مضبوط مرکز قائم کرے گی جس کے پاس ایسے تمام اختیارات ہوں گے جو گڑبڑ کا قلع قمع کرنے کے لئے لازمی ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تیسرے فریق یعنی وائسرائے کے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد کانگرس اور مسلم لیگ اپنے اختلافات فوری طور پر طے کر لیں گی۔ اگر کسی مسئلہ پر کابینہ میں کوئی تنازعہ ہوگا تو اکثریت کی بات مانی جائے گی۔ پٹیل نے کہا کہ ہندوستان کی صورتحال بہت سنگین ہوتی

جارہی ہے اور زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ پرائیویٹ فوجیں تیار کی جارہی ہیں اور انہیں مسلح کیا جارہا ہے۔ اس نے کہا کہ بیرونی خطرات کے علاوہ بھی اب یہ انتہائی ضروری ہوگیا ہے کہ ایک مضبوط فوج ہونی چاہیے اور دفاع کے لئے ایک مضبوط مرکزی حکومت ہونی چاہیے۔ اس نے تقسیم پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ بے شک دو آئین ساز اسمبلیوں کو اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ مسلم لیگ کے پاس پہلے ہی ایک الگ آئین ساز اسمبلی موجود ہے جو موجودہ آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کرنے والے ارکان پر مشتمل ہے۔[95] 10 رمئی کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک خط میں پٹیل کے اس بیان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ یہ بیان کانگرس کے نقطۂ نظر کا واضح اظہار ہے۔''[96] گویا نہرو اور پٹیل دونوں نے اپنے عزائم کا کھل کر اظہار کر دیا تھا۔ ایک ایسے ہندوستان میں جہاں فرقہ وارانہ اور طبقاتی تضادات شدید سے شدید تر ہوتے جارہے تھے اور یہ طوائف الملوکی کوئی بھی رنگ لاسکتی تھی، ہندو بورژوا اس کے زیادہ سے زیادہ علاقے پر اپنا غلبہ بزورِ قوت مستحکم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے ڈومینین کی بنیاد پر انتقال اقتدار کے شارٹ کٹ کو اختیار کرنے پر تیار تھا۔

10 رمئی کو کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ایک ملاقات میں بتایا کہ نہرو کی جانب سے ڈومینین سٹیٹس کو قبول کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اسے یقین تھا کہ ماؤنٹ بیٹن ریاستوں اور رجواڑوں کو زیرِنگیں لانے میں موثر ثابت ہو سکے گا۔[97] بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ یہ توقع غلط ثابت نہیں ہوئی تھی۔

کانگرس میں دائیں اور بائیں بازو کی کشمکش بھی موجود تھی۔ دائیں بازو کی قیادت سردار پٹیل کے ہاتھ میں تھی جس کی پشت پناہی بڑے ہندو تاجر اور صنعت کار کرتے تھے جن میں برلا اور ٹاٹا نمایاں تھے۔ بایاں بازو نچلی سطح پر منظم تھا جس کی قیادت سوشلسٹ رہنما جے پرکاش نارائن کرتا تھا۔ نہرو حقیقتاً ہندو بورژوا کے مفادات کا نگہبان تھا مگر منافقت سے کام لیتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتا تھا۔ اب جب کانگرس کی طرف سے پٹیل اور نہرو نے ڈومینین سٹیٹس کے تحت دولت مشترکہ میں شمولیت کو قبول کرلیا تو ایک مشکل یہ درپیش تھی کہ بائیں بازو والوں کا منہ کیسے بند کیا جائے گا۔ 10 رمئی کو شملہ میں کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو اس مشکل کے بارے میں بھی آگاہ کیا۔ اس کے بعد سٹاف میٹنگ شروع ہوئی تو اس میں بھی یہ معاملہ زیرِغور آیا۔ اس

موقع پر وی۔ پی مینن نے تجویز کیا کہ کانگرس کے بائیں بازو والوں کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بندوبست محض عارضی طور پر کیا گیا ہے۔ سکاٹ کی رائے تھی کہ جس طرح پٹیل اور نہرو اس بارے میں رضامند ہو گئے ہیں اسی طرح جے پرکاش نارائن کو بھی راضی کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ اس پر وی۔ پی مینن نے کہا کہ ''میں جے پرکاش کے ساتھ کسی قسم کی بات چیت کا سخت مخالف ہوں۔ ویسے بھی اسے حیدر آباد میں گرفتار کیا جا چکا ہے اور ممکن ہے اسے دو سال کی قید ہو جائے۔'' اس کے بعد وقفے کے ساتھ سٹاف میٹنگ دوبارہ شروع ہوئی تو اس میں نہرو بھی شریک تھا۔ نہرو نے بھی یہ تسلیم کیا کہ '' جے پرکاش نارائن پچھلے کچھ عرصہ سے غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ تاہم وہ ایک ذہین اور دیانت دار شخص ہے۔'' نہرو نے یقین دہانی کرائی کہ میں جے پرکاش کو کسی لائحہ عمل کو قبول کرنے پر آمادہ کرلوں گا۔ جس پر عمل ہو گا تو وہ خود بخود قائل ہو جائے گا۔[98]

اس اجلاس میں وی۔ پی مینن نے ڈومینین سٹیٹس کے تحت انتقال اقتدار کے فارمولے کی تفصیل بھی بیان کی۔ اس میں تجویز کیا گیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان اپنا اپنا آئین وضع کرنے تک تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پر عمل کرتے رہیں گے۔ ان کی ایک مشترکہ کونسل ہو گی جو باہمی مفاد کے شعبوں کی دیکھ بھال کرے گی۔ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو یقین دہانی کرائی کہ اس فارمولے پر عمل کی صورت میں انتقال اقتدار کی تاریخ جون 1948ء سے پورا ایک سال پیچھے یعنی جون 1947ء میں لائی جا سکتی ہے۔ نہرو نے اس پر زور دیتے ہوئے کہا کہ تاخیر کے نتیجے میں شکوک وشبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ فارمولے میں تجویز کیا گیا کہ دونوں ملکوں کے لئے گورنر جنرل کے فرائض ماؤنٹ بیٹن ہی ادا کرے گا۔ وہ مشترکہ دفاعی کونسل کا سربراہ بھی ہو گا۔ ہندوستان کے لئے ''یونین آف انڈیا'' کا لفظ استعمال کیا جائے گا۔ اس پر ایک اعتراض یہ وارد ہوا کہ علیحدگی اختیار کرنے والے صوبے جن پر کہ پاکستان مشتمل ہو گا، بغاوت کے زمرے میں آ سکتے ہیں۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے اصرار کیا کہ ''یونین آف انڈیا'' کا لفظ ہی استعمال ہونا چاہیے۔ اس نے اسے کولندن میں بھی یہی ہدایت ارسال کی کہ ''یونین آف انڈیا'' کے لفظ پر زور دیا جائے۔[99] گویا جو کچھ نہرو کہہ دیتا تھا وہ ماؤنٹ بیٹن کے لئے پتھر پر لکیر ہو جاتا تھا۔

نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے خصوصی تعلقات

ماؤنٹ بیٹن جب سے وائسرائے ہند بن کر آیا تھا اس نے یہاں کے سب سے بڑے فرقے کے رہنماؤں بالخصوص نہرو کی آراء کو خصوصی اہمیت دی تھی اور ہندوستان کے مستقبل کے خاکے کو حتمی شکل دینے کے لئے شملہ میں اپنے ہمراہ صرف نہرو کو لے جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ سامراجی نقطۂ نگاہ سے ماؤنٹ بیٹن کے لئے مستقبل کی ہندوستان ڈومینین کے ساتھ زیادہ بہتر تعلقات کی استواری کو جو اہمیت حاصل تھی وہ پاکستان ڈومینین کو نہیں تھی۔ اسے تو یہ امید بھی نہیں تھی کہ پاکستان کی ریاست قابل عمل بھی ہوگی یا نہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ ''جب جناح کو برصغیر کی تقسیم کی پیچیدگیوں اور مشکلات کا احساس ہوگا تو وہ مطالبہ پاکستان سے دستبردار ہو جائے گا۔'' ماؤنٹ بیٹن جناح کی شخصیت سے بھی نہیں متاثر ہوا تھا کیونکہ ''جناح میں گرم جوشی نہیں تھی۔ وہ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ اس نے نہرو کی شخصیت کو بہت پسند کیا تھا جو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، بڑی صاف اور ستھری گفتگو کرتا تھا اور جس نے پہلی ہی ملاقات میں مشترکہ شہریت والی اینگلو انڈین یونین کی تجویز پیش کر دی تھی۔ نہرو کو بھی ماؤنٹ بیٹن بہت اچھا لگتا تھا اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی شیفتگی نے تو سکینڈل کی صورت اختیار کر لی تھی۔

نہرو کا سوانح نگار مائیکل بریشر لکھتا ہے کہ ''ماؤنٹ بیٹن کی ذاتی تعلقات کے میدان میں نمایاں فتح یہ تھی کہ اس نے نہرو سے بہت گہرے دوستانہ تعلقات استوار کر لئے تھے۔ دونوں کے درمیان ایسا باہمی اعتماد، احترام اور ایسی پسندیدگی اور الفت پیدا ہو گئی تھی جو سیاسی مدبروں کے درمیان شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اور جس کی برطانوی راج کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔'' ...... ''اور جہاں تک لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا تعلق ہے اس کے بارے میں مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے نہرو کی زندگی کا خلا پر کیا تھا۔''[100]

لیفٹیننٹ جنرل بی۔ ایم کول لکھتا ہے کہ ''ماؤنٹ بیٹن نہرو کا سب سے بڑا اصلاح کار بن گیا تھا اور وہ بہت سے معاملات میں نہرو کی آراء کو متاثر کر سکتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو 1945-46ء میں ملے تھے اور انہوں نے اسی وقت ہی ایک دوسرے کو متاثر کیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت میں بہت جاذبیت تھی اور اس نے اپنے آپ کو ہندوستان کے سانچے

میں ڈھال لیا تھا۔ نہرو جذباتی طور پر انگریزیت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ لہٰذا ان کے درمیان بہت گہرے تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان دونوں خاندانوں کے درمیان بہت دوستی ہوگئی تھی کیونکہ دونوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں۔ دونوں ہی خوبصورت تھے، رئیس تھے اور قابل تھے۔ لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے درمیان قربت تھی کیونکہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کی تنہائی کی زندگی کا خلا پر کیا تھا۔[101]

ابوالکلام آزاد کا مشاہدہ یہ تھا کہ "ماؤنٹ بیٹن جواہر لال کو اپنا ہم خیال بنانے میں اس لئے کامیاب ہوا تھا کہ جواہر لال ماؤنٹ بیٹن سے بہت متاثر تھا اور غالباً لیڈی ماؤنٹ بیٹن سے اس سے بھی زیادہ متاثر تھا۔ وہ اپنے شوہر کو بہت چاہتی تھی اور بہت سے معاملات میں وہ ان لوگوں کے سامنے اس کے خیالات کی ترجمانی کرتی تھی جو ابتداً اس سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔"[102]

ماؤنٹ بیٹن کا پبلک ریلیشنز افسر کیمبل جانسن بھی نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان دوستانہ تعلقات کا بار بار ذکر کرتا ہے اور وہ قدرتی طور پر اس کا سہرا ماؤنٹ بیٹن کے سر پر باندھتا ہے۔ اس نے ایک وفادار نوکر کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت کا کچھ اس طرح نقشہ کھینچا ہے کہ جیسے یہ شخص بشریت سے بالاتر تھا۔ اس کی شخصیت کی جاذبیت، اس کی سیاسی بصیرت، اس کی اخلاقی جرأت، اس کی علمیت اور اس کی فیصلہ کرنے کی صلاحیت بے مثال تھی۔ وہ گفت وشنید میں یکتائے روزگار تھا۔ دلائل و براہین میں کوئی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا اور عمر رسیدہ جناح کو تو اس نے زچ کر دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

دراصل ماؤنٹ بیٹن میں کوئی اس قسم کی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اگر کوئی تھی تو یہ تھی کہ وہ زوال پذیر سامراج کے نمائندہ کی حیثیت سے سیاسی طور پر احمق تھا۔ اسے اس وقت کی تاریخ کے تقاضوں کا کوئی شعور نہیں تھا۔ اسے صرف برطانیہ کے حکمران طبقے کی بورژوا زندگی کا سلیقہ آتا تھا۔ وہ کاک ٹیل پارٹیوں اور ڈنر پارٹیوں میں بورژوا آداب محفل کا اچھا مظاہرہ کرتا تھا۔ اسے اپنی تشہیر کرانے کا بھی فن آتا تھا۔ اگر اس میں فی الحقیقت کوئی سیاسی تدبر ہوتا یا عقل و دانش کی کوئی رمق ہوتی تو وہ ہندوستان میں اقتدار کی منتقلی کا کام اپنا ذہنی توازن برقرار رکھ کر خوش اسلوبی اور غیر جانبداری سے سرانجام دے سکتا تھا۔ وہ دہلی پہنچتے ہی مختلف سرکاری وغیر سرکاری ذرائع سے ہندوستان کے اس وقت کے حالات کی رپورٹیں سن کر سراسیمہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں

صرف ایک ہی بات آئی کہ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے بھاگو! دوڑو! جان بچاؤ! بصورت دیگر برصغیر کی فرقہ وارانہ خانہ جنگی اور طبقاتی انقلاب کے شعلے نہ صرف برطانوی سامراج کو بلکہ اس کے ''اعتدال پسند'' پٹھوؤں کو بھی بھسم کر دیں گے۔ ایلن کیمبل جانسن کے بقول ''ماؤنٹ بیٹن کا اولین مقصد محض یہ تھا کہ ہندوستان کے مسئلے کا حل کچھ اس طرح ہو کہ یہاں کی پارٹیاں شروع ہی سے کامن ویلتھ کے ڈھانچے کے اندر رہنے پر آمادہ ہو جائیں۔''[103]

وہ برصغیر کے عوام کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ وہ صرف کانگرس کے ''اعتدال پسند'' لیڈروں سے سودابازی کرنا چاہتا تھا جو کہ کوئی مشکل کام نہیں تھا کیونکہ خود یہ ''اعتدال پسند'' زعما بھی سودابازی کرنے کے خواہاں تھے۔ انہیں کم از کم ابتدا میں برطانوی سامراج کی سرپرستی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے بڑی افراتفری کی حالت میں تین چار ہفتے کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں سے بات چیت کر کے ابتدأ یہ کوشش کی کہ برصغیر کی جغرافیائی، سیاسی اور فوجی یکجہتی کو برقرار رکھنے کے لئے کانگرس اور مسلم لیگ میں کوئی مفاہمت ہو جائے مگر جب اسے کانگرسی لیڈروں کی ہٹ دھرمی، کوتاہ اندیشی اور رعونت کے باعث ناکامی ہوئی تو اس نے اپریل 1947ء کے آخری ہفتے میں صوبائی خوداختیاری پر مبنی اقتدار کی منتقلی کا ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ وہ اپنے اس ''کارنامے'' پر بہت خوش تھا کہ اس نے کانگرس کو برصغیر کی تقسیم کا اصول ماننے پر راضی کر لیا ہے۔ حالانکہ۔ وی۔ پی مینن کے بیان کے مطابق سردار پٹیل ماؤنٹ بیٹن کے دہلی پہنچنے سے بہت پہلے دسمبر 1946ء میں ہی اس اصول کو تسلیم کر چکا تھا اور اس نے 8/مارچ 1947ء کو کانگرس کی مجلس عاملہ سے بھی اسے تسلیم کروا لیا تھا۔ ہندوؤں کے قومی بورژوا طبقے کے کانگرسی نمائندے سیاسی سودا بازی میں ماہر تھے۔ وہ زوال پذیر برطانوی سامراج کے کھلنڈرے نمائندے سے خسارے کا سودا نہیں کر سکتے تھے۔

باب: 12

کانگرس کی منشا کے مطابق ترامیم کے بعد تقسیم ہند کا اعلان

صوبائی خود ارادی پر مبنی منصوبے کی لندن سے منظوری، مگر کانگرس کی نامنظوری

انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبے کا مسودہ برطانوی کابینہ کی منظوری کے بعد ماؤنٹ بیٹن کو 10 رمئی کو شملہ میں موصول ہوا جو اس نے مئی کے اوائل میں اپنے معاون اسمے کے ہاتھ لندن بھیجا تھا۔ کابینہ نے مجوزہ منصوبہ کو من وعن منظوری دے دی تھی تاہم مسودے کے متن میں کچھ ردوبدل کیا گیا تھا۔ مسودہ موصول ہوتے ہی ماؤنٹ بیٹن کو خیال آیا کہ اس منظور شدہ منصوبے کا اعلان کرنے سے پہلے اسے نہرو کو دکھالینا چاہیے چنانچہ اس نے نہرو کے کمرے میں جا کر یہ مسودہ اسے پڑھنے کے لئے دے دیا جو ان دنوں شملہ وائسریگل لاج ہی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ نہرو نے اگلے روز ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک خط اور ایک تفصیلی نوٹ کے ذریعے مجوزہ منصوبہ پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور شدید نوعیت کے اعتراضات اٹھا دیئے۔ اس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ انڈین یونین کو برطانیہ کی جانب سے واحد جانشین کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ صوبوں کو حق خودارادی دے دیا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو دو یا اس سے بھی زیادہ ملکوں کی صورت میں باہم مجتمع ہو سکتے ہیں۔ یہ منصوبہ ہندوستان کو بلقان کی ریاستوں کی طرح حصے بخروں میں بٹ جانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس سے خانہ جنگی بھڑکے گی اور تشدد اور بدامنی

میں اضافہ ہوگا۔ مرکزی دائرہ اختیار کو حد درجہ محدود کر دیا گیا ہے حالانکہ مرکز ہی وہ واحد ادارہ ہے جو بڑھتی ہوئی گڑبڑ کو روکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس منصوبے سے فوج، پولیس اور مرکزی ملازموں میں مایوسی پھیلے گی۔ اس نے کہا کہ آل انڈیا یونین پر اتفاق نہ ہونے کی صورت میں، منصوبے میں تجویز کیا گیا ہے کہ اقتدار اعلیٰ صوبوں کو تفویض کر دیا جائے گا۔ اس سے ہندوستان میں بہت سارے السٹر (آئرلینڈ) پیدا ہو جائیں گے۔ صوبے پہلے اقتدار اعلیٰ کے مالک بن جائیں گے اور بعد میں وہ یہ فیصلہ کریں گے کہ آیا انہیں یونین میں شامل ہونا ہے یا نہیں؟ ہم یہ نظریہ قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں کہ شروع ہی میں صوبوں کو آزاد جانشین ریاست کا درجہ دے دیا جائے۔ اس نے لکھا کہ مجوزہ منصوبہ میں ہمارے نقطۂ نظر کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ اس سے ہندوستان کی جو تصویر ابھر کر سامنے آئی ہے اس نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔ دراصل ہم نے اب تک جو کچھ حاصل کیا تھا اس منصوبے میں وہ بھی برباد کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ وزارتی مشن منصوبہ اور بعد ازاں ہونے والے اقدامات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور ایک بالکل نئی تصویر پیش کر دی گئی ہے...... یہ تصویر ٹوٹ پھوٹ، تصادم اور انتشار کی تصویر ہے۔ اس نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر اس منصوبے پر عملدرآمد کیا گیا تو کانگرس اور برطانیہ کے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔[1] یاد رہے کہ لندن ارسال کرنے سے پیشتر 30 اپریل کو وائسرائے کے پرنسپل سیکرٹری ایرک میول نے مجوزہ منصوبہ کا مسودہ نہرو کو دکھا دیا تھا جس میں واضح طور پر صوبوں کو حق خود ارادی کی بنیاد پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور اس سلسلے میں ان کو ہندوستان یا پاکستان کی آئین ساز اسمبلیوں میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کے علاوہ اپنے طور پر آزاد و خودمختار رہنے کا تیسرا اختیار بھی دیا گیا تھا۔ اس وقت نہرو نے صوبہ سرحد میں ازسرنو انتخابات اور بلوچستان کی نمائندگی سے متعلق شقوں پر اعتراضات کئے تھے۔ لیکن اب جب یہ منصوبہ لندن سے منظور ہو کر واپس آ گیا تو اس نے صوبوں کے حق خود ارادی سے قطعی انکار کر دیا۔

ماؤنٹ بیٹن نے جب یہ نوٹ پڑھا تو بہت سٹپٹایا اور خود اس کے بیان کے مطابق اس پر ''بم کا گولہ'' گر پڑا۔ اس کا اپنا سیاسی مستقبل خطرے میں پڑ گیا۔ وہ خود اپنی نظروں میں ایک سیاسی احمق دکھائی دینے لگا۔ چنانچہ اس نے 11 مئی کو شملہ میں اپنی سٹاف میٹنگ میں نہرو کو بھی شریک کر لیا تاکہ اس کے اعتراضات پر غور کیا جا سکے۔ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں کا

مؤقف تھا کہ یہ منصوبہ وہی ہے جو لندن ارسال کرنے سے پیشتر نہرو کو دیا گیا تھا۔ نہرو کا کہنا تھا کہ یہ اس وقت خام حالت میں تھا تاہم ایرک میول نے کہا کہ میں نے نہرو کو پورے منصوبے کا مکمل مسودہ دکھایا تھا۔ لیکن نہرو بدستور اصرار کرتا رہا کہ پہلے اس میں صوبوں کو حق خودارادی کے تحت علیحدگی کا اختیار پہلے اور مجتمع ہونے کی دعوت بعد میں نہیں دی گئی تھی بلکہ اس کے برعکس تھا یعنی مجتمع ہونے کی دعوت پہلے تھی اور علیحدگی کا اختیار بعد میں رکھا گیا تھا۔ اس نے صوبوں یا صوبوں کی باہم وضع کردہ مختلف مملکتوں کو اقتدار اعلیٰ سونپے جانے کی مخالفت کی اور کہا کہ ان چند صوبوں کو چھوڑ کر جو انڈین یونین سے علیحدگی چاہتے ہیں، اقتدار اعلیٰ انڈین یونین کو جلد از جلد سونپ دیا جائے۔ اس نے کہا کہ سندھ، پنجاب اور بنگال کے علاوہ بقیہ صوبوں کے نمائندوں پر مشتمل آئین ساز اسمبلی وزارتی مشن منصوبہ کے تحت پہلے سے وضع ہو چکی ہے اور کام کر رہی ہے۔ اسے نہیں چھیڑنا چاہیے۔ فقط سندھ، پنجاب اور بنگال کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہے اور یہ کہ ان صوبوں کی تقسیم ناگزیر ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ مجوزہ منصوبہ کو کانگرس کے لئے قابل قبول بنانے کی خاطر نہرو کی تجاویز کے مطابق نئے سرے سے مسودہ ترتیب دیا جائے اور اس نے یہ کام وی۔ پی مینن کے سپرد کیا۔[2] ماؤنٹ بیٹن نے مجوزہ منصوبہ پر ہندوستانی رہنماؤں کی منظوری لینے کے لئے 17 مئی کو جو ملاقات رکھی تھی اسے 2 جون تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ اس کے نزدیک باقی رہنماؤں کی نسبت کانگرسی رہنماؤں سے پیشگی منظوری حاصل کر لینا زیادہ ضروری تھا۔

نہرو نے مخالفت کیوں کی؟

نہرو کی جانب سے متذکرہ منصوبے کی مخالفت کی کئی وجوہات جمع ہو گئی تھیں۔ ایک وجہ یہ تھی کہ گزشتہ دو روز کے دوران شملہ میں نہرو اور ماؤنٹ بیٹن ڈومینین کی بنیاد پر ہندوستان اور ایک کٹا پھٹا پاکستان بنا کر جلد از جلد انتقال اقتدار کے منصوبے پر خفیہ طور پر متفق ہو چکے تھے۔ اگرچہ ابھی اس منصوبے کو برطانوی حکومت کی منظوری درکار تھی لیکن یہ منصوبہ ہندو بورژوا کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اس منصوبے کی نسبت بہت زیادہ موزوں تھا کہ جو لندن سے منظور ہو کر آیا تھا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ نہرو کو معلوم ہو گیا تھا کہ مجوزہ منصوبے کی ناکامی کی صورت میں

ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں نے متبادل کے طور پر ایک ڈیمیشن پلان بھی تیار کیا ہے جس میں متحدہ ہند کی موجودہ عبوری حکومت کو اقتدار منتقل کر دینے کا راستہ تجویز کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ ڈیمیشن پلان اس اندیشے کے تحت تیار کیا گیا تھا کہ کہیں جناح کی طرف سے اس مجوزہ منصوبے کو ردنہ کر دیا جائے۔ اس صورت میں یہ سوچا گیا تھا کہ جناح کو یہ ڈیمیشن پلان دکھا کر دھمکایا جائے گا کہ اس کے تحت مرکزی حکومت موجودہ عبوری حکومت کے سپرد اور صوبوں کی حکومتیں موجود صوبائی حکومتوں کے سپرد کر کے انگریز یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔ ڈیمیشن پلان سیدھا سیدھا کانگرس کو متحدہ ہند کا اقتدار سونپ دینے کا منصوبہ تھا کیونکہ عبوری حکومت میں کانگرس کو برتری حاصل تھی اور نہرو کو نائب صدر کا درجہ حاصل تھا اور پارلیمانی اصطلاح میں نہرو خود کو عبوری حکومت کا وزیر اعظم سمجھتا تھا۔ ڈیمیشن پلان سے نہرو نے یہ تاثر قائم کیا تھا کہ اگر انگریزوں نے مجوزہ منصوبہ کو ناکام ہوتے دیکھا تو وہ اس حد تک بھی جا سکتے ہیں کہ وہ پورے ہندوستان کا اقتدار کانگرس کے حوالے کر کے یہاں سے چلتے بنیں۔ گاندھی ہمیشہ سے یہ مطالبہ کرتا چلا آیا تھا اور پٹیل نے 9 مئی کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ سے انٹرویو میں مطالبہ کیا تھا کہ موجودہ عبوری حکومت کو جلد از جلد اقتدار منتقل کر کے وائسرائے علیحدہ ہو جائے۔ نہرو بھی مجوزہ منصوبہ کے مقابلے میں ڈیمیشن پلان کو اختیار کرنے پر زور دے رہا تھا۔ 11 مئی کو شملہ میں وائسرائے سٹاف میٹنگ میں نہرو بھی شریک ہوا اور اس نے مطالبہ کیا کہ متحدہ ہندوستان کی عبوری حکومت کو ڈومینین کی حیثیت سے اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ اگر ایسا کر دیا گیا تو کانگرس کی طرف سے مسلم لیگ کو تمام تر تحفظات فراہم کرنے کے بارے میں اعلان کر دیا جائے گا۔ جو علاقے یونین آف انڈیا سے الگ ہونا چاہیں گے انہیں ایسا کرنے دیا جائے گا اور اگر وہ پاکستان بنانے کے خواہاں ہوں گے تو وہ بھی بنا سکیں گے۔[3] لیکن گاندھی اور دوسرے کانگرسی رہنماؤں کی جانب سے اس قسم کی تجاویز کو مسلم لیگ ہمیشہ رد کرتی آئی تھی کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ ایک مرتبہ پورے ہندوستان کے اقتدار اعلیٰ پر ہندو بورژوا کو قبضہ حاصل ہو گیا تو وہ مسلم لیگ کو ایک انچ بھی لینے نہیں دے گا۔ اس لئے ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کی تجویز کے بارے میں کہا کہ جناح اس سے کبھی اتفاق نہیں کرے گا۔

سٹاف میٹنگ کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے بذریعہ مراسلہ لندن میں برطانوی حکومت کو

آ گاہ کر دیا کہ منظور شدہ مجوزہ منصوبہ کو موجودہ شکل میں نہرو نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ 12 رمئی کو لندن سے ماؤنٹ بیٹن کے معاون اسمے نے جوابی مراسلے میں لکھا کہ ''معلوم ہوتا ہے کہ نہرو کا یہ خیال ہے کہ ہمارے پاس کوئی متبادل منصوبہ موجود ہے جو تقسیم کے منصوبے کی جگہ لے سکتا ہے۔'' اور یہ حقیقت تھی کہ ڈیمیشن پلان کی صورت میں یہ متبادل منصوبہ موجود تھا۔ لیکن غالباً اسمے کا خیال تھا کہ یہ محض جناح پر دھونس جمانے کے لئے ہے، اس پر عملدرآمد کی نوبت نہیں آئے گی۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے 13 رمئی کو اسمے کے نام اپنے مراسلے میں لکھا کہ ''اگر یہ دھونس کامیاب نہ ہوئی تو اس دھونس کو عملی جامہ پہنانے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارۂ کار نہیں رہ جائے گا۔'' چنانچہ اس نے اسمے سے کہا کہ وہ اس متبادل منصوبے کی بھی برطانوی کابینہ سے منظوری حاصل کر لے تا کہ ''اگر جناح صوبوں کو تقسیم کئے بغیر پاکستان کی تشکیل پر اڑ جائے تو میں اسے یہ کہہ سکوں کہ برطانوی حکومت یہ کبھی تسلیم نہیں کرے گی اور اب یہی چارہ ہے کہ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت قائم موجودہ مرکزی حکومت کو اقتدار سونپ دیا جائے جس کے نتیجے میں پاکستان کے قیام کے تمام امکانات کا خاتمہ ہو جائے گا۔''[4] چنانچہ ان حالات میں جب کہ ڈیمیشن پلان کی برطانوی کابینہ سے باقاعدہ منظوری حاصل کی جا رہی تھی، نہرو کے لئے نادر موقع تھا کہ اس سے پہلے کہ جناح مجوزہ منصوبہ کو رد کریں، خود نہرو اسے رد کر کے ڈیمیشن پلان کی راہ ہموار کر دے۔ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے ساتھیوں کو جس بات کا خوف جناح کی طرف سے تھا، جب خلاف توقع اس کا اظہار نہرو کی جانب سے ہوا تو ان کے لئے وہ ''بم کے گولے'' سے کم نہیں تھا۔

نہرو کی جانب سے مجوزہ منصوبہ کو رد کرنے کی تیسری وجہ وہ تھی جس کا اس نے ماؤنٹ بیٹن کے نام خط میں بڑی شدومد سے اظہار کیا تھا۔ یعنی یہ کہ اس منصوبہ میں تمام صوبوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے حق خودارادی دے دیا گیا تھا۔ ان میں وہ صوبے بھی شامل تھے کہ جو وزارتی مشن منصوبہ کے تحت معرض وجود میں آنے والی آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو چکے تھے اور وہ بھی جو شریک نہیں ہوئے تھے۔ شریک ہونے والے صوبوں میں کانگرس کی حکومتیں قائم تھیں اور یہ صوبے یو۔ پی، سی۔ پی، بہار، مدراس، بمبئی، آسام، اڑیسہ اور شمال مغربی صوبہ سرحد تھے۔ ان کے علاوہ ہندو اکثریت کی بہت سی ریاستوں اور رجواڑوں کے حکمران بھی

اس آئین ساز اسمبلی میں شمولیت کا اعلان کر چکے تھے۔ جن صوبوں کے ارکان کی اکثریت شریک نہیں ہوئی تھی ان میں پنجاب، سندھ، بلوچستان اور بنگال تھے اور ان کے علاوہ وہ ریاستیں تھیں جن کے حاکم مسلمان تھے۔ کانگرس کا مؤقف یہ تھا کہ وہ صوبے جو شریک نہیں ہوئے فقط ان کو اپنی علیحدہ آئین ساز اسمبلی بنانے کا اختیار دیا جائے اور وہ صوبے جو پہلے سے قائم آئین ساز اسمبلی میں شامل ہو چکے ہیں ان کو اپنے مستقبل کے بارے میں نظر ثانی کرنے یا از سر نو فیصلہ کرنے کا موقع فراہم نہ کیا جائے۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ آئین ساز اسمبلی وزارتی مشن منصوبہ کے تحت وجود میں آئی تھی جس میں تقسیم ہند کو بالکل رد کر دیا گیا تھا۔ اس وقت جو صوبے اس میں شریک ہوئے تھے ان کے پیش نظر ایک کنفیڈرل قسم کی انڈین یونین تھی۔ مگر اب جو منصوبہ لندن سے منظور ہو کر آیا تھا اس میں نہ صرف برصغیر بلکہ صوبوں کی تقسیم کے اصولوں کو بھی مان لیا گیا تھا اور ان میں سے ہر ایک کو اختیار دیا گیا تھا۔ کہ وہ بالکل آزاد رہنا چاہے تو وہ رہ سکتا ہے یا پھر وہ باہم مل کر دو یا اس سے زیادہ ملک وجود میں لا سکتے ہیں۔ گویا اب برصغیر میں ایک سے زیادہ آزاد قومی ریاستوں کے وجود میں آنے کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ وہ صوبے جو آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو چکے تھے ان میں سے بعض میں لسانی، ثقافتی اور علاقائی بنیادوں پر علیحدگی پسندی کے رجحانات پائے جاتے تھے۔ بالخصوص جنوبی ہند میں آندھرا لینڈ اور تامل لینڈ کے قیام کی تحریکیں سر اٹھا رہی تھی۔ کنٹر (کرناٹک) اور ملیالم (کیرالہ) کے علاقے بھی اپنی علیحدہ شناخت کے خواہاں تھے۔ ہندو بورژوا جو انگریزوں کے مجتمع کردہ اتنے بڑے برصغیر کا خود کو واحد وارث قرار دیتا تھا اب اس کے لئے لحہ فکر یہ پیدا ہو گیا تھا کہ مجوزہ منصوبے پر عملدرآمد کی صورت میں یہ برصغیر کہیں ریاست ہائے بلقان کی مانند مختلف قومی ریاستوں میں نہ منقسم ہو جائے اور یوں ہندو بورژوا کے ہاتھ سے اتنی بڑی مارکیٹ نہ نکل جائے۔ ''ڈسکوری آف انڈیا'' کا مصنف جو نہ صرف برصغیر بلکہ مشرق بعید سے لے کر مشرق وسطیٰ تک کے علاقے کو اپنی منڈی بنانے کا خواب دیکھ رہا تھا، برصغیر میں مختلف السٹر (آئرلینڈ) بنتے ہوئے دیکھ کر سٹپٹا گیا اور اس نے ماؤنٹ بیٹن کو واضح الفاظ میں دھمکی دے دی کہ اگر مجوزہ منصوبہ پر عمل کیا گیا تو کانگرس اور برطانیہ کے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔

نہرو کی جانب سے مذکورہ مجوزہ منصوبے کی مخالفت کی چوتھی وجہ یہ تھی کہ بنگال کو متحد،

آزاد اور خود مختار علیحدہ ملک بنانے کے بارے میں بنگال کے وزیراعلیٰ اور مسلم لیگ کے رہنما حسین شہید سہروردی، کانگرس اسمبلی پارٹی کے رہنما کرن شنکر رائے اور فارورڈ بلاک کے رہنما سرت چندر بوس کے مابین تقریباً اتفاق رائے ہو گیا تھا۔ ان حالات میں مجوزہ منصوبہ کے مطابق صوبوں کو دیئے گئے حق خود اختیاری کی بدولت برصغیر دو کے بجائے کم از کم تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہوا واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ ہندو بورژوا جو برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کئے جانے کا سخت مخالف تھا وہ تیسرے حصے کی علیحدگی کو کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ وہ متحدہ بنگال کو اول تو ہندوستان میں شامل کرنا چاہتا تھا اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں اسے تقسیم کر کے مغربی بنگال کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا اور بنگال کو معاشی طور پر ایک ناقابل عمل اور مفلوج ٹکڑے کے طور پر علیحدہ چھوڑ دینا چاہتا تھا تاکہ وہ کمزور تر ہو کر جلد ہی گھٹنے ٹیک دے اور ہندوستان میں آن ملے۔ اس کے برعکس جناح نے سہروردی کو آزاد بنگال کے قیام کی اجازت دے دی تھی بشرطیکہ اسے متحد رکھا جا سکتا۔ اس مقصد کے لئے مسلم لیگ نے بنگال میں مخلوط حکومت کے قیام اور جداگانہ کے بجائے مخلوط طریق انتخاب کو اختیار کرنے کی پیش کش بھی کر دی تھی۔

نہرو کی مخالفت سے انگریزوں کی پریشانی اور نئے مسودے کی تیاری

ماؤنٹ بیٹن جو کانگرسی رہنماؤں کی ترجیحات کے مطابق انتقال اقتدار کو عمل میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے مجوزہ منصوبہ کے خلاف نہرو کے اس قدر شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں جتنے بھی مراسلے لندن بھیجے، ان میں نہرو کے ردعمل کو ''بم کا گولہ'' قرار دیا۔ 12 رمئی کو اس کے معاون ایرک میول نے اسے کو لندن اپنے مراسلے میں لکھا کہ ''نہرو کے کل کے رویے سے ہمارے ہوش اڑ گئے ہیں۔''[5] ادھر لندن کی 10 ڈاؤننگ سٹریٹ میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ خود وزیراعظم ایٹلی نے 13 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن کو بھیجنے کے لئے ایک مراسلہ کا مسودہ تحریر کیا مگر پھر اسے ارسال نہیں کیا۔ تاہم اس کے مندرجات سے ایٹلی کی پریشانی صاف عیاں ہوتی ہے۔ اس کا پہلا جملہ یہ تھا کہ ''گزشتہ دو روز کے دوران آپ کی طرف سے اسے کو بھیجے گئے مراسلے میں بیان کردہ واقعات پر میں سخت فکر مند ہوں۔'' اس کے بعد اس نے اپنی اس حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ''جو منصوبہ یہاں منظوری کے لئے بھیجا گیا تھا

اس کے بارے میں یہاں یہی سمجھا جا رہا تھا کہ اسے نہرو منظور کر چکا ہے۔'' اور یہ کہ ''ہم نے اس کے نفس مضمون میں کوئی ترمیم نہیں کی سوائے اس کے کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کی تجویز کو آپ کے کہنے پر شامل کر لیا گیا تھا تاکہ نہرو کو صوبہ سرحد میں عام انتخابات کے مجوزہ منصوبہ پر جو اعتراض تھا اس کا ازالہ ہو سکے۔''[6] گویا نہرو کے اعتراضات دور کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کی جا رہی تھی۔ منصوبہ کے لندن بھیجنے سے پہلے بھی، وہاں اس پر غور و خوض کے دوران بھی اور اب جب کہ اسے منظوری مل چکی تو اس کے بعد بھی اس منصوبے کو کانگرس کی منشا کے مطابق ڈھالنے کی ہر قسم کی گنجائش موجود تھی۔ انتقال اقتدار کی تمام تر منصوبہ سازی میں ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو اپنے سے قریب تر رکھا ہوا تھا اور قدم قدم پر مشورہ کیا جاتا تھا۔ وہ اسے اسی مقصد کے لئے اپنے ہمراہ شملہ لے گیا تھا۔ وہیں جب مجوزہ منصوبہ منظور ہو کر آیا تو اس کا پورا متن نہرو کے حوالے کر دیا گیا اور وہیں اس کے اعتراضات کی روشنی میں وی۔ پی مینن کو ازسرنو منصوبہ ترتیب دینے کے لئے کہا گیا۔

اس دوران وی۔ پی مینن کے ذریعے دہلی میں پٹیل کے ساتھ بھی مسلسل رابطہ رکھا گیا اور اس کے ساتھ پل پل کی خبروں اور مشوروں کا تبادلہ جاری رکھا گیا۔ اس تمام عمل سے جناح کو بہت دور رکھا گیا تھا۔ جب ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ہندو مشیر کو نہرو کی منشا کے مطابق نیا منصوبہ لکھنے کی ہدایت کی تھی تو اس کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس سلسلے میں جناح سے بھی کوئی مشورہ کرنے کی ضرورت ہے کہ مجوزہ منصوبہ کے لندن بھیجنے سے ایک روز پہلے اس کے اہم نکات جس طرح نہرو کو دکھائے گئے تھے اسی طرح جناح کو بھی دکھائے گئے تھے۔ جن میں صوبوں کے حق خود اختیاری کا واضح طور پر ذکر تھا۔ مگر اب جب کہ اس منصوبہ کی منظوری کے بعد اس میں ترامیم کی جا رہی تھیں تو جناح کو ان سے بالکل بے خبر رکھا جا رہا تھا۔ مزید یہ کہ جناح نے اس منصوبہ کو لندن بھیجنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بعض اعتراضات تواتر کے ساتھ اٹھائے تھے جن میں سب سے اہم اعتراض پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر تھا۔ لیکن برطانوی سامراج ان اعتراضات کے لئے ذرا بھر گنجائش نکالنے پر تیار نہ ہوا اور ان دونوں صوبوں کو تقسیم کرنے کے فیصلہ پر ہٹ دھرمی کے ساتھ قائم رہا۔ برطانوی سامراج کو کانگرس کی منظوری اور خوشنودی درکار تھی کیونکہ بصورت دیگر ہندوستان کو دولت مشترکہ میں شامل کرنے اور اس سے فوجی

اشتراک عمل کرنے کے سامراجی منصوبے کے ناکام ہونے کا خطرہ تھا۔

وی۔پی مینن اپنے آپ کو بڑی توپ چیز سمجھتا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی دونوں کتابیں پڑھی جائیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص بڑی اونچی جگہ سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ بطور کلرک ہندوستان کی مرکزی حکومت میں ملازم ہوا تھا۔ اس نے مختلف محکموں میں اپنی کلرکانہ محنت اور وفاداری سے اپنے افسروں کی خوشنودی حاصل کر کے اتنی ترقی کی تھی کہ یہ وائسرائے کا آئینی مشیر بن گیا تھا۔ برطانوی سامراج کے آخری دو ایک سالوں میں اس شخص کی اہمیت میں اس لئے بہت اضافہ ہو گیا کہ یہ وائسرائے اور کانگرسی لیڈروں کے درمیان ایک غیر سرکاری رابطہ افسر کے طور پر کام کرتا تھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ یہ ''ڈبل ایجنٹ'' تھا۔ کانگرسی لیڈروں کو وائسرائے کی خفیہ باتیں بتا دیتا تھا اور وائسرائے کو کانگرس کے رازوں سے مطلع رکھتا تھا۔ چونکہ 1946ء کے اواخر میں ویول نے برطانیہ کی مقررہ میعاد کے اندر دستبرداری کی تجویز پیش کر دی تھی، اس لئے یہ شخص ہوا کا رخ دیکھ کر سو فیصدی پٹیل کا ''آدمی'' بن گیا تھا۔ جب ماؤنٹ بیٹن مارچ 1947ء میں دہلی پہنچا تو اسے مینن کی اہمیت کا فوراً ہی پتہ چل گیا۔ چنانچہ اس نے پٹیل سے جو بات ''منوانا'' ہوتی تھی وہ اس کے بارے میں مینن سے بات کرتا تھا۔ مینن پٹیل کو ''رام'' کرتا تھا اور پھر ماؤنٹ بیٹن اس سے اپنی بات ''منوا'' لیتا تھا۔ دوسری طرف پٹیل کا طریقۂ کار بھی یہی تھا۔ وہ بھی ماؤنٹ بیٹن سے اپنی بات ''منوانے'' کے لئے پہلے مینن سے بات کرتا تھا اور مینن پٹیل کی حسب خواہش وائسرائے سے اس کی بات منوا لیتا تھا۔ گویا مینن 1947ء کے اوائل میں ایک ایسا سیاسی دلال بن گیا تھا جس نے ماؤنٹ بیٹن اور کانگرسی لیڈروں کے درمیان سودا بازی کے ڈرامے میں وقتی طور پر بظاہر اہم کردار ادا کیا تھا اور اس بناء پر اسے یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ برصغیر کے چالیس کروڑ عوام کی تقدیر اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ تنہا تاریخ سازی کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ لکھتا ہے کہ ''میں نے شملہ کے سیسل ہوٹل میں پہلے دو بڑے پیگ وہسکی کے چڑھائے اور پھر برصغیر کی تقسیم کا منصوبہ لکھنے بیٹھ گیا۔ منصوبہ اسی شام تیار ہو گیا۔ نہرو کو دکھایا گیا اور اس نے منظوری دے دی۔'' نہرو نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ اب یہ منصوبہ صحیح خطوط پر استوار ہوا ہے اور اب یہ کانگرس کے لئے قابل قبول ہوگا۔ مینن نے پٹیل کو دہلی میں بذریعہ فون شملہ میں ہونے والی تمام کاروائی سے آگاہ رکھا۔ پٹیل نے

مینن کے ذریعہ ماؤنٹ بیٹن کو یقین دہانی کرادی کہ اس ترمیم شدہ شکل میں مجوزہ منصوبہ کانگرس قبول کرلے گی۔ اس طرح برصغیر کی تقدیر کا فیصلہ ہوگیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے سکھ کا سانس لیا۔[7]

مینن کے تیار کردہ مسودے کے ذریعے مجوزہ منصوبہ میں جو اہم ترامیم کی گئیں ان میں ایک تو یہ تھی کہ وہ صوبے جو وزارتی مشن منصوبہ کے تحت پہلے سے قائم شدہ آئین ساز اسمبلی میں شامل ہو چکے تھے، نئے مجوزہ منصوبہ میں ان سب کو، سوائے صوبہ سرحد کے، مستقل طور پر اس آئین ساز اسمبلی کا حصہ تصور کرلیا گیا تھا اور وزارتی مشن منصوبہ کی ناکامی کے بعد کی نئی صورتحال میں ان کو اپنے مستقبل کا از سر نو تعین کرنے کے حق خودارادی سے محروم کر دیا گیا تھا۔ دوسری ترمیم یہ تھی کہ وہ صوبے جو متذکرہ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہیں ہوئے تھے ان کو فقط دو چوائس دیئے گئے تھے، ایک تو یہ کہ وہ مذکورہ آئین ساز اسمبلی میں شریک ہوجائیں اور دوسرا یہ کہ وہ ایک علیحدہ نئی آئین ساز اسمبلی میں شریک ہوجائیں جو ان ارکان پر مشتمل ہوگی جو مذکورہ آئین ساز اسمبلی میں شامل نہیں ہوئے ہیں جب کہ اس سے پیشتر منظور ہونے والے مجوزہ منصوبہ میں ان صوبوں کو ایک تیسرا چوائس بھی دیا گیا تھا۔ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں آزاد اور خودمختار رہ سکتے ہیں اور اپنی الگ آئین ساز اسمبلی قائم کر سکتے ہیں۔ گویا اس مجوزہ منصوبے میں برصغیر میں دو سے زیادہ آئین ساز اسمبلیوں یعنی دو سے زیادہ ملکوں کے وجود میں آنے کے لئے گنجائش رکھی گئی تھی۔ اسی چوائس کا استعمال کرتے ہوئے بنگال ایک علیحدہ مملکت کے طور پر آزاد ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اب کانگرس نے یہ چوائس ختم کروادیا تھا۔[8]

12 رمئی کو وائسرائے سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے یہ طے کر دیا تھا۔ کہ نئے مسودے میں بنگال یا کسی اور صوبے کو آزاد رہنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔ اس میٹنگ میں طے پایا کہ برصغیر میں ہندوستان کے سوا فقط ایک اور ملک پاکستان قائم کیا جائے جس کے لئے بنگال اور پنجاب کو ناگریز طور پر تقسیم کیا جائے اور یہاں تک کہ ان کے دارالحکومت بھی متعین کر دیئے جائیں۔ پاکستان کا دارالحکومت عارضی طور پر شملہ میں بنا دیا جائے۔ مغربی پنجاب کا دارالخلافہ لاہور مغربی بنگال کا کلکتہ اور مشرقی بنگال کا ڈھاکہ یا چٹاگانگ میں سے کسی ایک جگہ قائم کیا جائے۔[9] 13 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے مجوزہ منصوبے کا ترمیم شدہ مسودہ اسے کولندن بھیج دیا تاکہ برطانوی کابینہ اس پر غور کرنے کے بعد منظوری دے دے۔

نئے مسودے پر غور کے لئے ماؤنٹ بیٹن کی لندن طلبی

ماؤنٹ بیٹن شملہ سے 14 مئی کو واپس دہلی پہنچا تو اسے لندن سے بلاوا آچکا تھا۔ لیبر حکومت نہرو کے منظور کردہ منصوبے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ماؤنٹ بیٹن سے ذاتی طور پر وضاحت چاہتی تھی کہ پہلا منصوبہ کیوں ترک کیا گیا اور دوسرا منصوبہ کیسے تیار ہوا اور اس امر کی کیا ضمانت تھی کہ نہرو کا منظور کردہ منصوبہ ساری پارٹیوں کے لئے قابل قبول ہوگا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کے اس منصوبے کے بارے میں ساری پارٹیوں کی منظوری پہلے سے حاصل کرنے کی غرض سے 16 مئی کو "متفقہ نکات" کے عنوان سے ایک مسودہ تیار کیا اور اسے اسی دن نہرو، پٹیل، جناح، لیاقت اور بلدیو کو برائے منظوری بھیج دیا۔ یہ مسودہ آٹھ شقوں پر مشتمل تھا۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ ہندوستان کے اتحاد یا تقسیم کے بارے میں عوام کی رائے معلوم کی جائے گی۔ پنجاب اور بنگال کی رائے اس طرح معلوم کی جائے گی کہ پورے پنجاب کی اسمبلی اور پورے بنگال کی اسمبلی اپنی اکثریت کی رائے سے یہ فیصلہ کریں گی کہ وہ متحدہ ہندوستان کا حصہ رہنا چاہتی ہیں یا نہیں۔ اگر انہوں نے علیحدگی کے حق میں فیصلہ کیا تو پھر مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال میں غیر مسلم اکثریت کے ضلعوں کے نمائندے علیحدہ اجلاس میں بیٹھ کر یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ متحدہ ہندوستان سے علیحدگی پر رضامند ہیں یا اپنے صوبوں سے کٹ کر ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے عوام کی رائے استصواب کے ذریعے معلوم کی جائے گی۔ بلوچستان کی رائے شاہی جرگہ کے ممبروں اور کوئٹہ میونسپل کمیٹی کے منتخب ممبروں کے مشترکہ اجلاس کے ذریعے معلوم کی جائے گی۔ آسام کے ضلع سلہٹ کی رائے استصواب کے ذریعے معلوم کی جائے گی کہ وہ آسام کا حصہ رہنا چاہتا ہے یا تقسیم کی صورت میں پاکستانی بنگال کے ساتھ مدغم ہونا چاہتا ہے۔ اگر فیصلہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی مرکزی حکومت ہونی چاہیے، تو ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر موجودہ دستور ساز اسمبلی کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا، اگر فیصلہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں دو آزاد و خودمختار مملکتیں ہونی چاہئیں تو ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر ہر مملکت کی مرکزی حکومت اپنی متعلقہ دستور ساز اسمبلی کے سامنے جوابدہی کے تحت اقتدار سنبھال لے گی۔ اگر دونئی ڈومینینیں معرض وجود میں آئیں تو ہندوستان کی افواج ان میں تقسیم کر

دی جائیں گی۔ فوجی یونٹوں کی تقسیم ان کی علاقائی بھرتی کی اساس پر کی جائے گی اور وہ متعلقہ حکومتوں کے تحت ہوں گے۔ مشترکہ فوجی یونٹوں کی علیحدگی اور تقسیم کا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد کیا جائے گا جو فیلڈ مارشل کلاڈ آکن لیک اور دونوں ڈومینینوں کے چیفس آف جنرل سٹاف پر مشتمل ہوگا۔ یہ کمیٹی گورنر جنرل اور دونوں وزرائے دفاع پر مشتمل کونسل کی نگرانی میں کام کرے گی۔ جونہی تقسیم کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا اس کونسل کا وجود از خود ختم ہو جائے گا۔ صوبوں کی تقسیم کی صورت میں ایک حد بندی کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ اقتدار کی منتقلی 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی بنیاد پر ہوگی البتہ اس ایکٹ میں اتنی ترمیم کی جائے گی کہ یہ ڈومینین سٹیٹس سے متصادم نہ ہو۔ دونوں ڈومینینوں کا ایک مشترکہ گورنر جنرل ہوگا اور اس مقصد کے لئے موجودہ گورنر جنرل کا از سر نو تقرر کیا جائے گا۔

کانگرس نے اگلے ہی دن 17 مئی کو اس مسودے کی تحریری طور پر منظوری دے دی کیونکہ یہ نہرو کے منظور کردہ منصوبے کی بنیاد پر ہی لکھا گیا تھا۔ اسی دن لندن کے ہفت روزہ اکونومسٹ کی رپورٹ یہ تھی کہ کانگرسی حلقوں میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بالخصوص مشرقی بنگال معاشی دباؤ کے تحت ہندوستان سے پھر متحد ہو جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے کوئی تحریری منظوری تو نہ دی البتہ زبانی طور پر یقین دلایا کہ ہم اس مسودے کے عمومی اصولوں سے اتفاق کرتے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے ان کی تحریری منظوری حاصل کرنے کے لئے یہ دھمکی بھی دی کہ بصورت دیگر ہم موجودہ عبوری حکومت کو ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر اقتدار سونپ کر چلے جائیں گے۔ لیکن جناح پر اس دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے ''متفقہ نکات'' کی دستاویز پر دستخط نہ کئے۔ 16 مئی کو وائسرائے سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے اس رویے کا تذکرہ کرتے ہوئے اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ ''اگر جناح نے دیکھا کہ اسے دھوکہ دیا جا رہا ہے تو اسے کانگرس کی قربان گاہ پر انگریزوں کے ہاتھوں ذبح ہو کر اپنے نصب العین کی خاطر تاریخ میں شہید کا درجہ حاصل کر کے زیادہ طمانیت حاصل ہوگی۔''[10] ایلن کیمبل جانسن نے اپنی 16 مئی کی ڈائری میں لکھا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کے بیان کے مطابق ''جناح بظاہر بہت پرسکون رہا اور اس نے

صرف یہ بات کہی کہ وہ کسی صورت ایسے اقدام کو روک نہیں سکتا۔ عجب نہیں کہ بعض پہلوؤں سے ماؤنٹ بیٹن اور جناح کی ڈپلومیسی کا یہ بہت ہی نازک اور فیصلہ کن مرحلہ ثابت ہو۔ ماؤنٹ بیٹن محسوس کرتا تھا کہ جناح کا ردعمل غیر معمولی بھی ہے اور تشویش انگیز بھی۔ وہ یقیناً دانشمندانہ تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کا آزمائشی غبارہ چڑھا بھی اور نیچے بھی اتر آیا اور اس سے صرف یہی ثابت ہوا کہ جناح بہت ہی مضبوط و مستحکم اعصاب کا مالک ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کا خیال ہے کہ جناح کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر برطانیہ نے اسے کانگرس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا تو بطور شہید وہ بہت طاقتور ہوگا۔"[11] مطلب یہ تھا کہ جناح نے کانگرس اور برطانوی سامراج کی بلیک میلنگ کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر گاندھی اپنی ''مہاتمیت'' اور ''عدم تشدد کی علمبرداری'' کے باوجود خانہ جنگی کے لئے تیار تھا تو جناح بھی اپنی بے پناہ آئین پسندی کے باوجود اس سے خوفزدہ نہیں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ہندوؤں کے بورژوا طبقے کے لئے 9 کروڑ مسلمانوں کے جذبۂ آزادی کو کچلنا آسان نہیں ہوگا۔ اس وقت تحریک پاکستان کی شدت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس کا رخ موڑنا کسی کے بس میں نہیں رہا تھا۔ بالخصوص مسلمانوں کا درمیانہ طبقہ تحریک پاکستان میں اس حد تک آگے جا چکا تھا کہ اپنی قومی موت کو تنگ نظر و تنگدل ہندو اکثریت کی غلامی پر ترجیح دیتا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں ماؤنٹ بیٹن واقعی جناح کے سامنے زچ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لئے اس نے جناح کی زبانی منظوری ہی کو کافی جانا۔ وہ 18 رمئی کو اس منصوبے کی منظوری لینے کے لئے لندن چلا گیا۔ وی۔ پی مینن بھی اس کے ساتھ تھا۔ علاوہ ازیں کرشنا مینن بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ دونوں مینن کیے بعد دیگرے پٹیل اور نہرو کے ساتھ نئی دہلی میں بھی رابطہ رکھے ہوئے تھے۔

ادھر وزیراعظم ایٹلی نے برطانوی کابینہ کی کمیٹی کو ہدایت کی کہ وہ اپنے منظور شدہ مسودے کو بالائے طاق رکھ کر نہرو کے تجویز کردہ نئے مسودہ پر غور وخوض شروع کر دیں۔ لیکن کمیٹی کے ارکان کے پاس اپنے منظور شدہ مسودے کے حق میں دلائل موجود تھے۔ اس سلسلے میں 17 رمئی کو وزیر ہند لارڈ لسٹوول نے ایک یادداشت مرتب کر کے انڈیا و برما کمیٹی کے ارکان میں تقسیم کی۔ منظور شدہ مسودے میں صوبوں کو بالکل آزاد و خودمختار رہنے کا جو تیسرا چوائس دیا گیا تھا، اس کے متعلق اس یادداشت میں کہا گیا کہ اگر یہ چوائس ختم کر دیا گیا جیسا کہ

نہرو کے ترمیم شدہ مسودے میں کیا گیا ہے تو یہ ان اعلانات اور وعدوں سے کھلا انحراف ہوگا جو برطانوی حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً کئے جاتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں 1942ء کی کرپس تجاویز کا حوالہ دیا گیا جن میں کہا گیا تھا کہ ہر صوبے کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ جو آئین کل ہند سطح کی آئین ساز اسمبلی تیار کرے گی، وہ اس سے علیحدہ ہو جائے اور اپنا علیحدہ آئین وضع کرے جس میں وہ اپنے لئے مکمل طور پر وہ مقام متعین کرسکتا ہے کہ جو الگ سے انڈین یونین کو حاصل ہوگا۔ یعنی جس حیثیت میں انڈین یونین ایک علیحدہ مملکت ہوگی اسی حیثیت میں یہ صوبہ ایک علیحدہ مملکت ہوگا۔ یادداشت میں کہا گیا کہ 1942ء کے بعد سے برطانوی حکومت نے اپنے ہر اعلان میں اس کا اعادہ کیا ہے۔ 1945ء میں لیبر حکومت برسر اقتدار آئی تو اس کے وزیر اعظم نے 19 ستمبر 1945ء کو دارالعوام میں اعلان کیا کہ ہم 1942ء کی تجاویز میں کی گئی تمام پیشکشوں کے مکمل طور پر پابند ہیں نیز اس بیان میں نئی وجود میں آنے والی صوبائی اسمبلیوں کے نقطۂ ہائے نظر کو زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔ اس کے بعد وزارتی مشن منصوبہ کا اعلان ہوگیا جس میں صوبائی اختیار پس پشت چلا گیا تھا۔ لیکن اب جب کہ وزارتی مشن منصوبہ بظاہر ترک کیا جاچکا ہے تو ہمیں کرپس تجاویز میں طے کردہ اصولوں کی پابندی کرنا ہوگی۔ چنانچہ یادداشت میں کہا گیا کہ بنگال اور غالباً پنجاب کو بھی متحد رہنے اور اپنا الگ آئین وضع کرنے کا تیسرا چوائس دیئے جانے کے لئے وزنی اور عملی دلائل موجود ہیں۔ اس سے ان صوبوں میں پارٹیوں کے مابین تصفیے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ اس طرح نہرو کی جانب سے یہ اعتراض کہ اس سے ریاست ہائے بلقان جیسی ٹوٹ پھوٹ ہوجائے گی، مسترد ہوجاتا ہے۔[12]

19 مئی کو وزیر اعظم ایٹلی کی صدارت میں برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ماؤنٹ بیٹن بھی شریک ہوا۔ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی دو حصوں میں تقسیم کو منظور کرنے کا تفصیلی پس منظر بیان کیا۔ اس نے بتایا کہ ''یہ واضح ہو چکا تھا کہ اگر کسی نہ کسی شکل میں پاکستان کا مطالبہ منظور نہ کیا گیا تو مسلم لیگ مسلح جدوجہد کی راہ اختیار کرلے گی۔ اس اندیشے کے پیش نظر کانگرسی رہنماؤں نے اپنے ماضی کے رویے کو لچکدار بنایا اور یہ محسوس کیا کہ جو صوبے پاکستان بنانا چاہتے ہیں، اگر ہم ان کی ذمہ داری اٹھانے سے دستبردار ہوجائیں تو یہ ہمارے فائدے میں جائے گا اور پھر ان کو یہ بھی یقین تھا کہ یہ صوبے بالآخر بقیہ ہند کے ساتھ

دوبارہ آن ملیں گے۔'' گویا جب کانگرس نے اپنے مفاد میں تقسیم ہند کو منظور کر لیا تو اس کے بعد ہی ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کا منصوبہ بنا کر برطانوی حکومت کو بھیجا تھا۔ اس پر نہرو نے جو اعتراضات وارد کئے ان کی روشنی میں ترمیم شدہ مسودے کو کابینہ کمیٹی سے منظور کرانے کے لئے اس نے جو دلائل دیئے، ان کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ اب پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ کانگرسی رہنماؤں نے ڈومینین کی حیثیت میں دولت مشترکہ میں شامل رہنے پر آمادگی کا اعلان کیا ہے۔ حالانکہ جب سے وہ وائسرائے بن کر ہندوستان گیا تھا، کانگرس ہندوستان کو آزاد ری پبلک بنانے کا موقف اختیار کرتی چلی آ رہی تھی تاہم اب کانگرسی رہنماؤں نے اپنا موقف تبدیل کیا ہے تو اس شرط پر کہ جون 1948ء سے بہت پہلے یعنی 1947ء کے اختتام سے پہلے ان کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا۔ اس نے کہا کہ 2 رجون 1947ء کو انتقال اقتدار کے اعلان کے بعد سے لے کر جون 1948ء تک اقتدار کی عملاً منتقلی کے درمیانی عرصہ میں بے شمار مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے جن سے گریز کا واحد حل یہ ہے کہ اس عبوری عرصے کو کم سے کم رکھا جائے۔ صوبوں کو بالکل آزاد رہنے کا اختیار دیئے جانے سے ہندوستان کے بلقانیائے جانے کا اندیشہ ہے نیز اس سے دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کی بھی علیحدگی پسند پالیسی اختیار کرنے کے رجحان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اس صورت حال سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ فقط دو ڈومینینوں کو فوری طور پر اقتدار سونپ کر تمام تر انتظامی ذمہ داریاں ان کو منتقل کر دی جائیں۔ بنگال کے متعلق اس نے کہا کہ اگر 2 رجون کے اعلان تک وہاں پارٹیاں صوبے کے مستقبل کے بارے میں کوئی تصفیہ کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو بنگال سے متعلق مجوزہ منصوبے کے پیراگراف کو اس تصفیہ کی روشنی میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ بصورت دیگر یہ پیراگراف جوں کا توں رہے گا۔ یعنی اس کی تقسیم ناگزیر رہے گی اور اس کے سامنے ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک میں شمولیت کا چوائس باقی رہے گا۔ وزیراعظم ایٹلی اور کابینہ کمیٹی کے دیگر ارکان نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ اتفاق کیا اور طے پایا کہ اس منصوبے پر عملدرآمد کی خاطر برطانوی پارلیمینٹ سے مطلوبہ مختصر مدت کے اندر قانون منظور کرانے کے لئے اپوزیشن کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔''[13] گویا کانگرس کا ہندوستان کو ڈومینین کی حیثیت سے دولت مشترکہ میں شامل کروانے پر رضامند ہو جانا برطانوی سامراج کے لئے ایک ایسی کامیابی تھا کہ

اس کے عوض کانگرس کی بیشتر باتیں منظور کر لی گئیں۔ انتقال اقتدار کا ٹائم ٹیبل گھٹا کر تقریباً ایک سال پہلے کر دیا گیا۔ اس کے بعد تقسیم ہند کی تفصیلات کانگرس کی منشا کے مطابق طے پائیں۔

ہندوستان کو برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رکھنا برطانوی سامراج کی ضرورت تو تھا ہی لیکن خود ہندو بورژوا بھی دولت مشترکہ میں شامل رہنا چاہتا تھا۔ اس کی اپنی مادی ضرورت بھی تھی اور پھر یہ اندیشہ بھی تھا کہ پاکستان اور دیگر ہندوستانی ریاستیں بہر حال دولت مشترکہ میں شامل ہو کر زیادہ قوت کی مالک بن جائیں گی اور چونکہ ہندو بورژوا کے عزائم یہ تھے کہ پاکستان سمیت دوسری ہندوستانی ریاستوں کو بزور قوت زیر نگیں کرنا ہے کہ جو دولت مشترکہ کے رکن ہونے کی بدولت برطانیہ کو اپنی حمایت پر مجبور کریں گی اور یوں برطانیہ کو ہندوستان کے مدمقابل آنے پر مجبور کریں گی۔ یہ صورت نہ تو ہندو بورژوا چاہتا تھا اور نہ ہی انگریز...... دولت مشترکہ کے رکن ہندوستان کی طرف سے دولت مشترکہ کے رکن پاکستان اور دیگر ریاستوں کے خلاف کی جانے والی کارروائیوں کی صورت میں برطانیہ کسی فریق کا ساتھ دینے کا پابند نہیں رہ جاتا تھا بلکہ صاف الگ تھلگ رہ سکتا تھا۔ یوں ہندوستان کو برصغیر میں اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کا کھلا میدان مل جاتا تھا۔ چنانچہ اب کانگرس کی جانب سے یہ دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ ہندوستان کو ہر حالت میں ڈومینین کا درجہ دے کر دولت مشترکہ میں شامل کیا جائے۔ اس سلسلے میں زور دینے کے لئے نہرو نے لندن میں کرشنا مینن کو ایک خط بھیجا۔ جو لندن میں ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مسلسل رابطہ کئے ہوئے تھا۔ 21 مئی کو کرشنا مینن نے اس خط کے مندرجات پر مبنی اپنی جانب سے ایک خط ماؤنٹ بیٹن کو لکھا جس میں کہا گیا تھا کہ ''ڈومینین کی حیثیت دیئے بغیر انتقال اقتدار کا کوئی حل تجویز کیا گیا تو کانگرس اسے قبول نہیں کرے گی۔ ڈومینین سٹیٹس اور انتقال اقتدار لازم و ملزوم ہیں۔'' اس نے مزید لکھا کہ ''اگر جناح مکمل علیحدگی چاہتا ہے اور فوری طور پر چاہتا ہے اور ہم امن کی خاطر اسے منظور کر لیتے ہیں اور ملک تقسیم کرا لیتے ہیں تو پھر ہم چاہتے ہیں کہ جو باقی ماندہ ملک ہمارے پاس رہ جاتا ہے اس کے معاملات میں ہمارا جناح سے بالکل چھٹکارا کرا دیا جائے...... یہ معاملہ تفصیلات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ بنیادی نوعیت کا ہے۔''[14]

یعنی جناح کو کٹے پھٹے پاکستان کے ساتھ الگ تھلگ کرنے اور ڈومینین سٹیٹس کے تحت دولت مشترکہ کی زیر سرپرستی جلد از جلد اقتدار حاصل کرنے کے بعد کانگرسی رہنما ہندوستان کی دیگر

ریاستوں پر جلد از جلد بزور قوت قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے اور اب جب کہ کانگرس نے دولت مشترکہ میں ڈومینین کا درجہ قبول کر لیا تھا، برطانوی سامراج بھی ریاستوں کے لئے دولت مشترکہ کے دروازے بند کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا تاکہ ان ریاستوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے کانگرس کو کھلا میدان مل جائے۔

22 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے ایک نوٹ برطانوی کابینہ کے ارکان کے حوالے کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر ہندوستانی ریاستوں کو الگ الگ ڈومینیوں کی حیثیت سے دولت مشترکہ کی رکنیت حاصل کرنے کی رعایت دے دی گئی تو ہم پر ہندوستان کے ٹکڑے کرنے کا الزام لگ جائے گا اور عین ممکن ہے کہ کانگرس ڈومینینوں سٹیٹس کے حصول کی خاطر دائر کردہ اپنی درخواست واپس لے لے۔ اس کا حل مجھے یہی نظر آتا ہے کہ کسی بھی ہندوستانی ریاست کو دولت مشترکہ کی رکنیت نہ دی جائے تاآنکہ وہ برطانوی ہند میں قائم ہونے والی دو ڈومینینوں (یعنی ہندوستان اور پاکستان) میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق نہ کرلیں۔ اس صورت میں ان کا تاج برطانیہ کے ساتھ تعلق دونوں میں سے ایک گورنر جنرل کی وساطت سے قائم رہے گا۔"[15] وزیر ہند لسٹوول نے ماؤنٹ بیٹن کے اس خیال اور تجویز کی تائید کی۔[16] چنانچہ مجوزہ منصوبہ میں کسی بھی ریاست کے لئے اپنی آزاد و خودمختار حیثیت برقرار رکھنے اور دولت مشترکہ کی رکنیت اختیار کرنے کی گنجائش ختم کر دی گئی۔ ایسا محض کانگرس کے عزائم کی تکمیل کی خاطر کیا گیا جس کی تصدیق بعد کے واقعات سے بھی ہو گئی۔ مسلم لیگ نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا کہ ریاستوں کو نئے بننے والے دونوں ملکوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرنے کا پابند بنایا جائے۔

جب کانگرس کی جانب سے ڈومینین سٹیٹس کے حصول کا مطالبہ زور پکڑ گیا اور اسے انتقال اقتدار کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا جانے لگا تو برطانوی سامراج نے سمجھ لیا کہ میدان مار لیا ہے، برصغیر کے سب سے بڑے فرقے اور سب سے بڑے علاقے کی نمائندہ سب سے بڑی جماعت دولت مشترکہ میں شمولیت کے لئے بے قرار ہے اور حقیقتاً ایسا ہی تھا لیکن ایک کھٹکا بدستور لگا ہوا تھا۔ وہ یہ کہ اگرچہ جناح کی جانب سے دولت مشترکہ میں شمولیت کا یقین تو بارہا دلایا جا چکا تھا لیکن اندیشہ یہ تھا کہ کہیں جناح مجوزہ منصوبہ کو رد نہ کر دیں کیونکہ انہوں نے "متفقہ نکات"

کی دستاویز کو کانگرس کی طرح تحریری طور پر منظور نہیں کیا تھا۔ 22 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے لندن میں کنزرویٹو پارٹی اور حزب اختلاف کے رہنما ونسٹن چرچل کے ساتھ ملاقات کے دوران اس مسئلہ کو اٹھایا اور اس سے اس بارے میں رہنمائی طلب کی کہ جناح ڈومینین سٹیٹس منظور کرنے سے انکار کر دیں تو کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ چرچل نے جواب دیا کہ ''پہلے تو تم انہیں خوب ڈراؤ۔ تم تمام برطانوی افسروں کو ہٹالو۔ تم برطانوی افسروں کے بغیر فوجی یونٹ ان کے حوالہ کرو۔ تم ان پر اچھی طرح واضح کر دو کہ برطانوی امداد کے بغیر پاکستان چلانا کس قدر ناممکن کام ہوگا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے چرچل کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے کہا کہ مجھے فقط دھمکی دینے کا اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے بلکہ ضرورت پڑنے پر اس دھمکی کو عملی روپ دینے کا بھی اختیار ملنا چاہیے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو جناح غیر معینہ عرصے تک کے لئے تعطل کی کیفیت پیدا کئے رکھے گا اور یوں ہم ہندوستان اور پاکستان دونوں کو ہاتھ سے کھو بیٹھیں گے۔ چرچل نے اس کے ساتھ اتفاق کیا۔[17]

22 رمئی کو برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اجلاس وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا تو اس میں بھی ماؤنٹ بیٹن نے یہ سوال اٹھایا کہ جناح سے مجوزہ منصوبہ کس طرح قبول کرایا جائے۔ کمیٹی کے ارکان کا مشورہ تھا کہ ''جناح پر واضح کر دیا جائے کہ انکار کی صورت میں انہیں وہ کچھ بھی نہیں ملے گا جو مجوزہ منصوبے میں دیا جا رہا ہے۔ مثلاً جناح کو صاف طور پر بتا دیا جائے کہ اپنی موجودہ صورت میں مجوزہ منصوبہ سکھوں کے لیے انتہائی ناموافق ہے اور اگر مسلم لیگ اس سکیم کو نامنظور کر دیتی ہے تو پھر پنجاب کی تقسیم اس بنیاد پر کی جائے گی کہ جس میں مسلمانوں کا کم سے کم فائدہ ہوگا۔''[18] کمیٹی کو کانگرس کی جانب سے مجوزہ منصوبہ کی موجودہ شکل کے رد کئے جانے کی تشویش نہیں تھی کیونکہ خود کانگرس نے اسے آخری شکل دی تھی، نہ ہی کمیٹی نے کانگرس سے یہ سکیم منوانے کی خاطر کسی دھمکی یا دھونس کا کوئی تذکرہ کیا۔ کانگرس نے سکیم کو اپنی منشا کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

مزید برآں کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ تقسیم کے اعلان اور حقیقی انتقال اقتدار تک کے درمیانی عرصے میں عبوری حکومت کا کاروبار چلانے کے معاملات کی تفصیل وزیر تجارت سٹیفورڈ کرپس اور نہرو کا معتمد کرشنا مینن آپس میں مل کر طے کریں گے۔ ان تمام معاملات سے جناح اور مسلم

لیگ کو قطعی طور پر الگ تھلگ رکھا جارہا تھا۔ برطانوی سامراج برصغیر میں اپنی جانشین بڑی پارٹی یعنی کانگرس کو بجاطور پر زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔

23 رمئی کو برطانوی کابینہ کا مکمل اجلاس وزیراعظم ایٹلی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں انتقال اقتدار کے اس منصوبے پر غور وخوض ہوا جو ماؤنٹ بیٹن کانگرسی رہنماؤں کی منشا کے مطابق ترمیم کے بعد لے کر لندن آیا ہوا تھا۔ ایٹلی نے کابینہ سے اس منصوبے کی منظوری حاصل کرنے کے لئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ کانگرس نے دولت مشترکہ میں ڈومینین کی حیثیت سے رکنیت قبول کر کے اس کے بدلے میں 1947ء کے اندر اندر اقتدار کی فوری منتقلی کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ ایک اچھا موقع ہے جس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہندوستان کے دولت مشترکہ میں شامل ہونے کا پورے علاقے پر اچھا اثر پڑے گا برما اور سیلون بھی مکمل طور پر آزاد رہنے کے بجائے دولت مشترکہ میں شامل ہو جائیں گے۔"[19]

چنانچہ برطانوی کابینہ نے دو ڈومینینوں کو فوری طور پر انتقال اقتدار کے مجوزہ منصوبہ کی منظوری دے دی۔ نیز ماؤنٹ بیٹن کو اس منصوبے میں ردوبدل کا بھی کلی اختیار دے دیا گیا جسے وہ وسیع طور پر برطانوی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے استعمال کر سکتا تھا۔ برطانوی کابینہ نے یہ اختیار خاص طور پر بنگال کے بارے میں یہ گنجائش پیدا کرنے کے لئے دیا تھا کہ اگر 2رجون کو مجوزہ منصوبہ کے اعلان تک بنگالی رہنماؤں کے مابین بنگال کو متحد اور آزاد رکھنے کے بارے میں کوئی تصفیہ طے پا جائے تو مجوزہ منصوبہ میں شامل بنگال کی تقسیم سے متعلق شق کو نکال کر اس تصفیے کی مطابقت سے تبدیل کر دیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ ماؤنٹ بیٹن اور کانگرسی ہائی کمان بنگال کو متحد اور آزاد رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔

تقسیم ہند کے منصوبے کے اعلان سے پہلے آزاد و متحدہ بنگال کے لئے مزید کوششیں

ماؤنٹ بیٹن کی لندن کے لئے روانگی سے پہلے بنگال کو آزاد و متحد رکھنے کی بنگالی رہنماؤں کی کوششیں تیز ہوگئی تھیں۔ صوبے کا گورنر ایف۔ بروز بھی ان کوششوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ اس کو رپورٹیں ملی تھیں کہ تقسیم کی صورت میں صوبے میں بڑی خونریزی ہوگی۔

چنانچہ اس نے 11رمئی کو ماؤنٹ بیٹن کو شملہ مراسلہ بھیجا جس میں لکھا کہ صوبے کی تقسیم کی بدولت وجود میں آنے والے مشرقی بنگال کو اگر کلکتہ سے محروم کر دیا گیا تو یہاں سے ہمارے رخصت ہونے کے بعد یہ شہر میدان کارزار بن جائے گا۔ اگر بنگال کے مسلمانوں نے تحریک شروع کر دی تو میں ڈھاکہ اور چٹاگانگ کے علاوہ کسی علاقے پر بھی کنٹرول نہیں رکھ سکوں گا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وزیراعلیٰ سہروردی بنگال کو آزاد اور متحد رکھنے کے لئے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کر رہا ہے جو کامیابی کی طرف بڑھ رہی ہے۔''[20]

14رمئی کو سہروردی نے دہلی میں ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی جو اسی روز شملہ سے واپس لوٹا تھا۔ اس ملاقات میں سہروردی نے اسے بتایا کہ میں اور کرن شنکر رائے (کانگرس) اور سرت چندر بوس (فارورڈ بلاک) بنگال کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے باہم مذاکرات کر رہے ہیں اور نتائج امید افزاء ہیں۔ اس سلسلے میں کرن شنکر رائے اور سرت چندر بوس نے ایک دستاویز سہروردی کو دی تھی جس میں متحدہ بنگال کو آزاد سوشلسٹ ری پبلک بنانے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس دستاویز کی نقل ماؤنٹ بیٹن کو بھی مل چکی تھی۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اگر ''سوشلسٹ ری پبلک'' کی اصطلاح اس وقت استعمال کی گئی تو بنگال پر دولت مشترکہ کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اگر ''سوشلسٹ ری پبلک'' کی اصطلاح استعمال کرنے پر اصرار کیا گیا تو پھر بنگال فقط ایک بڑی طاقت کے ساتھ اتحاد قائم کر سکے گا اور یہ طاقت سوویت یونین ہوگی۔ ماؤنٹ بیٹن نے مشورہ دیا کہ اگر آپ آزاد ہونا چاہتے ہیں تو صرف ''بنگال'' کی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں اور اسے ''آزاد مملکت'' قرار دے سکتے ہیں۔ جب اپنا آئین وضع کر لیں گے تو پھر آپ جو چاہیں خود کو کہلوا سکتے ہیں لیکن ابھی اس مرحلے پر قبل از وقت رائے قائم کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے 9رمئی کے سردار پٹیل کے بیان کا حوالہ دیا جس میں پٹیل نے عبوری مرکزی حکومت کو فوری اقتدار کی منتقلی کا مطالبہ کیا تھا تاکہ جو لوگ مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کر رہے تھے، ایک مضبوط مرکزی حکومت کے ذریعے انہیں کچل کر ایک ہفتے کے اندر اندر ملک میں امن و امان قائم کر دیا جائے۔ پٹیل کے اس دھمکی آمیز بیان کا حوالہ دے کر ماؤنٹ بیٹن نے سہروردی کو ڈرانے کی کوشش کی اور کہا کہ ان حالات میں ''سوشلسٹ ری پبلک'' جیسی اصطلاحوں کا

استعمال بہت بڑی غلطی ہو گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے سہروردی کو متنبہ کیا کہ نہرو بھی آزاد بنگال کے قیام کے حق میں نہیں ہے۔ اسے اس کی صرف یہ صورت قبول ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ قریبی طور پر وابستہ ہو جائے۔ اس نے بتایا کہ نہرو سمجھتا ہے کہ تقسیم اب جب کہ ہو رہی ہے تو اس صورت میں مشرقی بنگال چند ہی برس میں ہندوستان کے ساتھ آ ملنے پر مجبور ہو جائے گا۔ سہروردی نے ماؤنٹ بیٹن سے پوچھا کہ اگر ہم ''سوشلسٹ ری پبلک'' کی اصطلاح ترک کر دیں اور بنگال کے لئے علیحدہ سے دولت مشترکہ کی رکنیت طلب کریں تو کیا آپ اس تجویز کی حمایت کریں گے؟ ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں کسی قسم کی یقین دہانی کرانے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ''جب تک برصغیر کا بڑا حصہ دولت مشترکہ میں شمولیت کی درخواست نہیں کرے گا، میں کسی حالت میں سفارش نہیں کروں گا کہ برطانوی حکومت کی طرف سے بنگال کو دولت مشترکہ کی رکنیت دی جائے۔'' حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ برصغیر کے بڑے حصے کی نمائندہ جماعت کانگرس کی جانب سے دولت مشترکہ میں شمولیت کی پر زور درخواست کی جا رہی تھی۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن ''سوشلسٹ ری پبلک آف بنگال'' کے قیام کی کس طرح اجازت دے سکتا تھا؟ اس نے سہروردی کے ساتھ متذکرہ ملاقات کی تفصیل سے گورنر بنگال ایف۔ بروز کو ایک مراسلے کے ذریعے آگاہ کیا اور اسے لکھا کہ ''سہروردی، بوس اور رائے کو ''سوشلسٹ ری پبلک'' کی اصطلاح کے استعمال سے باز رکھو کیونکہ پٹیل نے ڈومینین سٹیٹس کے تحت اقتدار کی منتقلی کے لئے جو حالیہ بیان دیا ہے اس کی روشنی میں اس قسم کی اصطلاحوں کا استعمال بہت غلط بات ہو گی۔''[21] ماؤنٹ بیٹن یہ نہیں چاہتا تھا کہ اب جب کہ کانگرس نے دولت مشترکہ میں ڈومینین سٹیٹس قبول کر لیا تھا، برصغیر کے کسی کونے سے ''آزاد ری پبلک'' اور وہ بھی ''سوشلسٹ ری پبلک'' کی کوئی آواز اٹھے جو کانگرس کے لئے ڈومینین سٹیٹس کو قبول کرنا مشکل بنا دے۔ یاد رہے کہ کانگرس سالہا سال سے ہندوستان کو آزاد ری پبلک بنانے کے نعرے لگا رہی تھی اور آئین ساز اسمبلی سے اس سلسلے میں قرارداد بھی منظور کروا چکی تھی مگر اب ہندو بورژوا اپنے مادی مفادات کی خاطر قلابازی کھا کر دولت مشترکہ کی ڈومینین بننے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ ان حالات میں بنگال سے اٹھنے والا ''سوشلسٹ ری پبلک'' کے قیام کا مطالبہ، ہندو بورژوا کی طرف سے اپنے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر قومی غداری کی راہ پر چلنے کی

کوشش میں مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے اس مطالبے پر گول مول رویہ اختیار کر کے اسے ابتدا ہی میں دبا دیا۔

بنگال اسمبلی میں اونچی ذات کے ہندوؤں کی بڑی تعداد کی جانب سے بنگال کو آزاد مملکت بنائے جانے کی مخالفت ہو رہی تھی۔ وہ بنگال کی تقسیم اور مغربی بنگال کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کے حق میں تھے۔ تاہم اسمبلی میں علیحدہ آزاد مملکت کے قیام کے سوال پر بلالحاظ فرقہ، رائے شماری کی صورت میں آزادی کی قرارداد کو مسلمانوں، اچھوتوں اور درمیانی ذات کے ہندوؤں کی حمایت حاصل تھی جو کہ بحیثیت مجموعی اسمبلی کی بھاری اکثریت پر مشتمل تھے اور یوں یہ قرارداد بھاری اکثریت سے کامیاب ہو سکتی تھی۔ اس امکان کو رد کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے یہ فیصلہ کیا کہ اسمبلی کی جانب سے آزادی کی قرارداد کو صرف اس صورت میں تسلیم کیا جائے گا جب اسے ہر فریق کی طرف سے الگ الگ بھاری اکثریت حاصل ہو گی۔ اس فیصلے سے وائسرائے کے معاون ایرک میول نے 17 مئی کو بذریعہ خط سہروردی کو آگاہ کر دیا۔ اس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ تقسیم کے سوال پر ہر صورت میں رائے شماری کرائی جائے گی۔ اتحاد کے سوال پر رائے شماری محض وضاحت کی خاطر ہو گی۔ تاکہ تقسیم کے بعد وحدت کے قیام کا بہتر امکان پیدا ہو سکے اور یہ بھی کہ بنگال میں استصواب نہیں کرایا جائے گا۔[22] یاد رہے کہ مسلم لیگ کی جانب سے بنگال اور پنجاب میں تقسیم کے سوال پر رائے عامہ جاننے کے لئے استصواب کروانے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا کیونکہ لیگ کا خیال تھا کہ دونوں صوبوں کی رائے عامہ کی اکثریت ان صوبوں کی تقسیم کے خلاف تھی۔

17 مئی کو جناح نے مجوزہ منصوبے کے مسودے پر اپنے خیالات پر مبنی ایک نوٹ ارسال کیا جس میں بنگال اور پنجاب کی مجوزہ تقسیم کی سخت مخالفت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ استصواب کے ذریعے عوام کی رائے معلوم کی جائے۔ جناح کا مؤقف یہ تھا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ اچھوتوں کی اکثریت بھی بنگال کی تقسیم کی مخالف ہے۔'' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اچھوت مشرقی اور مغربی بنگال میں تقسیم ہو جائیں گے۔ مغربی بنگال میں وہ اونچی ذات کے ہندوؤں کے رحم و کرم پر ہوں گے اور مشرقی بنگال میں مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر۔ وہ اونچی ذات کے ہندوؤں سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں کیونکہ ان کے ہاتھوں انہیں دنیا کے بدترین معاشی و سماجی

ظلم کا شکار ہونا پڑتا ہے۔'' جناح نے اعداد و شمار سے ثابت کیا کہ مغربی بنگال میں مسلمان 34 فیصد ہیں جب کہ بقیہ 66 فیصد آبادی کا 29 فیصد اچھوت اور 37 فیصد اونچی ذات کے ہندو ہیں۔ اس طرح اونچی ذات کے ہندو مغربی بنگال کی کل آبادی کا صرف ایک تہائی ہیں۔ چنانچہ استصواب کی صورت میں مسلمانوں اور اچھوتوں کی رائے عامہ مل کر بنگال کی وحدت کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ تاہم جناح نے یہ بھی لکھا کہ ''اگر بدقسمتی سے آپ تقسیم کا فیصلہ کرتے ہیں اور مشرقی بنگال کو یہاں کی واحد بندرگاہ کلکتہ سے محروم کر دیا جاتا ہے تو اس صورت میں کلکتہ مغربی بنگال کو بھی نہ دیا جائے جو کہ ہندوستان میں شامل ہوگا۔ بدترین صورت میں بھی فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ کلکتہ کو ایک آزاد بندرگاہ قرار دے دیا جائے۔''[23]

17 رمئی کو سردار پٹیل اور نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی جس کے دوران ''ماؤنٹ بیٹن نے بنگال کی تقسیم کی صورت میں کلکتہ کی حیثیت کے بارے میں اظہار رائے کرتے ہوئے اس امکان کا ذکر کیا کہ مشرقی اور مغربی بنگال کی حکومتیں پٹ سن کی تجارت کے بارے میں باہمی سمجھوتہ کرسکتی ہیں۔ سردار پٹیل نے کلکتہ کو آزاد بندرگاہ کا درجہ دیئے جانے کی سختی کے ساتھ مخالفت کی چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے اس نقطہ پر مزید زور نہیں دیا۔''[24]

لندن روانگی سے پہلے ماؤنٹ بیٹن نے 17 رمئی کو بذریعہ مراسلہ بنگال کے گورنر الیف۔ بروز کو آگاہ کر دیا کہ ''شملہ میں نہرو کے ساتھ مذاکرات کے بعد مجھے پورا یقین ہوگیا ہے کہ کانگرس ہائی کمان کی طرف سے آزاد بنگال کے قیام کو منظور کرنے کا قطعی کوئی امکان نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے پیرکاروں کو اس تجویز کی حمایت کی اجازت دیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بنگال کا مستقبل صرف ہندوستان کے اندر ہے۔ تاہم اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ سہروردی اتحاد کے لئے اپنی کوششیں ترک کر دے۔''[25] گویا ماؤنٹ بیٹن کے نزدیک ایک ایسے بنگال کے اتحاد کی کوشش جاری رہنی چاہیے تھی جس کا مستقبل ''صرف ہندوستان کے اندر'' تھا۔ تاہم بنگال کا گورنر الیف بروز آزاد اور متحدہ بنگال کے قیام کے بارے میں ناامید نہیں ہوا تھا۔ وہ اس سلسلے میں سہروردی، شنکر رائے اور سرت بوس کی کوشش کی بدستور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔

ماؤنٹ بیٹن ابھی لندن پہنچا ہی تھا کہ بنگال کے رہنماؤں کے مابین بنگال کو متحدہ اور

آزاد ریاست بنانے کے لئے اہم نکات پر سمجھوتہ طے پا گیا۔ 19 مئی کو گورنر بنگال ایف۔ بروز نے ان متفقہ نکات کا متن وزیر ہند ارل آف لسٹوول اور ماؤنٹ بیٹن کو لندن ارسال کر دیا۔ ان نکات میں کہا گیا تھا کہ بنگال ایک آزاد و خود مختار ریاست ہوگی۔ یہ آزاد ریاست بنگال، بقیہ ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں فیصلہ کرے گی۔ بنگال کے آئین میں شق رکھی جائے گی جس کے تحت بنگال کی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات مخلوط نیابت کے اصول پر ہوں گے جب کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے صرف نشستوں کی تعداد متعین کی جائے گی۔ اونچی ذات کے ہندوؤں اور اچھوتوں کے مابین نشستیں اس طور پر تقسیم کی جائیں گی کہ اچھوتوں کو اپنی آبادی کے تناسب سے نشستیں حاصل ہو جائیں۔ جب یہ اعلان ہو جائے کہ بنگال کی آزاد ریاست کے قیام کی تجویز منظور کر لی گئی ہے اور یہ کہ بنگال تقسیم نہیں ہوگا، موجودہ بنگال وزارت توڑ دی جائے گی اور نئی وزارت تشکیل دی جائے گی جس میں مسلمان اور ہندو (بشمول اچھوت) برابر تعداد میں لئے جائیں گے۔ اس وزارت میں وزیر اعلیٰ مسلمان اور وزیر داخلہ ہندو ہوگا۔ پولیس اور فوج سمیت تمام ملازمتوں میں مسلمان اور ہندو برابر کے شریک ہوں گے اور تمام ملازمتیں بنگالیوں کے لئے ہوں گی۔ 30 ارکان پر مشتمل ایک آئین ساز اسمبلی وضع کی جائے گی جس میں 16 مسلمان اور 14 ہندو ہوں گے جنہیں بالترتیب قانون ساز اسمبلی کے مسلم اور غیر مسلم ارکان یا بالترتیب مسلم لیگ اور کانگرس سے تعلق رکھنے والے ارکان منتخب کریں گے۔ برطانیہ کی جانب سے اس آئین ساز اسمبلی کو جون 1948ء یا اس سے پیشتر اقتدار منتقل کر دیا جائے۔''[26]

بروز نے اسی روز ایک اور مراسلے میں لسٹوول اور ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع دی کہ سہروردی اور کرن شنکر رائے ان نکات پر متفق ہو چکے ہیں اور سرت چندر بوس بھی ''سوشلسٹ ری پبلک آف بنگال'' کے بجائے ''آزاد ریاست بنگال'' کی اصطلاح استعمال کرنے پر رضا مند ہو گیا ہے۔ کرن شنکر نے بروز سے ملاقات میں اقرار کیا تھا کہ صرف متذکرہ فارمولے پر عمل کر کے ہی قتل و غارت سے بچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بروز نے برطانوی حکومت کو تجویز کیا کہ مجوزہ منصوبے کے اعلان کا جو مسودہ کابینہ کے زیر غور ہے اور جس کا اعلان 2 جون کو ہونے والا ہے، اس میں بنگال کی تقسیم اور مستقبل میں بنگال کی وابستگی سے متعلقہ شقیں حذف کر دی

جائیں۔ ان کے بجائے اس میں یہ کہا جائے کہ ''بنگال میں جہاں دو بڑی پارٹیاں حال ہی میں مخلوط وزارت تشکیل کرنے پر رضامند ہو گئی ہیں، ایک علیحدہ آئین ساز اسمبلی منتخب کی جائے گی جو بنگال کے مستقبل کا آئین وضع کرے گی۔''[27]

لیکن 20 رمئی کو لندن میں وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ 2 رجون کے مسودۂ اعلان میں کہا جائے کہ اگر صوبے کے مغربی اور مشرقی حصے باہم متحد رہنے کا فیصلہ کریں تو ان کو فقط یہ اختیار ہوگا کہ وہ فیصلہ کریں کہ متحدہ صوبہ ہندوستان یا پاکستان میں سے کس میں شامل ہوگا؟ اس کے بعد تقسیم کے بارے میں رائے شماری ہوگی اور تقسیم ہونے کی صورت میں بھی الگ الگ حصے کو انہی دو ملکوں میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہونے کا چوائس دیا جائے گا۔ گویا متحد رہنے کی صورت میں آزاد ریاست کے طور پر رہنے کا چوائس ختم کر دیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے گورنر بنگال کے مراسلوں کا حوالہ دیتے ہوئے بنگال کے رہنماؤں کی جانب سے اسے متحد رکھنے کی کوششوں کی کامیابی کے امکانات کا ذکر کیا اور گورنر کی اس رائے سے آگاہ کیا کہ مجوزہ اعلان میں بنگال کے بارے میں موجودہ شقوں کو حذف کر دیا جائے۔ اس بارے میں ماؤنٹ بیٹن کا خیال تھا کہ ''اگر بنگال کو آزاد کر دیا گیا تو گمان غالب ہے کہ اس طرح برصغیر میں ایک تیسری ڈومینین بھی وجود میں آ جائے گی۔ اس سے بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔ بعض دوسری بڑی ریاستیں بھی علیحدہ ڈومینین بننے کی خواہش مند ہو جائیں گی۔''[28] یہاں بڑی ریاستوں سے مراد حیدر آباد، ٹراونکور، کشمیر، قلات وغیرہ تھیں جو دولت مشترکہ میں اپنے لئے علیحدہ رکنیت کی خواہاں تھیں۔ لیکن برطانوی سامراج جو کہ برصغیر کی دو حصوں میں تقسیم کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، اس کی تین یا اس سے زیادہ حصوں میں تقسیم کی کیسے اجازت دے سکتا تھا۔ وہ برصغیر سے رخصتی کے بعد یہاں موجود اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر یہاں اپنے سب سے بڑے جانشین یعنی ہندو بورژوا کی ناراضگی بھی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ 21 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن نے گورنر بنگال بروز کو لندن سے مراسلہ بھیجا جس میں لکھا کہ ''اگر سہروردی نے اس موقع پر بنگال کے لئے ڈومینین سٹیٹس کے حصول کی درخواست کی تو کانگریسی رہنما متحدہ بنگال کے بارے میں تشویش کا شکار ہو جائیں گے، وہ سوچیں گے کہ اس طرح یونین آف انڈیا میں

بنگال کے شامل ہونے کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ خود ایک علیحدہ ڈومینین کے درجہ کا حامل ہو گیا ہے۔"[29]

21 رمئی کو گورنر بنگال ایف۔ بروز نے وزیر ہندلسٹوول اور ماؤنٹ بیٹن کو لندن مراسلہ بھیج کر آگاہ کیا کہ سہروردی، کرن شنکر رائے اور سرت چندر بوس بنگال کو آزاد اور متحد رکھنے کے متفقہ نکات کی بنیاد پر مخلوط حکومت بنانے پر رضامند ہو گئے ہیں جو اس کے 19 رمئی کے مراسلے میں بیان کئے گئے تھے۔ سہروردی پُراعتماد ہے کہ مسلم لیگ اس مخلوط حکومت کے قیام کی منظوری دے دے گی۔ کرن شنکر کانگرس ہائی کمان سے منظوری لینے کے لئے مسوری جا رہا ہے۔ (نہرو ان دنوں مسوری میں تھا) ان کوششوں کی تکمیل کے لئے 2 رجون کی حد میرے لئے تشویش کا باعث ہے کیونکہ وقت بہت کم ہے۔ 2 رجون کے متوقع اعلان میں بنگال کے لئے دروازے کھلے رکھے جائیں اور اس میں شامل تقسیم بنگال کی شقوں کو فی الوقت حذف کر دیا جائے۔ اس سے بنگال کو آزاد اور متحد رکھنے کی کوشش کرنے والے بنگالی رہنماؤں کی کوششوں کو تقویت حاصل ہوگی۔ اگر یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں تو پھر بعد میں تقسیم سے متعلقہ شقوں کو تو بہرصورت اختیار کیا جا سکتا ہے۔[30] لیکن ماؤنٹ بیٹن نے اس کے ساتھ اتفاق نہ کیا اور 21 رمئی کو کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کو تجویز کیا کہ میں ہندوستان جا کر دیکھوں گا، اگر دونوں فریق بنگال کی تقسیم سے متعلقہ شقوں کو اس اعلان سے نکال دینے پر رضامند ہوئے تو ایسا کر دیا جائے گا۔"[31]

حقیقت یہ تھی کہ مسلم لیگ تو مسلسل بنگال اور پنجاب کی تقسیم کی مخالفت کر رہی تھی اور ان شقوں کو مجوزہ اعلان سے خارج کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو لندن روانگی سے پہلے جو یادداشت پیش کی تھی اس میں اس مؤقف کا تفصیل کے ساتھ اعادہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ اب ماؤنٹ بیٹن کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان واپس آ کر اس سلسلے میں کانگرس ہائی کمان سے مشورہ کرے گا، اگر انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی تو متذکرہ شقوں کو حذف کر دیا جائے گا ورنہ یہ بدستور 2 رجون کے اعلان کا حصہ بنی رہیں گی۔ یعنی لیگ اور کانگرس کے صوبائی رہنماؤں کے مابین طے شدہ متفقہ نکات کی روشنی میں صوبے کو علیحدہ، آزاد اور متحدہ ریاست بنانے کا جو امکان پیدا ہوا تھا اسے یک قلم ختم کر دینے کا اختیار کانگرس ہائی کمان کو

دے دیا گیا تھا۔ جب کہ کانگرس ہائی کمان یہ طے کر چکی تھی کہ متحدہ آزاد ریاست بنگال کو کسی صورت قائم نہیں ہونے دیا جائے گا۔

21 مئی کو کلکتہ میں گاندھی نے سرت چندر بوس، سہروردی اور دوسرے لیڈروں سے، جن میں بنگال مسلم لیگ کا سیکرٹری ابوالہاشم بھی شامل تھا، ملاقات کی۔ پیارے لال کا کہنا ہے کہ موخر الذکر کی گفتگو سے گاندھی کو حیرت ہوئی کیونکہ وہ متحدہ بنگال کی حمایت مشترکہ زبان، مشترکہ ثقافت اور مشترکہ تاریخ کی بنیاد پر کرتا تھا، جس نے بنگال کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک وحدت میں پرو رکھا تھا۔ تاہم گاندھی کا اصرار یہ تھا کہ ''متحدہ بنگال میں حکومت کے ہر اقدام کو انتظامیہ اور مقننہ میں ہندو اقلیت کے کم از کم دو تہائی حصے کا تعاون حاصل ہونا چاہیے۔''[32] گاندھی کا یہ مطالبہ ان غیر جانبدار سیاسی مبصرین کے لئے انتہائی حیرت انگیز تھا جو اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ''مہاتما'' کی سیاست فی الواقع جمہوری ہے اور مذہب سے بالاتر ہے۔ گاندھی برصغیر کی ہر لحاظ سے پسماندہ تقریباً 25 فیصد مسلم اقلیت کو تو ان کے سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور معاشی حقوق کی ضمانت دینے پر تو آمادہ نہیں تھا لیکن وہ بنگال کی 45 فیصد طاقتور ہندو اقلیت کے لئے بے پناہ سیاسی تحفظات کا خواہاں تھا حالانکہ یہ ہندو اقلیت سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور معاشی لحاظ سے 55 فیصد مسلمان اکثریت سے کہیں آگے تھی۔ جو شرط گاندھی نے پیش کی تھی اس کے تحت بنگال میں حکومت کا سارا اختیار ہندوؤں کے ہاتھوں میں منتقل ہو جاتا اور اس کا جواز یہی ہو سکتا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفادات مختلف ہیں۔ گویا وہ کل ہند سطح پر تو ہندو مسلم تضاد کی حقیقت سے انکار کرتا تھا لیکن متحدہ بنگال کی آزاد ریاست میں اسے یہ تضاد اپنی آنکھ کا شہتیر نظر آتا تھا۔ اس کے متذکرہ مطالبے کا اصل مقصد متحدہ بنگال پر مبنی آزاد ریاست کے قیام کے امکان کو سبوتاژ کرنا تھا۔ نہرو بھی اس ریاست کے قیام کا سختی سے مخالف تھا۔

27 مئی کو وائسرائے کے معاون ایرک میول نے نہرو کے ساتھ ملاقات کے دوران جب اس سے آزاد بنگال کے قیام کے بارے میں رائے دریافت کی تو نہرو نے اسے سختی کے ساتھ رد کر دیا اور شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہاں کے ہندو کسی صورت بھی مستقل مسلم غلبہ کے تحت رہنا گوارا نہیں کریں گے۔ تاہم اس نے پورے بنگال کے ہندوستان میں شامل ہو جانے کے امکان کو رد نہیں کیا۔[33] اسی تاریخ کے نیوز کرانیکل میں اس کے نمائندے

نارمن کلف کو دیا گیا نہرو کا ایک انٹرویو شائع ہوا۔ اس میں بھی اس نے بالکل انہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ 28 رمئی کو لندن میں کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے اجلاس میں نہرو کا یہ انٹرویو زیر بحث آیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اب بنگال کی وحدت کے تحفظ اور برصغیر میں اس کے بطور تیسری ڈومینین ابھرنے کے امکانات بڑی حد تک معدوم ہو گئے ہیں۔ ان حالات میں جب کہ نہرو اپنی بات پر اڑ گیا ہے، بنگال کی وحدت کے لئے صرف یہی ایک صورت رہ جاتی ہے کہ جناح بنگال سے دستبردار ہو جائے اور بنگال کو ایک نیم خودمختار ریاست کا درجہ دے دیا جائے تو وہ ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر لے۔ کابینہ کی کمیٹی نے اس کی رائے کے ساتھ پورا اتفاق کیا۔ اس نے مزید کہا کہ تقسیم کی صورت میں مشرقی بنگال کا مستقبل بہت مخدوش ہو گا اور یہ حصہ علیحدہ سے برطانوی حکومت کی امداد کی خاطر دولت مشترکہ میں ڈومینین کا درجہ حاصل کرنے کا مطالبہ کر دے گا تاہم کابینہ کی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ اس صورت میں مشرقی بنگال کو علیحدہ ڈومینین کا درجہ نہیں دیا جائے گا، اسے دو ڈومینینوں یعنی ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شمولیت اختیار کرنا پڑے گی۔[34]

لیکن بنگال کا گورنر ایف بروز اب بھی لندن کے ارباب حل وعقد سے مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔ اس نے بنگال کی وحدت کو برقرار رکھنے کی ایک اور کوشش کرتے ہوئے 28 رمئی کو ماؤنٹ بیٹن کو لندن مراسلہ بھیجا جس میں آزاد متحدہ بنگال کے قیام کے لئے بنگال کے دونوں فرقوں کے رہنماؤں کی کوششوں سے آگاہ کیا گیا۔ تاہم اس نے سہروردی کے خدشات سے اتفاق کیا کہ اگر نہرو اور پٹیل اپنی ضد پر اڑے رہے تو کرن شنکر کچھ بھی نہیں کر سکے گا اور ''بنگال کو نہرو کے آل انڈیا نظریے کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔'' بروز نے لکھا کہ فی الوقت ہندوستان اور پاکستان سے علیحدہ آزاد بنگال ہی ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جس پر وہاں کے ہندو اور مسلمان اکٹھے مل کر رہ سکتے ہیں۔ متحدہ بنگال اگرچہ حالت جنگ میں کمزور دفاع کا حامل ہو گا مگر حالت امن میں ایک قابل عمل اکائی ثابت ہو گا۔ ہم اسے اپنے صاف ضمیر کے ساتھ اقتدار منتقل کر سکتے ہیں کہ یہ وسیع تر عوام الناس کے اتفاق رائے کی نمائندگی کرتا ہے۔ نیز پرامن انتقال اقتدار کا بھی صرف یہی ایک بہترین راستہ ہے۔ جب کہ تقسیم کا راستہ سیاسی اور معاشی طور پر ایک افسوسناک منظر پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر مشرقی بنگال کے لئے......'' اس نے مزید لکھا کہ

اگر صوبے کی تقسیم کو ہندوؤں نے منظور کر لیا اور مسلمانوں نے منظور کرنے سے انکار کر کے مزاحمت شروع کر دی تو بڑے پیمانے پر خونریزی اور املاک کی تباہی و بربادی ہوگی۔ اس کے لئے دونوں طرف سے تیاریاں کی جارہی ہیں۔"[35]

لندن میں برطانوی کابینہ نے انتقال اقتدار کے مجوزہ اعلان کی منظوری دے دی تھی۔ فقط بنگال کے متعلق ماؤنٹ بیٹن کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان واپس جا کر وہاں کے حالات کے مطابق خود یہ فیصلہ کرے کہ آیا تقسیم بنگال کی شقیں مجوزہ اعلان میں شامل رہنے دی جائیں یا نکال دی جائیں۔ پروگرام کے مطابق مجوزہ اعلان سے متعلق بی بی سی لندن سے 3رجون کو ماؤنٹ بیٹن کی ایک تقریر نشر ہونا تھی جسے اس نے لندن سے ہندوستان کے لئے روانگی سے پیشتر ریکارڈ کروا کر آنا تھا۔ گورنر بنگال کے مراسلوں نے لندن میں یہ تاثر ضرور چھوڑا تھا کہ متحدہ آزاد بنگال کے قیام کے امکان کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے 28رمئی کو بی بی سی کے لئے دو تقریریں ریکارڈ کرائیں۔ ایک تقریر میں بنگال کی تقسیم کا اعلان کیا گیا تھا جب کہ دوسری میں متحدہ بنگال کو پیش نظر رکھا گیا تھا اور ہر دو صورتوں میں سے اختیار کی جانے والی صورت کی مطابقت سے دونوں میں سے ایک تقریر کو نشر کیا جانا تھا۔[36] ہندوستان واپس پہنچ کر ماؤنٹ بیٹن نے 31رمئی کو سٹاف میٹنگ میں ان دونوں تقاریر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ "برطانوی حکومت تو آزاد بنگال کے قیام پر رضامند ہے لیکن نہرو نے کہہ دیا ہے کہ وہ بنگال کو آزاد کرنے پر رضامند نہیں ہے۔" ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم کے حوالے سے اپنے اس قیاس کا بھی اظہار کیا کہ "مشرقی پاکستان کا وجود پاکستان کے لئے بڑی الجھن بنا رہے گا جب کہ نہرو کا خیال ہے کہ مشرقی بنگال جلد یا بدیر ہندوستان کے ساتھ دوبارہ آن ملے گا۔"[37] میٹنگ کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اپنے معاون ایرک میول کو بھیج کر سہروردی کو بلوایا تاکہ بنگال کے متعلق حتمی صورت حال سے آگاہی حاصل کر سکے۔ سہروردی نے اسے بتایا کہ کرن شنکر رائے کانگرس ہائی کمان کو بنگال کے لئے آزادی کی راہ اختیار کرنے کا حق رائے دہی دلوانے پر آمادہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔ چنانچہ سہروردی نے ماؤنٹ بیٹن سے مطالبہ کیا کہ کم از کم تقسیم کی کاروائی کی تکمیل کے عبوری عرصے میں کلکتہ کو آزاد شہر قرار دے دیا جائے ورنہ شہر میں خون خرابہ کسی طرح بھی روکا نہیں جاسکے گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسی وقت وی۔ پی مینن کو سردار

پٹیل کے پاس بھیجا کہ کلکتہ کو ابتدائی چھ ماہ کے لئے مشترکہ کنٹرول میں رکھنے کے بارے میں اس کی رائے دریافت کرے۔ پٹیل نے جواب دیا کہ ''اس کی چھ گھنٹے کے لئے بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔''[38] اسی روز سہروردی نے ایرک میول کے نام ایک خط میں یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ اگر بنگال کو آزاد کر دیا جائے تو خواہ ہندوستان دولت مشترکہ میں شامل ہو خواہ نہ ہو، آزاد بنگال دولت مشترکہ میں شامل ہو گا۔''[39] لیکن اس وقت برطانوی سامراج کے محافظ برصغیر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو وہ اہمیت نہیں دے رہے تھے جو وہ برصغیر کے بڑے علاقے کی نمائندہ کانگرس کو دے رہے تھے اور برصغیر کے معاملات کو اس کی منشا کے مطابق طے کر رہے تھے۔

یکم جون کو ماؤنٹ بیٹن نے گورنر بنگال بروز کو لکھ دیا کہ '' کانگرس متحدہ مگر آزاد بنگال کے قیام کی خاطر اٹھنے والے ہر اقدام کی مخالفت میں ڈٹ گئی ہے۔ اگر ہم یہ خیال ترک کر دیں تو کیا صوبے میں دفعہ 93 کا نفاذ بہتر ہو گا یا کوئی مخلوط حکومت وضع ہو سکتی ہے جو تقسیم کی تفصیل طے کرے......؟''[40] چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس کی منشا کے عین مطابق متحدہ آزاد بنگال کا خیال ترک کر دیا اور 3رجون کو بی بی سی لندن میں ریکارڈ کرائی گئی دونوں میں سے کوئی ایک تقریر بھی نشر نہ ہوئی۔ اس کی بجائے دہلی سے تقریر نشر ہوئی اور بی بی سی نے بھی اسے ریلے کیا۔ اس میں بنگال کی تقسیم کے مجوزہ منصوبے کو اختیار کیا گیا تھا۔

برصغیر کے نقشے پر 1971ء میں ابھرنے والا بنگلہ دیش 1947ء میں ہی مسلم لیگ کی منظوری کے ساتھ معرض وجود میں آ سکتا تھا جو کہ حقیقی معنوں میں بنگلہ دیش ہوتا یعنی غیر منقسم بنگال پر مشتمل ہوتا۔ لیکن کانگرس اس کے قیام کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی۔ بنگال ایک قابل عمل ملک نہ بن سکا جس کا وہ پوری طرح اہل تھا۔

تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان

2رجون کو دہلی کے وائسریگل لاج میں ایک تاریخی کانفرنس ہوئی جس میں نہرو، پٹیل، کرپلانی، جناح، لیاقت، نشتر، اور بلدیو سنگھ نے شرکت کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے جذباتی قسم کی تقریر کی جس میں اس نے برطانوی حکومت کی اس خواہش کا ذکر بھی کیا کہ نئے وجود میں آنے

والے دونوں ملک آپس میں دفاعی سمجھوتہ کریں گے۔ اس نے منظور شدہ منصوبے کی نقلیں ان رہنماؤں کو دیں اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کا جواب آج ہی رات کو بارہ بجے تک دے دیا جائے۔ کانگرس نے اسی روز تحریری جواب دے دیا جس میں منصوبے کی منظوری کے ساتھ یہ شرط عائد کی گئی کہ ''صوبہ سرحد سے استصواب کے ذریعے دو کے بجائے تین سوال پوچھے جائیں۔ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ ہندوستان کا حصہ بننا چاہتا ہے یا دونوں سے الگ ایک آزاد مملکت کی صورت اختیار کرنا چاہتا ہے۔'' بلدیو سنگھ نے بھی تحریری جواب بھیجا اور سکھوں کی طرف سے اس منصوبے کو منظور کر لیا مگر اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا کہ انبالہ اور جالندھر ڈویژنوں اور لاہور ڈویژن کے ضلع امرتسر پر مشتمل مجوزہ مشرقی پنجاب میں اضلاع گورداسپور اور لاہور کو بھی شامل کیا جائے جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کے اضلاع تھے۔ جناح نے کوئی تحریری جواب نہ دیا بلکہ رات کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ مسلم لیگ کونسل کے 9رجون کے اجلاس میں مجوزہ منصوبے کی باقاعدہ منظوری حاصل کرنے کے بعد ہی میں کوئی تحریری جواب دے سکتا ہوں۔ البتہ زبانی طور پر یقین دہانی کرادی کہ اس منصوبے کو کامیاب کروانے کے لئے وہ اپنی بھرپور کوشش کریں گے۔ ماؤنٹ بیٹن نے دریافت کیا کہ کیا میں برطانوی وزیراعظم کو پیغام بھیج دوں کہ اس منصوبے کا باضابطہ اعلان کر دیا جائے۔ اس پر جناح نے بہت زور دے کر کہا ''ہاں'' گویا منصوبہ منظور تھا لیکن اس پر حتمی مہر تصدیق ثبت کرنے میں جناح تاخیر سے محض اس لئے کام لے رہے تھے تاکہ کسی طرح بنگال اور پنجاب کو تقسیم ہونے سے بچایا جا سکے اور کٹے پھٹے پاکستان کی بجائے پورا پاکستان حاصل ہو سکے۔ متذکرہ ملاقات میں جناح نے ماؤنٹ بیٹن سے مطالبہ کیا کہ بنگال میں ریفرنڈم کرایا جائے تاکہ اچھوتوں کو یہ ثابت کرنے کا موقع مل سکے کہ وہ اونچی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ کہہ کر یہ مطالبہ مسترد کر دیا کہ منظور شدہ منصوبہ کے مسودے میں کوئی ترمیم اب صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمام پارٹیاں اس ترمیم کو منظور کریں۔

اگلے دن 3رجون کو لیڈروں کے ساتھ ملاقات کے دوران ماؤنٹ بیٹن نے تمام پارٹیوں سے موصولہ جوابات کا خلاصہ بتاتے ہوئے کانگرس کی جانب سے سرحد کے ریفرنڈم

میں آزاد رہنے کا تیسرا چوائس دینے کی تجویز کا ذکر کیا تو جناح نے استفسار کیا کہ کانگرس، ہندوستان اور پاکستان سے الگ ہونے کا موقع صرف صوبہ سرحد کو دینا چاہتی ہے یا ہندوستان کے باقی صوبوں کو بھی اس قسم کا موقع دینے پر راضی ہے۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''میں کانگرسی رہنماؤں کی توجہ اس جانب دلا چکا ہوں۔ انہوں نے یہ تجویز ترک کر دی ہے۔'' یہاں جناح کے استفسار کا واضح اشارہ بنگال کی جانب تھا جسے علیحدہ آزادی دیئے جانے کا تیسرا چوائس دینے پر برطانوی حکومت اگرچہ رضامند تھی مگر اس نے آخری فیصلہ کرنے کا اختیار ماؤنٹ بیٹن کو دے دیا تھا جس نے کانگرس کی مخالفت کی وجہ سے بنگال کو تمام فریقوں کے مقامی رہنماؤں کے اتفاق رائے کے باوجود اس حق سے محروم کر دیا تھا۔ کانگرسی رہنما جو حق بنگال کو دینے پر آمادہ نہ تھے وہی حق سرحد کے لئے مانگ رہے تھے جب کہ سرحد کے لئے اس حق کے حصول کی خاطر مقامی رہنماؤں میں کوئی اتفاق رائے بھی موجود نہیں تھا۔ کانگرسی رہنماؤں، بالخصوص گاندھی اور عبدالغفار خان نے محض پاکستان کی سکیم کو سبوتاژ کرنے کے لئے یہ شوشہ چھوڑا تھا۔ مگر جب دوسرے صوبوں بالخصوص بنگال کے لئے تیسرے چوائس کا سوال اٹھایا گیا تو کانگرسی زعما خاموشی سے اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گئے اور وقتی طور پر ''پختونستان'' کا فتنہ دب گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ شروع میں جب 10 مئی کو انتقال اقتدار کا منصوبہ منظور ہو کر لندن سے آیا تھا تو اس میں تمام صوبوں کو علیحدگی کا تیسرا چوائس دیا گیا تھا۔ لیکن اس پر کانگرس نے سخت ردعمل کا مظاہرہ کیا تھا اور نہرو چلا اٹھا تھا کہ ہندوستان بلقان کی ریاستوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ یہ ردعمل ماؤنٹ بیٹن کو ''بم کے گولے'' کی طرح محسوس ہوا تھا اور اس نے خود لندن جا کر منصوبے میں ترمیم کروائی تھی اور صوبوں کو علیحدگی کے تیسرے چوائس سے محروم کروایا تھا۔

پنجاب کے بارے میں سکھوں کی قیادت میں دو نقطۂ ہائے نظر پیدا ہو گئے تھے۔ ایک بلدیو سنگھ اور ماسٹر تارا سنگھ پر مشتمل تھا جو کانگرس کی پاکستان دشمن پالیسی پر عمل کرتے ہوئے کانگرس سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے تھے اور یوں وہ سکھ مفادات کے تحفظ کے بجائے کانگرس کی طرف سے پاکستان کو ناقابل عمل بنانے کی حکمت عملی میں آلۂ کار بن کر رہ گئے تھے۔ دوسرا نقطۂ نظر گیانی کرتار سنگھ کا تھا جو سکھوں کی نمائندہ جماعت شرومنی اکالی دل کا صدر تھا۔ وہ جناح

کے ساتھ تصفیے کے بارے میں مایوس نہیں ہوا تھا اور پاکستان میں سکھوں کے لئے گنجائش حاصل کرنے کی امید رکھتا تھا۔ اس نے 2رجون کی صبح کو ماؤنٹ بیٹن کو پیغام بھجوایا کہ اگر آج سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ہونے والی کانفرنس میں اسے بھی شریک کر لیا جائے تو وہ جناح کے ساتھ ایک ایسا دوستانہ تصفیہ کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا جس کے تحت ''خالصتان'' کو پاکستان کے اندر شامل کر لیا جائے گا۔ راجہ فرید کوٹ جس کی وساطت سے یہ پیغام پہنچایا گیا تھا، اس نے خود بھی مطالبہ کیا کہ جس طرح لیگ اور کانگرس کے صدور یعنی جناح اور کرپلانی اپنی اپنی جماعتوں کے سربراہ کی حیثیت سے شریک ہو رہے ہیں اسی طرح گیانی کرتار سنگھ کو بھی اکالی دل کے صدر کی حیثیت سے کانفرنس میں شریک کیا جائے۔ اس نے اپنے پیغام میں یہ بھی بتایا کہ ''جناح سکھ ریاستوں کی پاکستان میں شمولیت پر رضامند ہے۔''[41] لیکن ماؤنٹ بیٹن نے کرتار سنگھ کو اس کانفرنس میں شریک نہ کیا۔ اس نے فقط ایگزیکٹو کونسل کے سکھ رکن اور کانگرس کے حلیف بلدیو سنگھ کی شمولیت پر اکتفا کیا۔

تاہم اسی روز شام کو کرتار سنگھ کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن نے ایک علیحدہ ملاقات کی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس ملاقات کا باقاعدہ ریکارڈ درج نہیں کروایا جو عام طور پر اس کا معمول ہوتا تھا۔ البتہ 5رجون کو اس نے جو تفصیلی رپورٹ لندن ارسال کی، اس کے ایک پیراگراف میں اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ ''کرتار سنگھ نے یہ کہہ کر مجھے حیران کر دیا کہ جب تلخی کم ہو جائے گی تو جناح کے ساتھ ملاقات کروں گا اور اُن سکھوں کے لئے جس قدر ہو سکا بہترین شرائط طے کراؤں گا جو کہ پاکستان میں رہ جائیں گے۔''[42] لیکن ماؤنٹ بیٹن نے کرتار سنگھ کو وہ اہمیت نہ دی جو اس نے بلدیو سنگھ کو دی تھی۔ مجوزہ منصوبے کی تیاری اور اس کے اعلان تک تمام مراحل پر بلدیو سنگھ سے ہی مشورہ کیا جاتا رہا۔ بلدیو سنگھ اور کانگرس کا نقطۂ نظر کم وبیش یکساں تھا۔

ماؤنٹ بیٹن اور رہنماؤں کی کانفرنس کے 3رجون کے اجلاس کے دوران مسلح افواج کی تقسیم کا معاملہ زیرِ غور آیا۔ طے پایا کہ نئے وجود میں آنے والے دونوں ملکوں میں شامل علاقوں سے تعلق رکھنے والے فوجی خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اپنے ملک کی فوج میں شامل ہوں گے۔ تاہم اقلیتی فرقے سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی شہریت دونوں میں سے کسی

ایک ملک کو منتقل کرنے کا اختیار بھی دیا جائے گا۔ جناح نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ''پاکستان میں رہنے والے بلا لحاظ عقیدہ مکمل شہریت کے حامل ہوں گے۔''[43] یاد رہے کہ فوج میں سکھوں کی خاصی بڑی تعداد شامل تھی۔ جناح کی جانب سے پاکستان کے باشندوں کو ''بلا لحاظ عقیدہ مکمل شہریت'' دینے کے مؤقف کا مطلب یہ تھا کہ کوئی بھی شہری بلا لحاظ عقیدہ کسی بھی اونچے سے اونچے عہدے یا ذمہ داری پر فائز ہوسکتا تھا۔ اس مؤقف کا اعادہ جناح نے بارہا کیا۔ اس کا مقصد پنجاب میں سکھوں اور بنگال میں اچھوتوں کو ''مسلم غلبہ'' کے خوف سے نجات دلانا تھا اور یہ باور کرانا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ہمراہ برابر کے شہری حقوق کے حامل ہوں گے۔ جناح کا پاکستان مسلم اکثریت کا ملک ضرور تھا لیکن جناح کے نزدیک اس میں آباد تمام شہریوں کے انتظامی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق کا تعین سیکولر بنیادوں پر ہونا قرار پایا تھا۔

3/جون کو ماؤنٹ بیٹن اور لیڈروں کی یہ کانفرنس ختم ہوئی تو اس کے فوراً بعد لندن سے برصغیر کی تقسیم کا رسمی طور پر اعلان کر دیا گیا جس میں یہ بھی بتایا گیا کہ شہنشاہ معظم کی حکومت جون 1948ء سے بھی پہلے انتقال اقتدار پر آمادہ ہے اور وہ پارلیمنٹ کے موجودہ سیشن میں اس مقصد کے لئے مسودۂ قانون پیش کر دے گی تاکہ اس سال کے اندر ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر ایک یا دو جانشین حکومتوں کو اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ برطانیہ کی حزب اختلاف (کنزرویٹو پارٹی) کے لیڈر ونسٹن چرچل نے کلیمنٹ ایٹلی کی لیبر حکومت کے اس اعلان پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس نے کہا کہ ''معلوم ہوتا ہے کہ کرپس مشن کے وقت (یعنی جنگ عظیم کے دوران) جن دو شرطوں کی پیش بینی کی گئی تھی وہ پوری ہوگئی ہیں۔ یعنی ہندوستان کی پارٹیوں کے درمیان مفاہمت اور...... ایک مدت کے لئے ڈومینین سٹیٹس جس میں ہندوستان یا اس کا کوئی حصہ پوری آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا کہ وہ کامن ویلتھ میں رہے یا نہ رہے۔ اگر...... واضح ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں شرطیں برقرار رکھی گئی ہیں تو پھر...... اس ایوان کی سب جماعتیں اس پیش کش اور اعلان کی پوری طرح پاسداری کریں گی۔''[44]

کنزرویٹو پارٹی کے لیبر پارٹی کے ساتھ اتنے بڑے فیصلے کے بارے میں اتفاق رائے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کی دونوں پارٹیوں نے ڈومینین سٹیٹس قبول کر لیا تھا اور اس بناء پر برطانیہ کی دونوں پارٹیوں کا خیال تھا کہ محض لیبل بدلا گیا ہے بوتل وہی رہے گی۔

یعنی برطانوی ایمپائر میں صرف اتنی تبدیل ہوگی کہ اس کا نام ایمپائر کی بجائے کامن ویلتھ ہوگا اور برصغیر کا استحصال مقامی ''اعتدال پسند'' پٹھوؤں کے ذریعے بدستور جاری رہے گا۔ اس وقت تک امریکی صدر ٹرومین سوویت کیمونزم اور ساری دنیا کی حریت پسند تحریکوں کے خلاف عالمی سرد جنگ کا اعلان کر چکا تھا اور دونوں برطانوی پارٹیوں کو یقین تھا کہ اس مقصد کے لئے برصغیر کی افرادی قوت اور دوسرے ذرائع اینگلو امریکی سامراج کو مہیا رہیں گے۔

3/جون کی شام کو وزیراعظم ایٹلی نے بی بی سی لندن سے اپنی نشری تقریر میں کہا کہ ''ہندوستان جو کئی صدیوں سے داخلی افتراق کا شکار چلا آ رہا تھا، اسے برطانوی راج نے متحد کیا۔ برطانوی پالیسی کا بنیادی مقصد یہ رہا کہ وحدت کو برقرار رکھا جائے جس کی بدولت ایک لمبے عرصے تک اس عظیم برصغیر میں امن وامان قائم رہا۔ ہمیں توقع تھی کہ جب ہندوستان کو مکمل خوداختیاری حاصل ہوگی جو طویل برسوں سے ہندوستان میں برطانوی پالیسی کا نصب العین رہی ہے تو اس کی وحدت بھی برقرار رہے گی۔'' اس نے وزارتی مشن منصوبہ کو ہندوستانی مسئلے کا بہترین حل قرار دیتے ہوئے افسوس کے ساتھ اعلان کیا ''ہندوستانی رہنما متحدہ ہندوستان کے کسی حل پر اتفاق کرنے میں بالآخر ناکام ہوگئے ہیں اور اب تقسیم ہی ایک ناگزیر راستہ رہ گیا ہے......''[45] اسی روز شام کو آل انڈیا ریڈیو سے ماؤنٹ بیٹن نے خطاب کیا جس کے فوراً بعد نہرو، جناح اور بلدیو سنگھ کی تقریریں نشر کی گئیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں کہا ''ایک سو سال سے زائد عرصے تک آپ چالیس کروڑ کی تعداد میں اکٹھے رہے ہیں اور اس ملک کا انتظام ایک واحد اکائی کے طور پر چلایا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں یکساں نوعیت کا مواصلات، دفاع، ڈاک و تار اور کرنسی کا نظام وجود میں آیا ہے، محصول اور کسٹمز کی رکاوٹیں پیدا نہیں ہوئی ہیں اور ایک مربوط سیاسی معیشت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ مجھے بڑی توقع تھی کہ فرقہ دارانہ اختلافات کی وجہ سے یہ سب کچھ تباہ نہیں ہوگا۔'' اس نے مزید کہا کہ ''لوگوں میں اپنے ہندوستانی ہونے کا شعور پایا جاتا ہے اور اس شعور کو فرقہ دارانہ اختلافات پر حاوی آ جانا چاہیے۔ اسی طرح لوگوں میں پنجابی اور بنگالی ہونے کا شعور پایا جاتا ہے جو ان میں اپنے صوبوں کے ساتھ وفاداری کو جنم دیتا ہے۔''[46]

ماؤنٹ بیٹن کے پیش نظر نیشنلزم کی فقط بورژوا تعریف تھی جس کے مطابق کسی علاقے،

زبان، نسل یا رنگ کے لوگ ایک انتظامی یونٹ میں مربوط کر دیئے جائیں تو وہ قوم کہلاتے ہیں۔ حقیقتاً وہ بنی نوع انسان کی تاریخ کے ان تضادات سے صرف نظر کر رہا تھا جو مختلف عقیدوں سے وابستہ اقوام کے مابین سینکڑوں سال تک موجود رہنے والی سیاسی، معاشی اور معاشرتی ناہمواری کے نتیجے میں بدستور چلے آ رہے تھے۔ یورپ کے بورژوا انقلاب کے نتیجے میں جنم لینے والے بورژوا نیشنلزم کا تصور ان تاریخی تضادات کو حل نہیں کر سکا تھا کیونکہ بورژوا انقلاب کا فائدہ کسی قوم کو زیادہ اور کسی کو کم ہوا تھا۔ برصغیر میں بورژوا انقلاب تو نہیں ہوا تھا لیکن برطانوی سامراج کے تحت ایک محدود صورت میں اس کے گہرے اثرات ضرور مرتب ہوئے تھے۔ ہندوؤں نے انہیں قبول کرنے میں پہل کی اور ان سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں سے بہت آگے نکل گئے۔ برصغیر میں قرون وسطیٰ میں قائم مسلمانوں کی بالا دستی کے دوران محکوم ہندوؤں اور حاکم مسلمانوں کے مابین جو شدید تضاد موجود رہا تھا، بعد میں ہندوؤں کی ترقی اور مسلمانوں کے زوال کے بعد برعکس صورت اختیار کر گیا تھا۔ اب ہندو بالا دست اور مسلمان کمزور تھے اور ان کے مابین تاریخی تضاد میں زیادہ شدت آ گئی تھی۔ ہندوؤں نے ایک ہزار سال کی محکومی کا حساب چکانا تھا۔ چنانچہ ہندو بورژوا نے پورے برصغیر پر اپنی فرقہ وارانہ بالا دستی قائم کرنے کے لئے ہندوستانی نیشنلزم کے تصور کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوشش کی جب کہ مسلمانوں نے ان کی بالا دستی سے بچنے کے لئے اس تصور کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی سامراجی مفادات کے پیش نظر کانگرس کے بورژوا نیشنلزم کے تصور کی حمایت کی۔

ماؤنٹ بیٹن کی نشری تقریر کے بعد نہرو نے اپنی نشری تقریر میں کہا ''قرنوں سے ہم ایک آزاد و خودمختار متحدہ ہندوستان کا خواب دیکھ رہے تھے اور اس کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ اس کے بعض علاقوں کو اپنی مرضی سے علیحدگی اختیار کرنے کی اجازت دینے کے منصوبہ کا تصور ہمارے لئے تکلیف دہ ہے...... ہوسکتا ہے کسی اور طریقے کے بجائے اس طریقے سے ہم متحدہ ہندوستان کے قیام کا مقصد جلد حاصل کر لیں کہ اس طرح یہ زیادہ مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہوگا...... وہ ہندوستان جو کہ جغرافیے میں ہے، جو تاریخ اور روایات میں ہے اور وہ ہندوستان جو ہمارے دل و دماغ میں ہے، تبدیل نہیں ہوسکتا۔''[47] گویا کانگرس نے ہندوستان

کی تقسیم کو خلوص نیت سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ ہندو بورژوا نے بادل ناخواستہ ایک کٹا پھٹا پاکستان منظور کر کے یہ سوچا تھا کہ یہ "ناقابل عمل" ہو کر بہت جلد ہندوستان میں آن ملے گا اور یوں" کسی اور طریقے کے بجائے اس طریقے سے بہت جلد متحدہ ہندوستان قائم ہو جائے گا۔" جناح نے اپنی نشری تقریر میں کٹے پھٹے پاکستان کے بارے میں اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا تاہم اسے تصفیے یا سمجھوتے کے طور پر منظور کر لینے کا معاملہ 9/جون کو بلائے گئے مسلم لیگ کونسل کے اجلاس پر چھوڑ دیا۔"[48]

4/جون کو ماؤنٹ بیٹن نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی جس میں اس نے بتایا کہ اقتدار دو ماہ کے اندر منتقل کر دیا جائے گا اور اس نے اس مقصد کے لئے 15/اگست کی تاریخ مقرر کر دی۔ اس نے بالخصوص واضح کیا کہ ریاستوں کو دولت مشترکہ میں ڈومینین کی حیثیت سے رکن بننے کی اجازت نہیں ہو گی۔ صوبوں کو دو آئین ساز اسمبلیوں میں سے کسی ایک میں شمولیت کے علاوہ کوئی تیسرا چوائس نہیں دیا جائے گا ورنہ ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ پنجاب کے متعلق اس نے کہا کہ اس کی تقسیم کا مطالبہ سکھوں کی جانب سے کانگرس کے ذریعے کرایا گیا ہے۔ اس کے ذمہ دار سکھ ہیں۔

اس پریس کانفرنس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے گاندھی کے ساتھ ملاقات کی۔ اس ملاقات کے لئے کرشنا مینن نے تحریری طور پر درخواست کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ گاندھی کی دلجوئی کے لئے اس کے ساتھ ملاقات کی جائے۔ ملاقات میں گاندھی نے تقسیم ہند پر افسوس کا اظہار کیا تو ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اس نے وہی کیا ہے جس کے لئے گاندھی نے اسے مشورہ دیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس ملاقات کا سارا وقت گاندھی کو یہ قائل کرنے میں صرف کیا کہ جو ہوا ہے وہ گاندھی کی منشا کے مطابق ہوا ہے۔ اس کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے وی۔ پی مینن اور کرشنا مینن کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ بھی گاندھی کو یہی بات سمجھائیں۔ چنانچہ ان دونوں نے بعد میں ماؤنٹ بیٹن کو رپورٹ دی کہ اس نے گاندھی کے ساتھ جولائن اختیار کی وہ بہت کامیاب رہی اور اب گاندھی واقعی یہ سمجھتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے اس کے مشورے پر ایمانداری سے عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔"[49] اور پھر گاندھی نے ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت کو تقسیم کے لئے کبھی ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ وی۔ پی مینن گاندھی اور ماؤنٹ بیٹن کی اسی

ملاقات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد معمول کی پرارتھنا سبھا سے خطاب کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا ''تقسیم کی ذمہ داری حکومت برطانیہ پر عائد نہیں ہوتی۔ وائسرائے کا بھی اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے بلکہ وہ تو تقسیم کے اتنا ہی خلاف ہے جتنا کہ کانگرس ہے۔ لیکن اگر دونوں ہندو اور مسلمان کسی اور بات پر متفق نہیں ہو سکتے تو پھر وائسرائے کے لئے بھی کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔''[50] گویا گاندھی نے بھی بالآخر یہ اقرار کر لیا تھا کہ برصغیر کی تقسیم انگریزوں کی وجہ سے نہیں بلکہ یہاں موجود ہندو۔ مسلم تضاد کے حل نہ ہونے کی وجہ سے عمل میں آئی تھی۔ تقسیم کا منصوبہ وضع کرنے میں نہرو اور پٹیل کے علاوہ گاندھی کے مشوروں کو بھی دخل حاصل رہا ہے۔

مسلم لیگ کی جانب سے تقسیم ہند کے منصوبے کی منظوری

9 رجون کو اس منصوبے کی رسمی منظوری کے لئے دہلی کے امپیریل ہوٹل میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا۔ ابھی اس اجلاس کی کاروائی شروع ہی ہوئی تھی کہ خاکساروں کے جتھے نے زبردستی ہوٹل میں گھس کر کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی مگر مسلم لیگ کے نیشنل گارڈز نے انہیں سیڑھیوں میں روک لیا۔ کچھ ہاتھا پائی ہوئی جس میں بعض لوگوں کو چوٹیں آئیں۔ مگر زیادہ نقصان نہ ہوا کیونکہ پولیس موقع پر پہنچ گئی تھی۔ نیشنل گارڈز اور پولیس نے جلد ہی خاکساروں پر قابو پا لیا اور انہیں ہوٹل سے باہر نکال دیا گیا۔ خاکساروں نے یہ حملہ اس لئے کیا تھا کہ ان کے امیر عنایت اللہ مشرقی کے لئے برصغیر کی تقسیم کا منصوبہ قابل قبول نہیں تھا۔ وہ فسطائی طریقے سے پورے برصغیر میں اسلام نافذ کرنا چاہتا تھا۔ دریں اثناء مسلم لیگ کونسل کا اجلاس جاری رہا جس میں جناح اور بعض دوسرے لوگوں کی تقریروں کے بعد اتفاق رائے سے تقسیم ہند کا منصوبہ منظور کر لیا گیا اور قائداعظم کو اس بات کا اختیار دے دیا گیا کہ وہ تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر اس منصوبے کے متعلق جو کاروائی ضروری سمجھیں کریں۔

کانگرس کی جانب سے تقسیم ہند کے منصوبے کی منظوری میں بدنیتی کا عنصر

آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس 14 رجون کو دہلی میں ہوا۔ جس میں بعض کانگرسی مسلمانوں اور انتہا پسند ہندوؤں نے منصوبے کی منظوری کی مخالفت کی مگر گاندھی، پٹیل اور بعض دوسرے ہندو لیڈروں نے برصغیر کی تقسیم کی حمایت کی۔ ابوالکلام آزاد نے اپنی تقریر میں کہا کہ

سب سے بہتر راستہ تو وہی تھا جو وزارتی مشن منصوبے میں اختیار کیا گیا تھا۔ افسوس کہ اس پر سمجھوتہ نہ ہو سکا اور اب حصول آزادی کے لئے موجودہ منصوبے کو مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پٹیل نے آزاد کی اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ اگر وزارتی مشن کے منصوبے کے تحت مسلم لیگ اور کانگرس ایک ہی نظام میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتیں تو وہی آئے دن کی رکاوٹ پیش آتی رہتی جس کا تلخ تجربہ ہمیں عبوری حکومت میں ہو چکا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ اگر کسی عضو میں زہر سرایت کر گیا ہو تو اسے فوراً کاٹ دینا چاہیے تاکہ سارے جسم کو ناقابل تلافی نقصان نہ پہنچے۔ پرشوتم داس ٹنڈن نے قرارداد کے خلاف تقریر کرتے ہوئے پرزور اپیل کی کہ برصغیر کی تقسیم کے منصوبے کو مسترد کر دیا جائے کیونکہ اس منصوبے کی منظوری برطانیہ اور مسلم لیگ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی مترادف ہوگی۔ بالآخر کثرت رائے سے منصوبے کی منظوری دی گئی جب کہ ابوالکلام آزاد کے بیان کے مطابق تقسیم کے خیال سے سب ہی دل گرفتہ تھے شاید ہی کوئی شخص ذہنی تحفظ کے بغیر اس قرارداد کو قبول کر سکتا تھا۔ 157 ارکان نے منظوری کی قرارداد کے حق میں ووٹ دیئے۔ 29 نے مخالفت کی اور بتیس ''سوشلسٹ'' ارکان نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا۔

کانگرس کی قرارداد میں کہا گیا تھا کہ ''جغرافیہ، پہاڑوں اور سمندروں نے ہندوستان کو ایک بنایا ہے۔ کوئی انسانی طاقت اس کی شکل کو نہیں بدل سکتی اور اس کی تقدیر کا راستہ نہیں روک سکتی۔ اقتصادی حالات اور بین الاقوامی معاملات اس سے بھی زیادہ ہندوستان کی وحدت کے متقاضی ہیں۔ ہندوستان کی جس تصویر کے ساتھ ہم نے محبت کرنا سیکھا ہے وہ ہمارے دلوں اور دماغوں میں قائم رہے گی۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کو پورا پورا یقین ہے کہ جب موجودہ جذبات کی شدت میں کمی آ جائے گی تو ہندوستان کے مسئلے کا حل صحیح صحیح پس منظر میں دریافت کر لیا جائے گا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو الگ الگ قومیں ہونے کا باطل نظریہ مردود ہو جائے گا۔'' قرارداد میں مزید کہا گیا کہ کانگرس ہندوستان کی کسی ریاست کی جانب سے آزادی کا اعلان کرنے اور بقیہ ہندوستان سے الگ تھلگ رہنے کے حق کو تسلیم نہیں کرتی۔

قرارداد کے ان الفاظ سے صاف ظاہر تھا کہ کانگرسی لیڈروں نے برصغیر کی تقسیم کو خلوص دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ ابوالکلام آزاد لکھتا ہے کہ بلاشبہ قرارداد تو منظور ہو گئی لیکن لوگوں کے دل و دماغ کی حالت کیا تھی؟ تقسیم کے خیال سے سب ہی دل گرفتہ تھے، شاید ہی کسی شخص نے

ذہنی تحفظ کے بغیر اس قرارداد کو قبول کیا تھا۔ جنہوں نے تقسیم کو قبول کیا تھا ان کے جذبات بھی اس کے خلاف تھے۔ یہ خاصی بری بات تھی لیکن اس سے بھی بری بات یہ تھی کہ پس پردہ فرقہ وارانہ پراپیگنڈا ہو رہا تھا۔ بعض حلقوں میں تو یہ بات کھلے بندوں کہی جا رہی تھی کہ پاکستان میں ہندوؤں کو ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہندوستان میں ساڑھے چار کروڑ مسلمان ہوں گے اور اگر پاکستان میں ہندوؤں پر کوئی جبر و تشدد ہوا تو اس کی سزا ہندوستان میں مسلمانوں کو بھگتنی پڑے گی۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں سندھ کے ارکان نے قرار داد کی پرزور مخالفت کی۔ انہیں ہر قسم کے یقین دلائے گئے۔ اگرچہ برسرعام تو نہیں، لیکن نجی مذاکرات میں بعض لوگوں نے انہیں یہ بھی کہا کہ اگر پاکستان میں وہ کسی قسم کی محرومی یا بدسلوکی کا شکار بنے تو پھر اس کا بدلہ ہندوستان کے مسلمانوں سے لیا جائے گا۔"[51]

ابوالکلام آزاد نے کھلے الفاظ میں یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ "کانگرسی لیڈروں نے تقسیم کی منظوری آزاد اور کھلے دل سے نہیں دی تھی۔ بعض نے اسے محض غصے اور ناراضگی کے جذبات کے طور پر منظور کیا تھا اور بعض دوسروں نے محض مایوسی کی حالت میں اس کی منظوری دی تھی...... کانگرسیوں میں سے سردار پٹیل تقسیم کا سب سے زیادہ حامی تھا لیکن وہ بھی دل سے یہ بات نہیں مانتا تھا کہ تقسیم ہندوستان کے مسائل کا بہترین حل ہے...... اس نے محض غصے کے جذبات سے تقسیم کو مانا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ مزید برآں اسے یقین تھا کہ پاکستان کی نئی ریاست قابل عمل نہیں ہوگی اور یہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ اس کا خیال تھا کہ پاکستان کی منظوری سے مسلم لیگ کو بہت تلخ سبق ملے گا۔ پاکستان تھوڑے ہی عرصے میں ختم ہو جائے گا اور جو صوبے ہندوستان سے الگ ہوں گے انہیں بے پناہ مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔"[52] نہرو کہتا ہے کہ "ہم تھکے ہوئے تھے اور ہماری عمریں بھی زیادہ ہو گئی تھیں۔ ہم میں چند ہی لوگ ایسے تھے جو دوبارہ جیل جانے پر آمادہ تھے۔ اگر ہم اپنی خواہش کے مطابق متحدہ ہندوستان کے موقف پر قائم رہتے تو ہمیں جیل جانا پڑتا۔ پنجاب میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ہر روز بہت سے لوگ قتل ہو رہے تھے۔ ایسے حالات میں تقسیم کے منصوبے نے نجات کا راستہ دکھایا تو ہم نے وہی اختیار کر لیا۔ ہمیں توقع تھی کہ تقسیم عارضی ہو گی اور پاکستان لازمی طور پر پھر ہمارے پاس آ جائے گا۔"[53]

فوری انتقال اقتدار کے محرکات

چوہدری محمد علی کو پورا یقین ہے کہ کانگرسی لیڈروں کی جانب سے برصغیر کی منظوری کی بنیاد بد دیانتی پر تھی۔ اس نے اپنے اس مؤقف کی تائید میں دوسری باتوں کے علاوہ اس حقیقت کی بھی نشاندہی کی ہے کہ اقتدار کی منتقلی جون 1948ء سے بہت پہلے کرنے کا فیصلہ کانگرسی لیڈروں اور ماؤنٹ بیٹن کی سازش کا نتیجہ تھا۔ ان سب کا خیال تھا کہ اگر اقتدار کی منتقلی بہت جلدی ہوجائے گی تو پاکستان کو ابتدا ہی میں ناقابل برداشت انتظامی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہ نئی ریاست پیدا ہوتے ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوجائے گی۔"[54] چوہدری محمد علی کا یہ الزام جزوی طور پر صحیح ہے۔ کلی طور پر صحیح نہ ہونے کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ جناح نے جب 16 مئی کو ماؤنٹ بیٹن کی لندن کے لئے روانگی سے پہلے برصغیر کی تقسیم کے منصوبے کی اصولی طور پر منظوری دی تھی تو انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اقتدار کی منتقلی مقررہ میعاد سے بہت پہلے کر دی جائے گی مگر انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اگر انہیں اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن اور کانگرسی لیڈروں کی سازش کا شبہ ہوتا تو وہ کبھی خاموش نہ رہتے۔ چوہدری محمد علی کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس وقت تک جناح کو ماؤنٹ بیٹن کی غیر جانبداری پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ جناح تو کیا، ساری دنیا کو ماؤنٹ بیٹن کے دہلی پہنچنے سے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ ماؤنٹ بیٹن کی ہمدردیاں کانگرس کے ساتھ ہوں گی۔ لارڈ اسمے نے تو فروری 1947ء میں ہی جب ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کا اعلان ہوا تھا، اس خطرے کا اظہار کیا تھا کہ کہیں یہ مسئلہ نہ اٹھا دیا جائے کہ یہ تقرر ہندوؤں کے حق میں اور مسلم لیگ کے خلاف ہوا ہے"[55] اور پھر ماؤنٹ بیٹن اور اس کی بیوی نے تو مارچ 1947ء میں دہلی پہنچنے کے فوراً ہی بعد اپنی کانگرس نوازی اور مسلم لیگ دشمنی کا کھلم کھلا مظاہرہ کر دیا تھا۔ جناح ایک حساس آدمی تھے، وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے۔ تاہم انہوں نے اقتدار کی منتقلی مقررہ میعاد سے پہلے کئے جانے کے فیصلے کو ماؤنٹ بیٹن اور کانگرسی لیڈروں کی سازش کا نتیجہ نہیں سمجھا تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ برطانوی سامراج برصغیر کی تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال سے واقعی بہت سراسیمہ ہوا تھا۔ وزیراعظم ایٹلی نے فروری 1946ء میں بحری فوج کی بغاوت کے دوران جو اعلان کیا تھا کہ برطانیہ ہندوستان سے دستبردار ہوجائے گا، وہ وائسرائے ویول اور کانگرسی

لیڈروں کی کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھا وہ دراصل اس حقیقت کی علامت تھی کہ برطانوی سامراج کے ہوش وحواس گم ہو گئے تھے۔ پھر اس اعلان کے بعد برصغیر کی صورت حال سنبھلی نہیں تھی بلکہ روز بروز خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی تھی۔ اگست 1946ء میں نہ صرف وسیع پیمانے پر فرقہ وارانہ خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا بلکہ بے شمار ہڑتالوں، صنعتی تخریب کاریوں اور کسانوں کی مسلح جدوجہد کا بھی آغاز ہوگیا تھا۔ صورت حال اس قدر سنگین ہوگئی تھی کہ لیبر حکومت نے 1946ء کے اواخر میں برطانوی شہریوں کے تحفظ اور انخلاء کا منصوبہ بھی بنالیا تھا۔"[56]

پھر جب ماؤنٹ بیٹن 22 / مارچ 1947ء کو دہلی پہنچا تھا تو اسے فوراً ہی ہر طرف سے آوازیں آئی تھیں کہ صورت حال قابو سے باہر ہو رہی ہے اور انتظامی مشینری تباہ ہو رہی ہے۔ ہر ایک نے اسے بہت جلدی فیصلہ کرنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ پنجاب کے فسادات میں برطانوی سامراج کا بازوئے شمشیرزن ٹوٹ گیا تھا۔ چنانچہ اس نے اقتدار کی منتقلی کا منصوبہ تیار کرنے میں ذرا سا بھی تساہل نہیں برتا تھا۔ جب اپریل میں صوبہ سرحد میں فسادات ہوئے تو وہ اور بھی زیادہ حواس باختہ ہوگیا کیونکہ اس وقت تک کلکتے اور پنجاب میں ابھی فساد بالکل ختم نہیں ہوا تھا۔ کلکتہ میں روزانہ بیسیوں لوگ قتل ہوتے تھے اور پنجاب میں بھی چھرا گھونپنے اور آتشزدگی کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ مئی میں جب ماؤنٹ بیٹن شملہ میں برصغیر کی تقسیم کے منصوبے کے بارے میں نہرو کی منظوری لے رہا تھا اور اسے یہ یقین دلا رہا تھا کہ اقتدار کی منتقلی مقررہ معیاد سے پہلے ہوجائے گی، اس وقت لاہور اور امرتسر میں فرقہ وارانہ خانہ جنگی کے فلک بوس شعلے بھڑک رہے تھے اور راجپوتانہ میں مسلمان کسانوں نے ہندو زمینداروں کے خلاف زبردست بغاوت کر رکھی تھی۔

بلاشبہ کانگرسی لیڈروں کی خواہش تھی کہ انہیں جتنی جلدی بھی ہوسکے اقتدار مل جائے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ برطانوی سامراج نے یہاں سے فوراً بھاگنے کا فیصلہ محض کانگرسیوں کی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کیا تھا کہ یہاں اس کا ایک ایک دن بڑی مشکل سے گزر رہا تھا۔ برصغیر کی وسیع وعریض سرزمین اس کے لئے بہت تنگ ہوگئی تھی۔ اسے واقعی یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ جون 1948ء تک صورت حال اتنی بگڑ جائے گی کہ اس پر کوئی قابو نہیں پا سکے گا۔ وزیراعظم ایٹلی نے دسمبر 1946ء میں ماؤنٹ بیٹن کو بتایا تھا کہ اگر ہم نے

جلدی سے کوئی فیصلہ نہ کیا تو ہم ہندوستان کو نہ صرف خانہ جنگی کے بلکہ مطلق العنان نوعیت کی تحریک (یعنی پرولتاریہ انقلاب) کے سپرد کر دیں گے۔ لارڈ اسمے کا یہ بیان بے بنیاد نہیں تھا کہ ''جب میں ماؤنٹ بیٹن کے چیف آف سٹاف کی حیثیت سے انگلستان سے روانہ ہوا تھا تو میرا خیال تھا کہ انتقال اقتدار کے لئے پندرہ ماہ کی معیاد بہت ہی مختصر ہے۔ لیکن ہندوستان میں پہنچنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا کہ یہ عرصہ بہت زیادہ طویل ہے کیونکہ فرقہ وارانہ تلخی از حد بڑھ گئی تھی۔ نظم و نسق کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ عبوری حکومت میں جھگڑے ہو رہے تھے اور نہرو نے دھمکی دے دی تھی کہ اگر بہت جلد دوسرے انتظامات نہ کئے گئے تو وہ مستعفی ہو جائے گا۔''[57] اس نے اپنی بیوی کو اس مضمون کے خطوط لکھے تھے۔

اخبار سٹیٹس مین کے ایڈیٹر آئین سٹیفنز نے مئی 1947ء میں ہندوستان کی صورت حال کا جو مختصراً نقشہ کھینچا ہے اس سے وہ سب لوگ اتفاق کریں گے جو ان دنوں جسمانی اور ذہنی طور پر سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے اور جن میں برصغیر کے حالات کا معروضی تجزیہ کرنے کی تھوڑی بہت صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ آئین سٹیفنز لکھتا ہے کہ ''ہر جگہ ہندوستان کے پرخچے اڑ جانے کی علامتیں پائی جاتی تھیں۔ بیشتر علاقوں میں نظم و نسق ختم ہو چکا تھا اور سویلین حکومت کا ڈھانچہ ظاہراً منہدم ہو رہا تھا۔ بظاہر ہندوستانی افواج قابل اعتماد تھیں لیکن پنجاب میں فسادات کے بعد ان کا شیرازہ بکھرنے کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت تک ان افواج کی تقسیم کا کوئی منصوبہ نہیں بنا تھا اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ جب ان افواج کو تقسیم کیا جائے گا تو کیا ہو گا۔ ہندوستان کی تاریخ غیر منظم فوجی دستوں کی مار دھاڑ کے واقعات کے ذکر سے خالی نہیں۔ اشتراکیت سرگرم عمل تھی۔ اخبارات پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا تھا کہ صنعتی مراکز میں بہت بدامنی پائی جاتی ہے...... روس اور مغربی طاقتوں کے درمیان جنگ کے زمانے کی دوستی ختم ہو گئی تھی اس لئے کسی کو نہیں پتہ تھا کہ وہ کونسی نئی سازشیں ہیں جو روسی ایجنٹ اس ملک کے بڑے شہروں میں نہیں کریں گے۔ البتہ اس حقیقت سے سب لوگ آگاہ تھے کہ جنگ کے دوران برطانوی سامراج نے ہندوستانی کمیونسٹوں کی حوصلہ افزائی کی تھی کیونکہ وہ جنگی مساعی کی حمایت کرتے تھے جب کہ کانگرس مخالفت کرتی تھی۔ ملک میں قحط پڑنے کا بھی امکان تھا۔ 1943ء میں بنگال کے قحط سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ زرعی پیداوار کے بارے میں سرکاری اعداد و شمار پر

انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ موسم کی ذراسی خرابی یا حکومت کی ذراسی غلطی غذائی قلت پیدا کرسکتی تھی۔ ریاستوں کے بارے میں بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا اور بعض بڑی ریاستوں مثلاً حیدرآباد، کشمیر، بھوپال اور ٹراونکور کے حکمران آزادی کا اعلان کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اس زمانے میں ان سب کو اس سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا جتنا کہ وہ بعد میں ثابت ہوئے۔ علاوہ بریں جگہ جگہ علیحدگی پسندی کی تحریکیں ابھر رہی تھیں۔ اڑیسہ میں جھاڑکھنڈ کی آزاد ریاست کا مطالبہ کیا جارہا تھا۔ آسام اور برما کی سرحد پر ناگاؤں نے اپنے لئے الگ ریاست بنانے کی تحریک شروع کررکھی تھی۔ مغربی یو۔پی کے مسلمانوں نے بھی اپنے لئے الگ خودمختار علاقے کا مطالبہ پیش کردیا تھا جہاں زیادہ تر آبادی افغان روہیلوں پر مشتمل تھی۔ جنوبی ہندوستان میں تامل سلطنت کے قیام کا شوروغوغا تھا اور شمالی ہندوستان میں عبدالغفار خان کی سرخ پوش تنظیم مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک کے مقابلے میں ''آزاد پختونستان'' کی مہم چلارہی تھی۔ گاندھی اس مہم کو اشیرباد دے رہا تھا اور حکومت افغانستان بھی اس کی پوری تائید وحمایت کررہی تھی۔ پنجاب میں سکھوں نے آزاد خالصتان کا شوشہ چھوڑ دیا تھا اور بنگال کے مسلم لیگی وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی نے کانگرس کے ایک منحرف لیڈر سرت چندر بوس کے ساتھ مل کر یکایک متحدہ بنگال کی آزاد ریاست کا مطالبہ کردیا تھا۔ ان حالات میں بلاتاخیر کوئی فیصلہ کن اقدام نہ کیا جاتا تو عمومی انتشار یقینی تھا...... تاخیر سے قیمت میں اضافہ ہورہا تھا۔ ہر مہینے لاشوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ جلدی سے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔''[58]

رسل برائنز کو اس تجزیے سے پورا اتفاق ہے اور وہ اس حقیقت کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ ریاست حیدرآباد کے غریب کسانوں نے کمیونسٹ پارٹی کی زیر قیادت 44-1943 میں جو مسلح جدوجہد شروع کی تھی وہ 1947ء میں پھیل کر ریاست سے متصلہ صوبہ مدراس کے علاقوں میں بھی پہنچ گئی تھی۔ کسان بیگار کرنے سے انکار کرتے تھے، ٹیکس نہیں دیتے تھے اور پولیس کی انتقامی کاروائی کا کامیابی سے مقابلہ کرتے تھے۔ کمیونسٹوں نے جاگیرداری نظام کے خلاف گوریلا کاروائی اور دہشت گردی کے ذریعے اپنے اثرورسوخ میں بہت اضافہ کرلیا تھا۔ اس وقت تک ان کی کوئی متوازی حکومت تو نہیں بنی تھی لیکن کمیونسٹوں نے تقریباً 2000 دیہات پر اپنا کنٹرول قائم کرلیا تھا۔ وہ ٹیکس وصول کرتے تھے اور مزاحمت کرنے والوں کو سزا دیتے تھے۔

ریاست کے شمال مغربی جنگلاتی علاقے میں ان کا ایک محفوظ مرکز قائم تھا اور وہ حکومت حیدرآباد کی فوجوں پر شب خون مار کر ہتھیار حاصل کرتے تھے۔"[59]

ای۔ ڈبلیو۔ آر لمبی کی رائے یہ ہے کہ "اگر برطانیہ اتنی جلدی سے اقتدار منتقل نہ کرتا تو اس امر کا خطرہ تھا کہ وہ ہندوستان کی قوم پرست قوتوں کے خلاف جنگ میں ملوث ہوجاتا اور پھر جنگ جلد ہی ایسے مرحلے میں داخل ہوجاتی کہ اس میں نہ تو ہندوستان کے تعلیم یافتہ درمیانہ طبقہ کی فتح ہوتی اور نہ ہی برطانیہ کی، بلکہ فتح تعلیم یافتہ عصبیت اور غیر تعلیم یافتہ بے اطمینانی، جسے کمیونزم بھی کہتے ہیں، کے گٹھ جوڑ کی ہوتی۔ لہٰذا ہندوستان اور پاکستان کی نئی حکومتوں کی باگ ڈور ایسے افراد کے سپرد کر دی گئی جن کا سیاسی فلسفہ مغرب کی لبرل اور سوشل جمہوریت سے مطابقت رکھتا تھا۔ برطانیہ کی پالیسی یہ تھی کہ دونوں ملکوں میں اقتدار ایسے عناصر کو منتقل کریں جو اس کی سیاسی زبان بولتے ہیں اور ایشیا میں کمیونزم کا اس طریقے سے سدباب کر سکتے ہیں جیسے کہ وہ خود نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی اجنبی حکومت اس مقصد کے لئے مطلوبہ بنیادی زرعی اور معاشرتی اصلاحات نہیں کر سکتی تھی۔"[60] لہٰذا برطانوی سامراج کو ہندوستان میں انقلاب کا جو خطرہ محسوس ہوتا تھا وہ بے بنیاد نہیں تھا۔ ہندوستان کے "اعتدال پسند" لیڈروں کو سیاسی اقتدار کی فوری منتقلی بہت ضروری تھی۔ جون 1948ء تک انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے شملہ میں 10 رمئی کی رات کو جواہر لال نہرو کی مرضی کے مطابق برصغیر کی تقسیم کی جو تفصیلات طے کی تھیں ان کی حیثیت جناح سے بالا ایک خفیہ سودا بازی یا سازش کی تھی اور یہ بھی صحیح ہے کہ برطانوی سامراج کے نقطۂ نگاہ سے اس خفیہ سودا بازی کی بنیادی شرط یہ تھی کہ ہندوستان برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہوگا اور مسلم لیگ کے الزام کے مطابق کانگرس کے نقطۂ نگاہ سے اس ناپاک سازش کی تین شرائط یہ تھیں کہ (1) انتقال اقتدار دو مہینے کے اندر اندر مکمل کر دیا جائے گا۔ (2) صوبہ بنگال کی تقسیم ہونے پر کلکتہ ہندوستان میں شامل کیا جائے گا۔ (3) صوبہ پنجاب کی تقسیم اس طور پر کی جائے گی کہ ضلع گورداسپور کی مسلم اکثریت والی دو تحصیلیں ہندوستان میں شامل کی جائیں گی تاکہ ہندوستان اور کشمیر کے درمیان جغرافیائی رابطہ قائم ہو سکے۔"[61] بعد کے حالات نے یہ ثابت کیا کہ مسلم لیگ کا یہ سنگین الزام بے بنیاد نہیں تھا۔

باب: 13

تقسیم کی تفصیلات میں برطانوی سامراج اور ہندو بورژوا کے مشترکہ عزائم کا دخل

انڈیا کا وارث کون؟ اکیلا ہندوستان یا دونوں نئے ملک؟

3رجون کی تقسیم ہند کے اعلان کے فوراً بعد اس پر عملدرآمد کے بارے میں فریقین کے مابین شدید نوعیت کے اختلافات کھل کر سامنے آ گئے۔ اثاثوں اور افواج کی تقسیم، سرحدوں کی حد بندی، تبادلۂ آبادی، صوبہ سرحد اور ضلع سلہٹ کا ریفرنڈم، ریاستوں کا الحاق، اقوام متحدہ اور دولت مشترکہ کی رکنیت اور گورنر جنرل کی تقرری، ایسے مسائل تھے جن پر کانگرس اور مسلم لیگ کے مؤقف بالکل ایک دوسرے کی ضد تھے اور ان مسائل کو متاثر کرنے والا سب سے اہم سوال یہ تھا کہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کا کیا مستقبل ہے؟ آیا یہ دو نئے ملکوں کی مرکزی حکومتوں میں منقسم ہو جائے گی یا کوئی ایک ملک اس کا مالک بن کر دوسرے کو اس سے بے دخل کر دے گا؟

اعلان 3رجون سے مترشح سرکاری مؤقف جسے مسلم لیگ کی تائید بھی حاصل تھی اول الذکر نقطۂ نظر تھا۔ یعنی یہ کہ 15راگست کو متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت جس کے لئے لفظ گورنمنٹ آف انڈیا استعمال ہوتا تھا، ختم ہو جائے گی اور اس کی بجائے دونوں ڈومینینوں یعنی ہندوستان اور پاکستان کی الگ الگ مرکزی حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی پیش رو گورنمنٹ آف انڈیا کا تسلسل نہیں ہوگی، دونوں کا علیحدہ اور نیا تشخص ہوگا

اور اس حوالے سے دونوں تقسیم کی تمام تر تفصیلات اور معاملات طے کریں گی۔ جب کہ کانگرس مؤخر الذکر نقطۂ نظر کی حامی تھی جس کا اظہار 5 / جون کو ماؤنٹ بیٹن اور ہندوستانی رہنماؤں کے اجلاس میں نہرو نے کیا۔ اس کا موقف تھا کہ 15 / اگست کے بعد ہندوستان کی ڈومینین کی مرکزی حکومت دراصل موجودہ متحدہ حکومت ہند کا تسلسل ہوگی، فقط علیحدگی اختیار کرنے والے علاقوں پر مشتمل پاکستان کو اپنے لئے ایک مرکزی حکومت قائم کرنا ہوگی۔ جناح نے اس موقف کو سختی سے رد کرتے ہوئے کہا کہ ''اصل معاملہ یہ نہیں ہے کہ علیحدگی ہورہی ہے بلکہ یہ ہے کہ تقسیم ہورہی ہے۔'' نہرو نے کہا ''میں اس سے اتفاق نہیں کرتا، بنیادی نقطۂ یہ ہے کہ انڈیا کا اپنی موجودہ صورت میں تسلسل برقرار رہے گا۔'' نہرو نے مرکزی حکومت کے محکموں کے عملے، اداروں اور ریکارڈز کی تقسیم کے سوال پر بھی حیرت کا اظہار کیا۔[1] اس کی وجہ یہ تھی کہ کانگرس نے ذہنی طور پر تقسیم کو قبول نہیں کیا تھا کہ تقسیم کو ماننے کا مطلب تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی تمام تر داخلی و خارجی املاک، اثاثے اور ذمہ داریاں ہندوستان اور پاکستان نامی دوملکوں کے مابین تقسیم ہوں گی اور دونوں ملک بین الاقوامی سطح پر برابری کا درجہ رکھیں گے۔ جب کہ علیحدگی اختیار کرنے کی صورت میں علیحدگی پسندوں کا کسی شے پر کوئی حق نہیں ہوتا بلکہ جس ملک سے وہ علیحدگی اختیار کرتے ہیں اس ملک کا علیحدہ ہونے والے علاقے پر دعویٰ ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

چونکہ ماؤنٹ بیٹن برصغیر میں 15 / اگست کے بعد برطانوی سامراج کے مفادات کو محفوظ رکھنے کی خاطر کانگرس کی منشا کو اولیت دیتا تھا، اس لئے اسی روز اس کے معاون ایبل نے وزیر ہند کے معاون ٹرنبل کو اس مضمون کا تار ارسال کیا۔ ''نہرو کا سختی کے ساتھ یہ موقف ہے کہ ہندوستان بین الاقوامی امور میں موجودہ انڈیا (متحدہ ہند) کی حیثیت کا وارث ہوگا اور اسے اقوام متحدہ میں علیحدہ سے رکنیت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ موجودہ رکنیت کا تسلسل برقرار رکھے گا۔ جہاں تک میرا خیال ہے سرکاری نقطۂ نظر کے مطابق دو بالکل نئے ملک وجود میں آرہے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی انڈیا ہونے کا دعویدار نہیں ہوگا۔ یہ معاملہ بے حد اہم ہے اور اس پر یہاں خاصی گڑبڑ ہوسکتی ہے۔''[2] مطلب یہ تھا کہ سرکاری نقطۂ نظر کو تبدیل کیا جائے۔

9 رجون کو ماؤنٹ بیٹن نے سرکاری موقف کے برعکس نہرو کے موقف کی حمایت اور جناح کی مخالفت کرتے ہوئے وزیر ہندلسٹوول کے نام مراسلے میں لکھا ''جناح، نہرو کے اس نظریے کی کہ ہندوستان انڈیا کی بین الاقوامی حیثیت کا وارث ہوگا، مخالفت کر کے محض ہندوستان کے مستقبل کے اچھے امکانات کو نقصان پہنچا رہا ہے...... میری اپنی رائے یہ ہے کہ اگر ہم نے کانگرس کی بات نہ مانی تو یہ ہمارے لئے کہیں زیادہ مشکلات پیدا کردے گی بہ نسبت اس کے جو لیگ پیدا کرے گی بشرطیکہ ہم کانگرس کی تجویز مان لیں۔ ویسے بھی پاکستان انڈیا کی کل آبادی میں زیادہ سے زیادہ سات کروڑ کی آبادی کا بمشکل احاطہ کر سکے گا۔ چنانچہ اگر باقی ماندہ انڈیا موجودہ گورنمنٹ آف انڈیا کی تمام تر بین الاقوامی ذمہ داریاں سنبھال لیتا ہے تو میرا خیال ہے ہماری بہت ساری مشکلات دور ہو جائیں گی۔ مزید یہ کہ اس وقت انڈیا کے تمام سفارتی نمائندے نہرو کے نامزد کردہ ہیں۔ میرا خیال ہے بورڈ آف ٹریڈ کے صدر (سٹیفورڈ کرپس) بھی اس رائے سے اتفاق کریں گے۔''[3] یوں تو برطانیہ کی لیبر حکومت عمومی طور پر یہ سمجھتی تھی کہ برطانوی مفادات اس علاقے کی بڑی پارٹی کانگرس کی خوشنودی حاصل کر کے ہی محفوظ رکھے جاسکتے ہیں لیکن سٹیفورڈ کرپس اس نظریے کی بڑھ چڑھ کر حمایت کرتا تھا۔ اسی لئے ماؤنٹ بیٹن کو یقین تھا کہ کرپس اس کے موقف کی ضرور تائید کرے گا جو کہ برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کا اہم رکن بھی تھا۔

10 رجون کو ماؤنٹ بیٹن نے سٹاف میٹنگ میں اپنے مشیروں کے سامنے یہ مسئلہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''ہمیں بہت جلد یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ پاکستان پر مشتمل صوبے انڈیا سے علیحدگی اختیار کر رہے ہیں یا یہ کہ انڈیا دو حصوں میں تقسیم ہو رہا ہے؟۔ اس نے بتایا کہ پنڈت نہرو مجھے مسلسل اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ واحد بنیاد جس پر وہ پاکستان کی تشکیل کو منظور کرنے پر آمادہ ہوا ہے یہ ہے کہ وزارتی مشن منصوبہ میں تھوڑے بہت ردوبدل کے ساتھ بعض صوبوں کو علیحدگی کی اجازت دے دی گئی ہے۔ پنڈت نہرو نے ہمیشہ انڈیا کا جوں کا توں تسلسل برقرار رکھنے پر زور دیا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے بتایا کہ میں نے جناح کو بہت سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اگر اب تمہیں آزاد اور خودمختار ریاست حاصل ہو جاتی ہے اور تمہیں تمہارے حصے کے اثاثے بھی مل جاتے ہیں تو تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔ اس نے مزید کہا کہ میں جناح

کو اس بارے میں قائل کرنے کی پوری کوشش کروں گا کہ کانگرس کے ساتھ اس مسئلہ پر جھگڑا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' تاہم اس کے مشیر لارڈ اسمے کی رائے تھی کہ ''علیحدگی'' کا لفظ حد درجہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔[4]

12 رجون کو ماؤنٹ بیٹن نے پٹیل اور لیاقت کے ساتھ مشترکہ ملاقات کے دوران اس معاملہ کو چھیڑا تو لیاقت نے کہا کہ مسلم لیگ اصطلاحوں پر جھگڑا نہیں کرنا چاہتی۔ ہماری تمام تر تشویش یہ ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے اثاثوں اور ذمہ داریوں میں سے ہمیں ہمارے حصے کے بارے میں یقین دہانی کرادی جائے۔ اس کا موقف تھا کہ حکومت برطانیہ اپنے 20 رفروری کے اور 3 رجون کے اعلانات میں واضح طور پر کہہ چکی ہے کہ اقتدار جانشین اتھارٹی یا جانشین اتھارٹیوں کو منتقل کیا جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جانشین اتھارٹیوں کے مابین کس تناسب سے اثاثے تقسیم ہوں گے، یہ کام ثالث ٹریبونل کا ہے جو ابھی تشکیل دیا جانا ہے۔ تاہم لیاقت کا اصرار تھا کہ برطانوی حکومت چونکہ اس وقت تمام املاک کی مالک ہے اس لئے وہ یہ یقین دہانی کرائے کہ پاکستان کو کس تناسب سے حصہ دیا جائے گا۔[5] لیاقت کا محض اثاثوں میں حصے کی یقین دہانی پر زور دینا اور مذکورہ اصطلاحوں پر زور نہ دینا، اس کی مخصوص جاگیردارانہ سوچ کی عکاسی کرتا تھا، جب کہ جناح اپنے بورژوا پس منظر کی بدولت ان اصطلاحوں کے دوررس نتائج کا گہرا ادراک رکھتے تھے اور اس معاملے میں اپنے موقف پر سختی سے قائم تھے۔ ادھر ہندو بورژوا کی طرف سے اپنے موقف کے حق میں مزید دباؤ ڈالنے کے لئے یہ مطالبہ کر دیا گیا تھا کہ ہندوستان کی ڈومینین کے لئے ''ہندوستان'' کا مجوزہ نام ترک کر کے ''انڈیا'' کا نام استعمال کیا جائے جو کہ اس وقت کے متحدہ ہندوستان کا نام تھا۔

لندن میں برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی آزادیٔ ہند کے بل کا مسودہ تیار کر رہی تھی جو 7 رجولائی کو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا جانا تھا۔ اس سلسلے میں وزیر ہند لسٹوول لندن سے دہلی میں ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ تجاویز و خیالات کا مسلسل تبادلہ جاری رکھے ہوئے تھا۔ کانگرس کی جانب سے ہندوستان کو انڈیا کا تسلسل قرار دیئے جانے کے مطالبے کو ماؤنٹ بیٹن نے اپنی سفارش کے ساتھ لسٹوول کو ارسال کر دیا تھا۔ 13 رجون کو لسٹوول نے اس سلسلے میں انڈیا و برما کمیٹی کو ایک یادداشت پیش کی جس میں ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے کانگرس کا مطالبہ

منظور کر لینے کی سفارش کے ساتھ اتفاق کیا گیا۔ اس میں تجویز کیا گیا کہ زیر نظر مسودہ بل کی متعلقہ شق میں اس انداز سے ترمیم کی جائے کہ یہ بات واضح ہو سکے کہ ہندوستان جسے اب کانگرس انڈیا کہلوانا چاہتی ہے، موجودہ انڈیا کے تسلسل کا نام ہوگا۔ اس نے ماؤنٹ بیٹن کی سفارش سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ "وائسرائے کی اس رائے میں خاصا وزن ہے کہ کانگرس کا مطالبہ نہ ماننے کی صورت میں کانگرس ہمارے لئے کہیں زیادہ مشکلات پیدا کر دے گی۔ یہ نسبت اس کے جو مسلم لیگ پیدا کرے گی بشرطیکہ ہم کانگرس کا مطالبہ مان لیں۔" اس نے اس بات سے بھی اتفاق کیا کہ نہرو نے عبوری حکومت میں وزیر خارجہ ہونے کی حیثیت سے دوسرے ملکوں اور بین الاقوامی اداروں میں اپنی پسند کے لوگوں کو سفارتی نمائندوں کے طور پر مقرر کیا ہوا ہے۔ اس لئے ہندوستان کو بین الاقوامی سطح پر انڈیا کی حیثیت سے تسلسل برقرار رکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ وہ اقوام متحدہ میں انڈیا کی موجودہ نشست پر ہی بیٹھا رہے گا جب کہ پاکستان کو ہر حالت میں اقوام متحدہ میں اپنے لئے نئی رکنیت حاصل کرنا ہوگی۔ اس کی تجویز کے مطابق تمام خارجی املاک پر بھی ہندوستان یا انڈیا ہی کا حق بنتا تھا۔[6] اسی روز وزارت ہند نے مجوزہ بل کی پہلی خواندگی کے لئے ایک نوٹ تیار کیا اور انڈیا و برما کمیٹی کو ایک یادداشت پیش کی۔ ان دونوں دستاویزات میں ہندوستان کے لئے انڈیا کا لفظ استعمال کرنے کا کانگرسی مطالبہ منظور کر لینے کی سفارش کی گئی تھی۔[7]

14 رجون کو نہرو کے دست راست کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک نوٹ ارسال کیا جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ برطانوی پارلیمینٹ میں آزادئ ہند کے دو علیحدہ ایکٹ منظور ہونے چاہئیں۔ پہلے ایک منظور ہونا چاہیے جس میں انڈیا کو ڈومینین کا درجہ دے دیا جائے اور اس ایکٹ کو 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو منسوخ کر کے اس کی جگہ پر نہیں بلکہ اس میں ترمیم کے طور پر منظور کیا جائے۔ اس ترمیمی ایکٹ کے منظور ہونے کے بعد ایک بالکل علیحدہ ایکٹ کے ذریعے علیحدگی اختیار کرنے والے علاقوں پر مشتمل پاکستان کی ڈومینین کی تشکیل کی جائے۔ اس نے انتباہ کیا کہ اگر گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کو منسوخ کر کے ریاست انڈیا کا خاتمہ کر دیا گیا اور صرف ایک ایکٹ کے ذریعے دو نئی ڈومینینوں کے قیام کو عمل میں لایا گیا تو اس سے بڑے الجھاؤ پیدا ہو جائیں گے۔[8]

ماؤنٹ بیٹن نے دو علیحدہ ایکٹ منظور کرنے کی تجویز سے تو اتفاق نہ کیا البتہ کانگرس کی منشا کو مجوزہ بل میں پوری طرح جگہ دینے کی خاطر برطانوی حکومت پر زور دیا۔ اس سلسلے میں 14 رجون کو اس نے لسٹوول کے نام اپنے ایک اور مراسلے میں کانگرس کا موقف تسلیم کرنے کے حق میں دلائل دیئے۔ اس نے لیاقت علی خان کے ساتھ اپنی ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ لیاقت کو ان اصطلاحوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے جن کو اختیار کرنے کے لئے کانگرس زور دے رہی ہے۔ لیاقت چاہتا ہے کہ اثاثوں اور ذمہ داریوں میں متناسب اور منصفانہ تقسیم ہونی چاہیے۔ اس نے مزید بتایا کہ وی۔ پی مینن نے اس معاملے پر نہرو اور پٹیل کے ساتھ بات کی ہے جنہوں نے یقین دلایا ہے کہ کانگرس مسلم لیگ کے ساتھ اثاثوں اور ذمہ داریوں کی متناسب اور منصفانہ تقسیم پر کوئی جھگڑا نہیں کرے گی۔ اس نے اس توقع کے ساتھ کہ دونوں جماعتوں کے مابین اس مسئلے پر سمجھوتہ ہو جائے گا۔ لکھا کہ ''کانگرس کے لئے ہندوستان کے بین الاقوامی سٹیٹس کا سوال اس کے وقار کا مسئلہ ہے جب کہ لیگ اس معاملے کو عملی سیاست کے نقطۂ نظر سے دیکھتی ہے۔ ویسے بھی لیگ کو اس معاملے میں کانگرس کے موقف کے ساتھ ٹکراؤ کا راستہ اختیار کر کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' آخر میں اس نے مزید زور دینے کے لئے لکھا کہ ''......اگر اس معاملے میں کوئی غلط اقدام اٹھایا گیا تو موجودہ تصفیہ بالکل تعطل میں پڑ جائے گا...... میں یہاں تک بھی پیش گوئی کر سکتا ہوں کہ اگر میرا تجویز کردہ راستہ اختیار نہ کیا گیا تو ناقابل بیان حد تک حالات بگڑ جائیں گے۔''[9]

چنانچہ 17 رجون کو لندن میں برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی نے وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت اپنے اجلاس میں یہ فیصلہ کر دیا کہ ''برطانوی حکومت پنڈت نہرو کے اس نقطۂ نظر کو منظور کرتی ہے کہ موجودہ انڈیا کے بین الاقوامی وجود کی حیثیت کا وارث ہندوستان ہوگا۔'' اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ ''اثاثوں کے ضمن میں مالی موافقت پیدا کی جائے گی۔''[10] اور 18 رجون کو لسٹوول نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک مراسلے کے ذریعے اس فیصلے کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ آزادیٔ ہند کے مجوزہ بل کے مسودے میں ''انڈیا'' اور ''پاکستان'' کے الفاظ استعمال کیے جائیں گے۔[11] 19 رجون کو اپنے ایک اور مراسلے میں لسٹوول نے ماؤنٹ بیٹن کو برطانوی حکومت کے متذکرہ فیصلے کے حوالے سے لکھا کہ ''قانونی طور پر اثاثے ہندوستان کو

ملیں گے۔ تاہم اگر آپ مطمئن ہیں کہ اس سے ان سے منصفانہ تقسیم متاثر نہیں ہو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔"[12] لیکن جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ اثاثوں کی منصفانہ تقسیم عمل میں نہ آ سکی، یہ دراصل ہندو بورژوا کی چال تھی جس کی ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت نے اپنے سامراجی مفادات کی خاطر حمایت کی اور کانگرس کو اپنی جانشینی کا شرف بخشا۔

برطانوی ہند کی بین الاقوامی حیثیت کا وارث بننے میں ہندو بورژوا کی دلچسپی کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ اس طرح وہ تمام بین الاقوامی معاہدے جو برطانوی ہند نے کر رکھے تھے یا وہ معاہدے جو شاہ برطانیہ یا حکومت برطانیہ نے برصغیر کے علاقے میں کر رکھے تھے، خود بخود جانشین انڈین ڈومینین کے تحت آ جاتے تھے۔ ان میں ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ معاہدوں کے علاوہ 1914ء کا اینگلو۔تبت معاہدہ، 1921ء کا اینگلو۔افغان معاہدہ اور 1933 کا اینگلو۔نیپال معاہدہ بھی شامل تھے۔ گویا اس طرح پاکستان کی افغان سرحد (ڈیورنڈ لائن) کے معاملات انڈین یونین کے تحت آ جاتے تھے۔ ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں ابھی تک یہ کہا گیا تھا کہ برصغیر میں برطانیہ کے اقتدار اعلیٰ کے خاتمے کے بعد وہ خود اپنے اقتدار اعلیٰ کی مالک ہوں گی اور نئی حکومتوں کے ساتھ از سر نو معاہدے کرنے میں خود مختار ہوں گی۔ لیکن ڈومینین آف انڈیا کے برطانوی ہند کا تسلسل ہونے کے ناطے برطانوی ہند کی ان ریاستوں پر قائم بالا دستی خود بخود انڈین ڈومینین کو منتقل ہو رہی تھی۔ اس ضمن میں حیدر آباد اور کشمیر کی بڑی ریاستیں خصوصی اہمیت کی حامل تھیں۔

اثاثوں اور مسلح افواج کی تقسیم

6 رجون کو ماؤنٹ بیٹن کی زیر صدارت ایگزیکٹو کونسل کا اجلاس ہوا جسے عبوری کابینہ کا درجہ حاصل تھا۔ اس میں ماؤنٹ بیٹن کی سربراہی میں ایک بٹوارا کمیٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ بعد ازاں یہ کمیٹی، بٹوارا کونسل کہلائی۔ اس کے ارکان میں سردار پٹیل، راجندر پرشاد، لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر شامل تھے۔ اس کونسل کے ذمے کام یہ تھا کہ متحدہ ہندوستان کی ہر قسم کی املاک کو ہندوستان اور پاکستان میں علاقے اور آبادی کے تناسب کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی خاندان میں پھوٹ پڑنے کی صورت میں گھر کے مال

واسباب کی تقسیم ہوتی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان املاک کی تقسیم پر تنازعہ بھی ایسے ہی ہوا جیسے کہ تقسیم شدہ خاندان کے افراد میں عموماً ہوتا ہے۔ جو زیادہ زور والا ہوتا ہے۔ وہ زیادہ اور اچھا سامان لے جاتا ہے اور کمزور منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ پاکستان کی حیثیت چھوٹے اور کمزور فریق کی تھی اس لئے اسے قدرتی طور پر فوجی اور دوسری املاک کی تقسیم میں نقصان ہونا ہی تھا اور ہوا۔ سب سے زیادہ دھاندلی اور بے انصافی ہندوستانی افواج اوران کے ساز وسامان کی تقسیم میں ہوئی۔

برطانوی سامراج ہندوستان کی افواج کی تقسیم کے سخت خلاف تھا۔ قبل ازیں اپریل میں کمانڈر انچیف آکن لیک افواج کی تقسیم کا منصوبہ بنانے کے بارے میں لیاقت علی خان کی تجویز کو تسلیم کرنے سے قطعی انکار کر چکا تھا۔ اس کا خیال تھا اگر کسی وجہ سے تقسیم ناگزیر ہوئی تو یہ کام کئی سال میں مکمل ہو سکے گا۔ لہٰذا جب 3/جون کو برصغیر کی تقسیم کے فیصلے کا اعلان ہوا تو اس وقت تک ہندوستانی افواج کی تقسیم کا کوئی منصوبہ تیار نہیں تھا۔

میجر جنرل فضل مقیم لکھتا ہے کہ ''جب کبھی وائسرائے سے ہندوستانی افواج کی تقسیم کا ذکر کیا جاتا تھا تو اس کا جواب یہ ہوتا تھا کہ فوج کا نظام ایسے کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی میں متفق ہوں گا۔ فیلڈ مارشل آکن لیک نے اس سلسلے میں کئی اعلیٰ انگریز افسروں کی نصیحت سننے سے بھی انکار کر دیا تھا جو اسے فوج کی تقسیم پر اس لئے آمادہ کرنا چاہتے تھے کہ کہیں فوج میں مکمل انتشار نہ ہو جائے۔''[13]

وائسرائے کے چیف آف سٹاف لارڈ اسے کی، جو جنگ کے دوران چرچل کا فوجی مشیر تھا، رائے یہ تھی کہ ''ہندوستانی افواج کی تقسیم سنگین ترین جرم اور شدید ترین دردسر ہے۔ وہ اپنی سوانح حیات میں لکھتا ہے کہ ''میں نے جناح کو ہندوستانی افواج کی تقسیم کے فیصلے پر نظر ثانی کی ترغیب دینے کی انتہائی کوشش کی۔ میں نے جناح سے کہا کہ فوج محض چھوٹے بڑے ہتھیاروں سے مسلح افراد کا مجموعہ نہیں ہے۔ یہ ایک جیتی جاگتی شے ہے جس کا ایک دماغ ہے، ایک ہی دل ہے اور جس کے اعضا کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔ لیکن جناح بضد تھا۔ اس نے کہا کہ ''اگر 15/اگست کو میرے پاس زیادہ تر مسلمانوں پر مشتمل فوج کی مناسب تعداد نہ ہوئی تو میں اقتدار لینے سے انکار کر دوں گا۔''[14]

چوہدری محمد علی کہتا ہے کہ ''جناح فرقہ وارانہ بنیاد پر فوج کی تقسیم کے خواہاں نہیں تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ فوج کی تقسیم بلالحاظ مذہب محض شہریت کی بنیاد پر ہونی چاہیے...... برطانوی افسر برصغیر کی سیاسی تقسیم کے فیصلے کے بعد بھی ہندوستانی افواج کی تقسیم کے اس لئے خلاف تھے کہ انہوں نے اس شاندار جنگی مشین کو تقریباً ایک سو سال کے عرصے میں بنایا تھا اور ان کے لئے تقسیم پر ذہنی طور پر آمادہ ہونا بہت مشکل تھا۔ انہیں اس تصور سے ہی بہت دکھ ہوتا تھا اور وہ اس مسئلہ پر معقولیت سے غور کرنے کے قابل نہیں تھے۔''[15]

چوہدری محمد علی جو نہ صرف برصغیر کی تقسیم سے پہلے بلکہ اس کے بعد پاکستان میں بھی 1956ء تک نہایت اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا حتیٰ کہ وزیر اعظم بھی بنا، لیکن اس کی سیاسی سوجھ بوجھ اتنی ہی رہی جتنی کہ ایک دفتری بابو کی ہوتی ہے۔ اسے کوئی نہیں سمجھا سکا کہ وائسرائے اور دوسرے اعلیٰ برطانوی افسر ہندوستانی افواج کی تقسیم کے محض اس لئے خلاف نہیں تھے کہ ان کا اس سے بہت جذباتی پیشہ ورانہ لگاؤ تھا بلکہ وہ اس لئے خلاف تھے کہ ہندوستانی افواج کی سالمیت برطانوی سامراج کے عالمی مفاد میں تھی۔ کمانڈر انچیف آکن لیک اپریل میں لیاقت علی خان کو شمال سے خطرے کا احساس دلا چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ہندوستان افواج کو تقسیم کیا گیا تو شمال مغربی سرحد کا دفاع نہیں ہو سکے گا۔ 12 رجون کو کلاڈ آکن لیک کی سربراہی میں انڈین افواج کی چیفس آف سٹاف کمیٹی نے ایک رپورٹ ماؤنٹ بیٹن کو پیش کی جس میں اس امر کا جائزہ لیا گیا تھا کہ 15 راگست کے بعد برطانوی افواج کو برصغیر میں ٹھہرنا چاہیے یا چلے جانا چاہیے۔ یہ سفارش کرتے ہوئے کہ برطانوی افواج کا یہاں سے چلے جانا برطانوی حکومت کے سیاسی اور معاشی مفاد میں ہوگا، کمیٹی نے انڈین افواج کی یک جہتی پر زور دیا۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ ''انڈین مسلح افواج کی تقسیم کی کاروائی کے دوران اگر شمال مغربی سرحد پر گڑبڑ ہوگئی تو برطانوی افواج کو لازماً مدد کے لئے طلب کیا جائے گا کہ دولت مشترکہ کے ایک رکن کا دوسرے کی مدد کرنا لازم ہوتا ہے۔ جب کہ شمال مغربی سرحد پر گڑبڑ سے نمٹنا بنیادی طور پر انڈین مسلح افواج کی ذمہ داری ہے۔''[16]

سوویت یونین اور چین کی جانب سے سرخ انقلاب کے سدباب کے لئے ہندوستانی افواج کی سالمیت کو برقرار رکھنا ضروری تھا، بالخصوص ایسے حالات میں کہ ماؤنٹ بیٹن کا خیال

تھا کہ شروع میں پاکستان اس قدر غریب ملک ہوگا کہ وہ زیادہ ملکوں میں اپنے سفارت خانے بھی قائم نہیں کر سکے گا۔ وہ برطانیہ، امریکہ اور مشرق وسطٰی کے چند ملکوں میں شاید اپنا کوئی نمائندہ رکھنا چاہے گا مگر بقیہ ملکوں میں وہ برطانیہ یا ہندوستان کے سفارتخانوں کے ذریعے ہی کام چلائے گا۔ [17] اور لمبی کے بیان کے مطابق بہت سے غیر جانبدار مبصروں بلکہ مسلم لیگ کے بعض ہمدردوں کی رائے میں بھی پاکستان کا مستقبل مشکوک تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ملک معاشی طور پر نہیں چل سکے گا اور اس میں اپنے دفاع کی صلاحیت بھی نہیں ہوگی۔ وزارتی مشن کے ارکان بھی جناح کو 1946ء میں برصغیر کے دفاعی تقاضوں کا احساس دلا چکے تھے۔ ان کا پروگرام تھا کہ متحدہ ہندوستانی افواج برطانیہ کی نگرانی میں نہ صرف پورے برصغیر کا دفاع کریں گی۔ بلکہ انہیں ملایا، برما اور لنکا وغیرہ جیسے قریبی چھوٹے ممالک کے دفاع کے لئے بھی استعمال کیا جائے گا۔ برطانوی سامراج نے برصغیر کی تقسیم کو مجبوراً منظور کیا تھا اور کانگرس کی قیادت کو امید تھی کہ ''جب موجودہ جذبات کی شدت میں کمی آ جائے گی تو ہندوستان کے مسئلے کا حل صحیح صحیح پس منظر میں دریافت کر لیا جائے گا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو الگ الگ قومیں ہونے کا باطل نظریہ مردود ہو جائے گا۔''

ہندوستانی سینئر فوجی افسر بریگیڈئر کریاپا، جو بعد میں ہندوستان کا پہلا کمانڈر انچیف بنا، بھی اسی لئے ہندوستانی افواج کی تقسیم کے خلاف تھا۔ اس نے پہلے تو لندن میں مقیم مسلمان فوجی افسروں پر زور ڈالا کہ وہ ہندوستانی افواج کی سالمیت برقرار رکھنے کی حمایت کریں۔ [18] اور پھر وہ دہلی میں ایک مسلمان فوجی افسر کو ساتھ لے کر چوہدری محمد علی سے بھی ملا۔ ان دونوں نے ہندوستانی افواج کی تقسیم کے خلاف بہت دلیلیں دیں۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے سیاسی لیڈروں کے مشترکہ کنٹرول میں فوج کی سالمیت کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر سیاسی زعما ایسا نہ کر سکیں گے تو ان ہی کا نقصان ہوگا۔ فوج کے لئے اچھا ہی ہوگا۔ وہ دونوں ڈومینینوں کا چارج سنبھال لے گی۔ [19] بریگیڈئر کریاپا اور اس کا نامعلوم مسلمان ساتھی جو پاکستان میں یقیناً اعلٰی عہدے پر فائز ہوا ہوگا دراصل کانگرسی قیادت کے علاوہ برطانوی سامراج کے خیالات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ لیکن چوہدری محمد علی یہی سمجھتا رہا کہ اعلٰی برطانوی اور ہندوستانی فوجی افسر محض جذباتی یا پیشہ ورانہ وجوہ کی بنا پر ہندوستانی افواج کی تقسیم کے خلاف

تھے۔ بایں ہمہ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستانی افواج کی تقسیم کے لئے فیلڈ مارشل آکن لیک کی زیر صدارت ایک اعلیٰ سطح کی کمیٹی مقرر کرنا ہی پڑی۔

جناح افواج کی تقسیم پر بضد تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ فوج کے بغیر پاکستان کی سیاسی آزادی دیر پا نہیں ہوگی۔ 23/جون کو جناح نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران اس پر واضح کر دیا کہ 15/اگست تک پاکستان کی علیحدہ فوج تیو جود میں آ جانی چاہیے جو ایک علیحدہ کمانڈر انچیف کے ماتحت ہو اور وہ براہ راست پاکستان سے احکامات حاصل کرے۔ ماؤنٹ بیٹن نے فوج کی تقسیم کی حد تک تو اتفاق کیا لیکن کہا کہ دونوں افواج انتظامی امور میں فیلڈ مارشل کلاڈ آکن لیک کے ماتحت رہیں گی۔ جناح نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ مسلمانوں کو کلاڈ آکن لیک پر اعتماد نہیں ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ انڈیا میں آکن لیک سے بڑھ کر بااعتماد اور باعزت افسر کوئی نہیں ہے۔[20] تاہم 30/جون کو ماونٹ بیٹن کی زیر صدارت بٹوارا کونسل کے اجلاس میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ انڈین مسلح افواج کے اثاثوں اور یونٹوں کو پاکستان اور ہندوستان کے درمیان 30اور70 کی نسبت سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

جہاں تک دوسرے اثاثوں کا تعلق تھا، ہندو بورژوا کچھ بھی دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ 26/جون کو بٹوارا کونسل کے اجلاس میں لیاقت نے مطالبہ کیا کہ "دہلی میں چھ گورنمنٹ پرنٹنگ پریس ہیں ان میں سے ایک کو کراچی منتقل کر دیا جائے تاکہ گورنمنٹ آف پاکستان اپنا کام شروع کرنے کے لئے تیاری کر سکے۔" پٹیل یہ سن کر غصے میں آ گیا اور یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ "چھ کے چھ پریس گورنمنٹ آف انڈیا کا کام کرنے میں مصروف ہیں، ان میں سے ایک پریس بھی فارغ نہیں کیا جاسکتا۔" ماؤنٹ بیٹن نے بڑے معذرت خواہانہ انداز میں سفارش کرتے ہوئے پٹیل سے کہا کہ "اگرچہ ایک پریس دینے سے گورنمنٹ آف انڈیا کے کام میں مشکل درپیش ہوگی لیکن میری درخواست ہے کہ آپ ایک پریس پاکستان کو دے دیں۔" پٹیل اور زیادہ غصے میں آ گیا اور کہنے لگا "پاکستان کو الگ ہونے کے لئے کہا کس نے ہے؟ انہیں لیجانا ہے تو اپنی جائیدادیں وہاں لے جائیں مگر ہم انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ اگر ان کے پاس کافی ذرائع موجود نہیں ہیں تو وہ بقیہ انڈیا کی حکومت کا کام خراب کریں۔" اس پر لیاقت نے کہا کہ "اگر تقسیم کا کام اس جذبے کے ساتھ انجام دیا گیا تو مجھے امید نہیں ہے کہ 15/اگست

کو پاکستان کی حکومت اپنا کام شروع کر سکتی ہے۔'' بعد میں ماؤنٹ بیٹن نے پٹیل کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کر کے اسے اس بات پر منالیا کہ اس شرط پر کہ پریس دہلی سے کہیں اور منتقل نہیں کیا جائے گا، حکومت پاکستان اپنا کام ایک پریس سے کروا سکتی ہے۔ یہ رعایت اس وقت تک ہوگی جب تک پاکستان کے لئے نیا پریس کراچی میں نہیں لگ جاتا۔''[21]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانگرس نے کس جذبے کے ساتھ برصغیر کی تقسیم کو منظور کیا تھا۔ پٹیل نے گاندھی جیسے تقسیم کے مخالف کو یہی دلائل دے کر قائل کیا تھا کہ ایک ناقابل عمل اور کمزور پاکستان کو جلد گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ ''3 ر جون کے تقسیم ہند کے اعلان کو کانگرسی حلقوں میں پٹیل کی چال کا کمال قرار دیا جا رہا تھا کہ اس نے مسلمانوں کو بالکل ایک کونے میں (یا دو کونوں میں) دھکیل دیا ہے جہاں وہ بہت جلد انہیں تباہ برباد کر کے رکھ دے گا۔''[22] چنانچہ کانگرسی رہنماؤں نے پاکستان سے دو دوستوں کی طرح علیحدگی اختیار کرنے کے بجائے ایسے دشمنوں کی طرح علیحدگی اختیار کی جو دوسرے کا وجود دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔

23 ر جون کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کے دوران جناح نے دریافت کیا کہ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس کراچی میں ہونا چاہیے یا دہلی میں۔ ماؤنٹ بیٹن نے تجویز کیا کہ اگر دہلی میں ہو تو زیادہ سہولت رہے گی۔ جناح نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے ارادہ ظاہر کیا کہ جولائی کے وسط میں یہ اجلاس منعقد ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن ہندو پاک دونوں آئین ساز اسمبلیوں کے ارکان کی اکٹھے دعوت کرنا چاہتا تھا تاکہ دونوں ڈومینینوں کے مستقبل کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ لیکن جب اس نے نہرو، پٹیل، راجندر پرشاد اور گاندھی کو اس پروگرام سے آگاہ کیا تو چاروں حضرات سخت غصے میں آ گئے اور کہنے لگے ''ہم یہ کسی حالت میں گوارا نہیں کریں گے کہ پاکستان آئین ساز اسمبلی کا اجلاس دہلی یا اس کے نواح میں کسی جگہ منعقد کیا جائے۔'' ماؤنٹ بیٹن اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''میں نے انہیں یہ سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ یہ دونوں ڈومینینوں کے مستقبل کے خوشگوار تعلقات کے لئے ایک اچھی علامت ہوگی لیکن وہ قائل نہ ہوئے۔''[23] اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے پاکستان آئین ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس 10 ر اگست کو کراچی میں منعقد ہوا۔ ماؤنٹ بیٹن جو ایک طرف برصغیر میں متحارب سیاسی قوتوں کے مابین اتحاد و دوستی کی آخری کوششیں کر رہا تھا،

دراصل ایک سیاسی احمق تھا کیونکہ دوسری طرف وہ اس علاقے میں کانگرس کی بالادستی کو بھی منوانا چاہتا تھا۔ برطانوی سامراج کی پہلی ترجیح تو یہی تھی کہ برصغیر متحد رہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر یہاں کانگرس کی غالب حیثیت کو تسلیم کیا جائے اور اپنے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔

کانگرس کا مطالبہ کہ مسلم لیگ کو عبوری حکومت سے بے دخل کر دیا جائے

تقسیم ہند کا اعلان ہوتے ہی 5 / جون کو نہرو نے یہ مطالبہ کر دیا کہ عبوری حکومت کو 15 / اگست تک جوں کا توں نہیں رکھا جا سکتا، اس میں ردوبدل کرنا ہوگا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ عبوری کابینہ میں مسلم لیگی وزیروں کو ان کے محکموں سے بے دخل کر دیا جائے اور کانگرس کے مزید وزیر مقرر کر کے یہ محکمے ان کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ مسلم لیگی وزیر کابینہ میں بے محکمہ وزیر کے طور پر شامل رہیں گے اور وہ فقط ان معاملات پر نظر رکھیں گے جن کا تعلق پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں کے ساتھ ہوگا۔

17 / جون کو ماؤنٹ بیٹن نے سٹاف میٹنگ میں اس بارے میں اپنے مشیروں اور معاونوں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا۔ مشیروں کی رائے تھی کہ عبوری دور کے لئے جو کہ زیادہ طویل نہیں ہے، موجودہ عبوری حکومت کو بدستور کام کرتے رہنا چاہیے۔ مگر ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ نہرو کو اپنے مؤقف سے باز نہیں کیا جا سکتا، اس نے یہاں تک دھمکی دے دی ہے کہ اگر کابینہ کی تشکیل نو نہ کی گئی تو وہ کابینہ سے استعفیٰ دے دے گا۔'' مشیروں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ مسلم لیگ کو یہ تجویز منظور نہیں ہوگی۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ ''شاید لیاقت علی خاں نہرو کی تجویز کو منظور کر لے گا۔ بشرطیکہ اسے پاکستان کی پوزیشن کے تحفظ کا قطعی اختیار دے دیا جائے۔'' اس کے بقول ''لیاقت نے یہ عندیہ دیا تھا کہ اسے وزارت خزانہ اور کابینہ کے امور سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔'' ...... 24 لیکن سب کو معلوم تھا کہ لیاقت کی منظوری کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، اصل بات یہ تھی کہ جناح کا اس بارے میں کیا رویہ ہوگا۔ وی۔ پی مینن نے چوہدری محمد علی کے ذریعے اس سلسلے میں آئیڈیا لینے کی کوشش کی۔ چوہدری محمد علی نے مینن کو بتایا کہ مجوزہ خطوط پر کابینہ کی تشکیل نو کو جناح کبھی منظور نہیں کریں گے۔ 23 / جون کو جناح کے ساتھ ملاقات کے دوران ماؤنٹ بیٹن نے عبوری دور میں مرکزی کابینہ کی تشکیل نو کی مذکورہ

تجویز کا ذکر کیا تو جناح نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔

27 رجون کو بٹوارا کونسل کے اجلاس میں اس مسئلے پر لیگ اور کانگرس کے اختلافات کھل کر سامنے آ گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس تجویز کا خاکہ پیش کیا جس کے مطابق عبوری کابینہ کو انڈین یونین اور پاکستان کے لئے علیحدہ علیحدہ کابینہ میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ انڈین یونین عبوری دور میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی حیثیت سے بااختیار تھی جب کہ اس دوران پاکستان کابینہ کی حیثیت ایک عضو معطل کی تھی جس نے 15 راگست کو بااختیار ہونا تھا۔ جناح نے اس بنیاد پر اس تجویز کو رد کر دیا کہ کانگرس اور لیگ کے ارکان کابینہ کے مابین برابری کی سطح برقرار نہیں رہے گی، کانگرس کے ارکان بااختیار ہوں گے، تمام احکامات ان کے دستخطوں سے جاری ہوں گے جب کہ لیگی وزراء محض ''رکھوالے کتے'' کی طرح ہوں گے اور یہ لیگ کے لئے بےعزتی کی بات ہوگی۔ اس دوران نہرو کے بارے میں جو اس اجلاس میں شامل نہیں تھا، بذریعہ فون ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع دی گئی کہ وہ بہت سخت غصے میں ہے اور اپنی اس بات پر اڑ گیا ہے کہ عبوری کابینہ کو توڑ دیا جائے۔ ادھر جناح نے مزید موقف یہ اختیار کیا کہ ماؤنٹ بیٹن جس انداز سے عبوری کابینہ کی، جو دراصل ایگزیکٹو کونسل تھی، تشکیل نو چاہتا تھا اس کی قانونی بنیاد موجود نہیں تھی اور اسے قانونی طور پر چیلنج کیا جا سکتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ آپ اس کے خلاف اپنا قانونی کیس بنا کر لے آئیں، میں اسے برطانوی کابینہ کے پاس بھیج دوں گا۔ وہاں سے جو بھی فیصلہ ہو کر آئے گا، پھر وہ آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔ جناح نے اثبات میں جواب دیا اور 30 رجون کو ماؤنٹ بیٹن کو یہ قانونی کیس بنا کر دے دیا جو اس نے برطانوی کابینہ کو ارسال کر دیا۔[25] اس کے ہمراہ اس نے ایک مراسلہ بھی وزیر ہند لسٹوول کو بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر تجویز کردہ خطوط پر کابینہ کی تشکیل نو کو غیر آئینی قرار نہ دیا گیا تو میں کابینہ کی تشکیل نو عمل میں لے آؤں گا کیونکہ نہرو اس بارے میں مسلسل ضد کر رہا ہے۔[26]

ادھر جناح نے اسمے کو ایک ملاقات میں کہہ دیا تھا کہ اگر مرکزی کابینہ کی تشکیل نو کو لندن کی جانب سے قانونی طور پر درست بھی قرار دے دیا گیا تب بھی میں اسے تسلیم نہیں کروں گا۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن نے 30 رجون کو ایک مراسلے میں لسٹوول کو لکھا کہ ''جناح برطانوی پارلیمینٹ میں اپوزیشن رہنماؤں کی حمایت لینے کی کوشش کرے گا۔ جس

سے حالیہ سیشن میں مجوزہ بل کی منظوری کھٹائی میں پڑسکتی ہے اور 15 راگست کی انتقال اقتدار کی تاریخ میں تاخیر ہوسکتی ہے اور غالباً جناح یہی چاہتا ہے کہ کانگرس کو زیادہ سے زیادہ تنگ کیا جائے۔" ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ اس سلسلے میں پہلے سے پارلیمنٹ کے اپوزیشن رہنماؤں کو اعتماد میں لے لینا چاہیے تاکہ جب جناح ان سے رابطہ قائم کرے تو انہیں حقیقت حال کا بخوبی علم ہو۔ ماؤنٹ بیٹن نے ہر حالت میں نہرو کا نقطۂ نظر تسلیم کر لینے پر زور دیا اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ "اگر نہرو نے عبوری حکومت سے استعفیٰ دے دیا تو کابینہ کے تمام کانگرس ارکان بھی استعفیٰ دے دیں گے اور ہم ایک ایسی پیچیدہ صورتحال میں پھنس جائیں گے کہ اس سے نکلنا مشکل ہوجائے گا۔ اس لئے میں کابینہ کی تشکیل نو کے منصوبے پر عمل کروں گا۔ خواہ جناح کی انا کو ٹھیس کیوں نہ پہنچے، اس سے پاکستان کے مفادات کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"[27]

یکم جولائی کو برطانوی کابینہ کے اہم رکن سٹیفورڈ کرپس نے ماؤنٹ بیٹن کے ذریعے نہرو کے نام ایک پیغام ارسال کیا جس میں نہرو کی منت سماجت کی گئی تھی کہ اب جب کہ آزادئ ہند میں چند ہفتے باقی ہیں، تھوڑے عرصے کی عبوری حکومت کی تشکیل نو کا جھگڑا انتقال اقتدار میں تاخیر کا سامان پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا، ہمارے لئے پارلیمنٹ سے بل منظور کرانے میں مشکلات حائل ہوجائیں گی۔ چنانچہ اس نے نہرو سے پرزور ذاتی درخواست کی کہ فی الحال موجودہ عبوری حکومت کو برقرار رہنے دیا جائے۔[28] کرپس کا یہ پیغام نہرو تک پہنچانے کی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ اسی روز برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی نے ایٹلی کی زیرصدارت اجلاس میں جناح کے قانونی مؤقف کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کو ترجیح دینے کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔

لسٹوول نے ماؤنٹ بیٹن کو اس فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ "جناح کا مؤقف قابل ترجیح ہے تاہم آپ اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔ البتہ یہ دھیان رہے کہ یہاں پارلیمنٹ سے بل منظور کرانے کی خاطر یہ تاثر دینا بے حد ضروری ہے کہ تقسیم پر فریقین کی باہمی رضامندی سے عملدرآمد کیا جارہا ہے اور یہ تاثر کسی صورت قائم نہیں ہونا چاہیے کہ مرکزی محکموں بالخصوص دفاع میں شروع ہی سے کانگرس کو غیرضروری مراعات دے کر منصفانہ تقسیم کے عمل کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔"[29] خود ایٹلی نے بھی ماؤنٹ بیٹن کو اسی مضمون کا ایک مراسلہ ارسال کیا اور اس بات پر زور دیا کہ اس موقع پر لیگ اور کانگرس کے مابین نیا

جھگڑا کھڑا ہو جانے کی صورت میں پارلیمنٹ سے مجوزہ بل منظور کرانا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے کرشنا مینن کے ذریعے نہرو کو اور وی۔ پی مینن کے ذریعے پٹیل کو لندن سے موصولہ مراسلوں کی روشنی میں آزادیٔ ہند بل کی منظوری تک اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے پر رضامند کر لیا۔

3 رجولائی کو کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو اطلاع دی کہ موجودہ عبوری حکومت کو برقرار رکھنے پر کانگرس آمادہ ہے بشرطیکہ تمام وزیر اپنے محکموں کی تقرریاں روزانہ شام کو ماؤنٹ بیٹن کے پاس منظوری کے لئے بھیجا کریں گے جب کہ نہرو کے محکمے کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ 4 رجولائی کو وائسرائے ایگزیکٹو کونسل یعنی عبوری کابینہ کے اجلاس میں لیگ اور کانگرس کے مابین اس فارمولے پر اتفاق رائے ہو گیا اور وقتی طور پر یہ بحران آزادیٔ ہند بل کی منظوری تک ٹل گیا۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے کابینہ کے ارکان سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسے فوری طور پر اپنے استعفے پہنچا دیں تاکہ جیسے ہی آزادیٔ ہند بل منظور ہو کر قانون کا درجہ حاصل کرے وہ اس قانون کے تحت کابینہ کی دوبارہ تشکیل عمل میں لے آئے۔

بنگال، سندھ اور بلوچستان کا فیصلہ

تقسیم کے منصوبے میں طے شدہ طریقے کے مطابق مسلم اکثریت کے صوبوں میں رائے شماری ہوئی۔ سب سے پہلے 20 رجون کو صوبہ بنگال کی اسمبلی میں رائے شماری ہوئی۔ پہلے اسمبلی کا مشترکہ اجلاس منعقد ہوا جس میں مسلم لیگ کی جانب سے یہ قرارداد پیش کی گئی کہ متحدہ بنگال کو پاکستان میں شامل کیا جائے۔ اس قرارداد کے حق میں 126 اور مخالفت میں 90 ووٹ آئے۔ گویا مشترکہ اجلاس کا اکثریتی فیصلہ متحدہ بنگال کو پاکستان میں شامل کرنے کے حق میں تھا۔ لیکن مجوزہ طریق کار کے مطابق بنگال کو متحد رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ اس اسمبلی میں صوبے کے مغربی اور مشرقی حصوں سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی کے علیحدہ علیحدہ اجلاسوں میں کیا جانا تھا۔ چنانچہ مغربی بنگال سے تعلق رکھنے والے ارکان کے اجلاس میں کانگرسی ارکان نے یہ قرارداد پیش کی کہ صوبے کو دو حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے اور مغربی حصے کو ہندوستان میں شامل کیا جانا چاہیے۔ اس قرارداد کے حق میں 58 اور مخالفت میں 21 ووٹ آئے۔ ادھر مشرقی بنگال

سے تعلق رکھنے والے ارکان کے اجلاس میں یہ قرارداد پیش کی گئی کہ صوبے کو تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے حق میں 106 اور مخالفت میں 35 ووٹ آئے۔ تاہم ایک اور قرارداد بھی پیش کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ تقسیم کی صورت میں مشرقی بنگال کو بہرحال پاکستان میں شامل کیا جائے گا۔ اس کے حق میں 107 اور مخالفت میں 34 ووٹ ڈالے گئے۔"[30] اس طرح چونکہ مغربی بنگال کے ارکان کا اجلاس صوبے کی تقسیم کے حق میں فیصلہ کر چکا تھا اس لئے تقسیم ہند کے اعلان میں مجوزہ طریقے کے مطابق بنگال کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا۔

اس کے اگلے دن بنگال کے وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی نے ایک بیان میں کہا کہ "آزاد و خود مختار بنگال کی تجویز کو چھرا گھونپ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے اور اب بنگال کو جلد ہی تقسیم کر دیا جائے گا۔ مسلم بنگال کو اس پر کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ ہماری خواہش تو یہ تھی کہ یک رنگی اتحاد ہو کیونکہ اس طرح ہم ایک نہایت ترقی پذیر اور خوشحال قوم کی تشکیل کر سکتے تھے۔ لیکن یہ اتحاد ہمارے مقدر میں نہیں تھا۔ خواہ ہمارے پاکستان کی اور بھی زیادہ کاٹ چھانٹ کر دی جائے۔ خواہ یہ اور بھی زیادہ کرم خوردہ اور خستہ حالت میں رہ جائے ہم پھر بھی اس کا خیر مقدم کریں گے۔ کیونکہ اس طرح مسلم قوم کی روح اور شان و شوکت کا تحفظ ہو گیا ہے جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اب ہم ہندوستان کی اکثریت کے طفیلی نہیں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ہماری سیاسی اہمیت اور معاشی ذرائع دنیا کی اقوام میں ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ مقبولیت کا باعث بنیں گے جو الگ تھلگ رہنے کے عقیدے سے سرشار ہیں، جن کی بین الاقوامیت محض ایک ڈھونگ ہے اور جن کی ایشیائی بالادستی کے ڈھول کا پول کھل چکا ہے۔ اب مسلم قوم کو خوش حالی و عظمت کی طرف پیش قدمی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"[31]

22/جون کو سندھ اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر بدرالدین نے اسمبلی کے اجلاس میں اس مضمون کی قرارداد پیش کی کہ پاکستان کی حکومت کی بنیاد سوشلسٹ اصولوں پر رکھنی چاہیے۔ اس قرارداد پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ محمد ایوب کھوڑو نے اس قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ابھی تک پاکستان کی اسمبلی ہی وجود میں نہیں آئی اس لیے ایسے ادارہ کو کوئی مشورہ دینا بے سود ہوگا جس کا وجود ہی نہیں ہے۔ مزید کچھ بحث کے بعد قرارداد پر فیصلہ ملتوی کر دیا گیا۔"[32] اور پھر 26/جون کو سندھ اسمبلی نے ایک قرارداد میں فیصلہ کیا کہ سندھ پاکستان کی نئی آئین ساز اسمبلی

میں شامل ہوگا۔ 33 ووٹ قرار داد کے حق میں اور 20 ووٹ قرارداد کے خلاف تھے۔ کانگرسی ارکان نے قرار داد کی مخالفت کی، دوقوم پرست مسلمان غیر جانب دار رہے اور تین یورپی ارکان نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔[33] اس طرح سندھ نے واضح اکثریت کے ساتھ پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔

اعلان تقسیم ہند کے مجوزہ طریق کار کے مطابق 29 /جون کو بلوچستان کے شاہی جرگے اور کوئٹہ میونسپلٹی کے مجموعی طور پر 54 ارکان نے متفقہ طور پر پاکستان میں شامل ہونے کے حق میں فیصلہ کیا۔''[34]

6 /جولائی کو آسام کے ضلع سلہٹ میں استصواب ہوا جس میں رائے دہندگان کی اکثریت نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ صادر کیا۔ پاکستان کے حق میں 239619 لوگوں نے اور مخالفت میں 184041 لوگوں نے ووٹ ڈالے۔

پنجاب کی تقسیم اور سکھوں کی طرف سے ڈومینین انڈیا میں زیادہ خودمختاری اور تحفظات کے مطالبے

23 /جون کو پنجاب کی صوبائی اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ متحدہ اجلاس میں اس سوال پر رائے شماری ہوئی کہ اگر پنجاب متحد رہے تو اسے پاکستان کا حصہ بنایا جائے یا ہندوستان کا؟ کل 168 ارکان اسمبلی میں سے 91 نے پاکستان میں شمولیت کے حق میں ووٹ دیا۔ ان میں 88 مسلمان، دو ہندوستانی عیسائی اور ایک اینگلو انڈین تھا۔ مخالفت میں 77 ارکان نے ووٹ دیا جو ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل تھے۔ گویا متحدہ اسمبلی کی سادہ اکثریت کا فیصلہ متحدہ پنجاب کو پاکستان میں شامل کرنے کے حق میں تھا۔ اس کے بعد مشرقی اور مغربی پنجاب کے ارکان کے الگ الگ اجلاس منعقد ہوئے۔ مشرقی پنجاب کے 72 ارکان کے اجلاس میں مسلم لیگ کے نواب افتخار حسین ممدوٹ نے صوبے کو متحد رکھنے کی قرارداد پیش کی لیکن اسے 22 ووٹ کے مقابلے میں 50 ووٹ کی اکثریت نے رد کر دیا۔ جب کہ مغربی پنجاب کے ارکان کے اجلاس میں صوبے کو متحد رکھنے کی قرار داد 27 کے مقابلے میں 69 کے ووٹ سے منظور کر لی گئی۔[35] ادھر مشرقی پنجاب کے ارکان نے تقسیم کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا کہ مشرقی پنجاب کو ہندوستان میں

شامل کیا جائے۔ اس طرح یہاں بھی بنگال کی طرح مسلمانوں نے صوبے کو متحد رکھنے اور غیر مسلمانوں نے صوبے کی تقسیم اور غیر مسلم حصے کو ہندوستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔

سکھوں نے پنجاب کی تقسیم اور ہندوستان کے ساتھ شمولیت کا فیصلہ کر کے کانگرس کو مسلم لیگ کے خلاف جو عظیم حمایت دی تھی، اس کا محرک حالیہ پرتشدد سکھ۔مسلم فسادات کے علاوہ وہ عظیم توقعات بھی تھیں جن کے لئے کانگرسی رہنماؤں نے گول مول انداز میں وعدے کئے تھے۔ تاریخ میں جہاں سکھ مسلم تضاد کارفرما رہا تھا وہاں سکھ۔ ہندو تضاد بھی موجود رہا تھا۔ انہیں ہندوؤں کے بارے میں بھی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ انہوں نے صوبے کی تقسیم کی حمایت تو کر دی تھی لیکن اس کے مضمرات پر ان میں مایوسی کی لہر بھی پائی جاتی تھی۔

14/جون کے روزنامچے میں ماؤنٹ بیٹن کا پریس اتاشی کیمبل جانسن لکھتا ہے کہ ''پنجاب میں سکھوں کی بے چینی میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ سکھ عوام الناس پر اعلان 3/جون کے مضمرات اب اچھی طرح واضح ہونا شروع ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک تقسیم ہند کا مطلب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سکھ قوم کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کی بوالہوسی اور ہندوؤں کی موقع پرستی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے...... تقسیم کے نتیجے میں وہ ایک پھندے میں پھنس گئے ہیں۔ باؤنڈری کمیشن کے ہاتھ کی صفائی بھی انہیں تقسیم ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ اس طور سے ان کا ردعمل ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے رہنما جو سیاسی کشمکش میں مات کھا گئے ہیں، اب قرون وسطیٰ کے حربے اختیار کر رہے ہیں۔''[36]

سکھوں کی اس قسم کی کیفیت کا اندازہ پنجاب کے چیف سیکرٹری کی ایک رپورٹ سے بھی لگایا جاسکتا ہے جس میں اس نے لکھا کہ ''تقسیم کا مجوزہ منصوبہ سکھوں کی قوت کو دو حصوں میں منقسم کر دے گا اور وہ دونوں علاقوں میں اقلیت بن کر رہ جائیں گے...... چنانچہ انہوں نے اپنے مطالبوں پر دوبارہ سے اصرار کرنا شروع کر دیا ہے اور وہ اپنی قوتوں کو منظم کر رہے ہیں...... سکھوں کو باؤنڈری کمیشن اور کانگرس سے امیدیں تو ہیں لیکن حال ہی میں شرومنی اکالی دل کے جاری کردہ سرکلر سے پتہ چلتا ہے کہ پنتھ کے اپنی قوت پر انحصار میں نہ تو کوئی کمی آئی ہے اور نہ ہی وہ اس سے دستبردار ہوئے ہیں۔ اس سرکلر میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کا مطلب سکھ پنتھ کی مکمل موت ہے اور یہ کہ سکھ چناب اور جمنا کو حدود مان کر اس کے درمیانی علاقے پر اپنی

آزاد ریاست قائم کرنے کے لئے ڈٹ گئے ہیں۔ اس میں تمام سکھوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ اکالی دل کے پرچم تلے اپنے نصب العین کے حصول کی جنگ لڑیں۔''[37] لیکن سکھ اس کا اصل موقع کھو چکے تھے۔ آزاد سکھ وطن کے قیام کا مطالبہ سکھ عوام الناس کی امنگوں کے عین مطابق تھا اور جنگ عظیم دوم کے خاتمے پر سکھ کیمونسٹوں نے ''سکھ وطن'' کا خاکہ تیار کیا تھا اور اس کی تجویز جی۔ ادھیکاری نے پیش کی تھی۔ لیکن بلدیو سنگھ، ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی کرتار سنگھ جیسے عاقبت نااندیش رہنماؤں نے بقول خشونت سنگھ، سکھ وطن'' کا کیس پیش کرنے کے بجائے اپنا سارا زور پاکستان کی مخالفت میں لگا دیا اور کانگرس کے طفیلی بن کر رہ گئے اور یوں، ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

جب سکھ رہنما اپنا سارا وزن کانگرس کے پلڑے میں ڈال چکے تو سکھ عوام کا سوال تھا کہ سکھوں کو کیا ملے گا؟ چنانچہ سکھ رہنماؤں نے کانگرس کی قیادت سے رعایتیں اور تحفظات کے حصول کی کوششیں شروع کر دیں۔ 13 رجون کو شرومنی اکالی دل کے سربراہ گیانی کرتار سنگھ نے ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا جس میں مندرجہ ذیل مطالبات کئے گئے کہ ان کے لئے کانگرس سے سفارش کی جائے۔

1۔ جس طرح موجودہ آئین (ایکٹ 1935) میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں سکھوں کے لئے علیحدہ نشستیں مخصوص ہیں اور ویٹیج دیا گیا ہے، آپ کانگرس پر اپنا خصوصی اثر و رسوخ استعمال کر کے نئے آئین میں مشرقی پنجاب میں سکھوں کے لئے مناسب ویٹیج دلوائیں۔

2۔ جس طرح وزارتی مشن منصوبہ میں کہا گیا تھا کہ مرکزی اسمبلی میں درپیش بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ پر دونوں بڑے فرقوں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ رائے شماری کرائی جائے گی، اب یہی رعایت مرکزی اسمبلی میں سکھوں کو دے دی جائے۔

3۔ مشرقی پنجاب کے علاوہ دوسرے صوبوں کی اسمبلیوں میں بھی سکھوں کو نمائندگی دی جائے۔ مثال کے طور پر یو۔ پی میں سکھوں کی آبادی ہندوستانی عیسائیوں سے دوگنی ہے لیکن صوبے کی اسمبلی میں ہندوستانی عیسائیوں کو نمائندگی حاصل ہے جب کہ سکھوں کو حاصل نہیں ہے۔

4- ویٹیج کی بنیاد پر مرکزی اسمبلی میں بھی سکھوں کی تعداد بڑھائی جائے۔''[38]

اس خط کے جواب میں ماؤنٹ بیٹن نے 30 رجون کو گیانی کرتار سنگھ اور بلدیو سنگھ کے ساتھ ملاقات کی۔ دونوں رہنماؤں نے متذکرہ مطالبات کا اعادہ کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ 15 راگست کے بعد میرے اختیارات ختم ہو جائیں گے۔ اگر میں گورنر جنرل رہا بھی تو میری حیثیت محض آئینی ہو گی۔ تاہم میں آپ کا نقطۂ نظر ذہن میں رکھوں گا اور دونوں بڑی پارٹیوں پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کروں گا۔ بلدیو سنگھ نے کہا کہ دونوں بڑی پارٹیوں میں سے ایک بھی ہمیں تحفظات یا ویٹیج نہیں دے گی۔ کرتار سنگھ نے درخواست کی کہ اس سلسلے میں کوئی اقدام کرنے کا وقت تو اب ہے جب آپ بااختیار ہیں۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے ایک بار پھر ٹالتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ اس وقت ہندوستان میں عالمی ذرائع ابلاغ کے بے شمار نمائندے آئے ہوئے ہیں، اگر آپ ان کو مناسب طور پر استعمال میں لاسکیں تو آپ کو تحفظات مل سکتے ہیں۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد دونوں سکھ رہنماؤں نے مشرقی پنجاب کو اسمبلی میں ویٹیج دیئے جانے کے بجائے ایک متبادل منصوبہ پیش کیا اور اسے ویٹیج کے مقابلے میں زیادہ ترجیح دی۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پنجاب کے ہندی بولنے والے علاقوں کو الگ کر کے فقط پنجابی بولنے والوں کے علاقے پر مشتمل صوبہ تشکیل دے دیا جائے۔ انہوں نے مزید مطالبہ یہ کیا کہ باؤنڈری کمیشن سے کہا جائے کہ حد بندی کرتے وقت ان کا خاص خیال رکھے۔ نیز یہ کہ تبادلۂ آبادی کا کام منظم طریقے سے انجام دیا جائے۔ گیانی کرتار سنگھ نے ایک تحریری یادداشت بھی پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ باؤنڈری اس انداز سے کھینچی جائے کہ سکھوں کی 80 فیصد آبادی مشرقی پنجاب میں آجائے۔ اس کے لئے ننکانہ صاحب اور ملحقہ لائل پور، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے اضلاع کی ہندو۔ سکھ اکثریتی پٹی بھی مشرقی پنجاب میں شامل کی جائے اس کی رائے تھی کہ دس لاکھ کے قریب سکھوں کو مغربی سے مشرقی پنجاب اور تقریباً اتنے ہی مسلمانوں کو مشرقی سے مغربی پنجاب باقاعدہ منظم طور پر منتقل کر دیا جائے، ہندی بولنے والے علاقے علیحدہ کر کے پنجابی بولنے والے علاقوں کا علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے، اور مندرجہ ذیل تحفظات مہیا کر دیئے جائیں تو سکھ مسئلہ بالکل ختم ہو جائے گا۔

1۔ وفاق ہندوستان میں

(ا) وفاقی کابینہ میں کم از کم ایک سکھ وزیر ہوگا۔

(ب) وفاقی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں کم از کم 6 فیصد نمائندگی سکھوں کو دی جائے گی۔

(ج) مسلح افواج میں افسروں اور نچلے درجوں میں سکھوں کے موجودہ تناسب کو برقرار رکھا جائے گا۔

(د) سکھوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے آئین میں شق رکھی جائے گی۔

2۔ مشرقی پنجاب اور دوسرے صوبوں میں

(ا) مشرقی پنجاب اسمبلی کی ایک تہائی نشستیں سکھوں کو دی جائیں گی۔

(ب) مشرقی پنجاب کے گورنر یا وزیر اعلیٰ میں سے کم از کم ایک سکھ ضرور ہوگا۔

(ج) دہلی، یو۔پی اور مغربی بنگال کی اسمبلیوں میں سکھوں کو نمائندگی دی جائے گی۔

متذکرہ ملاقات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی سوائے اس کے کہ آخر میں ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ فوج میں سکھوں کو جو اہم حیثیت حاصل ہے اس کی بدولت وہ نئی یونین آف انڈیا میں سودے بازی کی مضبوط حیثیت کے حامل ہوں گے اور اپنی باتیں منوا سکیں گے۔"[39]

4 جولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کو ایک خط لکھا جس میں اسے سکھ رہنماؤں کی جانب سے اٹھائے گئے متذکرہ مطالبات سے آگاہ کیا۔ اس کے جواب میں 7 جولائی کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا جس میں اس نے سکھوں کے ویٹیج کے مطالبے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "ہمارے تقریباً تمام مسائل جداگانہ انتخابات اور ویٹیج کے نظام کی وجہ سے ہی پیدا ہوئے ہیں جو شروع میں مسلمانوں کے لئے شروع کئے گئے تھے۔ یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس سے اس اقلیت کو کوئی فائدہ نہیں ہوا سوائے اس کے کہ اس کی بدولت علیحدگی پسند رجحانات کو ہوا ملی۔ ایک یا دو سیٹ کے اضافے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن بنیادی طور پر ایک غلط اصول کو تسلیم کرنے کی روایت پڑتی ہے۔ ایک مرتبہ یہ اصول مان لیا جائے تو اس کے بڑے دور رس نتائج نکلتے ہیں اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے......" اس خط پر ماؤنٹ بیٹن نے یہ نوٹ لکھا کہ "میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔"[40] گویا ماؤنٹ بیٹن بھی نہرو کی طرح برصغیر میں علیحدگی پسندی کے رجحانات کے خلاف تھا اور ایسا کوئی اقدام کرنا نہیں چاہتا تھا کہ جس سے ان

رجحانات کو ہوا مل سکتی تھی۔

بعد کی تاریخ شاہد ہے کہ نہرو کا یہ نظریہ باطل ثابت ہوا۔ ویٹیج اور جداگانہ انتخاب کا اصول نہ ماننے کے باوجود سکھوں میں علیحدگی پسندی کے رجحانات کو فروغ حاصل ہوا اور سکھوں اور ہندوؤں کے درمیان بدگمانی کی ایسی خلیج حائل ہوئی جس کے پر ہونے کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ تاہم اگر یہ اصول مان لیا جاتا اور سکھ رہنما انڈین یونین کے دائرے میں رہتے ہوئے جو بے ضرر قسم کی رعایتیں مانگ رہے تھے، انہیں دے دی جاتیں تو غالب امکان ہے کہ حالات اتنے خراب نہ ہوتے جتنے بعد میں ہوئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے نہرو کے ساتھ ''مکمل طور پر اتفاق'' کر کے ہندو بورژوا کی خوشنودی حاصل کی اور برصغیر میں اپنے سامراجی مفادات کے تحفظ کا سامان کیا لیکن سکھوں کے ساتھ دھوکہ کیا جنہوں نے گزشتہ ایک سو سال کے دوران نہ جانے کتنے محاذوں پر برطانوی سامراجی مفادات کے دفاع کے لئے لڑائیوں میں خدمات انجام دی تھیں......اب برطانوی سامراج کو ان کی خاص ضرورت نہیں تھی۔

اس دوران مسلمانوں اور سکھوں کے مابین سیاسی تصفیے کی بھی بعض کوششیں ہوئیں لیکن کامیاب نہ ہوسکیں۔ اس قسم کی ایک کوشش جون کے اواخر میں فیروز خان نون کی جانب سے ہوئی۔ ''اس نے سکھ رہنماؤں کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم کیا اور انہیں دعوت دی کہ اگر وہ پاکستان میں شامل ہوجائیں تو انہیں خصوصی مراعات دی جائیں گی۔ لیکن سکھوں نے یہ دعوت سختی کے ساتھ رد کر دی۔'' پینڈرل مون ☆ نے ایک خط کے ذریعے اس کے بارے میں لارڈ اسمے کو آگاہ کیا۔ وہ سکھوں کی جانب سے فیروز خان نون کی دعوت کو رد کرنے کا سبب راولپنڈی ڈویژن میں مسلمانوں کے ہاتھوں سکھوں کے قتل عام پر سکھوں میں پائی جانے والی بے چینی کو قرار دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کے بقول ''ان کا ذہنی توازن وقتی طور بالکل الٹ گیا تھا۔'' تاہم وہ لکھتا ہے کہ ''سکھوں کا خاصا بااثر حصہ جس میں ماسٹر تارا سنگھ اور گیانی کرتار

☆ پینڈرل مون انگریز سول سروس سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی بیشتر سروس پنجاب کی انتظامیہ میں گزری تھی جس میں امرتسر کا ڈپٹی کمشنر بھی رہا تھا۔ 1947ء میں وہ ریاست بہاولپور میں تعینات تھا لیکن پنجاب کے معاملات میں وہ وائسرائے کے سٹاف کی مشاورت اور معاونت کر رہا تھا۔ سکھوں اور مسلمانوں کے مابین تصفیے کے لئے اس نے خاصی کوشش کی تھی۔

سنگھ بھی شامل ہیں، دل ہی دل میں یہ احساس بھی رکھتا ہے کہ اگر پنجاب کو خونریزی سے بچانا ہے تو انہیں مسلمانوں کے ساتھ تصفیہ کر لینا چاہیے۔ اگرچہ فوری نتائج کی تو کوئی توقع نہیں کی جا سکتی لیکن یہ امید ضرور ہے کہ اگر صبر وتحمل کے ساتھ کام لیا جائے تو سکھوں کو اس بات پر راضی کیا جا سکتا ہے کہ مشرقی پنجاب، جو بہرصورت وجود میں آ رہا ہے، پاکستان میں شامل ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس خانہ جنگی کا خطرہ ٹل جاتا ہے جو لاہور ڈویژن کے بیچوں بیچ دوملکوں کی قومی سرحد کے گزرنے کے نتیجے میں ناگزیر طور پر پھوٹ پڑے گی۔'' اس نے مزید لکھا کہ ''بعض سکھ بلدیو سنگھ اور تارا سنگھ کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھے ہوئے ہیں اور اپنے طور پر ذاتی سطح پر پاکستان میں سکھوں کی شمولیت کی شرائط تیار کر رہے ہیں۔ اگر یہ شرائط کسی مذاکرات کی ممکنہ بنیاد بن سکیں جو میرا خیال ہے کہ بنیں گی تو وہ بعض مسلم لیگی رہنماؤں کے ساتھ غیر رسمی لحاظ سے ملاقات کریں گے۔'' اس کی رائے تھی کہ ''معاملہ بہت حد تک سلجھ سکتا ہے اگر مشرقی پنجاب میں سے گوڑ گاؤں، حصار، روہتک اور کرنال کو علیحدہ کر دیا جائے اور زیادہ سے زیادہ سکھ خدوخال کا حامل صوبہ مشرقی پنجاب تشکیل دے دیا جائے۔ سکھ پہلے ہی کانگرس سے یہ مطالبہ کر چکے ہیں مگر کانگرس اسے منظور کرنے میں پس وپیش سے کام لے رہی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ سکھوں کے اس مطالبے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اسے منظور کیا جائے...... اگر سکھوں کو ہندوؤں کے شکنجے سے نکال لیا جائے...... جیسا کہ وہ خود نکلنا چاہتے ہیں...... اور انہیں کم وبیش آزادی حیثیت دے دی جائے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ بالآخر وہ اپنا فطری اتحاد بقیہ پنجاب اور پاکستان کے ساتھ قائم کریں گے۔'' اس نے رائے دی کہ ''اگلا اقدام یہ ہونا چاہیے کہ سکھوں کے مشرقی پنجاب کو ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شمولیت اختیار کرنے کا چوائس دے دیا جائے...... عین ممکن ہے سکھ خود یہ مطالبہ نہ اٹھادیں اور اگر اس سلسلے میں وہ حکومت برطانیہ سے اعلان جاری کرنے کی درخواست کریں تو غالباً مناسب یہی ہوگا کہ ان کی درخواست منظور کر لی جائے۔'' اور اپنے خط کے آخر میں اس نے ایک بار پھر زور دے کر کہا کہ ''......اگر سکھ۔ مسلم معاہدہ نہ ہو سکا تو شمالی ہند میں گڑبڑ ہوگی۔''[41]

اسے نے پینڈرل مون کے اس خط کا جواب بلدیو سنگھ اور کرتار سنگھ کی 30/جون کو ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ہونے والی متذکرہ ملاقات کے بعد 3/جولائی کو ارسال کیا۔ اس نے اس

ملاقات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''بلدیو سنگھ نے کہا ہے کہ دونوں بڑی پارٹیوں کی جانب سے سکھوں کو کسی قسم کی رعایت دیئے جانے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مجھے بھی اس کی کوئی امید نہیں ہے کہ سکھوں کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی تصفیہ ہوسکتا ہے۔ ویسے بھی متذکرہ ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے تمام تر مراعات یونین آف انڈیا سے حاصل کرنے کی بات کی ہے نہ کہ پاکستان سے...... جہاں تک ہندی بولنے والے علاقوں کو مشرقی پنجاب سے علیحدہ کرنے اور یوں بے چارے پنجاب کو دو کے بجائے تین ٹکڑوں میں بانٹ دینے کا سوال ہے تو یہ معاملہ بھی اس ملاقات میں وائسرائے کے سامنے رکھا گیا تھا مگر پھر دونوں رہنماؤں نے یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ وائسرائے کے لئے ابھی یہ مطالبہ ماننا ممکن نہیں ہے۔''[42]

متذکرہ ملاقات کا جو تفصیلی حوالہ سرکاری ریکارڈ سے اوپر دیا جاچکا ہے، اگر اس کا موازنہ اسمے کے اس خط کے ساتھ کیا جائے تو صاف پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے کس قدر جھوٹ اور فریب سے کام لیا ہے۔ پینڈرل مون ایک جونیئر سول افسر کی حیثیت سے پنجاب میں طویل عرصہ کا تجربہ رکھنے کی بنیاد پر صاف دیکھ رہا تھا کہ پنجاب خونریزی اور خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھنے والا ہے اور ان حالات میں سکھ۔ مسلم تصفیہ کس قدر ضروری ہے، ماؤنٹ بیٹن کے سینئر معاون نے اس کی تجاویز کو یک قلم رد کر دیا۔ خود ماؤنٹ بیٹن نے متذکرہ ملاقات میں دونوں سکھ رہنماؤں کے ساتھ جس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا تھا، اس کو اسمے کے اس خط کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے معاونین نے ہندو بورژوا سے وابستہ اپنے مخصوص سامراجی مفادات کو ترجیح دی اور ''بے چارے پنجاب'' کے معاملے میں سنگدلی کی حد تک بے حسی کا مظاہرہ کیا۔ سکھوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ مسلمانوں اور سکھوں نے ایک دوسرے کا بے دریغ قتل عام کیا۔ سکھ آگ اور خون کے دریا سے گزر کر مشرقی پنجاب میں مجتمع ہوگئے اور پھر ہندو بورژوا کے شکنجے سے آزادی کے حصول کی ایک طویل صبر آزما اور خون آشام جدوجہد میں الجھ کر رہ گئے۔

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم اور آزاد پختونستان کا نعرہ

ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے انتقال اقتدار کا پہلا منصوبہ جو 10 رمئی کو برطانوی حکومت

نے منظور کر کے بھیجا تھا، اس میں ہر صوبے کو تین چوائس دیئے گئے تھے۔ یہ کہ وہ ہندوستان میں شامل ہو یا پاکستان میں شامل ہو یا خود ایک آزاد ریاست بن جائے۔ اس پر کانگرس نے شدید ردعمل ظاہر کیا اور نہرو نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اس سے ہندوستان بلقان کی ریاستوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور یہاں بہت سارے السٹر (شمالی آئرلینڈ) پیدا ہو جائیں گے۔ کانگرس کا مطالبہ تھا کہ صوبوں کو آزاد ریاست بن جانے کا جو تیسرا چوائس دیا گیا تھا اسے ختم کر دیا جائے۔ اس کی بڑی وجہ دراصل یہ تھی کہ متحدہ بنگال کے قریباً تمام رہنما اسے ایک علیحدہ آزاد ریاست بنا کر رکھنے پر متفق ہو چکے تھے۔ جناح کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں سہروردی کو پورا اختیار دے دیا تھا۔ لیکن کانگرس ہائی کمان اس رائے سے متفق نہیں تھی۔ کانگرس کے شدید ردعمل کی وجہ سے یہ منصوبہ ترمیم کے لئے واپس لندن بھیجا گیا اور خود ماؤنٹ بیٹن کو لندن جا کر برطانوی کابینہ کو اس ترمیم پر قائل کرنا پڑا اور جاری ہونے والے 3 رجون کو اعلان میں صوبوں کے لئے آزاد رہنے کا تیسرا چوائس ختم کر دیا گیا۔

جب پہلا منصوبہ منظوری کے لئے لندن بھیجا گیا تو صوبہ سرحد میں خونریز فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے تھے اور ماؤنٹ بیٹن وہاں کا دورہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس صوبے کے مستقبل کا فیصلہ عوامی رائے عامہ کا از سر نو تعین کرنے کے بعد کیا جائے تب ہی یہاں امن قائم ہو سکتا ہے، جس کے لئے نئے عام انتخابات کرائے جائیں گے یا ریفرنڈم کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ عام انتخابات کا مطالبہ منوانے کے لئے صوبائی مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک چلائی ہوئی تھی۔ عام انتخابات کے لئے ضروری تھا کہ صوبائی اسمبلی جس میں کانگرس کی سادہ اکثریت تھی اور جس کے بل بوتے پر وہاں ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت قائم تھی، کو توڑ کر وہاں گورنر راج نافذ کر دیا جاتا۔ لیکن یہ بات کانگرس کو منظور نہیں تھی۔ تاہم اسمبلی اور وزارت کو چھیڑے بغیر فقط ریفرنڈم کرانے پر کانگرس کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ چنانچہ ریفرنڈم کا راستہ اختیار کیا گیا اور 10 رمئی کے منصوبے میں سرحد میں ریفرنڈم کی تجویز شامل کر دی گئی جب کہ شروع میں جب یہ منصوبہ تیار کر کے لندن بھیجا جا رہا تھا، تو اس میں سرحد کے لئے عام انتخابات ہی تجویز کئے گئے تھے۔

پچھلے چند ماہ میں جب یہ واضح ہو گیا کہ وزارتی مشن منصوبہ مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے

اور برصغیر کی تقسیم ہونے جا رہی ہے تو صوبہ سرحد میں جہاں آبادی کی بھاری اکثریت مسلمان تھی، یہ عمومی رجحان پایا جاتا تھا کہ تقسیم کی صورت میں ہندوستان میں شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فرقہ وارانہ فسادات نے ہندو مسلم تضاد کو مزید شدید کر دیا تھا اور متذکرہ رجحان کو تقویت ملی تھی۔ اس لہر کا اثر تھا کہ صوبائی کانگرس کے رہنما خان برادران کے لئے بھی اب ہندوستان میں شمولیت کا نعرہ لگانا لائق تحسین امر نہیں رہا تھا۔ ان حالات میں انہوں نے پاکستان سکیم کو سبوتاژ کرنے کی خاطر ایک دوسرا نعرہ بلند کرنا شروع کیا جو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے پختون نیشنلزم کو ہوا دے کر آزاد پختونستان کے قیام کا نعرہ بلند کر دیا اور مطالبہ کیا کہ ریفرنڈم میں اسے تیسرے چوائس کے طور پر شامل کیا جائے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے جب کبھی پختون یا پٹھان نیشنلزم کی بات ہوتی تھی تو یہ حضرات انڈین نیشنلزم کے نام پر اسے رد کر دیا کرتے تھے۔

آزاد پختونستان کا تصور شروع میں انگریز گورنر اولف کیرو نے دیا

سرحد کا گورنر اولف کیرو انڈین سول سروس کے ان انگریز بابوؤں میں سے تھا جو کسی ایک علاقے کے مطالعے پر متعین کئے جاتے تھے، وہ اس علاقے کی تاریخ، ثقافت، معیشت اور سیاست کا گہرا مطالعہ کرتے، لوگوں میں گھل مل کر ان کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور ان سے معاملہ بندی کے اصول دریافت کرتے تھے۔ پھر اس ساری تحقیق کو مربوط کر کے ایک رپورٹ یا کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جاتا تھا۔ اس تمام مشق کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ سامراج کے مختلف پالیسی ساز ادارے اس علاقے میں سامراجی مفادات کے تحفظ اور استحکام کی خاطر مناسب منصوبہ بندی کر سکیں اور جو انگریز سول یا فوجی افسر اس علاقے میں تعینات ہو کر آئیں وہ اس رپورٹ یا کتاب کا مطالعہ کر کے اس علاقے کی اونچ نیچ سے واقف ہو سکیں۔ اولف کیرو کی زیادہ تر ملازمت محکمہ خارجہ میں گزری اور شمال مغربی سرحد اس کے مطالعے اور فرائض کا خاص موضوع رہی۔ اس نے پٹھانوں کے بارے میں خصوصی مطالعہ و مشاہدہ کیا اور ایک کتاب ''دی پٹھانز''(The Pathans) لکھی۔

اس نے چند ماہ پیشتر خان برادران کو تجویز دی تھی کہ آپ پٹھان نیشنلزم کی بنیاد پر

اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں لیکن اس وقت انہوں نے انڈین نیشنلزم کے علمبردار کی حیثیت سے اسے رد کر دیا تھا۔ مگر جب 10 رمئی کو برطانوی حکومت نے انتقال اقتدار کا پہلا منصوبہ منظور کر کے بھیجا اور اس میں صوبہ سرحد کے لئے ریفرنڈم بھی منظور کر دیا تو خان برادران کی جانب سے یکا یک پٹھان وطنیت کی مہم کا آغاز کر دیا گیا۔

22 رمئی کو اولف کیرو نے قائم مقام وائسرائے کولول کے نام اپنے خط میں اس بارے میں لکھا کہ ''سیاست کے میدان میں ایک دلچسپ مقامی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ وہ یہ کہ میری وزارت (یعنی ڈاکٹر خان صاحب وزارت) اور خان عبدالغفار خاں نے اس نظریے کا پرچار شروع کر دیا ہے جس کو اختیار کرنے کے لئے چند ماہ پیشتر میں نے ہی انہیں مشورہ دیا تھا۔ یہ نظریہ تھا کہ ایک پٹھان قومی صوبہ تشکیل دیا جائے جس میں ممکن ہو تو مخلوط حکومت قائم کی جائے۔ پھر جس طرح اس صوبے کو اپنا فائدہ محسوس ہو اس کے مطابق یہ خود دوسرے کے ساتھ معاہدے کر سکتا ہے۔ جب میں نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا تو تب وہ یہ سن کر ہی سیخ پا ہو گئے تھے۔ اس نظریے میں بڑا وزن ہے۔ یہ نعرہ زیادہ تعمیری ہے بہ نسبت اس نعرے کے کہ ''اسلام خطرے میں ہے۔'' خان برادران کے رویے میں تبدیلی غالباً کافی دیر بعد آئی ہے۔ میری رائے میں یہ بات طاقت کی علامت ہے نہ کہ کمزوری کی کہ پٹھانستان مالی طور پر یا دوسرے معاملوں میں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ اصل کمزوری یہ ہے کہ پٹھان اب تک آپس میں اس قدر منقسم رہے ہیں کہ وہ اپنی کوئی مستحکم ریاست قائم نہیں کر سکے۔ جہاں کہیں بھی انہوں نے حکومت کی ہے وہاں انہوں نے ایک اجنبی آبادی پر فاتح کی حیثیت سے حکومت کی ہے۔ وہ خود اپنی پوری تاریخ کے دوران باہمی جھگڑوں اور انتشار کا شکار رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم یہاں آئے اور ہم نے انہیں متحد کیا۔ (افغانستان ہرگز ایک حقیقی پٹھان ریاست نہیں ہے۔)''[43] گویا اولف کیرو ڈیورنڈ لائن کے دونوں پار آباد پٹھان قومیت کی ایک علیحدہ ریاست بنانے کا خواہاں تھا اور پٹھانستان کے قومیتی نعرے کو ''اسلام خطرے میں'' کے نعرے کی نسبت زیادہ تعمیری قرار دیتا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن نے 3 رجون کو جاری ہونے والے اعلان کی نقلیں 2 رجون کو کانگرس اور لیگ کے رہنماؤں کو مہیا کر دی تھیں تا کہ وہ اس کے اجراء سے پہلے ہی اس پر اپنے ردعمل سے

آ گاہ کر دیں۔ چنانچہ اس روز کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اس پر غور کیا گیا اور رات کو کانگرس کے صدر کی حیثیت سے اچاریہ کرپلانی کی جانب سے ماؤنٹ بیٹن کو ایک خط بھیجا گیا جس میں مجوزہ منصوبے کی منظوری تو دے دی گئی لیکن ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ ''صوبہ سرحد میں یہ مطالبہ بڑھتا جا رہا ہے کہ پہلے صوبے کو آزاد کر دیا جائے۔ بعد میں وہ بقیہ ہند کے ساتھ شمولیت کے بارے میں فیصلہ کرے۔ اس لئے ریفرنڈم میں اس کے لئے بھی شق شامل کی جائے۔'' لیکن ماؤنٹ بیٹن جو برصغیر کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے سخت خلاف تھا، وہ اور نہرو دونوں اس بارے میں متفق ہو گئے تھے کہ 30 لاکھ آبادی کا یہ صوبہ علیحدہ ریاست کے طور پر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکے گا، اسے لامحالہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ شامل ہونا ہو گا، چنانچہ اگر بعد میں یہی ہونا ہے تو کیوں نہ اب ہی اس سوال کا فیصلہ ہو جائے کہ اسے کس کے ساتھ شامل ہونا ہے؟۔ اس بارے میں 5 رجون کو ڈاکٹر خان صاحب کے ساتھ ملاقات کے دوران ماؤنٹ بیٹن نے اسے اپنے اور نہرو کے خیالات سے آگاہ کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے یہ بھی بتایا کہ پہلے مجوزہ منصوبے میں صوبوں کو الگ سے آزادی کی راہ اختیار کرنے کا تیسرا چوائس دیا گیا تھا، جسے کانگرس ہائی کمان کے پرزور اصرار پر ختم کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اب یہ چوائس فقط سرحد کو نہیں دیا جا سکتا۔ بقول ماؤنٹ بیٹن ''یہ بات کچھ ڈاکٹر خان کی سمجھ میں آئی لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ صوبہ سرحد کبھی بھی پاکستان میں شامل نہیں ہو گا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے اسے کہا کہ ''آپ ہندوستان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ آپ اس بات کو خاطر میں نہ لائیں کہ صوبہ سرحد اور ہندوستان کے درمیان پاکستان کا صوبہ مغربی پنجاب حائل ہو گا۔ آخر اسی طرح کی صورت حال مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان بھی تو ہو گی۔''[44]

کانگرس کے مطالبے پر گورنر سرحد کی تبدیلی

کانگرس کی جانب سے گورنر سرحد اولف کیرو پر مسلم لیگ نوازی کا الزام لگایا جاتا تھا اور اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اعلان 3 رجون میں سرحد میں ریفرنڈم کے اعلان کے بعد یہ مطالبہ شدت اختیار کر گیا اور 4 رجون کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ اولف کیرو کو فوری طور پر ہٹا دیا جائے۔ 6 رجون کو ماؤنٹ بیٹن نے اولف کیرو کو ایک خط لکھا جس میں کانگرس کی جانب

سے اسے برطرف کرنے کے مطالبے کی شدت سے آگاہ کیا اور کہا کہ مناسب یہی ہے کہ وہ عارضی طور پر اپنے منصب سے علیحدگی اختیار کر لے۔ اس کے لئے اس نے یہ طریقہ تجویز کیا کہ وہ آرام کے لئے طویل رخصت پر چلا جائے اور کم از کم 15 راگست تک رخصت پر رہے۔ اس نے لکھا کہ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ "کانگرس کے ساتھ معاملات میں میرے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے۔ اگر ریفرنڈم کے دوران تم گورنر ہوئے اور کانگرس ہار گئی تو وہ یہ الزام عائد کرنے سے باز نہیں رہے گی کہ تم نے لیگ کے جیتنے میں اس نظریے سے اس کو مدد دی ہے کہ لیگ کے مشورے پر تمہیں بدستور گورنر کے طور پر برقرار رکھا جائے گا۔"45

یاد رہے کہ آزادی کے بعد بعض انگریز گورنروں کی خدمات کانگرس اور لیگ دونوں نے اپنے اپنے ملکوں کے لئے حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ ان میں لیگ نے کننگھم اور موڈی کو مانگا تھا، اولف کیرو ان میں شامل نہیں تھا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس کے جس متوقع الزام کا ذکر کیا اس کی کوئی بنیاد موجود نہیں تھی۔ تاہم جب مسلم لیگ کو معلوم ہوا کہ محض کانگرس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اولف کیرو کو جبری رخصت پر بھیجا جا رہا ہے تو 11 رجون کو لیاقت نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا کہ "اگر کانگرس کا یہ مطالبہ مانا جا رہا ہے تو پھر مسلم لیگ کے مطالبے پر صوبہ سرحد کی کانگرس وزارت کو بھی برطرف کیا جائے کیونکہ اس کے وزیر ریفرنڈم پر اثر انداز ہونے کے لئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کریں گے۔" لیکن مسلم لیگ کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ 17 رجون کو اولف کیرو کی طویل رخصت کی درخواست منظور کر لی گئی اور اسے سبکدوش کر دیا گیا۔ 26 رجون کو اس کی جگہ لیفٹیننٹ جنرل لوک ہارٹ نے نئے گورنر سرحد کا عہدہ سنبھال لیا۔ یاد رہے کہ اسی لیفٹیننٹ جنرل لوک ہارٹ کو کانگرس نے آزاد ہندوستان کی مسلح افواج کا پہلا کمانڈر انچیف مقرر کیا۔

افغانستان کی جانب سے پختونستان کی حمایت، نہرو کی جانب سے بظاہر حمایت مگر در پردہ مخالفت

3 رجون کے اعلان کے بعد افغانستان کے ذرائع ابلاغ میں آزاد پٹھانستان کے حق میں پراپیگنڈہ کیا جا رہا تھا۔ 9 رجون کو کابل ریڈیو کی نشریات میں کہا گیا کہ ڈیورنڈ لائن اور

دریائے سندھ کے درمیان بسنے والوں کو ہندوستان کے دوسرے عناصر کی طرح آزادی کے حصول میں اپنے لئے مخصوص راہ کا انتخاب کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اس روز کے اخبار ''انیس'' میں اس معاملے کو اقوام متحدہ میں لے جانے کا مطالبہ کیا گیا۔ 11 رجون کو افغان وزیر خارجہ علی محمد نے کابل میں متعین برطانوی سفیر کے ساتھ ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد کے عوام کو پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ انہیں آزاد پٹھانستان بنانے کا چوائس بھی دیا جائے۔ برطانوی سفیر نے جواب دیا ''صوبہ سرحد دونوں میں سے جس آئین ساز اسمبلی میں بھی شامل ہوگا، وہ اس اسمبلی میں اپنے لئے مکمل آزادی کا مطالبہ کر سکے گا۔'' برطانوی سفیر نے اس ملاقات کی تفصیل کے بارے میں لندن میں وزیر خارجہ کو مطلع کیا اور وہاں سے اس بارے میں ہدایات طلب کیں۔[46] اسی روز لندن میں متعین افغانستان کے سفیر نے براہ راست وزیر خارجہ برطانیہ کے ساتھ ملاقات کر کے انہی خیالات کا اظہار کیا۔ مزید یہ مطالبہ بھی کیا کہ مجوزہ ریفرنڈم میں سرحد کے عوام کو اپنی آزاد ریاست بنانے کے علاوہ افغانستان میں شمولیت اختیار کرنے کا چوائس بھی دیا جائے۔''[47] 20 رجون کو افغان حکومت نے برطانوی حکومت کو ایک نوٹ ارسال کیا جس میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ صوبہ سرحد کے افغان دراصل افغانستان کا حصہ ہیں جنہیں گزشتہ صدی کی اینگلو۔ افغان لڑائیوں کے دوران برطانیہ نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ افغانوں اور صوبہ سرحد کا ہندوستان کے عوام کے ساتھ تعلق مصنوعی نوعیت کا ہے۔ چنانچہ صوبہ سرحد کو یا تو آزاد ریاست بننے یا اپنے مادر وطن افغانستان میں شامل ہونے کا اختیار دیا جائے۔''[48]

افغان حکومت اور برطانوی حکومت کے مابین ہونے والی تمام خط و کتابت کی نقول حکومت ہند کے محکمہ خارجہ کو بھی بھیجی گئیں جس کا قلمدان نہرو کے پاس تھا۔ نہرو کو آزاد پٹھانستان کا نعرہ محض پاکستان سکیم کو سبوتاژ کرنے کی حد تک استعمال کرنے کے ساتھ تو اتفاق تھا لیکن جب افغانستان نے اس نعرے کے سر میں سر ملا دیا اور نسلی، علاقائی، لسانی اور جغرافیائی بنیادوں پر افغان قومیت کے حوالے سے صوبہ سرحد پر افغانستان کا حق جتا دیا اور ''انگریزوں کی کھینچی ہوئی اور ''پٹھان قومیت کو مصنوعی طور پر تقسیم کرنے والی'' ڈیورنڈ لائن کو مٹا کر اپنی جغرافیائی سرحد کو دریائے سندھ تک بڑھانے کا دعویٰ کر دیا تو ہندو بورژوا کے نمائندے اور

برطانوی ہند کی جانشینی کے علمبردار پنڈت نہرو نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ 29 رجون کو نہرو کے انڈین محکمہ خارجہ کی جانب سے برطانوی وزیر خارجہ کو ایک مراسلہ بھیجا گیا جس میں کہا گیا کہ 1893ء کے ڈیورنڈ معاہدے کے مطابق ہند اور افغانستان دونوں ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کے پابند ہیں اور تب سے اب تک اس پابندی پر عمل ہو رہا ہے۔ لیکن اب افغان حکومت اپنے سفارتی ذرائع سے اور ذرائع ابلاغ سے صوبہ سرحد کے بارے میں جو موقف اختیار کر رہی ہے وہ ہندوستان کے داخلی معاملات میں سراسر دخل اندازی ہے جس کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ آزاد پٹھان ریاست کا سوال اٹھانے کا حق بھی ہندوستان کے دائرے میں رہتے ہوئے بنتا ہے۔''[49] 30 رجون کو نہرو کے انڈین محکمہ خارجہ کی جانب سے برطانوی وزیر خارجہ کے نام ایک اور مراسلہ بھیجا گیا جس میں متذکرہ موقف کا اعادہ کرتے ہوئے مزید یہ کہا گیا کہ ''اس خطے میں دو نئے ملک قائم ہونے کے باوجود صوبہ سرحد کی سٹریٹجک اہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔ انڈیا کی سیاسی حیثیت میں تبدیلی سے ان جغرافیائی عوامل میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوگی جن پر اس کی سلامتی کا دارومدار ہے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے میں قائم ہونے والی چھوٹی سی آزاد ریاست خود اپنی سلامتی کا تحفظ نہیں کر سکے گی۔ بلکہ یہ انڈیا کی سلامتی کو بھی خطرے میں ڈال دے گی۔'' مزید یہ کہ ہم مستقبل میں افغانستان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن اپنے معاملات میں مداخلت نہیں چاہتے۔ صوبہ سرحد دونوں میں سے کسی ایک ڈومینین کے اندر خودمختار صوبے کی حیثیت سے شامل ہوگا۔ تاہم یہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے۔''[50] یاد رہے کہ ڈیورنڈ لائن کی سٹریٹجک اہمیت سوویت یونین کے خلاف دفاع سے متعلق تھی جس کے بارے میں نہرو کا کہنا تھا کہ برطانیہ کے چلے جانے اور یہاں دو نئے ملک وجود میں آنے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اس کا خیال تھا کہ آزاد پختونستان اس قدر کمزور ملک ہوگا کہ سوویت یونین کے خلاف مضبوط دفاع کا کام نہیں دے سکے گا اور یوں ہندوستان کی سلامتی کو بھی خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ گویا ''شمال سے خطرے'' کے مقابلے کے لئے نہرو اور برطانیہ یکساں حکمت عملی رکھتے تھے۔

برطانیہ چاہتا تھا کہ افغانستان حکومت کی جانب سے موصول شدہ نوٹ کا جواب برطانوی وزارت خارجہ اور حکومت ہند کے محکمہ خارجہ دونوں کی جانب سے مشترکہ ہونا چاہیے۔

چنانچہ جواب تیار کیا گیا جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ افغانستان جس علاقے کے بارے میں دعویٰ کر رہا ہے وہ انڈیا کا اٹوٹ انگ ہے اور اس بات کو 1921ء کے اینگلو۔افغان معاہدے میں افغانستان تسلیم کر چکا ہے۔ اس لئے اب صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے بارے میں افغانستان جو تجاویز دے رہا ہے وہ انڈیا کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہیں۔ 2رجولائی کو نہرو کے محکمہ خارجہ کی جانب سے برطانوی وزیر خارجہ کو مطلع کر دیا گیا کہ ہمیں آپ کے اس جواب سے پوری طرح اتفاق ہے۔ 3رجولائی کو برطانوی کابینہ نے وزیر اعظم ایٹلی کے زیر صدارت اجلاس میں اس جواب کی منظوری دے دی اور 4رجولائی کو اسے لندن میں افغان سفیر کے حوالے کر دیا گیا۔"[51]

اس دوران مسلم لیگ کی جانب سے یہ واضح کیا جا چکا تھا کہ اگر ڈومینین ہندوستان کو موجودہ انڈیا کا واحد جانشین قرار دیا گیا تو پھر پاکستان، حکومت برطانیہ اور افغانستان کے مابین ہوئے 1921ء کے معاہدے کی بین الاقوامی ذمہ داری پوری کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔ برطانوی کابینہ کے مذکورہ اجلاس میں اس پر برہمی کا اظہار کیا گیا اور کہا گیا کہ اگر مسلم لیگ کا یہی رویہ جاری رہا تو ہم افغان حکومت کے سامنے جو کیس پیش کر رہے ہیں وہ خراب ہو جائے گا۔ کابینہ نے وائسرائے کو ہدایت جاری کی کہ وہ مسلم لیگی رہنماؤں کو تنبیہہ کرے کہ اگر انہوں نے اس رویے کو جاری رکھا تو اس کے نتیجے میں ان کو پشیمانی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"[52] 5رجولائی کو لسٹوول نے ماؤنٹ بیٹن کو اس بارے میں آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ مسلم لیگ کو یہ نقطۂ نظر اختیار کرنا ہوگا کہ افغانستان ایک ایسے علاقے کے بارے میں دعویٰ کر رہا ہے جس کے بارے میں بین الاقوامی معاہدوں کا وارث اپنے قیام کے بعد پاکستان ہوگا اور اس علاقے کے بارے میں دعویٰ اس کے داخلی معاملات میں مداخلت تصور کیا جائے گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے ساتھ ملاقات کی اور انہیں پہلے تو برطانوی حکومت کی جانب سے افغان حکومت کے ساتھ اختیار کردہ موقف کے بارے میں آگاہ کیا اور پھر لسٹوول کا پیغام پہنچایا۔ جناح نے مستقبل کی حکومت پاکستان کو افغانستان کے ساتھ کئے گئے بین الاقوامی معاہدوں کا وارث قرار دیئے جانے کی تائید کی اور برطانوی حکومت کے موقف کو منظور کر لیا۔"[53]

نہرو نے نہ صرف سرکاری خط و کتابت میں افغان موقف کی بدستور مخالفت جاری رکھی

بلکہ اس نے 4/جولائی کو ماؤنٹ بیٹن کی زیر صدارت عبوری کابینہ کے اجلاس میں بھی اس کے خلاف مؤقف کا اعادہ کیا۔ اس نے بتایا کہ گزشتہ ایک ماہ سے افغانستان کے ذرائع ابلاغ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ پٹھان ہندوستانی نہیں ہیں بلکہ افغانی ہیں اور انہیں اپنے مادر وطن افغانستان میں شمولیت کا اختیار دیا جائے یا آزاد ریاست بنانے کا حق دیا جائے۔ اس نے بتایا کہ حکومت ہند نے افغان حکومت کے دعوؤں کو یکسر مسترد کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ آزاد پٹھان ریاست کا معاملہ بھی حکومت ہند کے ساتھ متعلق ہے۔[54] دراصل آزاد پٹھانستان کا جو شوشہ کانگرسی رہنماؤں نے پاکستان سکیم کو سبوتاژ کرنے کی خاطر چھوڑا تھا، اب وہ خود ان کے گلے کا ہار بن گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ خود ان کے نزدیک مجوزہ پٹھانستان اتنی چھوٹی اور کمزور ریاست تھی جو اپنا وجود بھی برقرار نہیں رکھ سکتی تھی۔

نہرو نے 4/جولائی کو لندن میں ہندوستان کے قائم مقام ہائی کمشنر ایم۔ کے۔ ولوڈی کے نام اپنے مراسلے میں اپنے پٹھانستان کے نعرے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ''آزاد پٹھانستان کے نظریے کا مطلب مکمل آزادی یا انڈیا سے علیحدگی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صوبے کو مکمل خود مختاری دی جائے اور اسے یہ آزادی حاصل ہو کہ وہ جس ڈومینین میں چاہے شمولیت اختیار کرے۔'' اور آگے چل کر لکھا کہ ''یہ بالکل واضح ہے کہ ایک علیحدہ آزاد ریاست کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ صوبہ سرحد اس قدر چھوٹا اور کمزور ہے کہ وہ آزاد ریاست کے طور پر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔''[55] یہ تھی آزاد پٹھانستان کے نعرے کی اصل حقیقت جس کے لئے کانگرس کی جانب سے ریفرنڈم میں بطور تیسرا چوائس شامل کرانے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا اور یہ مطالبہ منظور نہ ہونے کی صورت میں ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ جب کہ ریفرنڈم کے ذریعے صوبے کے عوام الناس کو عوامی سطح پر یہ فیصلہ کرنے کی مکمل آزادی دی گئی تھی کہ ''وہ جس ڈومینین میں چاہیں شمولیت اختیار کر لیں۔'' صوبہ سرحد کے معاملے میں کانگرسی رہنماؤں نے جس رویے کا مظاہرہ کیا وہ ان کی منافقت کی ایک عمدہ مثال ہے۔ انہوں نے پبلک کے سامنے کچھ موقف اختیار کیا اور سرکاری سطح پر کچھ اور موقف اختیار کیا۔

23/جون کے انڈین نیوز کرانیکل میں نہرو کا ایک بیان شائع ہوا جو اس نے ہندوؤں کے متبرک مقام ہردوار میں جاری کیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ''صوبہ سرحد کی کانگرس مجوزہ

ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرے گی۔ تاہم پھر بھی ریفرنڈم ہوا تو صوبے کی کانگرسی حکومت مستعفی ہوجائے گی اور پاکستان یا آزاد پٹھانستان کے سوال پر تازہ انتخابات لڑے گی۔ صوبے کا فوری مستقبل خواہ کچھ بھی ہو، حریت پسند پٹھان ایک آزاد پٹھان ریاست کے قیام تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔'' جناح نے اس بیان پر سخت احتجاج کیا چنانچہ اگلے روز ماؤنٹ بیٹن نے یہ بیان نہرو کو دکھایا اور اسے غیر مناسب قرار دیا۔ لیکن نہرو اپنے اس بیان سے صاف منکر ہوگیا۔ اس نے کہا کہ میں نے کوئی انٹرویو یا بیان جاری نہیں کیا البتہ وہاں موجود ایک رپورٹر سے بات چیت کی تھی جس سے اس نے خود ہی یہ بیان اخذ کر لیا ہے۔[56] تاہم اسی روز یعنی 24 رجون کو سرحدی گاندھی عبدالغفار خاں نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا اور کہا کہ ریفرنڈم میں فقط دو متبادل دیئے گئے ہیں جب کہ ہم ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں کرنا چاہتے۔ ہم رائے شماری میں حصہ نہیں لے سکتے کیونکہ ہم آزاد پٹھان ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔''[57] خود کانگرس ہائی کمان کا ابتدائی مؤقف بھی یہی تھا جو کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کی جانب سے کانگرس کے صدر کرپلانی نے 2 رجون کو ماؤنٹ بیٹن کے نام خط میں بیان کیا تھا۔ جب کہ نہرو سرکاری سطح پر پٹھانستان کی واضح مخالفت کر رہا تھا۔

خان برادران جنہوں نے تمام عمر کانگرس کے ساتھ وفاداری کا دم بھرا تھا، اب کانگرس کی منافقانہ سیاست کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے تھے۔ ان پر یہ الزامات لگائے جا رہے تھے کہ عبدالغفار خاں افغانستان کی حکومت سے ملا ہوا ہے اور اس کے ایما پر وہ آزاد پٹھانستان کا نعرہ بلند کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ 30 رجون کو مہاتما گاندھی نے دہلی میں اپنی پرارتھنا سبھا میں بھاشن دیتے ہوئے آزاد پٹھانستان کی توجیہہ پیش کر دی جو نہرو نے حکومت ہند کی جانب سے حکومت برطانیہ کے سرکاری مؤقف کی حمایت میں اختیار کی تھی۔ گاندھی نے کہا کہ ''...... جہاں تک میں جانتا ہوں خان عبدالغفار خاں کے ذہن میں فقط داخلی امور میں پٹھانوں کی آزادی کا تصور ہے۔ وہ ایک علیحدہ ریاست نہیں بنانا چاہتا۔ اگر وہ اپنا ایک مقامی آئین وضع کر لے تو وہ خوشی کے ساتھ دو میں سے کسی ایک ملک میں شمولیت کا فیصلہ کر لے گا۔'' گاندھی نے ان الزامات کا بھی ذکر کیا جن میں کہا جا رہا تھا کہ ''خان عبدالغفار افغانستان کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔'' گاندھی نے کہا کہ ''میرے خیال میں غفار خاں کوئی خفیہ سودے بازی کرنے کی اہلیت

نہیں رکھتا۔ سرحدی رہنما صوبہ سرحد کو افغانستان کے قبضے میں نہیں جانے دے گا۔''[58] اگر علیحدہ ریاست کے قیام کا کوئی سوال نہیں تھا اور معاملہ فقط ''داخلی امور'' میں صوبائی خود مختاری تک محدود تھا تو یہ معاملہ آئین ساز اسمبلی میں اٹھایا جانا چاہیے تھا...... یہ پاکستان یا ہندوستان میں سے کوئی بھی آئین ساز اسمبلی ہو سکتی تھی اور اسی سوال پر ریفرنڈم ہو رہا تھا کہ صوبہ کے عوام ان دونوں میں سے کون سی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہونا پسند کرتے ہیں۔ اگر خان برادران یہ سمجھتے تھے کہ داخلی امور کی خود مختاری انہیں ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں مل سکتی تھی جہاں کہ ان کی جماعت کانگرس کو قطعی اکثریت بھی حاصل تھی تو انہیں ریفرنڈم میں حصہ لے کر رائے عامہ کو ہندوستان آئین ساز اسمبلی کے حق میں ووٹ ڈالنے کے لئے ہموار کرنا چاہیے تھا۔ ان کے پاس بائیکاٹ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن خان برادران نے صوبہ کے مسلم عوام الناس کا پاکستان کے حق میں واضح رجحان دیکھ لیا تھا اور یہ نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا کہ صوبہ سرحد جہاں بھاری اکثریت میں مسلمان آباد تھے، ہندو غلبے کی کانگرس کے ماتحت ہندوستان میں شامل ہونے پر ہرگز آمادہ نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آزاد پٹھانستان کا نعرہ بلند کیا مگر جب افغانستان نے اس نعرے کو اختیار کر لیا تو کانگرسی قیادت نے قلابازی کھائی اور آزاد پٹھانستان کے لئے زور دینا بند کر دیا۔ نہ ہی صوبے کی کانگرس وزارت نے نہرو کے دعوے کے مطابق استعفیٰ دیا اور نہ ہی کوئی ایجی ٹیشن شروع کیا۔ کیونکہ اب اس سے افغانستان کے دعوؤں کو تقویت ملتی تھی اور کانگرسی رہنما فی الحال اس تصفیے کو بعد میں پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کے لئے اٹھا رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ خود گاندھی نے غفار خاں کے نام 5 رجولائی کو ایک خط ارسال کیا جس میں اس نے کہا کہ خدائی خدمت گاروں کو ریفرنڈم سے بالکل الگ تھلگ رہنا چاہیے اور ہر قسم کے مظاہروں سے اجتناب برتنا چاہیے۔ آپ اپنے داخلی معاملات کے متعلق مکمل خود مختاری کے بدستور دعویدار رہیں گے اور جب دونوں ملک یعنی پاکستان اور انڈین یونین اپنے اپنے آئین کا نفاذ کریں گے تو صوبہ سرحد اپنے خود مختار آئین کا اعلان کر دے گا۔ بائیکاٹ کے نتیجے میں ریفرنڈم میں پاکستان کو اگرچہ قانونی طور پر فتح حاصل ہو جائے گی لیکن یہ ان کی اخلاقی شکست ہوگی۔''[59]

ریفرنڈم اور اس کے نتائج

صوبہ سرحد میں 6رجولائی سے لے کر 17رجولائی تک استصواب ہوا۔ غفار خاں کی خدائی خدمت گار تنظیم اور صوبائی کانگرس نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ تاہم پٹھان عوام نے بہت بھاری اکثریت سے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔289244 رائے ہندگان نے پاکستان کے حق میں اور فقط2874 نے خلاف ووٹ دیئے۔ خان عبدالغفار خان نے اس استصواب کے نتائج کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور الزام عائد کیا کہ اعلیٰ برطانوی افسروں نے اس رائے شماری میں پاکستان کے حق میں مداخلت کی تھی حالانکہ یہ استصواب ''مسلم لیگ نواز'' گورنر اولف کیرو کی نگرانی میں نہیں ہوا تھا بلکہ اس مقصد کے لئے کانگرس کے مطالبے پر اسے تبدیل کر کے لیفٹیننٹ جنرل لوک ہارٹ کا تقرر کیا گیا تھا اور ایک انگریز بریگیڈیئر جے۔ بی۔ بوتھ کے ماتحت چالیس انگریز فوجی افسروں نے نگرانی کے فرائض سرانجام دیئے تھے۔ بحیثیت مجموعی نگرانی خود ماؤنٹ بیٹن کر رہا تھا۔ کسی جگہ بھی کسی بدعنوانی کی کوئی ٹھوس شہادت پیش نہیں کی گئی تھی اور آل انڈیا کانگرس نے اس استصواب کے نتیجے کو قبول کر لیا تھا۔ یاد رہے کہ بعد ازاں اسی لوک ہارٹ کو کانگرس کی منظوری سے جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر ڈومینین آف انڈیا کی بری افواج کا پہلا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ ظاہر ہے وہ کانگرس کے نزدیک پسندیدہ شخص تھا۔ عبدالغفار خاں کی طرح حکومت افغانستان نے بھی صوبہ سرحد کے پاکستان میں شامل ہونے کے فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کابل ریڈیو سے پختونستان کی آزادی کا پراپیگنڈہ تیز کر دیا گیا۔

ایک گورنر جنرل یا دو گورنر جنرل؟

انگریزوں نے برصغیر کی تقسیم کو بادل ناخواستہ قبول کیا تھا اور ان کی آخر تک کوشش یہی تھی کہ نئے بننے والے دونوں ملکوں کے مابین کوئی نہ کوئی مشترکہ سطح برقرار رہنی چاہیے۔ برصغیر میں اپنے مفادات کی نگرانی کے لئے وہ ایک مشترکہ بنیاد چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔ اس کی ایک صورت یہ تھی کہ دونوں ڈومینینوں کا مشترکہ گورنر جنرل ہو اور ماؤنٹ بیٹن بدستور اپنے عہدے کا تسلسل برقرار رکھے۔

اوائل مئی میں جب تقسیم اور ڈومینین سٹیٹس کی بنیاد پر انتقال اقتدار کا ابتدائی منصوبہ

لندن میں منظور ہوا اور لارڈ اسمے اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن کی تجاویز لے کر لندن گیا ہوا تھا تو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو اور وی۔ پی مینن کے ساتھ تفصیلی مذاکرات کے بعد 11 مئی کو اسمے کو ایک مراسلہ بھیجا اور کہا کہ ''برطانوی حکومت کو سمجھاؤ کہ کانگرس کے ساتھ سارا سودا جس بنیاد پر طے ہوا ہے وہ ہے رفتار۔'' یعنی جلد از جلد انتقال اقتدار۔ ''اس لئے جون 48ء کے بجائے 1947ء کے اندر اندر یہ کام ہو جانا چاہیے۔ اس سے ہمارے طویل المیعاد مقاصد کے حصول کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔'' اس سلسلے میں جو طریقہ تجویز کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو تھوڑے بہت ردوبدل کے بعد نافذ کر دیا جائے گا۔ دونوں ڈومینینوں کے لئے ایک ہی آئینی گورنر جنرل ہو گا۔ ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ ''پاکستان سے پہلے ہندوستان اقتدار حاصل کرنے کے لئے تیار ہو چکا ہو گا۔ پاکستان کو اس مقصد کے لئے اپنی انتظامیہ استوار کرنے میں چھ سے آٹھ ماہ کا عرصہ لگ جائے گا۔ چنانچہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ پاکستان کی خاطر ہندوستان کو انتظار میں نہ بٹھایا جائے۔ میں اس دوران ہندوستان کے لئے محض آئینی گورنر جنرل کی حیثیت سے رہوں گا لیکن پاکستان کے لئے میرے موجودہ اختیارات بدستور برقرار رہیں گے۔''[60] گویا شروع میں ماؤنٹ بیٹن کے نزدیک انتقال اقتدار کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ پہلے ہندوستان یعنی انڈین یونین کو اقتدار منتقل کر دیا جائے گا اور وہاں اس کی حیثیت صرف ایک آئینی گورنر جنرل کی رہ جائے گی لیکن پاکستان کے علاقوں پر اقتدار کی منتقلی کو تاخیر سے عمل میں لایا جائے گا اور ان علاقوں کے لئے ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل کی حیثیت سے سربراہ کے طور پر جیسا کہ وہ اس وقت تھا، کام کرتا رہے گا۔ لیکن جب مسلم لیگ کی قیادت کی جانب سے یہ تجویز سختی کے ساتھ رد کر دی گئی اور یہ واضح کر دیا گیا کہ دونوں ڈومینینوں کو ایک ہی تاریخ کو اقتدار منتقل کیا جائے گا اور یہ کہ پاکستان کی انتظامیہ شروع دن ہی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو گی تو پاکستان کو تاخیر سے انتقال اقتدار کی تجویز کو ترک کر دیا گیا۔ مگر دونوں ڈومینینوں کے لئے مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز پر اصرار جاری رہا۔

ماؤنٹ بیٹن اپنے اس تقرر کا بے حد خواہاں تھا۔ اس نے بظاہر اسے اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے سامنے اپنی اس دلی خواہش کا اظہار سب سے پہلے 17 مئی کو کیا تھا۔ جب کہ اس نے برصغیر کی تقسیم کے منصوبے کا آٹھ شقوں پر مشتمل مسودہ

کانگرس اور مسلم لیگ کے قائدین کو برائے منظوری بھیجا تھا۔ ان شقوں میں ایک شق یہ تھی کہ عارضی طور پر پاکستان اور ہندوستان کا گورنر جنرل مشترکہ ہوگا۔ کانگرس نے اسی دن منصوبے کی منظوری کے بارے میں جو تحریری جواب بھیجا تھا اس میں اس شق کو بھی منظور کر لیا تھا۔ لیکن جب جناح نے ان بنیادی اصولوں کے ساتھ زبانی اتفاق کیا تھا تو انہوں نے اس تجویز کے بارے میں کوئی قطعی جواب دینے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ جناح کی رائے یہ تھی کہ دونوں ملکوں کے گورنر جنرل الگ الگ ہونے چاہئیں۔ لیکن ان دونوں سے اونچے درجے کا ایک عہدہ دار بھی ہو جو برطانوی بادشاہ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے سپر گورنر جنرل ہوسکتا ہے۔ جناح نے کہا تھا کہ اگر اس اعلیٰ ترین عہدے پر تمہارا تقرر ہو جائے تو مجھے خوشی ہوگی۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کو اطمینان نہ ہوا اور اس نے کہا کہ آپ اپنی تجویز تحریری طور پر پیش کریں جسے برطانوی حکومت کے سامنے منظوری کے لئے رکھا جائے گا۔ اس نے استفسار کیا تھا کہ اگر حکومت برطانیہ نے سپر گورنر جنرل کی تجویز منظور نہ کی تو میری تجویز قابل قبول ہوگی؟ جناح نے اس سوال کا کوئی حتمی جواب نہیں دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اس مسئلے پر مزید غور کروں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ بھی کہا کہ جناح کی تجویز کو نہ صرف برطانوی حکومت کی منظوری درکار ہوگی بلکہ کانگرس کی طرف سے منظوری بھی ضروری ہوگی۔"[61]

ماؤنٹ بیٹن 18 مئی کو تقسیم کے منصوبے کی منظوری لینے کے لئے لندن گیا تو اپنے سیکرٹری ایرک میول کو دہلی ہی میں چھوڑ گیا۔ لندن سے اس نے ایرک میول کو ہدایت کی کہ مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز کے بارے میں جناح کا جواب لے کر بھیجو۔ لیکن جناح نے ایرک میول کو بھی ٹال دیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ ماؤنٹ بیٹن 31 مئی کو تقسیم ہند کے جس منصوبے کی منظوری لے کر واپس آیا اس میں مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز کا کوئی ذکر نہیں تھا تاہم اس سلسلے میں وہ ناامید نہیں تھا۔ وہ چند دن تو کانگرس اور مسلم لیگ سے منصوبے کو منظور کرانے اور اس کا اعلان کرنے میں مصروف رہا۔ جب اس کام سے فارغ ہوا تو اس نے فوراً ہی اپنی اس تجویز کے بارے میں جناح کی رضامندی حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے پہلے تو یہ سوچا کہ ریاست حیدر آباد کے آئینی مشیر سر والٹر مانگٹن کو بیچ میں ڈالا جائے کیونکہ اس کے جناح سے اچھے تعلقات تھے۔ خیال تھا کہ وہ جناح کو سمجھا بجھا کر راضی کر لے گا۔ لیکن

جب اس نے اپنے اس خیال کا اظہار اپنے عملے کے سینئر ارکان سے کیا تو لارڈ اسے اور سرایرک میول نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے ہم خود جناح سے ملیں گے اور انہیں راضی کرلیں گے۔ وہ کئی دن تک جناح سے ملنے کی کوشش کرتے رہے لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے لیاقت علی خان سے مل کر اس سلسلے میں مفصل بات چیت کی اور یہ وعدہ لیا کہ وہ دو ایک دن کے اندر جناح کا جواب انہیں بھیج دے گا۔ مگر کئی دن تک جناح کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا 23 رجون کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے ملاقات کی تو پھر اپنی تجویز کا ذکر کیا اور کہا کہ آزادی کے بل کا مسودہ مجھے موصول ہو گیا ہے اس میں صرف ایک اندراج کی تکمیل باقی ہے۔ جناح نے اس مرتبہ بھی اسے ٹال دیا اور کہا کہ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد دو تین روز میں جواب دوں گا اور پھر 2 رجولائی کو جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا کہ کئی وجوہ کی بنا پر میں نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کا عہدہ خود سنبھالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اس نے نواب بھوپال کو بلا کر اس سے سفارش کرائی مگر یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی۔''[62] بالآخر 4 رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو لکھا کہ آپ تحریری طور پر مجھے اپنے مؤقف سے آگاہ کریں۔ چنانچہ اسی روز مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری اور مسلم لیگی وزراء کے سربراہ لیاقت علی خان کی جانب سے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کو ایک خط ملا جس میں شاہ برطانیہ سے سفارش کی گئی تھی کہ پاکستان کا پہلا گورنر جنرل محمد علی جناح کو نامزد کیا جائے۔

ماؤنٹ بیٹن کو جناح کے اس فیصلے سے کس قدر صدمہ ہوا اور اس کی ''شاہی انا'' کس قدر مجروح ہوئی اس کا اندازہ اس گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو اس نے 2 رجولائی کو جناح سے کی تھی۔ اس گفتگو کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن نے 4 رجولائی کو جو رپورٹ لندن ارسال کی اس کے مطابق ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے فیصلے کو ''بم کا گولہ'' قرار دیا تھا۔ اس نے وزیر ہند کے نام اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ ''میں نے اس (جناح) سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں معلوم ہے تمہیں یہ فیصلہ کتنا مہنگا پڑے گا۔ اس نے افسردہ لہجہ میں جواب دیا ہاں املاک کی تقسیم میں غالباً کروڑوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میں نے ذرا تلخ لہجے میں کہا کہ کروڑوں کا نہیں بلکہ تم ساری املاک کھو بیٹھو گے اور پاکستان کا مستقبل بھی۔ یہ کہہ کر میں کھڑا ہو گیا اور کمرے سے باہر نکل گیا'' رپورٹ کے مطابق لنچ کے بعد لیاقت نے ماؤنٹ بیٹن کے پاس جا کر ملاقات کی۔

ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ ''لیاقت نے میری منت ساجت کی کہ میں مجموعی طور پر گورنر جنرل کا عہدہ قبول کرلوں، جناح بھی منظور کر لے گا۔'' لیکن ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ'' مجھے جناح سے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ پاکستان کی صورت میں اپنی سب سے بڑی تمنا پوری ہونے کے بعد اس کے پہلے گورنر جنرل بننے کی خواہش سے کیسے دستبردار ہوسکتا تھا۔'' خواہ اس کا مطلب یہی کیوں نہ نکلے کہ وہ آخری گورنر جنرل ثابت ہوگا؟'' ماؤنٹ بیٹن نے لیاقت سے پوچھا۔ لیاقت نے جواب دیا ''ہمیں اپنی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن خواہ کچھ بھی ہو آپ کو ہندوستان میں موجود رہنا چاہیے ورنہ بڑی خوفناک گڑبڑ پھیلے گی اور پاکستان کو اس کا بڑا نقصان ہوگا۔''[63] یہاں لیاقت کی سامراج نواز جاگیردارانہ سوچ اور جناح کی قومی بورژوا سوچ کا فرق بھی واضح طور پر نظر آجاتا ہے۔ جناح نے ماؤنٹ بیٹن کی ''سامراجی انا'' پر کاری ضرب لگائی تھی۔ ہوڈسن وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''اپنی انا کے زخمی ہونے پر وہ اس رپورٹ میں اپنے معاندانہ ردعمل کے اظہار سے باز نہ رہ سکا۔''[64] ایلن کیمبل جانسن اس گفتگو کے بارے میں لکھتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے بڑی صفائی سے پوچھا کہ آیا اسے اس امر کا احساس ہے کہ اس کے اس فیصلے سے اس کی پیدا کردہ نئی ریاست کو کتنا نقصان پہنچے گا تو جناح نے اتنی ہی صفائی سے تسلیم کیا کہ غالباً اس کی قیمت کئی کروڑ روپے کی املاک کی صورت میں ادا کرنا پڑے گی تاہم اس کے لئے 15 راگست کو گورنر جنرل کے سوا کوئی پوزیشن قابل قبول نہیں ہوگی۔''[65]

چوہدری محمد علی نے بھی ماؤنٹ بیٹن کی بے پناہ خفگی کے ایک تکلیف دہ مظاہرے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''ایک دن وائسرائے ہاؤس کے ایک کمرے میں قائداعظم قانون آزادیٔ ہند کی چھان بین کر رہے تھے۔ میں اور لیاقت علی خان بھی ان کے ساتھ تھے۔ یکا یک ماؤنٹ بیٹن کمرے میں گھس آیا اور اس نے قائداعظم پر دلیلوں، اپیلوں اور خودستائیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کا موقف یہ تھا کہ مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز اعلیٰ ترین مقاصد کے تحت کی گئی تھی اور یہ پاکستان کے بہترین مفاد میں تھی۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے مشترکہ گورنر جنرل نہ بنایا گیا تو پاکستان کو بہت نقصان پہنچے گا۔ میں بڑی ہی مشکل سے پاکستان کے واجبات حاصل کر رہا ہوں اور اگر یہ پتہ نہ چلا کہ میں تقسیم کے بعد بھی اسی پوزیشن پر برقرار رہوں گا تو میری

پاکستان کی امداد کرنے کی صلاحیت میں بڑی تیزی سے کمی آجائے گی اور اس طرح پاکستان کو جو بے پناہ نقصان پہنچے گا اس کی ذمہ داری جناح پر عائد ہوگی۔ اس نے دھمکی دی کہ یہ سب کچھ منظر عام پر لے آؤں گا اور دنیا سے کہوں گا کہ فیصلہ کرلو۔ مجھے یقین ہے کہ تاریخ کا فیصلہ میرے حق میں ہوگا اور جناح کے خلاف ہوگا۔ اس نے بار بار کہا کہ مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی ہے کہ میرے مشترکہ گورنر جنرل بننے پر پاکستان کی طرف سے اعتراض کیا گیا ہے۔ کانگرس کی جانب سے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ جناح نے اس حملے کو بڑے وقار اور تحمل سے برداشت کیا اور جواب دیا کہ میں نے یہ فیصلہ ذاتی خواہش کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اس کی بنیاد میرے عوام کے مفادات پر ہے۔ جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو اس کے خلوص اور اس کی غیر جانبداری پر مکمل اعتماد کا یقین دلایا اور اپنی اس تجویز کا اعادہ کیا کہ ماؤنٹ بیٹن کو ''سپر گورنر جنرل'' بننا چاہیے۔ لیکن اس یقین دہانی سے ماؤنٹ بیٹن کی زخم خوردہ انا کی تسکین نہ ہوئی۔[66]

آئین سٹیفنز لکھتا ہے کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو جناح کے اس فیصلے سے ذاتی طور پر غصہ آیا تھا۔ وہ اپنے وقار کے بارے میں بہت حساس تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس شام جب ایڈیٹروں کی کانفرنس میں جناح کے فیصلے کا اعلان کیا تو ہم میں سے ہر ایک نے یہ تاثر لیا تھا کہ ماؤنٹ بیٹن کو اس فیصلے سے نہ صرف سیاسی تشویش ہوئی ہے بلکہ اسے ذاتی طور پر صدمہ بھی پہنچا ہے۔ غالباً اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ مشترکہ گورنر جنرل بنے لیکن جناح کی دھتکار نے اس کے پندار پر کاری ضرب لگائی تھی۔''[67]

جناح نے اپنی زندگی میں کبھی اپنے اس فیصلے کی وجوہ کی اعلانیہ توضیح نہیں کی تھی اور نہ ہی ان کی زندگی میں کسی دوسرے مسلم لیگی لیڈر نے اس فیصلے کی وجوہ پر روشنی ڈالی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے عملے کا خیال تھا کہ جناح نے یہ فیصلہ محض اقتدار اور شان وشوکت'' کی ہوس کی بنیاد پر کیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے اپنی 2رجولائی کی گفتگو کی جو تفصیل قلمبند کی تھی اس کے مطابق جناح نے اسے بتایا تھا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کسی ذاتی خواہش کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ جن تین چار گہرے دوستوں اور رفیقوں سے انہوں نے مشورہ کیا تھا، انہوں نے اسے یہی صلاح دی تھی۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے جناح کے اس بیان کو تسلیم نہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ جناح کا سب سے بڑا دوست صلاح کار نواب بھوپال تھا اور ماؤنٹ بیٹن کے بیان کے مطابق اس

نواب نے جناح کو مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز منظور کرنے کا مشورہ دیا تھا اور لیاقت علی خان بھی نواب بھوپال کی اس رائے سے متفق تھا۔ لہٰذا ماؤنٹ بیٹن نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ "جناح نے صرف جناح سے مشورہ کیا تھا۔"[68]

چوہدری محمد علی، جس کو ان دنوں جناح کی قربت حاصل تھی، کا بیان ہے کہ جناح کے اس فیصلے میں ان کی انا اور ذاتی خواہش کو کوئی دخل نہیں تھا۔ جناح کے فیصلے کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ماؤنٹ بیٹن کی یہ تجویز آئینی لحاظ سے احمقانہ تھی اور اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جناح نے پاکستان کے چار صوبوں میں سے تین میں انگریز گورنرز کا تقرر کیا تھا اور ملک کی تینوں افواج کے سربراہ بھی انگریز تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے اعلیٰ سول اور فوجی افسر بھی انگریز تھے۔ لہٰذا پاکستان کے عوام کو یہ تاثر دینا ضروری تھا کہ ان کی ہندوستان سے علیحدہ آزاد و خودمختار مملکت قائم ہوگئی ہے اور ایسا اسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ گورنر جنرل کا عہدہ خود جناح کے پاس ہی رہے[69] چوہدری محمد علی کی اس توضیح کی تائید ماؤنٹ بیٹن کی اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے جو اس نے جناح کے ساتھ 2/جولائی کی ملاقات کے بارے میں لندن ارسال کی تھی۔ جناح نے ملاقات کے دوران اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ "سندھ کے سوا پاکستان کے سارے صوبوں کے لئے انگریز گورنروں کی خدمات مہیا کی جائیں۔ میں پاکستان کی تینوں افواج کے سربراہوں کے عہدوں پر پہلے ہی انگریز افسروں کا تقرر کرچکا ہوں۔ پاکستان کے عوام انگریز اعلیٰ افسروں کی تقرریوں کو صرف اسی صورت قبول کریں گے کہ میں خود گورنر جنرل بنوں۔"[70]

چوہدری محمد علی لکھتا ہے کہ جناح کے اس فیصلے کے بعد تقسیم کے مسائل اور پاکستان کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن کے رویے میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ قبل ازیں ماؤنٹ بیٹن جناح کو محض برداشت کیا کرتا تھا لیکن اس فیصلے کے بعد اس کا رویہ کھلم کھلا معاندانہ ہوگیا۔ اس کے برعکس جناح ماؤنٹ بیٹن کے بنیادی طور پر انصاف پسند ہونے کے بدستور قائل رہے۔ جب دوسرے لوگ ان کے سامنے ماؤنٹ بیٹن کے رویے میں تبدیلی کی نشاندہی کرتے تھے تو بھی وہ نہیں مانا کرتے تھے۔ "مشترکہ گورنر جنرل کے خلاف فیصلے کے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔ پاکستان کے مادی املاک کے نقصان کا تو پہلے سے اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ لیکن بعض دوسرے ایسے عوامل تھے، جنہیں اس وقت محسوس نہیں کیا جاسکتا تھا، مثلاً ریاستوں کے الحاق،

کشمیر کے سوال اور سرحدی کمیشن کے ایوارڈ جیسے عوامل جن میں پاکستان کے خلاف ایسی ڈنڈی ماری گئی کہ جتنا خدشہ تھا اس سے بہت ہی زیادہ سنگین نتائج برآمد ہوئے۔''[71] چوہدری محمد علی کا مطلب یہ ہے کہ ویسے تو مشترکہ گورنر جنرل قبول نہ کرنے کے بارے میں جناح کا فیصلہ صحیح تھا لیکن پاکستان کے لئے اس کے انتہائی غلط نتائج برآمد ہوئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرسی لیڈروں کے ساتھ سازش کر کے پاکستان کو بہت نقصان پہنچایا۔ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ پاکستان پیدا ہوتے ہی جاں بحق ہوجائے مگر پاکستانی عوام کے عزم و ہمت کی بنا پر وہ اپنے اس ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔

ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل بنانے کے برطانوی منصوبے کی جناح نے اس قدر سخت مخالفت اس وجہ سے کی تھی کہ آزادئ ہند کے مجوزہ بل میں مشترکہ گورنر جنرل کو مطلق العنان حاکم کے اختیارات دے دیئے گئے تھے۔ عام طور پر ڈومینین کا گورنر جنرل محض آئینی سربراہ ہوتا تھا اور اپنی حکومت کے مشورے کے تحت اپنے فرائض انجام دیتا تھا جیسا کہ اس وقت دوسری ڈومینینوں یعنی آسٹریلیا، کینیڈا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ وغیرہ میں تھا لیکن مجوزہ بل میں گورنر جنرل کو کلی طور پر خود مختار بنا دیا گیا تھا۔ اسے تمام انتظامی امور میں براہ راست احکامات جاری کرنے کے تمام اختیارات حاصل تھے اور یہ کہیں نہیں کہا گیا تھا کہ وہ یہ احکامات اپنی حکومت سے مشورہ کے بعد صادر کرے گا یا یہ کہ وہ اس مشورے کا پابند ہوگا۔ مشاورت کی شق شامل نہ کرنے کا جواز یہ بنایا گیا تھا کہ دونوں حکومتوں کی جانب سے مختلف قسم کے مشورے بھی دیئے جاسکتے ہیں اس قسم کی اختلافی صورت میں گورنر جنرل کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ وہ کس حکومت کے مشورے کی پابندی کرے۔ ان امور میں دونوں ڈومینینوں کے مابین ذمہ داریوں اور فرائض کی تقسیم کے اہم امور بھی شامل تھے جن پر اختلاف ناگزیر تھا۔ چنانچہ یہ گورنر جنرل کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ جس حکومت کے مشورے پر چاہے عمل کرتے ہوئے انتظامی احکامات صادر کردے۔ اگر کوئی ایک فریق متفق نہ ہو تو تب بھی وہ گورنر جنرل کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا پابند ہو۔[72] گویا اسے ویٹو پاور حاصل تھی۔ یہ بات جناح کو منظور نہیں تھی کیونکہ ماؤنٹ بیٹن نے اپنا عہدہ سنبھالنے کے بعد سے ہمیشہ اپنے ہر فیصلے کا وزن کانگرس کے پلڑے میں ڈالا تھا اور جناح کو اس سے پاکستان کے لئے کسی خیر کی توقع

نہیں تھی۔ یہ خدشہ اس لئے بھی بے بنیاد نہیں تھا کہ کانگرس نے ماؤنٹ بیٹن کی مشترکہ گورنر جنرل کی مطلق العنان حیثیت سے تقرری کو بلا توقف منظور کر لیا تھا۔ 7/جولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے لسٹوول کو ایک مراسلے میں لکھا کہ "جناح کو شروع میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ کانگرس کو مشترکہ گورنر جنرل ہی قابل قبول ہوگا جو اپنے برطانوی سٹاف کی مدد سے اثاثوں کی منصفانہ تقسیم کرا سکے گا۔[73]

اس کے برعکس جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو سپر گورنر جنرل بنانے کی تجویز دی تھی جسے دونوں ڈومینینوں کے مابین ثالث کی حیثیت تو حاصل تھی مگر اسے انتظامی احکام صادر کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اس کا کام دونوں ڈومینینوں کے مابین تصفیہ طلب امور پر فریقین کا موقف سننے کے بعد کوئی قابل قبول حل تلاش کرنا تھا۔ جہاں تک انتظامی امور کا تعلق تھا، دونوں ڈومینینوں کے لئے علیحدہ علیحدہ گورنر جنرل مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ وزیر ہند لسٹوول کو جناح کے پاکستان کا گورنر جنرل بنانے پر یہ اعتراض تھا کہ "مجوزہ بل میں گورنر جنرل کو جس قدر وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں، وہ کسی ہندوستانی کو نہیں دیئے جا سکتے اور برطانوی پارلیمینٹ میں اس پر اعتراض ہوگا۔"[74]

ماؤنٹ بیٹن نے جناح کا فارمولا رد کر دیا اور جناح نے ماؤنٹ بیٹن کا مجوزہ منصوبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ایک بحران پیدا ہو گیا جس کی ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت کو بالکل توقع نہیں تھی۔ فوری مسئلہ یہ تھا کہ آیا جناح کا مطالبہ منظور کیا جائے یا نہیں اور اگر ایسا کیا جائے تو کیا ماؤنٹ بیٹن کو فقط ہندوستان کی ڈومینین کا گورنر جنرل بننا منظور کر لینا چاہیے یا کانگرس سے کہا جائے کہ وہ بھی اپنے لئے کوئی اور گورنر جنرل نامزد کر دے۔ تاہم 5/جولائی کو نہرو اور پٹیل نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کر کے اسے فقط ہندوستان کا گورنر جنرل بنے رہنے پر کانگرس کی پیشکش سے آگاہ کر دیا۔ اس معاملے پر صلاح مشورہ کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے 5/جولائی کو اپنے معاون لارڈ اسے کو لندن بھیجا۔ وہ اپنے ہمراہ دو دستاویزات لے کر گیا جن میں ماؤنٹ بیٹن کے فقط ہندوستان ڈومینین کا گورنر جنرل بننے کے حق اور مخالفت میں دلائل جمع کئے گئے تھے۔ یہ دستاویزات ماؤنٹ بیٹن کے سٹاف کے دو الگ الگ ارکان نے تیار کی تھیں۔ مخالفت میں دیئے گئے دلائل میں کہا گیا کہ "اس سے مسلمان مایوس ہوں گے اور سمجھیں گے کہ اس موقع پر ماؤنٹ بیٹن نے انہیں چھوڑ کر زیادہ طاقتور فریق کا ساتھ دیا ہے۔ عالمی رائے عامہ کی جانب سے بھی تنقید کا نشانہ بنایا جائے

گا۔ساری دنیا میں پہلے ہی بڑے پیانے پر یہ کہا جارہا ہے کہ انڈیا کو متحد رکھنے کے لئے کوئی طریقہ نکالا جانا چاہیے تھا۔تقسیم کی ضرورت کے بارے میں سنگین قسم کے شکوک وشبہات کا اظہار کیا جارہا ہے...... یہ سوال لازماً اٹھایا جائے گا کہ آخر ماؤنٹ بیٹن کو اب کیوں رکھا جارہا ہے اور خاص طور پر یہ کہ وہ بڑے اور طاقتور فریق کا ساتھ کیوں دے رہا ہے؟۔بلا شبہ یہ اعتراض بھی اٹھایا جائے گا کہ چھوٹی مسلم ڈومینین کو تنہا کیوں چھوڑا جارہا ہے۔؟" موافقت میں دیئے گئے دلائل میں کہا گیا کہ ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت اور اس کے ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ تعلقات یہاں استحکام پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ہندوستانی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف آکن لیک نے کہہ دیا ہے کہ اگر ماؤنٹ بیٹن چلا گیا تو میں بھی استعفیٰ دے دوں گا۔دوسری سروسز کے کمانڈر انچیف اور آرمی کمانڈر بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔ان حالات میں برطانوی افسروں کی بہت بڑی تعداد بھی یہاں ٹھہرنے پر آمادہ نہیں ہو گی۔اس طرح انڈین مسلح افواج کی نیشنلائزیشن کا عمل اور تقسیم کا عمل بیک وقت شروع ہو جائیں گے اور اس بات پر ہندوستانی رہنماؤں سمیت سب کا جو اس مسئلے سے بخوبی واقف ہیں، اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ اس کے بڑے تباہ کن نتائج برآمد ہوں گے۔انڈیا میں ایک ہی مستحکم عنصر ہے اور وہ ہے انڈین آرمی، اور اگر یہی منتشر ہو گئی تو وسیع پیمانے پر گڑبڑ اور خونریزی پھیل جائے گی۔" مزید یہ کہا گیا کہ "ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی اثر ورسوخ کی بدولت اس بات کا بڑا امکان ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات دوستانہ رہیں گے۔ہندوستان کی خارجہ پالیسی کا اولین مقصد پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنا ہو گا اور یہی صورت پاکستان کی خارجہ پالیسی میں ہندوستان کے بارے میں ہو گی۔اگر ماؤنٹ بیٹن چلا گیا تو دونوں ڈومینینوں کے تعلقات کی خرابی میں اس بات کو خاصا دخل ہو گا کہ کانگرسی رہنما یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ محض جناح کی وجہ سے ماؤنٹ بیٹن کو جانا پڑا ہے اور اس نے ان کے منصوبوں پر ایک مرتبہ پھر پانی پھیر دیا ہے۔ان کے منصوبوں میں جناح کی دخل اندازی پر ان کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا ہے۔" اور ایک بار پھر اس بات پر زور دیا گیا کہ "انتقال اقتدار کے بعد انڈیا کی صورتحال اور دونوں ڈومینینوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت کا نہ صرف جنوب مشرقی ایشیا بلکہ پوری دنیا پر گہرا اثر مرتب ہو گا۔" اس کے علاوہ کہا گیا کہ ماؤنٹ بیٹن کا وجود انڈیا کے ریاستوں کے ساتھ

معاملات کو طے کرنے میں بڑا مددگار ثابت ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ کہ برطانوی پارلیمنٹ میں اپوزیشن کے ارکان کو جب معلوم ہوگا کہ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان میں بدستور موجود رہے گا تو ہمارے لئے پارلیمنٹ سے آزادیٔ ہند کا مجوزہ بل منظور کرانا آسان ہوجائے گا۔ یہاں ماؤنٹ بیٹن کی موجودگی کی بدولت انڈیا بہت دیر تک بلکہ ہوسکتا ہے ہمیشہ کے لئے دولت مشترکہ میں شامل رہے۔[75] ان دستاویزات سے ایک بار پھر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس وقت عالمی سامراج کا تقاضا برصغیر کی تقسیم نہیں بلکہ اس کو متحد رکھنا تھا اور ان کی جانب سے بادل ناخواستہ تقسیم قبول کرنے کے باوجود کوشش کی جارہی تھی کہ خارجہ اور دفاع کے معاملوں میں دونوں ڈومینینوں میں اشتراک واتحاد قائم رہے۔

5رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے وزیراعظم ایٹلی کے نام ذاتی طور پر بھی ایک خط بھیجا جس میں اس نے خود کو فقط ہندوستان کے گورنر جنرل کے طور پر مقرر کئے جانے کے حق میں دیئے گئے مذکورہ دلائل کا اعادہ کیا۔ اس خط میں اس نے ایک صریح جھوٹ بولا اور وہ یہ کہ جناح شروع میں اسے مشترکہ گورنر جنرل بنانے کی درخواست کرتے رہے مگر بعد میں بدل گئے۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ ماؤنٹ بیٹن اور جناح کے مابین ہونے والی تمام ملاقاتوں کے سرکاری یا غیرسرکاری ریکارڈ سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ جناح نے کبھی بھی مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے اس خط میں ایٹلی کو لکھا کہ ''کانگرس شروع ہی سے مجھے فقط ہندوستان کا گورنر جنرل بنانا چاہتی تھی اور کانگرسی رہنماؤں نے اس معاملے میں لیگ کو ملوث کرنے کی مخالفت کی تھی۔ جب نہرو اور پٹیل نے مجھے ڈومینین آف انڈیا کا گورنر جنرل بننے کی پیشکش کی تو مجھے ان کو قائل کرنے کے لئے کافی سمجھانا پڑا کہ مجھے اپنی اس حیثیت کو پاکستان کے لئے بھی رکھنا ہوگا تاکہ میری غیر جانب داری برقرار رہے۔'' اس نے مزید لکھا کہ جناح کے قریب ترین مشیروں یعنی نواب بھوپال اور لیاقت علی خاں وغیرہ کو پوری سنجیدگی سے یقین تھا کہ جناح مجھے مشترکہ گورنر جنرل کے طور پر قبول کرلے گا...... آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب جناح نے یکا یک خود پاکستان کا گورنر جنرل بننے کا ارادہ ظاہر کیا تو میرے لئے یہ بم کے گولے سے کم نہیں تھا۔'' آگے چل کر اس نے کانگرس کا مطالبہ منظور کرنے کے حق میں دلیل دیتے ہوئے لکھا کہ ''اس کا اخلاقی پہلو بھی ہے کیونکہ جناح نے ہمیں دھوکہ دے

کر ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ ہم غیر ارادی طور پر کانگرس کو دھوکہ دے دیں۔ بلاشبہ گزشتہ وسط مئی سے اب تک کانگرسی رہنماؤں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ میں ان کا ساتھ نہیں دوں گا۔ مزید یہ کہ اگر اب میں انکار کر دوں تو وہ یہ کہیں گے کہ جناح نے کانگرس پر اپنی آخری فتح بھی حاصل کر لی ہے اور یہ میری وساطت سے حاصل کی ہے۔"[76] چنانچہ 7/جولائی کو وزیر اعظم ایٹلی کے زیر صدارت برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی کے اجلاس میں ماؤنٹ بیٹن اور اس کے سٹاف کی جانب سے اسے فقط ہندوستان کا گورنر جنرل بنانے کے حق میں دیئے گئے دلائل کو قبول کر لیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن کے مشترکہ گورنر جنرل بنائے جانے کے منصوبے کو جناح کی جانب سے رد کئے جانے پر ایٹلی اور بعض دوسرے ارکان کابینہ کمیٹی نے برہمی کا اظہار کیا۔ ایٹلی نے کہا کہ جناح کی طرف سے خود اپنی نامزدگی اس کی انا پرستی کے اظہار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اگر ہم نے ماؤنٹ بیٹن کو واپس بلا لیا تو کانگرس کے رہنما بجا طور پر اعتراض کریں گے کہ ہم نے جناح کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ان کی تذلیل کی ہے۔ کرپس اور دوسرے ارکان نے بھی ایٹلی کے ساتھ اتفاق کیا اور کابینہ کمیٹی نے ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنانے کا فیصلہ کر دیا۔ طے پایا کہ پارلیمینٹ میں آزادئ ہند کے مجوزہ بل کی دوسری خواندگی کے دوران پاکستان کے لئے جناح اور ہندوستان کے لئے ماؤنٹ بیٹن کے نام بطور گورنر جنرل تجویز کر دیئے جائیں۔ بعد میں مکمل کابینہ کے اجلاس نے کمیٹی کے فیصلے کی توثیق کر دی۔"[77]

برطانوی کابینہ کے فیصلے کے باوجود ماؤنٹ بیٹن جناح کے بارے میں اپنے بغض کے اظہار سے باز نہیں آیا۔ 9/جولائی کو کرپس کے نام اپنے ایک خط میں جناح کے گورنر جنرل پاکستان بننے کے بارے میں اس نے لکھا "...... مجھے تعجب ہے کہ کسی شخص کے دماغ میں بڑے عہدے کا خبط (Megalomania) ایک دیرینہ مرض کی طرح اس قدر شدید بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی مستقبل کی ڈومینین کو ملنے والے مادی فوائد کو بھی داؤ پر لگا دے محض اس لئے کہ اسے 'ہز ایکسی لنسی' کے طور پر 8 ماہ پہلے ہی پکارا جانے لگے کہ بعد میں تو یہ خطاب ہر حال میں اسے مل ہی جائے گا۔" اس نے مزید لکھا کہ "جواہر لال نہرو میرے اس خیال سے متفق ہے لیکن ولبھ بھائی پٹیل اس معاملے کو جناح کے زیادہ مزموم عزائم کے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جناح اپنی فاشسٹ ڈکٹیٹرشپ قائم کرنا چاہتا ہے جس کے لامحالہ عزائم ڈومینین آف انڈیا

کے خلاف ہوں گے۔''[78] جناح کے گورنر جنرل پاکستان بننے کے خلاف ماؤنٹ بیٹن اور کانگرسی رہنماؤں کے نفرت انگیز جذبات میں کس قدر مماثلت پائی جاتی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے عائد کردہ الزام کہ جناح کو بڑے خطاب یا عہدے کی خواہش تھی، کی انہی دنوں تردید ہوگئی جب جناح نے ''نائٹ گرینڈ کمانڈر آف سینٹ مائیکل اینڈ سینٹ جارج'' کا خطاب حقارت سے رد کردیا۔ یہ خطاب یا کوئی اور بڑا شاہی خطاب ملک معظم کی جانب سے اپنی ڈومینین کے گورنر جنرلوں کو تقرری سے پہلے دیا جاتا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن اور حکومت برطانیہ کی طرف سے جناح پر یہ خطاب منظور کرنے کے لئے بہت زور دیا گیا۔ لیکن جناح نے کہا کہ ''میرے عوام کو یہ سب کچھ پسند نہیں ہے۔'' اور یہ پیشکش رد کردی۔[79] اسی طرح انہوں نے کار پر ڈومینین گورنر جنرل کا جھنڈا لہرانے اور پاکستان کے جھنڈے میں یونین جیک کا علامتی نشان شامل کرنے کی برطانوی تجویز بھی رد کردی۔

ایٹلی اور برطانوی کابینہ کمیٹی کے ارکان کی طرف سے جناح کے بارے میں برہمی کے رویے کے اظہار سے پتہ چلتا ہے کہ مشترکہ گورنر جنرل کے معاملہ کا تعلق براہ راست برطانوی سامراج کے مفادات کے ساتھ تھا۔ یہ محض ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس اجلاس کی کاروائی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت برطانوی سامراجی مفادات اور کانگرس کے مابین گہری ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ ان کے نزدیک ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان میں بدستور موجود رکھنا برطانیہ اور کانگرس دونوں کے لئے ضروری اہمیت کا حامل تھا۔ جناح کا انکار اسی لئے ان کی اس قدر برہمی کا سبب بنا تھا۔ انہوں نے یہ خود ہی تصور کرلیا تھا کہ مسلم لیگ کی قدامت پسند قیادت ان کی جیب میں ہے اور جناح تھوڑی بہت پس وپیش کے بعد یہ تجویز منظور کرلیں گے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کانگرسی لیڈروں کو بھی اس بارے میں یہ یقین دلایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نواب بھوپال اور لیاقت علی خان جیسے جاگیرداروں کی رائے فیصلہ کن ہوگی اور وہ دونوں اس تجویز کے حق میں تھے۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ بمبئی کا ایک درمیانہ طبقے کا وکیل اس کی خواہش کی تکمیل کرنے سے اس قدر جرأت اور ثابت قدمی سے انکار کردے گا۔ وہ صاف کہتا تھا کہ ''اسے سب سے زیادہ صدمہ اس بنا پر ہوا ہے کہ اس تجویز کی مخالفت پاکستان کی جانب سے ہوئی ہے۔'' اس نے پاکستان کو برطانوی سامراج کے گھڑے کی مچھلی

تصور کیا ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ مسلم لیگ میں لیاقت علی خان، فیروز خان نون اور ناظم الدین جیسے سامراج نواز جاگیرداروں کی وفاداری پر بہت انحصار کرتا تھا۔ وہ ایک کھلنڈرا اور بگڑا ہوا سامراجی تھا۔ اس کی ساری تعلیم وتربیت سامراجی نقطۂ نگاہ سے ہوئی تھی۔ اپنی سلطنت میں مقرر کردہ یا اپنی پسند کے حاکموں سے اپنی رائے منوانا اس کی سرشت میں تھا۔ وہ یہ باور کرنے سے قاصر تھا کہ جناح کی حیثیت مسلمان جاگیرداروں کے نمائندے کی نہیں تھی۔ یہ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ جب جناح نے تحریک پاکستان کی قیادت سنبھالی تھی، اس وقت مسلم لیگ کی طبقاتی ہیئت میں بنیادی تبدیلی آگئی تھی۔ مسلم لیگ کے دروازے 1938ء میں سب مسلمانوں کے لئے کھول دیئے گئے تھے۔ یہ تحریک ابتداً تو مسلمانوں کے درمیانہ طبقے کی تحریک تھی لیکن جلد ہی مسلمان مزدور اور غریب کسان بھی اس سے متاثر ہوگئے تھے اور ان سب نے جناح کو قائداعظم تسلیم کر لیا تھا جب کہ مسلمان جاگیردار بدستور انہیں محض اپنا ایک سیاسی وکیل ہی سمجھتے تھے۔ درمیانہ طبقے کا بھی اپنا پندار ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ اس کے افراد کو ہر قربانی پر آمادہ کر دیتا ہے۔

ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت کی برہمی کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ جناح کی جانب سے مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز مسترد کر دینے کے باعث برطانوی سامراج کے عظیم تر منصوبے پر عملدرآمد کرانے کا آسان ذریعہ ہاتھ سے چلا گیا تھا۔ یہ منصوبہ کوئی خفیہ نہیں تھا۔ وزارتی مشن، لارڈ ویول، سرکلاڈ آکن لیک، لارڈ اسمے اور ماؤنٹ بیٹن کی جانب سے اس منصوبے کا وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی طرح ذکر ہوتا رہا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ پہلے تو برصغیر کی یک جہتی اور سالمیت کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور اگر بدقسمتی سے یہ ممکن نہ ہو تو تقسیم کچھ اس طرح کی جائے کہ برصغیر کے دوبارہ سیاسی اتحاد کے دروازے کھلے رہیں۔ اس مقصد کے لئے ہندوستانی افواج کے اتحاد کو برقرار رکھا جائے اور دونوں ڈومینینوں کے ساتھ ایک ایسا فوجی معاہدہ کیا جائے کہ جس کے تحت ہندوستانی افواج بدستور برطانوی سامراج کے عالمی مفادات کے تحفظ وفروغ کا کام سرانجام دیتی رہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کی تجویز یہ تھی کہ دونوں آزاد ڈومینینوں کی سنٹرل کونسل کے ماتحت ایک متحدہ فوج ہو اور وہ خود مشترکہ گورنر جنرل کی حیثیت سے اس کونسل کا صدر ہو۔ وہ کہتا تھا کہ چونکہ ہندوستان میں مقیم برطانوی فوج میری کمان میں ہوگی اس لئے میں ذاتی طور پر ڈیفنس کونسل کے کام میں ممد ومعاون ہوسکوں گا۔ اگر

ڈومینئیں از خود مجھے بطور چیئرمین ڈیفنس کونسل میں کاسٹنگ ووٹ کا حق دے دیں گی تو ان کی خود مختاری پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔[80]

عبوری دور کے انتظامی مسائل سے نمٹنے کے لئے مشترکہ دفاعی کونسل کے قیام پر جناح کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن وہ ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل کی حیثیت سے اس کونسل کا چیئرمین یعنی اسے بلاشرکت غیرے مسلح افواج کے مختار کل کی حیثیت سے تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔ وہ خود پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے کونسل میں شمولیت اختیار کر کے پاکستان کی مسلح افواج کی علیحدگی اور اثاثوں کی تقسیم وغیرہ کی خودنگرانی کرنا چاہتے تھے اور اس صورت میں وہ ماؤنٹ بیٹن کو اس کونسل کا چیئرمین بنانے پر تیار تھے۔ چنانچہ 5رجولائی کو ایک ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن نے جناح سے پوچھا کہ آپ کے پاکستان کا گورنر جنرل بننے کی صورت میں ''اگر مجھے ڈومینین آف انڈیا کا گورنر جنرل بنا دیا گیا تو کیا آپ چاہیں گے کہ تب بھی مجھے جائنٹ ڈیفنس کونسل کا چیئرمین بنا دیا جائے تو جناح نے کہا کہ ''یہی تو میں چاہتا ہوں۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ اپنی رضامندی سے مجھے تحریری طور پر آگاہ کریں۔ چنانچہ جناح نے 8رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن کو خط بھیج دیا کہ ''اگر مستقبل کی حکومت ہند آپ کو جائنٹ ڈیفنس کونسل کے غیر جانبدار اور آزاد چیئرمین کے طور پر کام کرنے دے تو مجھے منظور ہے۔''[81]

مشترکہ دفاع یا برطانوی امداد کی خاطر کانگرس اور لیگ کے مابین بدگمانی اور محاذ آرائی

جناح مشترکہ دفاع کے بھی حق میں تھے لیکن اس بارے میں بھی ان کا تصور ماؤنٹ بیٹن اور کانگرس کے تصور سے مختلف تھا۔ وہ اس کی خاطر نہ تو ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل کا عہدہ دینے پر تیار تھے اور نہ ہی کانگرس کی بالادستی قبول کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس مقصد کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے مابین برابری کی بنیاد پر دوطرفہ معاہدہ یا سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے 21رمئی کو رائٹر کے ساتھ ایک انٹرویو میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ''مسلح افواج کو مکمل طور پر تقسیم ہو جانا چاہیے۔ میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان باہمی مفاد کی خاطر اور بیرونی حملہ آور کے خلاف ایک اتحاد، میثاق یا معاہدہ کرنے کا تصور رکھتا ہوں۔'' انہوں نے

برطانیہ کے ساتھ بھی سودمند تعلقات کے قیام کی امید ظاہر کی۔ گویا وہ برابری کی بنیاد پر ہندوستان اور برطانیہ کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معاہدے کرنا چاہتے تھے۔ 3/جون کا اعلان جاری ہونے کے بعد بعض حلقوں میں کہا جانے لگا کہ برطانیہ ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مختلف قسم کے معاہدے کرے گا۔ چنانچہ 6/جون کو گاندھی نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ملاقات کر کے کہا کہ ''اس قسم کی لغو باتیں ہو رہی ہیں کہ حکومت برطانیہ، ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مختلف معاہدے کرے گی جن میں ایک فریق کو دوسرے کے مقابلے میں نوازا جائے گا۔'' اس نے مطالبہ کیا کہ برطانوی پارلیمینٹ میں آزادیٔ ہند کے بل پر بحث کے دوران وزیراعظم ایٹلی اس بارے میں یقین دہانی کرائیں کہ ایسا نہیں کیا جائے گا۔ اس نے تجویز کیا کہ حکومت برطانیہ دونوں ملکوں کے ساتھ مل کر ایک سہ فریقی معاہدہ کرے یا دونوں کے ساتھ علیحدہ مگر یکساں نوعیت کے معاہدے کرے۔ 7/جون کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح اور لیاقت کے ساتھ ملاقات کے دوران گاندھی کی تجویز کا ذکر کیا تو جناح نے ''سہ فریقی معاہدے'' کی تجویز کو رد کر دیا البتہ'' یکساں نوعیت کے دوطرفہ معاہدوں'' کی تجویز سے اتفاق کیا''[82] کانگرسی رہنماؤں کی خواہش یہ تھی کہ پاکستان اپنی آزاد و خودمختار حیثیت میں اپنے معاہدے خود نہ کرے۔ وہ خود کو انگریزوں کا واحد وارث قرار دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ پاکستان ان کے کئے ہوئے معاہدوں کا پابند رہے۔

دراصل مجوزہ انتقال اقتدار کے ذریعے برصغیر کو مکمل آزادی نہیں مل رہی تھی، برصغیر نوآبادیاتی دور سے نکل کر جدید نوآبادیاتی دور میں داخل ہو رہا تھا۔ کانگرس اور مسلم لیگ دونوں جماعتوں کے رہنما اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں بے پناہ عوامی مقبولیت کے حامل ہونے کے باوجود اقتصادی ترقی اور دفاع کے معاملے میں خود انحصاری کے عوامی نظریے کے بجائے مغربی سامراجی ممالک پر انحصار کو ضروری سمجھتے تھے۔ نام نہاد ''شمال سے خطرہ'' کا ہوّا ابھی ان کو ورثے میں ملا تھا اور شمال مغربی سرحد کے دفاع کی برطانوی پالیسی کا تسلسل ان کے لئے ایک طے شدہ معاملہ تھا۔ ادھر کانگرس اور لیگ کا باہمی تضاد بالفاظ دیگر ہندو۔ مسلم تضاد اس قدر شدید ہو چکا تھا کہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے پر کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے خائف تھے۔ انہیں اپنی اپنی جگہ عدم تحفظ کا اس قدر شدید احساس تھا کہ ان میں سے کوئی بھی مغربی سامراج کی امداد و اعانت سے محروم ہونے میں اپنی عافیت نہیں سمجھتا تھا۔ ہر ایک کو شبہ تھا کہ

کہیں دوسرا زیادہ فائدہ نہ اٹھا جائے۔ جس طرح لیگ کو یہ اندیشہ تھا کہ ماؤنٹ بیٹن مشترکہ گورنر جنرل بن کر ہندوستان کو فائدہ اور پاکستان کو نقصان پہنچائے گا۔ اسی طرح کانگرس کو یہ اندیشہ تھا کہ پاکستان برطانیہ کے ساتھ علیحدہ دوطرفہ معاہدے کر کے ہندوستان کے مقابلے میں اپنی جغرافیائی دفاعی پوزیشن کی وجہ سے زیادہ فائدہ اٹھالے گا۔ 6/جون کی ملاقات میں گاندھی نے ماؤنٹ بیٹن سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا۔ پھر 14/جون کو نہرو کے قریبی صلاح کار کرشنا مینن نے ماؤنٹ بیٹن کے نام اپنے ایک خط میں انہی شبہات کا ذکر کیا۔ اس نے گزشتہ مارچ میں لندن میں ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ اپنی بات چیت کا حوالہ دیتے ہوئے اسے یاد دلایا کہ اس وقت ''ہم دونوں کی متفقہ رائے یہ تھی کہ تقسیم کی صورت میں بھی انڈیا کی بیرونی سرحد کو جوں کا توں رکھا جائے گا۔'' صوبہ سرحد اور بلوچستان کی جانب سے پاکستان میں شمولیت کے متوقع فیصلے کا ذکر کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ ''اس طرح انڈیا کا دفاع پاکستان میں چلا جائے گا۔'' اس نے اس خدشے کا بھی ذکر کیا کہ ''اگر کسی وجہ سے کشمیر نے بھی پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا تو اس سمت میں مزید پیش رفت ہو جائے گی۔'' اس نے حال میں مارگیٹ کے مقام پر منعقدہ لیبر پارٹی کی سالانہ کانفرنس میں برطانوی وزیر خارجہ ارنسٹ بیون کی اس تقریر کا بھی حوالہ دیا جس میں اس نے کہا تھا کہ ''انڈیا سے انخلاء کے نتیجے میں ہمیں مشرق وسطی میں استحکام حاصل ہوگا۔'' مینن نے اس کا مطلب یہ لیا کہ برطانیہ اپنی دلچسپی فقط پاکستان میں رکھے گا اور صرف پاکستان کو مستحکم کرے گا کیونکہ بلوچستان سے لے کر کشمیر تک ''شمال سے خطرے'' والی ساری سرحد پاکستان میں چلی جائے گی۔ اس پر ناخوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے لکھا کہ ''اگر برطانیہ کے یہ ارادے ہیں تو یہ بڑی افسوس ناک بات ہے۔ اس بارے میں سنگین حد تک غلط اندازہ لگایا گیا ہے۔ جب یہ بات کھل کر سامنے آئے گی تو ہندوستان کے رویے میں ناراضگی پیدا ہوگی۔''[83] اس خط سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ کانگرس کو کشمیر میں کیوں دلچسپی تھی۔ وہ اولاً تو پوری شمال مغربی سرحد پر دسترس چاہتی تھی اور اسی کی خاطر وہ انڈیا کے واحد وارث کی دعویدار بھی تھی۔ مینن اور ماؤنٹ بیٹن میں یہ طے بھی ہوا تھا کہ تقسیم کے باوجود بیرونی سرحد ہندوستان کی تحویل میں رہے گی۔ لیکن صوبہ سرحد اور بلوچستان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اور ان سے ملحق سرحد کے امور کی وراثت پاکستان کو دیئے

جانے کے برطانوی کابینہ کے فیصلے کے بعد کانگرس کی تمام تر کوشش کشمیر کو قبضے میں کرنے کے لئے تھی۔ تاکہ وہ بھی شمال مغربی سرحد کے کم از کم ایک حصے تک رسائی رکھنے کی بدولت مغربی ممالک کی وہ مراعات اور نوازشات حاصل کر سکے جو ان کی طرف سے اس سرحد کی بدولت پاکستان کو دیئے جانے کی توقع تھی۔

برطانیہ سے امداد اور مفادات کے حصول کے لئے کانگرس نے پاکستان کے ساتھ مسابقت کی جو روش اختیار کی اس کا برطانیہ نے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ گاندھی اور کرشنا مینن نے جو یقین دہانیاں طلب کی تھیں ان کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن نے وزیر ہند کو آگاہ کر دیا تھا۔ 19 / جون کو لندن میں وزارت ہند کے افسروں نے ایک نوٹ تیار کیا جس میں کہا گیا کہ ''...... تقسیم کے بارے میں کانگرس کا ہمیشہ سے ایک شدید اعتراض یہ امکان بھی رہا ہے کہ پاکستان بیرونی طاقتوں کی مدد سے خود کو ہندوستان کے مقابلے میں قلعہ بند کر لے گا۔ ان طاقتوں میں برطانیہ، امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کو شمار کیا جارہا ہے۔ اب جب کہ کانگرس نے مجبوراً تقسیم کو منظور کر لیا ہے تو وہ اب اس امکان کو رد کرنے کے لئے یقین دہانیاں حاصل کرنا چاہتی ہے اور ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ جو کوئی بھی ہندوستان کی نسبت پاکستان کو زیادہ فوجی اور دوسری امداد دینے کی کوشش کرے گا وہ ہندوستان کی ناراضگی مول لے گا...... ہم ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ساتھ اچھے دفاعی اور معاشی تعلقات استوار کرنے کے خواہش مند ہیں جیسا کہ اس وقت کانگرس کا فوری طور پر ڈومینین سٹیٹس کو قبول کر لینے کا جزوی سبب اس کا وہ خوف بنا ہے جو دولت مشترکہ میں پاکستان کی شمولیت کی وجہ سے اسے لاحق ہوا اور یوں وہ ہر قسم کے فائدے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے جو اس وقت زیر نظر ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم ہندوستان کے ساتھ ایک زیادہ بہتر سمجھوتہ طے کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس کی خاطر ہم یہ راستہ کھلا رکھیں گے کہ اگر ہندوستان ہمارے ساتھ کوئی اچھا سمجھوتہ طے نہیں کرتا تو پھر ہم اس سے زیادہ اچھا سمجھوتہ پاکستان کے ساتھ طے کر لیں گے۔'' گاندھی کی جانب سے یقین دہانی طلب کرنے کا حوالہ دیتے ہوئے نوٹ میں کہا گیا کہ ''......اگر ہم نے اس قسم کی یقین دہانی دے دی تو ہمارے ہاتھ سے سودے بازی کا وہ بہترین ہتھیار چھن جائے گا جو نہ صرف اس وقت بلکہ ہمیشہ ہمارے پاس رہے گا اور جو اکیلا ہی کافی دیر

تک مؤثر ثابت ہوتا رہے گا۔'' تاہم اس میں تجویز کیا گیا کہ ایک گول مول سا بیان ضرور جاری کر دینا چاہیے ''لیکن اسے زیادہ گاندھی نواز نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ وائسرائے نے تجویز کیا ہے۔'' اس میں مزید کہا گیا کہ ''ہندوستان کو دوستانہ بنیاد پر دولت مشترکہ میں تعاون کرنے کا ہر موقع فراہم کیا جانا چاہیے لیکن اس بنیاد پر نہیں کہ کسی دوسرے کے لئے زیادہ بہتر تعاون کرنے کا راستہ بند کر دیا جائے۔''[84]

27 رجون کو وزیر ہند لسٹووِل نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک خط کے ذریعے اپنے سٹاف کے متذکرہ تجزیئے سے آگاہ کر دیا اور مزید لکھا کہ ''ہم بحیثیت مجموعی انڈیا کے ساتھ اچھے دفاعی معاہدے کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری رائے میں بہترین صورت یہ ہوگی کہ یہ معاہدے دونوں ڈومینینوں کے ساتھ یکساں بنیادوں پر استوار کئے جائیں اور دولت مشترکہ اس میں رشتے کی کڑی کا کام دے۔ تاہم ہماری رائے ہے کہ ہمیں بے حد محتاط رہنا چاہیے اور یہ کبھی نہیں کہنا چاہیے کہ خواہ جیسے بھی حالات ہوئے ہم پاکستان کے ساتھ ہندوستان کی نسبت زیادہ قریبی تعلقات قائم نہیں کریں گے۔ ایک مرتبہ ہم نے یہ کہہ دیا تو پھر کانگرس ہمارے ساتھ دفاع اور دوسرے معاملوں پر کسی قطعی سمجھوتہ سے انکار کرنے میں آزاد ہو جائے گی اور ساتھ یہ بھی کہے گی کہ اب ہم پاکستان کے ساتھ بہتر تعلقات بھی قائم نہیں کر سکتے۔ کانگرس کے ساتھ بہترین تعلقات استوار کرنے کی بہترین امید کی بنیاد کانگرس کا یہ خوف ہے کہ اگر اس نے ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کیا تو ہم پاکستان اور علیحدگی اختیار کرنے والی دوسری ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ ممیز اور زیادہ بہتر تعلقات استوار کر لیں گے۔ ممکن ہے کانگرس کے ساتھ سودے بازی کا یہ سب سے مضبوط نقطۂ ثابت ہو اور خاصے عرصے تک مؤثر رہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اگر ہم نے یہ نقطۂ چھوڑ دیا تو یہ عاقبت نااندیشی ہوگی۔''[85] اس طرح انگریزوں نے برصغیر میں تاریخی ہندو مسلم تضاد کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوشش کی اور ایک فریق پر اثر انداز ہونے کے لئے دوسرے فریق کو استعمال کیا۔ لیکن چونکہ ہندوستان کا سائز بہت بڑا تھا اور انگریزوں کے تجارتی اور معاشی مفادات کا بہت بڑا حصہ بھی اس کے ساتھ وابستہ تھا اس لئے اس پر اثر انداز ہونے کے لئے پاکستان کو محض لیور کے طور پر استعمال کیا گیا۔ حقیقتاً دوستی میں ترجیح پاکستان کے مقابلے میں ہمیشہ ہندوستان کو دی گئی۔ برے وقت میں پاکستان کو ہمیشہ دھوکہ دیا گیا۔

ہندوستان میں انگریزوں کے بہت سے تجارتی اور معاشی مفادات کے علاوہ ایک مفاد نیپال کے گورکھوں کی بھرتی بھی تھا۔ یاد رہے کہ گورکھوں کو نہ صرف انڈین آرمی میں بلکہ برطانوی آرمی میں بھی بھاری تعداد میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ نیپال کے اقتصادی وسائل بہت محدود تھے۔ یہاں کے لوگ اپنی اقتصادی پسماندگی دور کرنے کی خاطر شوق سے فوج میں بھرتی ہوجاتے تھے۔ ان کی بہادری اور وفاداری شک شبے سے بالاتر سمجھی جاتی تھی۔ دنیا میں جہاں کہیں جان ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھنے کا سوال آتا تھا، برطانوی فوج گورکھا بٹالین کو آگے کر دیتی تھی۔ ان سے ہراول دستے کا کام لیا جاتا تھا۔ بیشتر نوآبادیوں میں جہاں سامراج دشمن حریت پسندوں کی مسلح گوریلا جنگ جاری تھی اور جہاں انگریز سپاہی خود کو آگے کرتے ہوئے ڈرتا تھا، وہاں گورکھوں کو آگے کیا جاتا تھا۔ حال ہی میں انہیں انڈونیشیا میں استعمال کیا گیا تھا۔ اب انتقال اقتدار کے ساتھ ہندوستانی افواج سے بظاہر دستبردار ہوجانے کے بعد انگریز اپنی افواج کے لئے گورکھوں کی بھرتی بدستور جاری رکھنا چاہتے تھے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے محاذوں سے ہندوستانی افواج کی واپسی کے بعد وہاں انگریز چاہتے تھے کہ گورکھا دستے تعینات کر دیئے جائیں۔ مہاراجہ نیپال کو تو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن حکومت ہند کی رضامندی کے بغیر ان کی بھرتی اور نقل وحمل کا کام جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ اس مقصد کے لئے برطانوی فوج کے سربراہ چیف آف امپیریل جنرل سٹاف فیلڈ مارشل وائی کاؤنٹ منٹگمری نے 23 اور 24 رجون کو دہلی میں نہرو کے ساتھ تفصیلی مذاکرات کئے۔ نہرو نے یہ نقطہ اٹھایا کہ آپ اسے مثال بنا لیں گے اور شمال مغربی سرحدی قبائلیوں مثلاً آفریدیوں وغیرہ کی بھرتی کرنا چاہیں گے اور اس مقصد کے لئے پاکستان کے ساتھ معاہدہ طے ہوسکتا ہے۔ فیلڈ مارشل منٹگمری نے زور دے کر کہا کہ نہ تو اسے مثال بنایا جائے گا اور نہ ہی گورکھوں کے علاوہ برصغیر سے کسی اور کو برطانوی افواج میں بھرتی کیا جائے گا کیونکہ گورکھا کا نعم البدل اور کوئی نہیں ہے۔ نہرو نے دوسرے کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد برطانوی افواج کے لئے گورکھوں کی بھرتی کو منظور کر لیا۔ فیلڈ مارشل منٹگمری نے کہا کہ میں واپس جا کر آٹھ دس روز میں فوجی افسروں کا ایک کمیشن یہاں بھیج دوں گا جو مزید تفصیلات طے کرے گا اور پھر اسے کٹھمنڈو منتقل کر دیا جائے گا۔[86]

حقیقت یہ تھی کہ حکمرانوں کی تبدیلی کے علاوہ باقی تمام حالات کو جوں کا توں رکھنے کے لئے انگریزوں اور مقامی رہنماؤں کے مابین تعاون کیا جا رہا تھا۔ کانگرس موجودہ ڈھانچے پر جوں کی توں حالت میں جلد از جلد اپنی گرفت مضبوط کرنا چاہتی تھی۔ ماضی میں تجویز کردہ انتقال اقتدار کے منصوبوں میں نئے آئین کی تشکیل پہلے اور اقتدار کی منتقلی بعد میں تجویز کی جاتی تھی۔ لیکن پھر کانگرس نے ڈومینین سٹیٹس کی صورت میں اقتدار کی فوری منتقلی کی راہ نکالی تا کہ آئینی مباحث کو مؤخر کر دیا جائے اور رائج الوقت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے ذریعے ہندوستان کے طول وعرض پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اسے اپنی بہت بڑی کامیابی بنا کر پیش کیا کہ اس نے کانگرس کو دولت مشترکہ میں شامل ہونے پر آمادہ کر کے ایک بہت بڑے برطانوی مقصد کی تکمیل کی ہے۔ دراصل ہندو بورژوا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے مضبوط مرکزی اختیارات کو بروئے کار لا کر نہ صرف صوبوں پر اپنا مضبوط کنٹرول قائم کرنا چاہتا تھا بلکہ پانچ چھ سو کے قریب ریاستوں کو بزورِ قوت ہندوستان میں ضم کرنا چاہتا تھا۔ یہ مقصد پورا کرنے کے بعد وہ نئے آئین کو نافذ کرنا چاہتا تھا۔ وی۔ پی مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا تھا کہ کانگرس برطانوی پارلیمینٹ سے آزادیٔ ہند بل کی منظوری کے بعد آئینی نکات پر کم سے کم بحث چاہتی ہے۔ کانگرسی رہنما چاہتے ہیں کہ مرکز اور صوبوں کے مابین اختیارات کی موجودہ تقسیم کو جوں کا توں رہنے دیا جائے بلکہ وہ مزید یہ اختیار بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ ہنگامی حالات کے تحت وہ صوبوں پر براہ راست کنٹرول حاصل کر لیں جو کہ اس وقت گورنر جنرل اور گورنر کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے وزیر ہند لسٹوول کے نام مراسلے میں کانگرس کے مؤقف کی مکمل تائید کرتے ہوئے کہا کہ ''ان کا مؤقف عملی اہمیت کا حامل ہے اور ہمیں اسے قبول کر لینا چاہیے۔'' اس نے پاکستان کے لئے بھی اس رعایت کو ضروری قرار دیا تا کہ پاکستان بھی اپنی تمام تر توانائیاں آئین سازی پر صرف کرنے کے بجائے ''انتظامی امور پر صرف کر سکے اور صوبوں پر ضروری کنٹرول حاصل کر سکے۔ اس نے لکھا کہ ''نئی ڈومینین حکومتیں اس قسم کے آئینی امور میں جتنا کم الجھیں گی اتنا ہی وہاں کے کارپردازوں کے لئے آئینی امور سے دور رہنا آسان ہوگا اور وہ اپنی تمام تر توجہ اہم انتظامی امور پر مرکوز کر سکیں گے۔ شروع ہی سے 1935ء کا ایکٹ جس قدر عمدگی سے کام کرے گا اتنا

ہی ڈومینین سٹیٹس کو طول حاصل ہو گا۔''[87] اور مزید یہ لکھا کہ ''ہمارا مفاد بھی غالباً اسی میں ہے کہ موجودہ کانگرسی رہنما ہندوستان میں اپنی پوزیشن کو مضبوط اور مستحکم بنالیں اور بائیں بازو کے عناصر کو انقلابی آئینی تبدیلیاں کرنے کا فوری موقع نہ مل سکے۔''[88] اس کا پس منظر یہ تھا کہ بائیں بازو کی جانب سے ڈھیلے ڈھالے وفاق اور معاشی اصلاحات کا مطالبہ کیا جارہا تھا اور جنوبی ہند اور مشرقی ہند میں علیحدگی پسندی کی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں۔ ان حالات میں انگریزوں اور ہندو بورژوا دونوں کا مفاد اس میں تھا کہ مضبوط مرکز مستحکم ہوجائے اور کانگرس کی بورژوا قیادت ہندوستان کے طول وعرض پر اپنی گرفت مضبوط کرلے۔

آزادئ ہند بل کے مسودہ پر کانگرس اور لیگ کے اختلافات

یکم جولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس اور لیگ کے مرکزی رہنماؤں کو وائسرائے ہاؤس میں بلا کر علیحدہ علیحدہ کمروں میں بٹھادیا جہاں انہیں آزادئ ہند بل کے مسودہ کی نقلیں مہیا کردی گئیں جو 7 / جولائی کو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیا جانا تھا۔ لیگ کی جانب سے اس پر جو اعتراضات کئے گئے ان میں ایک یہ تھا کہ بل میں پاکستان کے علاقوں کی نشاندہی کرنے کے بعد باقی ماندہ تمام تر برطانوی ہند کے علاقے کو ڈومینین آف انڈیا کا علاقہ قرار دے دیا گیا ہے جن میں جزائر انڈمان ونکوبار بھی شامل ہیں۔ جب کہ ڈومینین آف انڈیا کے لئے بھی ہر علاقے کی نشاندہی کی جانی چاہیے جن میں جزائر انڈمان ونکوبار کو شامل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ جزائر پاکستان کو ملنے چاہئیں جو کراچی اور چٹاگانگ کے درمیان جہازوں کے ٹھہرنے اور ایندھن بھرنے کے لئے استعمال ہوسکیں۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ ڈومینین آف انڈیا کو موجودہ انڈیا کا وارث قرار نہ دیا جائے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ دو بالکل نئی ڈومینینز وجود میں آرہی ہیں اور موجودہ گورنمنٹ آف انڈیا کا وجود سرے سے ختم ہونے جارہا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا گیا کہ سرحدی قبائل کے ساتھ وہی وارث ملک معاملات طے کرے گا جس میں صوبہ سرحد شامل ہوگا اور یہی اصول بلوچستان اور شمال مشرقی انڈیا کے بارے میں بھی اختیار کیا جائے گا۔ تیسرا یہ مطالبہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت گورنر جنرل کے ذریعے ان اثاثوں کی پاکستان منتقلی کی یقین دہانی اس بل میں شامل کرے کہ جو پاکستان کے حصے میں آئیں گے لیکن ہندوستان میں واقع

ہوں گے۔ کانگرس کی جانب سے جو اعتراضات کئے گئے ان میں ڈومینین آف انڈیا کو موجودہ انڈیا کا حقیقی وارث بنانے کو مزید یقینی بنانے کے لئے بعض شقوں کے اضافے اور بعض شقوں میں ترامیم کا مطالبہ کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے دو علیحدہ بل پیش کرنے کو ترجیح دی گئی۔ تاہم کہا گیا کہ اگر ابھی وقت کی کمی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا جاسکتا تو کچھ عرصہ بعد اسے دو ایکٹ میں تبدیل کر دینا ہوگا جیسے 1935ء کا ایکٹ بعد میں انڈیا اور برما کے لئے تقسیم کر دیا گیا تھا۔ دوسرے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستانی ریاستوں کو آزاد کرنے کے بجائے انہیں ڈومینین آف انڈیا کے ماتحت کر دیا جائے۔ تیسرے یہ مطالبہ کیا گیا کہ درہ خیبر اور درہ بولان کے معاہدے ختم نہ کئے جائیں، انہیں ڈومینین آف انڈیا کے حوالے کر دیا جائے جو موجودہ انڈیا کی وارث ہے۔

ماؤنٹ بیٹن نے دونوں جماعتوں کو مخالف جماعت کے اعتراضات سے آگاہ کر دیا۔ 4/جولائی کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے نام خط میں لیگ کی جانب سے اٹھائے گئے تمام اعتراضات کو مسترد کر دیا۔ اس نے مؤقف اختیار کیا کہ پاکستان کے علاقے چھوڑ کر باقی ہر شے کی وارث ڈومینین آف انڈیا ہے اور وہی دراصل موجودہ انڈیا کی وارث ہے۔ انڈمان ونکوبار جزائر پر بھی ہندوستان کا حق ہے کیونکہ یہ فوجی اہمیت کے حامل ہیں۔ 5/جولائی کو مسلم لیگ نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک دستاویز ارسال کی جس میں کانگرس کے اعتراضات اور مجوزہ ترامیم کو رد کر دیا گیا۔ سب سے سخت مؤقف موجودہ انڈیا کی وراثت کانگرس کے دعوے کے خلاف اختیار کیا گیا تھا۔ ریاستوں کے الحاق کے بارے میں لیگ کا مؤقف یہ تھا کہ جغرافیائی طور پر ملحقہ ہونے کی شرط تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ یہ مؤقف ریاست حیدرآباد کے حوالے سے اختیار کیا گیا تھا۔ مزید یہ کہا گیا کہ ہندوستانی ریاستوں کے تمام معاہدے شاہ برطانیہ کے ساتھ ہیں۔ نئی ڈومینینوں کے وجود میں آجانے کے بعد ریاستیں ان کے ساتھ نئے معاہدے کریں گی۔

ماؤنٹ بیٹن نے دونوں جماعتوں کے نقطہ ہائے اعتراض سے وزیر ہند لسٹوول کو بھی آگاہ کیا۔ اس ضمن میں اس نے جو مراسلے بھیجے ان میں کانگرس کے نکات کی خوب وکالت کی تھی۔ اس نے وراثت کے مسئلے پر کانگرس کے مؤقف کی حمایت کی اور کہا کہ اس سلسلے میں کانگرس نے مزید وضاحت کرنے کا جو مطالبہ کیا ہے، ''میں اس سے ہمدردی رکھتا ہوں لیکن اس پر ہوسکتا ہے اپوزیشن کی طرف سے کچھ مشکلات پیدا کر دی جائیں۔'' انڈمان اور نکوبار جزائر پر

بھی اس نے ہندوستان کا حق تسلیم کیا اور لکھا کہ ''اس ضمن میں مجوزہ مسودے میں کوئی ترمیم نہیں کی جاسکتی۔'' مزید یہ کہ ''ان جزائر کی جغرافیائی پوزیشن ایسی ہے کہ انہیں پاکستان کو دینا ناممکن ہے۔''[89] 5 رجولائی کولسٹوول نے ماؤنٹ بیٹن کے نام مراسلے میں اسے وراثت کے مسئلہ پر لیبر حکومت کے سرکاری مؤقف سے آگاہ کیا جو پارلیمینٹ میں بحث کے دوران اختیار کیا جانا تھا۔ اس میں کہا گیا کہ ''ہمارے نقطۂ نظر کے مطابق نئی ڈومینین آف انڈیا موجودہ انڈیا کی بین الاقوامی حیثیت کے تسلسل کا نام ہے اور بین الاقوامی قانون کے مطابق اقوام متحدہ کی رکنیت جو موجودہ انڈیا نے سان فرانسسکو چارٹر پر دستخط کر کے حاصل کی تھی خود بخود نئی ڈومینین آف انڈیا کو منتقل ہوجائے گی۔ علاوہ ازیں جن بین الاقوامی تنظیموں اور خصوصی ایجنسیوں میں موجودہ انڈیا شامل ہے، ان کی رکنیت بھی خود بخود نئی ڈومینین آف انڈیا کو منتقل ہوجائے گی۔ البتہ نئی ڈومینین آف پاکستان کو اقوام متحدہ کی نئے سرے سے رکنیت حاصل کرنا ہوگی......'' اس کے علاوہ یہ کہ ''تمام بین الاقوامی حقوق اور ذمہ داریاں جو برطانوی انڈیا کو حاصل تھیں خود بخود ہندوستان کو تفویض ہوجائیں گی۔'' تاہم ان علاقوں کے بارے میں جو علیحدگی اختیار کر رہے تھے یعنی پاکستان کے بارے میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ ''وہ معاہدے جو علاقائی اور مقامی اہمیت کے حامل ہیں اور نیا انڈیا ان کی پاسداری نہیں کرسکتا اور یہ ان ملکوں یا علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں جو پاکستان سے ملحق ہیں تو ان کے حقوق اور ذمہ داریاں پاکستان کو خود بخود منتقل نہیں ہوں گی۔ بلکہ پاکستان کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنے قیام کے بعد ان مقامی معاہدوں کی ذمہ داریاں قبول کر کے اور ان کے فوائد کا دعویٰ کر کے خود اپنی پوزیشن کو نئے انڈیا کے برابر لے آئے۔''[90] اگر یہاں بھی مقامی معاہدوں کی حد تک ہی ''خود بخود منتقلی'' کی رعایت دے دی جاتی تو بعد میں پاک۔ افغان تعلقات میں بھارت کی جانب سے مشکلات پیدا کرنے کا یہ وسیلہ اسے حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن انگریز ہر قیمت پر ہندوستان کو اس علاقے کی بالا دست طاقت کے طور پر چھوڑ کر جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ متذکرہ سرکاری مؤقف اور ارکان پارلیمینٹ کی تقریریں پیش ہونے کے بعد معمولی ردوبدل کے ساتھ آزادئ ہند کا بل 16 رجولائی کو پارلیمینٹ کے دونوں ایوانوں نے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ 18 رجولائی کو شاہ برطانیہ نے اس کی توثیق کردی اور یہ آزادئ ہند کا قانون بن گیا۔

باب: 14

تقسیم پر عملدرآمد اور قیام پاکستان

عبوری حکومت کی تشکیل نو

کانگرس کافی عرصہ سے یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ عبوری کابینہ کے مسلم لیگی ارکان کو برطرف کر دیا جائے۔ پہلے کانگرس کا موقف یہ رہا کہ چونکہ مسلم لیگ نے آئین ساز اسمبلی کا بائیکاٹ کر رکھا ہے اس لئے اس کے ارکان کو عبوری کابینہ میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اعلان 3/جون کے بعد یہ مطالبہ زیادہ شدت اختیار کر گیا۔ ماؤنٹ بیٹن اس مطالبے کو پورا کرنا چاہتا تھا اور لیگ کے ارکان کو کابینہ سے علیحدہ کر کے ان کی ایک شیڈو کابینہ بنانا چاہتا تھا جس کو وہ قیام پاکستان تک کوئی اختیار نہیں دینا چاہتا تھا۔ جناح نے اسے قانونی بنیادوں پر چیلنج کیا اور برطانوی حکومت نے آزادئ ہند بل کی منظوری تک اسے ٹال دیا۔ تاہم ماؤنٹ بیٹن نے کابینہ کے تمام ارکان سے استعفے طلب کر لئے تھے تاکہ قانون آزادئ ہند کی منظوری کے بعد وہ کابینہ دوبارہ تشکیل کر سکے۔ کانگرس کے تمام ارکان نے اپنے استعفے اسے پہنچا دیئے تھے لیکن لیگ کی جانب سے لیت ولعل سے کام لیا جا رہا تھا۔ لیگ کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ پہلے ماؤنٹ بیٹن اپنے ارادے سے آگاہ کرے کہ کن خطوط پر کابینہ کی تشکیلِ نو کی جائے گی، تب ہی استعفے دیئے جا سکتے ہیں۔ ادھر نہرو دباؤ ڈال رہا تھا کہ لیگ کو جلد از جلد کابینہ سے بے دخل کیا جائے کیونکہ اس کے بقول لیگ کی کابینہ میں موجودگی کی وجہ سے وہ اپنے حلقہ ہائے نیابت میں غیر مقبول ہوتے جا رہے تھے اور نئے انتخابات کی صورت میں کانگرس کے دوبارہ کامیاب ہونے کی امید نہیں تھی، حال ہی میں اس کے بقول اسی وجہ سے ایک ضمنی انتخاب میں کانگرس

کے امیدوار کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔[1] اس سے ہندو مسلم تضاد کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

8 رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح اور لیاقت کے ساتھ اس مسئلہ پر بات چیت کی۔ جناح نے کہا کہ آخری تین ہفتوں کے لئے ہمارے ارکان کو کابینہ سے بے دخل کر کے ان کی بے عزتی کی جارہی ہے۔ لیاقت نے کہا کہ دراصل یہ ایک سازش ہے جس کے ذریعے کانگرس کو اثاثے منتقل کرنے کے لئے پاکستان کے خلاف موقع فراہم کیا جارہا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ کانگرس جلد از جلد اپنے گھر کی مالک بن جانا چاہتی ہے۔ جناح نے کہا کہ اس وقت ہمارے ارکان صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے سلسلے میں سرحد گئے ہوئے ہیں۔ ان کی واپسی کے بعد 17 رجولائی کو میں کوئی مناسب جواب دے سکوں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس ملاقات کی رپورٹ لندن ارسال کی تو اس میں لکھا کہ یہ لوگ استعفےٰ نہ دے کر مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں ان کو ڈس مس کر دوں۔[2] ادھر سردار پٹیل نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک خط لکھ کر مطالبہ کیا کہ تمام مسلمان سرکاری افسروں کو جلد از جلد گورنمنٹ آف انڈیا سے نکال باہر کیا جائے۔ نہرو نے بھی ایک خط میں مطالبہ کیا کہ جن افسروں اور ملازموں نے حکومت پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا ہے انہیں فوری طور پر علیحدہ کیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ 10 رجولائی کو ملاقات کر کے پٹیل نے ان مطالبات پر زور دیا تو ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جلد از جلد دو الگ حکومتیں قائم ہونی چاہئیں جو شروع میں دہلی میں کام کرتی رہیں۔ پٹیل نے کوئی خاص اعتراض نہیں کیا۔ چنانچہ اسی روز نہرو کے معاون کرشنا مینن نے دو علیحدہ عبوری حکومتوں کے قیام کا خاکہ بنا کر ماؤنٹ بیٹن کو پیش کر دیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے 11 رجولائی کو نہرو کو لکھا کہ ''اس خاکے کی بنیاد پر میں اب حکومت کی تشکیل نو کے بارے میں جناح سے کسی قسم کی رضامندی یا منظوری لینا نہیں چاہتا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر آپ اسے منظور کر لیں تو میں اسے قانون آزادئ ہند کی منظوری کے اگلے دن یعنی 18 رجولائی کو نافذ کر دوں گا اور جناح کو بلا کر اعلامیہ اس کے حوالے کر دوں گا۔''[3] گویا ماؤنٹ بیٹن نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ لیگی ارکان کے استعفیٰ نہ دینے کی صورت میں وہ انہیں برطرف کر کے ایک حکم نامے کے ذریعے دو الگ عبوری حکومتیں وضع کر دے گا۔ تاہم اس نے ایک اور کوشش کرنے کے لئے 12 رجولائی کو جناح کے ساتھ ملاقات کی اور

مسلم لیگ کے لئے شیڈو کابینہ وضع کرنے کی اپنی تجویز کا اعادہ کیا۔ جناح نے کہا کہ ''میرے رفقاء اسے نہ تو منظور کرتے ہیں اور نہ اس میں شامل ہوں گے۔'' ماؤنٹ بیٹن نے یہ دھمکی بھی دی کہ میں آزادئ ہند بل کی شق نمبر 9 میں دیئے گئے خصوصی اختیارات استعمال کر کے بھی اس سکیم کو نافذ کرسکتا ہوں۔ لیکن جناح نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔''[4]

14 رجولائی کو ''جینئس'' وی۔ پی مینن نے ماؤنٹ بیٹن کو ایک ایسا فارمولا پیش کیا کہ اب اسے لیگی ارکان کے استعفوں کی ضرورت نہ رہی۔ تجویز یہ تھی کہ موجودہ عبوری حکومت کو توڑنے کے بجائے اس کے ارکان کو تفویض محکموں میں ردوبدل کر دیا جائے۔ یہ ردوبدل اس انداز سے کیا جائے کہ مطلوبہ مقصد حاصل ہوجائے یعنی دو الگ وزارتیں تشکیل پا جائیں۔ طریقہ یہ تھا کہ گورنر جنرل کو محکموں کے نام تبدیل کرنے اور نئے محکموں کا اضافہ کرنے کے جو اختیارات حاصل تھے ان کو بروئے کار لاکر موجودہ تمام محکموں کے نئے نام رکھ دیئے جائیں۔ یعنی محکمہ خارجہ کو محکمہ خارجہ (انڈیا)، خزانہ کو محکمہ خزانہ (انڈیا)، دفاع کو دفاع (انڈیا)، مواصلات کو مواصلات (انڈیا) وغیرہ وغیرہ اور اتنی ہی تعداد میں نئے محکمے وضع کر دیئے جائیں جن کے نام ہوں محکمہ خارجہ (پاکستان)، خزانہ (پاکستان)، دفاع (پاکستان)، مواصلات (پاکستان) وغیرہ وغیرہ۔ محکموں کے دائرہ کار اس طرح متعین ہوں کہ ''انڈیا'' والے محکمے انڈیا اور ''پاکستان'' والے محکمے پاکستان کے علاقوں سے سروکار رکھیں۔ اس فارمولے کی مخالفت میں لیگ کے ارکان زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ نئے محکمے قبول کرنے سے انکار کر دیتے اور مستعفی ہونے پر مجبور ہوجاتے۔ تجویز کے مطابق اس صورت میں ماؤنٹ بیٹن ان محکموں کو خود اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔

ماؤنٹ بیٹن اس فارمولے پر بڑا خوش ہوا اور بڑی مسرت کے ساتھ اس نے اس کی تفصیل لندن ارسال کی۔ وہاں سے فوراً اس کی منظوری مل گئی۔ نہرو اور پٹیل کی جانب سے پہلے ہی اس فارمولے کو تائید حاصل تھی۔ 15 رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح اور لیاقت کو بٹوارا کونسل کے اجلاس کے بعد روک لیا اور انہیں اس حکم نامے کی نقول دکھائیں جس کے ذریعے وہ کابینہ کی نئی تشکیل کرنے جا رہا تھا۔ جناح نے کہا کہ ''میں اس پر سوچوں گا۔'' ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مجھے اس پر آپ کے مشورے کی ضرورت نہیں

ہے۔ یہ ایک حکم نامہ ہے جسے میں بل کی شق نمبر 9 کے تحت حاصل کردہ اختیارات کے مطابق جاری کر رہا ہوں۔ اب مجھے لیگ کے ارکان کے استعفوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' پھر اس نے کچھ وضاحت پیش کی کہ پاکستان کی عبوری کابینہ یا کونسل اس کے لئے کن امور پر مشاورت کا کام کرے گی۔ جب جناح اور لیاقت جانے لگے تو اس نے اکیلے لیاقت کو ذرا دیر کے لئے روک لیا اور اس سے کہا کہ ''میں پاکستان کے لئے کابینہ کے احکامات پر جناح کا مشورہ طلب نہیں کروں گا کیونکہ وہ پاکستان کا مستقبل کا آئینی گورنر جنرل ہے۔ اس وقت کابینہ میں آپ اور آپ کے ساتھی ہیں چنانچہ اس سلسلے میں مجھے فقط آپ لوگوں کا مشورہ درکار ہوگا۔ آپ کو اس بارے میں کوئی واہمہ نہیں ہونا چاہیے کہ میں اب آئندہ اس معاملے میں جناح سے کسی قسم کا مشورہ طلب نہیں کروں گا۔''[5] ماؤنٹ بیٹن کو جناح۔ لیاقت تضاد کا بھی علم تھا اور وہ جانتا تھا کہ جس معاملے پر جناح نے سخت گیر مؤقف اختیار کیا ہوا ہے، لیاقت کو اس پر مائل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ 16 / جولائی کو ماؤنٹ بیٹن کی صدارت میں متحدہ ہند کی عبوری کابینہ کا آخری اجلاس ہوا جس میں کابینہ کی تشکیل نو کے نئے فارمولے پر کانگرس اور لیگ کے مابین اتفاق رائے ہوگیا۔

19 / جولائی کو نئی کابینہ وجود میں آگئی جو دراصل دو کابیناؤں کا مجموعہ تھی۔ طے یہ ہوا کہ ہندوستان کابینہ اور پاکستان کابینہ کا الگ اجلاس ہوا کرے گا اور ماؤنٹ بیٹن الگ الگ صدارت کیا کرے گا۔ اس کابینہ کے ارکان وہی رہے جو گزشتہ ایگزیکٹو کونسل یا کابینہ میں تھے تاہم پاکستان کے لئے تمام محکمے لیگ کے پانچ ارکان کے مابین تقسیم کر دیئے گئے تھے اور ہندوستان کے لئے تمام محکمے کانگرس کے 9 ارکان کے مابین تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ الگ الگ کابینہ تشکیل پانے کے فوراً بعد ان تمام مسلمان افسروں اور عملے کو جنہوں نے پاکستان حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تھا، نہ صرف ان کے محکموں سے نکال دیا گیا بلکہ انہیں انڈین سیکرٹریٹ کے کمروں سے بھی باہر نکال دیا گیا۔ چنانچہ پاکستانی محکموں کے سیکرٹری اور ان کے کلرک جولائی کی گرمی میں درختوں کے سائے میں اکٹھے بیٹھ کر اپنی فائلیں سنبھالتے رہے اور کام کرتے رہے۔[6] تا آنکہ اگست کے دوسرے ہفتے میں ان کی دہلی سے کراچی منتقلی شروع ہوگئی۔

باؤنڈری کمیشن کا قیام، اقوام متحدہ کو کیوں شامل نہ کیا گیا؟

3/جون کے اعلان میں پنجاب اور بنگال دو ایسے صوبے تھے جن کو تقسیم کا اختیار دیا گیا تھا۔ اعلان میں 1941ء کی مردم شماری کی بنیاد پر دونوں صوبوں کی مسلم وغیر مسلم آبادی کی سادہ اکثریت کو ملحوظ رکھ کر ضلع وار تقسیم کر دی گئی تھی جسے علامتی تقسیم کہا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ان اضلاع کے صوبائی اسمبلی کے رکن اپنے صوبے کے تقسیم ہونے یا نہ ہونے اور اس کے الحاق کا فیصلہ کر سکیں۔ اگرچہ اس طور بھی دونوں صوبوں کے واضح طور پر مغربی اور مشرقی حصے وجود میں آ گئے تھے۔ لیکن ضلع کی سطح سے نیچے جا کر مسلم وغیر مسلم اکثریت کے چھوٹے علاقوں کا جائزہ لینے، ان کے جغرافیائی طور پر ملحق ہونے اور بعض دوسرے عوامل کو پیش نظر رکھ کر حتمی خط تقسیم کھینچنے کی خاطر دونوں صوبوں کے لئے الگ الگ باؤنڈری کمیشن کا قیام عمل میں لایا جانا تھا۔ تاہم حتمی تقسیم کا فیصلہ ہونے تک تمام انتظامات علامتی تقسیم کے مطابق انجام دیئے جانے تھے۔ علامتی تقسیم کے مطابق مسلم اکثریتی اضلاع جو پاکستان کے صوبہ مغربی پنجاب اور صوبہ مشرقی بنگال میں شامل کئے گئے، یہ تھے۔

مشرقی بنگال

چٹاگانگ۔ نواکھلی۔ تپرہ۔ باقر گنج۔ ڈھاکہ۔ فرید پور۔ میمن سنگھ۔ جیسور۔ مرشد آباد۔ ناڈیہ۔ بوگرہ۔ دیناج پور۔ مالدہ۔ پبنہ۔ راجشاہی۔ رنگ پور۔

مغربی پنجاب

گوجرانوالہ۔ گورداسپور۔ لاہور۔ شیخوپورہ۔ سیالکوٹ۔ اٹک۔ گجرات۔ جہلم۔ میانوالی۔ راولپنڈی۔ شاہ پور۔ ڈیرہ غازی خان۔ جھنگ۔ لائل پور۔ منٹگمری۔ ملتان۔ مظفر گڑھ۔

7/جون کو ماؤنٹ بیٹن نے جناح، لیاقت اور نشتر کے ساتھ ملاقات میں باؤنڈری کمیشن کی تشکیل کے سلسلے میں گفتگو کی۔ ان میں طے پایا کہ ہر صوبے کے کمیشن میں اقوام متحدہ کے تین تین ارکان شامل کئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ کانگرس اور مسلم لیگ کے تین تین ارکان شامل کئے جائیں گے۔ 10/جون کو ماؤنٹ بیٹن نے نہرو، پٹیل اور کرپلانی کے ساتھ

ملاقات کے دوران باؤنڈری کمیشن کی تشکیل کے بارے میں یہ فارمولا پیش کیا اور ان کی رائے طلب کی۔ نہرو نے اقوام متحدہ کے ارکان کی شمولیت پر اتفاق نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ اس طرح تاخیر پیدا ہوگی۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ ہم اقوام متحدہ کو سیدھا تار دے دیں گے اور وہاں سے جن ارکان کو منتخب کیا جائے گا انہیں بذریعہ ہوائی جہاز یہاں بلالیں گے۔ نہرو نے کہا کہ ''اچھا میں اس پر مزید سوچ کر آپ کو بتاؤں گا۔'' اس ملاقات میں ماؤنٹ بیٹن نے یہ بھی بتایا کہ میں نے اپنے لندن کے گزشتہ قیام کے دوران سکھوں کے مسئلے پر بھی مشورہ کیا تھا۔ میری رائے میں باؤنڈری کمیشن کو یہ اختیار بھی حاصل ہونا چاہیے کہ وہ آبادی اور جائیداد کے تبادلے کا کوئی ایسا منصوبہ وضع کرے کہ جس سے سکھوں کی صورتحال کو بہتر بنایا جاسکے۔ اس کی رائے میں جناح بھی تبادلۂ آبادی کے اس اصول سے متفق تھے کہ جس میں سکھوں کے مفادات کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ پٹیل نے کہا کہ میں بھی اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ کسی طرح سکھوں کا مسئلہ حل ہونا چاہیے۔ لیکن نہرو نے کہا کہ میں تبادلۂ آبادی کے اصول کی مخالفت کرتا ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ مذہبی مقامات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ نیز نہری علاقوں کا سوال بھی اہمیت رکھتا ہے جہاں سکھوں نے بہت محنت کی ہوئی ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ جناح نے یہ یقین دہانی تو کرائی ہے کہ سکھوں کو اپنے مقدس مقامات تک رسائی حاصل رہے گی۔ اس پر پٹیل نے شکوک وشبہات کا اظہار کیا اور گفتگو کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی۔[7]

10رجون کی شام کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا کہ آج صبح کی ملاقات میں باؤنڈری کمیشن میں اقوام متحدہ کے نمائندوں کو شامل کرنے کی جو تجویز پیش کی گئی تھی اس کے بارے میں ہم نے سوچا ہے، وہ ہمیں نامنظور ہے۔ ''ہمارے خیال میں یہ قابل عمل نہیں ہے۔ اس سے تاخیر پیدا ہوگی۔ اقوام متحدہ ہیڈ کوارٹرز کو غالباً ہر رکن حکومت کے ساتھ رابطہ قائم کرنا پڑے گا اور نمائندے منتخب کرتے کرتے ہی خاصا وقت گزر جائے گا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جو نمائندے منتخب ہوں وہ مناسب بھی ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے پہلو ہیں جو اس تجویز کے خلاف جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم اس کا خیر مقدم نہیں کریں گے۔'' اس کے بجائے اس نے کانگرس کی جانب سے یہ تجویز رکھی کہ ہر کمیشن چار چار ارکان پر مشتمل ہو جس میں دو کانگرس اور دو مسلم لیگ سے لئے جائیں۔ ہر کمیشن کا ایک غیر جانب دار چیئر مین ہو جو یہ چار ارکان اپنے

اندر سے بھی چن سکتے ہیں۔[8]

13 رجون کو ماؤنٹ بیٹن نے کانگرس اور لیگ کے رہنماؤں کے مشترکہ اجلاس میں باؤنڈری کمیشن سے متعلق دونوں تجاویز کو سامنے رکھا۔

ا۔ ہر کمیشن میں تین ارکان اقوام متحدہ سے اور تین تین ارکان منقسم صوبے کے ہر دو حصوں سے لئے جائیں۔

ب۔ ہر کمیشن میں چار چار ارکان ہوں جن میں دو کانگرس اور دو لیگ نامرد کرے۔ ان کے علاوہ ایک غیر جانب دار چیئر مین ہونا چاہیے۔

نہرو نے تجویز ا کے خلاف اپنے موقف کو دھراتے ہوئے نامنظور کر دیا اور تجویز ب کو اختیار کرنے پر زور دیا۔ جناح نے کہا کہ "میری ترجیح تو تجویز ا ہے تاہم میں تجویز ب کو بھی اختیار کرنے پر آمادہ ہوں۔" چنانچہ تجویز ب کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ اسی روز لندن سے وزیر ہندلسٹوول نے اس مسئلہ پر ماؤنٹ بیٹن کو مراسلہ بھیجا جو یہاں 14 رجون کو موصول ہوا۔ اس مراسلے میں برطانوی حکومت کی جانب سے نہرو کے اس موقف کی تائید کی گئی تھی کہ اقوام متحدہ کے نمائندوں کو باؤنڈری کمیشن میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اس نے تاخیر کے علاوہ بعض دوسری وجوہات بھی بیان کیں۔ اس نے لکھا کہ "اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بین الاقوامی حلقے کے اندر سے ان نمائندوں کا انتخاب کرتے وقت یہ دیکھنے کے بجائے کہ یہ لوگ اس کام کے لئے موزوں ترین ہوں گے۔ بہت سے دوسرے پہلوؤں کو بھی دیکھنا پڑے گا...... اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ روسی اور مشرقی یورپی ممالک بعض دوسرے سیاسی مسائل کھڑے کر دیں گے۔"[9] چنانچہ نہرو نے ہندو بورژوا کے مفاد کی خاطر اور برطانوی حکومت نے اپنے سامراجی مفاد کی خاطر باؤنڈری کمیشن میں اقوام متحدہ کو ملوث کرنا مناسب نہ سمجھا اور کمیشن کی غیر جانب داری اس کی تشکیل سے پہلے ہی مشکوک ہو گئی۔

ظفر اللہ خان لکھتا ہے کہ "میرے مشورے کے مطابق قائداعظم نے انگلستان کی پریوی کونسل کے تین جج صاحبان کو حد بندی کمیشن میں بطور اراکین شامل کئے جانے کی تجویز بھی کی۔ لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس بودے عذر پر اس تجویز کو ٹال دیا کہ پریوی کونسل کے جج صاحبان عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کی گرمی برداشت نہ کر سکیں گے۔"[10]

چنانچہ برطانوی حلقے میں رہتے ہوئے جو زیادہ سے زیادہ غیر جانب دار ادارہ اس کام میں ملوث کیا جا سکتا تھا، وہ بھی نہ کیا گیا۔

جناح کو برطانوی حکومت اور ماؤنٹ بیٹن کے کانگرس نواز رجحان پر گہری تشویش تھی اور وہ چاہتے تھے کہ باؤنڈری کمیشن برطانوی حکومت اور ماؤنٹ بیٹن کے براہ راست اثر سے جس قدر ممکن ہو آزاد ہو۔ آزادیٔ ہند بل کے مسودے میں جو یکم جولائی کو دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کو دکھایا گیا تھا، کہا گیا تھا کہ باؤنڈری کمیشن اپنی رپورٹ گورنر جنرل کو پیش کر دے گا جس کی روشنی میں گورنر جنرل کے حکم سے سرحدوں کا تعین کیا جائے گا۔ مسلم لیگ نے اس میں یہ ترمیم منظور کروائی کہ کمیشن کے فیصلے کو ہی ایوارڈ قرار دیا جائے اور سب اسے تسلیم کریں۔ چنانچہ بظاہر حد بندی، گورنر جنرل کے اثر سے آزاد ہو گئی لیکن حقیقتاً ایسا نہ ہو سکا جیسا کہ آگے چل کر ذکر آئے گا۔

جب باؤنڈری کمیشن کی تشکیل کے لئے تجویز پر اتفاق رائے ہو گیا تو سوال پیدا ہوا کہ اس کا غیر جانب دار چیئرمین کون ہو گا؟ اس سلسلے میں برطانوی حکومت نے انگلستان بار کے ایک رکن سیرل ریڈ کلف کا نام تجویز کیا۔ یہ شخص لندن میں وکالت کرتا تھا اور پارلیمنٹ کا رکن بھی تھا۔ 27/جون کو بٹوارا کونسل کے اجلاس میں کانگرس اور لیگ کے رہنماؤں نے ریڈ کلف کی تقرری کو متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ کانگرس اور لیگ کی جانب سے کمیشن کے ارکان پہلے ہی نامزد کئے جا چکے تھے۔ چنانچہ 30/جون کو بنگال اور پنجاب دونوں کی حد بندی کے لئے باؤنڈری کمیشنوں کا اعلان کر دیا گیا۔ سیرل ریڈ کلف دونوں کمیشنوں کا مشترکہ چیئرمین تھا۔ بنگال باؤنڈری کمیشن میں جسٹس ایم صالح محمد اکرم، جسٹس ایس۔اے۔رحمان، جسٹس سی۔سی۔ بسواس اور جسٹس بی۔ کے مکرجی شامل تھے جب کہ پنجاب باؤنڈری کمیشن جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ پر مشتمل تھا۔

ریڈ کلف 8/جولائی کو دہلی پہنچا اور وائسرائے سٹاف میٹنگ میں شریک ہوا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس کو تاکید کی کہ باؤنڈری کمیشن کا کام 14/اگست تک ختم ہو جانا چاہیے۔ 10/جولائی کو ریڈ کلف نے بٹوارا کونسل کے اجلاس میں شرکت کی۔ ریڈ کلف نے یہ نقطہ اٹھایا کہ آزادیٔ ہند بل میں باؤنڈری کمیشن سے متعلقہ شقوں میں لفظ ''ایوارڈ'' کی تشریح نہیں کی گئی

کہ اس سے کیا مراد لیا جائے گا؟۔ کیا باؤنڈری کمیشن کا ایوارڈ اس کے ارکان کی کثرت کا فیصلہ ہوگا جس میں چیئر مین کو کاسٹنگ ووٹ ڈالنے کا اختیار ہوگا اور کیا یہ چیئر مین کے اپنے ووٹ کے علاوہ ہوگا؟۔ کیا بعض فیصلے کسی ایک فریق کے ارکان کی اکثریت اور بعض فیصلے دوسرے فریق کی اکثریت کے مطابق کئے جائیں گے؟ ان سوالات پر غور وخوض کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ دراصل کمیشن کے ارکان کو ثالث کا درجہ حاصل ہوگا جو فریقین کا موقف سن کر اپنی رائے دیں گے لیکن امپائر کا درجہ چیئر مین کو حاصل ہوگا اور جو فیصلہ وہ صادر کرے گا اسے ایوارڈ قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ کمیشن کے ایوارڈ سے مراد اس کے چیئر مین کے فیصلوں پر مبنی وہ رپورٹ ہو گی جو وہ کمیشن کا کام ختم ہونے پر گورنر جنرل کے حوالے کر دے گا۔ [11] یہ تشریح برطانوی حکومت کو بھیج دی گئی جہاں اسے آزادیٔ ہند بل کی متعلقہ شقوں میں شامل کر دیا گیا اور 18 رجولائی کو بل کی منظوری اور شاہی توثیق کے بعد آزادیٔ ہند قانون کا حصہ بن گئی۔ اس طرح گویا حد بندی کا حتمی اختیار کمیشن کے مقامی ارکان کے ہاتھوں سے نکل کر بظاہر ایک شخص ریڈکلف کے ہاتھ میں سمٹ آیا تھا۔ برطانوی سامراجی نظام کے اس بھاڑے کے کارندے سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت کے اثر سے بالکل آزاد اور غیر جانب دار فیصلہ یا ایوارڈ جاری کر سکتا تھا۔

سکھوں کا تقسیم پنجاب کا اپنا فیصلہ ان کی بقا کی جنگ میں بدل گیا

سکھوں نے پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ کانگرس کے ایما پر کیا تھا۔ خود کانگرس نے پنجاب کی تقسیم کی قرارداد منظور کی تھی۔ اس کو ماؤنٹ بیٹن کی تائید بھی حاصل تھی۔ اس مطالبے سے کانگرس اور ماؤنٹ بیٹن کا مقصد مسلم لیگ کو مطالبہ پاکستان سے پیچھے ہٹانا تھا۔ سکھ اپنے حقوق کے تحفظ کی لڑائی لڑنے کے بجائے اس مطالبے میں کانگرس کے ہم نوا بن گئے کہ شاید اس طرح پاکستان کے قیام کا امکان ٹل جائے گا اور وہ وہیں بیٹھے رہیں گے جہاں بیٹھے تھے۔ اعلان 3 رجون کے بعد جب پاکستان کا قیام یقینی ہو گیا تو سکھوں پر کھلا کہ وہ تقسیم روکنے کے بجائے خود تقسیم کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ متحدہ پنجاب کا 13 فیصد تھے۔ آبادی کی مسلم وغیر مسلم اکثریت کی بنیاد پر تقسیم کی لکیر کے دونوں طرف بٹ جانے کے بعد وہ دونوں میں سے کسی حصے

میں بھی ایک مؤثر قوت نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے تقسیم کے مطالبے پر نظر ثانی نہ کی۔ اس کی وجہ مارچ میں راولپنڈی ڈویژن میں مسلمانوں کے ہاتھوں سکھوں کے قتل عام کی بدولت تاریخی سکھ۔مسلم تضاد کا شدت اختیار کر جانا بھی قرار دیا جاسکتا تھا اور دوسری طرف سکھ رہنما ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت سکھ قوم کی تاج برطانیہ کے لئے کی گئی خدمات کے عوض حد بندی میں ان کو خاصی رعایات دے دیں گے۔ اعلان 3رجون میں تقسیم کے لئے آبادی کے علاوہ ''دیگر عوامل'' کو بھی پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اس سے سکھوں کی خوش فہمی کو تقویت ملی۔

ان حالات میں سکھ رہنماؤں نے مشرقی پنجاب کو اپنا مرکز مان کر مغربی پنجاب کی طرف اپنی سرحد کو زیادہ سے زیادہ مغرب کی جانب دھکیلنے کا منصوبہ بنایا تاکہ مشرقی پنجاب کم از کم 75فیصد سکھ آبادی کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مغربی پنجاب بالخصوص کالونی اضلاع میں اپنی غیر منقولہ جائیدادوں، ریونیو میں حصہ اور گورونانک کی جائے پیدائش ننکانہ صاحب کو بنیاد بنا کر ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت کو عرضداشتیں بھیجنا شروع کردیں لیکن یہ بے سود ثابت ہوئیں کیونکہ تقسیم کی بنیاد جائیدادوں اور مذہبی مقامات کو بنایا جاتا تو مسلمانوں کی جانب سے بھی ایسے ہی دعوے کئے جاتے اور مسئلہ کہیں ختم نہ ہوتا۔ تاہم سکھوں نے تقسیم کے مطالبے پر نظر ثانی کرنے کے بجائے تقسیم ہی کو اپنی منشا کے مطابق ڈھالنے کا عزم کرلیا تھا اور اس کے لئے انہوں نے عرضداشتوں اور اپیلوں کے ساتھ ساتھ مسلح ایجی ٹیشن کا بھی وسیع پروگرام تیار کرلیا ہوا تھا۔ پنجاب میں وسیع پیمانے پر قتل عام اور لوٹ کھسوٹ کے خونی ڈرامے کی سٹیج تیار ہوچکی تھی۔

8رجولائی کو جب ریڈ کلف دہلی پہنچا تو سکھوں کی جانب سے پورے ہندوستان میں یوم سیاہ منایا جارہا تھا۔ سکھوں نے اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھیں۔ گوردواروں میں بڑے بڑے اجتماعات ہوئے جن میں اس مضمون کی قراردادیں منظور کی گئیں کہ اگر تقسیم سے سکھوں کی سالمیت اور سلامتی کو کوئی نقصان پہنچا تو اسے منظور نہیں کیا جائے گا اور حالات خراب ہوجائیں گے۔ اس احتجاج کا مقصد باؤنڈری کمیشن پر دباؤ ڈالنا تھا۔ شرومنی اکالی دل کے قائم مقام صدر امر سنگھ دوسانج اور جنرل سیکرٹری امر سنگھ انبالوی نے اعلان کیا کہ اگر تقسیم سے سکھ مطمئن نہ ہوئے تو پنجاب

میں امن نہیں رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ سکھوں کا کم از کم مطالبہ یہ ہے کہ دریائے چناب کو سرحد قرار دیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب سکھوں نے تقسیم پنجاب کا مطالبہ کیا تھا تو ان کے ذہن میں یہ تھا کہ فقط بہت زیادہ مسلم اکثریت والے علاقوں کو پنجاب سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے سردار بلدیو سنگھ نے کہا کہ اگر باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ سکھوں کے خلاف ہوا تو انہیں ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ اس نے کہا کہ سکھوں نے برطانیہ کے اعلان 3 رجون کو منظور کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان فیصلوں کو بھی مان لیں گے جن سے ہمارا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے۔ اس نے کہا کہ مسلم اکثریتی علاقوں میں ہماری زرخیز نہری اراضی کو اور گوردواروں کو خطرہ لاحق ہے۔ ان علاقوں کا فیصلہ کرتے وقت یہ بھی دیکھا جائے کہ ہم کتنے فیصد ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ہماری جائیداد کتنی ہے۔[12]

10 رجولائی کو شرومنی اکالی دل کے سربراہ گیانی کرتار سنگھ نے گورنر پنجاب ایوان جینکنز کے ساتھ ملاقات کی۔ کرتار سنگھ نے کہا کہ آزادیٔ ہند بل کا جو مسودہ شائع ہوا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ اگر 15 راگست تک باؤنڈری کمیشن نے ایوارڈ جاری نہ کیا تو علامتی تقسیم کی بنیاد پر دونوں حکومتیں اپنا چارج سنبھال لیں گی۔ اس نے کہا کہ سکھ کسی قیمت پر علامتی تقسیم کو قبول نہیں کریں گے خواہ یہ عارضی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر اس بنیاد پر 15 راگست کو حکومتیں قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو سکھ نہ صرف یہ کہ مشرقی پنجاب کی حکومت میں شامل نہیں ہوں گے بلکہ وہ یونین گورنمنٹ آف انڈیا سے بھی کوئی سروکار نہیں رکھیں گے۔ ان حالات میں ہمیں کچھ اور ہی اقدام اٹھانے پڑیں گے۔ اس نے سکھوں کے مطالبات کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں کم از کم ایک نہری نظام اور ننکانہ صاحب ضرور دیا جائے تا کہ تین چوتھائی یا کم از کم دو تہائی سکھ آبادی مشرقی پنجاب کے دائرے میں آ جائے۔ ایک نہری نظام سے اس کی مراد یہ تھی کہ ضلع منٹگمری سارا سکھوں کو دے دیا جائے۔ علاوہ ازیں اس نے بڑے پیمانے پر آبادی کے تبادلے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر آپ نے اس کا بندوبست نہ کیا تو لڑائی ناگزیر ہو جائے گی۔ اس نے باؤنڈری کمیشن میں شامل ججوں کے بارے میں کہا اس میں ان کی حیثیت جج کی نہیں بلکہ ایڈووکیٹ کی ہے۔ کمیشن میں شامل سکھ جج تیجا سنگھ کے بارے میں اس نے کہا کہ وہ اپنی قوم کے لئے کچھ نہیں کر سکے گا اور یہ کہ سکھوں کو باؤنڈری کمیشن سے کسی انصاف کی توقع نہیں ہے۔ جب جینکنز نے اس سے

پوچھا کہ ''کچھ اور ہی اقدام اٹھانے'' کی دھمکی سے اس کی کیا مراد ہے تو گیانی نے کہا کہ سکھوں کو انقلابی خطوط پر لڑائی لڑنا ہوگی۔ وہ سرکاری افسروں کو قتل کریں گے، ریلوے اور ٹیلی گراف لائنوں کو کاٹ دیں گے، نہروں کے ہیڈورکس کو اڑا دیں گے۔ وغیرہ۔ جینکنز نے پوچھا کہ آپ اپنی لڑائی کب شروع کریں گے۔ گیانی نے جواب دیا کہ ہم اس کے لئے دو تین سال انتظار نہیں کریں گے۔ انگریزوں کے رخصت ہوتے ہی ہم اپنے منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیں گے۔ جینکنز نے پوچھا کہ کیا کانگرس آپ کے پرتشدد اقدامات کو پسند کرے گی۔ گیانی نے جواب دیا کہ مجھے نہ تو پہلے کانگرس پر اعتبار تھا اور نہ اب ہے۔ تاہم اس نے بتایا کہ سکھ ریاست کے قیام کے بارے میں مہاتما گاندھی اور سردار پٹیل ہمدردانہ رویہ رکھتے ہیں۔ یہ ریاست جاٹوں کے اضلاع کو علیحدہ کر کے یو۔ پی میں شامل کرنے کے بعد باقی ماندہ مشرقی پنجاب پر مشتمل ہوگی۔ اس کی مغربی سرحد جس قدر زیادہ مغرب کی جانب ہوا تنا ہی زیادہ سکھ آبادی اس کے مشرق میں آ جائے گی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سکھ ریاست پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بفر سٹیٹ کا کام دے گی۔ جینکنز نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کے امکان کے بارے میں دریافت کیا تو گیانی نے کہا کہ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی جانب سے صلح جویانہ باتیں کی جارہی ہیں لیکن ان کے ساتھ کسی قسم کی صلح کا امکان موجود نہیں ہے۔[13] جینکنز کے ساتھ گیانی کرتار سنگھ کے اس تفصیلی انٹرویو میں اور اس سے پیشتر بھی کئی موقعوں پر گیانی کرتار سنگھ نے جینکنز، ماؤنٹ بیٹن اور دیگر حکام سے منظم طور پر تبادلہ آبادی کے منصوبے پر عملدرآمد کا مطالبہ کیا تھا۔ جناح نے بھی بعض موقعوں پر تبادلہ آبادی کی تجویز کا ذکر کیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے 10 رجون کو کانگرسی رہنماؤں کے ساتھ ملاقات میں باؤنڈری کمیشن کے ذمے یہ کام بھی لگانے کا ذکر کیا تو نہرو نے سختی کے ساتھ اس تجویز کو رد کر دیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں کوئی معمولی سی پیش رفت بھی نہ ہوئی۔ متذکرہ انٹرویو میں گیانی کرتار سنگھ نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے سکھوں کی طرف سے بڑے پیمانے پر بدامنی اور قتل و غارت کے منصوبے کو بھی افشا کر دیا تھا۔ یہ محض دھمکیاں نہ تھیں بلکہ جینکنز اپنے خفیہ اداروں کی رپورٹوں سے بھی ان کی تصدیق کر چکا تھا۔

11 رجولائی کو جتھے دار موہن سنگھ اور سردار ہرنام سنگھ نے بھی جینکنز کے ساتھ ملاقات کے دوران سکھوں کے منصوبوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ''واحد حل یہ ہے کہ بڑے پیمانے

پر آبادی کا تبادلہ عمل میں لایا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو سکھ خود اس کا سامان پیدا کر دیں گے۔ اس کے لئے وہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام کریں گے۔ ادھر مسلمان پہلے ہی راولپنڈی ڈویژن سے سکھوں کو نکال چکے ہیں اور وہاں ان کی چھوڑی ہوئی خاصی زمین اور جائیداد پڑی ہوئی ہے جو مشرقی پنجاب سے جانے والے مسلمانوں کو دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح سکھ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکال باہر کریں گے اور ان کی جگہ مغرب سے سکھوں کو بلا کر آباد کر دیں گے۔'' وہ اپنے اس منصوبے پر انتقال اقتدار کے فوراً بعد عملدرآمد کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں کانگرس کے بارے میں شدید بے اعتمادی کا بھی اظہار کیا۔ جینکنز نے ان سے کہا کہ مشرقی پنجاب میں سکھوں کو گورنری یا وزارت اعلیٰ مل جانے کا خاصا امکان ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہمارے لئے اس قسم کی چیزیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ ہندو اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ آہستہ آہستہ سکھوں کا اثر ورسوخ ختم ہو جائے۔[14] سکھ رہنماؤں کی ان باتوں میں مستقبل قریب اور بعید دونوں کا نقشہ دیکھا جا سکتا تھا۔ جو کچھ مستقبل قریب میں قتل وغارت اور خونریزی ہونے والی تھی، وہ اس کے بارے میں بھی واضح تھے اور جو کچھ مستقبل بعید میں ہندوؤں نے ان کے ساتھ کرنا تھا وہ اس سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

گورنر جینکنز کو سرکاری خفیہ رپورٹوں کے علاوہ خود سکھ رہنماؤں کے منہ سے ان کے منصوبوں کا احوال جاننے کے بعد اب یہ اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ پنجاب میں کیا ہونے والا ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً ماؤنٹ بیٹن کو اس بارے میں آگاہ کرتا رہا تھا۔ اس نے 9/جولائی کو ماؤنٹ بیٹن کو لکھا تھا کہ پنجاب میں اور خاص طور پر سکھوں میں، تقسیم پر سخت تلخی پائی جاتی ہے اور وہ چاہیں تو گڑبڑ پھیلا سکتے ہیں۔ اگر باؤنڈری کمیشن نے اپنا ایوارڈ 15/اگست سے پہلے دے دیا تو یہ گڑبڑ اس کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گی اور اگر 15/اگست تک نہ دیا تو گڑبڑ 15/اگست کے بعد شروع ہو گی۔[15] چنانچہ ماؤنٹ بیٹن نے 11/جولائی کو اپنے معاون جارج ایبل کو موقعہ پر حالات کا جائزہ لینے کے لئے لاہور بھیجا۔ ایبل نے 12/جولائی کو واپس دہلی پہنچ کر ماؤنٹ بیٹن کو جو رپورٹ پیش کی اس میں اس نے لکھا کہ ''سکھ خطرناک موڈ میں ہیں۔ گیانی کرتار سنگھ نے یہ الٹی میٹم دے دیا ہے کہ سکھ علامتی سرحدوں کو تسلیم نہیں کریں گے اور 15/اگست کے بعد گوریلا جنگ کا آغاز کر دیں گے۔'' رپورٹ میں مزید بتایا گیا کہ سکھ اور

ہندو جو 15 راگست کو مشرقی پنجاب کی حکومت بنائیں گے وہ اپنی حکومت کا صدر مقام لاہور میں ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر وہ لاہور سے چلے گئے تو ان کا اس شہر پر جو حق ہے وہ کمزور پڑ جائے گا۔ رپورٹ میں ضلع منٹگمری پر سکھوں کے دعوے کو بھی جائز قرار دیا گیا کہ انہوں نے اضلاع منٹگمری اور لائل پور میں نئی نہری آبادکاری میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ایبل کی رائے تھی کہ اگر مسلم لیگ ضلع منٹگمری سکھوں کو دے دے تو سکھوں اور مسلم لیگ کے مابین کوئی تصفیہ ممکن ہے اور یوں انتشار اور خون خرابے سے بچا جا سکتا ہے ورنہ اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ لیکن کسی ریکارڈ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماؤنٹ بیٹن یا اس کے کسی معاون نے اس تجویز کا مسلم لیگ کی قیادت سے کوئی تذکرہ کیا یا سکھوں اور مسلم لیگ کے مابین کسی تصفیے کے لئے کوشش کی۔ ادھر سکھ کانگرس کی طرف سے بھی مایوس ہوتے جا رہے تھے۔ گورنر جینکنز نے ایبل کے ہمراہ ایک رپورٹ ماؤنٹ بیٹن کو ارسال کی جس میں کہا گیا کہ سکھوں میں یہ خوف پایا جاتا ہے کہ مغربی پنجاب میں مسلمان ان کا قتل عام کریں گے جب کہ مشرقی پنجاب میں کانگرس اور ہندو ان کا دم گھونٹ کر مار ڈالیں گے۔"[16] 14 رجولائی ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک خط میں جینکنز نے لکھا کہ "سکھ کانگرس کے بارے میں بھی اتنے ہی بدگمان ہو چکے ہیں جتنا کہ وہ مسلمانوں سے ہیں۔"[17] چنانچہ ان حالات میں جب کہ سکھوں میں کانگرس اور ہندوؤں کے بارے میں بھی مایوسی اور خوف پھیل رہا تھا، مسلم لیگ اور سکھوں کے مابین کسی تصفیے کی مخلصانہ کوشش سے بہتری کی کوئی امید پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن غالباً انگریز حکام یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ پنجاب میں سکھ اور مسلمان بزور شمشیر تصفیہ کریں گے۔ ان کے نزدیک فقط یہ سوال اہم تھا کہ یہ رزمیہ کھیل ان کے راج کی مدت کے دوران شروع ہو یا بعد میں ہو۔!

ماؤنٹ بیٹن 20 رجولائی کو لاہور آیا۔ یہاں اس نے فوجی افسروں کے ساتھ میٹنگ کی جس میں امن و امان کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ اس میں فیصلہ کیا گیا کہ وہ اضلاع جو علامتی سرحد کے قریب ہیں یا یہ سرحد ان کے بیچ سے گزرتی ہے اور جہاں بہت زیادہ گڑبڑ کا امکان ہے، فوج تعینات کر دی جائے۔ اس مقصد کے لئے پانچ بریگیڈ اور ایک آرمرڈ رجمنٹ پر مشتمل باؤنڈری فورس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کا سربراہ میجر جنرل ریس کو مقرر کیا گیا اور اس کی معاونت کے لئے ایک سکھ افسر بریگیڈیئر گمبر سنگھ براڑ اور ایک مسلمان افسر کرنل محمد ایوب خان

(بعد میں پاکستان کا آمر مطلق بنا) اس کے ہمراہ مقرر کئے گئے۔ یہ فورس دونوں ڈومینینوں کی جائنٹ ڈیفنس کونسل کے ماتحت قائم کی گئی تھی۔ اس نے یکم اگست سے بارہ اضلاع میں امن عامہ کا کنٹرول سنبھالنا تھا۔ ان میں سیالکوٹ، گوجرنوالہ، شیخوپورہ، لائل پور، منٹگمری، لاہور، امرتسر، گورداسپور، ہوشیارپور، جالندھر، فیروزپور اور لدھیانہ شامل تھے۔ 24رجولائی کو بٹوارا کونسل کی جانب سے اس فورس کے بارے میں اعلان جاری ہوا۔ بٹوارا کونسل جس میں پٹیل، راجندر پرشاد، جناح اور لیاقت کے علاوہ سکھوں کی طرف سے بلدیو سنگھ بھی شامل تھا، کے اس اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ مستقبل کی دونوں حکومتیں یہ عہد کر چکی ہیں کہ باؤنڈری کمیشن جو ایوارڈ بھی جاری کرے گا، وہ اسے بلا چون و چرا تسلیم کریں گی اور اس پر عملدرآمد کریں گی۔ نیز یہ کہ کسی عنصر کو ''تقریر و تحریر، بائیکاٹ یا ڈائریکٹ ایکشن وغیرہ کے ذریعے باؤنڈری کمیشن کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔'' باؤنڈری فورس کے قیام اور اس اعلان کے اجرا سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ یہ بہت اعلیٰ انتظام کر دیا گیا ہے۔ لیکن 15راگست تک تو ماؤنٹ بیٹن نے باؤنڈری کمیشن کے ایوارڈ کے اعلان میں تاخیر پیدا کر کے سکھوں کو ایک غیر یقینی صورتحال سے دوچار رکھا اور بڑے پیمانے پر خونریزی نہ ہوئی لیکن بعد میں جب امن عامہ کا شیرازہ بکھرا اور لاکھوں کی سطح پر قتل و غارت گری شروع ہوئی تو یہ باؤنڈری فورس محض دکھاوا ثابت ہوئی۔

اگرچہ سکھ کئی مہینے سے مسلح ٹکراؤ کی وسیع پیمانے پر تیاریاں کر رہے تھے اور جینکنز، ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت ان کی ایک ایک تفصیل سے واقف تھے، مگر سکھ اس کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کرتے رہے کہ انگریز ان کے مسئلے کا کوئی پرامن حل تلاش کریں گے۔ لیکن 3رجون کے بعد سے ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت ان سے مسلسل بے اعتنائی کا رویہ اختیار کئے ہوئے تھی۔ 25رجولائی کو شرومنی اکالی دل نے پرنسپل گنگا سنگھ کی قیادت میں ایک وفد لندن بھیجا۔ وہ ماسٹر تارا سنگھ کی طرف سے وزیراعظم ایٹلی اور وزیر ہند لسٹوول کے نام اس مضمون کے خطوط بھی لے کر گیا کہ ''ہمیں ڈر ہے کہ پنجاب کی علامتی تقسیم ہماری قوم کو دو حصوں میں بانٹ دے گی۔ اس طرح ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا اور اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ اگر ممکن ہو تو ہم اس سے گریز اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اسی خیال کے ساتھ یہ وفد آپ کے

ملک میں آپ سے ملنے آ رہا ہے۔ امید ہے آپ اسے کچھ وقت دے دیں گے اور جس حد تک ممکن ہو گا مدد کریں گے۔" یکم اگست کو وزارت ہند کے ایک اسسٹنٹ انڈر سیکرٹری پال پیٹرک نے اس وفد کے ساتھ ملاقات کی۔ وفد نے سکھوں کا کیس زبانی اور تحریری طور پر پیش کیا۔ اس ملاقات کا ریکارڈ نہ معلوم کیوں برطانوی حکومت نے "دستاویزات انتقال اقتدار" میں شائع نہیں کیا ہے۔ یہ وفد وزیر اعظم ایٹلی اور وزیر ہند لسٹوول سے ملاقات کا وقت لینے کی خاطر کئی روز تک دفتروں کے چکر کاٹتا رہا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ بالآخر 6 / اگست کو انہوں نے ماسٹر تارا سنگھ کے خط اپنی ایک عرضداشت کے ساتھ لگا کر وزیر اعظم اور وزیر ہند کے دفتر میں دے دیئے۔ اس عرضداشت میں انہوں نے لکھا "اس سے پیشتر کہ باؤنڈری کمیشن اپنے ایوارڈ کا اعلان کرے آپ ان ساٹھ لاکھ سکھوں کے نمائندوں کی بات سننے کے لئے کچھ وقت نکالیں جو گزشتہ دونوں بڑی جنگوں میں ایک فرد واحد کی طرح برطانوی پرچم تلے جمع ہو گئے تھے"[18]

9 / اگست کو وزیر ہند کے پرائیویٹ سیکرٹری آر۔ ایم۔ جے۔ ہیریس نے گنگا سنگھ کو جواب دیا کہ وزیر ہند تو مصروف ہیں۔ ویسے بھی آپ لوگ وزارت ہند کے ایک اسسٹنٹ انڈر سیکرٹری پال پیٹرک کو اپنے موقف سے آگاہ کر چکے ہیں اور جواب میں آپ کو یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ مغربی اور مشرقی پنجاب کی حد بندی کا کام حکومت برطانیہ کا نہیں بلکہ باؤنڈری کمیشن کا ہے جس کے چیئرمین سیرل ریڈکلف پر آپ کے رہنما اعتماد ظاہر کر چکے ہیں۔ آپ یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ یہ معاملہ وزیر ہند کے ہاتھ سے باہر ہے۔ اگر آپ ان سے ملیں گے تو وہ آپ کو وہی جواب دیں گے جو پال پیٹرک پہلے ہی آپ کو دے چکا ہے۔ اگر پھر بھی آپ لوگ وزیر ہند سے ملنا چاہیں تو بعد میں ٹیلی فون کے ذریعے کوئی مناسب وقت طے کیا جا سکتا ہے[19]

یہ مایوس کن جواب گنگا سنگھ کو 13 / اگست کو ملا جب ملاقات ویسے بھی بے معنی ہو چکی تھی۔ چنانچہ کوئی ملاقات نہ ہوئی۔ وزیر اعظم ایٹلی کے دفتر نے سرے سے کوئی جواب ہی نہیں دیا اور یہ وفد ناکام و نامراد واپس لوٹ آیا۔

اس دوران سکھ رہنماؤں نے گورنر پنجاب ایوان جینکنز کے ساتھ ملاقات کا سلسلہ جاری رکھا۔ 25 / جولائی کو سردار سورن سنگھ کے ساتھ ملاقات کے دوران جینکنز نے اسے صاف لفظوں میں بتا دیا کہ علامتی سرحد میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ 27 / جولائی کو ننکانہ صاحب

میں سکھ رہنماؤں کی جانب سے ایک بہت بڑا دیوان سجانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ چونکہ ننکانہ صاحب جانے والے تمام راستوں پر ناکہ بندی کی گئی تھی اس لئے وہاں بہت بڑا اجتماع تو نہ ہوسکا تاہم گوردوارے کے اندر دیوان منعقد ہوا جس میں اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ گیانی کرتار سنگھ کو کچھ دیر کے لئے گرفتار رکھ کر چھوڑ دیا گیا۔

28رجولائی کو گیانی کرتار سنگھ نے جینکنز کے ساتھ ایک تفصیلی ملاقات کی۔ گیانی نے تبادلۂ آبادی سمیت اپنے تمام مطالبات کو دہرایا جینکنز نے کہا کہ گیانی صاحب یہ جو کچھ ہورہا ہے، اس کے لئے تو خود آپ ذمہ دار ہیں۔ میں نے شروع میں ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ تقسیم سے سکھوں کو ہی نقصان پہنچے گا۔ یہ بات اچھی طرح واضح تھی کہ بکھری ہوئی آبادی ہونے کی وجہ سے نقصان بھی ان ہی کا ہوگا۔ لیکن گیانی صاحب آپ نے اور آپ کے دوسرے رہنماؤں نے تقسیم کے لئے بہت زور دیا اور 3رجون کے اعلان کو منظور کیا۔ اب آپ یکا یک اس کے مخالف ہوگئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تقسیم نہیں چاہتے اور باؤنڈری کمیشن کے ایوارڈ کو قبول نہیں کرتے۔ گیانی نے جواب میں کہا کہ ''جب ہم نے منظوری دی تھی تو ہمارا خیال تھا کہ باؤنڈری کمیشن صرف ایک رپورٹ پیش کرے گا اور گورنر جنرل اس کا جائزہ لے کر احکام جاری کرے گا۔ بعد میں یکا یک اس رپورٹ کو ایوارڈ کا درجہ دے دیا گیا اور اسے حتمی قرار دے دیا گیا۔ یہ بات اس سے بالکل مختلف تھی جسے سکھوں نے منظور کیا تھا۔'' جینکنز نے جواب میں کہا کہ ایک طرف تو آپ کا بلدیو سنگھ باقی رہنماؤں یعنی جناح، لیاقت، پٹیل اور راجندر پرشاد کے ساتھ مل کر باؤنڈری کمیشن ایوارڈ کو منظور کرنے کے اعلان میں شامل ہوتا ہے دوسری طرف آپ اور آپ کے باقی رہنما اس ایوارڈ کو پسندیدہ نہ ہونے کی صورت میں نامنظور کرنے کا اعلان کر رہے ہیں۔ گیانی نے جواب دیا کہ بلدیو سنگھ کو ایسا بیان جاری کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ اس نے اس کے ساتھ اس بارے میں کوئی مشورہ کیا تھا۔ بلدیو سنگھ کو جلد ہی یہ احساس ہوجائے گا کہ اس نے غلطی کی ہے۔ تاہم جینکنز نے گیانی کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مجوزہ علامتی سرحد میں کسی خاص تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس پر گیانی نے کہا کہ پھر باؤنڈری کمیشن بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ برطانوی حکومت ایک حتمی سرحد کا اعلان شروع میں ہی کر دیتی تاکہ سکھوں کو پتہ چل جاتا کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟ جینکنز کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں

تھا۔ البتہ وہ گیانی کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ اگر چہ تقسیم سکھوں کے لئے نقصان دہ ہے لیکن اتنی زیادہ نقصان دہ بھی نہیں جتنی وہ سمجھ رہے ہیں۔ مشرقی پنجاب کی انتظامیہ میں ان کو بہت بڑا حصہ ملے گا جب کہ مغربی پنجاب میں بھی ان کی حیثیت متاثر نہیں ہوگی لیکن گیانی نے اسے مستقبل کے بارے میں کچھ اور منصوبہ بتایا۔ اس نے بڑے رازداری کے لہجے میں کہا کہ ''سکھ چاہتے ہیں کہ غیر پنجابی اضلاع (موجودہ ہریانہ) کو یا تو یو۔ پی یا کسی اور نئے صوبے میں شامل کر دیا جائے۔ پھر جو باقی ماندہ مشرقی پنجاب رہ جائے گا اس کو ہم سکھ اکثریتی صوبہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ سکھ ریاستیں بھی اس میں شامل ہو جائیں گی۔ تاہم اس نے کہا کہ ہم نے ہندوؤں کو اپنے ان ارادوں کا پتہ نہیں چلنے دیا ہے کیونکہ ہم حد بندی کے مسئلے پر ان کا تعاون چاہتے ہیں۔'' جب یہ ملاقات اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی، گیانی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اس ملاقات کا ریکارڈ قلمبند کرتے ہوئے جینکنز نے آخر میں لکھا کہ ''میرا تاثر یہ ہے کہ گیانی کرتار سنگھ ابھی رنجیدہ ہے اور بہت زیادہ تذبذب کا شکار ہے۔ اس نے اور ماسٹر تارا سنگھ نے مل کر سکھوں کے مسئلے کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔ اصل حل یہی تھا کہ غیر پنجابی اضلاع کو علیحدہ کر دیا جاتا اور باقی سارے پنجاب کو پاکستان میں شامل کر دیا جاتا میرا خیال ہے سکھوں کو اب اس کا احساس ہو گیا ہے۔ مگر اب اتنی دیر ہو چکی ہے کہ کچھ نہیں ہو سکتا۔''[20] جینکنز نے 30/جولائی کو اس ملاقات کی یہ رپورٹ ماؤنٹ بیٹن کو بھیج دی۔ اس کے ہمراہ اس نے اس دوران پنجاب میں ہونے والے فسادات کی ایک تفصیلی رپورٹ بھی ماؤنٹ بیٹن کو ارسال کی اور اس کے آخر پر بھی اس نے لکھا کہ ''تین کروڑ کے اس صوبے کو جس کا کاروبار حکومت 93 سال تک ایک انتظامی یونٹ کے طور پر چلایا جاتا رہا ہے، چھ ہفتے کے اندر تقسیم کرنا بہت مشکل ہے۔''[21] ان رپورٹوں کا ماؤنٹ بیٹن اور برطانوی حکومت پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

ان رپورٹوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گورنر جینکنز پنجاب کی تقسیم کے حق میں نہیں تھا۔ گیانی کرتار سنگھ جیسے سکھ رہنما بھی تقسیم پنجاب کے اپنے فیصلے پر اب تذبذب کا شکار ہو چکے تھے۔ انہوں نے غالباً دریائے چناب کو سرحد سوچ کر تقسیم کا مطالبہ کر دیا تھا اور اب جب کہ ان کے تصور کے برعکس فقط آبادی کی کثرت کے حوالے سے حد بندی عمل میں آ رہی تھی، تو ان کا کہنا تھا کہ ہمیں شروع میں ہی یعنی اعلان 3/جون میں اس کے بارے میں حتمی طور پر بتا دیا جاتا تو بہتر

ہوتا۔ اس صورت میں بہت زیادہ امکان پایا جاتا تھا کہ وہ تقسیم کے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرتے اور پنجاب کی تقسیم کے خلاف جناح کے مؤقف کی تائید کر دیتے۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن نے کانگرسی رہنماؤں بالخصوص نہرو اور پٹیل کے ساتھ مل کر تقسیم کا جو نقشہ کھینچا تھا اس میں برطانوی سامراج اور ہندو بورژوا کے مشترکہ مفادات کی قربان گاہ پر سکھوں کو قربانی کا بکرا بنایا جا چکا تھا۔

باؤنڈری کمیشن محض ڈھونگ تھا

ریڈ کلف دو تین دن دہلی میں قیام کرنے کے بعد پہلے بنگال گیا اور پھر پنجاب آیا۔ 14 رجولائی کو لاہور پہنچنے پر اس نے پنجاب باؤنڈری کمیشن کے ارکان کے ساتھ ملاقات کی۔ پہلے ہی دن کمیشن کے رکن جسٹس دین محمد نے اس سے بات چیت کے دوران یہ تاثر لیا کہ ''یہ ساری کارروائی محض کھیل ہے۔ حد بندی کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اسی کے مطابق حد بندی ہو گی۔'' جسٹس دین محمد کے بیان کے مطابق ''ریڈ کلف نے ہمیں بتایا کہ وہ کل صبح ہوائی جہاز سے اردگرد کا علاقہ دیکھنے جائے گا۔ اس پر میں نے کہا اگر آپ حد بندی کے سلسلے میں متنازعہ علاقہ اکیلے دیکھنے جا رہے ہیں تو آپ ضرور اس معائنے سے تاثر لیں گے۔ بطور امپائر آپ کا فرض ہے کہ اپنا فیصلہ اس مواد کی بنا پر دیں جو کمیشن کے روبرو پیش کیا جائے۔ اس معائنے سے جو تاثر آپ لیں گے اس کا علم کمیشن کو کیسے ہوگا؟ ریڈ کلف نے کہا اس پرواز کے لئے جو ہوائی جہاز مجھے مہیا کیا گیا ہے وہ فوجی قسم کا ہے اور اس میں زیادہ سواریوں کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر آپ پسند کریں تو آپ میں سے دو ارکان میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ چنانچہ طے پایا کہ ایک مسلم اور ایک غیر مسلم رکن ریڈ کلف کے ساتھ جائیں گے۔ روانگی صبح سات بجے والٹن کے ہوائی اڈے سے تھی۔ جب یہ سب وہاں جمع ہوئے تو فضا گرد آلود تھی۔ پائلٹ نے کہا میں آپ کو لے تو چلتا ہوں لیکن گرد کی وجہ سے اوپر سے آپ کو کچھ نظر نہیں آئے گا اور آپ کا وقت ضائع ہوگا۔ اس پر ریڈ کلف نے پرواز منسوخ کر دی۔ تاہم پائلٹ کو اس پرواز کے لئے جو تحریری ہدایات دی گئی تھیں وہ میں نے دیکھ لیں۔ ان ہدایات کے کاغذ پر پرواز کے لئے ایک لائن لگی ہوئی تھی۔ جسے دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ جس لائن پر پرواز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے وہی حد بندی کی لائن بالا بالا پہلے سے طے پائی ہوئی ہے۔ پنجاب کی حد بندی کے

سلسلے میں ابھی فریقین نے اپنے تحریری بیانات کمیشن کے روبرو پیش بھی نہیں کئے ہیں جن سے ریڈ کلف کو معلوم ہوتا کہ کون کون سا علاقہ متنازعہ ہے۔ فریقین کے بیانات سے متنازعہ علاقے معلوم ہونے سے قبل ہی اسکے لئے ان علاقوں میں ایک خاص لائن پر پرواز کرنے سے یہی قیاس ہوتا ہے کہ حد بندی کے سلسلے میں کسی طرف سے اسے بریف کیا جا چکا ہے اور حد بندی کی لائن بھی تجویز کر کے اس کو دی جا چکی ہے۔ جس کے مطابق بہت سا ایسا علاقہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے بالخصوص بٹالہ اور گورداسپور کی تحصیلیں پاکستان میں شامل نہیں ہوں گی۔ ایسی صورت میں جب حد بندی بالا بالا طے پا چکی ہے، میرا اور منیر کا کمیشن کے ڈھونگ میں شامل رہنا مناسب نہیں۔''

جسٹس دین محمد یہ تاثر لے کر دہلی گیا وہاں اس نے جناح سے مل کر یہ سارا ماجرا بیان کیا اور اپنے اور منیر کے کمیشن سے مستعفی ہو جانے کی اجازت طلب کی۔ تاہم قائد اعظم محمد علی جناح نے کمیشن سے مستعفی ہونے کی اجازت نہ دی لیکن آٹھ اگست کو چوہدری محمد علی کی زبانی ماؤنٹ بیٹن کے چیف آف سٹاف لارڈ اسمے کو ایک پیغام بھیجا کہ پنجاب کی تقسیم اور بالخصوص ضلع گورداس پور کی تقسیم کے متعلق انہیں تشویش ناک رپورٹیں مل رہی ہیں اور اگر حد بندی وہی قرار پائی جس کے متعلق اطلاعات مل رہی ہیں۔ تو اس سے پاکستان اور انگلستان کے تعلقات متاثر ہوں گے۔ [22]

پائلٹ کو مہیا کردہ نقشہ دراصل اسمے کے دفتر میں ہی تیار کیا گیا تھا۔ اس کا انکشاف بڑے ڈرامائی انداز میں 11 راگست کو ہوا جب کہ چوہدری محمد علی قائداعظم کا پیغام لے کر اسمے کے دفتر میں گیا۔ چوہدری محمد علی لکھتا ہے کہ ''میں یہ پیغام لے کر لارڈ اسمے سے ملنے وائسرائے ہاؤس گیا۔ اسمے اس وقت ریڈ کلف سے مذاکرات میں مصروف تھا۔ میں نے انتظار کیا۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد اسمے فارغ ہوا تو اس سے ملاقات کی۔ میں نے قائداعظم کا پیغام پہنچایا۔ اسمے نے کہا کہ اس نے یا ماؤنٹ بیٹن نے حد بندی کے معاملے میں ریڈ کلف سے کبھی کوئی بات نہیں کی اور اسے اس امر کے متعلق ریڈ کلف کے خیالات کا کوئی علم نہیں۔ اس نے وضاحت سے کہا کہ حد بندی کے متعلق ریڈ کلف کو اس کی یا ماؤنٹ بیٹن کی طرف سے کوئی مشورہ نہ دیا گیا ہے نہ ہی دیا جائے گا۔ جب میں نے اس رپورٹ کی تفصیل بیان کی جو قائداعظم کو ملی تھی تو اسمے نے

کہا کہ اس کی سمجھ میں یہ تفصیل نہیں آ رہی۔ اسمے کے کمرے کی دیوار پر ایک نقشہ لٹک رہا تھا۔ میں نے اسمے کو اشارے سے نقشے کے قریب بلایا تاکہ نقشے سے اپنی بات کی وضاحت کر سکوں۔ میں نے دیکھا کہ اس نقشے پر صوبہ پنجاب میں پنسل سے ایک لکیر لگی ہوئی تھی جو بالکل اس رپورٹ کے مطابق تھی جو قائداعظم کو ملی تھی۔ میں نے اسمے سے کہا کہ قائداعظم کو جو رپورٹ ملی ہے اس کی وضاحت کے لئے کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہارے نقشے پر پنسل سے لگی ہوئی لکیر خود منہ سے بول رہی ہے۔ اسمے کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کھسیانہ ہو کر کہنے لگا میرے نقشے میں کسی نے یہ گڑبڑ کی ہے۔"[23]

اسی روز اسمے نے لیاقت کو ایک خط بھیج کر متذکرہ پیغام کے جواب میں اپنی اور ماؤنٹ بیٹن کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کا لب لباب یہ تھا کہ ریڈ کلف سمیت باؤنڈری کمیشن کے ارکان کا تقرر خود ہندوستانی رہنماؤں نے کیا ہے، اس کے رہنما اصول بھی ہندوستانی رہنماؤں نے متعین کئے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن کا تو اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ اس نے لکھا کہ "مجھے معلوم ہے کہ رائے عامہ کے بعض لاعلم حلقے یہ سمجھ رہے ہیں کہ ایوارڈ سر سیرل ریڈ کلف کی طرف سے نہیں بلکہ وائسرائے کی طرف سے دیا جائے گا۔ لیکن...... آپ کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے گا۔"[24] لیکن اسمے کا یہ بیان صفائی اس بات کی وضاحت نہ کر سکا کہ پنجاب حد بندی کمیشن کے اجلاس کے لئے ریڈ کلف کے لاہور پہنچنے سے پیشتر اور تنازعہ کے متعلقہ فریقین کے تحریری بیانات سے پہلے ہی ریڈ کلف کے لیے جس لائن پر برائے معائنہ پرواز کا اہتمام کیا گیا تھا اس لائن کا نقشہ کس نے تجویز کیا تھا اور اس معائنہ کی غرض کیا تھی۔ حد بندی کمیشنوں کی کاروائی کا ڈھونگ دو اڑھائی ہفتے تک جاری رہا۔ جس میں فریقین کے وکلا نے بڑی بحث کی اور بڑے بڑے قانونی نکتے پیدا کئے جب کہ ریڈ کلف دونوں کمیشنوں میں سے کسی کی بھی کھلی کاروائی میں شریک نہ ہوا۔ اس نے نہ تو کوئی بحث سنی اور نہ ہی کسی قانونی نکتے پر غور کیا۔ کمیشنوں نے جو رپورٹیں پیش کیں ان میں قدرتی طور پر مسلم ججوں اور غیر مسلم ججوں کے درمیان شدید اختلافات کا اظہار کیا گیا تھا۔ دونوں کے فیصلوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لہٰذا ریڈ کلف نے 8 /اگست کو اپنا ایوارڈ پیش کر دیا جس کا اعلان ہندوستان کی سیاسی تقسیم کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد 17 /اگست کو کیا گیا۔ ریڈ کلف کا فیصلہ یہ تھا کہ کلکتہ شہر ہندوستان

کے صوبہ مغربی بنگال کا حصہ ہوگا۔ مسلم اکثریت کا ضلع مرشد آباد اور ضلع ناڈیا، مسلم اکثریت کے علاقوں سمیت، بھی ہندوستان میں شامل ہوں گے۔ ان دونوں ضلع کے مسلم اکثریت والے علاقوں کا رقبہ تقریباً چھ ہزار مربع میل تھا اور اس کی آبادی تقریباً 35 لاکھ تھی اس نے ان علاقوں کو ہندوستان کے حوالے کرنے کے عوض پاکستان سے صرف یہ رعایت کی کہ چٹا گانگ کے پہاڑی علاقے کو جہاں بدھوں کی اکثریت تھی مشرقی بنگال کا حصہ قرار دے دیا۔ لیکن اس نے سب سے بڑی دھاندلی پنجاب میں کی۔ جسٹس دین محمد کا خدشہ صحیح ثابت ہوا۔ اس نے پنجاب میں وہی لائن کھینچی جو پائلٹ کے نقشے اور لارڈ اسمے کے نقشے پر کھینچی ہوئی تھی۔ اس نے جالندھر، امرتسر، فیروز پور اور گورداسپور کے مسلم اکثریت والے وسیع علاقے ہندوستان کے حوالے کر دیئے اور ان کے بدلے غیر مسلم اکثریت والا کوئی چھوٹا سا علاقہ بھی پاکستان کو نہ دیا۔

مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور پاکستان کو کیوں نہ دیا گیا؟

پاکستان کو سب سے بڑا نقصان ضلع گورداسپور میں اٹھانا پڑا جو بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی اکثریت کا ضلع تھا۔ اس ضلع کی ایک تحصیل پٹھان کوٹ جس میں ہندوؤں کی اکثریت تھی، جغرافیائی لحاظ سے بہت اہم تھی۔ اس کا ایک سرا ریاست جموں وکشمیر کے علاقے سے ملحق تھا۔ اگر اسے چٹا گانگ کے پہاڑی علاقے کی طرح پاکستان میں شامل کیا جاتا تو ہندوستان کو ریاست جموں وکشمیر تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہ ملتا۔ اس کی دوسری اہمیت یہ تھی کہ یہاں دریائے راوی سے نکلنے والی نہروں کا ہیڈ ورکس تھا۔ لہٰذا اس تحصیل کو ہندوستان میں شامل کرنے کے لئے بٹالہ اور گورداسپور کی مسلم اکثریتی تحصیلوں کو بھی اس کے ساتھ نتھی کرنا ضروری تھا۔ دوسری صورت میں اگر پٹھانکوٹ ہندوستان کو اور بٹالہ اور گورداسپور پاکستان کو دے دیئے جاتے تو امرتسر اور پٹھانکوٹ کے درمیان سڑک اور ریل وغیرہ کے مواصلاتی نظام کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ گویا ریاست جموں وکشمیر کی ہندوستان تک رسائی کی خاطر بٹالہ اور گورداسپور کی مسلم اکثریتی تحصیلوں کی ہندوستان میں شمولیت ضروری تھی۔ جب کہ ان دونوں تحصیلوں کی پاکستان میں شمولیت کی صورت میں تحصیل پٹھان کوٹ کا پاکستان میں شامل ہونا ضروری تھا تاکہ نہری نظام کی یکجہتی برقرار رکھی جا سکتی۔ مگر یوں ہندوستان اور ریاست جموں وکشمیر مواصلاتی اعتبار

سے کٹ جاتے۔ چنانچہ ریاست جموں و کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی گنجائش پیدا کرنے کے لئے ضلع گورداسپور کی متذکرہ تینوں تحصیلوں کو ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔

اس کا تاریخی پس منظر دیکھا جائے تو یہ فیصلہ ریڈکلف کے آنے سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان سرحدوں کا زیادہ تر تعین برطانوی سامراج کے عالمی مفادات کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ جولائی یا اگست کے دوران دہلی میں نہیں ہوا تھا بلکہ یہ فیصلہ شملہ میں 10 رمئی کی رات کو ماؤنٹ بیٹن اور جواہر لال نہرو کے درمیان خفیہ سودا بازی کے دوران ہوا تھا اور پھر لندن میں اس پر مہر تصدیق ثبت ہوئی تھی جب کہ ماؤنٹ بیٹن برصغیر کی تقسیم کے منصوبے کی منظوری کے لئے وہاں گیا ہوا تھا۔ ظفر اللہ خان کہتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے درمیان اس خفیہ سمجھوتے کی رو سے ''کانگرس نے ملک کی تقسیم اور تقسیم کے بعد برطانوی دولت مشترکہ میں شامل رہنا ان شرائط پر منظور کیا تھا کہ اول، تقسیم ملک کی تکمیل اور انتقال اختیارات دو مہینوں کے اندر اندر کیا جائے۔ دوم، صوبہ بنگال کی تقسیم ہو تو کلکتہ ہندوستان میں شامل کیا جائے اور سوم، پنجاب کو تقسیم کر کے گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں ہندوستان میں شامل کی جائیں تاکہ ریاست کشمیر کے ہندوستان سے الحاق کا جواز پیدا ہو سکے''[25] ظفر اللہ خاں کا یہ مؤقف بے بنیاد نہیں ہے۔ تاریخی شواہد اس کی تائید کرتے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے 3رجون کو تقسیم ہند کے منصوبے کی وضاحت کے لئے ریڈیو پر جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا ''یہ بات یقینی ہے کہ وہ خط تقسیم جو باؤنڈری کمیشن کھینچے گا ہو بہو اس لائن کے مطابق نہیں ہوگا جو محض صوبائی اسمبلی میں رائے شماری کے لئے عارضی تقسیم میں اختیار کی گئی ہے۔'' یہ الفاظ بظاہر بے ضرر تھے لیکن اگلے روز یعنی 4رجون کو پریس کانفرنس میں اپنے اس فقرے کی توضیح کرتے ہوئے اس نے کہا ''میں نے یہ فقرہ اس لئے استعمال کیا ہے کہ پنجاب کے ضلع گورداسپور میں آبادی کا تناسب اس طرح ہے۔ مسلمان 50.4 فیصد اور غیر مسلم 49.6 فیصد۔ ان کے درمیان فرق صرف 0.8 فیصد کا ہے۔ آپ فوراً اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ امکان موجود نہیں ہے کہ باؤنڈری کمیشن گورداسپور کے پورے ضلع کو مسلم اکثریت کے علاقے میں شامل کر دے گا۔''[26] ماؤنٹ بیٹن بدنیت تھا۔ اس نے ضلع گورداسپور کے بارے میں برطانوی سامراج کے ناپاک ارادے پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹ بولا تھا۔ اس نے اس ضلع

کی آبادی کے جو اعداد وشمار بتائے تھے وہ سراسر غلط تھے۔ 1941ء کی مردم شماری کے مصدقہ اعداد وشمار کے مطابق اس ضلع میں مسلمان آبادی کا تناسب 51.14 فیصد تھا اور غیر مسلم آبادی کا تناسب 48.86 فیصد تھا۔ یعنی ان کے درمیان فرق 8. فیصد کا نہیں بلکہ 2.28 فیصد کا تھا۔ علاوہ بریں اصلی نقطۂ یہ تھا کہ اکثریت بہرحال اکثریت تھی۔ خواہ وہ تھوڑی تھی یا بہت۔ 3/ جون کے منصوبے میں فقط ''مسلم اکثریت کے علاقے'' کا ذکر تھا۔ تھوڑی یا بہت اکثریت کی تخصیص نہیں کی گئی تھی۔ لیکن اگر سامراج کی نیت خراب ہو تو وہ اپنے ناپاک مقصد کی تکمیل کے لئے کسی قائدے یا قانون کی پرواہ نہیں کرتا۔ حقیقت یہ تھی کہ برطانوی سامراج نے مئی میں ماؤنٹ بیٹن کے لندن میں قیام کے دوران نہرو کی خواہش کے مطابق یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہندوستان اور کشمیر کے درمیان راستہ صاف کرنے کے لئے ان دو تحصیلوں کو ہندوستان کے حوالے کر دیا جائے گا اور ماؤنٹ بیٹن نے اپنی پریس کانفرنس میں اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے کا اشارہ کیا تھا تا کہ مسلم اکثریت کی یہ دو تحصیلیں ہندوستان کے پاس چلی جائیں تو کسی کو حیرت نہ ہو۔

ماؤنٹ بیٹن نے اس مقصد کے لئے جون کے تیسرے ہفتے کشمیر کا دورہ کیا کہ کشمیر کی ہندوستان میں شمولیت کی راہ ہموار کی جائے نیز وہاں کے مہاراجہ اور نہرو کے مابین تناؤ دور کیا جائے جو بوجوہ کافی عرصے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کے دورۂ کشمیر کے لئے روانگی سے پہلے 17/ جون کو نہرو نے کشمیر کے بارے میں ایک مفصل نوٹ بنا کر ماؤنٹ بیٹن کو دیا جس میں اس نے کشمیر کو ہندوستان میں شامل کرنے کے حق میں مواد مہیا کیا اور یہ لکھا کہ ''کشمیر کا جو بھی بنے گا وہ یقیناً ہندوستان کے لئے بحیثیت مجموعی بہت اہمیت کا حامل ہوگا، نہ صرف وہاں گزشتہ برسوں کے واقعات کی وجہ سے...... بلکہ سٹریٹجی کی بہت زیادہ اہمیت کی وجہ سے جو اس سرحدی ریاست کو حاصل ہے۔''[27] یاد رہے کہ کشمیر کی سٹریٹجک اہمیت سوویت یونین اور چین کے حوالے سے تھی۔ برطانوی سامراج کا خیال تھا کہ سوویت یونین اور چین کی قوتوں کے مدمقابل پاکستان ایک کمزور ریاست ہوگا اس لئے ''شمال کے خطرے'' سے نمٹنے کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کو بھی شمال کی سرحدوں تک رسائی حاصل ہو۔ ہندو بورژوا بھی اسی بنیاد پر کشمیر کا مطالبہ کر رہا تھا۔ جیسا کہ کرشنا مینن کے ایک خط سے بھی ظاہر ہے جس کا اوپر ایک جگہ حوالہ دیا جا چکا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن نے 18 سے 23/ جون تک سری نگر میں قیام کیا۔ اس دوران اس

نے مہاراجہ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ کشمیر کو آزاد ریاست رکھنے کے بجائے اس کا الحاق ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ کر دے۔ مہاراجہ نے اس کا مشورہ قبول کرلیا تاہم کچھ مہلت مانگی۔ ماؤنٹ بیٹن نے واپس دہلی پہنچ کر 24 رجون کو نہرو کے ساتھ ملاقات کر کے اسے بتایا کہ مہاراجہ نے فی الحال آزادی کا اعلان نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ دونوں میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرے گا۔ نہرو یہ جان کر بڑا خوش ہوا۔[28] ماؤنٹ بیٹن کی اس کارگزاری سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نہ صرف کشمیر کے بارے میں ابتداہی سے ہندوستان کی جانب ڈنڈی مار رہا تھابلکہ وہ گورداسپور بھی ہندوستان کو دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کے بغیر کشمیر کا الحاق فقط پاکستان کے ساتھ بنتا تھا اور اس کے علاوہ کوئی چوائس نہیں تھا۔ مہاراجہ کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کا اضافی چوائس دینے کا مطلب یہ تھا کہ اسے یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ مواصلات کا رابطہ قائم کرنے کے لئے ضلع گورداسپور ہندوستان میں شامل کر دیا جائے گا۔

انہی دنوں ماؤنٹ بیٹن نے نظام حیدرآباد کو جو مشورہ دیا تھا وہ اس مشورے سے بالکل مختلف تھا جو اس نے مہاراجہ کشمیر کو دیا تھا۔ اس نے نظام کو غیر مبہم مشورہ دیا تھا کہ آزادی کا اعلان مت کرو اور ہندوستان میں شامل ہو جاؤ۔ اس مشورے میں ''ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق'' کا چوائس نہیں دیا گیا تھا۔

18 رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن نے سردار عبدالرب نشتر کے ساتھ ملاقات کرنا تھی جس میں پاکستان کے ساتھ ریاستوں کے الحاق کا معاملہ زیرغور آنا تھا۔ اس ملاقات کی تیاری کے لئے وی۔ پی مینن نے 17 رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن کے لئے ایک بریف تیار کر کے دیا۔ اس میں اس نے بہاولپور، خیر پور، قلات اور صوبہ سرحد کی ریاستوں کی پاکستان میں شمولیت کو تو درست اور جائز قرار دیا لیکن کشمیر کے بارے میں لکھا کہ اس پر دونوں ملکوں کا دعویٰ ہے اور کسی فریق کو بھی اپنے دعوے کے حق میں دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے۔ اس نے اس کا ریاست حیدرآباد سے موازنہ کرتے ہوئے لکھا کہ حیدرآباد تو ہر طرف سے ہندوستان میں گھرا ہوا ہے اور پاکستان کی وہاں کوئی رسائی نہیں ہے لیکن ''کشمیر پاکستان میں گھرا ہوا نہیں ہے، اسے ہندوستان تک پہنچنے کا راستہ مل سکتا ہے خاص طور پر اگر ضلع گورداسپور کا ایک حصہ مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا

جائے۔"[29] یاد رہے کہ بالکل انہی دنوں میں ریڈ کلف لاہور میں تھا اور پنجاب باؤنڈری کمیشن متعلقہ فریقین کا موقف سننے کے ڈھونگ میں مصروف تھا۔ جب کہ وائسرائے کے قریبی معاون گورداسپور کی مشرقی پنجاب میں شمولیت کی بنیاد پر کشمیر کا کیس تیار کر رہے تھے۔

4 راگست کو خود ماؤنٹ بیٹن کی نواب بھوپال اور مہاراجہ اندور کے ساتھ ملاقات کا ریکارڈ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان میں چوائس کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے گورداسپور کی ہندوستان میں شمولیت کو ضروری قرار دیتا تھا۔ اس نے کہا کہ "کشمیر کے لئے کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے۔ یہ جغرافیائی لحاظ سے اس طرح واقع ہوا ہے کہ یہ دونوں میں سے کسی بھی ڈومینین میں شامل ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ باؤنڈری کمیشن کی طرف سے ضلع گورداسپور کا حصہ مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا جائے۔"[30] اور ماؤنٹ بیٹن نے بطور وائسرائے جو اپنی آخری مفصل ہفتہ وار رپورٹ 16 راگست کو لندن ارسال کی اس میں لکھا کہ "اب مہاراجہ کشمیر ہندوستان یا پاکستان میں شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کی بات کرتا ہے بشرطیکہ اسے باؤنڈری کمیشن کشمیر اور ہندوستان کے مابین بری مواصلات کا راستہ مہیا کر دے۔"[31] اور جب اس سے اگلے روز یعنی 17 راگست کو باؤنڈری کمیشن ایوارڈ شائع ہوا تو اس میں مہاراجہ کشمیر کی یہ شرط پوری کر دی گئی تھی۔ اب مہاراجہ کشمیر کو بآسانی ہندوستان میں شامل ہونے کا اختیار مل گیا تھا۔ مسلم اکثریتی گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں ہندوستان کو دے دی گئیں تاکہ وہ بھاری مسلم اکثریت کی ریاست کشمیر کو ہڑپ کر سکے۔

فیروزپور اور زیرہ کی مسلم اکثریتی تحصیلیں پاکستان کو کیوں نہ دی گئیں؟

شائع شدہ ایوارڈ میں اسمے کے دفتر میں لگے نقشے پر کھینچی ہوئی لکیر سے صرف ایک انحراف کیا گیا تھا اور اس کا مقصد بھی پاکستان کو مزید نقصان پہنچانا تھا۔ متذکرہ نقشے میں ضلع فیروزپور کی زیرہ اور فیروزپور کی مسلم اکثریت کی تحصیلوں کو پاکستان میں شامل کیا گیا تھا لیکن ایوارڈ میں ان تحصیلوں کو ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کو ضلع فیروزپور کے مسلم اکثریت والے علاقوں اور فیروزپور ہیڈ ورکس سے محروم کرنے کا فیصلہ ماؤنٹ بیٹن نے کیا تھا۔ ریڈ کلف ایوارڈ میں یہ دونوں تحصیلیں پاکستان کا ہی حصہ قرار پائی تھیں۔ لیکن

ماؤنٹ بیٹن نے 8راگست کو ریڈ کلف کی جانب سے ایوارڈ کی مکمل رپورٹ مل جانے کے بعد اس میں ردوبدل کیا تھا۔ یہ دعویٰ بھی سرکاری ریکارڈ کی مدد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے۔

20رجولائی کو جب ماؤنٹ بیٹن لاہور میں تھا، گورنر پنجاب ایوان جینکنز نے اس سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر باؤنڈری کمیشن ایوارڈ کا خلاصہ اس کے اعلان سے کچھ وقت پہلے ہمیں مل جائے تو ہمارے لئے امن وامان کے سلسلے میں بروقت اقدام کرنا آسان ہوجائے گا۔ ہمیں معلوم ہوجائے گا کہ پولیس اور فوج کو کن علاقوں میں اور کتنی تعداد میں بھیجنا چاہیے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سے اتفاق کیا تھا اور ایسا کرنے کا وعدہ کرلیا تھا۔ چنانچہ 21رجولائی کو ماؤنٹ بیٹن کے معاون جارج ایبل نے ریڈ کلف کے سیکرٹری کرسٹوفر بیومونٹ کو ایک خط لکھا جس میں جینکنز اور ماؤنٹ بیٹن کے مابین ہونے والی بات چیت کا حوالہ دینے کے بعد کہا گیا کہ ’’اگر یہاں آپ ہمیں ایوارڈ کے خلاصے سے پیشگی مطلع کردیں تو ہم اسے خفیہ زبان میں گورنر پنجاب کو ارسال کردیں گے۔‘‘[32] چنانچہ جب 8راگست کو ریڈ کلف نے ایوارڈ مکمل کرلیا تو حسب پروگرام ایبل نے جینکنز کو اس کے بارے میں آگاہ کردیا۔ اس سلسلے میں 8راگست کو ایبل نے جینکنز کے معاون ایبٹ کے نام ایک مراسلہ جس کے ہمراہ ایک نقشہ اور اس نقشے کا وضاحتی نوٹ تھا ارسال کیا۔ مراسلے میں کہا گیا تھا کہ میں اس کے ہمراہ ایک نقشہ ارسال کررہا ہوں جس میں وہ باؤنڈری دکھائی گئی ہے جو سرسیرل ریڈ کلف نے ایوارڈ میں متعین کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے ساتھ کرسٹوفر بیومونٹ کا ایک نوٹ ہے جس میں اس نقشے کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس باؤنڈری میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوگی، البتہ ضلع لاہور میں دیہات اور ذیل کی حدود کے حوالے سے باؤنڈری کو درست طور پر واضح کیا جائے گا۔ بذاتہی ایوارڈ بھی اگلے 48 گھنٹے میں متوقع ہے۔‘‘[33] یہاں فقط ضلع لاہور سے گزرتی ہوئی لائن کو دیہات اور ذیل کی ہو بہو حدود کے عین مطابق بنانا مقصود تھا، تحصیل کی سطح پر فیصلہ ہوچکا تھا۔ (انڈیا آفس کی فائل میں یہ خط تو موجود رہا لیکن اس سے منسلک نقشہ اور بیومونٹ کا وضاحتی نوٹ غائب ہوگیا) ریڈ کلف ایوارڈ کی اس ایڈوانس کاپی میں فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان کو دی گئی تھیں۔ بعد میں ان کو پاکستان سے نکال کر ہندوستان میں کب، کیوں اور کیسے شامل کیا گیا، اس کی تفصیل اس سرکاری ریکارڈ میں موجود ہے جو جنوری 1948ء میں پاکستان کی جانب سے اس مسئلہ پر

احتجاج سے پیدا شدہ صورت حال پر متعلقہ برطانوی حکام کے مابین خط و کتابت پر مشتمل ہے۔

19 رجنوری 1948ء کو نیو یارک میں ظفر اللہ خاں اور چوہدری محمد علی نے اقوام متحدہ میں برطانوی وفد کے قائد اور وزیر امور دولت مشترکہ فلپ نوئیل بیکر کے ساتھ ملاقات میں اس امر پر احتجاج کیا کہ برطانیہ کشمیر سمیت ہر معاملے میں ہندوستان کی طرفداری کر رہا ہے اور پاکستان کے ساتھ مسلسل ناانصافی کی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ حوالہ بھی دیا کہ ''ریڈ کلف ایوارڈ میں افسوسناک تبدیلی کر کے پاکستان کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے۔'' اس ملاقات کی رپورٹ لندن کے علاوہ ماؤنٹ بیٹن کو دہلی بھی بھیجی گئی۔ پاکستان کے اس احتجاج پر برطانیہ کے سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور ایک بیان صفائی کی تیاری ہونے لگی۔ برصغیر سے متعلقہ امور جو پہلے وزارت ہند انجام دیتی تھی اب وہ امور دولت مشترکہ کے سپرد ہو گئے تھے۔ چنانچہ 25 رفروری 48ء کو وزیر امور دولت مشترکہ فلپ نوئیل بیکر نے اس مسئلہ پر وزیر اعظم کو رپورٹ پیش کی جس میں کہا گیا کہ ''اس خیال کی کچھ بنیاد موجود ہے کہ سر سیرل ریڈ کلف نے آخری لمحے میں باؤنڈری ایوارڈ میں ترمیم کی تھی تاکہ مغربی پنجاب کی ابتدائی حد بندی میں اس کے باہر نکلے ہوئے ایک علاقے کو مشرقی پنجاب کو دیا جا سکے جس میں گورداسپور واقع تھا۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے کہنے پر کیا گیا تھا۔''[34]

گویا ایوارڈ میں ردوبدل پر پردہ ڈالنا تو مشکل تھا، البتہ ماؤنٹ بیٹن کو شک کا فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ لیکن پارلیمانی نائب وزیر ہند آرتھر ہینڈرسن اور ریڈ کلف کے مابین ایوارڈ کے چند دن بعد ہونے والی بات چیت سے ماؤنٹ بیٹن کا ملوث ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس بات چیت کی تفصیل نوئیل بیکر نے ہینڈرسن سے معلوم کی۔ اس کے مطابق ریڈ کلف نے ہینڈرسن کو بتایا تھا کہ ''اس نے مجوزہ ایوارڈ کا پہلا مسودہ دہلی کے ارباب اختیار کو دکھا دیا تھا۔ اس مسودے کے مندرجات کو دہلی سے لاہور اور کلکتہ کے ارباب اختیار کو بذریعہ تار ارسال کر دیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ پیشگی طور پر حفاظتی تدابیر کو بروئے کار لے آئیں اور یہ کہ مزید جائزے کے بعد اس نے یعنی سر سیرل ریڈ کلف نے جو ایوارڈ جاری کیا وہ اس کے پہلے مسودے سے مختلف تھا۔''[35] یہاں ''دہلی کے ارباب اختیار'' سے مراد ماؤنٹ بیٹن نہیں تو اور کون ہے؟ کیا جارج ایبل جو وائسرائے کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا، ریڈ کلف سے ایوارڈ کا مسودہ

حاصل کر کے وائسرائے کو دکھائے بغیر پنجاب اور بنگال کے گورنر کو بھیج سکتا تھا؟

اس مناقشے کے دوران 19 رمارچ 1948ء کو ماؤنٹ بیٹن نے نئی دہلی سے ایک خط سابق گورنر پنجاب ایوان جینکنز کو انگلینڈ بھیجا۔ اس میں اس نے جارج ایبل کے 8 راگست کے متذکرہ خط کے ساتھ منسلک دستاویزات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ''یہ مفروضہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ ان دستاویزات میں جو لائن دکھائی گئی تھی اس کی حیثیت صرف ایک اندازے کی تھی جس میں بعد ازاں بنگال باؤنڈری لائن کے ساتھ بیلنس کرنے کی خاطر ترمیم کر دی گئی۔''[36]

اپریل 48ء میں جینکنز نے جواب میں ماؤنٹ بیٹن کو جو خط لکھا اس کے مندرجات اس مسئلے کے بارے میں مزید پردہ چاک کرتے ہیں۔ جینکنز نے جارج ایبل کے 8 راگست کے خط کے ساتھ نقشہ اور ریڈ کلف کے سیکرٹری کا وضاحتی نوٹ دیکھنے کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ ''خط کے ہمراہ ملفوف اشیاء میں ایک شیڈول (میرا خیال ہے ٹائپ شدہ تھا) اور ایک مطبوعہ نقشے کا حصہ تھا جس پر ایک لائن لگی ہوئی تھی۔ یہ دونوں چیزیں مل کر جس باؤنڈری کی نشاندہی کرتی تھیں اس کے مطابق ضلع فیروز پور میں واضح طور پر باہر کی طرف نکلا ہوا ایک علاقہ پاکستان میں شامل کیا گیا تھا۔ باہر کی طرف نکلے ہوئے اس علاقے میں فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں مکمل طور پر شامل تھیں۔'' آگے چل کر جینکنز لکھتا ہے کہ ''10 یا 11 راگست کو جب کہ ہم زیادہ سے زیادہ 13 راگست تک ایوارڈ کے اعلان کا انتظار کر رہے تھے مجھے وائسرائے ہاؤس سے سیکرٹ فون پر ایک پیغام موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ ''باہر نکلے ہوئے علاقے کو خارج کر دو۔''...... میں اس تبدیلی پر حیران ہوا۔ اس لئے نہیں کہ فیروز پور کا باہر نکلا ہوا علاقہ لازمی سمجھا جاتا تھا یا یہ کہ اس کی شمولیت کا امکان پایا جاتا تھا بلکہ اس لئے کہ یہ بڑا عجیب لگتا تھا کہ اگر ابھی ایوارڈ مکمل ہی نہیں ہوا تھا تو کمیشن نے ہمیں اس کے بارے میں پیشگی اطلاعات کیسے مہیا کر دی تھیں۔''[37]

جینکنز کے اس بیان کو امور دولت مشترکہ کی وزارت نے درست تسلیم کر لیا۔ اس وزارت کی جانب سے 12 راپریل 1948ء کو ایک مراسلہ پاکستان میں متعین برطانوی ہائی کمشنر کو ارسال کیا گیا جس میں اقرار کیا گیا کہ جارج ایبل کے 8 راگست کے خط کے ''ہمراہ ملفوف دستاویزات کے مطابق ضلع فیروز پور کی فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل کی گئی تھیں...... بعد ازاں ریڈ کلف نے ان دو تحصیلوں کے متعلق ارادہ بدل دیا اور 10 یا 11 راگست

کی رات کو بذریعہ سیکرٹ فون جینکنز کو اس تبدیلی کے بارے میں آ گاہ کر دیا گیا۔[38]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ 8/اگست اور 10/اگست کے مابین وہ کون سا محرک رونما ہوا جس نے ریڈ کلف کا ''ارادہ بدل دیا''...... پنجاب باؤنڈری کمیشن فریقین کے تمام تر دلائل سن چکا تھا۔ ریڈ کلف کے سامنے تینوں فریقین اور کمیشن کے ارکان کا موقف موجود تھا جب اس نے 8/اگست کو ایوارڈ کا مسودہ تیار کر کے ''دہلی کے ارباب اختیار'' کو دکھا دیا تھا۔ ان دو دنوں میں ریڈ کلف کے سامنے بظاہر کوئی فریق پیش نہیں ہوا اور نہ ہی کسی فریق کی جانب سے کوئی یادداشت پیش کی گئی۔ البتہ سرکاری ریکارڈ سے اگر کوئی بات سامنے آئی ہے تو یہ کہ 9/اگست کو نہرو نے انہی دو تحصیلوں یعنی فیروز پور اور زیرہ کو ہندوستان میں شامل کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن کو ایک خط بھیجا جس کے ہمراہ سنٹرل واٹر ویز، اریگیشن اور نیویگیشن کمیشن کے چیئرمین اے۔ این۔ کھوسلہ کا تیار کردہ نوٹ منسلک تھا۔ اس نوٹ میں کہا گیا تھا کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سر سیرل ریڈ کلف کا ذہن ستلج کے مشرق میں واقع کچھ مسلم اکثریت کی حامل فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان کو دینے کی جانب مائل ہے جو کہ گورداسپور اور ضلع لاہور کا کچھ حصہ مشرقی پنجاب کو دیئے جانے کے عوض میں ہوں گی۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ مشرقی پنجاب اور ریاست بیکانیر کے لئے آب پاشی کے نقطۂ نگاہ سے تباہ کن ہوگا اور پورے ہندوستان کے لئے سٹرٹیجی کے نقطۂ نگاہ سے تباہ کن ہوگا کیونکہ اسی طرح واحد دفاعی لائن جو کہ دریائے ستلج ہوگا، فیروز پور کے پل کے راستے پار ہو جائے گی اور پھر اس کے اور دہلی کے درمیان کوئی طبعی رکاوٹ باقی نہیں رہ جائے گی...... سٹرٹیجی اور آبپاشی دونوں نقطۂ ہائے نگاہ سے فیروز پور کا پاکستان میں شامل ہونا ہمارے لئے انتہائی خطرناک ہوگا۔ ستلج کے مغرب میں واقع علاقے کا جو بھی فیصلہ ہو اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن ستلج کے مشرق کا کوئی علاقہ کسی قیمت پر پاکستان میں نہیں جانا چاہیے۔''[39] یہ تھا وہ محرک جس کی بناء پر وائسرائے ہاؤس سے 10 یا 11/اگست کی رات کو بذریعہ سیکرٹ فون جینکنز کو پیغام ملا کہ یہ دونوں تحصیلیں پاکستان سے خارج کر دو۔ نہرو نے اپنا خط اور کھوسلہ کا نوٹ ریڈ کلف کو نہیں بلکہ ماؤنٹ بیٹن کو بھیجا تھا اور جینکنز کو ایوارڈ میں تبدیلی کا پیغام ریڈ کلف کی طرف سے نہیں بلکہ وائسرائے ہاؤس کی جانب سے موصول ہوا تھا۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اصل حد بندی ماؤنٹ بیٹن نے کی تھی، ریڈ کلف کو فقط دستخط

کرنے کے لئے بلایا ہوا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے حد بندی میں ہندو بورژوا کے مفادات کو ترجیح دی۔ ہندو بورژوا نے پاک بھارت جنگ کا نقشہ پہلے ہی سے بنا رکھا تھا جس میں وہ ستلج کے مشرق میں پاکستان کو ایک انچ بھی دینا نہیں چاہتا تھا کہ اس طرح افواج پاکستان کے دہلی تک پہنچنے میں کوئی طبعی رکاوٹ باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ چنانچہ ہندوستان کی دفاعی ضرورت کے پیش نظر ماؤنٹ بیٹن نے فیروز پور اور زیرہ کی مسلم اکثریتی تحصیلیں پاکستان سے چھین لیں۔ اس طرح گورداسپور اور فیروز پور دونوں جگہ باؤنڈری کمیشن کے رہنما اصولوں کی کھلی خلاف ورزی کی گئی کیونکہ یہ ''مسلم اکثریت'' اور ''پاکستان کے ساتھ ملحقہ ہونے کی دونوں شرائط پر پورے اترتے تھے۔ ماؤنٹ بیٹن کے اس اقدام سے یہ ثابت ہو گیا کہ تقسیم کے وقت برطانوی سامراج کا تمام تر جھکاؤ کانگرس کی جانب تھا اور ہندوستان اس کی اولین ترجیح ٹھہرا تھا۔

برطانوی سامراج نے حد بندی میں ہندوستان کی طرفداری کیوں کی؟

برطانوی سامراج نے دونوں ملکوں کے درمیان حد بندی کے سلسلے میں جو بے انصافی کی وہ کوئی نا قابل فہم نہیں تھی۔ سامراجی سیاست میں انصاف، اخلاق اور اصول نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سامراجی مفادات ہر چیز سے بالا تر ہوتے ہیں۔ ان مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لئے ہر فریب اور ہر ظلم جائز ہوتا ہے۔ سامراجی پٹھو فیروز خان نون نے اس زمانے میں انگریزوں کی ہندوستان نوازی اور پاکستان دشمنی کی وجوہ پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''ایک دن بعض انگریز اپنے چند مسلمان دوستوں کے ساتھ سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔ مسلمان دوستوں نے مسلمانوں کی اس عام شکایت کا ذکر کیا کہ انگریزوں نے ہندوؤں کی تو ہر طرح دل جوئی کی لیکن مسلمان اقلیت کی دل جوئی کا کبھی خیال نہیں کیا حالانکہ یہ اقلیت گزشتہ پچاس سال میں ہر مشکل وقت پر برطانیہ کے آڑے آئی ہے۔ ایک انگریز نے جب یہ سنا تو پلٹ کر کہا ''ادھر دیکھو! میری بات سنو! بڑا ملک کون ہے۔ ہندوستان یا پاکستان؟ تجارت، لین دین، سودے اور دولت میں زیادہ مضبوط کون ہے؟ اخبارات کس ملک میں زیادہ بااثر ہیں؟ ہمیں تاجروں کی قوم کہا جاتا ہے۔ ٹھیک ہے ہم تاجر ہی ہیں۔ ہم نے ہندوستان اور پاکستان کو ترازو میں تول کر دیکھ لیا ہے۔ ہم نے طے کیا ہے

کہ ہندوؤں کی خوشنودی ضرور حاصل کرنی چاہیے اور اگر اس کے لئے مسلمانوں کو نظر انداز بھی کرنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔"[40]

فیروز خان نون جیسے سامراجی پٹھوؤں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اگرچہ انہوں نے پشت ہا پشت سے برطانوی سامراج کی خدمت کی تھی لیکن 1945ء کے بعد انگریزوں نے یکا یک آنکھیں کیوں پھیر لی تھیں اور وہ اپنے وفادار پٹھوؤں پر ان دغا باز کانگرسی لیڈروں کو کیوں ترجیح دیتے تھے جنہوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران کھلم کھلا جاپانی فسطائیوں کا ساتھ دیا تھا۔ سامراجیوں کے پٹھو یہ بات سمجھنے سے قاصر تھے۔ کہ سرمایہ دارانہ سامراج کی سیاست میں جاگیردارانہ وفاداری کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ جو گھوڑے ناکارہ ہو جائیں انہیں بلاتامل گولی ماردی جاتی ہے خواہ ماضی میں انہوں نے کتنی ہی خدمت کی ہو۔ نئے حالات میں نئے گھوڑوں کے انتخاب میں کوئی عار محسوس نہیں کیا جاتا خواہ انہوں نے ماضی میں کتنی ہی دولتیاں ماری ہوں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کی نئی دنیا میں برطانوی سامراج کی نئی عالمی پالیسی کا تقاضا یہ تھا کہ ماضی کی تلخیوں کو فراموش کر کے کانگرس کی اعتدال پسند بورژوا قیادت کا بھرپور تعاون واشتراک عمل حاصل کیا جائے۔

چوہدری محمد علی اور ظفر اللہ خاں سمیت بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ جناح نے ماؤنٹ بیٹن کو دونوں ملکوں کا مشترکہ گورنر جنرل نہیں بننے دیا جس سے اس کے پندار پر کافی گہری ضرب لگی چنانچہ اس نے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان حد بندی لائن کا تعین کرتے ہوئے محض انتقامی جذبے کے تحت پاکستان کو نقصان پہنچایا۔[41] ان لوگوں کا خیال ہے کہ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان میں آخری وائسرائے کی حیثیت سے مطلق العنان تھا۔ جو اس کے جی میں آئے کر سکتا تھا۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا اور اس نے جناح سے ذاتی مخاصمت کی بنا پر پاکستان کو ہر طرح سے نقصان پہنچایا تھا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ سامراج کی تاریخ اور اس کے طریقہ واردات سے بے خبر ہیں۔ سامراجی نظام میں کوئی شخص مطلق العنان نہیں ہوتا۔ بڑے سے بڑا عہدیدار بھی حکمران طبقے کا ادنیٰ ملازم ہوتا ہے۔ اگر وہ سامراجی مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لئے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرے تو اسے فوراً الگ کر دیا جاتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن جتنی دیر ہندوستان میں رہا اس نے کوئی بھی کام لیبر حکومت

کی مرضی یا ہدایت کے بغیر نہیں کیا تھا بلکہ اس کے ہر کام کو کنزرویٹو پارٹی کی بھی تائید وحمایت حاصل رہی تھی۔ وہ لیبر حکومت کو روزانہ رپورٹ بھیجتا تھا اور ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے منظوری حاصل کرتا تھا۔حکومت برطانیہ نے ہندوستان کی اس دور کی تاریخ کا جو سرکاری ریکارڈ شائع کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔ سامراجی مفاد اس کی ذاتی پسند یا ناپسند سے بالاتر تھا۔البتہ یہ ممکن ہے کہ لیبر حکومت کے کسی فیصلے پر عمل درآمد کرنے میں حد سے آگے بڑھ گیا ہو اور اس طرح اس نے جناح اور اس کے پاکستان کے خلاف اپنے جذبہ مخاصمت کی تسکین کی ہو۔تاہم وہ برطانوی سامراج کی مرضی کے خلاف پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ وہ اٹھارھویں صدی کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم نہیں تھا بلکہ وہ بیسویں صدی کے اجارہ دار سرمایہ داری نظام کا ملازم تھا۔ وہ برطانیہ کے اس سامراجی نظام کا وفادار نوکر تھا۔

برطانوی سامراج تقسیم ہند سے خوش نہیں تھا

کلیمنٹ ایٹلی کی لیبر حکومت نے ونسٹن چرچل کی کنزرویٹو پارٹی کے تعاون سے تقریباً دو سال تک انتہائی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ اور کانگرس میں مفاہمت ہو جائے تاکہ کانگرس کی زیر قیادت برصغیر کی جغرافیائی، سیاسی اور فوجی یکجہتی وسالمیت برقرار رہے اور یہ وسیع وعریض علاقہ اس کے جدید نوآبادیاتی نظام کے تحت نہ صرف عالمی کیمونزم کے سیلاب کا سدباب کرے بلکہ اینگلو امریکی عالمی سامراج کی خدمت بھی کرتا رہے۔لیکن جب ہندو مسلم تضاد کے حل کی کوئی صورت نظر نہ آئی اور ہندوستان کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی تو اس نے برصغیر کی تقسیم کچھ اس طرح کی کہ اس کے دوبارہ اتحاد کا راستہ کھلا رہے۔ پاکستان کو زیادہ سے زیادہ کٹا پھٹا، ناقابل عمل اور کمزور بنانے کی کوشش کی گئی جب کہ ہندوستان کو ہر طرح کی رعایت دی گئی تاکہ وہ اس علاقے کی ایک بڑی طاقت بن جائے اور پاکستان جلد یا بدیر اس میں ضم ہونے پر مجبور ہو جائے یا اس کی طفیلی ریاست بن جائے۔ انگریزوں کا کبھی یہ خیال نہیں تھا کہ تقسیم کے نتیجے میں ایک مضبوط اور مستحکم پاکستان کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جب کہ ہندوستان کی مضبوطی اور استحکام اس کے مرکز کی مضبوطی، اس کی بین الاقوامی حیثیت اور

اس کی دفاعی ضروریات کی اس کو بہت فکر تھی۔

برطانوی سامراج کا خیال تھا کہ یہ تقسیم عارضی ہے، بہت جلد پورا برصغیر ہندوستان کے زیر نگیں ہوگا۔ اس خیال کا اظہار ان تقاریر سے بھی ہوا جو 10 رجولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمینٹ میں قانون آزادیٔ ہند پر بحث کے دوران ہوئی تھیں۔ وزیر اعظم ایٹلی نے اس موقع پر کہا تھا کہ "مجھے قوی امید ہے کہ برصغیر کی یہ تقسیم عارضی ہوگی۔ دونوں ڈومینینیں پھر یکجا ہو کر برطانوی کامن ویلتھ کے اندر ایک عظیم ریاست کی تشکیل کریں گی۔" کنزرویٹو پارٹی کے ایک لیڈر ہیرلڈ میکملن نے کہا تھا کہ "ہم وزیر اعظم کی اس امید میں شریک ہیں کہ اس تقسیم میں کچھ ایسے بیج بھی موجود ہیں جو مستقبل میں کسی نہ کسی نوعیت کے اتحاد کا باعث بنیں گے۔" اور پھر 16 رجولائی کو وزیر ہند لسٹوول نے ہاؤس آف لارڈز میں یہ امید ظاہر کی تھی کہ "جب تجربے کی روشنی میں تقسیم کے نقصانات نمایاں ہوجائیں گے تو دونوں ڈومینینیں ایک انڈین ڈومینین کی صورت میں پھر متحد ہونے کا برضا ورغبت فیصلہ کریں گی اور یہ واحد انڈین ڈومینین اقوام عالم میں وہ مقام حاصل کرے گی جس کی وہ اپنے علاقے اور وسائل کے لحاظ سے مستحق ہے۔"[42]

ماؤنٹ بیٹن جس نے پاکستان کے لئے "یہ پاگل پاکستان" کے الفاظ استعمال کئے تھے، اس کے بارے میں ہوڈسن لکھتا ہے کہ "ماؤنٹ بیٹن نے برصغیر کی تقسیم کو طوعاً و کرہاً منظور تو کر لیا تھا تاہم وہ اپنے آپ کو اس خیال سے چھٹکارا نہیں دلا سکا تھا کہ تقسیم کے بعد دوستی و مصالحت کا جذبہ کارفرما ہوگا اور مشترکہ ضروریات کی منطق دونوں ڈومینینوں کو رفتہ رفتہ پھر یکجا ہوجانے پر مجبور کر دے گی۔ اسے امید تھی کہ مشترکہ دفاعی کونسل سے اتحاد و تعاون کے درخت کی نمود ہوگی لیکن پنجاب کے فسادات، جونا گڑھ اور کشمیر کے تنازعات نے یہ امید خاک میں ملا دی۔"[43]

بقول گاندھی یہ تقسیم انگریزوں نے نہیں کی تھی بلکہ خود ہندوستانیوں نے کی تھی کیونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا تھا اور جیسا کہ حوالہ جات پہلے دیئے جاچکے ہیں، پٹیل اور نہرو نے بارہا یہ کہا تھا کہ کانگرس برصغیر کی تقسیم پر اس امید کے تحت رضامند ہوئی تھی کہ پاکستان زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گا اور وہ بہت جلد واپس بھارت ماتا کی گود میں آجائے گا۔ ظفر اللہ خان کی اطلاع کے مطابق بھی کانگرس اور برطانیہ نے برصغیر کی

تقسیم بدنیتی سے قبول کی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ''ایک کانگرسی لیڈر نے ماؤنٹ بیٹن کو مشورہ دیا تھا کہ برصغیر کی تقسیم کے بارے میں مسلمانوں کا مطالبہ بظاہر منظور کر لیا جائے لیکن بنگال اور پنجاب کے صوبوں کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ پاکستان ایک علیحدہ آزاد ملک کی صورت میں زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے اور مسلم لیگ مجبور ہو کر خود انڈین یونین میں شامل ہو جانا منظور کر لے۔ ماؤنٹ بیٹن کو یہ تجویز بڑی دانشمندانہ معلوم ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی اور اس نے اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا''44 لیکن سامراجی مفادات کے اس نگہبان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ برصغیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا تاریخی تضاد اپنے مادی عوامل کی وجہ سے اتنا شدید ہو چکا تھا کہ خواہ کتنا ہی کٹا پھٹا، ناقابل عمل اور کمزور پاکستان وجود میں لایا جاتا وہ مزید شکست و ریخت کا شکار تو ہو سکتا تھا، واپس ہندوستان میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ بعد کی تاریخ نے ثابت کیا کہ پاکستان کے داخلی قومیتی تضادات کے، یہاں کے حکمران طبقوں کی مفاد پرستی اور نااہلی کی وجہ سے، حل نہ ہونے کی بدولت پاکستان 1971ء میں دولخت تو ہو گیا لیکن دونوں حصوں کا ایک انچ بھی واپس ہندوستان میں شامل نہیں ہوا۔

مشترکہ دفاع کی کوشش بھی ناکام رہی

برطانوی سامراج کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ تقسیم کے باوجود ہندوستان اور پاکستان کے مابین دفاع کے شعبے میں اشتراک عمل جاری رہے تا کہ یہ دونوں مل کر ''شمال سے خطرے'' کا مقابلہ کر سکیں۔ وسط جولائی میں برطانوی کابینہ کی انڈیا و برما کمیٹی وزیر اعظم ایٹلی کی زیر صدارت برصغیر کے انتقال اقتدار کے معاملات طے کرنے کے لئے قریباً ہر روز اجلاس منعقد کرتی تھی جن میں ماؤنٹ بیٹن کے نمائندے کے طور پر شرکت کرنے کے لئے اسمے لندن گیا ہوا تھا۔ ان اجلاسوں میں شمال مغربی سرحد کی جانب سے برصغیر کو لاحق ''خطرہ'' اور اسکے دفاع کا معاملہ بھی زیر بحث تھا۔ خاص طور سے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے دوران افغانستان کی حکومت کی جانب سے پختونستان کی پراپیگنڈہ مہم جاری تھی اور افغانستان اٹک تک کے علاقے پر دعویٰ کر رہا تھا۔ چنانچہ 16 رجولائی کو اسمے نے لندن سے ماؤنٹ بیٹن کو ایک مراسلہ بھیجا جس

میں اس نے کہا کہ "......افغانستان کی جانب سے جو احمقانہ دعوے کئے جارہے ہیں انہیں آپ اپنے استعمال میں لائیں اور بٹوارا کونسل کے ساتھ یا پھر شاید ہر رہنما سے فرداً فرداً ان کا ذکر کریں اور انہیں سمجھائیں کہ ہندوستان اور پاکستان کے لئے متحدہ دفاعی پالیسی کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ مشترکہ خطرہ اور مشترکہ خوف سے بڑھ کر اور کون سی چیز ہو سکتی ہے جو اتحاد کا باعث بن سکتی ہے۔ مثلاً میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ پاکستانی فضائیہ کس طرح ہندوستانی فضائیہ کی مدد کے بغیر انتہائی اجڈ قبائلی یلغار کا مقابلہ کر سکے گی۔"[45] دراصل اسی روز یعنی 16رجولائی کو اسمے کی برطانوی چیفس آف سٹاف کے ساتھ اس بارے میں میٹنگ ہوئی تھی کہ کس طرح دونوں ڈومینینوں کو باہمی اشتراک کے حوالے سے دولت مشترکہ کے دفاعی انتظام میں شامل ہونے پر راغب کیا جائے گا۔ اسمے نے تجویز کیا تھا کہ "پہلے ان کو ان کی فوجی کمزوری کے بارے میں سمجھایا جائے گا جو تقسیم ہند کے سیاسی فیصلے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ پھر انہیں یہ بتایا جائے گا کہ مستقبل میں انہیں کس قسم کے دفاعی مسائل پیش آسکتے ہیں اور اس بات پر زور دیا جائے گا کہ وہ ان مسائل کو حل کرنے سے بری طرح قاصر رہیں گے جب تک کہ وہ نہ صرف برطانیہ بلکہ باقی ماندہ دولت مشترکہ کی اعانت پر انحصار نہیں کریں گے۔ پھر انہیں بتایا جائے گا کہ ہندوستان کی امداد کے لئے کیا اقدامات اٹھائے جائیں گے اور انہی کے ضمن میں ہم اپنی سٹریٹجک ضروریات کی وضاحت اور تشریح بھی کر سکیں گے۔ ان فوائد پر زور دیا جائے گا جو ہندوستان اور پاکستان کو دولت مشترکہ میں شامل رہنے سے حاصل ہوں گے۔"[46] 17رجولائی کو اسمے دہلی واپس چلا گیا۔

چیفس آف سٹاف نے ان خطوط پر ایک مفصل بریف تیار کیا جسے 24رجولائی کو وزیراعظم کی منظوری کے بعد ماؤنٹ بیٹن کو دہلی بھیج دیا گیا۔ اس میں وہ مواد اور دلائل جمع کئے گئے تھے جن کی مدد سے ہندوستان اور پاکستان کے رہنماؤں کو متذکرہ مشترکہ دفاع کے منصوبے میں شمولیت پر آمادہ کرنا تھا۔ اس میں بار بار یہ رونا رویا گیا تھا کہ "برطانوی ہند کے دو علیحدہ ڈومینینوں میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے براعظم ہندوستان کی جنگی اور دفاعی امور کے لحاظ سے حیثیت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔" اور یہ کہ "براعظم ہندوستان" کو پورے جنوب مشرقی ایشیا کی قیادت کرنا ہے۔ اس خطے کی تمام اقوام بالخصوص دولت مشترکہ کی اقوام ہندوستان کے

ارباب اختیار کی جانب دیکھتی ہیں۔''اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے قوت چاہیے جو اندرونی خلفشار اور بیرونی غلبے یا حملے کا سد باب کر سکے۔'' اور یہ کہ یہ تب ہی ممکن ہے جب برطانیہ، ہندوستان اور پاکستان کے مابین قریبی دفاعی تعاون موجود ہو۔[47]

اس کے ساتھ برطانوی حکومت نے یہ تجویز کیا تھا کہ برطانوی چیفس آف سٹاف کو دونوں ڈومینینوں کے رہنماؤں کے ساتھ مذکورہ خاکے کے مطابق بات چیت کرنے کے لئے دہلی بھیجا جائے گا۔لیکن ماؤنٹ بیٹن کی رائے تھی کہ اس موقع پر یہ مسئلہ چھیڑنا مناسب نہیں ہے، ایک مرتبہ انتقال اقتدار عمل میں آ جائے تو اس کے بعد ان خطوط پر کام کا آغاز کر دیا جائے گا۔ چنانچہ فی الوقت ایک مشترکہ دفاعی کونسل کی تشکیل کو کافی سمجھا گیا۔ اس کا قیام 11 راگست کو ایک حکم نامے کے ذریعے عمل میں لایا گیا جو دونوں ملکوں کے وزرائے دفاع اور دونوں ملکوں میں موجودہ برطانوی افواج کے مشترکہ سپریم کمانڈر (کلاڈ آ کن لیک) کے علاوہ ہندوستان کے گورنر جنرل (ماؤنٹ بیٹن) پر مشتمل تھی جو اس کا ''غیر جانبدار'' چیئر مین بھی تھا۔ ہوڈسن لکھتا ہے کہ ''انتقال اقتدار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ برطانیہ کا فوجی وفد اس سلسلے میں مشترکہ دفاعی کونسل سے بات چیت کرے گا لیکن اس فیصلے پر کچھ عرصہ تک عمل نہیں ہو سکا۔ پھر 8 دسمبر 1948ء کو ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم نے ماؤنٹ بیٹن کو اس کی خواہش کے مطابق درخواست کی کہ وہ بیرونی جارحیت کے خلاف مشترکہ دفاع کے لئے تجاویز پیش کرے۔ ماؤنٹ بیٹن نے بڑی مستعدی سے یعنی دسمبر کے آخری ہفتے میں اس درخواست کی تعمیل کر دی اور یہ تجویز پیش کی کہ دونوں ڈومینینوں کے چیف آف سٹاف کی میٹنگ ہو جس میں یہ فیصلہ کیا جائے کہ برطانوی فوجی وفد سے مشترکہ دفاع کی بات چیت کے لئے کون سا وقت مناسب ہو گا لیکن دونوں وزرائے اعظم نے اس موقعہ پر مشترکہ دفاع کی تجویز کو ناقابل عمل قرار دے دیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ سیاسی ہم آہنگی کے بغیر مشترکہ دفاع کی تجویز قابل عمل نہیں ہے۔ دفاعی پالیسی کو خارجہ پالیسی سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔''[48]

مشترکہ دفاعی کونسل بھی تقریباً 9 ماہ قائم رہ سکی۔ یکم اپریل 1948ء کو اس کے خاتمے پر آزاد ہندوستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے ماؤنٹ بیٹن نے اپنے شہنشاہ معظم کو جو رپورٹ بھیجی تھی اس میں لکھا تھا کہ ''میرا ابتدائی خیال یہ تھا کہ یہ کونسل کم از کم مزید ایک سال کے لئے قائم رہے گی اور میں اندر ہی اندر یہ امید کرتا تھا کہ یہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ میری خواہش تھی کہ

جب تک میں یہاں ہوں اس وقت تک یہ میری صدارت میں قائم رہے اور جب میں یہاں سے چلا جاؤں تو اس کی صدارت اس ڈومینین کا وزیر اعظم کرے جس میں اس کا اجلاس ہو۔ میں سوچتا تھا کہ اس کونسل کے صدر کا دائرہ کار وسیع ہو جائے گا اور یہ آئندہ نہ صرف مالی اور اقتصادی امور کے بارے میں بلکہ بالآخر خارجی اور مواصلاتی امور کے بارے میں بھی فیصلے کرے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ دونوں ڈومینینیں ایک دوسرے سے بالکل ایسے ہی منسلک ہوں گی جیسے کہ امریکہ کی ریاستیں ہیں۔"[49]

دراصل مشترکہ دفاع کا سامراجی منصوبہ تیار کرنے والوں کو برصغیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان معاندانہ تضاد کے لاینحل ہونے کا اندازہ نہیں تھا۔ انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ جن وجوہ کی بنا پر برصغیر کی تقسیم ناگزیر ہوگئی تھی وہی وجوہ مشترکہ دفاع کے راستے میں حائل ہوں گی۔ جن حالات میں اور جن طریقوں سے تقسیم عمل میں آ رہی تھی ان کے پیش نظر جناح کے لئے پہلے مشترکہ گورنر جنرل اور پھر مشترکہ دفاع کی تجاویز کو منظور کرنا ممکن نہیں تھا۔ جناح کا بے انتہا سخت رویہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تضاد کی بے پناہ شدت کا آئینہ دار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان تجاویز کو مسترد کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا، اس کی وہ ہر قیمت ادا کرنے پر آمادہ تھے۔ ماؤنٹ بیٹن جیسے سیاسی مسخرے کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکتی تھی اور نہ آئی۔ وہ زوال پذیر سامراج کا نمائندہ تھا۔

انتقال اقتدار کے موقع پر سیکولر ہندوستان میں مذہب پرستی کا مظاہرہ، پاکستان میں سیکولر طرز حکومت کا مظاہرہ

جب ماؤنٹ بیٹن نے 4/جون کو پریس کانفرنس کے دوران انتقال اقتدار کے لئے 15/اگست کی تاریخ کا اعلان کیا تھا، تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہندو جوتشیوں کو اس تاریخ پر اعتراض ہوگا۔ 15/اگست کو جمعہ کا دن تھا اور ہندو جوتشیوں کے نزدیک یہ بہت منحوس شمار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تاریخ کا اعلان ہوتے ہی پورے ہندوستان کے جوتشیوں نے زائچے تیار کرنے شروع کر دیئے۔ بنارس اور جنوبی ہند کے جوتشیوں نے فوری طور پر اعلان کر دیا کہ "15/اگست اتنا منحوس دن ہے کہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہونے سے بہتر ہوگا کہ

ہندوستان مزید ایک دن برطانوی راج کی عملداری میں گزار دے۔'' کلکتہ کے سوامی مدمانند نے موقف اختیار کیا کہ 15 راگست برج جدی میں آرہا ہے جس کی خصوصیت اس نے یہ بتائی کہ یہ مرکز گریز قوتوں یعنی بٹوارے کے رجحانات کو ہوا دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا کہ'' بھگوان کے لئے ہندوستان کو 15 راگست کو آزادی مت دیں۔ اگر آئندہ سیلاب آئے، خشک سالی ہوئی، قحط پڑا اور خونریزی ہوئی تو یہ محض اس لئے ہوگا کہ ہندوستان ایک ایسی تاریخ کو آزاد ہوا کہ جو ستاروں کے نزدیک ایک منحوس دن تھا۔'' ماؤنٹ بیٹن اور ہندوستانی رہنماؤں کے لئے مسئلہ بن گیا کہ اب کیا کریں۔ بالآخر جوتشیوں کی ایک جماعت نے ہندوستانی رہنماؤں کو سمجھایا کہ''15 راگست تو نئی قومی زندگی کا آغاز کرنے کے لئے بڑا ہی منحوس دن ہے لیکن 14 راگست کو ستاروں کا ملاپ خاصا موافق ہے۔'' چنانچہ ہندوستانی رہنماؤں نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ درمیانی راہ تجویز کی کہ انتقال اقتدار 14 اور 15 کی درمیانی رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر کر دیا جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہ تجویز منظور کر لی۔[50]

اس تصفیے کے بارے میں خود ماؤنٹ بیٹن نے برطانوی حکومت کے نام 8 راگست کو ارسال کردہ ہفتہ وار رپورٹ میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔'' مجھے اس بارے میں پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا کہ مجھے انتقال اقتدار کی تاریخ کا تعین کرتے وقت جوتشیوں سے مشورہ کرنا چاہیے تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے اب یہ معاملہ یوں طے ہو گیا ہے کہ آئین ساز اسمبلی کا اجلاس نصف شب سے پہلے یعنی 14 راگست کو شبھ (نیک) گھڑی کے اندر اندر ہو جائے گا جب کہ انتقال اقتدار کی رسم عین نصف شب کو ہوگی اور وہ بھی تقریباً شبھ گھڑی ہی ہوگی۔'' اسی طرح کا مسئلہ نئی کابینہ کی حلف برداری کے لئے بھی پیدا ہوا جس کا اسی رپورٹ میں ذکر کرتے ہوئے ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے .... کابینہ کے بعض زیادہ توہم پرست ارکان چاہتے تھے کہ تمام کی تمام رسومات نصف شب کو دربار ہال میں انجام پا جائیں لیکن خوش قسمتی سے کابینہ کے بعض عمر رسیدہ ارکان رات 9 بجے سو جاتے ہیں۔ چنانچہ نئی کابینہ کی رسم حلف برداری کے معاملے میں نیند نے اوہام پرستی پر غلبہ حاصل کر لیا اور اب نئی کابینہ کی حلف برداری کی تقریب 15 راگست کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے منعقد ہوگی۔''[51]

پاکستان کے صوبہ مشرقی بنگال کے گورنر کے عہدے پر صوبہ سی۔ پی کے انگریز گورنر

فریڈرک بورن کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ اس کی جگہ صوبہ سی۔ پی کا نیا ہندوستانی گورنر بمبئی سے تعلق رکھنے والے منگل داس کو مقرر کیا گیا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سے کہا کہ آپ 13 راگست کو بمبئی سے ناگ پور پہنچ جائیں اور فریڈرک بورن سے چارج لے کر اسے فارغ کر دیں تا کہ وہ ڈھاکہ پہنچ کر 14 راگست کو وہاں کے گورنر کا عہدہ سنبھال لے۔ اس پر منگل داس پکواس نے کہا کہ میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ جوتش اس کی اجازت نہیں دیتے کہ 13 تاریخ کو سفر کیا جائے۔ چنانچہ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ وہ 12 راگست کو بمبئی سے ناگ پور آیا، چارج لے کر فریڈرک بورن کو فارغ کیا اور اسی تاریخ کو واپس بمبئی چلا گیا مبادا 13 تاریخ اسے سفر میں آجائے اور پھر 14 راگست کو دوبارہ بمبئی سے ناگپور آکر بطور گورنر سی پی کام شروع کیا۔ اس سے پہلے جب یہ مسئلہ 7 راگست کی سٹاف میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن کے سامنے لایا گیا تھا تو ماؤنٹ بیٹن کو احساس ہوا تھا کہ ہندوستان میں جوتش کا کس قدر عمل دخل ہے۔ چنانچہ اس نے آئندہ کے لئے اپنے پریس اتاشی ایلن کیمبل جانسن کو باقاعدہ ''جوتشی برائے گورنر جنرل'' کے اضافی اور اعزازی عہدے پر فائز کر دیا۔[52]

14 راگست کی رات کی تقریب سے پہلے دو معتبر سنیاسیوں نے اپنے مذہبی طریقے کے مطابق نہرو کو راج سنبھالنے کے لئے تیار کیا۔ انہوں نے اس کے اوپر دریائے تنجور کا مقدس پانی چھڑکا، اس کی پیشانی پر مقدس راکھ ملی، ایک پانچ پاؤں کا بت اس کے بازوں پر رکھا اور پھر بھگوان کی مقدس چادر پتا مبرم کو اس کے گرد لپیٹا گیا۔ قدیم ہندوستان میں جب کوئی راجہ یا مہاراجہ سنگھاسن پر بیٹھتا تھا تو معتبر اور مقدس سنیاسی اس قسم کی رسوم ادا کرتے تھے۔ 14 راگست کی شام کو یہ رسوم نہرو کی رہائش گاہ پر انجام دی گئیں۔[53]

ادھر ہندوستان آئین ساز اسمبلی کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد کے باغ میں آگ کا الاؤ روشن کیا گیا تھا جس میں سینکڑوں من گھی جلایا جا رہا تھا اور برہمن مہنت اس کے گرد بیٹھے منتر پڑھ رہے تھے۔ ''وہ مرد وخواتین جو تھوڑی دیر بعد آزاد ہندوستان کے وزیر بننے والے تھے، ایک قطار کی صورت میں اس آگ کے گرد پھیرے لگا رہے تھے۔ ایک برہمن ان کے اوپر متبرک پانی چھڑکتا جاتا تھا۔ پھر وہ ایک عورت کے قریب رکتے جوان کے ماتھے پر سرخ رنگ کا تلک لگا دیتی تھی۔''[54]

ان رسومات کے بعد ''سیکولر'' ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا اور پھر بارہ بج کر دو منٹ پر یونین جیک اتار کر ترنگا لہرایا گیا۔ اگلے روز صبح کو وائسرائے ہاؤس کے دربار ہال میں حلف برداری کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں ماؤنٹ بیٹن نے آزاد ہندوستان کے پہلے گورنر جنرل کا حلف اٹھایا۔ اس کے بعد اس نے کابینہ سے حلف لیا۔ پھر ماؤنٹ بیٹن اور نہرو ایک کھلی گاڑی میں جلوس کی صورت میں پارلیمینٹ ہاؤس کی جانب روانہ ہوئے۔ اس موقع پر کانگرسی کارکنوں نے جو نعرے لگائے ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو بورژوا ماؤنٹ بیٹن کا کس قدر مرہون منت تھا۔ ''جے ہند'' مہاتما گاندھی کی جے'' اور'' پنڈت نہرو کی جے'' جیسے عام نعروں کے علاوہ یہ نعرے بھی لگائے گئے۔ ''ماؤنٹ بیٹن کی جے'' اور'' لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی جے'' اور ایک سے زیادہ مرتبہ یہ نعرہ بھی لگا'' پنڈت ماؤنٹ بیٹن کی جے'' اور 17 راگست کو جب ماؤنٹ بیٹن نہرو کے ہمراہ بمبئی میں انگریز فوجیوں کی واپسی کے پہلے مرحلے کے جہاز کو رخصت کرنے جا رہا تھا تو راستے میں ہجوم کی طرف سے یہ نعرے لگائے جا رہے تھے۔ ''انگلینڈ زندہ باد'' اور'' جے انگلینڈ''۔ 55

نام نہاد سیکولر ہندوستان کی آزادی کی تقریبات کے موقع پر توہم پرستی اور ہندو مذہبی کٹر پن کا جو مظاہرہ ہوا وہ اس کے بالکل برعکس تھا جو کراچی میں پاکستان کو اقتدار کی منتقلی کے موقع پر دیکھنے میں آیا۔ یہاں نہ تو کوئی مذہبی رسم ادا کی گئی اور نہ کسی مذہبی طور طریقے کا مظاہرہ کیا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن 13 راگست کی سہ پہر کو دہلی سے کراچی پہنچا۔ اسی شام کو قائداعظم جناح نے اس کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ ماؤنٹ بیٹن کی ایک جانب مس فاطمہ جناح اور دوسری جانب بیگم رعنا لیاقت علی خاں بیٹھی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ '' یہ دونوں دہلی میں ہونے والی نصف شب کی رسومات کا ذکر کر کے میرا مذاق اڑاتی رہیں کہ ایک ذمہ دار حکومت کو اتنے اہم معاملے میں جوتشیوں کے کہنے پر نہیں چلنا چاہیے۔''56 اگلے روز 14 راگست کی صبح کو ماؤنٹ بیٹن نے پاکستان آئین ساز اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کیا۔ اس کے بعد جناح اور ماؤنٹ بیٹن ایک کھلی گاڑی میں بیٹھے اور ان کے جلوس نے کراچی کی شاہراہوں پر گشت کیا۔ اردگرد کھڑے ہزاروں عوام الناس نے ان کا پرجوش نعروں سے استقبال کیا۔ 13 راگست کو ماؤنٹ بیٹن کی آمد اور 14 راگست کو اس کی واپسی پر بھی ہوائی اڈے اور شہر کے درمیان راستے پر کھڑے ہزاروں

لوگوں نے پرجوش استقبال کیا لیکن کسی ایک موقع پر بھی ''مولانا ماؤنٹ بیٹن زندہ باد'' کا نعرہ نہیں لگایا گیا۔ فقط ''قائداعظم محمد علی جناح زندہ باد'' اور ''پاکستان زندہ باد'' کے نعرے ہی لگتے رہے۔

15 راگست کی صبح کو قائداعظم جناح نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کے طور پر حلف اٹھایا۔ حلف لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید نے لیا۔ حلف کی عبارت سادہ مگر پروقار تھی۔ یہ عبارت اس سے بھی سادہ اور مختلف تھی جو برطانوی حکومت نے تجویز کی تھی۔ برطانوی حکومت نے ہندوستان اور پاکستان دونوں کے گورنر جنرلوں کے لئے حلف نامے کی یکساں عبارت تجویز کی تھی اس کا متن یہ تھا۔

اطاعت کا حلف ''میں...... حلف اٹھاتا ہوں کہ شہنشاہ معظم شاہ جارج، اس کے وارثوں اور جانشینوں کا قانون کے مطابق وفادار اور سچا اطاعت گزار رہوں گا۔ پس اے خدا میری مدد فرما۔''

عہدے کا حلف۔ ''میں......حلف اٹھاتا ہوں کہ میں...... کے عہدے پر احسن طریقے سے اور سچے دل سے شہنشاہ معظم شاہ جارج کی خدمت کروں گا۔ پس اے خدا میری مدد فرما۔''

پٹیل اور نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے لئے یہ عبارت من وعن منظور کر لی۔[57] لیکن جناح نے اس سے اتفاق نہ کیا اور اپنے لئے علیحدہ عبارت تجویز کی جس کی برطانوی حکومت نے توثیق کر دی اور 15 راگست کو انہوں نے اسی عبارت پر حلف اٹھایا۔ اس میں متذکرہ دونوں حلف ایک ہی عبارت میں اکٹھے کر دیئے گئے تھے۔ متن یہ ہے۔

''میں محمد علی جناح باضابطہ اقرار کرتا ہوں کہ میں پاکستان کے آئین کا جو کہ قانوناً نافذ ہے سچا وفادار اور اطاعت گزار رہوں گا اور یہ کہ میں شہنشاہ معظم شاہ جارج ششم، اس کے وارثوں اور جانشینوں کا بطور گورنر جنرل پاکستان، وفادار رہوں گا۔''[58]

اس میں جناح نے پاکستان کے آئین سے وفاداری کو شامل کیا اور اسے اولیت دی۔ اس کے بعد شہنشاہ معظم کی وفاداری فقط ''بطور گورنر جنرل'' شامل کی مگر بطور ''محمد علی جناح'' صرف آئین کی وفاداری اور اطاعت گزاری کا عہد کیا۔ اس کے علاوہ برطانوی حکومت کے مجوزہ متن سے ایک اہم جملہ جسے جناح نے حذف کر دیا یہ تھا ''پس اے خدا میری مدد فرما۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناح کاروبار حکومت میں مذہب کا عمل دخل نہیں چاہتے تھے۔ وہ اس

کے لئے آئین کی بالادستی کو اولیت دیتے تھے۔ جو اس وقت 1935ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ تھا۔ 15 راگست کو جناح نے پاکستان کی پہلی کابینہ کے وزیروں کا حلف بھی اسی عبارت پر لیا اس میں فقط ''باضابطہ اقرار کرتا ہوں'' کی جگہ ''حلف اٹھاتا ہوں'' کر دیا گیا تھا۔

10 راگست کو پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس ہوا۔ اس میں مشرقی بنگال کے رکن اور اچھوت رہنما جوگندر ناتھ منڈل کو اسمبلی کا عارضی چیئرمین منتخب کیا گیا۔ یہ شخص متحدہ ہند کی عبوری مخلوط وزارت میں مسلم لیگ کے پانچ وزیروں میں سے ایک تھا، اس کے پاس محکمہ قانون کا قلمدان تھا اور جب جناح نے پاکستان کی پہلی کابینہ وضع کی تو اس میں بھی اسے بطور وزیر قانون شامل کیا گیا۔ ''اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان'' کی آئین ساز اسمبلی کا پہلا عارضی چیئرمین اور پہلا وزیر قانون ایک ہندو اچھوت کو بنایا گیا تھا۔ یہ دوہرا اعزاز سیکولر ہندوستان میں آج تک کسی اچھوت کو نہیں دیا گیا۔ امبیدکر اور جگ جیون رام وزیر تو بنے مگر آئین ساز اسمبلی کی صدارت کے اعلیٰ اور باوقار منصب پر فائز نہ ہو سکے کہ یہ کرسی باقی تمام ارکان اسمبلی کی کرسیوں سے بلا امتیاز ذات پات بلند مقام پر رکھی جاتی ہے۔

10 راگست کے اجلاس میں ارکان نے اسمبلی کے رول پر دستخط کر کے رکنیت کی توثیق کی۔ اس کے علاوہ جوگندر ناتھ منڈل نے ایک رسمی تقریر کی اور طریق کار سے متعلق کچھ قراردادیں منظور کی گئیں۔ 11 راگست کے اجلاس میں ارکان نے قائداعظم جناح کو آئین ساز اسمبلی کا باقاعدہ پہلا صدر منتخب کیا۔ آئین ساز اسمبلی کے پہلے صدر کی حیثیت سے اپنی پہلی تقریر کرتے ہوئے انہوں نے پاکستان کی آئین سازی کا سنگ بنیاد ان الفاظ کے ساتھ رکھا۔
''خواہ آپ کا تعلق کسی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو، اس کا امور مملکت سے کوئی تعلق نہیں ہو گا...... ہم اپنی مملکت کا آغاز کسی امتیاز کے ساتھ نہیں کر رہے ہیں۔ کسی فرقے، ذات یا عقیدے کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔ ہم اپنے کام کا آغاز اس بنیادی اصول سے کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور ایک ملک کے شہری ہیں۔ ہم اس اصول کو ایک نصب العین کے طور پر ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں گے اور آپ دیکھیں گے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہندو، ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان، مسلمان نہیں رہیں گے، مذہبی اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی اعتبار سے کہ وہ ایک قوم کے شہری ہیں۔''[59] یہ جناح کی پہلی پالیسی

تقریر تھی۔ یہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ اس میں انہوں نے واضح طور پر امور حکومت وسیاست کو مذہب سے بالکل جدا کر دیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی نے 10راگست کے افتتاحی اجلاس، 11راگست کے پہلے باقاعدہ اجلاس جس میں جناح نے متذکرہ تقریر کی اور 14راگست کے اجلاس جس میں ماؤنٹ بیٹن نے تقریر کی، ان میں سے کسی اجلاس کی کاروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے نہیں کیا گیا جب کہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی بھی اسمبلی کے اجلاس میں ایک مقتدر رکن کی حیثیت سے بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے۔ ان کے علاوہ مولوی تمیز الدین خاں بھی موجود تھے اور بعد میں اسلامی احیاء پسندی کا ایک چیمپئن پروفیسر اشتیاق حسین قریشی بھی بطور رکن موجود تھا۔ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی جو مرکزی مجلس قانون ساز بھی تھی، اس کے اجلاسوں کی سرکاری طور پر شائع شدہ کاروائیوں کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ قائداعظم جناح کے عہد حکومت (15راگست 47ء تا 11رستمبر 48ء) کے دوران اس اسمبلی کے جتنے بھی اجلاس منعقد ہوئے، خواہ بطور آئین ساز خواہ بطور قانون ساز، ان کے آغاز میں کبھی تلاوت کلام پاک نہیں ہوئی جب کہ جناح خود اس اسمبلی کے صدر (سپیکر) تھے فقط 23رفروری 1948ء کی ایک نشست مستثنیٰ ہے جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے تلاوت فرمائی۔ لیکن اس اسمبلی کے پہلے سیشن 10 تا 14راگست 1947ء، دوسرے سیشن 23رفروری تا 26رمئی 1948ء اور تیسرے سیشن 15 تا 30ردسمبر 1948ء کے دوران کم وبیش اجلاسوں کا آغاز بغیر تلاوت ہوا۔[60] اس اسمبلی میں باقاعدہ تلاوت کی ابتدا 1949ء میں ہوئی۔

پاکستان ''اسلامی نظام کی تجربہ گاہ'' کی حیثیت سے معرض وجود میں نہیں آیا تھا

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح روزمرہ کے کاروبار حکومت میں مذہب کا دخل نہیں چاہتے تھے۔ وہ جس قسم کا پاکستانی نیشنلزم ابھرتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے اس کی بنیادیں سیکولر تھیں اور ان کا خیال تھا کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ''ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔'' ان کے نزدیک اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ لوگ اپنا مذہبی عقیدہ ترک کر دیں گے بلکہ ان کی رائے تھی کہ ''سیاسی اعتبار سے سب ایک قوم کے شہری ہوں گے۔'' اور مذہب ہر فرد کا

''ذاتی عقیدہ'' ہوگا۔

جناح نے حکومت کی پالیسی کی وضاحت کے لئے 13رجولائی 1947ء کو دہلی میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ'' پاکستان ایک جمہوری ریاست ہوگی اور اس میں غیر مسلم اقلیتوں کو ہر لحاظ سے مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ انہوں نے کہا تھا کہ پاکستان ڈومینین میں اقلیتوں کے مذہب، عقیدے، جان و مال اور ثقافت کا تحفظ ہوگا۔ وہ ہر لحاظ سے پاکستان کے شہری ہوں گے اور ان سے کسی طرح کا بھی کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا البتہ انہیں بلاشبہ پاکستانی شہریت کی ذمہ داریاں بھی ادا کرنا ہوں گی۔ اقلیتوں کو ریاست کا حقیقی وفادار ہونا پڑے گا۔'' اس پریس کانفرنس میں جب جناح سے یہ پوچھا گیا تھا کہ پاکستان کی ریاست ''سیکولر'' ہوگی یا ''تھیوکریٹک'' تو ان کا جواب یہ تھا کہ یہ سوال احمقانہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ''تھیوکریٹک'' ریاست کا کیا مطلب ہے' اس پر جب ایک نامہ نگار نے کہا کہ ''تھیوکریٹک'' ریاست کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں مسلمان پورے شہری ہوں گے اور غیر مسلم پورے شہری نہیں ہوں گے تو جناح نے کہا تھا کہ تو پھر یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ سب رائیگاں گیا ہے۔ خدا کے لئے اس قسم کے بیہودہ خیالات کو اپنے ذہن سے نکال دیں''[61] چنانچہ جناح کے پاکستانی نیشنلزم میں مسلم کو غیر مسلم پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں تھی۔ ان کے نزدیک پاکستان کی جغرافیائی حدود میں آباد ہر شخص کو بلالحاظ مذہب وعقیدہ ایک شہری کے حقوق اور ترقی و خوشحالی کے یکساں مواقع مہیا تھے۔ ان کا نظریۂ پاکستان فقط جغرافیائی سرحدوں پر مبنی تھا، بعد ازاں عوام دشمن ملاؤں اور آمروں نے اپنے غصب شدہ اقتدار کا نظریاتی جواز مہیا کرنے کے لئے ''نظریاتی سرحدوں'' کا جو نعرہ گھڑا، اس کا قائداعظم جناح کے پاکستانی نیشنلزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

برصغیر ایک کثیر الاقوام خطہ تھا جہاں ایک قومی ریاست صرف ایک ڈھیلے ڈھالے کنفیڈرل نظام کے تحت تو شاید برقرار رکھی جاسکتی تھی لیکن ایک مضبوط مرکز کے تحت اس کا وجود میں لانا محال تھا۔ جناح اول الذکر صورت کے لئے نہ صرف تیار تھے بلکہ انہوں نے خلوص دل سے اس کے حق میں کوشش کی جس کی ناکامی کی داستان گزشتہ صفحات میں بیان کی جاچکی ہے۔ تقسیم کی صورت میں جناح کا خیال تھا کہ یہاں بہت سی قومی ریاستیں وجود میں آسکتی ہیں۔

چنانچہ انہوں نے آزاد اور متحدہ بنگال کو ایک علیحدہ ملک کے طور پر وجود میں لانے کی سہروردی کی کوششوں کی حمایت کی جنہیں کانگرس اور برطانوی سامراج نے مل کر ناکام بنا دیا کہ وہ تو برصغیر کی دو حصوں میں تقسیم پر آمادہ نہیں تھے چہ جائیکہ وہ اسے تین حصوں میں بانٹ دیتے۔ جناح نے پنجاب کی تقسیم کی بھی مخالفت کی اور سکھوں کو اپنی قومی ریاست میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے اچھوتوں کو بھی سر آنکھوں پر بٹھایا اور عملاً یہ ثابت کیا کہ وہ کانگرس کی منافقانہ سیکولرازم کے مقابلے میں حقیقی سیکولرازم پر عمل کر رہے ہیں۔ انہوں نے جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون مقرر کیا۔ کیا وہ اس کے ذریعے ملک میں ''نفاذ شریعت'' یا ''اسلامی قانون کی بالا دستی'' چاہتے تھے؟ اگر ان کا یہ مطمع نظر ہوتا تو وہ ان جید علماء میں سے کسی ایک کو اس منصب پر فائز کر سکتے تھے جن کو مرکزی اسمبلی کی رکنیت بھی حاصل تھی۔ ایسا کرنے میں جناح کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔

یہاں ایک سوال عام طور پر اٹھایا جاتا ہے کہ اگر پاکستانی نیشنلزم کی بنیاد سیکولر تھی تو پھر سیکولر ہندوستان سے علیحدہ ہو کر پاکستان بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ دراصل یہ سوال ایک غلط مفروضے پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ کانگرس ایک سیکولر جماعت تھی جو ایک آزاد سیکولر ہندوستان قائم کرنا چاہتی تھی اور مسلم لیگ سیکولرازم کی مخالف تھی اس لئے پاکستان بنانے کی ضرورت پیش آئی گزشتہ ایک ہزار صفحات میں اتنے حقائق اور شواہد جمع کر دیئے گئے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کانگرس ہرگز ایک سیکولر جماعت نہیں تھی اور نہ وہ ایک آزاد سیکولر ہندوستان قائم کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لیڈر انتہائی متعصب ہندو تھے جو ہندو بورژوا کی پورے برصغیر پر بالا دستی کی خاطر کمال منافقت کے ساتھ سیکولرازم کا فقط نام لیتے تھے۔ شروع میں مسلم رہنما بھی اس خوش فہمی میں رہے کہ کانگرس ایک غیر فرقہ وارانہ (سیکولر) جماعت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مولانا محمد علی جوہر سے لے کے محمد علی جناح تک تمام اکابر مسلم رہنماؤں نے اپنی سیاسی زندگی کا معتد بہ حصہ کانگرس کے پلیٹ فارم کی نذر کیا مگر جوں جوں ان پر اصل حقیقت منکشف ہوتی گئی وہ کانگرس سے بددل ہو کر مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہوتے گئے۔ مسلم عوام الناس پر بھی بتدریج ثابت ہوا کہ کانگرس سیکولر نہیں بلکہ ایک متعصب ہندو جماعت ہے اور سیکولرازم کے نعرے کی آڑ میں ان کو سیاسی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے محکوم و محروم کر کے رکھنا چاہتی ہے۔ اس طرح

بتدریج مسلم لیگ مسلم عوام الناس کی امنگوں کی ترجمان بن گئی اور 46۔1945ء کے عام انتخابات میں برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم کے طور پر ابھری۔ اگر کانگرس واقعی ایک سیکولر جماعت ہوتی تو مسلمانوں کو اپنے لئے ایک علیحدہ جماعت مسلم لیگ بنانے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن 1905ء کی تقسیم بنگال میں مسلم اکثریت کے صوبہ مشرقی بنگال کے عوام الناس کو جن میں اچھوت آبادی بھی خاصی تعداد میں تھی، فائدہ پہنچا تو کانگرس کی جانب سے کُل ہند سطح پر ہنگامے، توڑ پھوڑ، بم دھماکے، ہڑتالیں اور مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور بالآخر 1912ء میں دوبارہ صوبہ بنگال یکجا کر دیا گیا۔ اس تحریک کے ردعمل میں مسلم لیگ وجود میں آئی تھی۔

اس کے بعد مسلم لیگ نے مسلمانوں کے سیاسی، معاشی و معاشرتی حقوق کی تمام تر جدوجہد متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے جاری رکھی۔ وزارتی مشن منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لئے مسلم لیگ نے جو جدوجہد کی، گزشتہ صفحات میں اس کی تفصیل دی جا چکی ہے۔ جس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جناح کے نزدیک متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک ڈھیلی ڈھالی کنفیڈریشن یعنی گروپنگ سکیم اس پاکستان سے زیادہ قابل ترجیح تھی جو بعد میں معرض وجود میں آیا۔ کیا جناح گروپنگ سکیم ''اسلامی نظام کی تجربہ گاہ'' بنانے کے لئے حاصل کر رہے تھے۔ یاد رہے کہ اس سکیم میں امور خارجہ، دفاع، مواصلات اور خزانہ مرکز کو سونپے گئے تھے جہاں ہندو اکثریت کے ساتھ مل کر صرف سیکولر بنیاد پر کام ہوسکتا تھا۔ جناح اس کے لئے تیار تھے لیکن ہندو بورژوا اس کے لئے تیار نہ ہوا، وہ مسلمانوں کے ساتھ اشتراک عمل کے بجائے مسلمانوں کو مغلوب کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ تقسیم کے نتیجے میں جو ہندوستان وجود میں آیا وہاں اس کا بدترین عملی مظاہرہ ہوا۔ اس کے جنم دن پر ہی ہندو حکمرانوں نے مذہبی قدامت پرستی کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد چند ہی برسوں میں وہاں مسلمانوں کو تیسرے درجے کا شہری بنا کر رکھ دیا گیا۔ نہ صرف مسلمانوں کے ساتھ بلکہ اچھوتوں اور سکھوں کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا گیا ہے، اس کی ایک طویل داستان ہے۔ اس کے برعکس جناح نے پاکستان کے یوم پیدائش پر سیکولر انداز اختیار کیا۔ انہوں نے ریاست کو مسلمہ جمہوری اور سیکولر اصولوں کے تحت چلانے کا عملی مظاہرہ کیا جس کی تمنا وہ متحدہ ہند کے دائرے میں رہتے ہوئے پوری کرنا چاہتے تھے، لیکن کانگرس کے متعصب ہندو رہنماؤں نے ان کی چلنے نہ دی۔

اگر جو کہ بہت بڑا ''اگر'' ہے، کانگرس سچ مچ سیکولر جماعت ہوتی اور عمل سے اپنا سیکولر ہونا ثابت کرتی اور ہندو مسلم تضاد کو کشادہ دلی کے ساتھ تسلیم کر کے اسے سیکولر بنیادوں پر حل کرنے کی پر خلوص کوشش کرتی تو جناح اور دوسرے لیگی زعما کبھی اس سے علیحدہ نہ ہوتے اور برصغیر کی تقسیم کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ہندو مسلم تضاد کو کھلے دل سے تسلیم کر کے حل کیا جا سکتا تھا۔

وہ مذہبی رجعت پسند جماعتیں جنہوں نے بعد میں دعویٰ کیا کہ پاکستان بنانے کا مقصد دراصل ''اسلامی نظام کی تجربہ گاہ'' کا حصول تھا، اس وقت قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھیں۔ جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار، خاکسار تنظیم، آل انڈیا شیعہ کانفرنس، آل انڈیا مومن کانفرنس، اور سب سے بڑھ کر جماعت اسلامی جس نے بعد میں اسلامی نظام کے نام پر ملک میں فاشزم، غنڈہ گردی اور قتل و غارت کو فروغ دیا، قیام پاکستان، مسلم لیگ اور اس کے قائداعظم کے خلاف برسرِ عمل تھیں۔ جماعت اسلامی کے نظریہ ساز اور بانی امیر مولانا مودودی کے اس ضمن میں یوں تو بے شمار حوالہ جات ان کی تصنیف ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ جلد سوم'' سے دیئے جا سکتے ہیں مگر وہ پہلے ہی کئی بار بطور حوالہ مختلف جگہوں پر آ چکے ہیں اس لئے یہاں ان صفحات کے آخر میں ضمیمہ الف میں ان کے ایک مضمون کا مکمل متن دیا جا رہا ہے جو روزنامہ نوائے وقت میں عین اس وقت شائع ہوا جب وزارتی مشن یہاں آیا تھا اور وہ تقسیم کے بجائے متحدہ ہند کی کنفیڈریشن بنانے کی سکیم پر کام کر رہا تھا۔ اس مضمون میں مولانا نے کھلے الفاظ میں پاکستان کے قیام کی مخالفت کی اور متحدہ ہندوستان کو تمام مذاہب کی کنفیڈریشن بنانے کا فارمولا تجویز کیا۔ کیا یہ کنفیڈریشن ''اسلامی نظام کی تجربہ گاہ'' کے لئے بنائی جانی تھی؟...... عام طور پر ایک سیکولر ریاست کو تمام مذاہب کی کنفیڈریشن سمجھا جاتا ہے......!

قیام پاکستان ''انگریزوں کی سازش'' قرار دینا بھی بہت بڑا تاریخی جھوٹ ہے

جس طرح مذہبی جماعتوں کا یہ نظریہ کہ حصول پاکستان کا مقصد ''اسلامی نظام کی تجربہ گاہ'' قائم کرنا تھا، ؟ سراسر تاریخی جھوٹ ہے، وہاں اس سے بڑا تاریخی جھوٹ یہ ہے کہ انگریزوں نے اپنے سامراجی عزائم کے حصول کی خاطر برصغیر کو تقسیم کیا اور سازش کر کے ایک

بنیاد پرست مذہبی ریاست پاکستان کو قائم کیا۔ ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ان دو جلدوں میں سینکڑوں دستاویزات کے حوالہ جات جو کہ انگریزوں کے خفیہ سرکاری ریکارڈ سے دیئے گئے ہیں، اس جھوٹ کا پردہ چاک کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ تاریخ کے سنجیدہ طالب علم کو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ دوسری عالمی جنگ کے خاتمے پر اینگلو۔ امریکی سامراج کے اس برصغیر کے ساتھ کیا مفادات وابستہ تھے۔؟ وہ اس کی تقسیم کے ذریعے پورے ہوتے تھے یا اس کو فوجی اور سیاسی طور پر متحد رکھ کر پورے ہوتے تھے؟ اس کے بعد خود سامراج کے کارپرداز تقسیم کے لئے سازشیں کر رہے تھے یا کسی نہ کسی طرح اس تقسیم کو روکنے کے لئے سازشوں میں مصروف تھے؟ اس کے لئے برطانوی حکومت کا انتقال اقتدار سے متعلقہ تمام ریکارڈ (47-42ء) دیکھا جا سکتا ہے جو بارہ ضخیم جلدوں کی صورت میں اب شائع ہو چکا ہے۔ ان سے لئے گئے سینکڑوں اقتباسات جو گزشتہ صفحات میں نقل کئے گئے ہیں، اس تاریخی حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اس وقت اینگلو۔امریکی سامراج اس برصغیر کو ہر قیمت پر متحد رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی طرف سے برصغیر کی تقسیم عارضی سمجھ کر بادل ناخواستہ اور انتہائی بھونڈے طریقے سے عمل میں لائی گئی تھی۔

قیام پاکستان دراصل تاریخی ہندو مسلم تضاد کا ناگزیر نتیجہ تھا

برصغیر میں پہلے مسلمان حملہ آور کی آمد کے ساتھ ہی ہندو۔مسلم تضاد کی ابتدا ہو گئی تھی۔ البیرونی نے اپنی تصنیف ''کتاب الہند'' میں اس تضاد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سات آٹھ سو برس تک مسلمانوں نے برصغیر کے بہت بڑے حصے کے اوپر اپنی سیاسی، معاشی و معاشرتی بالادستی قائم رکھی اور اس علاقے کی اکثریتی ہندو آبادی کو سیاسی، معاشی و معاشرتی لحاظ سے محروم و محکوم بنا کر رکھا۔ بارہا ان کی عبادت گاہیں تباہ و برباد کی گئیں۔ ان کے بت پاش پاش کئے گئے۔ مندروں میں جمع دولت لوٹ لی گئی، ان کی ریاستوں اور رجواڑوں کو باجگذار بنا کر خراج وصول کیا گیا، بعض اوقات مسلم سلطنت کے ہندو باشندوں پر جزیہ بھی عائد کیا گیا، شکست خوردہ ہندو راجے مہاراجوں کا مال و اسباب بمعہ عورتوں کے مسلمان حملہ آوروں کا مال غنیمت ٹھہرا، ہندو آبادیاں دور دور تک تاخت و تاراج کر دی گئیں اور سینکڑوں سال تک یہ عمل بارہا دہرایا

گیا۔ جس کی تفصیل اس دور کے ہم عصر مسلم مؤرخین نے بے لاگ ہو کر بیان کی ہے۔ تاہم اس دوران ثقافتی اور سماجی سطح پر مسلمان صوفیا نے اور سیاسی و معاشی سطح پر مغل شہنشاہ اکبر نے ہندو مسلم تضاد کو حل کرنے کی مثبت کوششیں کیں۔

یورپی اقوام کی آمد سولہویں صدی کے اوائل سے شروع ہوئی مگر اٹھارھویں صدی کے وسط تک وہ برصغیر کے بعض ساحلی علاقوں پر تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس دوران مغل سلطنت زوال پذیر ہوئی۔ اس کے زوال میں دیگر عوامل کے علاوہ جنوب مغربی ہند سے مرہٹوں کی مسلح یلغار نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے ہندو احیاء پسندی کے نام پر جنوب مغربی ہند میں اپنی طاقت ور سلطنت قائم کر لی اور اورنگ زیب کے خلاف مسلسل برسرِ پیکار رہے۔ مغل سلطنت نے گزشتہ ڈیڑھ دو سو سال میں جو استحکام حاصل کیا تھا، مرہٹوں کی یلغار نے اس کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے تھے۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک وہ مغل سلطنت کی کمر توڑ چکے تھے اور ایک بہت بڑی سیاسی اور فوجی قوت بن چکے تھے۔ ایک جانب بنگال میں انہوں نے علی وردی خاں کو مصیبت ڈال رکھی تھی تو دوسری طرح پنجاب میں احمد شاہ ابدالی کے خلاف نبرد آزما تھے۔ ابدالی کے حملے سے انہیں نقصان ضرور پہنچا لیکن جو نقصان وہ مغل سلطنت کو پہنچا چکے تھے اس کا مداوا نہ ہو سکا۔ اس دوران مارواڑ کے ہندو بنیوں نے انگریزوں کے ساتھ تجارت کی بدولت بہت بڑی مالیاتی طاقت حاصل کر لی تھی۔ مسلمان امراء، نواب یہاں تک کہ مغل بادشاہ تک ان کا مقروض ہو چکا تھا۔ انگریز استعماریوں اور ہندو سیٹھوں نے بنگال پر اپنی گرفت مضبوط کی اور پلاسی کا ڈرامہ رچا کر زوال پذیر نوابوں کے اقتدار کا خاتمہ کیا۔ اب ہندو مسلم تضاد میں ہندوؤں کی سبقت کا دور شروع ہو چکا تھا۔ مرہٹوں نے مسلمانوں کی سیاسی و فوجی قوت کو مفلوج کیا جو پہلے ہی کرم خوردہ جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے کھوکھلی ہو چکی تھی۔ مارواڑیوں نے ان کو معاشی طور پر دیوالیہ کر دیا۔ انگریز یا دوسرے یورپی استعماری نہ آتے تب بھی برصغیر میں مسلمانوں کا زوال ہو چکا تھا۔ ہندو مسلم تضاد ایک فیصلہ کن موڑ کاٹ چکا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ اندلس کی داستان بھی دہرائی جا سکتی تھی۔

اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں انگریز استعماریوں اور ہندو گماشتہ سرمایہ داروں نے مسلمانوں کو زوال کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچا دیا۔ امراء اپنی

جائیدادوں سے بے دخل کر دیئے گئے اور کوڑی کے نہ رہے۔ مسلمان کسانوں کو زرخرید غلام بنا لیا گیا۔ ہندوؤں نے انگریزی تعلیم حاصل کی۔ رام موہن رائے نے ان کو یورپ کے صنعتی انقلاب کی روشنی سے روشناس کرایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہندو بابو ہر میدان میں انگریزوں کے بعد دوسرے نمبر پر آ گئے۔ تعلیم، ملازمتیں، کاروبار وصنعت پر نومولود ہندو بورژوا چھا گیا۔ مسلمان محروم اور محکوم ہو کر رہ گئے۔ نہ مُلّا ان کو کوئی راہ دکھا سکے اور نہ زوال پذیر جاگیردار۔ انیسویں صدی کے اواخر میں نواب لطیف، سید امیر علی اور سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو اس شاہراہ پر ڈالا جس پر ہندو کم و بیش ایک سو سال پہلے روانہ ہو چکے تھے۔ تاریخی ہندو مسلم تضاد اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین ہر میدان میں مسابقت کی دوڑ کی شکل اختیار کر گیا، بیسویں صدی کا نصف اول اس کا مظہر ہے۔ لیکن ہندو بورژوا ہر میدان میں جو غلبہ حاصل کر چکا تھا، اس کی بدولت اس نے مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ آگے نہیں نکلنے دیا بلکہ اپنے سے بہت پیچھے چھوڑ دینے کی بھرپور کوششیں جاری رکھیں۔ مسلمانوں میں بھی درمیانہ طبقہ پیدا ہو چکا تھا جو ہر میدان میں ترقی حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن ہندو بورژوا اس کے لئے سدراہ بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کاروبار میں مسلمانوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تعلیم میں بھی اگرچہ وہ ہندوؤں سے پیچھے تھے لیکن جس قدر تھے، ان کے لئے ملازمتوں میں اتنی گنجائش بھی نہیں تھی۔ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی ملازمتوں میں وہ ہندوؤں کے مقابلے میں بہت کم تعداد میں تھے۔ یہ فرق بیسویں صدی کے پانچویں عشرے تک کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ملازمتوں میں اس فرق کا اندازہ لگانے کے لئے ضمیمہ ''ج'' میں مختلف محکموں کے اعداد و شمار جمع کئے گئے ہیں جو خود بخود بتا دیتے ہیں کہ مسلمان عوام الناس پاکستان بنانے پر کیوں مجبور ہوئے۔

مشہور بنگالی ہندو مؤرخ۔ آر۔ سی۔ موجمدار ہندو۔ مسلم تضاد کو ایک تاریخی حقیقت قرار دیتا ہے۔ اس نے چار جلدوں پر مشتمل اپنی تصنیف ''تحریک آزادیٔ ہند کی تاریخ'' میں جگہ جگہ اس تضاد کی نشاندہی کی ہے اور آخر میں تقسیم ہند کو اس تضاد کا منطقی نتیجہ قرار دیا ہے۔ تقسیم ہند پر تنقید کرنے والوں کا مؤقف رد کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ '' گاندھی، نہرو اور پٹیل جیسے اکابر کانگرسی رہنماؤں کی جانب سے تقسیم کی منظوری کو عام طور پر نا قابل معافی اور نا قابل توجیہہ قرار دیا جاتا تھا۔ بہت سے لوگوں کی طرف سے اسے اچانک اور غیر متوقع فیصلہ قرار دیا

جاتا ہے کہ جسے آخری لمحے پر اختیار کر لیا گیا جس کے نتیجے میں ہندوستان ایک ناقابل بیان آفت سے دوچار ہو گیا۔ یہ قیاس اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ان رہنماؤں نے ہمیشہ ہندو۔مسلم اتحاد کی بنیاد پر انڈین قومیت کے غلط تصور کو اپنا رہنما قرار دیا تھا اور لوگوں کو ہمیشہ اصل حقیقت کو نظر انداز کر کے اس تصور کو عزیز رکھنے کی ترغیب دی تھی۔ لیکن وہ لوگ جو انیسویں صدی کے آغاز سے ہندو مسلم تعلقات کی تاریخ کا محتاط جائزہ لیتے ہیں، ان کے نزدیک پاکستان کو فقط انڈیا کے سیاسی ارتقاء کا منطقی نقطۂ عروج ہی قرار دیا جا سکتا ہے......انڈیا کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بنیادی اختلافات موجود تھے جو ان کو ایک قوم میں ضم ہو جانے کی راہ میں حائل تھے جیسا کہ عمومی طور پر اس اصطلاح کا مطلب لیا جاتا ہے۔''[62]

جو بات آر۔سی۔ موجمدار کی سمجھ میں آئی ہے اور تاریخ کے ہر سنجیدہ طالب علم کو سائنسی فکر کی روشنی میں صاف نظر آتی ہے، وہ بات یہاں بعض نام نہاد، ''ترقی پسند' آزاد خیال'' اور ''محبان انسانیت'' کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کبھی پاکستان کو ''انگریزوں کی سازش'' کی پیداوار قرار دیتے ہیں، کبھی ہندو۔مسلم تضاد کی بات کرنے کو بنیاد پرستی پر محمول کرتے ہیں اور اپنی کانگرس نوازی اور بھارت نوازی کو ''ترقی پسندی''، ''جمہوریت پسندی'' اور ''انقلاب'' قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو ان تاریخی حقائق سے ناواقف ہیں جن کو بالتفصیل ان صفحات میں بیان کیا گیا ہے اور یا پھر ان کے مفادات سرحد پار ہیں۔ ان میں سے بعض افراد سامراجی پادریوں کی طرح وطنیت اور طبقات سے بالاتر اخوت ومحبت کا منافقانہ پرچار کرتے ہیں اور بعض دوسرے افراد طبقاتی تضاد کو ہمہ وقت اور ہر حالت میں ہر قسم کے قومی تضاد سے بالاتر قرار دے کر واہگہ کی لکیر کو عملی طور پر مٹانے کے حق میں ہیں۔ لیکن یہ افراد یہ نہیں بتاتے کہ اگر آج کل کی دنیا میں طبقاتی تضاد ہمہ وقت ہر قسم کے قومی تضاد سے بالاتر ہے تو پھر مشرقی یورپ اتنی قومی ریاستوں میں منقسم کیوں ہے؟ روس اور چین کے درمیان تضاد کی بنیاد کیا ہے؟ اور ہند چینی کے تین حصے کیوں ہوئے ہیں حالانکہ فرانسیسی سامراج کے تحت یہ علاقہ انتظامی وسیاسی لحاظ سے ایک ہی ملک تھا۔ ان کی سمجھ میں یہ باتیں اس لئے نہیں آتیں کہ یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ یہ دراصل شعوری یا غیر شعوری طور پر وطن عزیز کے خلاف ناپاک مقاصد کے حامل ہیں۔ یہ پاکستان میں ہندوستان کی توسیع پسندیت کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ

ناپاک مقصد پاکستانی عوام کے بنیادی مفادات کے منافی ہے، اس لئے اس کی تکمیل نہ ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکے گی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا ہے کہ اس ملک کا عوام دشمن جاگیردار طبقہ ابھی تک سیاسی میدان میں دندنا رہا ہے اور رجعت پسند ملائیت ابھی تک عوام کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ پاکستان کے اندر مظلوم صوبائی قومیتیں ایک ظالم صوبائی قومیت کے جبر کا شکار ہیں۔ ابھی تک ایسے باشعور انقلابی عناصر کی نمود و تنظیم نہیں ہوئی جو داخلی اور خارجی قومی جدوجہد اور طبقاتی جدوجہد کو مربوط کر کے وطن عزیز کے مزدوروں، غریب کسانوں اور دوسرے محب الوطن عوام کو صحیح معنوں میں ترقی وخوشحالی کی راہ پر گامزن کر سکیں۔

ضمیمہ جات

ضمیمہ الف۔

قیام پاکستان کی مخالفت میں مولانا مودودی کا ایک نایاب مضمون

نوٹ ضمیمہ الف

پاکستان میں ''اسلامی نظام کا نفاذ'' ''نظریۂ پاکستان'' اسلامی نظام کی تجربہ گاہ'' ''نظریاتی مملکت'' اور ''نظریاتی سرحدوں'' جیسی اصطلاحوں کی علمبردار جماعت اسلامی کے بانی امیر مولانا مودودی کا قیام پاکستان سے پیشتر ''نظریۂ پاکستان'' کیا تھا، ان کی وضاحت ان کے اس مضمون سے ہو جاتی ہے جو یکم مئی 1946ء کو لاہور کے روزنامہ نوائے وقت' ہندوستان کی موجودہ گتھی کا ایک حل'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مضمون میں مولانا نے متحدہ ہندوستان میں آباد قوموں کا ایک متحدہ وفاق تشکیل دینے کا ''نظریہ'' پیش کیا ہے۔ اس میں کسی جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو ''اسلامی نظام کے نفاذ کی تجربہ گاہ کے لئے ایک علیحدہ خطے کی ضرورت ہے'' یا یہ کہ ایک ''نظریاتی مملکت کی حیثیت سے پاکستان کا قیام ناگزیر ہے'' اس کے برعکس اس مضمون کے اواخر میں قیام پاکستان کی صریح الفاظ میں مخالفت کی گئی ہے۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اکٹھے مل جل کر رہنے پر زور دیا گیا ہے اور ''صلح حدیبیہ'' کی مثال پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں مضمون کا مکمل متن دیا جارہا ہے تاکہ یہ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ ''سیاق وسباق سے الگ کر کے حقائق کو توڑا مروڑا گیا ہے۔'' مدیر نوائے وقت کا وہ اختلافی نوٹ بھی من وعن دیا جارہا ہے جو اس مضمون کے ہمراہ شائع ہوا تھا...... مرتب

ہندوستان کی موجودہ گتھی کا ایک حل

سید ابوالاعلیٰ مودودی

صاحب مضمون محتاج تعارف نہیں۔ ضروری نہیں کہ ادارۂ نوائے وقت کو اس مضمون کے تمام مندرجات سے اتفاق ہو۔ البتہ اس مضمون کے آخری حصہ سے ہمیں شدید اختلاف ہے۔ ہماری ناقص رائے میں تقسیم ہند اور پاکستان کی کاملاً آزاد ریاست کے قیام کے سوا مسلمانوں کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں۔ تاہم یہ مضمون ایک سنجیدہ مفکر کے قلم سے نکلا ہے اور اصحاب فکر کے غور کا مستحق ہے۔ (مدیر)

میرے نزدیک مستقبل میں ہند کی تعمیر کے لئے اگر کوئی صحیح اور منصفانہ نقشہ ہوسکتا ہے تو وہ حسب ذیل ہے۔

ہندو اور مسلمان لیڈر اگر اس پر متفق ہو جائیں۔ تو ہندوستان کے مسئلے کا اس سے بہتر کوئی حل نہیں ہے اور اگر آپس کی ضد اس پر بھی انہیں متفق نہ ہونے دے تو پھر ظاہر ہے کہ ہندوستان کی تقسیم اور ہندو مسلم آبادیوں کے تبادلے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔

دو یا زائد قوموں کے ملک میں ایک جمہوری ریاست بنانے کی صحیح صورت یہ ہے کہ

اولاً وہ بین الاقوامی وفاق International Federation کے اصول پر مبنی ہو یا دوسرے الفاظ میں وہ ایک قوم کی ریاست نہیں۔ بلکہ متوافق قوموں کی ایک ریاست A State of federated Nations ہو۔

ثانیاً اس وفاق میں شریک ہونے والی ہر قوم کو تہذیبی خود اختیاری Cultural Autonomy حاصل ہو۔ یعنی ہر قوم اپنے مخصوص دائرہ عمل میں اپنے گھر کی تنظیم و اصلاح کے لئے حکومت کے اختیار استعمال کر سکے۔

ثالثاً مشترک وطنی معاملات کے لئے اس کا نظام عمل مساویانہ حصہ داری Equal Partnership پر تعمیر کیا جائے۔

ہندوستان کے حالات کو سیاسی نقطۂ نظر سے سمجھنے اور حل کرنے کی جن لوگوں نے کوشش کی ہے۔ انہوں نے یہ بات تو تسلیم کر لی ہے کہ اس ملک کے لئے وحدانی Unitary طرز کی حکومت موزوں نہیں ہے بلکہ یہاں ایک اسٹیٹ اگر بن سکتی ہے تو وہ صرف وفاقی اصول پر بن سکتی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہ حالات کے صرف ایک پہلو کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ دوسرا پہلوان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ انہوں نے صرف اس حد تک واقعات کو دیکھا اور سمجھا کہ یہاں دیسی ریاستیں اور برٹش انڈیا کے صوبے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور خود صوبوں کی زبان، روایات، معاشرت اور عمرانی مسائل میں کافی تفاوت ہے، اس لئے وہ صرف اس نتیجہ تک پہنچ سکے کہ ان سب کو ایک مرکزی اقتدار کا بالکلیہ تابع بنا دینا درست نہیں ہے بلکہ ان کی اندرونی خودمختاری کو برقرار رکھ کر ان کے درمیان وفاقی تعلق قائم کرنا چاہیے لیکن واقعات کے اس پہلو پر ان کی نگاہ نہیں پہنچی کہ یہاں ریاستوں اور صوبوں کی طرح قوموں کے درمیان بھی اصول تہذیب، طرز زندگی، روایات قومی اور ضروریات اجتماعی میں کافی تفاوت ہے۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے انہوں نے مختلف قوموں کو ایک وحدانی طرز کی حکومت میں باندھ کر رکھ دیا۔ درحالیکہ جو وجوہ ریاستوں کے معاملہ میں وفاقی اصول اختیار کرنے کے مقتضی ہوئے ہیں ان سے زیادہ قوی وجوہ قوموں کے معاملہ میں وفاقی اصول اختیار کرنے کے مقتضی ہیں۔

وفاق کی روح کیا ہے؟ مختصراً اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ جو جماعتیں کچھ ایسے مشترکہ اغراض و مفاد رکھتی ہیں کہ ایک دوسرے سے علیحدہ زندگی بسر کرنا ان کے لئے ممکن نہ ہو اور اس کے ساتھ ان کے کچھ مخصوص حالات بھی ہوں۔ جن کی بناء پر وہ بالکل ایک دوسرے میں مدغم ہو جانا بھی گوارا نہ کر سکتی ہوں وہ آپس میں مل کر اس طرح کی ایک مصالحت Compromise کر لیتی ہیں کہ اپنے مخصوص معاملات میں ان کی خودمختاری بھی برقرار رہے اور مشترکہ معاملات میں اشتراک عمل بھی ہو سکے۔ اس قسم کے وفاق میں مرکز اور وفاقی اجزاء کے درمیان حاکمیت منقسم ہو جاتی ہے۔ مرکز اور ہر ایک وفاقی جز اپنے اپنے دائرۂ عمل میں مختار ہوتا ہے۔ نہ ایک کو دوسرے کے دائرہ میں گھس آنے کا اختیار ہوتا ہے اور نہ آئینی حیثیت سے کسی ایک کو یہ اقتدار حاصل ہے کہ دوسرے کو مٹا دے۔ اس طرح کی مصالحت یہ موقع بہم پہنچا دیتی ہے کہ مختلف

النوع جماعتیں مشترک ضروریات کے لئے مل کر ایک اسٹیٹ بنا سکیں۔

وفاق کی اس روح کو سمجھ لینے کے بعد کسی سیاسی فہم وبصیرت رکھنے والے شخص کے لئے اس حقیقت کا ادراک کر لینا مشکل نہیں ہے کہ اس نوعیت کا وفاق جس طرح ریاستوں یعنی الگ الگ جغرافیائی خطوں میں رہنے والی جماعتوں کے درمیان ہوسکتا ہے، اسی طرح قوموں میں ایک ہی جغرافیائی خطے میں رہنے والی مختلف المذہب یا مختلف التمدن جماعتوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے۔ البتہ اصول وفاق کا انطباق Application دونوں صورتوں میں مختلف طرز پر ہو گا۔ متوافق ریاستوں اور مرکز کے درمیان اختیارات کی تقسیم جس طرح پر کی جاتی ہے متوافق قوموں کے درمیان وہ اس سے مختلف طریقہ پر ہوگی۔ پہلی چیز کو ہندوستان میں صوبائی خود مختاری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری چیز کو ہم تہذیبی خود اختیاری Cultural Autonomy سے تعبیر کرتے ہیں اس کے بنیادی اصول حسب ذیل ہونے چاہئیں۔

1۔ وفاقی اسٹیٹ بنانے والی ہر قوم صاحب حاکمیت قوم Sovereign Nation ہو یعنی وہ اپنے دائرہ عمل میں خود حکومت کے اختیارات استعمال کرے۔

2۔ تعلیم، مذہبی معاملات (مثلاً عبادت گاہوں اور اوقاف کا نظم ونسق اور مذہبی احکام کو اپنے افراد قوم پر نافذ کرنا اور ان احکام کے خلاف ان کی سرکشی کو روکنا) اور مخصوص تمدنی و معاشرتی مسائل مثلاً نکاح، طلاق، وراثت اور قومی طرز معاشرت (National Social System) میں ہر قوم کو پوری حکومتی خود اختیاری حاصل ہو اور مرکز کو اس میں دخل دینے کا حق نہ ہو۔

3۔ ان اغراض کے لئے ہر قوم کی الگ الگ ضلع وار اور صوبہ وار کونسلیں ہوں اور ان پر ایک ایک سپریم کونسل ہو۔ مذکورہ بالا معاملات انہی کونسلوں میں پیش ہوں اور وہیں سے ان کے لئے قوانین منظور کئے جائیں۔ ان قوانین کا مرتبہ عام ملکی قوانین سے کسی طرح کم نہ ہو۔ ان کو نافذ کرنے کے لئے ایک مستقل ہیئت انتظامیہ Executive ہو۔ اور وہ قومی کونسل کے سامنے جواب دہ ہو۔ مصارف نظم ونسق کے لئے اپنی قوم کے لوگوں پر مخصوص ٹیکس عائد کرنے اور وصول کرنے کے پورے اختیارات اس قومی نظام کو حاصل ہوں اور ملکی خزانہ میں سے بھی ایک مخصوص حصہ ہر قوم کے لئے مقرر کر

دیا جائے جس طرح وفاقی ریاستوں اور وفاقی مرکز کے درمیان مالیات کی تقسیم ہوا کرتی ہے۔

4۔ متوافق قوموں کے درمیان یا کسی وفاقی جز اور مرکز کے درمیان جو آئینی اختلافات پیدا ہوں ان کا تصفیہ وفاقی عدالت Federal Court کرے۔

5۔ اپنے مخصوص قوانین کے مطابق فصل خصومات کرنے کے لئے ہر قوم کا مستقل عدالتی نظام بھی ہو جسے عام ملکی عدالتوں کی طرح پورے عدالتی اختیارات حاصل ہوں۔

6۔ جن معاملات میں ایک قوم کے قوانین دوسری قوم کے قوانین سے متصادم ہوں یا ان کے متصادم ہونے کا اندیشہ ہو انہیں دونوں قوموں کے نمائندے باہمی گفتگو سے یا پھر وفاقی عدالت کے ذریعہ سے حل کریں۔

اس مرحلہ پر تہذیبی خود اختیاری کے صرف اصول بیان کئے جا سکتے ہیں۔ اگر ان پر اتفاق ہو جائے تو ان کا تفصیلی نقشہ ایک بین الاقوامی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس یا آئین ساز اسمبلی Constituent Assembly میں بنایا جا سکتا ☆ ہے۔

اس کے بعد مرکزی حکومت کا سوال سامنے آتا ہے۔ مرکزی حکومت سے یہاں ہماری مراد ریاستوں کے وفاق کا مرکز نہیں ہے۔ بلکہ قوموں کے وفاق کا مرکز ہے یعنی وہ نظام حکومت جسے متوافق قومیں اپنی مشترکہ اغراض کے لئے بنائیں۔ اس معنی میں صوبوں اور ریاستوں کی حکومت بھی اسی طرح مرکزی ہے جس طرح وفاقی مرکز Federal Centre۔ یہ مشترک نظام حکومت لامحالہ ''مساویانہ حصہ داری'' کے اصول پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ یہ صاحب

☆ بعض لوگ اس موقعہ پر فوراً بول اٹھتے ہیں کہ اسلام میں زانی اور سارق اور قاذف کے لئے جو حدیں مقرر ہیں۔ یا ہندو شاستر میں جو قوانین ہیں کیا ان کو جوں کا توں نافذ کیا جائے گا؟ مگر یہ سوال سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ابتدائی مرحلہ میں بین الاقوامی تعلقات کا تناسب قائم کرنے کے لئے ہم صرف ان قوانین کے نفاذ پر زور دیں گے جو عام ملکی قوانین سے متصادم نہ ہوتے ہوں۔ اس کے بعد ہر قوم اپنی تہذیب کے اصولوں کا مظاہرہ کر کے اور ان کے حق میں علمی وعقلی دلائل پیش کر کے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔ اور جس کی تہذیب کے اصول زیادہ طاقت ور ہوں گے وہ عام ملکی قوانین کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

حاکمیت قوموں کا وفاق ہے نہ کہ ایک قوم کا وحدانی نظام حکومت۔ یہاں پوری احتیاط کے ساتھ اس امر کا انتظام کرنا پڑے گا کہ اصول جمہوریت کے لحاظ سے ایک وفاقی جز کو جو حاکمیت حاصل ہے دوسرا وفاقی جز اسے سلب نہ کرے۔ تہذیبی خوداختیاری کی طرح اس کا بھی ایک ڈھانچہ بنا کر ہم یہاں پیش کرتے ہیں جس کی تفصیلی صورت بعد میں ایک آئین ساز مجلس بنا سکتی ہے۔

1۔ اسٹیٹ کے انتظامی، عدلی اور دفاعی تینوں شعبوں میں ہر قوم کا حصہ ☆ اس کی آبادی کے تناسب سے مقرر کر دیا جائے جو تناسب کے تغیرات کے ساتھ ساتھ متغیر ہو سکتا ہے۔ پاسنگ (Weightage) کا طریقہ بالکل اڑا دیا جائے۔

2۔ مجالس قانون ساز میں نمائندگی اور انتخاب کا جو طریقہ اس وقت رائج ہے اسے بالکل بدل دیا جائے۔ چھوٹے چھوٹے حلقہ ہائے انتخاب بنانے کے بجائے ایک ریاست کے پورے حدود ارضی کو ایک حلقۂ انتخاب قرار دیا جائے۔ جس میں ایک نشست کے لئے الگ الگ امیدوار کھڑے نہ ہوں بلکہ تسلیم شدہ سیاسی جماعتیں۔ Recognized Political Parties اپنے اپنے امیدواروں کی فہرستیں پیش کریں اور ان کو کامیاب کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ اس صورت میں (اور یاد رکھئے کہ صرف اسی صورت میں) جداگانہ انتخاب کے طریقہ کو موقوف کر دینا چاہیے اور نشستوں کا تعین بھی ختم کر دینا چاہیے اس لئے کہ پھر بند قلعوں میں رہنا ہر قوم کے لئے مضر ہوگا۔ جداگانہ طریق انتخاب اور نشستوں کے تعین کی ضرورت صرف اسی وقت تک ہے جب تک کہ یہاں انگلستان کی بوسیدہ ڈیموکریسی کے نمونہ پر چھوٹے چھوٹے یک نشستی

☆ خودغرض لوگ یہاں یہ اعتراض پیدا کر دیتے ہیں کہ اس طرح حصے مقرر کرنے سے مناصب حکومت کی اہلیت متاثر ہو جاتی ہے مگر یہ محض ایک فریب ہے اور اس کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں کہ اپنے حق سے زیادہ جو لوگ لے چکے ہیں وہ اس کو چھوڑنا نہیں چاہتے ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی قوم میں اہل آدمیوں کی اتنی کمی نہیں ہے کہ نظام حکومت کو چلانے کے لیے اپنے تناسب آبادی کے مطابق کام کے آدمی نہ دے سکتی ہو۔ حصہ کے سوال کو یہ معنی پہنانا کہ ہم اہلیت کے بجائے محض مذہب یا قومیت کو مدار انتخاب قرار دینا چاہتے ہیں۔ ایک ذلیل قسم کی چالاکی ہے۔

حلقہ ہائے انتخاب بنائے جاتے ہیں۔ یورپ کی جدید جمہوریتوں میں متناسب نمائندگی Proportional Representation کے جو تجربات کئے گئے ہیں اگر ان سے استفادہ کر کے ایک صحیح جمہوری طریق انتخاب وضع کرلیا جائے تو پھر جداگانہ انتخاب کو اڑا دینا ہوگا تا کہ اوّلاً آبادی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی نمائندگی سے محروم نہ رہ سکے ثانیاً مقابلہ اشخاص کا اشخاص سے نہ ہو۔ بلکہ پارٹی کے اصول اور پروگرام ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئیں اور ثالثاً ہر پارٹی اپنے اصول اور پروگرام کو لے کر سب قوموں کے پاس جا سکے۔ بہت ممکن ہے کہ ابتداً ہم اپنی مہم کی کمزوری کے باعث کسی زیادہ منظم جماعت کے مقابلہ میں شکست کھائیں۔ لیکن تہذیبی خوداختیاری کے بعد یہ شکست ہمارے لئے کچھ زیادہ مضر نہ ہوگی اور مزید برآں کھلے مقابلہ ہی میں زور آزمائی کرنے سے ہم سیاسی تنظیم پر کوئی زور دے سکیں گے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ مقابلہ آزاد اور مساویانہ ہو۔ اس کے بعد اگر ہم اپنے نظم کی کمزوری یا اپنے اصول اور پروگرام کی کمزوری کے باعث شکست کھائیں گے تو اس شکست کے مستحق ہوں گے۔

3۔ جمہوریت کو مؤثر بنانے کے لئے استصواب عام (Referendum) طریقہ اختیار کیا جائے۔ نیز رائے دہندگان کو یہ حق بھی دیا جائے کہ جن نمائندوں پر ان کو اعتماد نہ رہا ہو۔ ان کو واپس بلالیں۔ یہ بھی انگلستان کی دقیانوسی جمہوریت کا ایک سراسر غیر جمہوری طریقہ ہے کہ نمائندوں کو منتخب کرنے کے بعد رائے دہندگان ایک معین مدت تک اپنے ہاتھ کٹوا بیٹھتے ہیں۔ روسو کے بقول انگریز صرف اس وقت آزاد ہوتے ہیں۔ جب وہ پارلیمینٹ کے ارکان کا انتخاب کرتے ہیں اور جب وہ انہیں منتخب کر لیتے ہیں تو پھر اپنے ہی منتخب کردہ نمائندوں کے غلام بن جاتے ہیں۔

4۔ استصواب عام کے ساتھ یہ اصول مقرر کر دیا جائے کہ جس چیز کی مخالفت ایک قوم کے ووٹر بالاتفاق یا عظیم اکثریت کے ساتھ کریں وہ مجلس قانون ساز میں پاس نہ ہو سکے کیونکہ یہ مخالفت اس بات کی دلیل ہو گی کہ جمہوری نظام کے حصہ داروں میں سے ایک حصہ دار اس کو اپنے لئے مضر پاتا ہے اور دوسرا حصہ دار صرف اس لئے اس کا مؤید ہے کہ وہ اس کے لئے مفید ہے۔ اس قسم کے کسی قانون یا ریزولیوشن کا پاس ہونا عین

اصول جمہوریت کی نفی ہوگا۔

5۔ استصواب عام کے لئے یہ اصول بھی مقرر کرنا پڑے گا کہ اگر کسی قوم کے ووٹروں کی کم از کم اس قدر فیصدی تعداد استصواب کا مطالبہ کرے تو اس کا انعقاد ضروری ہوگا۔

6۔ دستور کی ترمیم پر بھی سخت پابندیاں عائد کرنی ہوں گی۔ جن کے لئے امریکہ، سوئٹزرلینڈ، آسٹریلیا اور دوسرے جمہوری ممالک کے دساتیر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ان اصولوں کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو میں مسلمانوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ تقسیم ہند پر نہ مریں اور ایک ایسے دستور پر راضی ہو جائیں جس میں صوبوں اور ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ خود اختیاری دی جائے اور مابقی اختیارات Residuary Powers بھی انہی کو تفویض کئے جائیں اور صرف چند اختیارات ہندوستان کے وفاقی مرکز کے لئے مخصوص رہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت مسلمانوں نے اپنی تمام توجہ پاکستان پر مرکوز کر دی ہے اور ان کو اس کے سوا اپنے قومی حوصلوں کے پورے ہونے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میرے اس تجویز کردہ نقشہ کو قبول کر لیا جائے اور تلخی اور کشمکش کے بجائے صلح و مصالحت سے دوستانہ اسپرٹ میں اس پر تصفیہ ہو جائے تو ہندوستان کی تقسیم کے بجائے ہندوستان کی وحدت مسلمانوں کے لئے بھی زیادہ مفید ثابت ہوگی اور ہندوستان کی غیر مسلم آبادی کے لئے بھی۔ بظاہر اپنے آزاد قومی اسٹیٹ کے قیام کا موقع کھو دینا مسلمانوں کو ایک نقصان نظر آئے گا۔ مگر میرا خیال ہے اور آئندہ پچیس سال اسے ثابت کر دیں گے کہ اس طرح کی مصالحت مسلمانوں کے لئے اور ہندوستان کے لئے ویسی ہی رحمت ہوگی جیسی صلح حدیبیہ اسلام اور عرب کے لئے ہوئی تھی۔

(نوائے وقت یکم مئی 1946ء)

ضمیمہ ب

مجلس دستور ساز پاکستان کا پہلا صدر منتخب ہونے پر قائداعظمؒ کی تاریخی تقریر

(11راگست 1947ء)

قائداعظم محمد علی جناح نے 11راگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں انتہائی اہم تقریر کی۔ اس تقریر کو دراصل آئین پاکستان کا دیباچہ ہونا چاہیے۔ تمام شہریوں کی بلاامتیاز رنگ ونسل، عقیدہ اور مذہب برابری کے اصول سے روگردانی کرنے کی خاطر پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ نے اس تقریر کو آئین کا حصہ نہیں بننے دیا۔ اس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔

مجلس دستور ساز پاکستان کے پہلے صدر منتخب ہونے پر قائداعظمؒ کی تاریخی تقریر

(11/اگست 1947ء)

جناب صدر، خواتین و حضرات!

آپ نے مجھے اپنا پہلا صدر منتخب کر کے جس اعزاز سے نوازا ہے اس کے لیے میں تہہ دل سے اور پورے خلوص کے ساتھ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ وہ عظیم ترین اعزاز ہے جس سے یہ خودمختار مجلس کسی کو نواز سکتی ہے۔ میں ان رہنماؤں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی تقریروں میں میری خدمات کو سراہا اور میرے بارے میں ذاتی حوالے دیئے۔ مجھے امید واثق ہے کہ آپ کی حمایت اور آپ کے تعاون سے ہم اس مجلس دستور ساز کو دنیا کے لیے ایک مثال بنا دیں گے۔ مجلس دستور ساز کو دو بڑے فریضے سرانجام دینے ہیں۔ پہلا فریضہ تو بہت کٹھن اور ذمہ داری کا کام ہے یعنی پاکستان کے لیے دستور مرتب کرنا، دوسرا، پاکستان کی ایک کامل اور خودمختار وفاقی مقننہ کے طور پر ایک مکمل خودمختار ادارے کے طور پر کام کرنا ہے۔ ہمیں اپنی بہترین مساعی اس امر کے لیے صرف کرنا ہوں گی کہ ہم پاکستان کی وفاقی مجلس قانون ساز کے لیے ایک عبوری آئین تیار کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ جس بے مثل طوفانی انقلاب کے ذریعہ اس برصغیر میں دو آزاد اور خودمختار مملکتیں معرض وجود میں آئیں، اس پر نہ صرف یہ کہ ہم حیرت زدہ ہیں بلکہ ساری دنیا بھی متحیر ہے۔ فی الواقع یہ صورتِ حال بے مثال ہے اور تاریخ عالم میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ انہی ہر قسم کے باشندوں کا یہ عظیم برصغیر ایک ایسے منصوبے کے تحت لایا گیا ہے جو انتہائی عظیم، بے نظیر اور نایاب ہے اور اس ضمن میں جو بات سب سے زیادہ اہم ہے کہ ہم نے یہ سب کچھ پرامن طریقے سے اور عظیم تر تدریجی ارتقاء سے حاصل کیا ہے۔

اس مجلس کے پہلے فریضہ کے بارے میں، میں اس وقت کسی سوچی سمجھی بات کا تو اعلان نہیں کر سکتا لیکن ایک دو چیزیں جو میرے ذہن میں آئیں گی آپ کے سامنے پیش کر

دوں گا۔ پہلی اور سب سے زیادہ اہم بات جو میں زور دے کر کہوں گا وہ یہ ہے، کہ یاد رکھئے کہ آپ خودمختار قانون ساز ادارہ ہیں اور آپ کو جملہ اختیارات حاصل ہیں۔ لہٰذا یہ آپ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد کرتا ہے یعنی آپ فیصلے کس طرح کرتے ہیں؟ پہلی بات جو میں کہنا چاہوں گا وہ یہ ہے اور بلاشبہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ایک حکومت کا پہلا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نظم ونسق برقرار رکھے تاکہ مملکت اپنے عوام کی جان و مال اور ان کے مذہبی عقائد کو مکمل طور پر تحفظ دے سکے۔

دوسری بات جو اس وقت میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان جن بڑی لعنتوں میں مبتلا ہے وہ رشوت ستانی اور بدعنوانی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا کے دوسرے ممالک اس سے پاک ہیں، لیکن میں یہ کہوں گا کہ ہماری حالت بہت ہی خراب ہے۔ دراصل یہ ایک زہر ہے۔ ہمیں نہایت سختی سے ان کا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جتنی جلد اس اسمبلی کے لیے ایسا کرنا ممکن ہوگا آپ اس سلسلہ میں مناسب اقدامات کریں گے۔

دوسری لعنت چوربازاری ہے۔ مجھے علم ہے کہ چوربازاری کرنے والے اکثر پکڑے جاتے ہیں اور سزا بھی پاتے ہیں۔ عدالتیں ان کے لیے قید کی سزائیں تجویز کرتی ہیں یا بعض اوقات ان پر صرف جرمانے ہی کیے جاتے ہیں۔ اب آپ کو اس عفریت سے بھی نبٹنا ہو گا جو آج معاشرہ کے خلاف ایک بہت بڑا جرم ہے۔ موجودہ تکلیف دہ حالات میں جب کہ ہمیں مسلسل خوراک کی قلت یا دیگر ضروری اشیائے صرف کی کمی کا سامنا ہے، جو شہری چور بازاری کرتا ہے تو میرے خیال میں وہ سب سے بڑے اور زیادہ گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ یہ چوربازاری کرنے والے لوگ باخبر، ذہین اور عام حالات میں ذمہ دار لوگ ہوتے ہیں۔ جب یہ چوربازاری کرتے ہیں تو میرے خیال میں انہیں بہت کڑی سزا ملنی چاہیے کیونکہ یہ لوگ خوراک اور دیگر ضروری اشیائے صرف کی باقاعدہ تقسیم کے نظام کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور اس طرح فاقہ کشی، احتیاج اور حتیٰ کہ موت کا باعث بن جاتے ہیں۔

اگلی بات جو فوری طور پر میرے سامنے آتی ہے وہ ہے اقرباپروری اور احباب نوازی۔ یہ بھی ہمیں ورثے میں ملی اور بہت سی اچھی بری چیزوں کے ساتھ یہ لعنت بھی ہمارے حصے میں آئی۔ اس برائی کو بھی سختی سے کچل دینا ہوگا۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نہ تو

احباب پروری اور اقربا نوازی کو برداشت کروں گا اور نہ ہی کسی اثر ورسوخ کو قبول کروں گا جو مجھ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ جہاں کہیں مجھے معلوم ہوا کہ یہ طریقۂ کار رائج ہے، خواہ یہ اعلیٰ سطح پر ہو یا ادنیٰ سطح پر، میں اس کو ہرگز گوارا نہیں کروں گا۔

مجھے علم ہے کہ ایسے لوگ ہیں جو تقسیم ہند اور پنجاب اور بنگال کے بٹوارے کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے خلاف بہت کچھ کہا جا چکا ہے لیکن اب جب کہ اس کو تسلیم کیا جا چکا ہے تو ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اس کی وفاداری سے پابندی کریں اور آبرومندانہ طریقہ سے اس معاہدہ پر عمل کریں جو حتمی ہے اور ہم سب پر لاگو ہے۔ لیکن آپ کو یاد رکھنا چاہیے اور جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں جو انقلاب برپا ہوا ہے وہ بے نظیر ہے۔ جہاں ایک فرقہ اکثریت میں اور دوسرا اقلیت میں ہو تو اُن کے درمیان کس طرح کے جذبات ہوئے وہاں اس کے باہمی جذبات کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو کچھ کیا گیا اس کے علاوہ کوئی اور اقدام ممکن اور قابل عمل تھا؟ تقسیم تو ہونی ہی تھی۔ سرحد کے دونوں جانب ہندوستان اور پاکستان میں ایسے لوگوں کی جماعتیں ہیں جو اس سے اتفاق نہ کرتے ہوں اور اسے پسند نہ کرتے ہوں۔ لیکن میری رائے میں اس مسئلہ کا اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں تھا۔

مجھے یقین ہے کہ تاریخ اس کے حق میں فیصلہ صادر کرے گی۔ مزید برآں جوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہند کے دستوری مسئلہ کا صرف یہی واحد حل تھا۔ متحدہ ہند کا تصور، قابل عمل نہیں تھا اور میری رائے میں یہ ہمیں خوفناک تباہی کے دہانے پر لے جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ رائے درست ہو اور یہ بھی کہ درست نہ ہو لیکن اس کا فیصلہ بھی وقت ہی کرے گا۔ بایں ہمہ اس تقسیم میں کسی ایک مملکت میں یا دوسری مملکت میں اقلیتوں کے وجود سے گریز ناممکن تھا۔ اس سے مفر نہیں تھا۔ اس کا بھی کوئی اور حل نہیں تھا۔ اب ہم کیا کریں؟ اگر ہم پاکستان کی عظیم مملکت کو خوش وخرم اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تمام تر توجہ لوگوں کی فلاح و بہبود پر مرکوز کر دینی چاہیے۔ بالخصوص عامتہ الناس کی اور غریبوں کی جانب۔ اگر آپ ماضی کو اور باہمی تنازعات کو نظر انداز کرتے ہوئے باہمی تعاون کے ساتھ کام کریں گے تو کامیابی یقیناً آپ کے قدم چومے گی۔ آپ اپنا ماضی بدل دیں۔

اگر آپ اپنا ماضی تبدیل کر لیں اور اس جذبہ کے ساتھ اکٹھے کام کریں کہ اس بات

سے قطع نظر کہ اُس کا کس فرقہ سے تعلق ہے، ماضی میں اُس کے اور آپ کے تعلقات سے قطع نظر، اس کا رنگ، ذات، نسل کیا ہے، وہ اوّل تا آخر اس مملکت کا شہری ہے جس کے مساوی حقوق، مراعات اور فرائض ہیں تو پھر آپ جو ترقی کریں گے اُس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

میں اس بات پر بہت زیادہ زور نہیں دے سکتا۔ ہمیں اس جذبہ کے ساتھ کام شروع کر دینا چاہیے اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ یہ اکثریت اور اقلیت ہندو فرقہ اور مسلمان فرقہ کے یہ امتیازات معدوم ہو جائیں گے۔

کیونکہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں تو پٹھان، پنجابی، شیعہ اور سنی وغیرہ موجود ہیں، اس طرح ہندوؤں میں برہمن، ویش، کھتری ہیں اور بنگالی اور مدراسی وغیرہ ہیں۔ سچ پوچھیں تو یہی چیزیں ہندوستان کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا تو ہم کب کے آزاد ہو گئے ہوتے۔ کوئی طاقت دوسری قوم کو اپنا غلام نہیں بنا سکتی۔ بالخصوص اس قوم کو جو چالیس کروڑ انسانوں پر مشتمل ہو۔ اگر یہ کمزوری نہ ہوتی کوئی اس کو زیر نہیں کر سکتا تھا اور اگر ایسا ہو بھی جاتا تو اسی وجہ کے بغیر کوئی آپ پر کسی بھی مدت کے لیے حکمرانی نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا ہمیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اب آپ آزاد ہیں۔ اس مملکت پاکستان میں آپ آزاد ہیں، اپنے مندروں میں جائیں، اپنی مساجد میں جائیں یا کسی اور عبادت گاہ میں۔ آپ کا خواہ کسی بھی مذہب، ذات پات یا عقیدے سے تعلق ہو، کاروبار مملکت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ کو علم ہے کہ تاریخ بتاتی ہے کہ انگلستان میں کچھ عرصہ قبل حالات اس سے بھی زیادہ ابتر تھے جیسے کہ آج ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نے ایک دوسرے پر ظلم ڈھائے۔ آج بھی ایسے ممالک موجود ہیں جہاں ایک مخصوص فرقے سے امتیاز برتا جاتا ہے اور ان پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے ایسے حالات میں سفر کا آغاز نہیں کیا ہے۔ ہم اس زمانے میں اسے شروع کر رہے ہیں جب اس طرح کی تفریق روا نہیں رکھی جاتی۔ دو فرقوں کے مابین کوئی امتیاز نہیں۔ مختلف ذاتوں اور عقائد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ ابتدا کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور ایک ہی مملکت کے برابر کے شہری ہیں۔ انگلستان کے باشندوں کو وقت کے ساتھ ساتھ آنے والے حقائق کا احساس کرنا پڑا اور ان ذمہ داریوں اور اس بارگراں سے سبکدوش

ہونا پڑا جو ان کی حکومت نے ان پر ڈال دیا تھا اور وہ اس آگ سے بتدریج نکل آئے۔ آپ بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب وہاں رومن کیتھولک ہیں نہ پروٹسنٹ، اب جو چیز موجود ہے وہ یہ کہ ہر فرد ایک شہری ہے اور سب برطانیہ عظمیٰ کے برابر کے شہری ہیں۔ سب کے سب ایک ہی قوم کے ارکان ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں اس بات کو ایک نصب العین کے طور پر اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا، مذہبی اعتبار سے تو نہیں کیونکہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے، لیکن سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری ہونے کے حوالے سے نہ ہندو، ہندو رہے گا نہ مسلمان، مسلمان۔

حضرات میں آپ کا مزید وقت لینا نہیں چاہتا اور ایک بار پھر اس اعزاز کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس سے آپ نے مجھے نوازا۔ میں ہمیشہ عدل اور انصاف کو مشعل راہ بناؤں گا اور جیسا کہ سیاسی زبان میں کہا جاتا ہے، تعصب یا بدنیتی دوسرے لفظوں میں جانبداری اور اقربا پروری کو راہ نہ پانے دوں گا۔ عدل اور مکمل غیر جانبداری میرے رہنما اصول ہوں گے اور میں یقیناً آپ کی حمایت اور تعاون سے دنیا کی عظیم قوموں کی صف میں پاکستان کو دیکھنے کی امید کر سکتا ہوں۔

مجھے اپنے نام ریاستہائے متحدہ امریکہ سے ایک پیغام موصول ہوا ہے۔ پیغام یہ ہے۔

میں جناب والا کو مجلس دستور ساز پاکستان کے صدر کی حیثیت سے مندرجہ ذیل پیغام پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے ابھی جو وزیر خارجہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جانب سے موصول ہوا ہے:

مجلس دستور ساز پاکستان کے پہلے اجلاس کے موقع پر میں آپ کی اور مجلس کے اراکین کی خدمت میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومت اور عوام کی جانب سے اس کار عظیم کی کامیابی کے ساتھ تکمیل کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتا ہوں، جس کا آپ آغاز کرنے والے ہیں۔"

ضمیمہ ج

ملازمتوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا غیر منصفانہ تناسب

ایک مکتب فکر کا یہ کہنا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کوئی تضاد نہیں تھا اور نہ کوئی معاشی تفاوت پایا جاتا تھا۔ دونوں فرقوں کے لیے یکساں مواقع مہیا تھے اور کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ انگریزوں نے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی حکمت عملی اختیار کر کے انھیں جھگڑے پر اُکسایا اور سازش کر کے ملک کو تقسیم کیا۔ اس مکتب فکر کو باطل ثابت کرنے کے لیے ذیل میں دیئے گئے جدول فقط سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی محرومی اور ہندو مسلم تضاد کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔ مرکزی سطح کے محکموں کے علاوہ بعض ان صوبوں کے اعداد و شمار بھی دیئے گئے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ صوبہ پنجاب کے کچھ محکموں کے اعداد و شمار نسبتاً تفصیل کے ساتھ مہیا ہو گئے ہیں۔ تاہم اگلے ایڈیشن میں بقیہ صوبوں کے مفصل اعداد و شمار مہیا کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی۔ زیرِ نظر ضمیمہ کو اس مسئلے پر محض ایک سرسری جائزہ سمجھا جائے، مفصل جائزہ کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہو گی۔ زیرِ نظر جائزے کا بڑا ماخذ شائع شدہ سرکاری ریکارڈز، اسمبلی کی کارروائیاں اور لاہور کے روزنامہ ایسٹرن ٹائمز میں شائع شدہ سرکاری اعداد و شمار ہیں۔ مرتب

انڈین سول سروس

یکم جنوری 1944ء تک کے اعداد وشمار

	یورپین	ہندو	اچھوت	دیگر	مسلمان	کل تعداد
آئی سی ایس	546	359	1	59	105	1070

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد اوّل صفحہ 317)

مرکزی حکومت کی ملازمتوں میں اقلیتوں کی صورت حال

	1935ء سے 1944ء تک فیصد اضافہ		یکم جنوری 1945ء کو فیصد تناسب	
	مسلمان	اچھوت وغیرہ	مسلمان	اچھوت وغیرہ
انڈین سول سروس	5.03	1.95	20.23	10.5
سنٹرل سروسز کلاس I	3.22	-2.75	16.05	13ء8
سنٹرل سروسز کلاس II	3.75	-14.73	18.32	13.88
سب آرڈینیٹ سروسز	1.42	0.23	21.66	7.64
سپیریئر ریلوے سروسز	2.0	0.14	15.21	27.14
سب آرڈینیٹ ریلوے سروسز	3.20	2.54	20.04	11.47

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946 جلد سوم صفحہ 1986)

سپلائی ڈیپارٹمنٹ ۔ پرچیز برانچ

تاریخ	دفتر کا نام	ملازمتوں میں مسلمانوں کا فیصد	ملازمتوں میں ہندوؤں کا فیصد
یکم اکتوبر 1940ء	انڈین سٹور ڈیپارٹمنٹ	16.3	62.8
	کنٹریکٹ ڈائریکٹوریٹ	4.3	21.7
	اس تاریخ کو متحدہ پرچیز برانچ نہیں تھی		
یکم اکتوبر 1941ء	پرچیز برانچ سپلائی ڈیپارٹمنٹ	12.9	50.9
یکم اکتوبر 1942ء	پرچیز برانچ سپلائی ڈیپارٹمنٹ	26.3	51.2
یکم اکتوبر 1943ء	پرچیز برانچ سپلائی ڈیپارٹمنٹ	24.1	57.1
	چپڑاسیوں کی کل آسامیاں (37)	37.9	59.5

(لیجسلیٹو اسمبلی ڈیبیٹ 1944ء جلد دوم صفحہ 1094)

سپلائی ڈیپارٹمنٹ کلکتہ آفس

عہدہ	اسامیوں کی تعداد جو براہِ راست بھرتی سے پُر ہوئیں	راست بھرتی کئے جانے والے مسلمانوں کی تعداد
سینیئر ٹیکنیکل اسسٹنٹ	24	صفر
انڈسٹریل پلاننگ آفیسر	24	صفر
پراگریس آفیسرز	43	صفر
اسسٹنٹ ڈائریکٹر آف سٹورز	13	2
اسسٹنٹ انڈسٹریل پلاننگ آفیسرز	43	2
میزان	147	4

(لیجسلیٹو اسمبلی ڈیبیٹ 1944ء جلد دوم صفحہ 1150)

محکمہ امور خارجہ۔فرقہ وار تناسب

کل آسامیاں۔گزیٹڈ=26،نان گزیٹڈ=178

	ہندو	اچھوت	دیگر	مسلمان	
گزیٹڈ سروس	6	×	11	×	
نان گزیٹڈ سروس	89	4	35	35	(15 آسامیاں خالی)

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد اوّل صفحہ 261)

لیبر ڈیپارٹمنٹ

عہدہ	غیر مسلم	مسلمان	کل تعداد
جوائنٹ سیکرٹری	2	1	3
ڈپٹی سیکرٹری	3	1	4
اسسٹنٹ وانڈر سیکرٹری	11	2	13
سپرنٹنڈنٹ	15	6	21
اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ	7	2	9
سیکرٹریٹ گزیٹڈ سٹاف	9	0	9
کلرک	40	9	49

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946ء جلد سوم صفحہ 1933)

محکمہ سپلائی اکاؤنٹس

چیف کنٹرولر نئی دہلی و کنٹرولر نئی دہلی،بمبئی اور کلکتہ کے دفاتر

عہدہ	ہندو	اچھوت	دیگر	مسلمان	کل تعداد
گزیٹڈ افسران	42	1	1	6	50
سپرنٹنڈنٹ	124	-	10	10	144
اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ	87	-	7	24	118
کلرک	909	12	86	268	1275

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد اوّل صفحہ 318)

حکومت ہند۔فنانس ڈیپارٹمنٹ

فنانس ڈیپارٹمنٹ کے تحت آنے والے محکموں میں اعلیٰ عہدوں میں فرقہ وار تناسب

آسامیاں بلحاظ تنخواہ	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر	کل	مسلمان
500 تا749 روپیہ ماہوار کی آسامیاں	0	137	20	15	172	11.6
750 تا 999 〃 〃 〃	3	36	2	6	47	4.2
1000 تا 1499 〃 〃 〃	11	44	10	11	76	13.15
1500 سے اوپر 〃 〃 〃	40	43	9	4	96	9.37
کل میزان	54	260	41	36	391	10.5

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد اول صفحہ 33)

محکمہ پلاننگ وڈیویلپمنٹ

کل آسامیاں۔گزیٹڈ=11، نان گزیٹڈ=46

عہدہ	ہندو	اچھوت	دیگر	مسلمان	کل تعداد
گزیٹڈ افسران	8	×	2	1	11
نان گزیٹڈ اسسٹنٹ وکلرک	21	2	5	10	38
پی۔اے وسٹینوگرافر	7	×	×	1	8

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد اول صفحہ 242)

محکمہ خوراک

	کل آسامیاں	مسلمانوں کی تعداد
سیکرٹری	1	×
جوائنٹ سیکرٹری	2	×
ڈپٹی سیکرٹری	4	×
افسر بکار خاص	2	×
مشیر وخصوصی افسران	12	1
انڈر سیکرٹری	4	1
اسسٹنٹ سیکرٹری	4	×

محکمہ خوراک کے II اور III ڈویژن میں تقرریوں اور ترقیوں کے لیے قائم کی گئی سلیکشن کمیٹی کا کوئی بھی مستقل رُکن مسلمان نہیں ہے۔
(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد دوم صفحہ 89-1188)

محکمہ خوراک کی مختلف شاخوں کے سربراہان کے نام

(1) کے۔ایل پنجابی آئی سی ایس جوائنٹ سیکرٹری (2) این۔ٹی۔مون آئی سی ایس ڈپٹی سیکرٹری (3) جے۔ایم۔لوبو پربھو آئی سی ایس ڈپٹی سیکرٹری (4) رائے بہادر ڈی۔این۔میسرا افسر بکار خاص (5) ایس۔آر مینی پی سی ایس۔انڈر سیکرٹری (6) این۔سی۔مکر جی اسسٹنٹ سیکرٹری (7) اے۔ای۔ڈی کوسٹا اسسٹنٹ سیکرٹری (8) ٹی۔ایس کرشنا مورتی اسسٹنٹ سیکرٹری (9) ایس کے سین اسسٹنٹ سیکرٹری۔

یہ اتفاق ہے ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد دوم صفحہ 1189)

محکمہ خوارک۔حکومت ہند

عہدہ	کل آسامیاں	مسلمان
ڈویژن I افسران	15	1
ڈویژن II افسران	30	3
ڈویژن II آفس سپرنٹنڈنٹ	7	1
ڈویژن III افسران	52	9
ڈویژن II اور III ریکروٹمنٹ کمیٹی	0	صفر
فنانس واکاؤنٹس افسران	10	1
رابطہ افسر	7	صفر
راشننگ سیکشن	13	1
ریجنل شوگر کنٹرول آفس	29	صفر
فیمن انکوائری کمیشن کلرک وغیرہم	32	صفر
محکمہ خوراک افسران	29	2

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 28/مارچ 1945ء)

محکمہ داخلہ۔اسٹیبلشمنٹ (خصوصی) سیکشن

(یہ سیکشن فرقہ وارانہ نمائندگی اور ملازمت کے دیگر سوالات طے کرتا تھا)

اس محکمہ کے افسران انچارج ایک اسسٹنٹ سیکرٹری اور ایک ڈپٹی سیکرٹری تھے۔جن میں سے ایک بھی مسلمان نہیں تھا۔

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد دوم صفحہ 1986)

ڈائریکٹر جنرل انڈین میڈیکل سروسز

	مستقل	عارضی	کل	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر
گزیٹڈ افسران	6	23	29	12		1	16
نان گزیٹڈ افسران	47	257	304	204	4	73	23

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1947ء جلد دوم صفحہ 340)

ریجنل فوڈ کمشنروں کے دفاتر میں مسلمان

نام دفتر	آسامیوں کی تعداد	مسلمانوں کی تعداد
دفتر ریجنل فوڈ کمشنرز	21	2
دفتر شوگر کنٹرولران انڈیا	8	صفر
ریجنل فوڈ کمشنرز	5	صفر

ریجنل فوڈ کمشنر، ڈپٹی ریجنل فوڈ کمشنر کے عہدوں پر اور چینی کے کنٹرول کے محکمہ میں ایک بھی مسلمان افسر نہیں ہے۔

کمیشن برائے (قحط) انکوائری کا اعلیٰ سیکریٹریٹ

	کل تعداد	
جوائنٹ سیکرٹری	1	
ڈپٹی سیکرٹری	1	
جوائنٹ سیکرٹری	1	
سپرنٹنڈنٹ	2	فی الوقت کوئی مسلمان نہیں ہے
اسسٹنٹ	22	22 ہندو ہیں جن میں دو بنگالی ہیں
کلرک تھرڈ ڈویژن	12	
میزان	36	

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد دوم صفحہ 1186)

گورنمنٹ آف انڈیا۔ الیکٹریکل کمشنر کلکتہ کا دفتر

کل افسران کی تعداد 20 مسلمانوں کی تعداد صفر

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946ء جلد دوم صفحہ 1863)

سنٹرل پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ

عہدہ	کل تعداد آسامی	مسلمان	مسلمانوں کا فیصد
سپرنٹنڈنگ انجینئر	15	1	٪6.6
ایگزیکٹو انجینئرز	78	13	٪16.6
سب ڈویژن آفیسرز	328	55	٪76.16
سب آرڈینیٹ	-	-	٪22
ہیڈ کلرک	-	-	٪24

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946ء جلد چہارم، 2465، جلد پنجم صفحہ 3656)

سنٹرل ٹیکنیکل پاور بورڈ

	کل تعداد	مسلمانوں کی تعداد	مسلمانوں کا فیصد
ممبر ہائیڈرو الیکٹرک	1	صفر	صفر
اے۔ گریڈ پراجیکٹ آفیسرز	2	صفر	صفر
بی۔ گریڈ پراجیکٹ آفیسرز	5	صفر	صفر
سی۔ گریڈ پراجیکٹ آفیسرز	9	صفر	صفر
میزان	17	صفر	صفر

الیکٹریکل انجینئرنگ میں اعلیٰ تربیت کے لیے بیرون ملک بھیجے جانے والے انجینئرز

منتخب	جاچکے ہیں	مسلمان	مسلمانوں کا فیصد
10	9	1	٪10

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946ء جلد سوم صفحہ 1957 اور 1953)

آل انڈیا ریڈیو 1944ء

عہدہ	زمانہ امن کی باقاعدہ آسامیاں		موجودہ زمانہ جنگ کی آسامیاں	
	مسلمان	غیر مسلم	مسلمان	غیر مسلم
سٹیشن ڈائریکٹر	3	5	3	7
اسسٹنٹ سٹیشن ڈائریکٹر	1	2	4	6
سٹیشن انجینئر	×	4	1	9
ریسرچ انجینئر	×	1	صفر	1
مینٹیننس انجینئر	×	1	صفر	1
ڈپٹی انسٹالیشن انجینئر وغیرہ	×	7	صفر	1
اسسٹنٹ انجینئر	2	21	6	41
ڈائریکٹر پروگرام	1	6	6	15
پروگرام اسسٹنٹ	16	29	26	51
ہیڈکوارٹر میں انتظامی آسامیاں	1	6	3	9
ٹیکنیکل اسسٹنٹ	7	59	10	107

درج ذیل آسامیوں کو فرقہ وارانہ تناسب سے متعلقہ حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا چیف انجینئر، پبلک ریلیشنز آفیسر، ڈائریکٹر پروگرامز پلاننگ (اب ڈائریکٹر پروگرام) سٹیشن ڈائریکٹر، ریسرچ انجینئر، پروگرام ایگزیکٹو۔

گزشتہ تین سلیکشنوں کے دوران منتخب ہونے والے

	مسلمان	غیر مسلم
ٹیکنیکل اسسٹنٹ	11	22
پروگرام اسسٹنٹ	10	86

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1944ء جلد اوّل صفحہ 421-419)

دفتر ڈائریکٹر جنرل محکمہ ڈاک وتار

	ہندو	اچھوت	دیگر	مسلمان	کل تعداد
گزیٹڈ افسران	20	7	10	9	46
چیف سپرنٹنڈنٹ	2	×	×	×	2
سپرنٹنڈنٹ	15	1	×	3	19
اکاؤنٹس سپرنٹنڈنٹ	2	×	×	×	2
سٹینوگرافر	17	×	3	7	27
اکاؤنٹینٹ	10	×	×	1	11
اسسٹنٹ	55	×	1	23	79
کلرک II، III ڈویژن	118	5	13	59	195
ڈرافٹسمین	2	×	×	5	7
ٹریسر	×	×	×	2	2
بلڈنگ اوورسیر	×	×	1	×	1
اسسٹنٹ سیکرٹری	1	×	×	×	1
سارٹنگ انسپکٹر	1	×	×	×	1
موٹر ڈرائیور	1	×	×	×	1
کارپینٹر	×	×	1	×	1
انجینئرنگ سپروائزر	2	×	×	1	3
انفیریئر سٹاف	114	×	2	69	185
میزان	360	13	31	179	583

(لیجسلیٹو کونسل ڈیبیٹ 1945ء جلد اوّل صفحہ 360)

محکمہ ڈاک وتار

(1941ء تا 1943ء مختلف آسامیوں پر بھرتی کے اعداد و شمار)

	1941ء		1942ء		1943ء	
	کل تعداد	مسلمان	کل تعداد	مسلمان	کل تعداد	مسلمان
ٹیلی گرافسٹ	228	64	157	62	اعداد و شمار جمع نہیں ہوئے	
ٹیلی گراف ماسٹر	41	2	38	3	32	صفر
وائرلیس آپریٹر	51	صفر	24	1	122	24
وائرلیس سپروائزر	4	صفر	1	صفر	1	صفر

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1944ء جلد دوم صفحہ 1146)

محکمہ موسمیات وڈاک وتار

سال	محکمہ	محکمانہ ترقی کے ذریعہ پُر کی جانے والی گزیٹڈ آسامیاں		براہ راست بھرتی کے ذریعہ پُر کی جانے والی گزیٹڈ آسامیاں	
		کل تعداد	مسلمان	کل تعداد	مسلمان
1942ء	محکمہ ڈاک وتار	38	3	10	4
1942ء	محکمہ موسمیات	29	3	32	2
1943ء	محکمہ ڈاک وتار	30	2	4	0
1943ء	محکمہ موسمیات	12	صفر	27	5

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1944ء، جلد سوم صفحہ 1859)

سندھ بلوچستان پوسٹل سرکل میں مسلمان انسپکٹروں کی فیصد تعداد

عہدہ	مسلمانوں کی فیصد تعداد
انسپکٹر	35.8٪
گزیٹڈ افسران	20.0٪
سپرنٹنڈنٹ	57.1٪

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1944ء جلد اوّل صفحہ 47)

جنرل پوسٹ آفس راولپنڈی

عہدہ	مسلمان	غیر مسلم
پوسٹ ماسٹر	×	1
ڈپٹی پوسٹ ماسٹر	×	1
اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر	×	2
سپروائزر	1	4
سب پوسٹ ماسٹر سٹی	×	1
ٹاؤن انسپکٹر	×	2
ہیڈ کلرک	×	1
سٹاف کلرک	×	1
لوئر گریڈ سٹاف کلرک	×	1
اکاؤنٹینٹ	×	1
میزان	1	15

(ایسٹرن ٹائمز لاہور یکم جولائی 1947ء)

انڈین آرمی میں لڑاکا اور غیر لڑاکا افراد کی کل تعداد کی فیصد فرقہ وار ترکیب

ہندو	مسلمان	سکھ	دیگر
٪47	٪30	٪6	٪17

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد دوم صفحہ 22۔1121)

رائل انڈین نیوی و انڈین ایئر فورس میں فرقہ وار فیصد تناسب

	ہندو	مسلمان	سکھ
نیوی کے افسران	32.3	18.1	3.5
نیوی کے ریٹنگ	35.8	42.8	1
ایئر فورس کے افسران	47.6	16.6	4.7
ایئر فورس کے ریٹنگ	59.5	17.00	4.2

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد اول صفحہ 298)

ڈبلیو۔اے۔سی (1) اور ڈبلیو۔آر۔آئی این ایس افسران و معاون

	یورپین	ہندو	دیگر	مسلمان	کل تعداد
افسران	767	147	121	5	1040
امدادی افواج	1405	3918	3841	92	9256

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد سوم صفحہ 1672)

جنرل ہیڈکوارٹر GHQ میں مسلمانوں کی تعداد بلحاظ کل

فوجی افسران	کل تعداد	مسلمان	سویلین افسران	کل تعداد	مسلمان
لیفٹیننٹ جنرل	5				
میجر جنرل	8	×	سیکنڈ گریڈ آفیسر	46	3
بریگیڈئر	28	×	فرسٹ گریڈ آفیسر	1	=
کرنل	72	×	آفیسر سپروائزر	125	7
لیفٹیننٹ کرنل	111	×	سی۔جی۔او اور دیگر	42	4
میجر	286	×	جے سی اے خواتین	10	×
کیپٹن	545	×	میزان	224	14
لیفٹیننٹ	684	×	سویلین سپرنٹنڈنٹ	183	21
ڈبلیو اے سی I	39	×	اسسٹنٹ انچارج	267	60
آر اے ایف	145	×	لیڈی کلرک	89	=
آر آئی اے ایف	14	×	کلرک	4983	889
دیگر رینک	890	×	سٹینوگرافر	231	28
ڈبلیو اے سی I	213		متفرق	285	76
وی سی اور دیگر	263				

(انڈین لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946ء جلد چہارم صفحہ 2357)

انڈین آرمی کی رجمنٹوں کی فرقہ وارترکیب کے لحاظ سے تفصیل

100 فیصد ہندورجمنٹیں	10
100 فیصد سکھ رجمنٹیں	2
غیر مسلم اکثریت والی رجمنٹیں	3
نصف ونصف نسبت والی رجمنٹیں	10
مسلم اکثریت والی رجمنٹیں	1
100٪ مسلم رجمنٹیں	صفر

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 25/اپریل 1947ء)

بحریہ کے ہیڈکوارٹر میں مسلمانوں کی تعداد بلحاظ کل

عہدہ	کل تعداد	مسلمان	عہدہ	کل تعداد	مسلمان
وائس ایڈمرل	1	×	ریٹنگ	82	24
کموڈور	3	×	آفیسر سپروائزر	25	3
کیپٹن	7	×	سپرنٹنڈنٹ	13	1
کمانڈرز	16	×	اپرڈویژن کلرک	139	20
لیفٹیننٹ کمانڈر	22	×	لوئر ڈویژن کلرک	129	17
سب لیفٹیننٹ	42	5	سٹینوگرافر	23	5

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946ء جلد چہارم صفحہ 2536)

رائل انڈین ایئرفورس میں افسران و دیگر رینک کا فیصد تناسب

	ہندوودیگر غیر مسلم	سکھ	مسلمان
ریگولر کمیشن	٪69	٪12	٪19
شارٹ سروس کمیشن	٪19	٪64	٪17
ایئرمین و دیگر رینک	٪76.6	٪31	٪18.8

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 25/مئی 1947ء)

انڈین ائیر فورس کے مستقل کمیشن میں مسلمانوں کی تعداد

برانچ	عہدہ	ہندو	سکھ	دیگر	مسلمان	کل تعداد
جنرل ڈیوٹی	فلائٹ لیفٹیننٹ	27	8	23	12	70
آبزرور	فلائٹ لیفٹیننٹ	3	×	3	×	6
ٹیکنیکل	فلائٹ لیفٹیننٹ	5	8	1	1	15
سگنلز	فلائٹ لیفٹیننٹ	2	1	13	7	23
الیکٹریکل	فلائٹ لیفٹیننٹ	2	2	1	×	5
اسلحہ جات	فلائٹ لیفٹیننٹ	2	×	×	×	2
سازوسامان	فلائٹ لیفٹیننٹ	14	4	2	7	27
اکاؤنٹس	فلائٹ لیفٹیننٹ	9	×	1	6	16
ایجوکیشن	فلائٹ لیفٹیننٹ	8	3	1	4	16
میزان	فلائٹ لیفٹیننٹ	72	26	45	37	180

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 29رمئی 1947ء)

انڈین سکول آف مائنز

عہدہ	یورپین	ہندو	دیگر	مسلمان	کل تعداد
پرنسپل	1	×	×	×	1
پروفیسر	×	4	×	×	4
لیکچرر	×	11	1	×	12
ڈیمانسٹریٹر	×	3	×	×	3
اسسٹنٹ	×	1	×	×	1
میڈیکل آفیسر	×	1	×	×	1
میزان	1	20	1	×	22

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 11رفروری 1946ء)

ملٹری اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ

	ہندو	دیگر	مسلمان	کل تعداد
اکاؤنٹینٹ	14	1	1	16
اسسٹنٹ اکاؤنٹینٹ	1	-	-	1
مستقل کلرک	72	9	16	97
عارضی کلرک	47	9	71	127
بلوچستان	21	2	15	38
سندھ ایریا	34	2	13	49
لاہور ایریا	161	17	4	182
دہلی ایریا	6	1	16	23
عارضی کلرک	203	22	238	463
عارضی روٹین کلرک	166	25	105	296
ریکارڈ کلرک	8	5	10	23
دفتری	8	-	14	22
چپڑاسی	45	-	28	73
فراش	7	3	8	18
چوکیدار	13	-	1	14

سی۔ایم۔اے اینڈ پی لاہور چھاؤنی

	ہندو	دیگر	مسلمان	کل تعداد
افسران	2	-	1	3
اکاؤنٹینٹ	3	1	-	4
اسسٹنٹ اکاؤنٹینٹ	2	1	-	3
مستقل کلرک	11	5	5	21
مستقل روٹین کلرک	3	1	1	5
عارضی کلرک	226	34	393	653
عارضی روٹین کلرک	386	68	286	740

(لیجسلیٹو اسمبلی ڈبیٹ 1944ء جلد دوم صفحہ 900)

ڈائریکٹوریٹ جنرل۔ایمونیشن پروڈکشن۔کلکتہ
مسلمانوں کی ملازمتیں

عہدہ کا نام	کل آسامیاں	مسلمان	فیصد مسلمان
(الف) ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل	7	×	صفر
ڈائریکٹر	21	×	صفر
ڈپٹی ڈائریکٹر	32	×	صفر
انڈسٹریل پلاننگ آفیسر	22	×	صفر
اسسٹنٹ انڈسٹریل پلاننگ آفیسر	47	4	8.5٪
پراگریس آفیسرز	5	×	صفر
سینئر و جونیئر پراگریس آفیسرز	23	1	4.3٪
ٹیکنیکل اسسٹنٹ	69	3	4.3٪
(ب) کلکتہ میں متعین اسسٹنٹ سیکرٹری	3	×	صفر
برانچ سیکرٹریٹ میں گزیٹڈ سپرنٹنڈنٹس	7	3	43٪
ڈائریکٹوریٹ میں نان گزیٹڈ سپرنٹنڈنٹس	26	6	23٪
انچارج اسسٹنٹ	110	31	28٪
سینئر کلرک و اسسٹنٹ	372	197	53٪
کلرک دیگر گریڈ	1993	460	23٪
اسٹیمیٹر	22	×	×
پراگریس ریپریزینٹیٹو	22	6	27٪

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1945ء جلد دوم صفحہ 1088)

ریلوے۔۔۔۔1934ء

سرکاری و کمپنی انتظام کے تحت چلنے والی
ہندوستانی ریلوے میں گزیٹڈ (اعلیٰ و ادنی) افسران جو 31 ر مارچ 1934ء کو کام کر رہے تھے۔

نام ریلوے	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر	میزان	مسلمانوں کا فیصد
بنگال آسام	95	57	11	25	188	5.8
بمبئی بڑودہ وسنٹرل انڈیا	123	32	3	13	171	1.7
ایسٹ انڈین	174	78	14	41	307	4.6
گریٹ انڈین پیننسولا	145	37	11	29	222	5.1
نارتھ ویسٹرن	136	80	27	24	267	8.2
اوودھ ترھٹ	69	9	7	2	87	8.0
ریلوے بورڈ ومتفرق دفاتر	38	10	6	9	63	9.6
میزان (1)	780	303	79	143	1305	5.7
کمپنی ریلوے بنگال ناگپور	125	42	7	19	193	3.6
کمپنی مدراس اینڈ ساؤتھ	96	27	-	16	139	4.3
کمپنی ساؤتھ انڈین	73	45	1	10	129	0.07
کمپنی میزان (2)	294	114	8	45	461	1.73
کمپنی میزان کل (2+1)	1074	417	87	188	1764	4.67

ریلوے ملازمین جن کی تنخواہ 200 روپیہ ماہوار یا اس سے زیادہ تھی

	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر	میزان	مسلمانوں کی فیصد تعداد
سرکاری ریلوے	1305	1652	354	3069	6380	5.5
کمپنیوں کے زیر انتظام	288	342	25	793	1448	1.7
میزان	1593	1994	379	3862	7828	4.8

(ریلوے بورڈ رپورٹ آن انڈین ریلوے برائے ۔44۔1943ء جلد اوّل 31-30)

ریلوے ۔۔۔۔ 1940-41ء

کل ملازمین کی فرقہ وار تفصیل (جلد اوّل صفحہ 64)

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31مارچ1940ء	2353	399715	106505	157857	42612	709042	22.26
31مارچ1941ء	2153	415347	107118	161577	44243	730438	22.12

سپیریئر اور لوئر گزیٹڈ سروس کے گزیٹڈ افسران (جلد اوّل صفحہ 70/69)

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31مارچ1940ء	792	550	-	132	263	1737	7.6
31مارچ1941ء	715	544	-	134	264	1657	8.09

250 روپیہ ماہوار یا زائد کے سکیلوں میں کام کرنے والے عملہ کی تفصیل

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31مارچ1940ء	921	2384	9	480	3815	7609	6.3
31مارچ1941ء	891	2451	12	490	3774	7618	6.43

براہ راست بھرتی کی فرقہ وار تفصیل (صفحہ 68 جلد اوّل)

یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
11	14	-	6	6	37	21

ریلوے میں ہونے والی ترقی کی فرقہ وار تفصیل (جلد اوّل صفحہ 67)

	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
لوئر گزیٹڈ سے سپیریئر سروس میں ترقی	6	4	1	7	18	5.5
لوئر گزیٹڈ سروس میں ترقی	11	11	2	10	34	5.8

حکومت ہند۔ ریلوے بورڈ رپورٹ برائے انڈین ریلوے
برائے 41-1940ء۔ مینجر پبلی کیشنز۔ نئی دہلی 1942ء

ریلوے۔۔۔۔44-1943ء

کل ملازمین کی فرقہ وار تفصیل

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31مارچ1943ء	1823	464645	123280	190916	46580	827244	23.07
31مارچ1944ء	1761	498198	131532	209190	48375	889056	23.52

سپیریئر اور لوئر گزیٹڈ سروس کے گزیٹڈ افسران (صفحہ 30)

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31مارچ1943ء	598	603	-	158	287	1646	9.60
31مارچ1944ء	625	645	1	173	310	1754	9.86

250 روپیہ ماہوار یا زائد کے سکیلوں میں کام کرنے والے عملوں کی تفصیل (صفحہ 31)

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31 مارچ 1943ء	803	2968	12	602	3819	8207	7.34
31 مارچ 1944ء	740	3359	17	712	2293	7121	8.21

براہ راست بھرتی کی فرقہ وار تفصیل (صفحہ 28-29)

کلاس ون افسران	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
حکومت کے زیر انتظام ریلوے	-	38	-	13	6	57	22.8
کمپنی کے زیر انتظام ریلوے	1	7	1	3	-	12	27.27

ریلوے میں ہونے والی ترقی کی فرقہ وار تفصیل (صفحہ 29)

کلاس ون	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
سپیریئر سروس میں ترقی	2	6	-	6	14	صفر
لوئر گزیٹڈ سروس میں ترقی	4	8	1	6	19	5.26

حکومت ہند۔ ریلوے بورڈ رپورٹ برائے انڈین ریلویز
برائے۔ 44-1943۔ جلد اوّل منیجر پبلی کیشنز۔ نئی دہلی 1945ء

ریلوے 46-1945ء

کل ملازمین کی فرقہ وار تفصیل (صفحہ 49)

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31 مارچ 1945ء	1633	536146	144651	232108	49359	961897	24.06
31 مارچ 1946ء	1515	548814	155750	234949	49780	990808	23.71

سپیریئر اور لوئر گزیٹڈ سروس کے گزیٹڈ افسران (صفحہ 52-53)

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31مارچ1945ء	587	714	2	186	329	1818	10.23
31مارچ1946ء	551	769	1	209	340	1870	11.17

250روپیہ یا زائد کے سکیلوں میں کام کرنے والے عملہ کی تفصیل

تاریخ	یورپین	ہندو	اچھوت	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
31مارچ1945ء	713	3596	17	790	3790	8906	8.78
31مارچ1946ء	652	3838	21	845	3940	9296	9.09

براہ راست بھرتی کی فرقہ وار سالانہ تفصیل (صفحہ 51)

	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
سپیریئر ریلوے سروس	-	52	17	12	81	21

ریلوے میں ہونے والی ترقی کی فرقہ وار تفصیل (صفحہ 51)

	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر	میزان	مسلم فیصد
لوئر گزیٹڈ سروس سپیریئر سروس میں ترقی	-	10	1	8	19	5.2
لوئر گزیٹڈ سروس میں ترقی	7	7	2	10	26	7.7

حکومت ہند۔ ریلوے بورڈ رپورٹ برائے انڈین ریلویز

برائے 46-1945 جلد اوّل منیجر پبلی کیشنز۔ نئی دہلی 1947ء

ریلوے میں 1934ء اور 1946ء کے اعداد و شمار کا موازنہ

انڈین گورنمنٹ ریلوے فیصد

سروس	فرقہ	1934	1946
سپیریئر سروس	یورپین	61.6	29.47
	ہندو	23.63	41.12
	اچھوت	-	0.05
	مسلمان	4.67	11.18
	اینگلو انڈین و رہائش پذیر یورپی	6.49	10.91
	سکھ	1.20	2.14
	ہندوستانی عیسائی	1.48	3.10
	پارسی	صفر	1.92
	دیگر	1.37	0.11
سب آرڈینیٹ سروس	یورپین	20.35	7.02
(تنخواہ 200 یا اس سے اوپر)	ہندو	25.47	41.31
	اچھوت	-	0.23
	مسلمان	4.84	9.09
	اینگلو انڈین و رہائش پذیر یورپین	41.40	33.75
	سکھ	2.02	2.51
	ہندوستانی عیسائی	2.66	2.91
	پارسی	-	2.13
	دیگر	3.26	1.05

(ریلوے بورڈ کی رپورٹ برائے 46-1945ء جلد اوّل صفحہ 54)

آل انڈین ریلویز میں نئی بھرتی کے فرقہ وار سالانہ اعداد و شمار فیصد میں

سال	یورپین	ہندو	مسلمان	دیگر
1935-36	0.19	57.9	28.5	13.41
1936-37	0.2	54.1	31.2	14.5
1937-38	0.1	55.0	29.9	15.0
1938-39	0.1	57.5	29.9	12.5
1939-40	0.2	57.9	29.2	12.7
1940-41	0.1	56.9	28.8	14.2
1941-42	0.1	62.1	27.5	10.3
1942-43	0.1	66.0	24.7	9.2
1943-44	صفر	67.3	24.9	7.8

نوٹ: 20 فروری 1945ء کو لیجسلیٹو کونسل میں ریلوے بجٹ میں کٹوتی کی تحریک پیش کرتے ہوئے مولوی عبدالغنی (ترھٹ ڈویژن) نے کہا کہ ریلوے سپیریئر سروس میں اپنا کوٹہ پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کو 47 سال، ریلوے سینئر سب آرڈینیٹ سروس میں اپنا کوٹہ پورا کرنے کے لیے 72 سال اور ریلوے کی تمام ملازمتوں میں اپنا کوٹہ پورا کرنے کے لیے 127 سال درکار ہوں گے۔ کیونکہ محکمہ ریلوے میں ہندو اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ اور قوائد میں موجود خامیوں کا سہارا لے کر ان کے حصہ کی نوکریوں پر غیر مسلموں کو بھرتی کر لیتے ہیں۔

(لیجسلیٹو کونسل ڈیبیٹ 1945ء جلد اوّل صفحہ 574)

مکینیکل ورکشاپس (پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ) مغل پورہ لاہور

	ہندو	مسلمان	سکھ	دیگر
پروڈکشن انجینئر مکینیکل	1	-	-	-
اسسٹنٹ ورکس منیجر پروڈکشن	-	-	-	2
چیف انسپکٹر پروڈکشن	-	-	-	2
چیف ریٹ فکسر گریڈ II	-	-	-	1
چیف ریٹ فکسر گریڈ I	2	-	1	-
چیف انسپکٹر پروڈکشن میونیشن	2	-	-	-
سینئر انسپکٹر پروڈکشن	-	1	1	-
فورمین ایفی شنسی	1	-	-	1
فورمین گریڈ I	3	-	-	-
سینئر چارج مین	10	4	2	4
جونیئر چارج مین	2	1	2	-
اسسٹنٹ چارج مین	5	3	4	1
کل میزان	26	9	10	11

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 24/اگست 1944ء)

محکمہ خزانہ پنجاب سول سیکرٹریٹ

	ہندو	سکھ	مسلمان	کل تعداد
برانچوں کے انچارج	4	1	1	6
وزیر محکمہ کے معاونین و دیگر	5	×	1	6
میزان	9	1	2	12

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 10/اپریل 1945ء)

پنجاب یونیورسٹی

شعبہ	ہندو	سکھ	دیگر	مسلمان	میزان
سنڈیکیٹ	6	1	4	5	16
سینیٹ	26	7	22	28	83
فنانس بورڈ	4	×	1	1	6
اکیڈمک کونسل	33	5	10	13	61
سکول بورڈ	7	2	4	5	18
نظرثانی کمیٹی	1	1	1	1	4
لائبریری کمیٹی	6	×	2	4	12
ہیلی کالج کمیٹی	6	2	2	3	13
لاء کالج کمیٹی	3	×	1	1	5
لاء کالج سٹاف	6	4	×	10	20
پروفیسر	7	0	×	2☆	9
ریڈرز و لیکچرر	17	1	1	7	26
اسسٹنٹ رجسٹرار	1	1	×		2
آفس سپرنٹنڈنٹ	2		×		2
اسسٹنٹ	10	3	×	5	18
میزان	135	27	48	85	295

☆عربی اور فارسی کے لیے (ایسٹرن ٹائمز لاہور 25/مارچ 1945ء)

محکمہ تعلیم پنجاب

	ہندو	دیگر	مسلمان	کل تعداد
ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز وغیرہ	2	6	1	9

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 12/دسمبر 1945ء)

بیرون ملک ٹیکنیکل ایجوکیشن کے لیے صوبہ پنجاب سے منتخب طلباء

	ہندو	سکھ	مسلمان
ایگریکلچر وایمنل ہزبینڈری	7	1	6
آٹوموبائل انجینئرنگ	1	×	1
بلڈنگ ریسرچ	×	×	4
سرامکس وکیمیکل انجینئرنگ	6	×	1
سینماٹوگرافی	1	×	×
الیکٹریکل انجینئرنگ	×	×	3
فرمنٹیشن	×	1	1
ماہی پروری	1	×	×
فیول ٹیکنالوجی	2	×	×
گلاس	2	×	×
ہارٹی کلچر	×	2	2
مائننگ ومکینیکل انجینئرنگ	1	×	1
میٹلرجی	1	×	1
فارمیسی	×	1	×
پلاسٹک	1	×	×
پلپ وپیپر	1	1	×
پبلک ہیلتھ وریڈیوانجینئرنگ	5	2	3
ربڑاورلکڑی	3	×	×
شماریات	×	×	2
ریورریسرچ وسوائل کنزرویشن	×	×	2
میزان	32	8	27

(ایسٹرن ٹائمز 22ردسمبر 1945ء)

پنجاب محکمہ سول سپلائیز

عہدہ	یورپین	ہندو	دیگر	مسلمان
سیکرٹری	1	×	×	×
ڈپٹی سیکرٹری	×	1	1	1
اسسٹنٹ ڈائریکٹرز	1	2	1	1
چیف پرچیز آفیسر	×	1	×	×
اکاؤنٹس آفیسر	×	2	×	×
انڈر سیکرٹری (کلاتھ)	1	×	×	×
پراونشل کلاتھ کنٹرولر	×	1	×	×
پبلسٹی آفیسر	×	×	1	×
اکنامک ایڈوائزر	×	1	×	×
اسسٹنٹ اکنامک ایڈوائزر	×	×	1	×
سنٹرل فوڈ گریز آفیسر	1	×	1	1
چیف سٹوریج آفیسر	×	1	×	×
میزان	4	9	5	3

(ایسٹرن ٹائمز یکم مئی 1945ء)

محکمہ سول سپلائیز

دفتر کا نام	عہدہ	کل تعداد	غیر مسلم	مسلمان	مسلمان فیصد
ڈائریکٹر جنرل فوڈ پرچیز	گزیٹڈ افسران	38	22	16	42.1
ڈائریکٹر جنرل فوڈ پرچیز	دیگر آسامیاں	693	354	339	48.9
ڈائریکٹر جنرل سول سپلائز	سول سپلائی آفیسر	29	16	13	44.8
ڈائریکٹر جنرل سول سپلائز	دیگر آسامیاں	647	330	317	49
ڈائریکٹر جنرل راشننگ	دیگر آسامیاں	267	157	110	41.2
	میزان	1674	879	795	47.5

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 16/جنوری 1947ء)

پنجاب اریگیشن ڈیپارٹمنٹ

عہدہ	کل تعداد	مسلمان	مسلمانوں کا فیصد
آفیسرز کلاس I	41	8	11
پی ایس سی کلاس I	41	12	29
پی ایس سی کلاس II	27	10	37
میزان	109	30	27.5

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 21/ مارچ 1947ء)

	کل تقرریاں	مسلمان	مسلمانوں کا فیصد
براہ راست بھرتی	3	1	33
بذریعہ محکمانہ ترقی	19	6	31.6
میزان	22	7	32

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 3/ مئی 1947ء)

صوبہ پنجاب اریگیشن ڈیپارٹمنٹ کی ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ ایسٹرن ٹائمز لاہور نے لکھا کہ 1936ء میں پراونشل سروس آف انجینئرنگ کلاس ون کے آغاز سے اب تک 41 انجینئرز اس سروس میں لیے گئے ہیں جن میں سے صرف 12 مسلمان ہیں۔ اس نسبت سے 1963ء میں جب آخری انڈین سروس آف انجینئرنگ کا افسر ریٹائر ہوگا تو صوبہ پنجاب میں مسلمانوں کے لیے کل 50 فیصد کوٹہ کے مقابلہ میں ان کی تعداد صرف 33 فیصد ہوگی۔

اسی طرح پی۔ ایس ای کلاس 11 میں 1936ء سے اب تک 89۔ انجینئروں نے یہ سروس اختیار کی ہے جن میں صرف 30 مسلمان ہیں گویا 1961ء میں جب پرانے سکیل کا آخری انجینئر ریٹائر ہوگا تو اس میں مسلمانوں کا تناسب صرف 44 فیصد ہوگا۔

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 21/ مارچ 1947ء)

بورڈ آف اکنامک انکوائری پنجاب

	ہندو	دیگر	مسلمان	کل تعداد
سیکرٹری	1	×	×	1
جوائنٹ سیکرٹری	×	1	×	1
اسسٹنٹ سیکرٹری	×	2	×	2
ریسرچ آفیسر	2	×	×	2
انوسٹی گیٹر	7	3	3	13
آفس سپرنٹنڈنٹ	1	×	×	1
ہیڈ کلرک	1	×	×	1
اسسٹنٹ (Statistical)	1	×	1	2
کلرک	6	1	1	8
سینئر کلرک	3	1	2	6
سٹینوگرافر	1	×	×	1
پرائس کلکٹر	1	×	×	1
ریکارڈرز	5	×	2	7
میزان	29	8	9	46

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 6/دسمبر 1945ء، 26/فروری 1947ء)

محکمہ زراعت پنجاب وشعبہ ماہی پروری

	کل تعداد	غیر مسلم	مسلمان
ڈپٹی وارڈن فشریز	5	4	1
چیف انجینئر	5	4	1
سپرنٹنڈنگ انجینئر	26	22	4

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 15/مارچ 1946ء، 13/نومبر 1945ء)

حکومت پنجاب

میڈیکل برانچ

عہدہ	غیر مسلم	مسلمان	کل تعداد
سیکرٹری لوکل گورنمنٹ	1	×	1
سپرنٹنڈنٹ	1	×	1
اسسٹنٹ	5	1	6
انسپکٹر جنرل آف سول ہاسپٹلز	1	×	1
ڈپٹی انسپکٹر جنرل	1	×	1
اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل	1	×	1
لیڈی انسپکٹر جنرل	1	×	1
سپرنٹنڈنٹ	1	×	1
پرسنل اسسٹنٹ	×	1	1
ہیڈ اسسٹنٹ	7	×	7
ہیڈ کلرک برائے سول سرجنز	24	5	29
میزان	43	7	50

(ایسٹرن ٹائمز لاہور یکم فروری 1945ء)

امرتسر ڈسٹرکٹ کورٹس و دفتر ڈپٹی کمشنر

شعبہ	غیر مسلم	مسلمان	کل تعداد
عدالتیں	46	25	71
جنرل ورنیکلر ریکارڈ روم	7	16	23
دفتر ڈپٹی کمشنر و دیگر دفاتر	32	21	53
میزان	85	62	147

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 13 اپریل 1947ء)

آرڈیننس فیکٹری۔امرتسر

یکم نومبر 1946ء کو عملہ کی فرقہ وار تفصیل

عہدہ	ہندو وغیر مسلم	مسلمان	کل تعداد	مسلمان کی فیصد
گزیٹڈ افسران	9	×	9	صفر
نان گزیٹڈ افسران	7	2	9	22.2
سٹور ہولڈر	21	2	23	8.6
چارج مین	25	10	35	28.5
میڈیکل آفیسر	1	×	1	صفر
سب اسسٹنٹ سرجن	2	×	2	صفر
ڈسپنسر وڈریسر	8	×	8	صفر
سیکورٹی اسسٹنٹ وگیٹ کیپر	9	×	9	صفر
خزانچی	1	2	3	66
مختلف گریڈ کے کلرک	140	75	215	35
سٹینو گرافر	1	1	2	50
سپروائزر گریڈ اے، بی، سی	72	59	131	45
ڈرافٹسمین واسٹیمیٹر	16	16	32	50
ٹریسر وچارٹر	5	5	10	50
گوڈاون کیپر	32	18	50	36
ٹیلی فون آپریٹر	1	1	2	50
میزان	350	191	541	35.3

یکم جنوری 1942ء سے 31 دسمبر 1945ء کے دوران پُر کی جانے والی اسامیوں کی تفصیل

	غیر مسلم	مسلمان	کل تعداد	فیصد مسلمان
تمام ملازمتیں	186	40	226	17.7

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 19 رجنوری 1946)

ایم۔ای۔ایس (بلوچستان)

عہدہ	ہندو	دیگر	مسلمان
ہیڈ کلرک	13	1	صفر
سپرنٹنڈنٹ اسٹیبلشمنٹ	8	3	3
سپرنٹنڈنٹ کنٹریکٹ	10	×	×

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 7/فروری 1945)

سندھ پرچیزنگ بورڈ

ضلعی دفتر کا نام	مسلمان	غیر مسلم	کل
کراچی	10	68	78
لاڑکانہ	2	47	49
شکارپور	-	11	11
جیکب آباد	5	14	19
میزان	17	140	157

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 17/اپریل 1946ء)

انڈیا سٹور ڈیپارٹمنٹ کراچی (سندھ)

عہدہ	مسلمان	ہندو
اے۔آئی۔او	1	3
پی۔اے	-	1
ایگزامینرز	2	11
میزان	3	15

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 22/جنوری 1946ء)

صوبہ سندھ سول سیکریٹریٹ

عہدہ	یورپین	ہندو	دیگر	مسلمان	کل
چیف سیکرٹری	1	×	×	×	1
سیکرٹری	3	2	×	1	6
ڈپٹی سیکرٹری	2	1	1	2	6
انڈر سیکرٹری	4	3	1	1	9
سپرنٹنڈنٹ		7غیر مسلم		7	14

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 11رفروری 1945ء)

کراچی پورٹ ٹرسٹ

کیفیت اسامی بلحاظ ماہوار تنخواہ	ہندو	مسلمان
500روپیہ یا اس سے زائد	8	4
500روپیہ سے کم لیکن 100 روپیہ ماہوار سے زائد	485	158
100 روپیہ ماہوار تک	1335	1304

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1946ء جلد سوم صفحہ 2326)

کلکتہ پورٹ ٹرسٹ

شعبہ	عہدہ	کل تعداد	مسلمان
سیکرٹری	افسران	4	×
سیکرٹری	دیگر ملازمین	-	13.3
اسٹیٹ	افسران	6	×
اسٹیٹ	کلرک	-	صفر
سول انجینئرنگ	ایگزیکٹو انجینئر	-	صفر
اے۔آر۔پی	ڈاکٹر	-	صفر
	کلرک	-	صفر

(لیجسلیٹو کونسل ڈبیٹ 1944ء جلد دوم صفحہ 1968)

پی۔ڈبلیو۔ڈی، پبلک ہیلتھ ڈویژن۔امرتسر

عہدہ	ہندو	دیگر	مسلمان	کل تعداد
چیف انجینئر	1	×	×	1
سپرنٹنڈنٹ انجینئر	1	×	×	1
ایگزیکٹو انجینئر	1	×	×	1
ایس۔ڈی۔او	1	×	1	2
اوورسیئر	3	1	×	4
ہیڈ کلرک	×	×	1	1
کلرک مختلف گریڈ	5	1	2	8
ڈرافٹسمین	×	×	4	4
ٹریسر	×	×	2	2
ریکارڈ کیپر	1	×	1	2
میکینک ومستری	2	2	1	5
ٹائپسٹ	1	×	×	1
چپراسی	4	×	3	7
خلاصی	2	×	×	2
چوکیدار	1	×	×	1
اکاؤنٹینٹ	×	1	×	1
میزان	23	5	15	43

(ایسٹرن ٹائمز لاہور یکم نومبر 1946ء)

کشمیر اسٹیٹ سروس

عہدہ	مسلمان	غیر مسلم
ریونیو کمشنر	-	1
چیف انجینئر	-	1
چیف کنزرویٹر آف فارسٹ	-	1
انسپکٹر جنرل کسٹمز	-	1
ڈائریکٹر سول سپلائیز	1	-
ڈائریکٹر میڈیکل سروسز	-	1
گورنر جموں و کشمیر	-	2
سیشن جج	-	3
وزیر وزارت	3	6
کنزرویٹرز آف فارسٹس	-	4
ڈپٹی کنزرویٹرز آف فارسٹس	3	12
ہسپتالوں کے سپرنٹنڈنٹ	1	2
پریس کے سپرنٹنڈنٹ	-	1
ڈائریکٹر وٹرنری سروسز	-	1
ڈائریکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز	-	1
ڈائریکٹر ایگریکلچر	-	1
ڈائریکٹر سوائل کلچر	-	1
انسپکٹر جنرل پولیس	1	1
ایس ایس پی پولیس	-	1
ڈی آئی جی پولیس	-	2
ڈی ایس پی پولیس	2	4
ڈائریکٹر ایجوکیشن	1	-
ڈپٹی ڈائریکٹر خواتین	-	1

کشمیر اسٹیٹ سروس

عہدہ	مسلمان	غیر مسلم
ڈویژنل اسسٹنٹ انجینئر	7	14
گورنمنٹ آرکیٹیکٹ	-	1
چیف انجینئر الیکٹریکل	-	1
الیکٹریکل انجینئرز	2	5
سپرنٹنڈنٹ ٹیلی گراف	-	1
مائننگ آفیسر	-	1
جج	16	8
کالجوں کے پرنسپل	-	3
انسپکٹر آف سکولز	2	1
الیکٹریکل سپروائزر	-	3
ڈپٹی گورنر کشمیر	-	1
ڈپٹی ریونیو کمشنر	-	1
اسسٹنٹ گورنرز	-	2
گیم وارڈن	-	1
اسسٹنٹ گیم وارڈن	-	2
چیف انکم ٹیکس آفیسر	-	1
میزان	27	46

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 19 رجون 1946ء)

ملٹری غلّہ (Grain) شاپس

عہدہ	غیر مسلم	مسلمان	کل تعداد
میزان	74	6	80

(ایسٹرن ٹائمز لاہور۔ یکم نومبر 1946ء)

ریزروبنک آف انڈیا۔ لاہور برانچ

	غیر مسلم	مسلمان	کل تعداد
میزان	372	32	404

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 4 / اپریل 1947ء)

رسول انجینئرنگ سکول☆

گورنمنٹ سکول برائے انجینئرنگ پنجاب میں یکم اگست 1946ء سے 31 / جولائی 1948ء تک کے عرصے کے لیے دکانوں میں سامان فراہم کرنے اور انہیں چلانے کے لیے معزز افراد سے درخواستیں مطلوب ہیں۔ مندرجہ ذیل دکانوں کو چلانا ہے۔

1- مسلم جنرل سٹور
2- ہندو جنرل سٹور
3- مسلم بیکری
4- ہندو بیکری
5- مسلم پھل و سبزی فروش
6- ہندو پھل و سبزی فروش
7- مسلم حلوائی
8- مسلم قصائی

سکول کالونی کی کل آبادی تقریباً ایک ہزار ہے۔ لاگو شرائط جاننے کے لیے درخواستیں 10 / جولائی 1946ء تک پرنسپل کے نام بھیج دیں۔

(ایسٹرن ٹائمز لاہور 29 / جون 1946ء)

(☆ یہ اشتہار ہر سطح پر ہندو مسلم تضاد کی نشاندہی کے لیے دیا گیا ہے)

حوالہ جات

ہر ماخذ اور اس کے مصنف یا مرتب کا پورا نام، ناشر کا مکمل نام اور پتہ اور سال اشاعت وغیرہ صرف ایک مرتبہ وہاں دیئے گئے ہیں جہاں پہلی بار اس ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بعد ازاں جہاں بھی اس کا حوالہ آیا ہے وہاں فقط مصنف یا ماخذ کا معروف نام اور ماخذ کی جلد نمبر دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں ایک ہی ماخذ کا حوالہ اوپر تلے ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے وہاں ''ایضاً'' دے دیا گیا ہے۔ (مرتب)

باب 1: فرقہ وارانہ فسادات اور کانگرس کی حکومت کی تشکیل

1- *Transfer Of Power 1942-47* , Vol. 8, London, 1979, pp. 239-40, 244-46, 254-55, , 267, 293-304

2- Wavell, Lord: *The Viceroy's Journal,* London-Karachi, 1974, p.335.

3- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 261.

4- *Ibid.*, p. 274.

5- Ian Stephens, *Pakistan*, London, 1964, p. 127.

6- Francis Tuker, Sir, *While Memory Serves,* London, 1950, p.161.

7- Stephens, *op. cit.*, p. 129.

8- *The Statesman*, October 1, 1946.

9- Khushwant Singh, *A History Of The Sikhs,* Delhi, 1981, Vol-II, p 269

10- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p.278.

11- *Ibid.*, pp. 279-81

12- *Ibid.*, pp. 289-91

13- Azad, Abu-ul-Kalam, *India Wins Freedom*, Calcutta, 1964, pp. 159-60

14- Tuker, *op. cit.*, p.154.

15- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp.248-49

16- *Ibid.*, p. 253.

17- *Ibid.*, p. 256.

18- *Ibid.*, p. 257.

19- *Ibid.*, pp. 258-59.

20- *Ibid.*, p. 263.

21- *Ibid.*, p. 259.

22- *Ibid.*, p. 262.

23- *Ibid.*, pp. 284-85.

24- *Ibid.*, p. 285.

25- *Ibid.*, pp. 290-91.

26- Azad, *op. cit.*, p.163.

27- *Transfer Of Power, op. cit.,* Vol.8, pp. 306-08.

28- *Ibid.* p. 311.

29- V. P. Menon, *The Transfer Of Power in India*, New Jersey, 1957, p.301.

30- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 321.

(ii) Menon, *op. cit., p. 300.*

31- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p315.

32- *Ibid.* p. 311.

33- (i) *Ibid.* pp.312-13.

(ii) Menon, *op. cit.,* pp. 301-02.

34- Wavell, *op. cit.,* p. 341.

35- *Ibid.* (Note by Penderal Moon, Ed.)

36- Leonard Mosley, *The Last Days Of British Raj*,.London, 1961, pp. 42-44.

37- Piarey Lal, *Mahatma Gandhi - The Last Phase*, Ahmadabad, 1965, Book 1, Vol.1, p. 228.

38- Wavell, *op. cit.,* p. 336.

39۔ محمد یامین خان، سر۔ نامۂ اعمال۔ لاہور۔ 1970۔ جلد دوم۔ ص 961

40- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 246-47.

41- *Ibid.* p. 371.

42- *Ibid.* pp.249-50.

43- *Ibid.* p. 324.

44- Choudhary Khaliq-uz-Zaman, *Pathway To Pakistan*, Lahore, 1961, p. 392.

45- Azad, *op. cit.,* pp. 164-65.

46- Choudhary Mohammed Ali, *The Emergence Of Pakistan,* Lahore, 1973, p. 78.

47- Piarey Lal, *op. cit.,* Book 1, Vol.1, p. 257.

48- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 322.
(ii) Piarey Lal, *op. cit.,* Book 1, Vol.1, pp. 257-58.

49- Piarey Lal, *op. cit.,*Book 1, Vol.1, p.258.

50- Frank Morasse, *India Today,* New York, 1960, p. 118.

51- Stephens, *op. cit.*, p.142.

52- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 322.

53- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 332.
(ii) Wavell, *op. cit.*, p. 343.

54- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p.335.

55- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 329-30.

(ii) Wavell, *op. cit.*, p. 340.

56- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p.328.

57- *Ibid.* p. 236.

58- *Ibid.* pp. 330-31.

59- *Ibid.* pp. 326 - 327.

60- *Ibid.* p. 337.

61- *Ibid.* p. 338.

62- *Ibid.* p. 340.

63- *Ibid.* pp. 344-45.

64- *Ibid.* pp. 352 - 53.

65- *Ibid.* pp. 367- 368.

66- *Ibid.* pp. 353-359.

67- *Ibid.* p 384, 532.

68- *Ibid.* p. 367 - 77.

69- *Ibid.* p. 343.

70- *Ibid.* p. 370.

71- *Ibid.* pp. 387-388.

72- *Ibid.* p.394.

73- *Ibid.* p. 387.

74- Stephens, *op. cit.*, p. 132.

باب 2: بااقتدار کانگرس کی رعونت اور بے اختیار مسلم لیگ کی مصالحت

1 - (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 417-18.
(ii) Wavell, *op. cit.*, pp. 346-47.
2- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p.341.
3- *Ibid.* p. 416.
4- *Ibid.* pp. 430-31.
5- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 439.
(ii) Wavell, *.op. cit.*, p.347.
6- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 398.
7- *Ibid.* p. 434.
8- Menon, *op. cit.*, p. 306.
9- *Ibid.*
10- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 450.
11- *Ibid.* p. 495.
12- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 477.
(ii) Menon, *op. cit.*, p. 307.
13- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 470-71.
14- *Ibid.* pp. 474-75.
15- Wavell, *.op. cit.*
16- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 491-92.
17- Wavell, *.op. cit.*, p.349.
18- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 492-94.

19- *Ibid.* pp. 518-19.

20- *Ibid.* pp. 524-27.

21- *Ibid.* p. 520.

22- *Ibid.* p. 536.

23- *Ibid.* pp. 543-46, 564-67.

24- *Ibid.* pp. 570-72.

25- *Ibid.* pp. 582-83.

26- *Ibid.* pp. 587-88.

27- H. V. Hodson, *The Great Divide,* Karachi, 1969, p. 182.

28- E. W. R. Lumby, *The Transfer Of power In India*, London, 1954, p. 118.

29 - Piarey Lal, *op. cit.*,Book 1, Vol.1, p.261.

30- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 595.

31- *Ibid.* pp. 625-26.

32- Wavell, *op. cit.,* p. *353.*

33- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 548.

34- *Ibid.* p. 629.

35- *Ibid.* p. 634.

36- *Ibid.* p. 636.

37- *Ibid.* pp. 643-44.

38- *Ibid.* pp.650-51, 654-55.

39- *Ibid.* p. 656.

40- Menon, *op. cit.,* p. 312.

41- Wavell, *op. cit.,* p. 355.

43- (i) Mohammed Ali, *op. cit.,* p. 81.

(ii) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 673.

(iii) Menon, *op. cit.,* p. 313.

44- Piarey Lal, *op. cit.*, Book 1, Vol.1, p. 266-68.

45- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 671-72.

46- *Ibid.* pp. 676-77.

47- *Ibid.* p. 694.

48- *Ibid.* pp. 712-13.

49- Azad, *op. cit.,* p. 165.

50- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 740.

51- *Ibid.* p.735.

52- Piarey Lal, *op. cit.*,Book 1, Vol.1, p. 273.

53- Menon, *op. cit.*, p . 317.

54- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 727.

55- *Ibid.* pp. 730-31.

56- *Ibid.* pp.733-34.

57- *Ibid.* p. 742.

58- Piarey Lal, *op. cit.*,Book 1, Vol.1, p. 296.

59- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 761-62.

60- *Ibid.* p. 785.

61- *Ibid.* p. 801.

62- *Ibid.* p. 803.

63- Azad, *op. cit.*, p. 166-67.

64- Mohammed Ali, *op. cit.*, p. 84.

باب3: ہندو بورژوا کے علاقائی عزائم اور زوال پذیر برطانوی سلطنت کی مصلحت

1- Jawaher Lal Nehru, *The Discovery Of India*, Bombay, 1945, p. 569 .

2- *Ibid.* p. 564.

3- Sisir Gupta, *India And Regional Integeration in Asia,* Bombay, 1964, p.33.

4- Nehru, *op. cit.*, p. 567.

5- *Ibid.* p. 575.

6- *Ibid.* p. 580.

7- *Ibid.* pp. 575-76.

8- *Ibid.* p.580.

9- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 585.

10- T. J. S. George, *Krishna Menon,* London, 1964, p. 142.

11- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp.573-74.

12- *Ibid.* pp.619-20.

13- *Ibid.* p. 669.

14- *Ibid.* p. 616.

15- *Ibid.* p. 616.

16- *Ibid.* p. 669.

17- *Ibid.* pp. 696-97.

18- *Ibid.* p. 748.

19- *Ibid.* pp 686-87.

20- *Ibid.* p. 349 (Foot Note)

21- *Ibid.* pp. 415-16.

22- *Ibid.* pp. 640-42.

23- *Ibid.* pp. 645-47.

24- *Ibid.* p. 689.

25- *Ibid.* p. 715.

26- *Ibid.* p. 363.

27- *Ibid.* p. 365.

باب4: فرقہ وارانہ قتل عام اور دونوں پارٹیوں کے مابین معاندانہ تعطل

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 648-50.

2- Wavell, *op. cit.*, pp. 360-61.

3- Tuker, *op. cit.*, pp.168-69.

4- *Ibid.,* p.174.

5- Piarey Lal, *op. cit.*, Book 1, Vol.1, p. 280.

6- Tuker, *op. cit.*, pp. 174-75.

7- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, pp. 753-54.

8- Tuker, *op. cit.*, p. 174.

9- Piarey Lal, *op. cit.*, Book 1, Vol.1, pp. 287-89.

10- Tuker, *op. cit.*, pp. 174-75.

11- Piarey Lal, *op. cit.*,Book 1, Vol.1, p. 291.

12- Tuker, *op. cit.*, p. 176.

13- Piarey Lal, *op. cit.*, Book 1, Vol.1, pp.280, 282, 284-85.

14- *Ibid.,* p. 285.

15- Tuker, *op. cit.*, p.177.

16- *Ibid.*

17- *Ibid.,* pp. 176-77.

18- *Transfer Of Power 1942-47* , Vol. 9, London, 1980, p-18.

19- Wavell, *op. cit.*, p. 370.

20- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 442.

21- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.9, p. 38.

22- *Ibid.,* p. 39.

23- Tuker, *op. cit.*, pp. 181-82.

24- *Ibid.,* p.185.

25- Wavell, *op. cit.,* p. 373.

26- *Ibid.,* p. 374.

27- Tuker, *op. cit.,* p. 184.

28- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-1, Book-2, p. 10.

29- *Ibid.*

30- *Ibid.,* p. 278.

31- *The Pakistan Times*, February 15, 1947.

32- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-1, Book-2, p. 277.

33- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol.8, p. 814.

34- Tuker, *op. cit.,* pp. 195-200.

35- *Ibid.,* p. 196.

36- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 127.

37- Stephens, *op. cit.,* p. 138.

38- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 188.

39- Tuker, *op. cit.,* p. 203.

40- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..8, p. 836.

41- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 42.
(ii) Wavell, *op. cit.,* p. 375.

42- Wavell, *op. cit.,* pp. 367-68.

43- *Times Of India*, October 23, 1946.

44- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..8, pp. 832-34.

45- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 34.

46- Wavell, *op. cit.,* pp. 370-71.

47- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p.1.

48- *Ibid.,* pp. 53-54.

49- *Dawn,* November 15, 1946.

50- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 84-85, 94-96.

51- *Ibid.,* pp. 91-92.

52- *Ibid.,* pp. 103-04.

53- *Ibid.,* pp. 92-94.

54- *Ibid.,* pp. 108-10.

55- *Ibid.,* pp.153-54.

56- *Ibid.,* pp.162-63.

57- *Ibid.,* pp.166-67.

58- Jagdesh Saren Sharma, *India's Struggle For Freedom - Select Documents And Sources,* Delhi, 1962, Vol. 1 pp.735.

59- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 181 (Foot Note).

60- *The Statesman*, November 26, 1946.

61- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 185.

62- *Ibid.,* p. 189.

63- *Ibid.,* pp. 186-87.

64- *Ibid.,* pp. 200-201.

65- *Ibid.,* pp. 239-240.

66- (i) *Ibid.,* pp. 240-243.

(ii) Wavell, *op. cit.*, pp. 386-89.

67- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 246-47.

68- *Ibid.,* pp. 247-48.

69- *Ibid.,* p. 254.

70- *Ibid.,* pp. 249-50.

71- (i) *Ibid.,* pp. 255-60.

(ii) Wavell, *op. cit.*, pp. 390-91.

72- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 262-65.

73- *Ibid.,* pp. 266-67.

74- *Ibid.,* pp. 274-79.

75- *Ibid.,* pp. 280-81.

76- *Ibid.,* p. 283.

77- *Ibid.,* pp. 288-89

78- Wavell, *op. cit.*, p. 392.

79- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 290-92.

80- *Ibid.,* pp. 293-94.

81- *Ibid.,* pp. 296-97.

82- (i) *Ibid.,* pp. 297-300.

(ii) Wavell, *op. cit.*, p. 394.

83- Percival Spear, *India: A Modern History*, Michigan, 1961, p. 415.

84- Menon, *op. cit.*, p. 323.

باب 5: لیگ اور کانگرس کے معاندانہ تضاد کی ناحل پذیری اور ویول کا مرحلہ وار انخلاء کا منصوبہ

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 322-23.

2- Sharma, *op. cit.*, Vol-1, p. 752.

3- *Ibid.,* p. 751.

4- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 312-13.

5- *Ibid.,* pp. 344-45.

6- Sharma, *op. cit.*, Vol-1, p. 762-65.

7- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 318-20.

8- *Ibid.,* p. 318.

9- *Ibid.,* pp. 332-37.

10- *Ibid.,* pp. 346-48.

11- *Ibid.,* pp. 351-55.

12- *Ibid.,* pp. 358-61.

13- *Ibid.,* pp.366-67.

14- *Ibid.,* pp. 385-86.

15- *Ibid.,* pp.386-87.

16- *Ibid.,* pp.399-400.

17- Wavell, *op. cit.*, p. 397.

18- *Ibid.,* p. 398.

19- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 396.

20- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..8, p. 575.

21- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 24.

22- *Ibid.,* pp. 25-29.

23- *Ibid.,* pp.131-33,159.

24- *Ibid.,* pp.138-39.

25- Wavell, *op. cit.*, p. 380.

26- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 208-09.

27- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp.403-05.

(ii) Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-1, Book-2, p. 122-23.

28- Sharma, *op. cit.*, Vol-1, pp. 765-770.

29- *Ibid.,* pp. 770-71.

30- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 407.

31- *Ibid.,* p. 381.

32- *Ibid.,* pp. 213-15.

33- *Ibid.,* p. 232.

34- *Ibid.,* p. 251.

35- *Ibid.,* p. 303.

36- *Ibid.,* p. 310.

37- Wavell, *op. cit.* p. *399.*

38- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 413-14.

39- *Ibid.,* pp. 414-16.

40- *Ibid.,* pp. 416-17.

41- *Ibid.,* pp. 427-31.

42- *Ibid.,* pp. 431-33.

43- *Ibid.,* pp. 445-46.

44- *Ibid.,* pp. 448-49.

45- *Ibid.,* p. 477.

46- *Ibid.,* p. 490.

47- Wavell, *op. cit.* p. 410.

48- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 451-52.

49- *Ibid.,* p. 453.

50- *Ibid.,* p.454.

باب 6: لیگ۔کانگرس معاندانہ تضاد کی ناحل پذیری اور برطانیہ کی دستبرداری کا اعلان

1- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-1, Book-2, pp. 125-27.

2- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 438-439.

3- Wavell, *op. cit.*, p.404.

4- Sharma, *op. cit.*, Vol-1, pp. 771-72.

5- *Ibid.,* pp. 773-76.

6- (i) *Ibid.,* pp. 772-73.

(ii) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 462-63.

7- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 481-82.

8- *Ibid.,* p. 497.

9- *Ibid.,* pp. 535-37.

10- *Ibid.,* pp. 613-14.

11- *Dawn*, January 26 1948.

12- *The Statesman*, January 27, 1947.

13- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-1, Book-1, pp. 173-74.

14- *Ibid.,* p. 174.

15- Sharma, *op. cit.*,Vol-1, p. 77.

16- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 513.

17- Menon, *op. cit.*, p. 333.

18- Wavell, *op. cit.*, p. 414.

19- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 501.

20- Wavell, *op. cit.*, p. 414.

21- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 563.

22- *Ibid.,* p. 551.

23- *Ibid.,* p. 556.

24- *Ibid.,* pp. 586-92.

25- *Ibid.,* pp. 594-95.

26- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-1, Book-2, p. 174.

27- *Ibid.,* pp. 176-77.

28- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 626.

29- *Ibid.,* pp. 650-51.

30- *Ibid.,* p. 656.

31- *Ibid.,* p. 661.

32- *Ibid.,* p. 663.

33- *Ibid.,* pp. 510-11.

34- *Ibid.,* p. 552.

35- *Ibid.,* pp. 553-554.

36- *Ibid.,* p. 569.

37- *Ibid.,* pp. 582-583.

38- *Ibid.,* p. 624.

39- Wavell, *op. cit.*, p. 419.

40- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p.653.

41- *Ibid.,* pp. 670-71.

42- *Ibid.,* pp. 674-75.

43- *Ibid.,* pp. 688-89.

44- Menon, *op. cit.*, p. 337.

45- *Ibid.,* p. 336.

46- *Wavell, op. cit.*, p. 421.

47- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 444-45.

48- *Ibid.,* p. 492.

49- *Ibid.,* p. 618.

50- *Ibid.,* p. 620.

51- *Ibid.,* pp.628-30.

52- *Ibid.,* p. 639.

53- *Ibid.,* p. 647.

54- *Ibid.,* p. 688.

55- *Ibid.,* pp. 698-702.

56- *Ibid.,* pp. 731-32.

57- *Ibid.,* p. 739.

58- *Ibid.,* p. 761.

59- *Ibid.,* pp. 705-10.

60- *Ibid.,* pp. 729-30.

61- *Ibid.,* pp.733-34.

62- *Ibid.,* p. 741.

63- *Ibid.,* p. 763.

64- *Ibid.,* pp. 773-74.

65- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-1, Book-1, p. 206.

66- *The Pakistan Times*, February 23, 1947.

67- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 785.

68- *Ibid.* p. 786.

69- Azad, *op. cit.*, p. 178.

70- Lumby, *op. cit.*, pp. 138-39.

71- *Ibid.* p. 137.

72- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 465-72.

73- *Ibid.* pp. 514-15, 550.

74- Mohammad Ali, *op. cit.*, pp. 97-98.

75- Azad, *op. cit.*, pp. 125-27, 177-78.

76- Hodson, *op. cit.,* pp. 185-86, 203.

77- Stephens, *op. cit.,* p. 172.

78- Russel Brines, *The Indo Pakistani Conflict*, London, 1968, pp. 40-60.

79- Wavell, *op. cit.,* pp. 410-11.

80- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp.524-25.

81- *Ibid.* p. 585.

82- *Ibid.* p. 530.

83- *Ibid.* p. 538.

84- *Ibid.* pp. 574-75.

85- *Ibid.* pp. 597-602.

86- *Ibid.* p. 684.

87- *Ibid.* p. 707.

88- Azad, *op. cit.,* pp. 169-71.

89- Hodson, *op. cit.,* p. 280.

90۔ فیروز خان نون، چشم دید، لاہور، 1974، ص 306

باب 7: پنجاب میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے مابین جنگ اقتدار

1- Azad, *op. cit.,* pp 128-30.

2- Stephens, *op. cit.,* pp. 169-70.

3- Moon, Penderal, *Divide And Quit*, London, 1964. pp. 71-72.

4- Tuker, *op. cit.,* pp. 219-20.

5۔ نون، محولہ بالا، ص303

6۔ ایضاً، ص291

7- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p.573.

8- *Ibid.*, p.654.

9- *Ibid.*, p. 627.

10- *Ibid.*, p. 655.

11- *Ibid.*, p. 681.

12- *Ibid.*, p. 691.

13- Wavell, *op. cit.*, p. 418.

14- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp.729-30.

15- *Ibid.*, p. 815.

16- Moon, *op. cit.*, p. 76.

17- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p.830.

18- *Ibid.*, p.829.

19۔ ظفراللہ خان، سر، تحدیث نعمت، ڈھاکہ، 1971، ص 495

20۔ ایضاً، ص494

21- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 815.

22- *Ibid.*, p. 826.

23- *Ibid.*, pp. 831-32.

24- *Ibid.*, p. 833-34.

25- *Ibid.*, p. 851.

26- *Ibid.*, pp. 853-54.

27- *Ibid.*, p. 854.

28- *Ibid.*, p. 865.

29- *Ibid.*, p. 875.

30- *Ibid.*, p. 889.

31- S. M. Ikram, *Modern Muslim India and Birth of Pakistan*, Lahore, 1970, p. 400.

32- Moon, *op. cit.*, p. 77.

33- Tuker, *op. cit.*, p. 227

34۔ نور احمد، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، لاہور، 1966، ص 282-83

35- *The Pakistan Times*, March 6, 1947.

36- Piarey Lal, *Mahatma Gandhi - The Last Phase*, Ahmadabad, 1958, Vol.2, p. 832.

37- *The Pakistan Times*, March 6, 1947.

38- *Hindustan Tmes*, March 5, 1947.

39۔ نون، محولہ بالا، ص۔ 284

40- Moon, *op. cit.*, p. 83-84.

باب 8: کانگرس کی طرف سے تقسیم پنجاب کا مطالبہ

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 901.

2- *Ibid.* pp. 898-99.

3- (i) *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 908.
(ii) Wavell, *op. cit.*, p. 426.

4- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 925.

5- *Ibid.* pp. 952-53, 960.

6- Lumby, *op. cit.*, pp. 150-51.

7- Mohammad Ali, *op. cit.*, pp. 121-22.

8- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 990-91.

9- *Ibid.* pp. 914-16.

10- *Ibid.* pp. 876-77.

11- Menon, *op. cit.*, pp. 358-59.

12- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 819.

13- Menon, *op. cit.*, p. 348.

14- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 870-71.

15- Wavell, *op. cit.*, p. 429

16- *Ibid.* p. 430.

17- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 1009-1010.

18- Azad, *op. cit.*, pp175-76.

19- *Ibid.* pp. 167-68.

20- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 921-24.

21- *Ibid.* pp. 948-51.

22- (i) Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-2, p. 83.

(ii) - Ikram, *op. cit.*, p.414.

23- Mohammad Ali, *op. cit.*, p.112.

24- Hodson, *op. cit.*, p. 235.

25- Menon, *op. cit.*, p. 106.

باب 9: ہندو بورژوا اور برطانوی سامراج کے باہمی مفادات اور نئے وائسرائے کی آمد

1- Menon, *op. cit.*, pp. 358-59.

2- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 820.

3- *Ibid.* p. 890.

4- *Ibid.* p. 920.

5- *Ibid.* p. 822.

6- *Ibid.* p. 835.

7- *Ibid.* p. 955.

8- *Ibid.* p. 994.

9- Tuker, *op. cit.*, pp. 365-66.

10- *Ibid.* pp. 211-12.

11- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 939-40.

12- *Ibid.*

13- *Ibid.* pp 943-44.

14- *Ibid.* p.983-85.

15- *Ibid.* p. 1004.

16- *Ibid.* p. 1011.

17- Larry Collins and Dominique Lapierre, *Freedom At Midnight,* London, 1975, p. 8.

18- Alan Campbel Johnson, *Mission With Mountbatten,* London, 1951, pp. 17-18.

19- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 972-74.

20- Rejni Palme Dutt, *The Crisis of Britain And the British Empire,* london, 1957, p. 159.

21- Menon, *op. cit.*, p. 242.

باب 10: برصغیر کو متحد رکھنے یا منقسم کرنے کے بارے میں ماونٹ بیٹن کا ابتدائی جائزہ

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, p. 926.

2- Wavell, *op. cit.*, p. 428.

3- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..9, pp. 967-68.

4- *Ibid.* p. 1005.

5- Larry Collins and Dominique Lapierre, *op. cit.*, pp. 80-81.

6- *Transfer Of Power 1942-47* , Vol. 10, London, 1981, pp.10, 11-13.

7- *Ibid.*, pp. 16-17.

8- *Ibid.*, pp. 11-13.

9- *Ibid.*, pp. 15-16.

10- *Ibid.*, p. 18.

11- *Ibid.*, pp. 43-44.

12- *Ibid.*, p. 35.

13- *Ibid.*, pp. 36-37.

14- *Ibid.*, p. 47.

15- *Ibid.*, pp.49-51.

16- *Ibid.*, p. 55.

17- *Ibid.*, p. 69.

18- *Ibid.*, p. 84.

19- *Ibid.*, pp. 123-24.

20- *Ibid.*, p. 133.

21- *Ibid.*, p. 127.

22- *Ibid.*, p. 37.

23- Azad, *op. cit.*, pp. 184-87.

24- *Ibid.*, pp. 187-88.

25- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 86.

26- *Ibid.*, p. 103.

27- *Ibid.*, p. 121.

28- *Ibid.*, p. 197.

29- *Ibid.*, p. 212.

30- *Ibid.*, p. 211.

31- *Ibid.*, pp. 100-101.

32- *Ibid.*, pp. 137-38.

33- *Ibid.*, pp. 142-44.

34- *Ibid.*, pp. 149-50.

35- *Ibid.*, pp. 159-60.

36- *Ibid.*, pp. 163-64.

37- *Ibid.*, pp. 186-88.

38- *Ibid.*, p. 300.

39- *Ibid.*, p. 279.

40- *Ibid.*, pp. 213-14.

41- *Ibid.*, p. 216.

42- Hodson, *op. cit.*, p.245.

43- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 6.

44- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-2, p 84.

45- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p.203.

46- *Ibid.*

47- *Ibid.*, p. 264.

48- *Ibid.*, pp. 293-94.

49- *Ibid.*, pp. 45-46.

50- *Ibid.*, p. 88.

51- *Ibid.*, pp. 90-91.

52- *Ibid.*, p. 105.

53- *Ibid.*, pp. 172-75.

54- (i) - *Ibid.*, pp.119, 167.

(ii) - Khushwant Singh, *op. cit.* Vol-2, p. 272.

55- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, pp. 207-9.

56- *Ibid.*, p. 201.

57- *Ibid.*, p. 210.

58- *Ibid.*, p. 102.

59- *Ibid.*, pp. 250-55.

60- *Ibid.*, pp. 259-60.

61- *Ibid.*, pp. 270-75.

62- *Ibid.*, p. 223.

63- *Ibid.*, pp. 301-2.

64- *Ibid.*, p. 87.

65- *Ibid.*, p. 99.

66- *Ibid.*, pp. 276-77.

67- *Ibid.*, p. 219.

68- *Ibid.*, pp. 151-52.

69- *Ibid.*, pp. 222-23.

70- *Ibid.*, pp. 224-25.

71- Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 132.

72- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, pp. 195-96.

73- *Ibid.*, pp. 201-25.

74- *Ibid.*, p. 179.

75- *Ibid.*, p. 285.

76- *Ibid.*, p. 280.

77- *Ibid.*, p. 261 (foot note)

78- *The Civil & Military Gazzette*, April 13, 1947.

79- *Dawn,* April 14, 1947.

باب 11: صوبائی خودمختاری کی بنیاد پر تقسیم ہند کا ابتدائی منصوبہ

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p.320.

2- *Ibid.*, pp. 331-32.

3- *Ibid*., pp. 338-39, 341.

4- *Ibid*., pp. 348-49.

5- *Ibid*., pp. 357-58.

6- *Ibid*., pp. 359-60.

7- *Ibid*., pp. 363-64.

8- *Ibid*., pp. 380-82.

9- *Ibid*., p. 407.

10- *Ibid*., pp. 426, 540.

11- *Ibid*., pp. 507-08.

12- *Ibid*., pp. 434, 535.

13- *Ibid*., pp. 416-17.

14- *Ibid*., p. 540.

15- *Ibid*., pp. 496, 499, 553.

16- *Ibid*., p. 488.

17- *Ibid*., pp. 488-89.

18- *Ibid*., pp. 491-92.

19- *Ibid*., pp. 535-36.

20- *Ibid*., p. 362.

21- *Ibid*., p. 530.

22- *Ibid*., p. 567-68.

23- *Ibid*., p. 566.

24- *Ibid*., pp. 581-82, 583, 592, 599, 608.

25- *Ibid*., pp. 611-13.

26- *Ibid*., pp. 671-72.

27- *Ibid.*, p. 698.

28- *Ibid.*, p. 697.

29- *Ibid.*, p. 452.

30- *Ibid.*, p. 512.

31- *Ibid.*, p. 479.

32- *Ibid.*, pp. 437.

33- Dawn, May 1, 1947.

34- Khushwant Singh, *op. cit.*, p. 290 (foot note)

35- *Ibid.*, p. 291.

36- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 321 (foot note)

37- *Ibid.*, pp. 694-96.

38- Khushwant Singh, *op. cit.*, p. 290.

39- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 370.

40- *Ibid.*, pp. 468-70.

41- *Ibid.*, pp. 490, 520-21, 595-98.

42- *Ibid.*, pp. 644-46.

43- *Ibid.*, pp.506, 529, 598, 605-06.

44- *Ibid.*, p. 632.

45- Tuker, *op. cit.*, p. 256.

46- Menon, *op. cit.*, p. 355.

47- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 371.

48- *Ibid.*, pp. 415-16.

49- *Ibid.*, pp. 391-93, 455-57.

50- *Ibid.*, p. 471.

51- *Ibid.*, pp.472-73.

52- *Ibid.*, pp.482-83.

53- *Ibid.*, pp.448-49.

54- *Ibid.*, p. 450.

55- *Ibid.*, pp. 452.

56- *Ibid.*, pp.479.

57- *Ibid.*, pp. 554-55.

58- *Ibid.*, pp. 509-11.

59- *Ibid.*, p. 586.

60- *Ibid.*, pp.651-52.

61- *Ibid.*, pp.737-47.

62- Hodson, *op. cit.*, p. 236.

63- Mohammad Ali, *op. cit.*, p.113.

64- Menon, *op. cit.*, p.354.

65- *Ibid.*, p.355.

66- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-2, p.165.

67- Lumby, *op. cit.*, p. 78.

68- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, pp. 518-19.

69- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-2, p.153.

70- *Ibid.*, p.154.

71- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 337 (foot note No. 2)

72- Leonard Mosley, *op. cit.*, p. 248 , quoting R. C. Mojamdar pp-796-97.

73- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-2, p. 148.

74- *Ibid.*, p. 153.

75- Hodson, *op. cit.*, pp. 182, 247.

76- C. H. Phillips & Mary Dorian Wainright, *The Partition of India*, London, 1970, p. 355.

77- Tuker, *op. cit.*, p. 257.

78- Phillips & Wainright, *op. cit.*, p. 355.

79- R. C. Mojamdar, *History of Freedom Movement in India,* Lahore, 1979, Vol. IV, pp. 801-02.

80- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p.624.

81- *Ibid.*, pp. 311-13.

82- *Ibid.*, p. 320.

83- *Ibid.*, p. 314.

84- *Ibid.*, pp. 372-73.

85- *Ibid.*, pp. 376-77.

86- *Ibid.*, pp. 438-40.

87- *Ibid.*, pp. 437-38.

88- *Ibid.*, p. 524.

89- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-2, p.166.

90- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 332.

91- *Ibid.*, p. 479.

92- *Ibid.*, p. 659.

93- *Ibid.*, pp. 673, 699.

94- *Ibid.*, pp. 703-04.

95- *Ibid.*, pp. 714, 716-17.

96- *Ibid.*, p. 740.

97- *Ibid.*, p. 729.

98- *Ibid.*, p. 734.

99- *Ibid.*, pp. 731-36.

100- Michael Brecher, *Nehru: A Political Biography,* Oxford, 1959, pp. 410-12.

101- B. M. Kol (Lt. Gen.) , *The Untold Story*, Karachi, 1967, pp 85-86.

102- Azad, *op. cit.*, p.184.

103- Johnson, *op. cit.*, p. 55.

باب 12: کانگرس کی منشاء کے مطابق ترامیم کے بعد تقسیم ہند کا اعلان

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, pp. 756, 766-771.

2- (i)- *.Ibid.* pp. 762, 764, 765.

(ii)- Menon, *op. cit.*, p.365.

3- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 761.

4- *Ibid.* p. 815.

5- *Ibid.* p.780.

6- *Ibid.* p. 806.

7- (i) Ishtiaq Hussain Qureshi, Dr. *The Struggle For Pakistan,* Karachi, 1974, p 292.

(ii) Menon, *op. cit.*, p. 365.

8- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, pp. 806-12.

9- *Ibid.* pp.781-82.

10- *Ibid.* pp.841-42.

11- Johnson, *op. cit.*, p.93.

12- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, pp.876-78.

13- *Ibid.* pp. 896-901.

14- *Ibid.* pp. 939-40.

15- *Ibid.* p. 970.

16- *Ibid.* pp. 981-82.

17- *Ibid.* p. 945.

18- *Ibid.* p. 955.

19- *Ibid.* pp. 965-66.

20- *Ibid.* pp. 772-73.

21- *Ibid.* pp. 849-50.

22- *Ibid.* pp. 865-66.

23- *Ibid.* pp. 852-53.

24- *Ibid.* p. 871.

25- *Ibid.* p. 889.

26- *Ibid.* pp. 905-06.

27- *Ibid.* pp. 903-05.

28- *Ibid.* pp. 917-18.

29- *Ibid.* p. 941.

30- *Ibid.* pp. 926-27.

31- *Ibid.* p. 931.

32- Piarey Lal, *op. cit.*, Vol-2, pp. 180, 185.

33- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 1013.

34- *Ibid.* pp. 1014-15.

35- *Ibid.* pp. 1023-26.

36- *Transfer Of Power 1942-47*, Vol. 11, London, 1982, p.1

37- *Ibid.* pp. 2-3.

38- *Ibid.* p. 158.

39- *Ibid.* p. 20.

40- *Ibid.* p. 35.

41- *Ibid.* p. 38.

42- *Ibid.* p. 163.

43- *Ibid.* p. 77.

44- Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 153; quoting *Keesing's Contemporary Archives* (Bristol: Keesing's Publications, 1946-48).

45- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 108.

46- *Ibid.* pp.86-87.

47- *Ibid.* p. 96.

48- *Ibid.* pp.97-98.

49- *Ibid.* pp. 131-32.

50- Menon, *op. cit.*, p. 382.

51- Azad, *op. cit.*, p 198.

52- *Ibid.* p. 207.

53- Mosley, *op. cit.*, p. 248.

54- Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 137.

55- Johnson, *op. cit.*, p. 23.

56- Hodson, *op. cit.*, p. 186.

57, Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 138; quoting Ismay, *Memoirs*, pp. 417-18, (London: 1960)

58- Stephens, *op. cit.*, p. 199-201

59- Brines, *op. cit.*, p. 60-61.

60- Lumby, *op. cit.*, p. 261

61۔ ظفراللہ ، محولہ بالا، ص 514

باب 13: تقسیم کی تفصیلات میں برطانوی سامراج اور ہندو بورژوا کے مشترکہ عزائم

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 137.

2- *Ibid.*, p. 144.

3- *Ibid.*, pp. 219-20.

4- *Ibid.*, p. 238.

5- *Ibid.*, p. 288.

6- *Ibid.*, pp. 344-48.

7- *Ibid.*, pp. 349, 359.

8- *Ibid.*, pp. 392-94.

9- *Ibid.*, pp. 394-95.

10- *Ibid.*, p. 481.

11- *Ibid.*, pp. 497.

12- *Ibid.*, pp. 523.

13۔ فضل مقیم، میجر جنرل، تنگ وتاز جاودانہ، لاہور، 1967، ص ص 21-20

14- Mohammad ALi, *op. cit.*, p. 186.

15- *Ibid.*

16- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 295.

17- *Ibid.*, p. 166.

18۔ فضل مقیم، محولہ بالا، ص 21

19- Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 187.

20- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 582.

21- *Ibid.*, pp. 682-83.

22- *Ibid.*, p. 402.

23- *Ibid.*, pp. 582-83.

24- *Ibid.*, p. 468.

25- *Ibid.*, pp. 683-84, 709-11.

26- *Ibid.*, p. 750.

27- *Ibid.*, pp. 805-06.

28- *Ibid.*, pp. 815-16.

29- *Ibid.*, pp. 801-02.

30- *Ibid.*, p. 681.

31- *The Pakistan Times*, June 22, 1947.

32- *Ibid.*, June 24, 1947.

33- *Ibid.*, June 27, 1947.

34- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 896.

35- *Ibid.*, pp. 566-67.

36- Johnson, *op. cit.*, p. 118.

37- Khushwant Singh, *op. cit.*, p. 276.

38- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, pp. 331-32.

39- *Ibid.*, pp. 760-63.

40- *Ibid.*, p. 884.

41- *Ibid.*, pp. 692-93.

42- *Ibid.*, pp. 846-47.

43- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, p. 944.

44- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 150.

45- *Ibid.*, pp.172-73.

46- *Ibid.*, pp. 262-63.

47- *Ibid.*, p. 415.

48- *Ibid.*, p. 527.

49- *Ibid.*, pp. 730-31.

50- *Ibid.*, pp. 799-800.

51- *Ibid.*, pp. 820-21, 870-71.

52- *Ibid.*, pp. 832, 870-71.

53- *Ibid.*, p. 910.

54- *Ibid.*, p. 878.

55- *Ibid.*, p. 889.

56- *Ibid.*, p. 591.

57- *Ibid.*, p. 595.

58- *Ibid.*, p. 810.

59- *Ibid.*, pp. 943-44.

60- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..10, pp. 774-75.

61- *Ibid.*, pp. 872-73.

62- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, pp. 885-86.

63- *Ibid.*, p. 899-900.

64- Hodson, *op. cit.*, p. 331.

65- Johnson, *op. cit.*, p. 127.

66- Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 177.

67- Stephens, *op. cit.*, p. 214.

68- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 898.

69- Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 175.

70- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p. 898.

71- Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 178.

72- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, pp. 379, 767.

73- *Ibid.*, p. 966.

74- *Ibid.*, p. 974.

75- *Ibid.*, pp. 917-20.

76- *Ibid.*, p. 921.

77- *Ibid.*, pp. 980-81.

78- *Ibid.*, p. 34.

79- *Ibid.*, pp. 122-23, 322-25.

80- *Ibid.*, pp. 371-74.

81- (i) *Ibid.*, p. 935.

(ii) *Transfer Of Power 1942-47* , Vol. 12, London, 1983, p.7.

82- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, pp.183-84, 190-91.

83- *Ibid.*, pp. 390-91.

84- *Ibid.*, pp. 517-18.

85- *Ibid.*, p. 705.

86- *Ibid.*, pp. 586-87, 608, 617, 721-26.

87- *Ibid.*, pp. 554-555.

88- *Ibid.*, p. 601.

89- *Ibid.*, pp. 863-65, 907.

90- *Ibid.*, pp. 933-34.

باب 14: تقسیم پر عمل درآمد اور قیام پاکستان

1- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..12, p. 13.

2- *Ibid.*, p. 22.

3- *Ibid.*, pp. 66-77, 90, 106, 166.

4- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..11, p.121.

5- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..12, pp. 163-64.

6- *Ibid.*, p. 329.

7- *Ibid.*, pp. 190-91, 234

8- *Ibid.*, pp. 241-42.

9- *Ibid.*, p. 380.

10۔ ظفراللہ، محولہ بالا، ص 500

11- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol. 12, p. 64.

12- *Ibid.*, pp. 17-18.

13- *Ibid.*, pp. 72-74.

14- *Ibid.*, p. 103.

15- *Ibid.*, pp.58-59.

16- *Ibid.*, pp.117-20.

17- *Ibid.*, p. 148.

18- *Ibid.*, pp. 240-41.

19- *Ibid.*, p. 621.

20- *Ibid.*, pp. 429-31.

21- *Ibid.*, p. 428.

22۔ ظفراللہ، محولہ بالا، ص ص 510, 507

23- Mohammad Ali, *op. cit.*, p.218.

24- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..12, pp. 662-63.

25۔ ظفراللہ، محولہ بالا، ص 511

26- Mohammad Ali, *op. cit.*, pp. 215-16. quoting Mount Batten, *Time Only To look Forward*, N Kaye, London, 1949, p.30.

27- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..12, p. 447.

28- *Ibid.*, pp.555-56, 592, 688.

29- *Ibid.*, pp. 213-14.

30- *Ibid.*, p. 509.

31- *Ibid.*, p. 769.

32- *Ibid.*, p. 279.

33- *Ibid.*, p. 579.

34- India Office Record (British Museum Library), File No. L/ P&J / 10 / 119, Folio No. 108.

35- *Ibid.*, Folio Nos.105, 107, 166.

36- *Ibid.*, Folio No. 103.

37- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..12, p. 579.

38- India Office Record (British Museum Library), File No. L/ P&J / 10 / 119, Folio No. 96.

39- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol. 12, pp. 619-20.

40۔ نون، محولہ بالا، ص 301

41- (i) Mohammad Ali, *op. cit.*, p. 178.

(ii) ظفراللہ، محولہ بالا، ص 517

42- S. M. Burke, *Mainsprings Of Indian And Pakistani Foreign Policies,* Karachi/Lahore, 1975, p. 73.

43- Hodson, *op. cit.*, p 513.

44۔ ظفراللہ، محولہ بالا، ص 513

45- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol. 12, p.196.

46- *Ibid.* p. 201.

47- *Ibid.* pp. 315-19.

48- Hodson, *op. cit.*, p 514.

49- *Ibid.* p. 512.

50- Larry Collins and Dominique Lapierre, *op. cit.*, pp. 166-67, 195.

51- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol..12, p.595.

52- *Ibid.* pp. 566, 595.

53- Larry Collins and Dominique Lapierre, *op. cit.*, pp. 242-43.

54- *Ibid.* p.246.

55- *Transfer Of Power, op. cit.*, Vol. 12, pp. 772, 776.

56- *Ibid.* p. 770.

57- *Ibid.* pp. 311, 401.

58- (i) *Ibid.* p. 647

(ii) *The Pakistan Times*, August 17, 1947.

59- *Constituent Assembly of Pakistan Debates, Official Report*, Karachi, 1947, Vol. 1, No. 1

60- *Ibid.,* 1947, Vol. 1, No. 1; 1948, (Vols. 1 & 2)

61- *The Pakistan Times*, July, 15, 1947.

62- Mojamdar, *op. cit.*, Vol. IV. pp. 800-801.

کتابیات

کتب (انگریزی)

1- Azad, Abu-ul-kalam, *India Wins Freedom*, Orient Longmans, Calcutta, 1964.

2- Bannerji, A. C. and Bose, D. R. , *The Cabinet Mission In India*, A. Mukher Jee & Co., Calcutta, 1946.

3- Brecher, Michael, *Nehru : A Political Biography*, Oxford, 1959.

4- Brines, Russel, *The Indo Pakistani Conflict*, Pall Mall Press, London, 1968.

5- Burke, S. M., *Mainsprings Of Indian And Pakistani Foreign Policies,* Oxford University Press, Karachi / Lahore, 1975.

6- Collins, Larry, and Lapierre, Dominique, *Freedom At Midnight,* Collins, London 1975.

7- Dutt, Rijni Palme, *The Crisis of Britain and the British Empire,*Lawrence and Wishart Ltd., London, 1957.

8- George, T. J. S., *.Krishna Menon,* Jonathan Cape, London, 1964

9- Gupta, Sisir, *India And Regional Integeration in Asia,* Asia Publishing House, Bombay, 1964

10- Hodson, H. V., *The Great Divide,* Hutchinson of London, 1969.

11- Ikram,S. M. *Modern Muslim India and Birth of Pakistan*, Sheikh Mohammed Ashraf, Lahore, 1970.

12- Johnson, Alan Campbel - *Mission With Mountbatten,* Robert Hale Ltd., London, 1951.

13- Khaliq-uz-Zaman, Choudhary, *Pathway To Pakistan*, Lahore, 1961.

14- Khushwant Singh, *A History Of The Sikhs,* Oxford University Press, Delhi, 1981.

15- Kol, B. M. (Lt. Gen.) , *The Untold Story*, Union Bookstall, Karachi, 1967,

16- Lumby, E. W. R., *The Transfer Of power In India,* George Allen and Unwin Ltd, London,1954.

17- Menon, V. P, *The Transfer of Power in India*, Princeton, New Jersey, 1957.

18- Mohammad Ali, Choudhary, *The Emergence Of Pakistan*, University Of Punjab Lahore, 1973.

19- Mojamdar, R. C., *History Of The Freedom Movement In India,* Book Traders, Lahore, 1979.

20- Moon, Penderal, *Divide And Quit*, London, Chatto And Windus, 1964.

21- Mosley, Leonard *The Last Days Of British Raj*, Weidenfeild and Nicolson, London, 1961,

22- Morasse, Frank, *India Today,* The Macmillan Company, New York, 1960,

23- Nehru, Jawaher Lal, *The Discovery Of India*, Asia Publishing House, Bombay, 1945,

24- Phillips, C. H., and Wainright, Mary Doreen, *The Partition Of India*, London, 1970.

25- Piarey Lal, *Mahatma Gandhi - The Last Phase*, Nava Jivan Publishing House, Ahmadabad, Vol. 1, Book 1 & 2, 1965, Vol. 2, 1958.

26- Qureshi, Ishtiaq Hussain, *The Struggle For Pakistan,* University Of Karachi, Karachi, 1974.

27- Qureshi, M. Aslam, *Anglo - Pakistan Relations,* Research Society Of Pakistan, Punjab University, Lahore, 1976.

28- Sharma, Jagdesh Saren , *India's Struggle For Freedom - Select Documents And Sources,* Chand And Company, Delhi, 1962.

29- Spear, Percival, *India: A Modern History*, Michigan, 1961,

30- Stephens, Ian , *Pakistan*, Penguin Books, London, 1964.

31- Tuker, Francis Sir, *While Memory Serves,* Cassel and Company Ltd., London, 1950

32- Wavell, Lord, *The Viceroy's Journal,* Edited by Penderal Moon, Oxford University Press, London- Karachi, 1974.

کتب (اردو)

1۔ ظفراللہ خان، سر، تحدیث نعمت، ڈھاکہ بے نیولینٹ ایسوی ایشن، ڈھاکہ، 1971ء

2۔ فضل مقیم، میجر جنرل، تگ وتاز جاودانہ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لاہور، 1967ء

3۔ فیروز خان نون۔ چشم دید۔ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔ 1974ء

4۔ نور احمد، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، لاہور، 1966ء

5۔ محمد یامین خان، سر۔ نامہء اعمال۔ آئینۂ ادب۔ لاہور ۔ 1970ء

اخبارات وجرائد (انگریزی)

1- *Dawn,* Delhi & Karachi (files from 1946 to 1947).

2- *Hindustan Times*, Delhi (file 1947).

3- *The Civil And Military Gazette,* Lahore (files from 1946 to 1947).

4- *The Eastern Times*, Lahore (files from 1944 to1947).

5- *The Pakistan Times*, Lahore (file 1947).

6- *The Statesman*, (file 1945).

7- *Times Of India*, (file 1946).

اخبارات و جرائد (اردو)

1۔ نوائے وقت۔لاہور (فائلیں 1946 تا 1947).

دستاویزات، سرکاری ریکارڈ

1- *Constituent Assembly of Pakistan Debates, Official Report*, Manager Of Publications, Government of Pakistan, Karachi, 1947.

2- India Office Record (British Museum Library), File No. L/ P&J / 10 / 119 .

3- *Transfer Of Power 1942-1947*, (12 Vols), Editor-in-Chief: Nicholas Mansergh, Editor: Penderal Moon, Her Majesty's Stationary Office, London,
Vol. 8, 1979
Vol. 9, 1980
Vol. 10, 1981
Vol. 11, 1982
Vol. 12, 1983

آ

ا

ب

چ

ح

خ

و

ڈ

ش

ظ

ع

ن